سلسلۂ نصابیات سررشتۂ تعلیمات جامعۂ عثمانیہ

معاشی تاریخ ہند

جلد دوم

عہد ملکۂ وکٹوریہ

ملکۂ وکٹوریہ کی تخت نشینی (۱۸۳۷ عیسوی) سے بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک

تالیف

رامیش دت، سی - آئی - ای

ترجمہ

محمد نصیر الدین خاں ایم - اے (ایڈنبرا)

۱۳۵۵ھ م ۱۳۴۵ف م ۱۹۳۶ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

آج سے چھ سال پہلے لندن میں ایک جشن منایا گیا تھا جس میں برطانوی شاہنشاہی کے اتحاد کی گویا جیتی جاگتی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھرتی تھیں۔ ملکہ کے عہد کی شصت سالہ جوبلی میں شرکت کی غرض سے برطانوی نوآبادیات اور عملداریوں سے لوگ آکر ایک جگہ جمع ہوئے تھے۔ ہندوستان کے والیان ریاست و فاکیش اہل کینیڈا اور جفاکش اہل آسٹریلیا کے شانہ بشانہ استادہ تھے۔ اظہار مسرت کے اس موقع پر سب لوگوں میں ایسا جوش و خروش پھیلا ہوا تھا کہ ان جزائر کے باشندوں نے اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا نہ سنا۔ اس عالمگیر شاہنشاہی کا اتحاد جن زمانہ دراز کے جرأت آزما مہمات سنگین معرکوں اور دانشمندانہ مصالحت کی بناء پر مستحکم ہوا تھا اُن تاریخی واقعات کی یاد اصحاب غور و فکر کے دلوں میں اس جشن سے تازہ ہوتی تھی۔ مختلف ارض و بلاد میں بسی ہوئی قومیں باہم ملکر موقع کے شایان جشن منانے میں شریک تھیں۔

لیکن ایک دردناک خیال لوگوں کے دماغوں کو پریشان کر رہا تھا۔ شاہنشاہی کے تمام اقطاع میں جہاں ترقی اور خوش حالی کے آثار نمایاں تھے ہندوستان اکیلا تھا جہاں افلاس و مصائب کا منظر پیش نظر تھا۔ ۱۸۹۶ء عیسوی میں ایک ایسے شدید

عالمگیر قحط سے جیسا اس سے پہلے کبھی نہیں پڑا تھا ملک تباہ و تاراج ہوگیا تھا۔ اس طرح شاہنشاہی کا آبادترین حصہ ہی شاہنشاہی کی خوش حالی میں شریک نہ تھا۔ انگلستان کی اس سب سے بڑی عملداری ہی میں انگلستان کے پرچم کے نیچے دولت کی فراوانی، صنعت و حرفت کی ترقی اور زراعت کا نشو و نما کہیں نہیں ہوا تھا۔

۱۸۹۶ء عیسوی تک یہ قحط باقی رہا۔ ۱۸۹۹ء عیسوی میں کچھ سکون ہوا نہ تھا کہ سنہ ۱۹۰۱ء عیسوی میں پھر قحط رونما ہوا جس سے پہلے سے بھی زیادہ رقبہ متاثر ہوا اور جس کا اثر بھی پہلے سے زیادہ مدت تک باقی رہا۔ یہ بلائے مہیب تین سال تک نہ ٹلی اور لاکھوں آدمی اس سے ہلاک ہوئے۔ ہزارہا لوگ ابھی امدادی قیام گاہوں ہی میں پناہ گزیں تھے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس نہ ہوئے تھے کہ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء عیسوی میں دہلی دربار منعقد کیا گیا۔

ہندوستان اور شاہنشاہی کے دیگر اقطاع کے درمیان جو معاشی خلیج حائل ہے وہ چند سال سے اور زیادہ عریض ہوگئی ہے۔ کینیڈا اور دیگر نوآبادیات میں دہی کی آبادی کے لحاظ سے سالانہ آمدنی فی کس (۴۸) پونڈ اور برطانیہ عظمیٰ میں فی کس (۴۲) پونڈ ہوتی ہے لیکن ہندوستان میں خود سرکار نے اس کا تخمینہ فی کس (۲) پونڈ کیا ہے۔ "برطانوی انجمن" کے گزشتہ جلسے میں ایک بہت بڑے مستند برطانوی ماہر فن معاشیات مسمی سر رابرٹ گفن نے بیان کیا تھا کہ یہ صورت حال برطانوی شاہنشاہی میں ایک نہایت ہی سخت اور دائمی مشکل ہے جس پر رہنمایان قوم کو اسی قدر زیادہ توجہ مبذول کرنا چاہیے جس قدر زیادہ شاہنشاہی اتحاد کا خیال عملی قوت پیدا کر رہا ہے" شاہنشاہی کی ۵/۶ آبادی کے روز افزوں افلاس و انحطاط کی بنیاد پر شاہنشاہی اتحاد کی تعمیر نہیں کی جا سکتی۔

اگرچہ قحط بلحاظ اموات بجائے خود ہولناک ہے لیکن یہ اس سے بھی شدید تر خرابی کا پتا دیتا ہے یعنی ہندوستان کی آبادی کا دائمی افلاس جو ہر سال بے قحط سالی کے بھی موجود رہتا ہے۔ بحیثیت مجموعی ہندوستان میں اجناس کی مقدار کبھی کم نہیں ہوئی چنانچہ ۱۸۹۷ء عیسوی اور سنہ ۱۹۰۰ء عیسوی میں بھی اجناس کی مقدار ہندوستان کی جملہ آبادی کی قوت بسری کے لئے کافی تھی۔ لیکن لوگ ایسے نادار اور بے وسیلہ ہیں اور ان کے

پاس اس قدر بھی پس انداز نہیں کہ جب ایک خاص رقبے میں فصل خراب ہو تو وہ قریب کے صوبجات سے جہاں اناج کثیر مقدار میں پیدا ہوئی ہو اپنے لئے اشیائے خوردنی خرید سکیں۔ امساک باراں سے اگرچہ بعض مقامات میں فصلیں برباد ہو جاتی ہیں لیکن شدید قحط تو لوگوں کے افلاس ہی کی وجہ سے رونما ہوتا ہے۔

ہندوستان کے منتظمین مملکت کو ایسے متعدد واقعات معلوم ہیں جو مثال کے طور پر اس مذکور الصدر دعوے کے ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ میں یہاں صرف ایک واقعے کے اظہار پر قناعت کرتا ہوں۔ ستائیس سال قبل مشرقی بنگال میں ایک شدید قحط پڑا تھا۔ ۱۸۷۶ء عیسوی میں ایک ایسی آندھی اور طوفان آیا کہ اس ملک کا ایک بہت بڑا خطہ غرقاب ہو گیا، کاشتکاروں کے مکان گر گئے اور فصلیں تلف ہو گئیں۔ مقامی نظم و نسق کی از سر نو تنظیم اور ان خطوں میں جو قحط سے زیادہ متاثر تھے لوگوں کی امداد کی غرض سے مناسب انتظام کرنے کے لئے میں ایک نوجوان عہدہ دار کی حیثیت سے وہاں بھیجا گیا تھا۔ ان اقطاع میں کسان بہت معمولی لگان ادا کرتے تھے اور اسی بنا پر ماسون زمانے میں وہ خوش حال رہتے تھے۔ ان کسانوں نے دور اندیشی اور کفایت شعاری سے جو ہندوستان کے کاشتکاروں کا خاصہ ہے سالہائے ماسبق میں کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیا تھا۔ اب ان لوگوں نے اس مصیبت کے زمانے میں بھی اپنے ہی پس انداز سے چاول سے لدے ہوئے جہاز کے جہاز خرید لئے وہاں قحط کا اثر نہ عام طور پر پھیلا اور نہ وسیع پیمانے پر امدادی کاموں کے آغاز کی ضرورت ہوئی۔ ان کسانوں کو خوش حال و ذی مقدرت اور خود امداد دیکھکر مجھ کو بڑی خوشی ہوئی۔ اگر عام طور پر ہندوستان کے تمام کاشتکار ایسے خوش حال ہوتے جیسے مشرقی بنگال کے کسان تھے تو پھر ہندوستان میں خرابی فصل کے باوجود قحط نادر الوقوع ہو جاتا۔ لیکن بمقابل مشرقی بنگال کے مغربی بنگال میں پیداوار کے تناسب کے لحاظ سے لگان زیادہ ہے اور بنگالے کے مقابل مدراس اور بمبئی میں نیز ملک کے دیگر اقطاع میں محصول اراضی بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے وہاں کے باشندے بھی مقابلتہً کم مقدور رہیں، وہاں قحط بھی زیادہ پڑتے ہیں اور نسبتہً زیادہ مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ رعایا کا افلاس قحط کی شدت میں اور

اضافہ کر دیتا ہے۔

قومی تموّل کے ذرائع زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور صحیح مالیاتی نظم و نسق ہی ہے۔ برطانوی حکمرانی نے ہندوستان میں امن تو قائم کیا لیکن قومی تموّل کے ان ذرائع کو نہ ترقی دی اور نہ اُن میں وسعت ہی پیدا کی۔

تجارت اور صنعت کے متعلق مجھ کو یہاں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے میں نے اپنی دوسری کتاب میں جس کا نام "ابتدائی برطانوی حکومت ہند" ہے ہندوستان کے متعلق برطانیۂ عظمیٰ کی تجارتی حکمت عملی کا جو اٹھارھویں صدی عیسوی اور انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں رہی ہے خاکہ کھینچا ہے۔ یہ حکمت عملی وہی تھی جس کو برطانیہ عظمیٰ نے اسی زمانہ میں آئرلینڈ اور اپنی نوآبادیات کے متعلق بھی اختیار کیا تھا۔ ہندوستانی مصنوعات کو موقوف کرنے اور برطانوی مصنوعات کو فروغ دینے کی جو انتھک کوششیں کی گئیں وہ ہندوستان کی حد تک مہلک طور پر کامیاب ہوئیں۔ امتناعی محصولات سے ہندوستانی مال کی یورپ میں درآمد موقوف کر دی گئی اور برطانوی مال پر برائے نام محصول لگا کر ہندوستان میں اُس کی برآمد میں اضافہ کرنے کی ہر تدبیر اختیار کی گئی۔ انگلستان کی اس ابتدائی تجارتی حکمت عملی کے دو مقصد تھے: ایک برطانوی حرفت کے لئے ہندوستان میں خام اشیاء کی پیداوار میں اضافہ کرنا۔ دوسرے، ہندوستان میں برطانوی مصنوعات کو رواج دینا۔ مورّخ ہارس ہیمن ولسن کے الفاظ میں، "برطانوی صناعوں نے ایسے حریف تجارت کو جس سے وہ مساوی شرائط پر جیت ہی نہیں سکتے تھے مغلوب کرنے اور آخر کار اُس کا گلا گھونٹ دینے میں سیاسی ناانصافی کے زور بازو سے کام لیا۔"

۱۸۳۷ عیسوی میں جب ملکہ وکٹوریہ تخت نشین ہوئیں اس وقت بڑی حد تک تخریب ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود اس حکمت عملی میں جس پر پہلے سے عمل کیا جا رہا تھا کبھی سستی نہیں کی گئی۔ چونکہ اس زمانے میں بھی ہندوستانی ریشمی رومال یورپ میں برابر فروخت ہوتے تھے اس لئے ہندوستانی ریشمینوں پر سنگین محصول علیٰ حالہٖ قائم تھا۔ پارلیمنٹ نے یہ تو دریافت کیا کہ برطانوی کارگاہوں کے لئے ہندوستان میں روئی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے لیکن یہ دریافت نہ کیا کہ ہندوستانی

کارگاہوں کی ترقی و اصلاح کس طرح ممکن ہے۔ متعدد مجالس منتخبہ نے یہ معلوم کرنے کی پے در پے کوشش کی کہ برطانوی مصنوعات کو ہندوستان میں کس طرح رواج دیا جا سکتا ہے لیکن یہ معلوم کرنے کی زحمت نہ کی کہ ہندوستانی مصنوعات میں کیونکر پھر سے جان ڈالی جا سکتی ہے۔ ۱۸۵۸ء عیسوی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمرانی ختم ہونے سے بہت پہلے ہی ہندوستان کوئی بڑا صنعت گر ملک نہ رہا تھا اس وقت قوم کے لئے بسر اوقات کا ذریعہ ایک زراعت ہی رہ گئی تھی۔

۱۸۵۸ء کے بعد بھی ہندوستان کا نرخنامۂ محصول برطانوی تاجروں ہی کی زیرنگرانی واثر تھا۔ محصول درآمد میں تخفیف کر دی گئی تھی جس سے ہندوستان میں برطانوی مال درآمد کرنے میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی تھی۔ بمبئی کی کارگاہوں اور کارخانوں کی ترقی پر حاسدانہ نظریں پڑ رہی تھیں۔ ۱۸۷۹ء میں جس وقت کہ ہندوستان کے سر پر قحط، جنگ و جدل اور کمئی محاصل کے باعث آفتوں پر آفتیں نازل ہو رہی تھیں پارلیمنٹ نے محصولات درآمد کی قربانی کا مطالبہ کیا اور ۱۸۸۲ء میں بہ استثناء محصول نمک و شراب جملہ محصولات درآمد کو یک لخت موقوف کر دیا گیا۔

ان قربانیوں کا مضر اثر ہندوستان کے محاصل پر بھی پڑا۔ کاشتکاروں پر جدید محصول لگانے اور زراعت پر اس طرح ایک سنگین بار ڈالنے کے باوجود ہندوستان اپنا خرچ آپ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ۱۸۹۴ء میں سابقہ محصولات درآمد خفیف ترمیم کے بعد پھر عائد کر دئے گئے۔ سوتی مال نیز سوت اور سوتی دھاگے کی ہندوستان میں درآمد پر (۵) فی صدی محصول لگا دیا گیا اور اس کے ساتھ توازن قائم کرنے کے لئے ایسے ہندوستانی سوتی کپڑوں پر جن کا مال درآمد کے ساتھ تجارتی مقابلہ تھا (۵) فی صدی محصول عائد کر دیا گیا۔ ۱۸۹۶ء میں سوت اور سوتی دھاگے کو محصول سے مستثنیٰ کر دیا گیا لیکن ہندوستان میں سوتی مال کی درآمد پر ۳½ فی صدی محصول اور ہندوستانی گرنیوں کے بنے ہوئے سب قسم کے مال پر ۳½ فی صدی محصول چنگی لگا دیا گیا۔ موٹے کپڑوں پر جن کا لینکیشر کے مال کے ساتھ کچھ مقابلہ نہ تھا اور مہین پارچوں پر بھی محصول عائد کر دیا گیا۔ شکستہ حال ہندوستانی مزدور کے معمولی لباس پر بھی (جس کی روزانہ آمدنی ڈھائی پنس سے بھی کم ہے) بدگمان حکومت نے

محصول لگا دیا۔ بمبئی کی نوخاستہ گرنیوں کی حرفت کو امداد و تقویت دینے کے عوض اُس پر بھی محصول چنگی لگایا گیا جیسا دنیا کے کسی اور متمدن حصے میں کہیں نہیں پایا جاتا ہے اور اس طرح محصول لگا کر اس حرفت کو سرے سے میٹ دیا گیا۔ گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے ہندوستان کے برطانوی حکمرانوں کی تجارتی حکمت عملی کی تشکیل ہندوستانی صناعوں کے مفاد پر نہیں بلکہ برطانوی صناعوں کے اغراض پر مبنی رہی ہے۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں جو پرتگالی، ڈچ، عرب اور برطانوی تجار ہندوستانی مصنوعات کثیر مقدار میں برآمد کرتے تھے اب وہ بات کہاں رہی تھی آج کل ہندوستان کی برآمد صرف خام پیداوار رہ گئی ہے اور وہ بھی زیادہ تر لوگوں کے اشیائے خوردنی پر مشتمل ہے۔ قومی آمدنی کے ذرائع کی حیثیت سے صنعت و حرفت کا میدان تنگ ہو گیا ہے۔

اب ایک رہی سہی زراعت ہی ہے۔ برطانوی حکمرانی کے تحت ملک میں امن قائم ہوا اور جان و مال کی حفاظت بھی ہوتی ہے جس سے کاشت میں بہت کچھ توسیع ہو گئی ہے۔ لیکن جو شخص کاشتکاروں کی اندرونی زندگی سے واقف ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ توسیع کاشت سے رعایا بھی زیادہ خوش حال، بڑی ذی مقدرت اور قحط کے اثرات سے زیادہ محفوظ ہو گئی ہے۔

ہندوستان کے نظم و نسق کی تاریخ گہری دلچسپی رکھتی ہے کیونکہ اس کا ایک زرعی قوم کی مادّی فلاح و بہبود سے بڑا قریب کا تعلق ہے۔ برطانوی حکمرانی کے ابتدائی زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کو ایک بڑی جاگیر یا تخلستان تصور کرتی تھی اور مامون زمانے میں بھی کاشتکاروں اور مالکان اراضی کے لئے بقدر قوتِ لایموت کے کچھ چھوڑ کر اراضی کی تمام باقی پیداوار کا اپنے آپ ہی کو مستحق سمجھتی تھی۔ جب یہ حکمت عملی محاصل کے نقطۂ نظر سے کمپنی کے حق میں مضر ثابت ہوئی تو اُس وقت اس میں اصلاح ضروری خیال کی گئی۔ پھر کمپنی نے بھی یہ تسلیم کر لیا کہ زمینداروں کے طبقے کو یہ یقین دلانا کہ آیندہ زراعت کا متوقعہ منافع انھیں کو ملے گا بڑی دانشمندی کی بات ہے۔ اسی بناء پر ۱۷۹۳ء میں لارڈ کارنوالس نے بنگال میں مالگزاری کا دوامی بندوبست کر دیا جس میں اگرچہ زمینداروں سے اُن کی آمدنی

مالگزاری کے (۹۰) فی صدی کا مطالبہ کیا گیا لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کو اس کا بھی یقین دلایا گیا کہ آیندہ اس مطالبے میں کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کا مطالبہ مذکورالصدر تناسب کے لحاظ سے بے حد سنگین تھا لیکن ۱۷۹۳ء سے کاشت اور آمدنی مالگزاری میں بہت کچھ اضافہ ہوا تھا جس سے کسان اور زمیندار دونوں مستفید ہوئے تھے۔ حالیہ زمانے میں بنگال کے زراعت پیشہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے کاشتکاروں کی بہ نسبت قحط وغیرہ کے بدترین اثرات سے زیادہ محفوظ ہیں۔

اسی زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمت عملی میں تغیر ہوا۔ کمپنی کو اب دوسرے صوبوں میں دوامی بندوبست کرنا منظور نہ تھا۔ اس نے آمدنی مالگزاری کا ایک معقول حصہ اپنے لئے مقرر کر لینے کی کوشش کی جس سے یہ مطلب تھا کہ اگر آیندہ آمدنی مالگزاری میں اضافہ ہو تو ساتھ ہی ساتھ اس کے محاصل میں بھی اضافہ ہو جائے۔ کمپنی نے شمالی ہند میں اپنا مطالبہ پہلے تو آمدنی مالگزاری کا (۸۳) فی صدی مقرر کیا بعد کو (۷۵) فی صدی اور پھر (۶۶) فی صدی مقرر کر دیا۔ لیکن اس تخفیف کے بعد بھی اتنی زیادہ رقم ناقابل وصول ثابت ہوئی اس لئے آخر کار ۱۸۵۵ء عیسوی میں مطالبۂ سرکار آمدنی مالگزاری کے (۵۰) فی صدی تک محدود کر دیا گیا (اور یہی قاعدہ مقرر کیا گیا جس کو ۱۸۶۴ء میں جنوبی ہند میں بھی نافذ کیا گیا) کاشت منافع پر (۵۰) فی صدی محصول آمدنی کا لگا دینا ایک ایسا بار سنگین ہے کہ کسی ملک میں بھی ایک متمدن و شائستہ حکومت کے تحت ایسا نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس کے باوصف اگر اس حد سے بڑھے ہوئے مطالبے سے آیندہ تجاوز نہ کیا جائے تو ہندوستان کا اس میں بھی فائدہ ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمرانی ۱۸۵۸ء میں ختم ہوی۔ تاج برطانیہ کے تحت پہلے پہل جو وائسرائے مقرر ہوئے تھے ان کی سچی خواہش یہی تھی کہ ہندوستان میں زرعی خوش حالی کو عروج دیا جائے اور زرعی تمول کے ذرائع وسیع کئے جائیں۔ سر چارلس وڈ اور سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ کے سے مدبرین اور لارڈ کیننگ اور لارڈ لارنس کے سے حکمرانوں نے اس مقصد کے حصول میں بڑی عرق ریزی کی تھی

ان کی خواہش یہی تھی کہ اراضی پر مطالبۂ سرکار کی مقدار معین کردی جائے۔ قوم خوش حال ہو جائے اور ایک ایسا طاقتور اور وفادار متوسط طبقہ پیدا کیا جائے جو اپنے اغراض و مفاد کی خاطر ہندوستان میں برطانوی حکومت سے وابستہ رہے۔ اگر ان مشاہیر کی اس صحیح حکمت عملی کو اختیار کیا جاتا تو اس سے قومی تموّل کے ایک ذریعے میں وسعت پیدا ہو جاتی۔ آج قوم بھی زیادہ ذی مقدرت اور خود اعتماد بن جاتی اور قحط بھی نادر الوقوع ہو جاتے۔ لیکن ان ملازمین تاج برطانیہ کی پہلی پشت گزر جانے کے بعد قوم کو خوش حال بنانے کی کوششیں کمزور ہو گئیں۔ شاہنشاہی کے آغاز کے ساتھ ساتھ محاصل و مصارف میں توفیر کرنے والے امور میں انہماک شروع ہو گیا کیننگ اور لارنس کے تجاویز ۱۸۸۳ء میں بالکل نظر انداز ہو گئے۔

دو مختلف الخیال منتظمین مملکت کے فرقوں کے دو ممیز اصول تو قارئین صاف طور پر بیشک سمجھ ہی گئے ہوں گے۔ لارڈ کیننگ، لارڈ لارنس، لارڈ ہیلیفکس اور لارڈ اذرلی اس فرقے کے پیرو تھے جو مالگزاری کا دوامی بندوبست کرنے کا حامی تھا انھیں معلوم تھا کہ (۱) ہندوستان میں تمام زمین قوم ہی کی ملک تھی نہ کہ زمینداروں یا مالکان اراضی کی (۲) ہر کاشتکار اپنی مقبوضہ اراضی کا موروثی حقدار تھا۔ (۳) مالگزاری کے دوامی تعین سے صرف زمیندار طبقے ہی کو نہیں بلکہ کل زرعی قوم کو فائدہ پہنچتا تھا۔ دوسرے فرقے کے پیرو یہی چاہتے تھے کہ متوالی بندوبست اسے جس کے سرانجام میں عہدہ داران بندوبست اپنے اختیار تمیزی سے مطالبۂ سرکار میں عموماً اضافہ کر دیتے تھے مملکت کے لئے مالگزاری میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔

مارکوئیس رپن نے جو ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک ہندوستان کا وائسرائے رہا ان دونوں فرقوں کے آراء کا تضاد مٹانے کے لئے باہمی رفع داد کے طور پر ایک استادانہ تجویز پیش کی۔ اس نے ایک طرف تو یہ تسلیم کر لیا کہ عام قیمتوں میں اضافہ ہونے کی مقررہ اور واجبی بناء پر مطالبۂ مالگزاری میں ہر وقت اضافہ کرنے کا سرکار کو حق حاصل ہے اور دوسری طرف اس نے کاشتکاروں کو اس بات کا بھی یقین دلایا کہ جب تک عام قیمتوں میں اضافہ نہ ہو مطالبۂ سرکار میں ہرگز اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اس نے سرکار کو یہ باور کرایا کہ اگر ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہو

جس کا ثبوت قیمتوں میں اضافہ ہے تو اس کے ساتھ ساتھ سرکار کے محاصل میں بھی اضافہ ہو جائے گا اور کسانوں کو یہ یقین دلایا کہ مطالبۂ سرکار کی مقدار دواماً معین رہے گی کیونکہ ہمیشہ کھیتوں کی پیداوار کا صرف ایک حصۂ متناسبہ بشکل محصول اراضی لیا جائے گا۔ لارڈ رپن کے اس منصوبہ میں بڑی خوبی کے ساتھ دونوں باتیں آگئی تھیں، ایک تو حقوق سرکار کی حفاظت دوسرے تحفظ حقوق کاشتکار، جس کے بغیر دنیا کے کسی حصے میں بھی زراعت سرسبز نہیں ہو سکتی۔ لیکن لارڈ رپن نے دسمبر ۱۸۸۴ء میں ہندوستان سے اپنے وطن کو مراجعت کی اور اس تصفیے کو وزیر ہند نے جنوری ۱۸۸۵ء میں مسترد کر دیا۔ یہ رقع داد یا ہمی ہندوستان کے سالہا سال کے تفکر و تجسس کا نتیجہ تھی اور اس کو وائٹ ہال (محکمۂ وزیر ہند) نے یوں مسترد کر دیا۔ اس طرح ایک زراعت پیشہ قوم غیر معین مطالبۂ سرکار کا جو زراعت کی کامیابی کے لئے قطعی مہلک تھا دوبارہ شکار بن گئی۔

نصف لگان کا قاعدہ تو قائم رہا لیکن اس کی حیثیت ایک نظریے سے بڑھ کر نہ تھی اور عمل ہمیشہ اس کے خلاف ہی ہوتا رہا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے مصارف سے ہندوستان کی مالیاتی ذمہ داری اور بھی بڑھ گئی تھی اور اقتضائے وقت بھی یہی تھا کہ مزید محصول لگائے جائیں۔ برطانوی تاجروں اور برطانوی اصحاب رائے کی عرضی تھی کہ خلاف تجارت پر کوئی محصول نہیں لگایا جا سکتا تھا اس لئے مزید محصول کا بار زراعت ہی پر ڈالا گیا چنانچہ ۱۸۷۱ء سے اراضی پر مالگزاری کے علاوہ متعدد جدید محصول عائد کر دیے گئے تھے۔ اگر مالگزاری اس نوعیت کی جملہ آمدنی اراضی کی (۵۰) فی صدی تھی تو اراضی پر جملہ محصول بشمول محصول جدید آمدنی مالگزاری کا (۵۶) یا (۵۸) حتیٰ کہ (۶۰) فی صدی ہو گیا تھا۔ اور اہل ہند یہی پوچھ رہے تھے کہ جب کہ زراعت پر مزید بار عائد کر کے مقررہ حد سے یوں تجاوز کیا جاتا ہے تو پھر محصول اراضی کے محدود کرنے کا منشا کیا ہے؟

۱۸۷۵ء میں مارکوئیس سالسبری وزیر ہند کے عہدے پر مامور تھا۔ اُن معاملات پر نظر کرتے ہوئے جن پر وہ توجہ مبذول کرتا تھا اُس کی ژرف نگاہی اور بصیرت کا ہر شخص معترف ہے۔ اُس نے ۱۸۷۵ء میں اپنی وہ مشہور یادداشت قلمبند کی جس میں اس نے ہندوستانی یک طرفہ مالی حکمت عملی کی کمزوریاں بتا کر اُس نے اس کی

بڑی مذمت کی تھی۔ اس یادداشت سے لوگ اکثر اقتباسات پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس نے لکھا تھا کہ "جہاں تک ہندوستان کے مالیاتی نظام میں تغیر ممکن ہے یہی مناسب ہوگا کہ جملہ قومی مطالبے کا کمتر حصہ کاشتکار ادا کریں۔ یہ حکمت عملی بجائے خود کفایت شعاری پر مبنی نہیں کہ اضلاع سے جہاں اصل کم یاب ہے محاصل کثیر مقدار میں وصول کئے جائیں اور شہروں کو جہاں اصل نہ صرف بکثرت موجود ہے بلکہ تعیش میں ضائع کی جاتی ہے یونہی چھوڑ دیا جائے۔ ہندوستان کے لئے جہاں اس قدر محاصل بے معاوضہ بیرون ملک ارسال کئے جاتے ہیں یہ صورت حال اور بھی ضرر رساں ہے اگر ہندوستان کی فصد ہی کھولنا ہو تو نشتر کو جسم کے ایسے حصے پر لگانا چاہئے جہاں بہت خون جمع ہو یا کم سے کم کافی مقدار میں موجود ہو نہ کہ ایسے حصے پر جو خون کی قلت کی وجہ سے خود کمزور ہو"۔

لارڈ سالسبری کے اس انتباہ پر کسی نے توجہ ہی نہ کی۔ جس وقت سے کہ روپیہ کی شرح مبادلہ ایک شلنگ چار پنس مقرر کی گئی ہے ہم یہی سن رہے ہیں ہر سال موازنے میں محاصل میں اضافہ اور فاضلات ہی ہو رہے ہیں لیکن ان کے باوجود اس ظاہری خوش حالی سے فائدہ اٹھا کر مزارعین کے کاندھوں کا بوجھ کبھی ہلکا نہیں کیا گیا۔ ۱۸۷۱ء سے اراضی پر مالگزاری کے علاوہ جو مختص محصول لگائے گئے تھے ان میں سے ایک کو بھی منسوخ نہیں کیا گیا۔

ان واقعات سے جن کو میں نے ممکنہ اختصار کے ساتھ اوپر بیان کیا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زراعت میں قومی آمدنی کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے برطانوی نظم و نسق کے تحت کوئی وسعت نہیں پیدا ہوگئی تھی۔ ان مقامات کے علاوہ جہاں مالگزاری کا دوامی تعین ہو چکا تھا ہر جگہ بیس یا تیس سال کے بعد ہر تجدید بندوبست کے وقت مالگزاری پر نظر ثانی کر کے اس میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ بظاہر آمدنی مالگزاری یا معاشی لگان کا ۵۰ فی صدی وصول کرنا ہی بیان کیا جاتا ہے لیکن بمبئی اور مدراس میں درحقیقت اس سے بھی بڑھ کر وصول کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اراضی پر ایسے مختص محصول عائد کئے گئے ہیں جن میں مملکت خاطر خواہ اضافہ بھی کر سکتی ہے۔ اس طرح محصول اراضی کی مقدار بے انتہا سنگین اور غیر معین ہے خواہ کوئی ملک کیوں نہ ہو اگر وہاں ایسے

قواعد زیر عمل رہیں تو زراعت پر انحطاط کا چھا جانا لازمی ہے۔ ہندوستان کے کاشتکار بڑے کفایت شعار، جفاکش اور صلح پسند ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ مفلوک الحال، بے وسیلہ، قحط زدہ اور فاقہ کش ہی رہتے ہیں۔ یہ حالت ایسی نہیں کہ اس پر انگریز از روئے انصاف فخر کر سکیں۔ یہی صورت آئرلینڈ میں بھی درپیش تھی جس کی اصلاح کے انگریز درپئے تھے۔ اگر انگریز ایک دفعہ اس صورت حال کو سمجھ جائیں تو پھر وہ ہندوستان میں اس کے ہرگز روادار نہ ہوں گے۔

اگر اب ہم ذرائع تمول کے موضوع کو چھوڑ کر تقسیم دولت اور ہندوستان کے مالیاتی نظام کی طرف متوجہ ہوں تو ہماری نظروں کے سامنے وہی دل آزار تصویر پھر جاتی ہے۔ ملکۂ وکٹوریہ کے عہد حکومت کے آخری دس سال یعنی سنہ ۹۲-۱۸۹۱ء سے سنہ ۱۹۰۰ء تک کے ہندوستان کے جملہ محاصل چونسٹھ کروڑ ستر لاکھ پونڈ ہوئے تھے۔ اس حساب سے سالانہ اوسط محاصل بشمول آمدنی ریلوے و آبپاشی و جملہ دیگر مدات ساڑھے چھ کروڑ پونڈ ہوتے ہیں۔ اسی دہ سالہ مدت میں انگلستان میں پندرہ کروڑ نوے لاکھ پونڈ ہندوستان کے خرچ ہوئے تھے جس کا سالانہ اوسط ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ ہوتا ہے۔ اس طرح ہندوستان کے جملہ محاصل کا ایک ربع بشکل مطالبات وطن ہر سال انگلستان ارسال کیا جاتا تھا۔ اگر اس میں اس رقم کو بھی شامل کر لیا جائے جو ہندوستان کے یورپی عہدہ دار اپنی تنخواہوں سے پس انداز کر کے ہر سال انگلستان ارسال کرتے تھے تو پھر ہندوستان سے جو سیم و زر کا سالانہ بہاؤ دو کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ تھا۔ دنیا کا سب سے زیادہ متمول ملک دنیا کے سب سے زیادہ افلاس زدہ ملک سے ہر سال ایک ایسا خراج وصول کرتا تھا جو اس کے شایان شان نہ تھا۔ وہ ملک جس کے ہر فرد کی آمدنی (۴۲) پونڈ ہے دس شلنگ فی کس ایک ایسی قوم سے وصول کرتا ہے جس کے افراد کی آمدنی صرف (۲) پونڈ فی کس ہوتی ہے۔ برطانوی قوم جو یہ دس شلنگ فی کس ہندوستان سے وصول کرتی ہے اس سے ہندوستانی اور زیادہ مفلس و نادار بن جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے ساتھ جو برطانوی تجارت قائم ہے اس میں بھی انحطاط پیدا ہو جاتا ہے اس خراج سے برطانوی خارجی اور داخلی تجارت کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور مفت ہی مفت میں اس سے ہندوستان کی

رگِ جاں سے خوں بہا چلا جاتا ہے۔

اگر محصول اسی ملک میں خرچ کئے جائیں جہاں وہ وصول کئے جاتے ہیں تو اس سے روپیہ اہل ملک ہی میں گشت کرتا رہے گا۔ تجارت کو تقویت اور حرفت و زراعت کو ترقی ہوگی اور یہ روپیہ ایک نہ ایک شکل میں عامتہ الناس تک پہنچ جائے گا لیکن محصول جس ملک میں وصول ہوں اگر اُن کا روپیہ بیرون ملک ارسال کر دیا جائے تو پھر یہ روپیہ اس ملک سے ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جائے گا ایسی ارسال سے نہ تو ملک کی تجارت و حرفت کو ترقی ہوتی ہے اور نہ یہ روپیہ کسی شکل میں بھی عامتہ الناس تک پہنچتا ہے ہندوستان کے محاصل سے دو کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ رقم ہر سال بیرون ملک ارسال کی جاتی ہے اور دراصل یہ ایک معجزہ ہوگا اگر اس طرح کا عمل جس کا تسلسل برسوں تک رہے دنیا کی متموّل سے متموّل قوم کو مفلس و نادار نہ بنا دے۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں ہندوستان کے جملہ محاصل ایک کروڑ چھتر لاکھ پونڈ اور جملہ مطالبات وطن ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ ہوئے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تمام صوبوں کی اراضی سے جتنی آمدنی ہوتی ہے وہ تمام و کمال شکل مطالبات وطن ہر سال بیرون ملک ارسال کر دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یورپی عہدہ دار بھی جن کی تنخواہیں ہندوستان کے محاصل سے ادا ہوتی ہیں اپنی طرف سے لکھوکھا روپیہ بیرون ملک ارسال کرتے ہیں اور جتنا جتنا یورپی عہدہ داروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا اُتنا اُتنا اس رقم میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔

مطالبات وطن کی شکل میں جو ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ انگلستان ارسال کئے گئے تھے وہ حسب ذیل مدّوں میں صرف ہوئے تھے: (۱) ہندوستانی قرض بر واجب الادا سود (۲) ریلوں کے اصل کا سود (۳) دیوانی اور فوجی مطالبات۔ منجملہ موخر الذکر مطالبات کے فوجی اور دیگر ساز و سامان کی سربراہی میں اس رقم کا ایک خفیف حصہ یعنی صرف دس لاکھ پونڈ صرف ہوئے تھے۔

اس ملک میں عام طور پر یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ ہندوستان کا جملہ قرض دوسرے الفاظ میں درحقیقت وہ برطانوی اصل ہے جو ہندوستان کے نشو و نما میں صرف کیا گیا تھا۔ لیکن اس کتاب میں یہ ثابت کر کے دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان کے

سرکاری قرض کی بنا، یہ نہیں ہے ۱۸۵۸ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کی حکمراں نہیں رہی تھی تو اس وقت ہندوستان کا قرض سات کروڑ پونڈ ہو چکا تھا۔ اس اثنا میں کمپنی بھی پندرہ کروڑ پونڈ سے زیادہ رقم جس میں اُس کا سود شامل نہ تھا بطور خراج ہندوستان سے وصول کر چکی تھی جو بالکل انصاف کے خلاف تھا۔ اس کے علاوہ متعدد جنگوں " مثلاً جنگ افغان و جنگ چین اور دوسری اسی قبیل کی جنگ وجدل کے مصارف کا جو بیرون ملک وقوع پذیر ہوئی تھیں بارگراں ہندوستان ہی کے سر ڈالا گیا تھا۔ ان وجوہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کمپنی کی حکمرانی کے ختم پر از روئے انصاف کسی کا مقروض نہ تھا۔ اُس کا سرکاری قرض محض ایک بے بنیاد افواہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس طرح منجملہ اُس رقم کے جو ہندوستان سے وصول کرلی گئی تھی دس کروڑ پونڈ کی معتد بہ رقم دراصل خود انگلستان پر فاضل نکلتی تھی۔

تاج برطانیہ کے نظم و نسق کے ابتدائی اٹھارہ سال میں ہندوستان کا سرکاری قرض دوچند ہو گیا تھا۔ ۱۸۷۷ء میں جب ملکۂ وکٹوریہ نے قیصرۂ ہند کا لقب اختیار کیا اُس وقت یہ قرض چودہ کروڑ پونڈ تھا۔ اُس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ۵۷ء کی لڑائیوں کے مصارف جو چار کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ ہوئے تھے ہندوستان کے محاصل میں محسوب کر دیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ ۱۸۶۷ء میں جو جنگ ابی سینیا ہوئی تھی اس کے مصارف کے بہت بڑے حصے کو بھی ہندوستان ہی کو ادا کرنا پڑا تھا۔

۱۸۷۷ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان سرکاری قرض تیرہ لاکھ نوے ہزار پونڈ سے بائیس لاکھ چالیس ہزار پونڈ تک پہنچ گیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ ملک کی ضرورتوں سے زیادہ اور اُس کے مقدور سے بڑھ کر ایسی کمپنیوں کے ذریعے سے جن کے منافع کی خود سرکار کفیل تھی ریلوں کی تعمیر کرائی گئی تھی اور خود سرکار نے بھی براہ راست ان کی تعمیر کی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور وجہ ۱۸۷۸ء اور ۱۸۹۷ء کی جنگ افغان تھی۔ ہندوستانی قرض کی سرگزشت مالیاتی بے دانشی اور ناانصافی کی ایک دل خراش داستان ہے۔ ہر غیر جانب دار شخص اپنے لئے اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ اخلاقی نقطۂ نظر سے اس ہندوستانی قرض کا کتنا حصہ ہندوستان پر واجب الادا ہے۔

مطالبات وطن کی آخری مدین دیوانی اور فوجی مطالبات ہیں۔ ان پر

نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اگر برطانوی شاہنشاہی ہند کی تعمیر میں برطانیہ اور ہندوستان دونوں کا نفع ہے تو پھر یہ عدل و انصاف کے خلاف ہوگا کہ اس عظیم الشان عمارت کو برقرار و مستحکم رکھنے کے جملہ مصارف اکیلا ہندوستان ادا کرتا رہے۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ انگلستان میں جتنے مصارف لاحق ہوں حتیٰ کہ دفتر وزیر ہند کی مرمت وغیرہ کے اخراجات اور وائیٹ ہال کے کمرے صاف کرنے والی عورتوں کی مزدوری بھی ہندوستان ہی ادا کرے؟ چالیس سال قبل ہندوستان کے ایک بہت بڑے منتظم مملکت نے رفع داد باہمی کے طور پر ایک منصفانہ تجویز پیش کی تھی۔ سر جورج ونگیٹ نے اپنی کتاب میں جو "ہندوستان کے ساتھ ہمارے مالیاتی تعلقات" Our Financial Relations With India کے نام سے موسوم ہے اور جو ۱۸۵۹ء میں شایع ہوئی تھی یہ تحریک کی تھی کہ ہندوستان کو دیوانی اور فوجی نظم و نسق کے وہ جملہ مصارف جو ہندوستان ہی میں عائد ہوں ادا کرنا چاہئے اور انگلستان کو وہ تمام اخراجات جو انگلستان میں عائد ہوں ادا کرنا چاہئے جیسا وہ اپنی نوآبادیات کیلئے کرتا ہے۔ کیا اب اس طرح کا کوئی منصفانہ تصفیہ کرنا بعداز وقت ہوگا؟ ہندوستان کے جملہ دیوانی اور فوجی مصارف جو انگلستان میں عائد ہوتے ہیں ساٹھ لاکھ پونڈ ہیں اور اگر یہ رقم برطانوی محصول دینے والے ادا کریں تو اس میں بہت بڑی تخفیف کا امکان ہے۔ کیا انگلستان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اس بار کو برداشت کرے گا کوئی بڑی بات ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ ہندوستان وہ تمام دیوانی اور فوجی مصارف جو ہندوستان میں عائد ہوں خود ادا کرے گا؟

ہندوستان کی جو معاشی حالت ہے اُس کے سیدھے سادھے واقعات یہی ہیں۔ ان حالات میں خواہ دنیا کا کوئی کیسا ہی سرسبز، جفاکش اور صلح پسند ملک ہی کیوں نہ ہو ویسا ہی بن جائے گا جیسا آج ہندوستان نظر آرہا ہے۔ اگر مصنوعات انکھٹا پر ہوں، زراعت پر بے اندازہ محصول لگا دیا جائے اور محاصل کا ایک ثلث بیرون ملک ارسال ہوتا رہے تو دنیا کی خواہ کوئی قوم ہی کیوں نہ ہو وہ دائمی افلاس اور مسلسل قحط کے مصائب سے ہرگز نہیں بچ سکتی۔ معاشی قوانین جو یوروپ میں ہیں وہی ایشیا میں بھی ہیں۔ اگر آج ہندوستان افلاس زدہ ہے تو انھیں معاشی اسباب

وعلل کی بنا پر ہے ۔اگر ان حالات کے باوجود ہندوستان سرسبز و شاداب بنے تو یہ ایک معاشی معجزہ ہوگا لیکن سائنس معجزات کو تسلیم ہی نہیں کرتا یعنی معاشی قوانین اپنے عمل اور اثر میں دائمی اور بالکل غیر متغیر ہیں ۔

ان خرابیوں کا علاج خود ان خرابیوں کی نوعیت سے عیاں ہے ۔ہندوستان کی گرنیوں کے مصنوعات پر محصول چنگی موقوف کر دینا چاہئے ۔ہندوستان کی حکومت پر لازم ہے کہ وہ اہل ہند کی فلاح و بہبود کی خاطر ہمت کر کے ہندوستان کی حرفت کی پشت پناہ بنے جیسا دنیا کی ہر متمدن و شائستہ حکومت اپنے ملک کی حرفت کی پشت پناہ ہوتی ہے ۔اراضی پر مالگزاری کے سوا جتنے محصول ہیں اُن سب کو ایک لخت مسدود کر دے اور مالگزاری کی کارروائی بھی مبنی براعتدال اور بہت ہی منتظم کر دی جائے ۔سرکاری قرض جس کا آغاز نا انصافی پر مبنی تھا اب ایک امر مسلمہ ہے لیکن اگر اب اس قرض کے لئے شاہنشاہی اپنی ضمانت دے تو اس کی شرح سود میں تخفیف ہوسکتی ہے اور ذخیرۂ تادیہ سے اس کی مقدار میں بھی بتدریج کمی ہوسکتی ہے ۔جملہ دیوانی اور فوجی مصارف کو جو انگلستان میں عائد ہوں یا کم سے کم ان کے ایک جز کو برطانیہ عظمیٰ برداشت کرے جیسا وہ اپنی نو آبادیات کے لئے کرتی ہے ۔ہندوستانیوں کو زیادہ تعداد میں سرکاری خدمات دے کر ہندوستان کے دیوانی مصارف میں تخفیف کرے ۔ہندوستان میں فوجی اخراجات کو پوری قوت اور نہایت سختی کے ساتھ روکے اور ہندوستان کے محاصل سے اتنی ہی فوج کے مصارف ادا کرے جتنی فوج اُس کی ضرورتوں کے لئے کافی ہے ۔سرکاری قرض سے یا سرکاری طور پر محصولات کی آمدنی سے سود کی کفالت کر کے آیندہ ریلوں میں توسیع کرنے کی ممانعت کر دے ۔حتی الامکان معمولی محاصل ہی سے ذرائع آبپاشی کو توسیع دے ۔ہندوستان سے جو معاشی جوئے سیم و زر جاری ہے اُس کی روانی میں مستقل طور پر کمی کر دے ۔ان مالیاتی اصلاحات پر عمل کرتے وقت اہل ہند کے نمایندوں کو بھی اپنا شریک کرے اور اُن سے مشورہ لے کیوں کہ ہر ملک میں محصول دینے والوں ہی کو تخفیف مصارف سے خاص دلچسپی رہتی ہے ۔

جان اسٹوارٹ مل نے لکھا ہے کہ "قوم کی حکومت بجائے خود ایک معنی اور حقیقت رکھتی ہے لیکن یہ بات کہ ایک قوم کی حکومت دوسری قوم کرے اس کا نہ کہیں وجود ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کو اپنے ذاتی اغراض کے لئے رکھ سکتی ہے جیسے روپیہ پیدا کرنے کا کوئی مقام ہو یا آدمیوں کے گلوں کے لئے ایک مرغزار جو وہاں کے ساکنوں ہی کی جلب منفعت کا ذریعہ ہو"۔ یہ بیان ایک بڑی گہری صداقت پر مبنی ہے۔ لوگوں کا انبوہ کثیر اسی طینت کا ہوتا ہے کہ معمولی حالات میں وہ دوسروں کے اغراض کے خیال سے جنبش تک نہیں کرتا۔ برطانوی اصحاب رائے ایسے ہی منصف مزاج ہوتے ہیں جیسے دنیا کے کسی اور ملک کے ہو سکتے ہیں لیکن وہ برطانوی صاحب رائے انسان ہی نہ ہوگا جو اپنے مفاد اور اپنے اغراض کو پیش نظر نہ رکھے کیوں کہ اقتضائے فطرت ہی یہی ہے۔ پارلیمنٹ اپنے اہل الرائے کے احکام کی تابع ہے اور وزیر ہند جو برطانوی کابینہ کا ایک رکن ہے ارکان کابینہ کی متفقہ خواہشوں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ وزیر ہند ہی اپنی کونسل کے ارکان کا تقرر کرتا ہے اور یہ ارکان کسی معنی میں بھی اہل ہند کے نمایندے نہیں ہیں۔ ہندوستان کا وائسرائے بھی وزیر ہند ہی کا تابع ہے حکومت ہند وزیر ہند کی کونسل ہی کے تفویض ہے اور بقول سر ولیم ہنٹر یہ کونسل ایک عدیدیہ ہے اور رعایا کی نمایندہ نہیں ہے۔ گورنر جنرل کی کونسل کے ارکان عام طور پر خرچ کرنے والے سررشتوں ہی کے صدر ہیں اور جیسا سر ڈیوڈ باربرنے "ماموریہ مصارف ہندوستان" کے سامنے اپنی شہادت میں بیان کیا تھا: "ہر وقت رجحان طبع اسی طرف رہتا ہے کہ مزید مصارف عائد کرنے کے لئے سررشتۂ مالیات پر دباؤ ڈالا جائے اور یہ عملاً دباؤ ہی ہے۔ دیگر سررشتہ جات حکومت زیادہ روپیہ خرچ کرنے ہی پر ہمیشہ زور دیتے رہتے ہیں اور ان کے مطالبات کا ایک سلسلہ قائم رہتا ہے جن پر وہ شد و مد کے ساتھ مصر رہتے ہیں"۔ حکومت ہند پر از سرتا پا نہ کسی کا اثر ہے کہ وہ تخفیف مصارف کی محرک و موید ہو اور نہ کسی کا زور چلتا ہے کہ وہ محصول دینے والوں کے اغراض کی حفاظت کرے۔ ایک ایسے دستور کے تحت جیسا

ہندوستان کا ہے مالیاتی اصلاحات تو ناممکن ہیں۔ اگر تخفیف مصارف ہی مقصود ہو تو اس دستور میں کہیں نہ کہیں اسیرانِ محصول کے اغراض کی نمایندگی کی گنجایش نکالنی ہوگی۔

شاہنشاہی ہند کے متعلق تاریخ ہی فیصلہ کرے گی کہ عصر جدید کے ادارات میں وہ سب سے زیادہ عظیم الشان ادارہ ہے۔ لیکن آنے والے مورخین کو یہ دلخراش قصہ دہرانا پڑے گا کہ اس شاہنشاہی نے ہندوستان میں امن تو قائم کیا لیکن وہ اہل ہند کو خوش حال نہ بنا سکی۔ یہ کہ صنعت اور حرفت کا نام و نشان تک باقی نہ رکھا۔ یہ کہ کاشتکار ایسے سنگین اور تغیر پذیر محصول سے پس گئے جنہیں ادا کرنے کے بعد آمدنی سے پس انداز کرنے کے لئے کچھ نہیں بچتا تھا۔ یہ کہ محاصل کا بیشتر حصہ ایک طفل گم شدہ کی طرح انگلستان چلا جاتا تھا۔ اور یہ کہ تباہ کن مسلسل قحط سے لکھو کھا نفوس کا صفایا ہوگیا تھا۔ برخلاف اس کے انگریزوں کے لئے اس قصے کا بیان کرنا باعث امتنان ہوگا کہ انگلستان نے بیسویں صدی عیسوی میں انگلینڈ کی طرح ہندوستان میں بھی اپنی تمام گزشتہ غلطیوں کی تلافی کردی یہ کہ محصول اراضی میں تخفیف کردی۔ حرفتوں میں نئی روح پھونک دی رعایا کی نمایندگی کی ترویج کی اور اہل ہند ہی کے مفاد میں ہندوستان پر حکومت کی۔ اور یہ کہ اہل ہند کے دل و دماغ بھی یہی محسوس کرنے لگے تھے کہ اب ان کا شمار بھی ایک عظیم الشان متحدہ شاہنشاہی کے شہریوں میں ہو چلا تھا۔

رامیش دت۔

لندن۔ دسمبر ۱۹۰۲ء عیسوی۔

دیباچہ طبع ثانی

اس کتاب کی اشاعت کو ابھی تین سال نہ ہوئے تھے کہ طبع ثانی کا مطالبہ ہونے لگا جو مؤلف کے لئے حوصلہ افزائی کا باعث ہوا اور مؤلف کو یہ دیکھکر بڑی مسرت ہوئی کہ امریکہ میں یہ کتاب ایک حد تک مقبول ہوئی اور اس کے ان ابواب کا جن میں تاریخی واقعات بیان کئے گئے ہیں ہالینڈ کے پروفیسر زیمن نے ایک یورپی زبان میں ترجمہ کیا

موجودہ زمانے میں آثار بہت امید افزا نظر آرہے ہیں یسنہ رواں میں ہندوستان کی جدید حکومت نے اراضی پر جو بعض سنگین ابواب عائد کئے تھے ان کو موقوف کردیا اور انگلستان کی جدید پارلیمنٹ نے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ وہ مجالس وضع قوانین میں نمایندگی کے عنصر میں عنقریب اضافہ کرنے والی ہے۔

رامیش دت۔

لندن۔ اگست ۱۹۰۶ عیسوی

فہرست مضامین

معاشی تاریخ ہند جلد دوم

پہلی کتاب

عہدِ کمپنی بہادر

سنہ ۱۸۳۸ء تا سنہ ۱۸۵۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

آکلینڈ اور النبرو

۱۸۳۵ء میں لارڈ ولیم بنٹنک نے ہندوستان کو خیرباد کہا۔ اس کی ہفت سالہ حکومت کا زمانہ امن، تخفیف مصارف اور اصلاح کا زمانہ تھا۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں امن قائم کیا اور ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ صلح پسندی کے ساتھ گزاری۔ اس نے سرکاری قرضے میں تخفیف کی اور سالانہ مصارف میں نہ صرف کمی کی بلکہ محاصل میں اخراجات کے بمقابل فاضلات بھی کر کے دکھائے۔ اسی نے شمالی ہند میں اس مرتمہ بندوبست کی ابتدا کی جس سے زمیندار اور کاشتکار دونوں کو فائدہ پہنچا۔ اس نے تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو سررشتہ جات عدالت و مالگزاری کی اعلیٰ خدمتیں بھی دیں۔ ستی کی رسم بند کر دی اور ٹھگی کے جرائم کا انسداد کیا۔ انگریزی تعلیم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس نے ان اصول پر کاربند رہنے کی کوشش کی کہ ہندوستان کے نظم ونسق میں ہندوستانیوں کے اغراض سب پر مقدم ہونے چاہئیں۔ اس کے جانشین سر چارلز مٹکاف نے بھی انھیں تجربوں اور روایات سے فائدہ اٹھا کر وہی طریقہ اختیار کیا اور انھیں اصول کا پابند رہا جنکی بنٹنک نے پابندی کی تھی چنانچہ مٹکاف نے اخباروں کو آزادی بھی بخشی اور

ایک قابل و نیک نیت حاکم ہونے کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔

لارڈ ولیم بنٹنک کا استعفاء جب اگست سنہ ۱۸۳۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظماء تک پہنچا تو اس وقت ہنری جورج ٹکر انکا میر مجلس تھا۔ ٹکر نے ہندوستان میں ممتاز خدمتیں انجام دی تھیں اور ویلزلی اور منٹو کے تحت مالی انتظامات میں بھی خاص قابلیت دکھائی تھی۔ خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اور انگلستان کی طرف مراجعت کرنے پر بھی اس نے ہندوستان کے اغراض کو کبھی نظرانداز نہیں کیا۔ بنٹنک کا استعفاء پیش ہونے پر ٹکر کو فکر ہوئی کہ اس کا جانشین کوئی اسی کا ہم پلہ شخص مقرر ہونا چاہیئے۔ مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن اور چارلس مٹکاف یہ دونوں اس کے پیش نظر تھے۔ مقدم الذکر حال ہی میں بمبئی سے انگلستان واپس آیا تھا اور موخر الذکر بنگالے میں ہنوز اپنی مفوضہ خدمت انجام دے رہا تھا۔ الفنسٹن نے جو اس زمانے میں انگلستان میں آسودہ زندگی بسر کر رہا تھا دوبارہ ہندوستان کے شور و شر میں مبتلا ہونے سے انکار کر دیا۔ اس پر نظماء کے میر مجلس نے گورنر جنرل ہند کے عہدۂ جلیلہ پر سر چارلس مٹکاف کے تقرر کی تجویز پیش کی جس کو نظماء نے کثیر غلبۂ آراء کے ساتھ منظور کر لیا۔ مگر وزرائے سرکار برطانیہ نے اس میں تامل ظاہر کیا۔ جب مجلس نظماء کی یہ تجویز مجلس نظم میں پہنچی تو مجلس نظم نے کمپنی کے انتخاب کو اس عہدہ کیلئے نامناسب قرار دیا کیونکہ دراصل ارکان کی خفیہ خواہش یہ تھی کہ یہ سب سے بڑی خدمت اپنے گروہ کے کسی طرفدار کو مل جائے۔

انگلستان کے نظم و نسق میں بڑے بڑے تغیرات متواتر وقوع میں آئے "جدت پسند گروہ" کی وزارت جس نے سر چارلس مٹکاف کے تقرر کو نامنظور کیا تھا سنہ ۱۸۳۴ء کے آخر میں مستعفی ہو گئی۔ اس کے بعد سر رابرٹ پیل نے "قدامت پسند" حکومت قائم کی جس نے سر چارلس مٹکاف کے بجائے ایک "قدامت پسند" امیر کا انتخاب کیا۔ یہ امیر لارڈ ہیٹسبری تھا جس کا تقرر جنوری سنہ ۱۸۳۵ء میں اس خدمت پر ہوا اور فروری میں تاج برطانیہ نے اسکی منظوری بھی دیدی۔ مارچ میں ہیٹسبری کو وداعی ضیافت بھی دی گئی۔ سر رابرٹ پیل۔ ڈیوک ولنگٹن

اور دیگر "قدامت پسند" معززین شریک جلسہ تھے لیکن اپریل میں لارڈ ہیٹسبری کے ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے "قدامت پسند" حکومت کا عزل ہو گیا اور جدت پسند وزارت نے جو اس کے بعد ہی قائم ہوئی اس قدامت پسند امیر کے تقرر کو منسوخ کر کے اسکے بجائے اپنے گروہ کے ایک امیر کو گورنر جنرل ہند کے عہدہ پر مامور کیا۔ سر چارلز مٹکاف سے جو بنٹنک کی روانگی کے بعد گورنر جنرل کی خدمت ایک قائم مقام کی حیثیت سے انجام دیرہا تھا عنان حکومت لینے کے لئے لارڈ آکلینڈ مقرر ہوا یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ معاملات قدامت پسند گروہ کے لئے زیادہ باعث ذلت تھے یا جدت پسند گروہ کے لئے لیکن اتنا تو ضرور معلوم ہوتا تھا کہ دونوں گروہ مساوی طور پر اپنے اپنے اغراض کو ہندوستان کے نظم و نسق کی ضرورت پر ترجیح دیتے تھے۔

لیکن گورنر جنرل ہند کے عہدہ پر لارڈ آکلینڈ کا تقرر بہت گہرے معنی رکھتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کی خارجی حکمت عملی کی تشکیل انگلستان کی خارجی حکمت عملی کے مماثل ہونی چاہیئے۔ انگلستان میں جدت پسند گروہ نے ۱۸۳۰ء کے انتخاب میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنی وزارت قائم کی اور ایک تھوڑے سے وقفے کے سوا جو ۱۸۳۴ اور ۱۸۳۵ء کے درمیانی موسم سرما میں واقع ہوا تھا گیارہ سال تک انہیں کی حکومت قائم رہی اس جدت پسند حکومت میں اسوقت سب سے زبردست شخص لارڈ پامرسٹن وزیر خارجہ تھا اور اس کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ وہ روس کو مشرق میں کسی طرح بڑھنے نہ دے۔ چنانچہ اس نے اسی غرض سے ۱۸۳۹ء میں ترکی حکومت کی تائید اور امداد بھی کی۔ ۱۸۴۰ء میں اس نے یورپ کی تین طاقتوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ ترکوں کو افواج و عساکر سے کمک دیں اور ۱۸۴۱ء میں اس نے مصر کو دوبارہ ترکی طاقت کے زیر نگیں کر دیا۔ ان تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ہندوستان پر لارڈ آکلینڈ کے تقرر کا اصلی منشا روس کے خلاف انگلستان کی حکمت عملی کو تکمیل پر پہنچانا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی پر اکثر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ الحاق و فتح کی خاطر لڑائیاں مول لیتی تھی مگر پہلی جنگ افغان کا جرم اس پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔

کیونکہ یہ جنگ اس کی منظوری یا رضامندی کے بغیر اس کے سر پڑی تھی۔
سنہ ۱۸۳۴ء ہی میں مجلس نظمار کے میر مجلس وقت ہنری سینٹ جورج ٹکر نے مجلس نظم کو ان اصول کے تسلیم کرنے پر راضی کر لیا تھا کہ روس کو نہ بڑھنے دینے کے لیے انگلستان جو چالیں چل رہا تھا اور جو معاملات ایران سے طے ہو رہے تھے ان سے ہندوستان کو کوئی سروکار نہ ہوگا بلکہ وہ سب خاص یورپ ہی سے متعلق ہونگے۔ اس "افسوس ناک خست" کے ساتھ جو ہندوستان کے اکثر مالی معاملات میں انگلستان کا خاصہ رہی ہے یہ انتظام کیا گیا کہ سفارت ایران کے لیے ہندوستان سالانہ بارہ ہزار پونڈ دیتا رہے لیکن انگریزی سفیر مقیم طہران اور ایران کے تمام سیاسی امور پر تمام اقتدار وزرائے دولت برطانیہ ہی کے ہاتھ میں رہے جب روس و ایران سے متعلق مسئلے کو خاص یورپ کا مسئلہ تسلیم کر لیا گیا تھا اس وقت یہ گمان تک نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا جبکہ اس مسئلے کے حل کرنے میں ہندوستانیوں کا خون اور خزانہ پانی ہو کر بہے گا۔

ڈاکٹر میکنیل شاہ ایران کے دربار میں سفیر مقرر ہوا اور اس نے لارڈ پامرسٹن وزیر خارجہ کے ساتھ براہ راست مراسلت شروع کر دی۔ فروری سنہ ۱۸۳۷ء میں اس نے لارڈ پامرسٹن سے شکایت کی کہ قندھار کے گماشتے نے روسی ایلچی سے ملاقات کی مگر سفیر انگلستان سے ملا تک نہیں۔ اور اسی مہینے میں پامرسٹن کو ایک اور مراسلہ لکھا جس میں شاہ ایران کی ہرات پر ممکنہ فوج کشی کو جائز قرار دیتے ہوئے حسب ذیل امور پیش کیے:۔

"ہرات پر ایران کے دعوئے اقتدار سے قطع نظر کر کے اگر اس مسئلہ کو محض دو خود مختار فرماں رواؤں کے مابین تصفیہ طلب امر تصور کیا جائے تو میری دانست میں ہرات کی حکومت ہی کی اس میں زیادتی پائی جائے گی۔"

"ایران نے افغانیوں کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں کی تھی لیکن شاہ سابق کی وفات پر حکومت ہرات نے ترکمان اور ہزارہ قبائل کو ساتھ لیکر علاقہ ایران میں خوب تاخت و تاراج کی اور ایرانی رعایا کو غلاموں کی طرح بیچنے

کی غرض سے گرفتار کر لیا۔"

"ان حالات کے لحاظ سے اگر شاہ ایران شاہزادہ کامران کے خلاف اعلان جنگ کرے بھی تو شاہ ایران کے حق بجانب ہونے میں میرے نزدیک کوئی شبہ نہیں ہے۔"

الغرض ایرانیوں نے ہرات پر حملہ کر دیا۔ دوست محمد امیر افغانستان بھی شاہ ایران کی مدد پر آمادہ ہو گیا۔ ایک زمانے میں اسی دوست محمد نے رنجیت سنگھ والی پنجاب سے پشاور واپس لینے کی کوشش کی تھی اور کابل میں روسی سفارت کا قیام بھی منظور کر لیا تھا۔ بادی النظر میں یہی وجوہ تھے جن کی بناء پر لارڈ آکلینڈ گورنر جنرل وقت نے افغانستان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

اب قارئین کو بڑے تجسس کے بعد بھی پتا نہیں چلتا کہ آخر اس جنگ کا جس میں ہندوستان بلاوجہ گرفتار ہو گیا۔ کوئی معقول سبب بھی تھا کہ نہ تھا اگر یہ کوشش اس لیے تھی کہ رنجیت سنگھ سے پشاور واپس لے لیا جائے تو یہ کوشش رائگاں گئی کیونکہ رنجیت سنگھ اپنے مال کی آپ بخوبی حفاظت کرنے کے قابل تھا یا یہی فرض کیا جائے کہ یہ جنگ محض اس غرض سے شروع کی گئی تھی کہ دوست محمد خاں نے ہرات پر حملہ کرنے میں شاہ ایران کی مدد کی تھی اس لیے اس سے انتقام لیا جائے تو بھی یہ مفروضہ درست نہیں ہو سکتا کیونکہ گورنر ہرات کے طرز عمل کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوست محمد خان کا شاہ ایران کی کمک کرنا "بالکل جائز و حق بجانب" تھا جیسا خود ڈاکٹر میکنیل نے اپنے ۱۸۳۸ء کے مذکورۃ الصدر مراسلے میں اعتراف کیا ہے۔ سچ پوچھئے تو اس جنگ کی اصل غرض یہ تھی کہ دوست محمد جیسے قابل اور زبردست حکمران کو باوجود دوستانہ ہونے کے معزول کر کے انگریزوں کے کسی آوردے کو اس کی جگہ تخت نشین کیا جائے۔ اسطرح دراصل لارڈ پامرسٹن انگلستان کے ایک زبردست حریف کا مشرق میں مقابلہ کر رہا تھا باایں ہمہ لارڈ آکلینڈ نے اس جنگ کے مصارف ہندوستان کے محاصل سے ادا کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی سینٹ جورج ٹکر نے لکھا کہ "ملکہ معظمہ کی حکومت کے لئے سہولت اسی میں تھی کہ روس کے مقابلے کے لیے اپنا بیڑہ بحیرہ بالٹک یا بحیرۂ اسود روانہ کرنے کے بجائے اس مہم کے جملہ مصارف کا بوجھ ہندوستان ہی

پر ڈال دے۔ لیکن ہم ایسی کوششوں کی جن کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی دولت ملک کے باہر اور امور پر صرف کی جارہی ہے یقیناً مدافعت کریں گے۔"

بالآخر ہرات کا محاصرہ ایرانی فوجوں نے اٹھالیا۔ اب افغانی معاملات میں لارڈ آکلینڈ کی مداخلت کی ظاہری وجہ جو تھی وہ بھی غائب ہوگئی۔ افغانستان کے ساتھ جنگ کا ارادہ ترک کرنے کے لئے ابھی کافی مہلت تھی۔ اگرچہ ڈیوک ولنگٹن ایسا شخص نہ تھا کہ اس کو "ہر صورت صلح پسند" کہا جاسکتا تاہم خود اس کی بھی رائے یہی تھی کہ اس مہم سے اب دست بردار ہوجانا چاہیئے چنانچہ اس نے سینٹ جورج ٹکر کو یہ لکھا کہ "میں تو یہ سمجھتا تھا کہ ہرات کا محاصرہ اٹھانا خود دریائے سندھ کی مہم سے دست بردار ہونے کی علامت تھی۔ اگر اب ارادہ بدل گیا ہے تو یہ بڑی بدنصیبی ہے۔ اس مسئلے کے تصفیے کے لئے کہ افغانستان میں کون حکمراں رہے کون نہ رہے دریائے سندھ کو عبور کرکے افغانستان میں ہمارا داخل ہونا ہمیشہ کے لئے ہماری فوج کو یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں کوچ کرتے رہنے پر مجبور رکھے گا۔"

لیکن لارڈ آکلینڈ اپنی دانست میں اس معاملے کو ولنگٹن سے بھی بہتر سمجھتا تھا چنانچہ اس نے مجلس نظماء کی مجلس معاملات راز کو لکھا کہ "شاہ ایران کے محاصرۂ ہرات اٹھادینے کی صحیح اطلاع ملنے پر میں نے اس مفید مطلب صورت حال پیدا ہوجانے کے باوجود ان تدابیر پر قائم رہنے کا مصمم ارادہ بالاعلان ظاہر کیا جنکی تکمیل ہندوستان کی مغربی سرحد پر ہمیشہ امن قائم رکھنے اور اس سمت سے حملہ آوری کے منصوبوں کا دوامی سدباب کرنے کے لئے کی گئی تھی۔" اب شصت سالہ تجربے کی بنا پر ہم خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ڈیوک ولنگٹن اور لارڈ آکلینڈ ان دونوں میں کون حق پر تھا اور افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے سے کیا ہم نے ایسے حملوں کا دوامی سدباب کردیا جو کچھ رکاوٹیں موجود تھیں ان تک کو باقی نہیں رکھا اور اب "اس ملک میں ہماری فوج یہاں سے وہاں وہاں سے یہاں کوچ پر لگی ہوئی ہے۔"

بہر حال یہ جنگ جاری رہی۔ انگریزوں کی فوج سندھ سے ہوکر افغانستان گئی کیونکہ رنجیت سنگھ نے اپنی پنجاب کی عملداری سے ہوکر گزرنے کی اس کو اجازت

نہیں دی تھی ۱۸۳۹ء میں قندھار فتح ہوگیا۔ جولائی میں غزنی پر چڑھائی کی گئی اور
اگست میں فوج کابل پہنچ گئی۔ دوست محمد دریائے جیحوں کو عبور کر کے بخارا میں
روپوش ہوگیا اور اس کی جگہ شاہ شجاع تخت نشین کیا گیا۔ اس پر نہ صرف انگلستان
کے لوگ پھول گئے بلکہ جو کارکن اشخاص موقع پر موجود تھے انھوں نے بھی وہ
وہ لاف زنی کی کہ کسی انگریز مدبر یا نبرد آزما نے ابھی آج تک نہیں کی۔ غزنی
کی فتح کے بعد سر جان کین نے لارڈ آکلینڈ کو لکھا کہ "اپنی پینتالیس سال کی ملازمت
میں میں نے جس آب و تاب کے کارنامے چار دانگ عالم میں دیکھے ہیں۔ ان میں ایک
یہ فتحیابی بھی ہے جو انگریزی فوج نے میرے قسمت یہاں حاصل کی" اس کے علاوہ
"سردار دوست محمد خان کے فرار ہو جانے اور ملک معظم شاہ شجاع الملک کے کابل میں اپنی
رعایا کی تہنیت اور مبارکباد کے ساتھ داخل ہونے" کے متعلق لارڈ آکلینڈ نے
بھی نظماء کی مجلس معاملات راز کو لکھا۔ اور خود ملک معظم شاہ شجاع الملک نے
ملکۂ وکٹوریہ کو لکھا "میری خواہر شاہانہ کے دوست نواز احساسات سے مجھ کو اعتماد
کلی ہے کہ میری دلی خواہشات پر ہر وقت نظر التفات یونہیں مبذول رہے گی"
شجاع الملک کی خواہش یہ تھی کہ درانی شاہنشہی کا ایک خاص تمغۂ اعزاز بنایا جائے
اور درجۂ اوّل کا تمغہ لارڈ آکلینڈ، سر جان کین اور چند دیگر اشخاص کو عطا کیا جائے

پہلی جنگ افغانستان کے تاریخی واقعات کی تفصیل موجودہ کتاب
کے مقصد سے باہر ہے۔ مدارس کی تاریخ ہند سے متعلق ہر نصابی کتاب میں اس
جنگ کا بیان موجود ہے اور ایک صاف گو انگلو انڈین مورخ نے بھی زیادہ تفصیل
اور صداقت کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔ مختصراً یہ کہ افغانیوں نے اپنے معاملات
میں پردیسیوں کی مداخلت گوارا نہیں کی۔ شاہ شجاع کو جو حال حال میں امیر ہوا تھا
اپنے کاروبار پر انگریزی سفیر کی نگرانی تلخ تھی۔ کابل کے ملاؤں نے شاہ شجاع کا
خطبہ پڑھنے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ ان کا خود مختار بادشاہ نہ تھا
رفتہ رفتہ جب ہندوستانی خزانے کی بہتی گنگا میں وہ پہلی سی طغیانی نہ رہی تو قبائل
کے سردار و سرخیل بھی کھلی دشمنی کرنے لگے ۱۸۴۱ء میں ۲ نومبر کو کابل میں
بغاوت شروع ہوگئی جس میں سر الگزانڈر برنس مارا گیا۔ ۲۳ دسمبر کو مکناٹن

نامی انگریز سفیر کو دوست محمد خاں کے بیٹے اکبر خاں نے ایک عام بھری مجلس میں مار ڈالا۔ جنوری سنہ ۱۸۴۲ء میں انگریزوں کا لشکر جس میں چار ہزار سپاہی اور بارہ ہزار ہمراہیانِ لشکر تھے کابل سے پسپا ہونا شروع ہو گیا۔ اس پر مصائب پسپائی کے دوران میں کبھی مجادلہ و محاربہ ہوا۔ اور کبھی صلح کے نامہ و پیام ہوتے رہے۔ اکبر خاں نے انگریزوں کو ان کے اہل و عیال کے ساتھ بطور یرغمال طلب کیا اور ہزیمت خوردہ افواج پر گولہ باری برسانے کے لئے اس کی فوجیں غلزائی قبیلے کے ساتھ مل گئیں۔ انگریزوں کا مناد ا لشکر سپاہیوں اور ہمراہیوں کو ملا کر سولہ ہزار کی تعداد میں افغانیوں کی گولہ باری سے جانبر نہ ہو سکا۔ اور ان میں سے زخمی ہو کر جو لوگ بچ گئے وہ افغانستان کی برفباریوں میں سردی سے اکثر مر گئے یا فاقہ کشی سے جانبر نہ ہو سکے۔ سارے لشکر میں ڈاکٹر برائیڈن اکیلا شخص تھا جو اپنی جان سلامت لے گیا۔ لارڈ آکلینڈ کے بعد لارڈ النبرو سنہ ۱۸۴۲ء میں گورنر جنرل ہند مقرر ہوا۔ اس اثنا میں انگلستان میں "جدت پسند گروہ" کے زوال پر "قدامت پسند حکومت" قائم ہو چکی تھی اور نئے وزراء سلطنت اس پر مصائب اور ناعاقبت اندیش جنگ کے ذمہ دار نہ تھے اس لئے اگر وہ اس جنگ کا سب الزام اپنے پیشروؤں کے سر لگا دیتے تو بالکل حق بجانب ہوتے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے حق میں یہ انصاف کرنے کی ان سے توقع بھی تھی کہ وہ اس جنگ کے مصارف سے ہندوستان کو بالکل بری الذمہ کر دیں گے لیکن وزرائے برطانیہ کو خواہ وہ "جدت پسند گروہ" سے ہوں یا "قدامت پسند گروہ" سے ایک ناکامیاب جنگ کے مصارف کے لیے اپنے اپنے حلقہ ہائے انتخاب کے لوگوں کے سامنے ہاتھ پسارنا پسند نہ آیا۔ ادھر مجلس نظما نے اپنے دعاوی نہایت شدومد کے ساتھ پیش کیے اور ادھر مجلس مالکان کمپنی نے بھی ایسی شدومد کے ساتھ ان کی تائید کی۔ اگرچہ اہل ہند کو یہ بڑی ناانصافی معلوم ہوتی تھی کہ ہندوستان کی سرحد سے باہر کی جنگ کے مصارف کے لیے ہندوستان پر مالی بار ڈالا جائے با ایں ہمہ سب انکار و اعتراض بے سود ثابت ہوئے۔ پہلی جنگ میں افغانستان کے مصارف ڈیڑھ کروڑ پونڈ ہوئے تھے اس تمام رقم کا بار ہندوستان کے محاصل پر ڈالا گیا اور برطانیہ عظمیٰ نے ایک حبہ بھی اس کا ادا نہیں کیا۔

فروری ۱۸۴۲ء کو لارڈ الینبرو کلکتہ پہنچ گئے۔ الینبرو میں ہندوستان کے نظم ونسق کا کام انجام دینے کی قابلیت تھی کیونکہ وہ ہندوستان کی مجلس نظم کی صدر مجلسی کا کام کرچکا تھا۔ اس نے زمانۂ سابق میں ان تمام محصولات راہداری کے اٹھا دینے میں مدد دی تھی جو ہندوستان کی تجارت داخلہ کے سنگ راہ تھے اور اس مجلس تحقیقہ کی میمبری بھی کی تھی جس کو دارالامرا نے ہندوستان کی عام پیداوار اور مصنوعات کے مسئلے پر تحقیقات کرنے کی غرض سے مقرر کیا تھا لیکن ایسے شخص کے لیے ہندوستان پہنچنے کے ساتھ ہی دوسرے سب کام چھوڑ کر صرف افغانی معاملات پر فوری توجہ کرنا اس وقت بالکل ناگزیر بن گیا تھا۔

جون ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ وفات پاچکا تھا اور اس وقت پنجاب سے ہو کر انگریزی فوج کے کوچ کرنے کا کوئی مزاحم نہیں رہا تھا۔ کمک کے لئے جنرل پولک پنجاب ہو کر گزرا اور جلال آباد سے غنیم نے محاصرہ اٹھا لیا۔ پولک نے اکبر خان کو شکست دی اور ستمبر ۱۸۴۲ء میں کابل پر قابض ہو گیا۔ کابل کا بڑا بازار جس کا ایشیا کی شاندار سے شاندار عمارتوں میں شمار ہے بارود سے اڑا دیا گیا اور فتح کے جوش میں فوج نے رعایا پر بطور یادداشت طرح طرح کی زیادتیاں بھی کیں۔

یکم اکتوبر ۱۸۴۲ء میں یعنی لارڈ آکلینڈ کے اعلان جنگ سے ٹھیک چار سال کے بعد آکلینڈ کے جانشین نے اعلان کیا کہ افغانستان سے افواج فاتح واپس طلب کرلی جائیں گی اس اعلان میں چند فقرے ایسے بھی ہیں جن کو کوئی ڈیوک ولنگٹن سا شخص ہی لکھ سکتا تھا اور جن کی کوئی لارڈ لارنس جیسا آدمی ہی تعمیل کرا سکتا تھا۔ یہ جملے ایسے ہیں جن کی صداقت ابدالآباد تک قایم رہے گی۔

"کسی فرماں روا کو ایسے لوگوں پر مسلط کرنا جو اس سے بالکل ناراض ہیں انگریزوں کی حکمت عملی اور اغراض کے خلاف ہے ورنہ اس کے یہ معنی ہے کہ رعایا کا جنگی ساز و سامان اور راس المال نہ صرف ہر حملہ آور کی خدمت بجا لانے کے لئے وقف ہے بلکہ ایک ایسے فرماں روا کے تمام مصارف برداشت کرنے کے لئے بھی جس سے رشتۂ اتحاد پیدا کرنے میں رعایا کو کسی فائدے کی توقع ہی نہیں۔"

"گورنر جنرل ہند ہر دیسی حکومت کو تسلیم کرلے گا جو خود افغانیوں کی پسند کی

ہوئی ہو اور جو اطراف کی مملکتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کی نہ صرف خواہشمند ہو بلکہ قابل بھی ہو۔

"حکومت ہند اپنے حدود پر جو فطرت کے قائم کیے ہوئے معلوم ہونے ہیں قانع رہے گی اور اپنی تمام کوشش عام طور پر امن قائم رکھنے میں اور خود مختار فرماں رواؤں یعنے اپنے حلیف کی حفاظت اور خود اپنی وفادار عقیدت کیش رعایا کی فلاح و بہبود و خوش حالی میں صرف کرے گی"

یہ دانشمندانہ اور مدبرانہ الفاظ تھے لیکن لارڈ النبرو کے نظم و نسق پر یہ داغ لگ گیا کہ اس نے اتنا لکھنے کے بعد ہی ایک کمزور اور ہمسایہ ریاست کے ساتھ ان اصول کے مغائر دوسری قسم کی حکمت عملی اختیار کی۔ یاد ہو گا کہ امیران سندھ نے ۱۸۳۸ء میں انگریزوں کی فوج کو کابل جاتے ہوئے اپنے ملک سے گزرنے کی اجازت دی تھی بس اس تاریخ سے سندھ کو بہ حیثیت مغربی ایشیا کے رہ گزر ہونے کے ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی۔ انگریزوں کی فوج جب تک افغانستان پر قابض رہی اس وقت تک امیران سندھ نے حکومت ہند کی خوب مدد کی مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کے باوجود جنگ افغانستان کے ختم ہوتے ہی حکومت ہند نے فوری اس ملک کا الحاق کر لیا۔

ایک زمانے سے نیپیر اوٹرم سندھ میں انگریزوں کا سیاسی وکیل رہا تھا اور اس کے خاصہ طبیعت کے موافق امیران سندھ کے ساتھ اس کا برتاؤ تلطف آمیز مشفقانہ اور اس کے ساتھ ساتھ موقع و ضرورت کے لحاظ سے قوت و استقلال سے کام لینے میں بھی وہ کبھی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ اکتوبر ۱۸۴۲ء میں اعلیٰ اختیارات اوٹرم سے چھین کر سر چارلس نیپیر کو تفویض کیے گئے۔ نیپیر ایک بہادر اور ممتاز سپاہی تو تھا مگر ساتھ ہی ساتھ مغرور خود رائے اور تند مزاج واقع ہوا تھا اور اسی وجہ سے ہندوستان کے والیان ریاست کے ساتھ سیاسی روابط قائم رکھنے کی غرض سے اس کا انتخاب بہت ہی ناموزوں تھا۔[1]

---

[1] ۱۸۳۹ء عیسوی میں نیپیر کیفیلونیہ کا گورنر مقرر ہوا تھا لیکن ہر ایک سے لڑنا جھگڑنا (بقیہ صفحہ آئندہ)

نے پہلے ایسی سُنی سنائی باتوں کو باور کرلیا کہ بعض امیران سندھ انگریزوں کی حکومت سے بدظن اور بددل ہیں اور اس بنا پر اس نے امیران سندھ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جنگ میانی اور جنگ حیدرآباد ان دونوں لڑائیوں میں ۱۸۴۳ء کے فروری اور مارچ میں امیران سندھ کو شکست ہوئی اور لارڈ ڈالنبرو نے جسکو مشرق میں صلح و اتحاد پیدا کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا سندھ کے الحاق کا حکم صادر کر دیا۔

ایک دوستانہ ریاست پر ایسے الزام لگا کر جو کبھی ثابت نہ ہوسکے اس ملک کے الحاق کو جائز بنانے کی کوشش میں آج تک کسی جانبدار مورخ نے اپنی تضییع اوقات نہیں کی۔ مجلس نظما کی تعریف کی بات ہے کہ اگست ۱۸۴۳ء میں اس نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ امیران سندھ کے خلاف جو کارروائی کی گئی تھی وہ نہ صرف انصاف اور زمانہ شناسی بلکہ حکومت ہند کے اغراض اور نیک نامی کے بھی خلاف تھی۔ اغلب یہ ہے کہ سندھ کے متعلق لارڈ ڈالنبرو کا یہ اقدام ٹوری گروہ کی وزارت کے ایما سے ہوا ہو جیسا افغانستان کے معاملے میں جنگ و پیکار کے ایما سے لارڈ آکلینڈ نے کیا تھا۔ مجلس نظما ہر شخص کو واپس طلب کر لینے کی مجاز تھی چنانچہ اس نے ٹوری وزرا کے علانیہ اعتراضات کے باوجود ۱۸۴۴ء میں جب لارڈ ڈالنبرو کے دو ہی سال نظم ونسق میں گزرے تھے اُسے واپس طلب کر لیا۔

سندھ کے الحاق کے متعلق ایک اور واقعہ تاریخی نقطۂ نظر سے نہ سہی تو ادبی نقطۂ نظر سے ضرور دلچسپ ہے۔ سر چارلس نیپیر فاتح سندھ کا ایک چھوٹا بھائی ولیم نیپیر نامی تھا جو صاحب سیف وقلم ہونے کی حیثیت سے ایک خاص امتیاز رکھتا تھا یہ ڈیوک ولنگٹن کی سرکردگی میں پنینسولر جنگ میں شریک رہا تھا چنانچہ اس جنگ کی تاریخ بھی اس نے لکھی تھی جو انگریزی زبان میں تا حال ایک مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ایسا بہادر سپاہی اور ممتاز مورخ اپنے بھائی اور میجر اوٹرم کے جھگڑوں میں پھنس گیا۔ اس پنینسولر جنگ کی تاریخ کے مولف نے ۱۸۴۵ء میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱) اس کی طینت میں داخل تھا اسی بنا پر حکام وطن کے ساتھ اس نے لڑائی مول لی۔ سندھ کی فتح کے بعد برطانوی حکام سے سخت لڑائی شروع کر دی۔ زمانہ مابعد میں یہ پھر ہندوستان آیا اور سپہ سالار مقرر ہوا لیکن اس وقت بھی لارڈ ڈلہوزی سے جھگڑا کر لیا اور بالآخر ۱۸۵۱ء میں ہمیشہ کے لئے ہندوستان سے رخصت ہوا۔

"فتح سندھ" پر اسی نام کی ایک کتاب شائع کی۔ اس اشاعت میں صرف اپنے بھائی کو بری الذمہ ثابت کرنے پر قناعت نہ کر کے اس نے میجر اوٹرم پر یہ الزام لگایا کہ وہ جنگی قابلیت نہ رکھتا تھا اور یہ کہ اوٹرم نے اُس حکمت عملی کی بھی مخالفت کی تھی جس سے ہندوستان کی تمدنی ترقی مقصود تھی مزید یہ کہ اس نے ایسی تدابیر اختیار کرنے کی رائے دی تھی جو اگر اختیار کر لی جاتیں تو انگریزوں کی افواج کا قلع قمع ہی ہو جاتا۔ ان دونوں بھائیوں نے جن کے جنگی اور ادبی کارناموں کی شہرت عام تھی اس بات کی کوشش کی کہ اپنی اپنی شخصیت کے متحدہ اثر سے ایک گمنام سپاہی پیشہ نوجوان آدمی کو دبوچ لیں، مگر آنے والی نسلوں کی انصاف پسندی کی یہ بھی ایک مثال ہے جو وہ کبھی کبھی بے اور باعزت اشخاص کے حق میں دکھاتی ہیں کہ جیمز اوٹرم کو ان نا روا حملوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ اس زمانے میں بھی بہ مقابل فاتح سندھ کے اوٹرم کی شہرت ہندوستان میں زیادہ بلند پایہ ہے۔ اس نے ولیم نیپیر کی تالیف کا اپنے ہی سادہ طرز تحریر میں جو جواب دیا ہے اس کو اب بھی اکثر لوگ پڑھتے ہیں درانحالیکہ ولیم نیپیر کی جانبدارانہ کتاب کسی کو یاد بھی نہیں۔ اوٹرم کی کارگزاری کی ابھی ابتدا ہی تھی کہ اس نے غربا پروری سے اور بیکسوں کے ساتھ ہمدردی دکھا کر اپنے اعلیٰ کردار کا ثبوت دیا اور اسی وقت سے "بیرڈ ہند" کہلانے لگا۔ اس کے علاوہ ۵۷ء کے ہنگامے میں اس نے خاص امتیاز حاصل کیا اور اس کے بعد کے سال میں اس کو "بیارونٹ" کا خطاب عطا ہوا اور جب ہندوستان کا نظم و نسق ایسٹ انڈیا کمپنی سے تاج برطانیہ پر منتقل ہوا تو اوٹرم کو لارڈ کیننگ کی کونسل میں جو پہلا وائسرائے مقرر ہوا تھا جگہ دی گئی۔

سندھ کے الحاق پر جو فیصلہ جیمز اوٹرم نے کیا ہے وہی فیصلہ مجلس نظماء اور غیر جانبدار مورخوں کا بھی ہے۔ "اہم معاہدوں کی جن کو قبول کرنے پر امیران سندھ کو مجبور کیا گیا تھا ردی کاغذ سے بڑھ کر وقعت نہ دی گئی۔ جب ہمارے لئے بہت نازک زمانہ تھا تو اس وقت امیران سندھ نے ہم پر شفقت و مہربانی کا اظہار اور ہمارے ساتھ دوستی کا اقرار کیا تھا مگر یہ سب کچھ اب نظر انداز کر دیا گیا مزید براں متعدد جھوٹے الزام ان پر عائد کئے گئے حتیٰ کہ ان کے لئے بہر صورت

اپنا بچاؤ کرنا ناگزیر ہوگیا ۔ پھر کیا تھا ایک نامہربان اور بے وفا حلیف کی ناخداترس اور بے رحم تلواروں نے بالآخران کا خاتمہ ہی کر دیا ؟

دوسرا باب

ہارڈنگ اور ڈلہوزی

موجودہ کتاب کا منشا فتوحات والحاقات کی سرگزشت بیان کرنا نہیں ہے آکلینڈ اور ڈلہوزی کے جنگ و جدل اور الحاقات جن پر ایسے شدید مباحث پیدا ہوتے رہے ہیں اس مولف کے لئے جس کا مقصد لوگوں کے صرف معاشی حالات کے بارے میں کچھ لکھنا ہو ایسے دلچسپ نہیں کہ ان کے متعلق خامہ فرسای کی جائے لیکن ہندوستان کی معاشی تاریخ نامکمل رہ جائے گی اگر جنگ و جدل کے مصارف کثیرا ور الحاقات سے جو شاہنشہی کی توسیع حدود ہوی ہے اس کا کچھ نہ کچھ حوالہ نہ دیا جائے۔ اس لئے جیسا پچھلے باب میں آکلینڈ اور ایلنبرو کے عہد حکومت کے اہم واقعات ہم نے بیان کئے ہیں۔ اسی طرح اس باب میں ہارڈنگ اور ڈلہوزی کے نظم ونسق کے واقعات بھی ہم مختصراً بیان کیے دیتے ہیں۔

سنہ۱۸۴۴ء میں جب لارڈ ایلنبرو ہندوستان سے واپس طلب کر لیا گیا تو اس کا قایم مقام سر ہنری ہارڈنگ مقرر ہوا اور اس خدمت کے لئے اس سے بہتر انتخاب نہیں ہو سکتا تھا۔ ہارڈنگ ایک سپاہی پیشہ بہادر آدمی تھا اور سچے جانبازوں کی طرح صلح پسند طبیعت رکھتا تھا۔ پینینسولر جنگ میں نپولین کے لشکر کے مقابلے میں اس نے وہ داد شجاعت دی تھی کہ اپنے لیے خاص امتیاز پیدا کرالیا تھا کرنا کے میدان جنگ میں جہاں سر جان مور کو کاری زخم لگا تھا یہ بھی مور کے ساتھ

نشانہ بنا نہ کھڑا تھا۔ جنگ آلبیویرا میں جہاں گھمسان کا رن پڑا تھا یہ بھی شریک تھا اور رونسویہ کے معرکے میں زخمی ہوا تھا۔ میدان واٹرلو میں بھی موجود تھا اور جنگ لینی میں مارشل بلوشر کے ہمراہیان خاص میں تھا مو خرالذکر جنگ میں اس کا بایاں ہاتھ گولہ لگ کر ایسا چور چور ہو گیا تھا کہ آخر اس کو قطع کر دینا پڑا تھا۔

نپولین کی لڑائیوں کے اختتام پر ہارڈنگ پارلیمنٹ کا رکن جو منتخب ہوا تو بیس سال تک رہا۔ سنہ ۱۸۲۱ء میں لارڈ کاسلرے کی بہن سے اس نے شادی کی اور سنہ ۱۸۲۸ء میں لارڈ پامرسٹن کی جگہ وزیر جنگ کی حیثیت سے کابینہ کا بھی رکن مقرر ہوا۔ وہ ہمیشہ "ٹوری" ہی رہا اور جب سر رابرٹ پیل وزیر اعظم دولت برطانیہ مقرر ہوا تو سنہ ۱۸۴۱ء میں یہ دوبارہ وزیر جنگ مقرر ہوا اور سنہ ۱۸۴۴ء تک اسی عہدہ پر ممتاز رہا۔ لارڈ ایلنبرو کی قائمقامی کے لیے ہارڈنگ کا اس وقت انتخاب کیا گیا جب کہ اس کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی تھی۔ ہارڈنگ کی سی حیثیت کے ایک ممتاز وزیر سلطنت کے لیئے یہ تقرر کچھ باعث امتیاز نہ تھا اور جب سر رابرٹ پیل نے اس کے دو سال بعد کسی موقع پر یہ کہا کہ "سر ہنری ہارڈنگ نے گورنر جنرل ہند کی خدمت قبول کرنے میں "خدمت عامہ بجالانے کی خاطر بڑے ایثار نفس سے کام لیا ہے" تو اس میں سر مو مبالغہ نہ تھا۔

کلکتہ آکر ہارڈنگ کو بمشکل اٹھارہ مہینے ہوئے تھے کہ خواہ مخواہ ایک جنگ اس کے سر پڑی۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ والی پنجاب نے وفات پائی۔ رنجیت سنگھ نے جو سکھوں کی فوج باشکوہ فراہم کی تھی وہ اس کے قابو سے نکلنے کے بعد آپے سے باہر ہو گئی۔ رومائے قدیم کے "پریٹورین گارڈز" کی طرح یہ فوج موقع پاکر چھا گئی ہر دستے میں پنچایتیں قائم کی گئیں اور ان پنچایتوں کے سوا کسی اور کو یہ فوج مانتی ہی نہ تھی۔ حالت یہ تھی کہ سکھوں کی فوج جسکو چاہتی حاکم بنا لیتی اور جسکو چاہتی معزول کر دیتی تھی۔ انقلاب پر انقلاب ہو رہے تھے اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا خود رنجیت سنگھ کے سالے پر الزام لگائے گئے جس کی ان پنچایتوں نے تحقیقات کی اور ان کے فیصلے میں یہ الزام ثابت تھے۔ اس سپاہیوں کی ٹولی نے اس کو گولی مار دی نومبر سنہ ۱۸۴۵ء میں سکھوں کی اس فوج باشکوہ نے جو ساٹھ ہزار سپاہیوں اور چالیس ہزار

ہمراہیان لشکر پر مشتمل تھی اور جس کے ساتھ ۱۵۰ ضرب توپیں تھیں بغیر سوچے سمجھے دریائے ستلج عبور کرکے انگریزوں کی عملداری پر دھاوا کر دیا۔
سکھوں کا سپہ سالار لال سنگھ ایک غدار شخص تھا اور شاید وہ اپنی فوج کا قلع قمع ہوتا ہی چاہتا تھا۔ مودکی پر انگریزوں کے ساتھ جو پہلا مقابلہ ہوا تو یہ معرکہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا کہ لال سنگھ نے فرار پر کمر باندھی جس کے بعد ہی سکھوں کو شکست ہوئی دوسرا معرکہ فیروز پور شہر میں ہوا جہاں گھمسان کا رن پڑا اس لڑائی کا ایک عینی شاہد کہتا ہے کہ انگریزوں کی توپیں ارابوں سے نیچے اتار دی گئی تھیں اور ساتھ کے گولہ بارود کو آگ بتا کر ہوا میں اڑا دیا گیا تھا۔ انگریزوں کے سواروں کے دستے حملہ کرکے ابھی دور نہ بڑھے تھے کہ روک دیئے گئے۔ پلٹنوں پر پلٹنیں تاب مقاومت نہ لا کر پیچھے ہٹ گئیں اور ان کی صفوں کا صفایا ہو گیا۔ دن ڈھلنے تک کچھ نہ ہوا البتہ غروب آفتاب کے بعد سکھوں کے پڑاؤ کا کچھ حصہ یورش کرکے اُن سے چھین لیا گیا۔ صبح ہوئی تو لڑائی پھر شروع ہو گئی لیکن لال سنگھ کی بزدلی تھی یا غداری کہ اس کی فوج پسپا ہونا شروع ہوئی۔ تیسری جنگ الیوال کے مقام پر ہوئی جس میں انگریزوں کا لشکر فتحیاب ہوا لیکن قطعی فیصلہ کن جنگ جس کو کہہ سکتے ہیں وہ جنگ سبراؤں ہے جو ۱۰ فروری ۱۸۴۶ء میں ہوئی۔ اس لڑائی میں سکھوں نے غازیوں کی طرح ثابت قدمی اور مجاہدین کی طرح شجاعت دکھائی۔ لیکن تیج سنگھ جو سکھوں پر کمان کر رہا تھا پہلے ہی حملے پر فرار ہو گیا اور کہا جاتا تھا کہ سکھوں کو جان سلامت لیکر بھاگ جانے کا موقع نہ دینے کے لئے تیج سنگھ نے ستلج کا پل بھی گرا دیا۔ انگریزوں کو پوری فتح تو حاصل ہوئی مگر بہت جانوں کے نقصان کے ساتھ کیونکہ اس جنگ میں دو ہزار سپاہیوں سے زیادہ قتل اور زخمی ہوئے۔ لارڈ ہارڈنگ کا بیٹا جو اس جنگ میں شریک تھا کہتا ہے کہ فوج کی کثرت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دریا ان نبردآزماؤں سے گویا پاٹ دیا گیا ہے۔ دریا کے بالکل کنارہ پر توپ خانہ لگا دیا گیا جہاں سے وہ گولہ باری ہوئی کہ خون کے نالے بہہ گئے۔ چند ہی جان بچا کر بھاگے ہوں تو ہوں ورنہ کسی نے ہتھیار ڈالے نہیں۔ سکھوں نے اسی طور سے راضی برضا اپنے نوشتۂ تقدیر کو تسلیم کر لیا جو ہمیشہ سے ان کی قوم کا خاصہ رہا ہے۔

فاتحین نے ایسے شرائط ان مفتوح سکھوں پر عاید کیئے جن سے فاتحین کی اعتدال پسندی کا ثبوت ملتا ہے۔ سکھوں کی ریاست کے ٹکڑے ٹکڑے اس لیے کر دیے گئے کہ برطانوی شاہنشہی کے مقابلے کے لیے آیندہ کوئی بڑی طاقتور سلطنت باقی نہ رہے۔ لیکن لارڈ ہارڈنگ نے (جس کو اب امارت کا خطاب عطا ہوا تھا) ان شرائط کے باوجود پنجاب کی خود مختاری کو ہر طرح محفوظ رکھا۔ مارچ سنہ ۱۸۴۶ء کے صلحنامے کی رو سے سکھوں نے پنجاب کے مغربی حصے سے جو بیاس اور ستلج کے دوابے میں واقع تھا دست برداری اختیار کر لی۔ پندرہ لاکھ پونڈ انگلسیہ یا اس کے مساوی المحاصل اراضی دینے کا وعدہ کر لیا اور فوج میں تخفیف کر کے صرف پیادوں کی پچیس پلٹنیں اور بارہ ہزار سواروں کا رسالہ رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ سب توپیں انگریزوں کو دینا قبول کر لیا جن سے انگریزوں کے لشکر پر گولہ باری کی گئی تھی۔ جب سکھوں نے مقررہ رقم ادا نہیں کی تو ان بقیہ مقبوضات کا ایک اور حصہ انگریزوں کو تفویض کرنا پڑا۔ اس طرح کشمیر کی ریاست پنجاب سے علیحدہ کر لی گئی اور گلاب سنگھ کو ساڑھے سات لاکھ پونڈ معاوضے پر دیدی گئی۔

اس صلح سے بھی جو مارچ سنہ ۱۸۴۶ء میں کی گئی پنجاب میں امن قائم نہ رہ سکا۔ سکھوں کی خواہش یہ تھی کہ تحفظ حکومت کے لیے انگریزوں کی فوج لاہور میں مقیم رہے۔ اس لیے دسمبر سنہ ۱۸۴۶ء میں ایک اور صلح نامہ ہوا جس کو صلح نامہ لاہور کہتے ہیں۔ رنجیت سنگھ کی بیوہ کو جو ایک لائق مگر سازشی عورت تھی سب اختیارات سے بے دخل کر کے پندرہ ہزار پونڈ وظیفہ اس کے لیے مقرر کر دیا گیا۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کی کمسنی میں سکھوں کے آٹھ سرداروں کی ایک نیابتی مجلس وزرا مقرر کی گئی اور ریاست کی رہنمائی اور نگرانی کے لیے ایک انگریز رزیڈنٹ کا تقرر عمل میں آیا جس کو غیر محدود اور مکمل اختیارات دے دیے گئے۔ مہاراجہ کے بلوغ تک پنجاب کے قلعوں میں انگریزی فوج مقرر کی گئی اور یہ طے پایا کہ انگریزوں کی حکومت کو اس فوج کے مصارف کے لیے دو لاکھ بیس ہزار پونڈ سالانہ سکھوں کو دینا ہوگا۔

صلح نامہ ہونے کے پانچ دن کے بعد گورنر جنرل نے مجلس معاملات راز کو لکھا کہ "ان شرائط سے مہاراجہ کی کمسنی میں انگریز رزیڈنٹ کو اندرونی نظم و نسق

اور بیرونی تعلقات میں غیر محدود اقتدار مل گیا ہے" لارڈ ہارڈنگ نے ۲۰ اگست ۱۸۴۷ء میں ایک عام اعلان شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ "نوجوان راج کمار کی تعلیم وتربیت اور تحفظ جان و مال میں اس کو (لارڈ ہارڈنگ کو) ایسی ہی دلچسپی ہے جیسی ایک باپ کو اپنے بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے"

پھر ہنری لارنس پہلا ریزیڈنٹ مقرر ہوا یہ ایک دلیر ملنسار اور بااخلاق شخص تھا۔ ممکن تھا کہ اگر لارڈ ہارڈنگ اور پانچ سال ہندوستان میں رہتا اور ہنری لارنس بھی اسی مدت کے لیے اپنی خدمت پر بحال رہتا تو پنجاب بھی ایک طاقتور متمدن اور اور دوستانہ خیالات رکھنے والی ریاست بنی رہتی لیکن اعلان عام سے چھ ماہ کے اندر اندر زمام حکومت لارڈ ہارڈنگ سے لارڈ ڈلہوزی کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ میجر ہنری لارنس بھی اپنی صحت کی خاطر ہندوستان کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گیا اور اس کا قائم مقام سر فریڈرک کری مقرر ہوا۔

لارڈ ڈلہوزی امرائے اسکاٹلینڈ کے طبقے کا ایک نوجوان شخص تھا جس کو ۱۸۳۸ء میں "ارل" کا اعزاز ورثتاً ملا تھا۔ میلبرن کی قائم کردہ وزارت کی میعاد جب ختم ہوئی تو سر رابرٹ پیل وزیر اعظم ہوا اور اس نے ۱۸۴۳ء میں لارڈ ڈلہوزی کو مجلس تجارت کا نائب میر مجلس مقرر کیا۔ اس وقت گلیڈسٹن اس کا میر مجلس تھا۔ اس کے دو سال بعد یہ نوجوان "ارل" گلیڈسٹن کی جگہ میر مجلس ہو گیا۔ اس حیثیت سے لارڈ ڈلہوزی کو نئی ریلوں کے مسئلہ کا تصفیہ کرنا تھا۔ یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے کہ ڈلہوزی ہی نے وزیر اعظم کے پاس ان ریلوں کو قوم کی ملک بنا دینے اور اور ان کو بالکل مملکت کی زیر نگرانی رکھنے کی تجویز پیش کی تھی۔ سر رابرٹ پیل نے انگلستان کے لیے ان ریلوں کے زیر انتظام مملکت ہونے کو نامنظور کیا اور بجا کیا۔

لارڈ جان رسل اس نوجوان محنتی اور جفاکش امیر کے متعلق اچھی رائے رکھتا تھا۔ جب جدت پسند گروہ کی وزارت قائم ہوئی تو لارڈ جان نے شرافت و فیاضی سے گورنر جنرل ہند کی خدمت اسی "ٹوری" امیر کے لیے تجویز کی۔ لارڈ ڈلہوزی نے اسے قبول کر لیا اور اپنی نوجوانی ہی میں جبکہ اس کی عمر چھتیس سال کی تھی ۱۸۴۸ء میں لارڈ ہارڈنگ جیسے جہاندیدہ و تجربہ کار شخص سے جائزۂ خدمت حاصل کیا۔

لارڈ ہارڈنگ نے پنجاب میں امن اور اچھا انتظام مملکت قائم رکھنے کے لیے ہر ممکنہ احتیاط سے کام لیا تھا۔ ایک انگریز رزیڈنٹ کو "کامل اختیارات کے ساتھ اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ وہ ہر محکمے کے فرائض پر نگرانی رکھے اور ان کی رہبری کرے"۔ انگریزوں کی کچھ فوج لاہور میں متعین تھی کہ "وہ مہاراجہ کی حفاظت جان و مال کرے اور ملک میں امن قائم رکھے"۔ انگریزی حکومت اس کی مجاز تھی کہ "وہ پایۂ تخت کی حفاظت اور امن و امان قائم رکھنے کے لیے جس قلعہ یا جنگ کے کارآمد موقع اور مقام پر چاہے قابض ہو"۔ لاہور کی ریاست انگریزی حکومت کو سالانہ دو لاکھ بیس ہزار پونڈ اس غرض سے دینے پر مجبور تھی کہ اس رقم سے "اس فوج کے مصارف اور انگریزی حکومت کے سابقہ مصارف ادا ہوتے رہیں"۔ یہ انتظام مہاراجہ کی صغر سنی میں جاری رکھا گیا تھا اور "جب ہز ہائینس ۱۶ سال کی عمر کو پہنچ جائیں یعنے ۴ ستمبر ۱۸۵۴ء میں یہ انتظام مسدود و موقوف ہو جائیگا"۔

مہاراجہ دلیپ سنگھ درحقیقت انگریزی حکومت کی ولایت و سرپرستی میں تھا اور انگریزی حکومت نے اس کا تحفظ جان و مال اس کے ملک کے نظم و نسق پر نگرانی اور وہاں امن کا قائم رکھنا اپنے ذمے لے لیا تھا۔ لارڈ ہارڈنگ نے انگریزی حکومت کے ان مشکل فرائض کی انجام دہی کے لیے مناسب تدابیر اختیار کی تھیں پچاس ہزار کا لشکر ساٹھ ضرب توپ کے ساتھ ستلج کے رخ پر نگاہ رکھنے پر مامور تھا۔ نو ہزار سپاہیوں کی لشکرگاہ لاہور کی حفاظت کے لیے وہاں قائم تھی۔ اسی قدر تعداد میں ایک اور لشکر نے جس میں پیدل۔ رسالے اور توپ خانہ بھی تھا فیروزپور میں اپنی لشکرگاہ بنا لی تھی۔ غرض ناگہانی حادثات سے نپٹنے کا تمام سامان تیار تھا۔

ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے لارڈ ہارڈنگ کی مراجعت سے کچھ دنوں بعد جب ہنگامے کی صورت پیدا ہوئی تو اس کے انسداد کے لیئے بر وقت کچھ نہ کیا گیا۔ دیوان ملراج کے باپ نے تیس سال تک ملتان پر ایک طرح کی خود مختارانہ حکومت کی تھی اور جب انگریز رزیڈنٹ نے ملراج سے حسابات طلب کیے تو اس نے مختلف طریقوں سے اس میں تعویق پیدا کی اور خدمت سے مستعفی ہونے کے

کے حوالے کرتا رہا۔ ختم حجت کے لیے اس کا استعفا قبول کر کے ایک شخص اس کا جانشین مقرر کیا گیا جس کو دو انگریزوں یعنے وینس اگینو اور کرنل ہنڈرسن کی حفاظت میں ملتان پہنچنے پر پہلے تو قلعۂ ملتان انگریزوں کے قبضے میں دیدیا گیا لیکن اس کے بعد ہی اگینو اور ہنڈرسن کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ پھر ملراج نے دوبارہ قلعہ حاصل کر کے اس پر اپنا قبضہ جما لیا۔ انگریزی رزیڈنٹ سر فریڈرک کری نے سپہ سالار ہند لارڈ گوف کو طلب کیا کہ وہ انگریزوں کا لشکر لے کر اس بغاوت کے فرو کرنے کے لیے فیروزپور پر چڑھائی کرے لیکن لارڈ گوف نے صاف انکار کر دیا۔ اور لارڈ ڈلہوزی نے لارڈ گوف کی تائید کی۔ اس طرح باغیوں کو بغاوت پھیلانے کی مہلت مل گئی۔

ایک انگریز افسر نے اپنا فریضہ بروقت اور بہت عمدگی کے ساتھ انجام دیا۔ اس کا نام ایڈورڈ تھا اور یہ فوج میں لفٹنٹ تھا۔ لفٹنٹ ایڈورڈ دریائے سندھ کے کنارے اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا کہ انگریز افسروں کے قتل ہونے اور ملراج کی بغاوت کی اس کو خبر پہنچی۔ اپنے چار سو سپاہیوں کے ساتھ اس نے ملتان پر دھاوا کیا لیکن ملراج کے چار ہزار سپاہیوں اور آٹھ بڑی بڑی توپوں کے مقابلے میں جو قلعے میں مدافعت غنیم کے لیے بالکل تیار تھیں اڈورڈ سے کچھ نہ ہو سکا۔ گرمی کی تپش کے باوجود اس نے وہیں اپنے قدم گاڑ دیے اور ایک انگریز افسر سے جو بھی ممکن تھا اس نے وہ سب کچھ کیا۔ بھاولپور کی ریاست سے فوجیں جمع کیں جون اور جولائی میں ملراج کو دو دفعہ شکست دی حتیٰ کہ ملراج کو قلعے میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اگر حکام صدر اس وقت لاہور اور فیروزپور سے کمک بھیج دیتے جیسا دسمبر ۱۸۴۶ء کے صلح نامے کی رو سے ان پر لازم تھا تو پھر ملتان کی شورش فرو ہو سکتی تھی اور جو لفٹنٹ اڈورڈ کے الفاظ میں "اگر ملتان کی شورش فرو ہوتی تو پھر سکھوں کی بغاوت کا یہ پیش خیمہ نہیں بن سکتی تھی۔"

اس مقامی شورش کو فرو کرنے کے لیے بروقت کچھ بھی نہیں کیا گیا برخلاف اس کے انگریز رزیڈنٹ نے ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے سکھوں میں ایک عام بے چینی پھیل گئی۔ رنجیت سنگھ کی بیوہ جو مہاراجہ دلیپ سنگھ کی حقیقی ماں ہوتی تھی ایک

سازشی عورت تھی لیکن اس سے اب کچھ خطرہ نہ تھا کیونکہ اس کو حکومت میں کسی قسم کا حصہ لینے سے محروم کر کے شیخو پور بھیجا گیا تھا لفٹیننٹ اڈورڈ کے قول کے مطابق رانی جھانڈا جس میں اپنی قوم کے مردوں سے بھی زیادہ جرات و ذکاوت تھی مبہم آوازے کسنے اور لوگوں کو برانگیختہ کرنے والے خطوط لکھنے سے اُکتا گئی تھی ..... اور اس وقت پنجاب میں کوئی ایسا سو ما نہ تھا جو اس کے حکم پر تلوار لیکر اٹھ کھڑا ہوتا۔"

ان حالات میں پنجاب سے بنارس کو اس رانی کی جلا وطنی کا جو حکم رزیڈنٹ نے دیا اس کی کچھ ایسی ضرورت تو نہیں تھی لیکن سکھوں پر اس حکم کا فوری برا اثر ہوا۔ ۲۵ مئی کو رزیڈنٹ نے یہ لکھا کہ "راجہ شیر سنگھ کے پڑاؤ سے خبریں آ رہی ہیں کہ مہارانی کے نقل مکان کی کیفیت سن کر سپاہیان خالصہ نے بالکل ہمت ہار دی اور یہ کہنے لگے کہ مہارانی خالصہ سکھوں کی ماں کی جگہ تھی اور جب وہ خود چلی گئی اور صغیر سن دلیپ سنگھ ہمارے (یعنی انگریزوں کے) ہاتھ میں ہے تو پھر وہ اب کس کے لیے لڑیں یا کس کی حمایت کریں"

مہاراجہ کے بیاہ میں التوا کرنے کی جو تدبیر اختیار کی گئی اس کا بھی اچھا اثر نہ ہوا لفٹیننٹ اڈورڈ نے اس کو بھی طرح محسوس کیا اور ۲۰ جولائی کو اس نے رزیڈنٹ کو یہ لکھا کہ "یہ خبر عام طور پر پھیلی ہوئی ہے اور بدخواہوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ سکھوں کی فوج کی سرکشی اور حال حال کے فتنہ و فساد کے الزام لگا کر انگریز پنجاب کی ریاست ہی ضبط کر لینا چاہتے ہیں .... میری دانست میں اس وقت فوراً انگریزوں کے سابقہ عہد و پیمان اور صلح نامے کے شرائط کی پابندی کی بالا علان اس طرح تجدید کرنا نہایت دانشمندانہ اور بر وقت ہوگا کہ سرکاری طور پر مہاراجہ کے بیاہ کی تیاریاں شروع کر دی جائیں۔ اس سے لوگوں کو بہت کچھ اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے گا" افسوس ہے کہ اس عاقلانہ مشورے پر کسی نے دھیان نہیں کیا۔

اس کے علاوہ سردار چتر سنگھ کے ساتھ جس کی بیٹی مہاراجہ دلیپ سنگھ سے منسوب تھی ایسا برتاؤ کیا گیا کہ اس پر لوگ اور برانگیختہ خاطر ہو گئے۔ چتر سنگھ صوبہ ہزارہ کا صوبہ دار تھا اور اس صوبے کی سب آبادی مسلمان تھی ان لوگوں کا پیشہ سپہگری تھا اور سب کے پاس ہتھیار موجود تھے اور ان پر نگرانی رکھنا بہت مشکل تھا۔

کپتان ایبٹ کو جو ریزیڈنٹ کا ایک مددگار تھا چترا سنگھ کو صلاح و مشورہ اور مدد دینے پر مقرر کیا گیا لیکن شروع ہی سے یہ شخص اس سردار کی علانیہ مخالفت کرنے لگا تھا۔ اگست ۱۸۴۸ء میں ہزارہ قبیلے کے کوہی باشندوں نے ایبٹ سے برگشتہ خاطر ہو کر سب دروں کی راہیں بند کر دیں اور شہر کا محاصرہ کر لیا جہاں چترا سنگھ مقیم تھا۔ سردار نے اہتمام قلعہ کو جو شہر کی حفاظت پر مامور تھے حکم دیا کہ قلعے سے نکل کر اپنی توپوں کی زد کے اندر ہی خیمے ڈالیں لیکن کرنل کنورا نے فصیل شہر سے باہر قدم رکھنے سے صاف انکار کر دیا اور یہ دھمکی دی کہ پہلا جو شخص اس کے نزدیک آئے گا، گولیوں سے اڑا دیا جائے گا۔ چترسنگھ نے سکھ پیادوں کے دو دستے توپوں پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجے۔ کنورا نے توپ کو فتیلہ دکھایا مگر توپ چلی نہیں اور اسی وقت غنیم کی گولیوں سے وہ مارا گیا۔ کپتان ایبٹ نے اس واقعے کو کنورا کا قتل عمد اور چترا سنگھ کو اس کا محرک و بانی قرار دیا۔ اس پر ریزیڈنٹ نے ایبٹ کی سرزنش کی اور لکھا کہ "میں نے آپ کو فوجیں جمع کرنے اور جمعیت کو نوکر رکھنے کا مجاز نہیں کیا تھا...... میری دانست میں یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ نے ہمیشہ صوبہ دار (چترا سنگھ) کو اپنے سے دور ہی رکھا اور اس نے جب کبھی آپ کے قرب وجوار میں سکونت اختیار کر لے کی خواہش یا ارادہ ظاہر کیا تو آپ اس سے انکار ہی کرتے رہے...... جتنی کیفیتیں اب تک پیش ہوئی ہیں ان سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کمندان کنورا کی موت کو قتل عمد سے آپ کا تعبیر کرنا درست ہے یا یہ کہ چترا سنگھ نے پیش از پیش اس کا تہیہ کر لیا تھا جیسا آپ کا غلط دعوے ہے"۔ باوجود ان تمام باتوں کے اگست میں کپتان ایبٹ کی سزا کے احکام صادر نہیں کیے گئے بلکہ الٹا یہ حکم ہوا کہ سردار چترا سنگھ صوبہ داری سے معزول کر دیے جائیں اور ان کی جاگیر خالصہ کر لی جائے اس طرح سکھوں کی تمام قوم کے سامنے اس شخص کی تذلیل کی گئی جس کی بیٹی سکھوں کے فرماں روا کے ساتھ منسوب تھی اور جو قریب میں سکھوں کی مہارانی ہونے والی تھی ان تمام کو نا عاقبت اندیشانہ و خلاف مصلحت حرکتوں پر سکھوں کی قوم کو طیش آگیا ملتان میں بغاوت پھیلنے لگی۔ چترا سنگھ کا بیٹا شیر سنگھ پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ ملراج سے جا کر مل گیا۔ اس پر انگریزوں کے لیے ملتان کا محاصرہ اٹھا لینا ناگزیر ہو گیا۔ سکھوں کے تقریباً سب سردار

بغاوت میں شریک ہو گئے اور آبادی کے باہر سب کھلے میدان جنگل پہاڑ وغیرہ باغیوں ہی کے زیر قبضہ تھے۔

بغاوت ملتان شروع ہونے کے کہیں سات ماہ کے بعد نومبر ۱۸۴۸ء میں لارڈ گوف اپنے لشکر کو لیکر بڑھا۔ پہلا معرکہ چناب کے کنارے رام نگر میں ہوا جس میں انگریزوں کے لشکر کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ دوسرا معرکہ سعد اللہ پور میں ہوا جس کو بمشکل انگریزوں کی فتح کہا جا سکتا ہے تیسرا معرکہ چلین والا کے مقام پر ہوا اور یہ انگریزوں کے حق میں بہت برا ثابت ہوا۔ انگریزوں کی پیادہ جمعیت نے اس وقت دھاوا کیا جبکہ وہ بے دم سی تھی اور سب کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اس لیے حملہ کارگر نہ ہوا۔ اور ان کو پسپا ہونا پڑا۔ انگریزوں کا رسالہ اپنی توپوں کی مدد کے بغیر ان کی زد سے باہر آگے بڑھتا چلا گیا پھر اس رسالے کو ایسی ہزیمت اٹھانی پڑی کہ لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سکھوں نے تین رجمنٹوں کے علم اور چار توپیں چھین لیں۔ اس طرح بغیر سوچے سمجھے حملے کر دینے سے ۸۹ افسر اور ۲۳۵۰ سپاہی کام آئے۔ لارڈ ڈلہوزی نے اپنے سرکاری مراسلوں میں اس معرکے کو بھی انگریزوں کی فتح بتایا ہے لیکن اپنے غیر سرکاری خطوط میں اس نے یکے بعد دیگرے "ان تین ناکام معرکوں پر اظہار افسوس کیا ہے جو رام نگر سعد اللہ پور اور چلین والا کے مقام پر ہوئے تھے"۔

چلین والا کے معرکے کی خبر جب انگلستان پہنچی تو وہاں لوگوں کے طیش کی انتہا نہ رہی۔ لارڈ گوف فوراً واپس طلب کر لیا گیا اور اس کی جگہ سر چارلس نیپیر کو سپہ سالار ہند مقرر کر کے بھیجا گیا۔ نیپیر کے ہندوستان آنے سے پہلے ۲۰ فروری ۱۸۴۹ء میں لارڈ گوف نے گجرات میں ایک فیصلہ کن فتح سے اپنے دامن کا دھبہ دھونے کی کوشش کی۔ جنوری میں ملتان پر انگریزوں کا قبضہ تو ہو ہی چکا تھا۔ گجرات کی اس فتح کے بعد گلبرٹ نے جس کو "ہندوستان بھر میں بہترین سوار" کہا جاتا تھا مفرور سکھوں کی فوج کا پنجاب کے میدانوں میں تعاقب کیا اور ۱۲ مارچ کو راولپنڈی میں جا کر سکھوں نے ہار مان لی اور ہتھیار ڈال دیے۔ ملتان میں اس ہنگامے کے شروع ہونے کے ایک سال بعد پھر امن قائم ہوا۔

دسمبر ۱۸۴۶ء کے صلحنامے کی رو سے انگریزی حکومت نے پنجاب میں بغاوتوں

کے فرو کرنے اور کمسن مہاراجہ دلیپ سنگھ کے تحفظ جان و مال کا ذمہ لیا تھا اور نومبر سنہ ۱۸۴۸ء کے اعلان عام میں جو لارڈ ڈلہوزی کی منظوری سے ہوا تھا یہ ظاہر کیا تھا کہ "انگریزوں کی فوج کا لاہور میں داخلہ موجودہ حکومت کی بیخ کنی اور مخاصمت کے لیے نہیں بلکہ محض امن قایم کرنے اور لوگوں کو حکومت کا مطیع و منقاد بنانے کی غرض سے ہوا تھا" بایں ہمہ جب فتنہ و فساد فرو ہو گیا تو سکھوں کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ مہاراجہ کو معزول کر کے پنجاب کا الحاق انگریزوں کی قلمرو کے ساتھ کر لیا گیا۔ ہنری لارنس نے جس کو دسمبر ۱۸۴۶ء کے صلح نامے کے بعد پہلا رزیڈنٹ مقرر کیا گیا تھا اس الحاق پر سخت اعتراضات کیے اور اپنا استعفیٰ بھی پیش کر دیا لیکن لارڈ ڈلہوزی لارنس کی قدر و قیمت سے بہ حیثیت ایک اچھے صلح کار ہونے کے خوب واقف تھا اس نے منت سماجت کر کے لارنس کو اپنا استعفیٰ واپس لے لینے پر آمادہ کیا اسی لارنس کی خداداد قابلیت اور بہادری کے جوہر ہم پنجاب کے نظم و نسق کے سلسلے میں آئندہ اور بھی بیان کریں گے۔

اس کے تین سال بعد لارڈ ڈلہوزی نے شاہنشاہی ہند کی مشرقی سرحد پر ایک اور جنگ شروع کر دی۔ برما میں یاندوبو کے صلح نامے کے خلاف پردیسی تاجروں پر مختلف محصولات لگائے گئے تھے اور اہل برما کے ساتھ بیوپار کرنے میں بڑے بڑے خطرات اور مشکلات کا سامنا تھا۔ اس لیے ۱۸۴۰ء سے انگریزی حکومت نے اپنی طرف سے کسی مختار عام کا دربار آوا کو بھیجنا موقوف کر دیا تھا۔ ۲ ستمبر ۱۸۵۱ء میں رنگون کے انگریز تاجروں نے چند شکایتیں لارڈ ڈلہوزی کے پاس کیں لارڈ ڈلہوزی تو ایسی شکایتوں کو کان لگا کر سننے کے لیے پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے فوراً ایک بحری افسر کو ان شکایتوں کی تحقیقات پر مامور کر دیا۔ اس کے بعد ان تاجروں کے نقصان کی تلافی کے لیے اس نے ۹۰۰ پونڈ بطور تاوان مانگے اور رنگون کے برمی گورنر کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ اس کے ایک سال قبل اسی قسم کے مطالبات پامرسٹن نے حکومت یونان کے سامنے پیش کیے تھے کہ جزیرۂ مالٹا میں رہنے والے ایک یہودی کے نقصان کی تلافی ہو مگر لارڈ ڈلہوزی کے مطالبات کی تعمیل نہیں کی گئی اس لیے اس نے اعلان جنگ کر دیا۔ انگریزوں نے

رنگون۔ پیدوم اور پیگو فتح کر لیا اور ۲۰ دسمبر ۱۸۵۲ء میں لارڈ ڈلہوزی نے جنوبی برما کے انگریزی عملداری کے ساتھ الحاق کا اعلان کر کے اس جنگ کو ختم کر دیا۔

لارڈ ڈلہوزی کے نظم و نسق میں دیسی ریاستوں کے کسی رئیس کے لاولد فوت ہو جانے پر اس ریاست کے الحاق کر لینے کا قصہ اس کے فتوحات سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ ہندوؤں کا قدیم رواج اور قانون یہ ہے کہ کسی ہندو کے اگر اولاد نہ ہو تو اپنی جائداد و املاک اپنا کسی شخص کو دینے کے لیے وہ کسی کو بھی اپنا متبنیٰ بنا سکتا ہے اور حقیقی اولاد اور ایسے ورثاء میں قانون کی نظر میں کوئی فرق و امتیاز نہیں کیا جاتا ہے۔ پانچ صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت شمالی ہند میں رہی مگر اس طویل مدت میں مسلمان بادشاہوں اور سلاطین میں سے ایک نے بھی ہندوؤں کے قانون تبنیت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کسی ہندو رئیس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کا حقیقی فرزند یا لے پالک بیٹا شاہنشاہ سے نئی سند حاصل کر کے اس کا قائم مقام ہو جاتا تھا۔ البتہ یہ بھی تھا کہ اگر شاہنشاہ کا فتوح کی طرف رجحان ہوتا تھا تو وہ بغیر کسی پس و پیش کے ریاستوں کا الحاق کر لیتا تھا خواہ ایسی ریاستوں کا والی اس وقت زندہ ہو یا مر چکا ہو اور خواہ وہاں کے رئیس کا صلبی بیٹا موجود ہو یا صرف متبنیٰ مگر انگریزی راج میں کسی ہندو رئیس کے لڑکے کو فرزندی میں لینے پر انگریزی سرکار سے منظوری حاصل کرنے کا قاعدہ جاری کیا گیا۔ جب یہ رواج قائم ہو گیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھانپ لیا کہ تبنیت کی منظوری نہ دینے سے کمپنی کی عملداری میں اور وسعت پیدا کرنی ممکن ہے۔ اسی بنا پر مجلس نظماء نے ۱۸۳۴ء میں یہ اعلان کیا کہ کسی کے متبنیٰ کرنے پر جو منظوریاں صادر ہوتی ہیں ان کو تحت قاعدہ نہیں بلکہ مستثنیات سمجھنا چاہیے۔ ۱۸۴۱ء میں حکومت ہند نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ "کسی ریاست یا محاصل کی توریث کے وقت عزت اور انصاف کی رو سے جو صاف و صریح طریق عمل ہو گا اس کے اختیار کرنے میں پس و پیش نہ کیا جائے گا بلکہ استقلال سے کام لیا جائے گا۔" یہ بات لارڈ ڈلہوزی کے لیے مختص تھی کہ "عزت اور انصاف کی رو سے" جو اصول معین کیے گئے تھے ان کو وہ عملی جامہ پہنائے۔ دو ایک غیر اہم ریاستوں کے سوا جن کا خاص حالات میں سابق میں الحاق کر لیا گیا تھا لارڈ ڈلہوزی کے عہد سے پہلے تو ان اصول پر کبھی عمل ہی نہیں کیا گیا تھا۔

اس حکمت عملی کا پہلا شکار ریاست ستارا ہوا۔ یہ راجہ مرہٹہ طاقت کے بانی سیواجی کے خاندان کی یادگار تھا۔ ۱۸۱۸ء میں مارکوئیس ہیسٹنگز نے جب آخری پیشوا کی دکنی ریاست کا الحاق کر لیا تو اس وقت ستارے کی ریاست قائم کی جس کو ایک پشت گزر چکی تھی۔ ستارے کے راجہ نے اپنے ملک و قوم کے رسم و رواج کے موافق ایک لڑکے کو اپنی فرزندی میں لیا تھا جس کا وہ مجاز تھا۔ ۱۸۴۸ء میں اس راجہ نے انتقال کیا تو بمبئی کے گورنر وقت سر جورج کلارک نے اس متبنّی ولیعہد کو ریاست ستارا کی گدی پر بٹھانے کی سفارش کی۔ گورنر کے ارکان کونسل نے اس پر گورنر کی مخالفت کی۔ اور کلارک کے جانشین کو تو اس رائے سے بالکل اتفاق ہی نہ تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نے موقع پاکر یہ غیر فیاضانہ حرکت کی کہ اس ریاست کا الحاق کر لیا۔ یہ معاملہ مجلس نظما کے سامنے پیش ہوا۔ ہنری سینٹ جورج ٹکر جس کا ذکر پچھلے باب میں آچکا ہے اور ان صفحات میں بھی پھر آئے گا بڑا تجربہ کار شخص تھا اس نے ستارے کے الحاق کی مخالفت کی لیکن بحث کا نتیجہ پہلے ہی سے صاف ظاہر تھا اور مجلس نے ایک کثیر غلبۂ آراء سے الحاق کو منظور کر لیا۔

اس کے بعد ریاست کراولی کا مسئلہ غور طلب تھا۔ راجہ ستارے کے سال وفات کراولی کا راجہ بھی فوت ہوا اور راجہ ستارا کی طرح اس نے بھی انتقال سے پہلے ایک لڑکے کو اپنا متبنّی کر لیا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی کی نظروں میں ستارا اور کراولی میں کچھ فرق نہ تھا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کراولی کی ریاست بھی حکومت ہند کو ملنی چاہیے۔ مگر مجلس نظماء نے یہ تصفیہ کیا کہ کراولی انگریزوں کی دست نگر ریاست نہ تھی بلکہ حلیف تھی جس کی حفاظت انگریزوں کے ذمے تھی اس لیے اس ریاست کا الحاق نہیں کیا جانا چاہیے۔ ۲۶ جنوری ۱۸۵۳ء کے اس مسئلے میں وہ سب دلائل اکٹھے ہوئے ہیں جو مجلس نظماء اور لارڈ ڈلہوزی میں مابہ الاختلاف تھے

"کرنل لو نے متبنّی کو تسلیم کر لینے کی رائے دی تھی اور سر فریڈرک کری نے اس تجویز کی تائید کی تھی مگر گورنر جنرل کا رجحان اس طرف تھا کہ یہ ریاست حکومت کو بخش دی جائے جس سے مسٹر لوئس کو بھی بالکل اتفاق تھا۔

گورنر جنرل نے اس اہم مسئلے پر موافق و مخالف دلائل کو غیر جانبدارانہ اور صحیح صحیح بیان کر دیا ہے۔ اس مقدمے کے تمام حالات پر خوب غور و خوض کرنے کے

بعد ہم یہ تصفیہ پسند کرتے ہیں کہ نرسنگھ پال کے متبنیٰ بھرت پال کو کراولی کا راجہ ہونے کی منظوری دینا چاہیئے۔

"اس نتیجے پر پہنچنے میں ہم ان اصول سے انحراف کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ جن کو ہم نے ستارا کے مقدمے میں اپنے ۲۴ جنوری ۱۸۴۹ء کے مراسلے میں ضبط تحریر میں لایا ہے ...... لیکن ہماری نظروں میں ستارا اور کراولی کے حالات میں ایک بین فرق ہے جس پر گورنر جنرل نے اپنی یادداشت میں کافی توجہ اور لحاظ نہیں کیا۔ ریاست ستارا انگریزی حکومت کے عطیہ اور ایما کی بنا پر حال ہی میں قائم کی گئی تھی لیکن کراولی راجپوتوں کی ایک قدیم ریاست ہے جو اس وقت سے اپنے رئیس کے زیر نگیں ہے جب ہندوستان میں انگریزوں کا نام و نشان تک نہ تھا"

نظمائے اس مراسلے سے کمپنی کی اعتدال پسندی کے وجوہ معلوم ہوتے ہیں۔ ستارا مرہٹوں کی ایک بہت معمولی ریاست تھی اور اس کے الحاق میں کوئی سیاسی خطرہ نہ تھا۔ کراولی راجپوتوں کی ریاست تھی اور اس کے الحاق پر ممکن تھا کہ تمام راجپوتانہ بدظن ہو جاتا۔ "انجمن اصلاح اہل ہند نے مسٹر ڈکنسن کی رہنمائی میں جو ہندوستان کا مخلص اور سچا دوست تھا کراولی کے الحاق کی ناواجبیت پر عوام کی توجہ منعطف کرائی اور یہ کہہ کر دھمکی بھی دی کہ دارالعوام میں مسٹر بلیکٹ اس مسئلے پر ایک تحریک بھی پیش کرنے والے ہیں۔ غرض انگلستان کی حکومت وقت نے بدنامی سے بچنے کے لیے گورنر جنرل کو اس معاملے سے دست کش ہو جانے کا حکم دیا۔

صوبۂ متوسط میں ریاست سنبھالپور کا راجہ لاولد تھا اور کسی کو متبنیٰ کیے بغیر فوت ہو گیا۔ اس پر سنبھالپور کا بھی الحاق کر لیا گیا۔ مگر ایک اور نہایت ہی اہم اور تاریخی مقدمہ تصفیئے کے لیے پیش ہوا۔ جھانسی کا راجہ گنگادھر راؤ نامی نومبر ۱۸۵۳ء میں ایک لڑکے کو جس کا نام بعد میں دمودھر گنگا راؤ رکھا گیا تھا اپنا متبنیٰ کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ راجہ نے مرتے وقت دو انگریزوں یعنی سیاسی وکیل اور سپہ سالار کے سامنے جو جھانسی میں مقیم تھے۔ اس تبنیت کو تسلیم کر لیا اور صدر حکام کے موسومہ خطوط ان تک پہنچا دینے کے لیے ان دو انگریزوں کو دیے تھے اور اپنی بیوی اور متبنیٰ کو ان کے برتے بھلے کی خبر رکھنے کے لیے حکومت ہند کے حوالے کیا تھا۔ لارڈ ڈلہوزی کی رائے ہوئی کہ

"اگرچہ تبنیت خانگی املاک کے انتقال حقِ وراثت کے لیے کافی تھی مگر ریاست کے انتقال حکومت کے لیے نہیں" اس پر اس نے اس ریاست کا الحاق کر لیا۔

انگریزوں کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں جھانسی کی ریاست نے انگریزوں کے نمایاں خدمات انجام دیے تھے۔ راجہ جھانسی نے ۱۸۳۲ء میں کلپی کو بچا لیا تھا جس پر لارڈ ولیم بنٹنک نے ۱۸۳۲ء میں سر دربار نہایت ہی اچھے لفظوں میں اس کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا تھا اس نے اپنے خطابوں میں "فدوی بادشاہ جم جاہ انگلستان" کا اضافہ بھی قبول کر لیا تھا۔

الحاق کے بعد بیوہ رانی نے حکومت ہند کے پاس اپنے خاندان کی وفاداری کا حوالہ دیتے ہوئے مکرر التجا پیش کی اور جھانسی کے وکیل سیاسی میجر میلکم نے اس بیان کی تائید ان لفظوں میں کی کہ میرے خیال میں بائی صاحبہ نے ریاست جھانسی کی وفاداری اور عقیدت بیان کرنے میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کیا کیونکہ یہ ریاست اس وقت سے ہماری حکومت کا ساتھ دے رہی ہے جبکہ موقع بڑا نازک تھا ایک طرف تو اس کے ورغلانے کے لیے ہر طرح کا سامان ہو رہا تھا اور دوسری طرف ہماری حکومت کو وہ عروج نہ تھا جو اب اسے حاصل ہے میجر میلکم نے بیوہ رانی کی تعریف میں یہ لکھا کہ "اس خاتون کی کردار نہایت ارفع و اعلیٰ ہے اور جھانسی میں ہر شخص اس کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے" لیکن لارڈ ڈلہوزی نے نہ تو ریاست کی تاریخ گزشتہ سے اپنے دل پر کچھ اثر لیا اور نہ موجودہ رانی کی حیثیت اور اخلاق سے برخلاف اس کے مجوبات دل میں ٹھانی تھی اسی پر اڑا رہا اور کسی کی ایک نہ سنی۔

اس الحاق سے پہلے جھانسی کی جو وفادار اور دوستانہ ریاست تھی اب وہی انگریزوں کی دشمن جانی بن گئی اور ایک اعلیٰ اخلاق رکھنے والی خاتون کی یوں قلب ماہیت ہوئی کہ وہ بھی رفتہ رفتہ ایک سنگدل اور انتقام جو عورت بن گئی۔ جھانسی کی یہی رانی تھی جس نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کو اکسایا اور اس میں شریک ہو کر باغیوں کو ہر طرح کی مدد بھی دی۔ اسی نے جھانسی میں ایسی خونریزی ہونے دی جو اس ہنگامے میں سب مقامات سے زیادہ ہوئی تھی اس نے مردانہ لباس زیب تن کیے انگریزوں کی فوج کا مقابلہ کیا اور اپنی قوم کے سب بہادروں میں ایسی بہادر ثابت ہوئی کہ تلوار ہاتھ میں لیے جان پر کھیل گئی اگر جھانسی کی اس رانی کو موقع ملتا تو وہ اپنی چھوٹی سی ریاست میں ایک نہایت غالبہ اور نیک نہاد منتظمہ ثابت ہوتی جیسی اور بہت سی ہندو عورتیں ہوئی ہیں جن کا ذکر موجودہ زمانے کی تاریخ میں آیا ہے لیکن اس طرح کا دردناک انجام اس کی تقدیر کا لکھا ہو گیا۔ اور موجودہ زمانے کے ہندوستان کی داستانوں میں اسے ہندوستان کی "جون اوف آرک" کہکے لوگ یاد کیا کرتے ہیں۔

چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا یکے بعد دیگرے الحاق کر لیا گیا لیکن "قانون بازگشت" کے تحت جتنے الحاقات عمل میں آئے ان میں سب سے اہم مگر سب سے زیادہ اہم ریاست ناگپور کا الحاق تھا۔ راگوجی بھونسلہ راجہ ناگپور نے ۱۱ دسمبر ۱۸۵۳ء میں انتقال کیا۔ اس کی بیواؤں میں سے ایک نے اپنے ایک نوجوان رشتہ دار کو جو اپا صاحب کے نام سے مشہور تھا بیٹا متبنیٰ اقرار دیا۔ یہ تبنیت ہندوؤں کے قانون کی رو سے بالکل جائز تھی مسٹر مینسل نامی رزیڈنٹ نے اس کے دفتر کے نام جو نافذ العمل ہدایات صادر کی تھیں ان پر عمل کر کے نہ تو اس تبنیت کی مانعت کی اور نہ تبنیت کے رسوم کی تکمیل میں خاص طور پر کوئی مدد دی البتہ تبنیت کو تسلیم کرنے کی سفارش اس نے کی۔ ۲۸ جنوری ۱۸۵۴ء میں لارڈ ڈلہوزی نے ایک یادداشت قلمبند کی تھی جس میں اس وسیع و آباد ریاست کے الحاق کا بھی ذکر ہے۔

برار کا وسیع اور زرخیز ملک جس میں روئی کی پیداوار کثرت سے ہوتی تھی ایک دوسرے حیلے سے انگریزوں نے اپنے قبضے میں کر لیا۔ عہد معاونت کے بعد جو فوج سرکار نظام کے خرچ پر ممالک محروسہ سرکار عالی میں رکھی گئی تھی وہ بہت ہی بیش مصارف تھی اس لیے سرکار عالی پر . . . . ۵ پونڈ بقایا ہو گیا تھا۔ گورنر جنرل کا ایما دیہ تھا کہ وہ برار کے علاوہ کرشنا اور تبھدرا کے دوآبے کا زرخیز خطہ اس قرض کی ادائی اور فوج کے آئندہ مصارف کی کفالت میں لینے آمادہ ہے جب اس عہد نامہ کا مسودہ نظام وقت کے سامنے پیش ہوا تو نظام نے اس پر اعتراض بھی کیا مگر سننے والا کون تھا۔ نظام نے پوچھا کہ کیا شصت سالہ اتحاد کا یہی انجام ہے اور یہ بھی کہا کہ اس قلمرو کا ایک ثلث حصہ یوں چھین لینے سے رعایائے ملک کی نظروں میں رئیس کی سبکی ہوتی ہے۔ نظام کی سب ردوکد بے سود ہوئی اور عہد نامے پر بالآخر دستخط کرنے ہی پڑے۔ اس کے بعد ہی نظام وقت نے رحلت کی۔[1]

لارڈ ڈلہوزی کے ایک اور الحاق کا بیان باقی ہے یعنی سلطنت اودھ کا۔ اودھ کی خرابی حکومت اس کے الحاق کا باعث ہوئی اور کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اس مضمون پر سرکاری کاغذات پڑھنے اور ان گونا گوں شہادت جانچنے کے بعد جن پر انگشت نمائی ہو نہیں سکتی اور جو اودھ سے ہمدردی بھی رکھتے تھے جیسے سلیمن اور اوٹرم یہ کہہ سکے کہ اودھ میں بدنظمی اور اندھیر نہ تھا۔ پھر بھی یہ ممکن تھا کہ اس بدنظمی کی اصلاح کی جائے جنرل سر ولیم سلیمن نے جو ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۴ء تک لکھنؤ میں رزیڈنٹ تھا حکومت ہند کے پاس اودھ کی اصلاح نظم و نسق کے منصوبے بہ اصرار پیش کرتا رہا تھا اور اس کو ان تجاویز

[1] اس کے بعد نظام نے جملہ واجب الادا قرض کے ادا کر دینے کی شرط پر برار کی واپسی کے لئے جتنی تحریکات پیش کیں وہ سب بے سود ثابت ہوئیں اور حال ہی میں برطانوی حکومت ہند کو برار دوامی پٹے پر دیدیا گیا۔

کی کامیابی کا اتنا یقین نہ تھا کہ وہ اپنی نیک نامی ایک معرض خطر میں ڈالنے کے لیے تیار تھا لیکن لارڈ ڈلہوزی کے سر پر اصلاح کے بجائے الحاق کا بھوت چڑھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنی ایک یادداشت میں جو اُس موضوع پر مشورہ لینے کی شکل میں پیش کی گئی تھی یہ لکھا کہ انگریزی حکومت ویسی ریاست میں اصلاح کرنے کی ذمہ داری عرق ریزی اور لاحقہ خطرات کو اپنے سر لینے کے لیے تیار ہے تو ایسی ریاست کے محاصل کے فاضلات اپنے زیر تصرف لانے کی بھی وہ مستحق ہے۔ لارڈ ڈلہوزی کا الحاق ممالک کا یہی جوش تھا جس کی وجہ سے لارڈ ڈلہوزی کئی جگہ فوری کوئی چارۂ کار اختیار نہیں کر سکا اور جب کہیں خرابی بڑھ چلی تو یہ گویا اسی انتظار میں رہتا تھا کہ بے دست و پا ریاست پر فوراً لپکے اور اُس کو بھی کمپنی کی عملداری میں شامل کرلے۔

لارڈ ڈلہوزی نے نظماء کے سامنے اودھ کے متعلق تین منصوبے پیش کیے تھے۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ (۱) یا تو شاہ اودھ ایک مدت معینہ کے لیے اپنی سلطنت انگریزوں کے زیر انتظام کر دے (۲) یا بادشاہ کا شاہی تزک و احتشام برقرار رکھ کر انتظام مملکت ہمیشہ کے لیے کمپنی کو تفویض کر دیا جائے (۳) یا اُس ریاست کا حسب ضابطہ کلیتاً انگریزوں کی قلمرو سے الحاق کر لیا جائے۔ اسی وقت بنٹنک کا سا حکمراں اگر کوئی ہوتا تو پہلے منصوبے پر کاربند ہوتا۔ خود لارڈ ڈلہوزی نے دوسری تدبیر اختیار کرنے کی تائید کی تھی لیکن مجلس نظما نے تیسری تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲۱۔ نومبر ۱۸۵۵ء کے مراسلے میں جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ "یہ ایک ایسی طرز تحریر کا نمونہ ہے جس میں نہایت ہی اہم ہدایات تو دی جائیں مگر اُس طرح کہ لکھنے والے پر کوئی ذمہ داری ہی عاید نہ ہو سکے" نظماء نے اودھ کے الحاق کے لیے احکام صادر کر دیے۔ اس کے علاوہ انھوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ لارڈ ڈلہوزی ہندوستان میں اپنی خدمت کا جائزہ دینے سے پہلے ان احکام کی تعمیل کروا دے۔ ہندوستان میں آٹھ سال تک مسلسل کام کرنے سے لارڈ ڈلہوزی کی صحت بالکل خراب ہو گئی تھی۔ اس کی عمر تینتالیس (۴۳) سال سے زیادہ نہ تھی مگر یہ قبل از وقت بوڑھا ہو گیا تھا اور اس وقت اس قدر بیمار تھا کہ چل پھر نہیں سکتا تھا بایں ہمہ اُس نے مجلس نظماء کے احکام کی فوری تعمیل کا وعدہ کر لیا جس کو اُس نے ایفا بھی کیا۔ صوبۂ اودھ کا الحاق ۱۳۔ فروری ۱۸۵۶ء کے اعلان عام کی رو سے انگریزی عملداری کے ساتھ ہو گیا۔ اسی مہینے کی آخری تاریخ

لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہند کی خدمت سے سبکدوش ہوگیا۔ اس نے اپنے طبیب سے کہا کہ "اس مہینے میں صرف اٹھتیں دن کا ہونا بھی کیا ہی اچھا ہوا ورنہ میں تو اور دو دن تک بھی نہیں ٹھیر سکتا تھا"

ہم نے پچھلے صفحات میں لارڈ ڈلہوزی کے فتوح والحاقات کو مختصراً بیان کردیا ہے۔ اس نے اپنے ہشت سالہ نظم ونسق کے اثنا میں آٹھ بڑی بڑی ریاستوں کا الحاق کرلیا تھا۔ ان الحاقات کے مختلف وجوہ بیان کیئے گئے تھے۔ مثلاً پنجاب کا اس لیے الحاق کرلیا گیا تھا کہ اس ملک میں بغاوت پھیل گئی تھی اگرچہ انگریزی حکومت نے چھوٹے چھوٹے فرماں رواؤں کے ساتھ جو معاہدے کیے تھے ان میں ایسی بغاوتوں کے فروکرنے کا بھی ذمہ لیا تھا۔ جنوبی برما سے محض ان انگریز تاجروں کی شکایتوں کے پیش ہونے پر جو اس ملک سے تجارت کرتے تھے اس ملک کا الحاق کرلیا گیا تھا۔ براڑ اس غرض سے چھین لیا گیا تھا کہ نظام اپنا قرض بیباق نہیں کرسکتے تھے سلطنت اودھ کا اس لیے الحاق کرلیا گیا تھا کہ وہاں بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ سنبھالپور کا الحاق اس بناء پر کرلیا گیا تھا کہ آخری راجہ کا کوئی حقیقی وارث نہ رہا تھا۔ ستارا جھانسی اور ناگپور کا الحاق اس وجہ سے کرلیا گیا تھا کہ لارڈ ڈلہوزی نے ان والیان ریاست کے متبنیٰ ورثاء کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیا تھا۔

ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے جو ان تجاویز کے جواز وعدم جواز پر ہوتے رہے ہیں۔ آج تک کسی غیر جانبدار مورخ نے از روئے انصاف لارڈ ڈلہوزی کی حکمت عملی اور افعال کے جواز کی صورت پیش نہیں کی۔ عہد وکٹوریہ کے ایک پر مغز صاحب قلم مسمی سیلی نے ڈلہوزی کے جرائم کا تقابل پروشیا کے فریڈرک اعظم کے جرائم کے ساتھ کرکے ان کو قابل معافی قرار دیا ہے لیکن یہ تقابل کسی قدر غلط ہے۔ فریڈرک کی لڑائیاں اپنے ہم طاقت وہم پلہ دشمنوں کے ساتھ تھیں اور اس کے جرائم کا کفارہ اس کا وہ مقصد اعلیٰ سمجھنا چاہیئے جس سے وہ اپنے وطن کو بھی یورپ کی بڑی بڑی اقوام کے پہلو بہ پہلو کھڑا کرنا چاہتا تھا۔ ڈلہوزی نے ان لوگوں پر چھاپا مارا جن کو اس کی مقاومت کی تاب نہ تھی اس کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی وسیع شاہنشہی اور کثیر محاصل میں اضافہ کرنے کی خاطر ایک قدیم قانون میں اپنے مطلب کے

موافق غلط معنی پیدا کرکے خود کو ذلیل بھی کیا۔

قدیم شہنشاہی پسند حکمرانوں میں جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ہندوستان کے لوگوں کی نجات اور ترقی اسی میں ہے کہ سوا راج اور حکومت خود اختیاری ان سے چھین لی جائے لارڈ ڈلہوزی آخری شخص گزرا ہے۔ ہندوستان سے مراجعت کے بعد آخری چند سال اس کی زندگی کے ایسے گزرے جس میں اس نے وہ زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جبکہ شہنشاہی پسند خیالات اس وقت قابل قبول نہیں رہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی برخاست کردی گئی اور "اصول بازگشت" خود اس کی فرماں روا ملکہ نے منسوخ کر دیئے۔

ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت کے ابتدائی زمانے میں ہندوستانیوں کی خود اپنی کوششوں سے ترقی کرنے پر زیادہ بھروسہ کیا جانے لگا۔ اسی زمانے میں ایک "قدامت پسند" وزیر ہند سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ نے ریاست میسور پر ایک دیسی رئیس کو دوبارہ مسلط کردینے کا تہیہ کر لیا۔ ایک اور "قدامت پسند" وزیر ہند لارڈ سالسبری نے صرف بدنظمی اور جرائم کی بنا پر ریاست بڑودہ کا الحاق کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ میسور کی ریاست کا وہاں کے قدیم شاہی خاندان کو واپس دیدینا اور بڑودہ پر حکمرانی کے لیے ایک نئے اور موزوں شخص کا انتخاب کرنا ان تمام سیاسی امور میں جو وزرائے دولت برطانیہ نے ہندوستان کے لیے آج تک انجام دیے ہیں سب سے زیادہ دانائی اور فیاضی کا کام تھا چنانچہ آج ان دونوں ریاستوں سے جن پر دیسی روسا حکمرانی کر رہے ہیں ہندوستان کے کسی اور حصے کا انتظام بہتر نہیں ہے۔

تیسرا باب

شمالی ہند میں بندوبست ارضی

انگریزوں کے صوبۂ بنگالہ (جس کا بانی لارڈ کلائیو تھا) کے حدود میں وارن ہیسٹنگز اور مارکوئیس ولزلی کے عہد حکومت میں آناً فاناً توسیع ہوی۔ ۱۷۷۵ء میں نواب اودھ کے انتقال پر اس کے جانشین کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تھا اس کی رو سے وارن ہیسٹنگز نے بنارس اور اس کے چند ملحقہ اضلاع کا الحاق کر لیا۔ ۱۸۰۱ء میں لارڈ ولزلی کے دباؤ میں آکر نواب اودھ نے الہ آباد اور اس پاس کے چند اضلاع بھی انگریزوں کے تفویض کر دیے اور یہی "ممالک مفوضہ" کہلاتے ہیں۔ ۱۸۰۳ء میں دہلی آگرہ اور گنگا کا دوآبہ انگریزوں نے مرہٹوں سے فتح کر لیا تھا مگر لارڈ ولزلی کے عہد حکومت میں اس کو دوبارہ فتح کرنا پڑا اور اب یہی ممالک "مفتوحہ" کہلاتے ہیں۔

بنارس میں اراضی پر مطالبہ سرکار ۱۷۹۵ء میں جس طرح دواماً مقرر کر دیا گیا تھا اسی طرح کا دوامی بندوبست ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۵ء میں ممالک مفوضہ اور مفتوحہ میں بھی کرنے کا وعدہ تو کیا گیا مگر یہ کبھی ایفا ہی نہیں ہوا کیونکہ ۱۸۰۸ء میں آر ڈبلیو کاکس اور ہنری سینٹ جورج ٹکر دونوں نے جو کمشنر ان خاص تھے ان ممالک میں فوراً دوامی بندوبست کرنے کی مخالفت کی تھی۔[۱]

۱۔ ہنری سینٹ جورج ٹکر جس کا ذکر پچھلے باب میں آچکا ہے ہندوستان میں مالگزاری کا دوامی بندوبست

بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ

طول طویل مباحثوں کے بعد مجلس نظما نے آخر کار ۱۸۲۰ء میں شمالی ہند میں دوامی بندوبست کرنے کے خلاف فیصلہ کر دیا۔ ۱۸۲۲ء کا دستور العمل (۷) منظور کر لیا گیا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ جاگیری خام لگان ۸۳ فیصدی تک لینے کا سرکار کو حق حاصل ہے اور یہ کہ وقتاً فوقتاً بندوبست پر نظر ثانی کرنے کی بھی سرکار مجاز ہے۔

بیشک لارڈ ولیم بنٹنک مستحق شکریہ ہے کہ اسی نے جو بے انتہا لگان پہلے سے تھا اس میں تخفیف اور طویل المیعاد بندوبست کی ترویج کی۔ ۱۸۳۳ء میں ایک کانفرنس بھی الہ آباد میں منعقد کی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۸۳۳ء کا دستور العمل (۹) منظور ہوا اور یہی شمالی ہند کے بندوبست اراضی کا اساسی اصول متصور ہوتا ہے۔ سرکاری مطالبے میں تخفیف کر کے وہ لگان کا ۶۶ فی صدی مقرر کیا گیا اور بندوبست ۳۰ سالہ کر دیے گئے۔

یہ اہم کام رابرٹ مارٹنز برڈ کے ذمے کیا گیا اور اس نے ایسی ہی ہمدردی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا جیسی لارڈ ولیم بنٹنک نے اس حکمت عملی کی تشکیل میں دکھائی تھی۔ اس بارے میں جو طریق عمل برڈ نے اختیار کیا تھا اس کو کئی سال کے بعد اس نے دار العوام کی مجلس منتخبہ کے سامنے اپنی شہادت میں بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے

کرنے کا بہت بڑا حامی تھا۔ ۱۸۰۸ء عیسوی میں اس نے اس بندوبست کے التوا کی تحریک کی تھی نہ کہ اس سے بالکل دست بردار ہو جانے کی۔ اس واقعے کے کئی سال بعد اس نے لکھا تھا کہ "۱۸۰۸ء عیسوی میں اس تجویز کی جس کو متعدد منتظمین مملکت نے یکے بعد دیگرے ملک کی خوشحالی کے لیے نہایت ضروری تصور کیا تھا قوت سے فعل میں لانے کے لیے مامور ہوا تھا۔ اگرچہ مجھکو اس سے بالکل اتفاق تھا کہ یہ تجویز بجائے خود نہایت دانشمندانہ اور مفید تھی اور ایسے اصول پر مشتمل تھی جن سے انجام کار فائدہ کی بہت کچھ توقع تھی لیکن میں نے محض اس بنا پر اس کے التوا کا مشورہ دیا تھا کہ ہم اس وقت بلحاظ حالات اتنے بڑے کام کے سرانجام کے لیے بالکل تیار نہ تھے لیکن مجھکو کبھی یہ خیال تک نہ ہوا کہ اس تجویز کے اصل اصول سے یوں دست بردار ہو جانا چاہیے یا یہ کہ قابضان اراضی کو جن سے ہم نے بڑے وثوق کے ساتھ اور نہایت ہی باقاعدہ طریقے پر عہد و پیمان کیے تھے ان فوائد سے محروم کر دیا جائے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اور یہ کہ آخر کار اس مفروضے پر کہ ان کا وجود حارج کار اور اراضی پر ایک بار گران ہے ان کو بالکل نظر انداز ہی کر دیا جائے۔ وعدہ محو نہیں ہو سکتا خواہ اس کا ایفا نہ ہوا ہو"

(سوانح عمری ہنری سینٹ جورج ٹکر مولفہ کے۔ ص ۲۲۲)

یہ ہوتا تھا کہ ایک مقررہ رقبے یعنی پرگنے کے اندرونِ حدود جس قدر اراضی ہوتی تھی اس کا ایک سرسری تخمینہ قائم کر لیا جاتا تھا۔ پھر یہ ہوتا تھا کہ ہر کھیت کو شامل کر کے زمین کا ایک نقشہ تیار کیا جاتا تھا اس کے بعد فنی پیمایش کی جاتی تھی جس میں مزروعہ اور غیر مزروعہ دونوں قسم کی اراضی بتائی جاتی تھی۔ اس کے بعد اس تمام و کمال رقبے پر محصول اراضی لگایا جاتا تھا اور آخر میں محصول کی جملہ رقم اس رقبے میں جتنے گاؤں ہوتے تھے ان پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔

یہ خیال کرنا بہت آسان ہے کہ پرگنے پر محصول اراضی کا تعین اور اس پرگنے کے قصبات پر اس کی تقسیم یہی دو باتیں ایسی تھیں جن پر زراعت پیشہ سخت تردد کے ساتھ نظریں لگائے رہتے تھے۔ اس نظام میں جو کمزوری تھی وہ درحقیقت تعین محصول ہی تھی۔ اگرچہ لگان کے ۶۶ فی صدی حصے کا مطالبہ کرنا ہی ایک اصول قائم کر دیا گیا تھا لیکن خود اس لگان کا تعین قیاس پر مبنی تھا بالخصوص ان اراضی پر جو دیہی جماعتوں کے زیر قبضہ تھیں مارٹنر برڈ کا بیان ہے کہ "اس کے بعد ہم اس خطے پر کیا مالگزاری لگانی چاہئے اس کے متعلق ہم حسب ذیل امور کی تحقیقات شروع کر دیتے تھے کہ سابق میں یہاں مالگزاری کی رقم کتنی وصول ہوتی تھی۔ خود رعایا کا بیان کیا ہے اور فصل اور مٹی کی نوعیت کیا ہے اس کے علاوہ ان تمام مختلف ذرائع سے بھی جن کو تجربے سے ہم نے حاصل کیا ہے اس بات کی دریافت مکمل کرتے تھے کہ اب اس اراضی پر سرکاری مطالبہ کیا ہونا چاہئے جو ازروئے انصاف درست سمجھا جائے گا!"

اس طریقے پر عمل کرنے میں بندوبست کے عہدہ داروں کو بہت کچھ آزادی حاصل تھی اور اسی لیے ہمیشہ یہ غیر تیقن رہتا تھا کہ بندوبست کے بعد زراعت پیشہ لوگوں پر کتنی رقم واجب الادا نکلتی ہے۔ متعلقہ مواد اس درجہ موہوم اور ناقابل اعتماد ہوتا تھا کہ اس پر خود بندوبست ہی کے دو عہدہ دار متفق الرائے نہیں ہو سکتے تھے اور ایک بندوبست کے وقت جو مالگزاری مقرر کی جاتی تھی وہ دوسرے بندوبست کے وقت بدل دی جاتی اور عموماً بڑھا دی جاتی تھی۔ جب زراعت پر محصول اس طرح غیر معین رہے تو پھر زرعی ترقی اور سرسبزی ناممکن ہے۔ دوامی بندوبست کے مویدوں کا مقصد یہ تھا کہ اجتماع دولت ہو مگر یہ اس لئے ممکن الوقوع نہیں معلوم ہوتا تھا کہ

دولت اور خوش حالی کی علامتوں کے ظاہر ہوتے ہی تجدید بندوبست کے وقت اراضی پر پہلے سے زیادہ سنگین محصول لگا دیا جاتا تھا۔

اس نقص کے باوجود جس بندوبست کی ابتدا ۱۸۳۳ء میں ہوئی تھی اس کی تکمیل ہمدردانہ طریقہ پر کی گئی جس سے شمالی ہند کے کسانوں کو جن پر انگریزی حکومت کے ابتدائی سی سالہ دور میں سنگین محصول لگائے گئے تھے اور جن کے ساتھ مختصر المیعاد بندوبست کیے گئے تھے آیندہ کی پریشانیوں سے نجات حاصل ہوی۔ مارٹنز برڈ مسلسل نو سال تک عرق ریزی کرتا رہا اور ۱۸۴۲ء میں ہندوستان کو خیرباد کہنے سے پہلے اپنے بندوبست کے جو قریب الختم تھا نتائج پر اس نے ایک مکمل رپورٹ پیش کی۔

دوامی بندوبست کا خیال ترک کر دیا گیا تھا۔ پھر بھی برڈ کا ارادہ اور خواہش یہی تھی کہ ان اضلاع میں جہاں بہت سی قابل زراعت زمین زیر کاشت آ چکی تھی اس کے مقررہ بندوبست کو دوامی سمجھا جائے۔ اس کی نہایت ہی واضح رپورٹ سے ہم ذیل کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔

پرگنہ دہلی

اس پرگنے کا کچھ حصہ جسکی آبپاشی نہروں سے ہوتی تھی نہایت آباد اور خوشحال تھا سابق میں یہاں اراضی پر بے انتہا مالگزاری لگا دی گئی تھی لیکن اب وہ بات نہیں رہی سرکار نے جو مالگزاری اب مقرر کی ہے وہ بالکل انصاف پر مبنی اور واجبی تھی۔ اس پرگنے کے باقی حصے میں جہاں ذرائع آبپاشی مفقود تھے کسانوں کو اپنی محنت کا بہت ہی قلیل معاوضہ ملتا تھا۔

"اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ آئندہ بندوبست پر نظر ثانی کرنے کے وقت دہلی کی عملداری میں اضافۂ رقم کی توقع نہیں ہے الا اس کے کہ سرکار وہاں بھی ایک نہر کھول دے۔"

یہاں گیہوں کی اوسط قیمت یہ تھی کہ روپے کو $36\frac{1}{2}$ سیر ملتا تھا۔

پرگنہ میرٹھ

ضلع سہارنپور۔ "اس ضلع کے بعض حصوں میں اراضی پر بے انتہا محصول لگا دیا گیا

تھا اور محاصل وصول کرنے کے طریقے بھی بہت سخت اور بالکل خلاف قانون اختیار کیے گئے تھے۔

بعض وہی جماعتوں میں جو لوگ نہایت جفاکش اور محنت کی روٹی کھانے والے تھے وہی سخت پریشان حال تھے۔ سرکاری مطالبہ سب پر مساوی مقداروں میں کرنے کی ہر طرح کوشش کی گئی لیکن پھر بھی بہت کچھ غیر مساوات اب بھی باقی ہے۔" اس ضلع کے بعض مواضع میں موجودہ بندوبست کے ختم میعاد پر سرکاری محاصل میں اضافہ ہو سکتا تھا مگر "قابل زراعت زمین کا ایک خمس حصہ بلا محصول چھوڑ دینا ضروری تھا تاکہ مویشیوں کے لیے وہاں گھانس اور دوسری قسم کا چارہ وغیرہ پیدا ہو یا اتنا حصہ یوں ہی افتادہ رہے کیونکہ بعض دفعہ اراضی چھوڑ کر لوگ چلے بھی جاتے ہیں" ہردوار سے الہ آباد تک آبپاشی کی جو نہر گئی ہے اور جو ابھی زیر تعمیر ہے اسکی تکمیل پر سرکاری محاصل میں متوسط اضافے کی توقع ہے۔

یہاں گیہوں کی اوسط قیمت یہ تھی کہ روپے کو ۴۰ سیر ملتا تھا۔

ضلع مظفرنگر جہاں شرح محصول اس وقت بہت کم ہے اس حصے میں آئندہ بندوبست پر محاصل میں کچھ اضافے کی امید ہے لیکن "ایسے مواضع میں جہاں قابل زراعت زمین کی آدھی بھی زیر کاشت نہیں اس کے باوجود وہاں اسی معیار زرح پر محصول وصول ہوتا رہا ہے جو کاشت کی زمینوں کے لیے مقرر ہے تو پھر مطالبہ سرکاری میں بھی اضافہ نہیں ہونا چاہیئے"

یہاں گیہوں کی اوسط قیمت یہ تھی کہ روپے کو ½ ۳۷ سیر ملتا تھا۔

ضلع بلندشہر۔ یہ ضلع بہت پست و زبون حالت میں تھا اور یہاں لگان بھی بہت کم مقدار میں لگایا گیا تھا سرکاری محاصل میں تین طرح سے اضافے کی توقع کیجاسکتی ہے ایک تو آبپاشی کی نہر کی تعمیر تکمیل کو پہنچنے پر دوسرے زیادہ کاشت ہونے پر تیسرے شرح محصول اراضی بڑھانے پر۔

یہاں گیہوں کی اوسط قیمت یہ تھی کہ روپے کو ۳۳ سیر ملتا تھا۔

ضلع میرٹھ۔ یہ ضلع بہت اچھا تھا آئندہ بندوبست پر سرکاری محاصل میں اضافے کی توقع کیجاسکتی ہے بشرطیکہ کاشت بھی زیادہ کی جائے" "لیکن نہروں کے ذریعہ آبپاشی کرنے سے محاصل

ہیں جو اضافہ ہو سکتا ہے اس کے سوا صرف شرح محصول میں اضافہ کرنے سے محاصل سرکار میں یہاں اضافے کی کوئی امید نہیں"۔
یہاں گیہوں کی اوسط قیمت یہ تھی کہ روپے کو ۳۲ سیر ملتا تھا۔
ضلع علیگڈھ۔ یہ ضلع نہایت خوش حال تھا اور یہاں کاشت بھی خوب ہوتی تھی۔ محاصل میں آیندہ اضافے کی توقع صرف مذکورالصدر چھ پرگنوں میں کی جا سکتی تھی مگر دوسرے پرگنوں میں نہروں کے ذریعہ آبپاشی کیے بغیر کسی اضافہ کی گنجائش نہ تھی اس ضلع کی دیہی جماعتوں کو نیل کے تخلیند مارٹن اور ملکلینگ نیز دیسی مہاجنوں نے بڑے بڑے رقوم پیشگی دیے تھے جس پر ان لوگوں کو بعد میں تکلیف اٹھانی پڑی اور ان رقوم کے لیے جو زمینیں مکفول تھیں وہ سب فروخت کرنی پڑیں۔
یہاں گیہوں کی اوسط قیمت یہ تھی کہ روپے کو ۳۹ سیر بکتا تھا۔

پرگنۂ آگرہ

ضلع آگرہ۔ اس ضلع کی تمام زمین زیر کاشت تھی اور لگان کا تعین بھی ہو چکا تھا۔ "آیندہ کسی زمانے میں بھی اس ضلع کے محاصل میں اضافے کی توقع نہیں اس لیے جمع یا مالگزاری کی موجودہ رقم کو دوامی مقرر کر دینا چاہیے، یہاں کی پیداوار میں ترقی یا کاشت کے طریقے میں اصلاح یا آبپاشی میں اضافے کی امید اسی وقت کی جا سکتی ہے جب کہ مزارعین کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اگر وہ اپنی محنت اور دولت ان پر صرف کر دیں تو اس کا تمام فائدہ بلاشرکت غیرے انہیں کو ملے گا۔
ضلع متھرا۔ اس ضلع کی سب زمین بھی زیر کاشت تھی "موجودہ دھارے پر جو محاصل وصول ہوتے ہیں وہی رقم دوامی مقرر کر دینی چاہیئے آیندہ بھی کسی اصلاح و ترقی کی امید نہیں بجز اس کے کہ لوگوں کو بلاشرکت غیرے اپنی اصلاح و ترقی سے مستفید ہونے کا یقین کلی ہو جائے"۔
ضلع فرخ آباد۔ اس ضلع کے بعض حصوں میں تمام زمین زیر کاشت تھی آیندہ بندوبست پر اس ضلع کے اور حصوں کے محاصل میں ۲ طرح سے اضافہ ممکن تھا ایک یہ کہ وہاں زیادہ کاشت ہونے لگے دوسرے دھارے میں بھی اضافہ کیا جائے۔

اگر نہروں کے ذریعہ آبپاشی بھی یہاں کی جائے تو اور اضافہ ہو سکتا ہے۔
ضلع مینپوری۔ اس ضلع کے بعض حصوں میں پوری کاشت ہوتی تھی اور اس پر مالگزاری بھی مقرر ہو چکی تھی مگر باقی حصے ایسے نہ تھے۔
ضلع اٹاوہ۔ یہاں پوری زمین زیر کاشت تھی اور اس کے لگان کا بھی تعین ہو چکا تھا۔ ""آئندہ اضافے کی کوئی توقع نہیں بجز اس کے کہ نہروں کے ذریعہ آبپاشی کی جائے ورنہ موجودہ دھار او دوامی متصور ہونا چاہئیے۔""

پرگنۂ روہیلکھنڈ

ضلع بجنور۔ اس ضلع سے سابق میں لگان بہت زیادہ لیا گیا تھا اور حصول محاصل کے لیے جو ذرائع اختیار کیے گئے وہ بھی بہت سخت تھے۔ "مثلاً گروبداروں اور خریداروں کے نام ان کی مرضی کے خلاف جبراً انتقال املاک کر دینا۔ مہاجنوں سے ان کے کسی عذر کو سنئے بغیر زبردستی قرض لینا اور ان مواضعات میں جو رعایا کے فرار ہو جانے کی تاریخ سے سرکاری عہدہ داران کے زیر انتظام تھے کاشت کا کام بیگاروں سے لینا وغیرہ۔" ان خرابیوں کی بعد کو اصلاح کر دی گئی۔ اور مالگزاری کی ایک واجبی رقم مقرر کی گئی لیکن اس کے تعین میں مساوات حاصل نہیں ہوئی۔
ضلع مرادآباد۔ اس ضلع کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں کیے گئے۔
ضلع بریلی۔ اس ضلع پر سابق میں بے انتہا محصول لگا دیا گیا تھا۔ اور اس کے بعض حصوں پر ۳۷ء کے قحط کے شدید اثرات پڑے تھے۔ یہاں کے اکثر باشندوں نے بھوکوں مرنے کی تاب نہ لاکر لوٹ مار کرنے کے لیے ٹولیاں قائم کی تھیں۔ اکثر کاشتکار اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے حال کے بندوبست میں جو لگان مقرر کیا گیا ہے وہ مبنی بر اعتدال ہے۔
ضلع بدایون۔ بندوبست کے زمانے میں ضلع بھر میں بڑی تکلیف اور پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ بندوبست ایسے زمانے میں کیا جا رہا تھا جب کہ "بے اندازہ مالگزاری لگانے کی طرف عام رجحان تھا۔" اسی لیے اس کے تعین کے بعد متواتر اس پر نظرثانی ہوتی رہی اور رعایا کو اب بھی اس زیادہ ستانی سے پوری نجات حاصل نہیں ہوئی تھی۔

"اگر سرکار اور سرکاری عہدہ داران کو اس بات کا یقین ہو جائے (جس کی مجھکو امید ہے کہ اب تک ہو گیا ہو گا) کہ حد سے زیادہ مالگزاری وصول کرنے سے یقیناً نقصان ہوتا ہے اور دونوں تہیہ کریں کہ وہ انہیں مبنی بر اعتدال اصول پر کاربند ہیں گے جو سب سے پہلی دفعہ اب زیر عمل آئے ہیں تو بیشک طرفین کو بڑا فائدہ ہو گا"

ضلع شاہجہاں پور۔ سابقہ بندوبست میں یہ ضلع کثیر مالگزاری کی آفت سے بچ گیا تھا اور موجودہ بندوبست میں بھی اس پر لگان کا زیادہ بار نہیں ڈالا گیا تھا۔ یہ ضلع نہایت سرسبز حالت میں تھا۔

ضلع پیلی بھیت۔ سابق میں اس ضلع کے آدھے حصے پر بے انتہا لگان عائد کیا گیا تھا لیکن اب اس میں معقول تخفیف کر دی گئی تھی اور باقی آدھے حصے میں تعین لگان راجہ گیر نام سنگھ کے ساتھ کر لیا گیا تھا۔ اس ضلع کی آب وہوا نہایت خراب تھی۔

یہاں گیہوں کی اوسط قیمت یہ تھی کہ روپے کو ½ ۲۸ سیر بکتا تھا۔

پرگنۂ الہ آباد

ضلع کانپور۔ پہلے اس ضلع سے بے اندازہ مالگزاری وصول کی جاتی تھی مگر اب اس میں کمی کر دی گئی تھی۔ اس ضلع کے اکثر حصوں میں تمام زمین زیر کاشت تھی اور اس کے لگان کا بھی تعین ہو چکا تھا۔ نہروں سے آبپاشی ہونے کے سوا کانپور میں مطالبۂ سرکار میں اضافے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لیے موجودہ معیار دوامی متصور ہونا چاہیئے"

ضلع فتح پور۔ ضلع فتح پور پر بھی مذکورالصدر بیان صادق آتا ہے "نہروں کے ذریعہ آبپاشی ہونے پر جو اضافہ ممکن ہے اس کے سوا موجودہ لگان دوامی متصور ہونا چاہیئے"

ضلع الہ آباد۔ گزشتہ زمانے میں یہ ضلع بے اندازہ مالگزاری کی آفت سے بچ گیا تھا نہروں کے ذریعہ آبپاشی ہونے سے جو اضافہ ہو سکتا ہے اس کے سوا "موجودہ بندوبست کو دوامی ہی سمجھنا چاہیئے۔"

یہاں گیہوں کی اوسط قیمت یہ تھی کہ روپے کو ۲۷ سیر ملتا تھا۔

پرگنۂ بنارس

ضلع اعظم گڈھ۔ یہ ضلع نہایت زرخیز تھا۔ یہاں ذرائع آبپاشی بھی اچھے تھے اور کاشت بھی خوب ہوتی تھی۔ بعض حصوں کی مالگزاری کا کامل تعین ہو چکا تھا اور اس میں آئندہ اضافہ نہیں ہونا چاہئے۔ باقی حصوں میں "موجودہ میعاد کے ختم پر کاشت میں اضافہ کے تناسب ایک وجہی اضافہ ہو سکتا ہے لیکن دھارا نہیں بڑھانا چاہئے۔

یہاں گیہوں کی اوسط قیمت یہ تھی کہ روپے کو ½۲۹ سیر تھا۔

ضلع گورکھپور۔ یہ ضلع نہایت زرخیز تھا اور اس کی عام حالت بھی بہت اچھی تھی۔ آئندہ کاشت نیز دھارے میں اضافہ ہونے پر سرکاری محاصل میں اضافے کی توقع کی جاسکتی تھی۔

یہاں گیہوں کی اوسط قیمت یہ تھی گیہوں روپے کو ۳۱ سیر تھا۔

برڈ کے بندوبست کے نتائج ذیل کے اعداد سے جو اس کی رپورٹ کے ضمیمہ نقشوں سے لیے گئے ہیں تفصیلی طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس نقشے میں دس روپے ایک پونڈ انگلیشیہ کے مساوی قرار دیے گئے ہیں:

پرگنہ	ضلع	مجموعی رقبہ (ایکر)	زیر کاشت زمین (ایکر)	برڈ کا مشخصہ محصول اراضی (پونڈ)
دھلی	دھلی	۳۶۴۵۲۴	۱۷۴۶۰۵	۳۶۲۳۷
	رہتک	۸۴۴۶۶۶	۲۷۴۴۶۵	۶۲۸۳۱
	گرگاؤں	۱۱۶۰۴۳۷	۶۴۷۳۵۳	۱۰۱۴۲۴
	حصار	۱۶۵۷۹۷۵	۶۹۶۱۴۷	۳۸۰۴۰

میرٹھ	سہارنپور	۱۰۱۸۷۰۵	۶۰۶۸۴۷	۱۰۰۵۵۸
	مظفرنگر	۱۹۱۷۰۶	۳۹۲۳۷۷	۶۷۲۷۴
	میرٹھ	۱۷۷۶۴۳۰	۱۰۳۴۰۱۶	۲۸۱۵۶۱
	بلندشہر	۱۰۲۵۰۹۶	۵۹۲۶۳۰	۹۵۱۶۸
	علی گڈھ	۱۱۱۹۲۳۸	۹۰۰۵۶۲	۱۹۶۴۴۸
روہیلکھنڈ	بجنور	۱۰۲۷۵۳۳	۴۵۹۴۰۹	۱۱۲۲۳۷
	مرادآباد	—	—	۶۶۸۷۰
	بدایون	۱۴۵۰۴۱۸	۷۵۲۱۰۳	۱۱۰۳۰۶
	پیلی بھیت	—	—	۳۹۰۴۹
	بریلی	۱۱۱۹۱۷۴	۶۳۹۵۷۹	۱۲۶۳۴۵
	شاہجہانپور	۱۳۰۹۲۱۱	۶۵۱۵۴۹	۱۰۲۷۰۷
آگرہ	متھرا	۱۰۱۶۱۵۳	—	۱۵۲۷۲۸
	آگرہ	۹۳۵۸۲۵	۶۴۶۸۰۸	۱۳۹۲۹۷
	فرخ آباد	۱۲۴۷۲۸۸	۶۱۴۲۵۳	۱۴۹۵۷۵
	مینپوری	۱۲۸۰۹۲۷	۶۱۳۴۲۲	۱۳۸۲۳۸
	اٹاوہ	۱۰۷۱۷۵۶	۴۷۷۹۰۱	۱۲۱۰۹۳
الہ آباد	کانپور	۱۴۹۷۷۹۵	۷۸۲۲۷۶	۲۱۸۱۵۴
	فتح پور	۹۹۰۵۸۴	۵۰۶۹۰۵	۱۴۱۸۹۳
	الہ آباد	۱۷۹۰۲۴۴	۹۹۷۵۰۸	۲۱۵۶۵۰
بنارس	گورکھپور	۲۵۶۰۰۴۹	۱۹۲۷۲۳۴	۲۰۸۳۵۴
	اعظم گڈھ	۱۶۵۲۲۹۳	۷۷۳۶۱۶	۱۵۱۷۸۸

مارٹنس برڈ نے نہ سالہ عرق ریزی کے بعد جس کام کو اس طرح اتمام کے قریب پہنچا دیا تھا وہ اُس صوبے کے لفٹننٹ گورنر کے ملاحظے میں پیش ہوا تو ۱۵ اپریل ۱۸۴۱ء میں اس سربرآوردہ عہدہ دار نے ایک پرمغز یادداشت اس پر قلمبند کی۔ اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ بندوبست نہایت غور وخوض اور چھان بین کے ساتھ کیا گیا تھا اور اس کا مقصد صرف محاصل میں اضافے کی صورت پیدا کرنا نہ تھا اس نے سالانہ چار اقساط میں مالگزاری وصول کرنے کے طریقے کو منظور کر لیا اور حدود بندی اور تصحیح حسابات کے طریقے کو بھی بہت پسند کیا۔ لیکن اس کا خیال تھا کہ تنخواہ دے کر ہر موضع میں چوکیداروں کو رکھنا گاؤں والوں کو اچھا نہیں معلوم ہوگا۔ اُس نے سخت سے سخت الفاظ میں ان ذیلی عہدہ داروں کو زجر وتوبیخ کی جنھوں نے اپنی کارگزاری دکھانے کے جوش میں زیادتی یہ کی کہ ان پٹوں کو بھی بازگشت کرا لیا جن پر لگان معاف تھا۔

"بغیر دریافت کیے بندوبست کے عہدہ داروں نے چپہ چپہ زمین جس پر لگان تک معاف تھا اور جس کی دیہی کتابوں میں کھتاونی بھی نہیں ہوئی تھی چھین لی حتیٰ کہ دس بیگوں کے اندر جو زمین بعد کے حکم سے بھی لگان سے مستثنیٰ کی گئی تھی اور جو پٹے اراضی کے زیر کاشت آنے تک کسی صورت قابل محصول نہیں سمجھی جاتی تھی وہ بھی لے لی گئی۔ ضلع فرخ آباد میں تو نہ عہدنامے کی شرائط کی اور نہ ان احکام کی جو سرکار نے براہ راست صادر کیے تھے کچھ پروا کی گئی اور وارن ہیسٹنگز اور لارڈ لیک جیسی ممتاز ہستیوں نے جن کارہائے نمایاں کا سرانجام کیا تھا ان کا بھی مطلق لحاظ نہیں کیا گیا۔"

جس طریقے سے موروثی مالکانِ اراضی کے حقوق میں مداخلت کی گئی تھی اس کی اور زیادہ پُرزور الفاظ میں لفٹننٹ گورنر نے مخالفت کی۔ ذیل میں اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

"راجہ مینپوری کو جس کے پیشرو کی غیر متزلزل وفاداری کا جبکہ ہلکر کا لشکر ۱۸۰۴ء میں اس ضلع کو تاخت وتاراج کر چکا تھا انگریزی سرکار نے اعلیٰ سے اعلیٰ لفظوں میں اعتراف کیا تھا بغیر حکم سرکار حاصل کیے محض اس مفروضے پر کہ

تعلقدار کے کیا حقوق ہونے چاہئیں ہمیشہ کے لئے نسلاً بعد نسل اس کے ۸۰۵ مواضعات میں سے ۱۱۶ مواضعات میں جو اس کے تعلقہ میں شامل اور انگریزی حکومت قائم ہونے سے کہیں پہلے اس کو ارثاً ملے تھے کسی قسم کی مداخلت کرنے سے محروم کردیا گیا ہے۔"

ہر موضع کے معاملات میں ہمیشہ مداخلت کرنے کو لفٹننٹ گورنر پسند نہیں کرتا تھا۔ "ہر کھیت کی حالت وقتاً فوقتاً قلمبند کرتے رہنے میں ہر موضع یا یوں کہیے کہ موضع کے ہر باشندے کے معاملات میں ہمیشہ عاملانہ مداخلت ضروری ہوتی ہوگی اور لازمی بات ہے کہ کہیں کی رعایا کیوں نہ ہو اس قدر مداخلت جب اس کو ناگوار گزرتی ہے تو اسی طرح ہندوستان کے باشندوں کے لیے بھی یہ بات قابل برداشت نہ ہوگی۔" لفٹننٹ گورنر کی نظروں میں یہ طریق کار "سب کو بالکل مساوی الحیثیت اور یکساں بنا دینے والا تھا اور اس سے آگے چل کر معاشرتی سطح اس قدر ہموار بن جاتی تھی کہ کسانوں اور حکمران طبقے میں مابہ الامتیاز کوئی بات باقی نہیں رہتی تھی کسی دیسی ذریعہ و توسط کے بغیر حکومت کرنا ایک خطرناک تجربہ کرنا ہے اور میری نظروں میں بھی وہ بات ہے جو ہمارے زیر عمل تدابیر میں مضمر ہے۔"

اوپر جو کچھ اقتباس پیش کیا گیا ہے وہ ہر زمانے میں قابل قدر سمجھا جائیگا۔ برڈ کے بندوبست کی بہت کچھ تعریف کی گئی ہے اور بجا کی گئی ہے کیونکہ اس سے شمالی ہند کی زرعی آبادی کو بڑا فائدہ پہنچا۔ انگریزی حکومت کے ابتدائی تیس سال تک محصول اراضی جو حد سے زیادہ اور شدید زحمت کا باعث تھا اس میں ایک اعتدال پیدا ہوگیا اور طویل المیعاد بندوبست عمل میں آنے سے رعایا کو مسلسل پریشانیوں سے نجات ملی مگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جہاں کہیں تمام زمین کی کاشت ہوتی تھی اور لگان کا پورا تعین ہوچکا تھا۔ وہاں اسی لگان کو برڈ کا ارادہ یہ تھا کہ دوامی کردیا جائے لیکن اس بات کو بعد کے منتظمین مملکت نے بالکل نظرانداز کردیا۔ برڈ کی ایک خواہش یہ بھی تھی کہ دوسرے اضلاع میں بھی جب وہاں کاشت خوب ہونے لگے تو آیندہ چلکر یہی عمل ہونا چاہیئے مگر یہ

آرزو بھی کبھی پوری نہ ہوئی ۔ برخلاف اس کے سب کو "مساوی الحیثیت اور یکساں کر دینے والی" تدبیریں جن پر ۱۸۴۲ء میں عمل ہوا ۔ سی رابرٹسن نے اظہار افسوس کیا تھا ساٹھ سال گزرنے کے بعد اب زیادہ نمایاں بن گئی ہیں ۔ شمالی ہند میں موضع کا پٹواری جس کو سرکار کی طرف سے تنخواہ مقرر ہے موقع پاکر آج گویا مالک سیاہ وسفید بن گیا ہے اور اس کو وہ اقتدار حاصل ہے جو جائز طور پر درحقیقت رعایا کے نمائندہ مثلاً موضع کے زمینداروں یا دیہی جماعتوں کو ملنا چاہیے ۔"سب کو بالکل مساوی الحیثیت اور یکساں بنا دینا جس سے آگے چل کر معاشرتی سطح ایسی ہموار ہو جائے کہ کسانوں اور حکمران طبقے میں مابہ الامتیاز کوئی بات باقی نہ رہے" ہندوستان کے لیے دانائی کی حکمت عملی نہیں ۔

رابرٹسن کے بعد ۱۸۴۳ء میں جیمز ٹامسن شمالی ہند کا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا اور یہ ایک فیاض منش اور رحمدل آدمی تھا ۔ اس نے دس سال اس صوبے پر حکمرانی کی ۔ اس کے تحت متعدد منتظمین مملکت نے نظم و نسق کا کام سیکھا اور تجربہ حاصل کیا جیسے جان لارنس ۔ رابرٹ منٹگمری اور ولیم میور جنھوں نے تاریخ ہند میں نہ صرف انتظامی قابلیت بلکہ رعایا کے ساتھ اپنی گہری ہمدردی کا نقش اپنے پیچھے چھوڑا ہے ۔ خود ٹامسن ممتاز ترین منتظمین مالگزاری میں سے تھا ۔ اس نے ایک طرف تو ان خرابیوں کی اصلاح کی جنکی نشاندہی اس کے پیشروؤں نے کی تھی اور دوسری طرف مارٹنز برڈ کے کام کی تکمیل کی اور ۱۸۴۹ء میں اس بندوبست عظیم کو بھی ختم کر دیا ۔ اس کے چار سال بعد جس روز ملکہ کے فرمان سے ٹامسن کو گورنر مدراس کی اعلیٰ تر خدمت پر سرفرازی کے احکام صادر ہوئے اسی روز ۲۷ ستمبر ۱۸۵۳ء میں اس نیک نفس جلیل القدر شخص نے انتقال کیا ۔ ایسے ہمدرد عہدہ دار کی مدراس میں جس قدر ضرورت تھی ویسی کہیں نہیں تھی مگر افسوس ہے کہ مدراس کی قسمت میں ٹامسن کی حکمرانی نہ تھی ۔

لفٹنٹ گورنری کی خدمت پر مامور ہونے کے بعد ٹامسن نے جو سب سے پہلا اہم کام کیا وہ یہ تھا کہ اس نے ۱۸۴۴ء میں "عہدہ داران بندوبست کے لیے ہدایات" مرتب کیے اور یہی ہندوستان کا سب سے پہلا مکمل "قانون بندوبست"

یہ قانون ۱۹۵ فقروں پر مشتمل ہے اور اس میں وہ سب اصول اور طریق کار مقرر کر دیے گئے ہیں جن کے موافق شمالی ہند میں بندوبست کیا گیا تھا۔ اس کے چند شرائط ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔

"۵۲۔ یہ مناسب ہوگا کہ بندوبست کے اندرون میعاد مالک اراضی کی جو کچھ خالص پیداوار سمجھی جاتی ہے اس میں سے دو ثلث سے زیادہ حصے کا سرکار کو مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ باقی ایک ثلث مالک اراضی کے لیے بطور منافع چھوڑ دینا چاہیئے جس سے وہ جمع کے مصارف بھی ادا کر سکے۔ خالص پیداوار کے یہ معنی ہیں کہ مصارفِ کاشت کی (جس میں سرمایہ پر منافع اور محنت کی اجرت بھی شامل ہے) منہائی کے بعد محاصل جاگیر میں جو فاضلات ہوں۔ اگر جاگیر کلیتاً ان لوگوں کے زیر قبضہ ہے جو اس کے مالک بھی ہیں اور کاشت بھی کرتے ہیں تو خالص پیداوار سے مطلب ان کے سیر یات کی کاشت کا منافع ہے اور اگر یہ جاگیر ان لوگوں کے زیر قبضہ ہے جو اس کے محض مالک ہیں اور کاشت نہیں کرتے بلکہ انھوں نے ایک مقررہ دھارے پر اسامیوں کے نام زمین کا پٹہ کر دیا ہے تو خالص پیداوار سے مطلب جاگیر کا خام لگان ہو سکتا ہے۔"

"۱۲۸۔ لگان مقررہ پر کاشتکاروں نے جو بعض زمینیں لی ہیں ان پر قبضہ قائم رکھنے کا کاشتکاروں کو حق حاصل ہے اور جب تک یہ لوگ اپنے ذمے کی رقم ادا کرتے رہیں اپنے کھیتوں سے بے دخل نہیں کیے جا سکتے۔ اگر یہ کاشتکار لگان کی وہ رقم ادا ہی نہیں کرتے جس کا مطالبہ قانوناً جائز ہے تو مالک اراضی ادائے بقایا کے لیے ان پر نالش کر سکتا ہے اور اپنے حق میں فیصلہ حاصل کرنے کے بعد بھی اگر اپنی واجب الوصول رقم وصول نہیں کر سکتا تو پھر ان کاشتکاروں کو کھیتوں سے بے دخل کر کے زمین پر خود قبضہ حاصل کرنے کی کلکٹر کے پاس درخواست پیش کر سکتا ہے۔"

"۱۲۹۔ اسامئی غیر دخیل کار کو جس سال انھوں نے کھیتوں کی کاشت کی ہے اس مدت سے متجاوز اراضی پر کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔

"۱۵۴۔ جہاں متعدد مشترکہ اسامیاں ہوتی ہیں جیسی وہی جاتیں تو

معمول یہ ہے کہ ان میں سے دو ایک کا انتخاب کر لیا جاتا ہے اور یہ انتظام کر دیا جاتا ہے کہ باقی رعیت انھیں منتخبہ اسامیوں کے توسط سے سرکار کو مالگزاری ادا کرتی رہے یہ مشترکہ اسامیاں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک تو "مالگزار" (مالگزاری ادا کرنے والی) اور دوسری "پٹی دار" (بلا اشتراک غیرے قابض زمین) لیکن صرف صدر "مالگزاروں" کے ساتھ سرکار محاصل کا قرار داد کرتی ہے اور یہی لوگ براہ راست سرکار کو مالگزاری ادا کرتے ہیں۔ ان کو عام طور پر "نمبردار" بھی کہا جاتا ہے۔"

"۱۵۹۔ سیاہۂ حقوق کی ترتیب کا طریقہ اب بیان کرنا باقی ہے۔ .... یہ سیاہۂ دوامی ہونا چاہیے۔ گویا یہ ایک حقوق کی سند ہوگی جس کو دیکھ کر ان اشخاص کے حق میں جن کو اراضی سے کچھ بھی تعلق ہے یا جو اس طرح کی دلچسپی پیدا کرنے کی فکر میں ہیں قطعی تصفیہ کیا جا سکے گا۔ سب سرکاری عہدہ دار مثلاً کلکٹر مجسٹریٹ اور بالخصوص جج رعیت کے معاملات کے تصفیہ کے وقت اسی سیاہۂ حقوق کو پیش نظر رکھیں گے۔"

آج کل کے ہندوستان کے منتظمین مملکت نے ان قواعد میں ان چند اصول کو تاڑ لیا ہوگا جو بعد میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے "قوانین لگان" میں شریک کیے گئے تھے۔

شمالی ہند کا بندوبست ۱۸۴۹ء میں مکمل ہونے کے بعد آخر کار مجلس نظماء کے پاس پیش ہوا۔ نظماء نے اپنے ۱۳ اگست ۱۸۵۱ء کے اہم مراسلے میں اس عظیم الشان کارنامے پر تبصرہ کیا۔ مارٹنہ برڈ کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد جن زمینوں پر اس نے محصول لگایا تھا ان پر نظر ثانی اور جمع میں اس طرح تخفیف کی گئی کہ بہت سی حقیقت اراضی جس پر محصول معاف تھا محصول سے مستثنےٰ ہی رکھی گئی چنانچہ نظماء کے مراسلے میں جو اعداد درج ہیں ان میں اور برڈ کی رپورٹ کے اعداد میں جن کی تفصیل قبل ازیں کر دی گئی ہے بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔

ذیل میں مجلس نظماء کے مراسلے کے اعداد کی تفصیل پیش کی جاتی ہے جس میں دس روپے ایک پونڈ انگلیشیہ کے مساوی قرار دیے گئے ہیں۔

ضلع	جملہ محصول اراضی پونڈ	ضلع	جملہ محصول اراضی پونڈ
سہارنپور	۹۰۴۴۳	فتح پور	۱۳۹۷۶۷
مظفرنگر	۶۷۲۷۴	الہ آباد	۲۱۸۹۹۵
آگرہ	۱۵۵۴۰۱	اعظم گڈھ	۱۳۵۷۴۱
فرخ آباد	۹۲۱۷۳	جونپور	۱۲۳۱۳۳
مینپوری	۱۳۸۲۱۳	بنارس	۸۱۷۰۶
اٹاوہ	۱۳۱۱۰۳	مرزاپور	۶۷۰۶۸
بجنور	۸۲۷۵۵	دہلی	۳۵۷۹۴
مرادآباد	۱۳۴۴۶۳	پانی پت	۸۰۷۷۸
پیلی بھیت	۳۷۵۸۹	حصار	۳۸۰۲۰
بریلی	۱۰۰۷۰۶	روہتک	۶۲۸۳۱
شاہجہاں پور	۱۰۲۷۰۷	گرگاؤں	۱۰۸۸۴۸
کانپور	۲۱۸۱۵۴	....	....

بعض اضلاع مثلاً آگرہ۔ مرادآباد۔ الہ آباد اور گرگاؤں کے اعداد میں بمقابل برڈ کے اعداد کے بہت کچھ بیشی نظر آتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس لیے ہو کہ جب برڈ نے اپنی رپورٹ پیش کی تھی اس وقت بندوبست مکمل نہیں ہوا تھا۔ دوسرے اضلاع مثلاً سہارنپور۔ فرخ آباد۔ بجنور۔ پیلی بھیت۔ بریلی اور فتح پور میں معتدبہ تخفیف وقوع میں آئی ہے۔

بندوبست کے تحت دہ سالہ مدت میں شمالی ہند میں سرکار کا مطالبہ کیا رہا ہے اور جمعبندی کی رقم کتنی وصول ہوئی ہے۔ وہ ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا:

سال	مطالبۂ سرکار	مقدار جمع
سنہ ۱۸۳۸ء سے ۱۸۳۹ء تک	۴۵۵۴۸۹۹	۳۶۳۰۲۱۵

سنہ ۱۸۳۹ء سے سنہ ۱۸۴۰ء تک	۴۱۲۰۶۶۸	۳۵۶۵۲۸۱
سنہ ۱۸۴۰ء سے سنہ ۱۸۴۱ء تک	۳۷۶۴۲۶۱	۳۴۷۰۴۰۲
سنہ ۱۸۴۱ء سے سنہ ۱۸۴۲ء تک	۴۱۶۱۹۰۳	۳۰۸۳۳۵۷
سنہ ۱۸۴۲ء سے سنہ ۱۸۴۳ء تک	۴۳۹۱۸۹۰	۴۰۴۸۸۱۲
سنہ ۱۸۴۳ء سے سنہ ۱۸۴۴ء تک	۴۳۴۹۴۱۵	۴۱۱۰۵۱۴
سنہ ۱۸۴۴ء سے سنہ ۱۸۴۵ء تک	۴۴۴۵۸۸۲	۴۱۲۸۷۴۴
سنہ ۱۸۴۵ء سے سنہ ۱۸۴۶ء تک	۴۳۰۱۸۳۷	۴۲۰۰۳۴۱
سنہ ۱۸۴۶ء سے سنہ ۱۸۴۷ء تک	۴۳۰۷۷۰۰	۴۲۳۲۱۲۲
سنہ ۱۸۴۷ء سے سنہ ۱۸۴۸ء تک	۴۲۹۲۱۶۶	۴۲۴۸۵۸۲

اس بندوبست کے سب مفید نتائج اس نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اس دہ سالہ مدت کی ابتدا میں مطالبہ سرکار بہت بڑا تھا لیکن تقریباً دس لاکھ پونڈ انگلیشیہ کا بقایا رہ گیا تھا۔ جب ختم مدت پر مطالبے میں تخفیف کر دی گئی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مطالبے کی تقریباً کل رقم وصول ہو گئی۔

ان واقعات اور اعداد پر تبصرہ کرتے ہوئے نظماء نے ہندوستان کے ملازمین دیوانی کو اس کار عظیم کے سرانجام پر مبارکباد دی اور رابرٹ مارٹنز برڈ کی کارگزاری پر بطور خاص اظہار پسندیدگی فرمایا۔

اس میں شک نہیں کہ ملازمین دیوانی اور مارٹنز برڈ دونوں نظمار کی اس قسم کی تعریف ہی کے مستحق تھے مگر پھر بھی ان کا کام ابھی تک ادھورا ہی ہے۔ درحقیقت اس تمام تعمیر کا سنگ بنیاد ہی متزلزل ہے۔ کیونکہ تمام پرگنے پر محصول اراضی کا مقرر کر دینا محض قیاسات پر مبنی تھا اور اس کے علاوہ محصول اراضی صرف غیر متیقن ہی نہ تھا بلکہ بہت زیادہ بھی تھا۔ ٹامسن کے "ہدایات" کے (جس کا اوپر ذکر آچکا ہے) قاعدہ (۵۲) کی رو سے مطالبہ سرکار خالص پیداوار کے دو ثلث حصے تک پہنچ سکتا تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پھر بھی یہ قاعدہ رحمدلی پر مبنی تھا کیونکہ انگریزی سرکار نے سنہ ۱۸۲۲ء میں ۸۳ فی صدی اور سنہ ۱۸۳۳ء میں ۷۵ فی صدی کا مطالبہ کیا تھا۔

پھر بھی اس قاعدے کے تحت پورا مطالبہ کرنے سے شمالی ہند کے مالکان اراضی اور کاشتکاروں کے پاس کچھ باقی نہیں رہتا تھا اور یہ مطالبہ ان کے لیے درحقیقت سخت تباہ کن تھا۔ ۱۸۵۵ء کے مراسلے پر قطاء کے دستخط کرنے کے چند ہی سال بعد یہ درد ناک حقیقت آشکارا ہوی۔

جدید بندوبست شروع کرنے کے لیے تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اس مسئلے پر کہ زمین کی خالص پیداوار میں سرکار اور مالکان اراضی کو کیا حصہ تناسبہ ملنا چاہیے ازسرنو غور و خوص کرنے کا پھر موقع آپہنچا۔ تجربے سے یہ ثابت ہوا تھا کہ ۶۶ فی صدی محصول جس کا سرکار نے اب اب تک مطالبہ کیا تھا بہت زیادہ اور ناقابل عمل تھا۔ ٹامسن کا قاعدہ (۵۲) حد درجہ تکلیف دہ ثابت ہوا تھا اور مالکوں اور کاشتکاروں کی نظروں میں اراضی قابل قدر ملک نہیں رہی تھی۔ ٹامسن کے معدایات پر نظر ثانی ضروری معلوم ہوتی تھی اسی لیے ۱۸۵۵ء میں جدید قواعد اس غرض سے نافذ کیے گئے کہ "ان اشکال میں جو عہدہ داران بندوبست کے لیے ہدایات کی اشاعت کے وقت اس رسالے سے حذف کر دیے گئے تھے یا اس رسالے میں ان کی تفصیل درج نہ تھی اور اگر تھی بھی تو جو کچھ اس میں لکھا تھا اس کی ترمیم بعد کے احکام سے سرکار نے کر دی تھی کلکٹر کی رہنمائی کی جائے" چونکہ یہ قواعد جدید ضلع سہارنپور کے مکرر بندوبست سے متعلق صادر ہوئے تھے اسی لیے عام طور پر ان کو "قواعد سہارنپور" کہا جاتا ہے:۔

"قواعد سہارنپور" میں سب سے اہم قاعدہ (۳۴) ہے جس کی رو سے محصول اراضی جاگیر کی خالص پیداوار یا خالص لگان کے ۶۶ فی صدی کے بجائے ۵۰ فی صدی کر دیا گیا۔ اس قاعدے کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"کسی جاگیر کا اثاثہ بالتفصیل معلوم نہیں کیا جا سکتا لیکن بمقابل پہلے کے اب اوسط خالص اثاثے کے متعلق زیادہ صحیح معلومات حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے اراضی پر بے انتہا محصول لگا دینے کا امکان اب زیادہ ہے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ دو ثلث یعنے ۶۶ فی صدی حقیقی اوسط اثاثے کا اتنا بڑا حصہ ہے کہ معمولی طور پر مالکان اراضی یا دیہی جماعتیں کسی طویل مدت تک اس کو ادا نہیں کر سکتیں

اسی سبب سے سرکار نے "عہدہ داران بندوبست کے لیے ہدایات" نامی رسالے کے فقرہ (۲۵ ۱)میں جو قاعدہ درج ہے اُس کی اب یوں ترمیم کی ہے کہ جاگیر کے اوسط خالص اثاثے کا ۵۰ فی صدی مطالبۂ سرکار مقرر کر دیا گیا ہے ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جاگیر کی جمع اُس کے خالص اوسط اثاثے کا نصف حصہ مقرر کر دی جائے بلکہ یہ ہے کہ اس اثاثے اور دوسرے مواد پر غور کرتے وقت کلکٹر اس بات کو ملحوظ خاطر رکھے کہ پہلے کی طرح خالص اثاثے کا دو ثلث نہیں بلکہ تقریباً نصف حصہ جس کو نہایت تحقیق کے ساتھ معلوم کیا گیا ہو مطالبۂ سرکار مقرر کر دینا چاہیے کلکٹر کو یہ بھی چاہئے کہ مذکور الصدر رسالے کے (۷۴) فقرے سے (۱۵) فقرے تک جو تنبیہ کی گئی ہے اس کو پیش نظر رکھے اور جاگیر زیر بندوبست کے اوسط خالص اثاثے کو بلا کم و کاست دریافت کرنے کی بے سود کوششوں میں تضیع اوقات نہ کرے"۔

آج کل ہندوستان میں مالگزاری کا تعین اسی قاعدے پر مبنی ہے نصف صدی کے بے اندازہ مالگزاری اور دوسری غلطیوں کے بعد انگریزی سرکار نے نصف لگان یعنے زمین کی نصف خالص پیداوار تک اپنے مطالبے کو محدود رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور رفتہ رفتہ ہندوستان کے اور اقطاع میں بھی جہاں مالگزاری کا دوامی تعین نہیں ہوا تھا یہی طریقہ پھیل گیا ۔ صوبۂ متوسط اودھ اور پنجاب میں ان ممالک کے الحاق کے بعد ہی طریقہ رائج کیا گیا ۔ مدراس و بمبئی جیسے صوبوں میں بھی جہاں عموماً کاشتکار بلا توسط مالکان اراضی براہ راست سرکار ہی کو مالگزاری ادا کرتے تھے وزیر ہند نے یہی طریقہ ۱۸۶۴ء کے مراسلے کے ذریعہ نافذ کر دیا ۔

چوتھا باب

بمبئی میں بندوبست اراضی

مارکوئیس ہیسٹنگز کے عہد حکومت میں ہندوستان کی مغربی سرحد جلد جلد اور آگے بڑھا دی گئی اور آخری جنگ مرہٹہ کے بعد ۱۸۱۸ء میں دکن کا تمام علاقہ انگریزی حکومت کے تحت آگیا۔ اس نومقبوضہ عملداری پر سب سے پہلے مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن نے ۱۸۱۹ء میں ایک قابل قدر رپورٹ پیش کی اس کے بعد ۱۸۲۱ء اور ۱۸۲۲ء میں چیپلین نے بھی دو رپورٹیں پیش کیں۔ ان سے مرہٹوں کی سابقہ عملداری کی زرعی حالت کے ساتھ ساتھ کسانوں کے حالات پر بھی بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔

الفنسٹن نے یہ لکھا تھا کہ دکن میں مرہٹہ حکومت کی سب سے اہم صورت حال یہ تھی کہ تمام دیہات کو قصبات یا دیہی جماعتوں پر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ان میں مختصر پیمانہ پر سب کچھ موجود تھا جو ایک مملکت میں ہوتا ہے کسی وقت اگر ان کی محافظت کے لیے کسی قسم کی حکومت بھی باقی نہ رہے تو یہ آپ اپنی حفاظت معقول طریقے پر کر سکتے ہیں۔"

پونے کے کپتان رابرٹسن نے لکھا تھا کہ "پٹیل جو دیہی جماعت کا صدر ہوتا تھا سابق زمانے میں اور اب بھی ایک مجسٹریٹ کی حیثیت رکھتا ہے جو حکومت کا مقرر کردہ اور دیہی جماعت کے ارادہ مجموعی سے قائم ہے وہ ان

سب باتوں کی پابندی کراتا ہے جو انگلستان میں شخصیہ کے قوانین مقامی کہلاتے ہیں سابق میں وہ اس جماعت کے مصارف اور اس جماعت کے صدر ہونے کی حیثیت سے اپنا وقار برقرار رکھنے کے لیے معقول رقم چندے سے جمع کرلیتا تھا۔ اب وہی اس انجمن کی فلاح و بہبود کی خاطر اصلاح کی تدبیریں سوچتا ہے اور اس انجمن کے ارکان سے امن عامہ قائم رکھنے میں ہر طرح کی مدد لیتا ہے۔ سابق کی طرح اب بھی وہ ایک بزرگ خاندان کی حیثیت سے ان دیوانی مقدمات کا انفصال کرتا ہے جن میں لوگ اس کو اپنی خوشی سے ثالث یا پنچ مقرر کرتے ہیں اور ان کارروائیوں میں یہ سرپنچ ہوتا ہے جن میں یہ خود یا فریقین مقدمہ ما بہ النزاع امور کے تصفیے کے لئے دوسروں کو پنچ مقرر کرتے ہیں۔"

دوسری اہم صورت حال مرہٹوں کے عہد حکومت میں یہ تھی کہ کسان مالک اراضی بھی تھے اور خود اپنی زمینوں کی کاشت بھی کرتے تھے۔ یہ لوگ اس لیے "میراث دار" کہلاتے تھے کہ اپنے کھیتوں کے یہی موروثی حقدار تھے۔ الفنسٹن بیان کرتا ہے کہ "کثیر التعداد رعیت اس شرط پر اپنی اراضی کی مالک ہے کہ وہ ایک مقررہ لگان سرکار کو ہمیشہ ادا کرتی رہے۔ ان کی یہ ملک موروثی ہے اور فروخت بھی ہوسکتی ہے۔ جب تک وہ محصول اراضی ادا کرتے رہتے ہیں ان کو اپنی مقبوضہ اراضی سے کبھی بے دخل نہیں کیا جاسکتا۔" کپتان رابرٹسن لکھتا ہے کہ "ایسی حقیت اراضی کی اصلی بنیاد دیکھی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ انگلستان کی کسی ایسی ملک مطلق سے کم حیثیت ہرگز نہیں جو ہر طرح کی نزع سے بالکل پاک ہو۔" چیپلن کہتا ہے کہ "میراثی حقیت اراضی مفتوحہ عملداری کے اس حصے میں جو دریائے کرشنا سے لے کر مغربی گھاٹیوں تک چلا گیا ہے عام طور پر پھیلی ہوئی ہے۔" اور مسٹر چیپلن یہ بھی کہتا ہے کہ "کلکٹر پونا کا میراث داروں کے تحفظ حقوق کی حمایت کرنا بالکل درست ہے چنانچہ متعدد مقامات میں اس نے نہایت شد و مد کے ساتھ اس بات کی جانچ بھی کی ہے۔ لیکن مجھ کو یہ یقین ہے کہ آج تک کسی نے ان کے حقوق پر حملہ کرنے کا خیال تک نہیں کیا تو پھر اب اس مسئلے پر زیادہ بحث کرنا فضول ہے۔"

بڑے افسوس کی بات ہے کہ مفتوحہ علاداری پر انگریزوں کی حکومت ہوئے ابھی ایک پشت بھی نہیں گزری تھی کہ میراث داروں اور دیہی جماعتوں جیسے دو قدیم اداروں کا در اصل خاتمہ ہی ہو گیا۔ ہر کاشت کار سے براہ راست انتظام اور اندازہ ہر بندوبست پر کاشتکار کے مقررہ لگان پر نظر ثانی کرنے کا تہیہ کر لیا گیا تھا جس سے دیہی جماعتیں کمزور ہوگئیں اور میراثی حقوق کچھ باقی نہ رہے۔ کوئی غیر جانبدار مورخ ایسا بھی نا فہم نہ ہوگا کہ مرہٹوں کی حکمرانی کا جس میں جنگ و جدل لا تنا ہی ہوتے تھے انگریزوں کی حکمرانی کے ساتھ جس میں رعایا کو حفظ دامن حاصل تھا مقابلہ کرے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ کوئی غیر جانبدار مورخ ایسا بھی نہ ہوگا جو ان قدیم خود اختیاری حکومت رکھنے والے اداروں کے انحطاط پر اور قدیم اسامیوں کے حقوق زائل اور اراضی کے بار سنگین ہی یوں اضافہ ہو جانے پر جب کہ یہ سب کچھ انگریزی نظم و نسق کا نتیجہ ہے اظہار افسوس نہ کرتا ہو۔ یوں تو کسی ملک کے حکومت خود اختیاری رکھنے والے دیسی اداروں کا میٹ دینا کوئی عقلمندی کی بات نہیں مگر بالخصوص ایک پردیسی راج کے لیے جس کو رعایا کے فطری رہنماؤں اور نمائیدوں سے راہ رکھے بغیر ان کے حالات اور امنگوں سے کبھی واقفیت ہی نہیں ہو سکتی یہ بڑی نادانی کی بات ہوگی۔ انگریزوں کو دکن فتح کیے پچیاسی سال ہو چکے لیکن دیہی جماعتوں کے مماثل حکومت خود اختیاری کا کوئی اور نظام ان کے بجائے آج تک قائم نہیں کیا گیا۔

دکن کی فتح کے ساتھ ہی مختلف اضلاع میں عارضی طور پر بندوبست کر دیا گیا تھا مگر بمبئی کی ملازمت دیوانی کے مسٹر پرنگل نے ۱۸۲۴ء سے باضابطہ پیمائش کے بعد بندوبست کرنا شروع کر دیا اور پرنگل کا طریقہ ہی ۱۸۳۰ء تک جاری رہا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ کھیتوں کی پیمائش کے بعد مختلف النوع اراضی کے تخمینہ پیداوار پر پرنگل نے محصول اراضی کا تعین کر دیا تھا جس سے پیداوار کا ۵۵ فی صدی حصہ حق سرکار ہوتا تھا۔ لیکن پیمائش غلط ہوئی تھی۔ پیداوار کا تخمینہ بھی صحیح نہ تھا اور سرکاری مطالبہ بھی حد سے زیادہ تھا اسی لیے بندوبست کا عمل رعایا کے لئے موجب سختی و آزار ثابت ہوا۔" اگر کسان مطالبہ سرکار ادا نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے تھے تو ان بدبختوں سے

ان کے مقدور کی انتہا تک وصول کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز کوششوں سے کبھی دریغ نہیں کیا جاتا تھا جو نہایت ظالمانہ اور قابل نفرت ہونے کی وجہ سے بیان سے باہر ہیں۔ اکثر تو گھروں کو چھوڑ کر آس پاس کی دیسی ریاستوں میں روپوش ہو گئے تھے۔ زمین کے بڑے بڑے خطے بے کاشت پڑے ہوئے تھے اور بعض اضلاع میں تو قابل کاشت رقبے کا ایک ثلث سے زیادہ حصہ رعایا کے زیر قبضہ نہ تھا۔"

۱۸۳۵ء میں گولڈ اسمڈ اور لفٹننٹ ونگیٹ نے مکرر پیمایش شروع کر دی اور وہ اصول قائم کر دیے جن پر بمبئی کا نظام مالگزاری آج تک مبنی چلا آ رہا ہے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسے شمالی ہند کے موجودہ نظام بندوبست کا آغاز سال ۱۸۳۳ء سے ہوا اسی طرح بمبئی کے موجودہ نظام بندوبست کی ابتدا ۱۸۳۵ء سے ہوی۔ اور بمبئی اور شمالی ہند دونوں جگہ انھیں سنین سے طویل المیعاد تیس سالہ بندوبست عمل میں آنے لگے تھے۔

گولڈ اسمڈ اور ونگیٹ نے جو منصوبہ اختیار کیا تھا وہ بالکل سیدھا سادہ تھا۔ انھوں نے زرخیزی کے لحاظ سے اراضی کی نو ۹ قسمیں قرار دی تھیں۔ ہر ضلع کے موجودہ حالات اور سابقہ سرگزشت دریافت کرنے کے بعد اس پر محصول اراضی کا تعیّن کر دیتے تھے اور اس وصول طلب رقم کو اسی ضلع کے تمام مواضعات اور کھیتوں پر منقسم کر دیتے تھے۔ "ہر کھیت کے مالک پر فرض تھا کہ اپنے کھیت پر معینہ محصول اراضی ادا کر دینے کے بعد اس کی کاشت کرے۔" مہتمم بندوبست کاشتکار سے کچھ پوچھنے کے بغیر محصول اراضی کا تعین کر دیتے تھے اور جب نرخ نامہ مالگزاری کا رواج پڑا تو یہ ہونے لگا کہ ہر کھیت پر آئندہ کیا دھارا لگایا جائے گا اس سے ہر کھیت کے مالک کو کلکٹر اپنے پاس طلب کر کے آگاہ کر دیتا تھا۔ اگر وہ ان شرائط پر کھیت اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا تھا تو اس کی خوشی اور نہ رکھنا چاہتا تھا تو اس کی مرضی۔"

ناظرین خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ اس سیدھے سادھے منصوبے میں دکن کی دیہی جماعتیں بالکل نظر انداز کر دی گئی تھیں اور میراثی اسامیوں کو ایک مقررہ شرح محصول پر اپنی موروثی اراضی پر قبضہ رکھنے کا جو حق حاصل تھا وہ بھی

زائل ہو گیا تھا۔ انگریز منتظمین مملکت کی نظروں میں ہر اسامی سے فرداً فرداً تو علیحدہ علیحدہ بندوبست کر لینا ہی بڑی دانائی تھی اور انھوں نے ہر کھیت پر اپنی مرضی کے موافق محصول لگا دیا۔ اس طرح محصول اراضی کا بالجبر تعین کرنا بھی کم و بیش قیاسات ہی پر مبنی تھا اور اسی لیے اس میں بھی وہی نقص رہ گیا تھا جو محصول کی متغیر مقدار سے شمالی ہند کے نظام میں موجود تھا۔ عہدہ داران بندوبست کے مختلف طبائع کے موافق اس کا تعین ہوتا تھا کہ جہاں وہ سخت گیر ہوئے محصول سنگین ہو گیا اور جہاں انھوں نے اعتدال سے کام لیا محصول بھی مبنی بر اعتدال ہو گیا۔ اگر کسی بندوبست میں حوادث زمانہ کے واقع ہونے سے اعتدال پیش نظر رہا تھا تو خوش حالی کے آثار نظر آتے ہی دوسرے بندوبست پر اعتدال تشدد سے مبدل ہو جاتا تھا جب تک بندوبست کے عہدہ دار ہر نئے بندوبست پر اپنی مرضی کے موافق محصول اراضی میں کمی و بیشی کرنے کے مجاز تھے اس وقت تک زرعی دولت کا اجتماع بالکل ناممکن تھا اور جب تک مطالبۂ سرکار کے یوں زبردستی بڑھ جانے کو کسی صورت کسان روک نہیں سکتے تھے اس وقت تک وہ اپنی حالت مستقل طور پر درست نہیں کر سکتے تھے۔

صدر مجلس مالگزاری اور حکومت ہند نے رعیت واری بندوبست کی اس کمزوری کو تاڑ لیا تھا اور اسی زمانے میں اس بندوبست کی بدترین شکل مدراس میں نظر آتی تھی۔ سر ٹامس منرو کی وفات سے دس سال بعد مدراس کے کاروبار میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ محصول اراضی بڑھ کر گھٹ جانے کے بعد پھر بڑھ گیا تھا۔ اس طرح لگان کی غیر معینہ مقدار کی خرابی تو پہلے ہی سے موجود تھی اب وہ بے اندازہ بھی ہو گئی۔ مطالبۂ مالگزاری کی بے اندازہ رقم نہ وصول ہو سکتی تھی نہ کبھی وصول ہوئی تھی کسان مٹی میں مل گئے اور ملک کے اس سرے سے اس سرے تک زرعی بدحالی پھیل گئی۔ اس نظام کی مخالفت میں صدر مجلس مالگزاری نے صدائے احتجاج بلند کی۔

صدر مجلس کے اس مراسلے کی نقل بمبئی بھیجی گئی۔ اگرچہ اس مراسلے کا مطمح نظر مدراس کے حالات تھے مگر اس میں خود رعیت واری نظام پر حملہ کیا گیا تھا لیکن گولڈ اشمڈ اور ونگیٹ چونکہ بمبئی میں اسی نظام کی ترویج کر رہے تھے اس لیے انھوں نے اس کی

حمایت پر کمر باندھی۔ ۱۷ اکتوبر ۱۸۲۰ء کے مراسلے میں انہوں نے جواب دیا کہ مدراس کی زبون حالت رعیت واری نظام کی وجہ سے نہیں بلکہ حد سے زیادہ محصول عائد کرنے سے پیدا ہوئی تھی اور یہ بحث کی کہ رعیت واری نظام بشرطیکہ خوش اسلوبی کیساتھ وہ عمل میں لایا جائے رعایا کے لیے ایسا ہی مفید ہو سکتا ہے جیسا شمالی ہند کا نظام جس کو مارٹنز برڈ نے رائج کیا تھا۔ اس قابلِ ذکر مراسلے کے چند اقتباسات سے شمالی ہند مدراس اور بمبئی کے نظام اراضی پر جو اس وقت زیر تشکیل تھے خوب روشنی پڑتی ہے۔

"۳ شمالی مغربی ممالک میں محصول اراضی بجائے ہر کھیت پر علیحدہ علیحدہ مقرر کیے جانے کے جیسا یہاں ہوتا ہے سب جاگیروں پر اگرچہ یہ متعدد اشخاص کے زیر قبضہ ہوتی ہیں ایک ساتھ معین کر دیا جاتا ہے کبھی تو پورا ایک موضع ہی جاگیر ہوتا ہے کبھی موضع کا کچھ حصہ اور کبھی کبھی متعدد مواضعات یا مواضعات کے متعدد حصے جاگیر میں داخل ہوتے ہیں اور یہ ایک ہی شخص کی ملک ہونے کے بجائے عموماً متعدد اشخاص کی ملک ہوتے ہیں۔ ایسی جاگیری اراضی پر بہ حیثیت مجموعی محصول لگا دیا جاتا ہے اور ان اشخاص پر اس کے ادا کرنے کی مشترکہ ذمہ داری رہتی ہے برخلاف اس کے دکن میں موجودہ تقسیم اراضی میں عموماً ہر کھیت کا رقبہ ایسا متوسط قرار دیا گیا ہے کہ اس کی کاشت ایک آدمی تنہا کر سکتا ہے اور یہ تقسیم اراضی ہمارے بندوبست میں بحالہ رکھی گئی ہے اور محصول اراضی ہر کھیت پر علیحدہ علیحدہ مقرر کر دیا گیا ہے"

"۹۔ .... ہماری نظروں میں حق ملکیت اراضی ایک ہی صورت سے زائل ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس پر ایسی سنگین مالگزاری لگا دی جائے جس میں لگان کلیتاً جذب ہو جائے ورنہ حصول مالگزاری کے بعد بھی کچھ نہ کچھ لگان جب تک بچ رہے گا اس وقت تک لگان کے اس باقی حصے کی بدولت زمین قابل قدر سمجھی جائے گی اور قابض زمین اپنی اراضی کو فروخت کر سکے گا یا کرایہ پر دے سکے گا اور یہی بات قابض کو مالک اراضی قرار دیتی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ دریافت کرنا ضروری نہیں کہ آیا سر ٹامس منرو نے حقیقی مالکان اراضی کے حقوق کو نظر انداز کر دیا تھا

یا محض قابضان وقت ہی کے نام سب زمینیں لکھدی تھیں۔ اور اس طرح موخرالذکر ہی محصول ادا کرنے کے ذمہ دار بن گئے تھے مگر ہم تو بلا پس وپیش یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بندوبست میں تمام موجودہ حقوق مالکانہ کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور مالک اراضی کو پوری آزادی دیدی گئی ہے کہ جن شرائط پر وہ چاہئے اپنی اراضی کسی شکمیدار کے نام منتقل کردے چنانچہ ہر جگہ رعیت اس حق سے استفادہ کرتی ہے۔"

"۱۱۔ ...... ہم نے دکن کے اس حصے میں جہاں تک ہمارا کام ہوا ہے اراضی کے نو درجے قائم کیے ہیں اور ہر قسم کی زمین انھیں مدارج میں سے ایک کے تحت آجاتی ہے کیونکہ ان مدارج کی تعداد ہماری دانست میں کافی ہے"

"۱۵ ...... زرعی طبقے کے موجودہ حالات خاص خاص مواضعات کی حالت سرکاری وصول باقی۔ پیداوار کی قیمتیں اور اس طرح کی دوسری باتوں کا گزشتہ زمانے سے مقابلہ کرنے کے بعد موجودہ جمع میں کیا اضافہ یا معافی ہونی چاہئے اس کے متعلق اطمینان بخش تصفیہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کافی مواد فراہم ہو سکتا ہے۔"[1]

"۳۹۔ مجلس نے اپنے مراسلے کے خاتمے پر ان تمام خرابیوں کا خلاصہ کر دیا ہے جو مجلس کی نظروں میں رعیت واری نظام کی خصوصیات تعین جیسے ضلع مدراس کی حالت تھی اور اس ضلع کا شمالی مغربی ممالک سے جو موجودہ بندوبست میں نہایت سرسبز حالت میں تھے مقابلہ کرکے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ موضع دار انتظام بے انتہا بہتر ہے۔ لیکن ہماری ناچیز رائے میں شمالی مغربی ممالک کی جو بے انتہا برتری نظر آتی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ سرکاری مطالبہ وہاں مبنی بر اعتدال ہے اور انتظام مدراس کی ناقابل تردید بدتری کا سبب یہ ہے کہ وہاں محصول اراضی غلطی سے بے انتہا

---

[1] زرعی تمول وخوشحالی کی مزاحمت کے لیے کوئی اس سے زیادہ موثر طریقہ اختراع نہیں کیا جا سکتا کہ "زرعی طبقے کی موجودہ حالت وغیرہ کے لحاظ سے مالگزاری میں کمی وبیشی کرنے کا اختیار عہدہ داران بندوبست ہی کو دیدیا جائے۔ جب رعیت خوشحال ہوتی تھی تو مالگزاری میں بھی بیشی کردی جاتی تھی۔ ایسی صورت میں اصلاح وترقی یا اجتماع دولت کا کیا امکان یا ان کے لیے کیا باعث ترغیب ہو سکتا ہے؟

لگا دیا گیا تھا"۔

"۴۴۔ یہ بھی ہمیں باور آتا ہے کہ قومی خوش حالی کے نہایت ہی اہم عناصر جن میں ذیل کے مصرحہ امور کا بھی شمار ہے بندوبست کے اس منصوبے سے حاصل ہو سکتے ہیں جو فی الوقت دکن میں زیر عمل ہے مثلاً ایک مبنی بر اعتدال و مساوی المقدار محصول اراضی لگانا جس سے مالک اراضی یا قابض زمین کے لیے لگان کا ایک حصہ تمناسب بچ رہے، بندوبست کی میعاد تیس سالہ ہو، بندوبست کے اندرون میعاد کسی صورت مطالبے میں اضافہ نہ کیا جا سکے۔ اس اثنا میں جو لوگ اپنی اراضی میں اصلاح و ترقی کریں اس سے وہی کلیتاً مستفید ہوں۔ مشترکہ ذمہ داری اُن چند کارروائیوں تک محدود رہے جہاں کھیت مشترکہ قبضے میں ہوں یا مشترکہ شقی داروں نے شقمی اراضی کی ایک ذیلی تقسیم آپس ہی میں کر لی ہو، اراضی پر حق مالکانہ کا تسلیم کرنا، مالکان اراضی کو شکمیداروں سے لگان وصول کرنے کے انتظام اور اپنی اراضی کے فروخت کرنے میں پوری آزادی دینا، کھیتوں یا اراضی کے ایسے محدود حصوں پر جو اس ملک کے مالکان اراضی کے عام حالات کے لحاظ سے قابل انتقال متصور ہوتے ہوں، لگان کی ذمہ داری شکمی داروں پر منقسم ہونے کی وجہ سے اراضی کے انتقال قبضہ یا فروخت کے لیے سہولتیں پیدا کرنا۔ صرف زیر کاشت اراضی پر محصول وصول کرنا، اور اس طرح رعیت کو ہر وقت اپنے مقدور کے موافق اپنے حلقۂ مزروعہ کو بڑھانے گھٹانے کی اجازت دینا جو ایک ایسے ملک میں جہاں عنصر زراعت پیشہ لوگوں کا سرمایہ نہ صرف بالکل تھوڑا ہے بلکہ موسمی تغیرات کے اثرات سے کم و بیش بھی ہوتا رہتا ہے ایک بہت بڑی رعایت ہوگی"۔

جان ویبرٹ اس رپورٹ اور دوسری ایسی رپورٹوں سے مسلح ہو کر مجلس مالگزاری کے الزاموں سے بمبئی کے نظام کو بری کرنے کے لیے حکومت بمبئی سے مخاطب ہوا۔ اس بات کے ثابت کرنے میں کہ محصول اراضی کی تشخیص میں عہدہ داران بمبئی بھی بالکل انھیں امور کو پیش نظر رکھتے تھے جن کو شمالی ہند کے عہدہ داروں نے ملحوظ رکھا تھا ویبرٹ کو کچھ مشکل نہ ہوئی۔ اس مراسلت کے معائنے سے ناظرین کے دل پر جو پہلا نقش بیٹھتا ہے وہ یہ کہ اگر بمبئی میں تشخیص محصول محض قیاسات پر مبنی تھی تو

شمالی ہند میں بھی تشخیص محصول قیاسات پر مبنی تھی اور شمالی ہند کا بمبئی کو ملامت کرنا ایسا ہی تھا جیسا شیطان کا کسی گنہگار کو اس کے گناہوں پر ملامت کرنا پھر بھی یہ ایک اہم اختلاف تھا کہ شمالی ہند میں کسی جاگیر یا موضع پر بہ حیثیت مجموعی محصول لگایا جاتا تھا اور محض قیاسات پر یہ محصول مبنی ہونے سے اگر اس میں غلطی ہو جاتی تھی تو مالکان اراضی یا زمیندار سب مل کر اس پر اعتراض کر سکتے تھے جس کا کچھ اثر بھی ہوتا تھا مگر بمبئی میں ہر کھیت پر علحدہ علحدہ محصول لگایا جاتا تھا اور اگر عہدہ دار سرکاری بندوبست میں کوئی غلطی بھی کر جاتا تھا تو غریب کاشتکار کے پاس اس کا کوئی علاج نہ تھا۔

قارئین کو فوراً محسوس ہو گیا ہو گا کہ ایسے صوبے میں جہاں موروثی زمینداریوں اور دیہی جماعتوں کے سے قدیم ادارے اگرچہ بے دست و پا ہی سہی مگر برقرار ہوں اور ایک ایسے صوبے میں جہاں ان قدیم اداروں کو مٹایا یا بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہو اور ایک طرف حکومت کی مطلق العنانی اور دوسرے طرف انفرادی حیثیت سے ہر کاشتکار کی بے بسی دست بگریبان کا مصداق رہے، بہت بڑا اختلاف ہے۔ سطحی نظر رکھنے والے مصنفین کی عادت ہے کہ وہ ہندوستان کے ان درمیانی مالکان اراضی کو ایک طرح کا بار زمین سمجھتے ہیں لیکن پُر مغز اصحاب فکر نے ہندوستان کے معاشی اور معاشرتی حالات پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ ایک پردیسی حکومت اور ایک زراعت پیشہ قوم کے درمیان جس کا کوئی نمایندہ نہ ہو ایسی ذی اثر جماعتوں کی موجودگی سے جو سیاسی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اُن سے قطع نظر کر کے غور و فکر کرنے والے اشخاص نے یہ تسلیم کیا ہے کہ انھیں لوگوں کی رائے اور اثر سے جو اسی ملک کے باشندے اور عوام کے طبقے سے ہوتے تھے نظم و نسق بھی متاثر ہوتا ہے۔ غلطیوں کی اصلاح اور زیادتیوں کی مزاحمت ہوتی ہے نیز حکومت اور رعایا کے درمیان ایک رشتۂ اتحاد قائم ہو جاتا ہے۔ بمبئی اور مدراس کے مقابل شمالی ہند میں انتظام مالگزاری اس لیے زیادہ کامیاب اور محصول اراضی بھی کم مقدار رہا کہ وہاں ذی اثر رہنمایانِ قوم اور دیہی جماعتیں موجود تھیں جنھوں نے اپنا مدعا آخر منوا لیا۔ نظم و نسق پر اپنا اثر

توالا اور محصول کو ایک اعتدال پر لاکر ہی چھوڑا۔ بمبئی اور مدراس میں سب سے زیادہ افسوسناک غلطی جو ہوئی وہ یہ تھی کہ نظم و نسق کی بہتری کے لیے دیہی جماعتوں بانی گھاروں جاگیرداروں اور رعایا کی دوسری ذی اثر جماعتوں سے مدد لینے کی بجائے ان کو بالکل نظر انداز کردیا گیا یا سرے سے میٹ دیا گیا۔

گولڈاسمتھ اور ونگیٹ نے اپنے طریق کار کی تائید میں کہا کہ "مالگزاری ادا کرنے کی مشترکہ ذمہ داری اور موضع میں مشترکہ انتظام یہ دونوں باتیں دکن میں عام تھیں لیکن مشترکہ ملکیت کا پتا نہیں چلتا"۔ اگر یہی جماعتوں کے ذریعہ سے "موضع کا یہ مشترکہ انتظام" جو دکن میں عام تھا یونہیں محفوظ و برقرار رکھا جاتا تو انگریزی راج کو بھی اس سے بہت کچھ فائدہ ہوتا۔ باوجود اس کے کہ سرجورج ونگیٹ جیسے بہت بڑے اور نیک آدمی کی یاد تاریخ کے ہر متعلم کے دل میں ابھی تک تازہ ہے اور اس کی بڑی وقعت کی جاتی ہے لیکن پھر بھی اس سچی بات کا اخفا نہیں کیا جاسکتا کہ دیہی جماعتوں کی برخاست کرنے اور ہر ضلع میں لکھوکھا کاشتکاروں سے فرداً فرداً لکھوکھا کھیتوں کا بندوبست کرنے میں ونگیٹ نے بہت بڑی غلطی کی۔ مدراس کی مجلس مالگزاری نے ۱۸۱۸ء میں ایسی غلطی مدراس میں سرزد ہونے پر سخت اعتراض کیا تھا مگر محض بے سود صدر مجلس مالگزاری نے دوبارہ ۱۸۲۲ء میں اس غلطی پر اعتراض کیا مگر اس کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

اس کے پندرہ سال بعد دارالعوام اور دارالامرا کی مجالس منتخبہ کے سامنے ایک بہت بڑے منتظم مملکت کی جو بمبئی کا گورنر تھا شہادت لی گئی اس گورنر کو یہ کہنے کی ہمت ہوئی کہ جہاں کہیں رعیت واری نظام کی ترویج کی گئی اور دیہی جماعتوں اور درمیانی مالکان اراضی کو میٹ دیا گیا وہاں کے مزارعین ایسے ہو گئے جیسے کنگالوں کی ایک قوم۔ یہ شخص سرجورج کلارک تھا اور اس کی شہادت ایسی زبردست اور صریح و صاف تھی کہ اس سے چند اقتباسات یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔

سوال۔ انتظام اراضی کے کس نظام میں عوام کا زیادہ فائدہ ہے۔ وہ جو خود رعیت کے ساتھ کیا جائے یا زمیندار کے؟

جواب۔ ان دونوں کے مفید عام اشکال جدا جدا ہیں لیکن رعیت واری

نظام ملک کے لیے سب سے زیادہ ضرر رساں ہے ....

سوال ۔ ہماری رعایا کی عام خصوصیت کیا یہ نہیں ہے کہ وہ شروع ہی سے مفلس اور کنگال ہیں؟

جواب ۔ میرے خیال میں جہاں رعیت واری نظام ہے وہاں یہی حالت ہے ۔

مذکورۂ بالا شہادت ۱۸۵۲ء میں دارالامرا کی مجلس کے سامنے پیش ہوئی تھی اس کے دوسرے ہی سال اس گواہ نے دارالعوام کی مجلس منتخبہ کے سامنے رعیت واری نظام کی خرابیاں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیں ۔

سوال ۔ کیا آپ چند لفظوں میں رعیت واری نظام کے اصول بیان فرمائیں گے ؟

جواب ۔ اراضی کے ٹکڑے ٹکڑے جو ہر کاشتکار کے زیر قبضہ ہیں ان پر بلا توسط کسے سرکار کا نہایت باریک بینی اور تفصیل کے ساتھ محصول لگانا جس سے یہ کاشتکار پہلے جیسے مفلس اور کنگال تھے ویسے ہی اب بھی رہیں ۔ ان کاشتکاروں اور حکومت کے درمیان کوئی سلسلۂ توسط نہیں ہے ....

سوال ۔ رعیت واری نظام کے متعلق کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ یہ نہ تو حکومت کے لیے کچھ فائدہ مند ہے اور نہ دیسیوں کے حق میں مفید ہے ؟

جواب ۔ یقیناً میرا یہی خیال ہے ۔ ان کاشتکاروں کے اوپر کوئی مالک اراضی ایسا ہے ہی نہیں جو سرمایہ پیدا کرے ۔ یہ کسان اس طبقے کے لوگ ہیں جو کسی ملک میں بھی سرمایہ دار نہیں ہوتے بلکہ یہ محض کاشتکار ہوتے ہیں ....

سوال ۔ شمالی مغربی ممالک میں مالگزاری کا کونسا نظام قائم ہے ؟

جواب ۔ وہاں مختلف حیثیت کے زمینداروں کو جنمیں بعض کے زیر قبضہ ایک موضع ہے اور بعض مشترکہ طور پر ایک ہی موضع کے صدر ہیں نئے بندوبست میں طویل المعیاد پٹے دیدیے گئے ہیں ۔

سوال ۔ کیا یہ بندوبست مسٹر برڈ کے مجوزہ اصول پر ہوا ہے ؟

جواب ۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں لیکن یہ اصول جدید نہیں ہے ۔ بلکہ مسٹر برڈ

کے زمانے سے بھی پہلے کا ہے۔ ہندوستان میں تشخیص مالگزاری کا بہت قدیم طریقہ یہی تھا۔

سوال۔ کیا آپ کی رائے میں یہ اچھی طرح چلتا رہا ہے؟

جواب۔ میرے خیال میں یہ بہت خوبی کے ساتھ چلتا ہے بشرطیکہ مواضعات کے صدر اشخاص سے مل کر تشخیص مالگزاری میں کسی زمیندار کے حقوق پامال نہ کیے جائیں۔

سوال۔ کیا فصل کے نہ ہونے پر زمیندار اپنی حسب عادت رعیت کی امداد کرتے رہتے ہیں؟

جواب۔ جی ہاں!

سوال۔ یہ لوگ کس طرح رعیت کی امداد کرتے ہیں؟

جواب۔ زمیندار رعیت کی مدد رقم۔ بیج۔ اناج اور بیلوں سے کرتے ہیں۔ موضع واری یا زمینداری بندوبست میں یہی فائدہ تو ہے۔

اس مجلس منتخبہ کے ارکان کابڈن اور جوزف ہیوم جیسے مشاہیر بھی تھے اور ان کے خاص خاص سوالات کا اس گواہ نے جو جواب دیا ہے اس کا پڑھنا دلچسپی سے خالی نہیں۔

مسٹر کابڈن۔ آپ نے بیان کیا ہے کہ بمبئی میں رعیت واری نظام میں ایک مشکل یہ بھی تھی کہ دیسی لوگوں میں عام طور پر بددیانتی پھیلی ہوئی تھی اور جہاں کہیں یورپی اشخاص خدمت پر نہ تھے وہاں وفادار منتظمین مملکت کا ملنا ناممکن تھا مگر اس سے پہلے آپ نے اپنی شہادت میں ہندوستانیوں کی صدق بیانی اور عام اخلاق اچھے ہونے کے متعلق بیان کیا تھا پھر اس پہلے اور بعد کے بیان میں کیا مطابقت ہے؟

جواب۔ مجھ کو یہ خیال نہیں ہے کہ میں نے لوگوں میں عام طور پر بددیانتی پھیلی ہوئی ہے کہا تھا۔ قطعی میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میرے کہنے کا اصل منشاء یہ تھا کہ روپے کی قلت کے باعث اچھے لوگوں کے بجائے کم مواجب دیسی مختاروں ہی سے کام لینا پڑتا ہے اور ان پر رقم مالگزاری کی ارسال یا رعیت واری

نظام کی با تفصیل پابندی کرنے کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

سوال۔ اگر آبادی کا ایک کثیر حصّہ صدق بیان اور دیانت دار ہو تو پھر دیانت دار مختاروں کے ملنے میں کیا مشکل ہے؟

جواب۔ آپ ایسے لوگوں کے ذمے نہایت جانکاہ و دشوار فرائض کر دیتے ہیں مگر ان کو اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے کافی تنخواہیں نہیں دیتے......

مسٹر ہیوم۔ آپ نے بیان کیا ہے کہ موجودہ رعیت واری نظام سے کاشتکاروں کی بھکاریوں کی سی حالت بن جاتی ہے اور کس حد تک موضع واری نظام اختیار کیا جا سکتا ہے اس کے متعلق آپ نے اپنے شکوک کا اظہار بھی کیا ہے مگر کیا آپ کوئی ایسا طریقہ بتا سکتے ہیں جس سے بمبئی کے کاشتکاروں کی اصلاح حال ہو سکتی ہے؟

جواب۔ مجھ کو خیال نہیں پڑتا کہ میں نے موضع واری نظام کے متعلق شبہ کا اظہار پہلے کیا ہے۔ برخلاف اس کے یہ وہی نظام ہے جس کی میں نے ہر وقت نہ صرف تائید کی بلکہ ہر جگہ اسی کو اختیار بھی کیا۔

بمبئی میں رعیت واری نظام ہی جاری رہا۔ آخر کار ۱۸۴۷ء میں قواعد بندوبست ایک "مشترکہ رپورٹ" کی شکل میں جس پر ایچ۔ ای گولڈ اسمتھ۔ کپتان ونگیٹ اور کپتان ڈیوڈسن کے دستخط تھے یکجا کر دیے گئے۔ یہی ۱۸۴۷ء کی "مشترکہ رپورٹ" بمبئی کے بندوبست کا سنگ بنیاد ہے جس طرح ۱۸۴۴ء میں ٹامسن کا شائع کردہ "عہدہ داران بندوبست کے لیے ہدایات" نامی رسالہ شمالی ہند کے بندوبست کا تھا۔

اس "مشترکہ رپورٹ" میں بندوبست بمبئی کے جن اصول کی توضیح کی گئی ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

اوّل یہ کہ ہر کھیت پر فرداً فرداً تشخیص لگان کیا جاتا تھا۔

دوم یہ کہ طویل المیعاد تیس سالہ پٹے دیے گئے تھے۔

سوم۔ یہ کہ لگان کی تقسیم تخمینۂ پیداوار پر نہیں بلکہ قیمت زمین پر مبنی ہوتی تھی۔

"جب تک کاشتکار اپنی مقررہ مالگزاری ادا کرتا رہے خواہ ہر سال اس کے ساتھ تجدید اقرارنامہ کیوں نہ ہو اس وقت تک اس کا اپنے کھیتوں پر حق قبضہ زائل نہیں ہو سکتا۔ کاشتکار کے زیر قبضہ کُل زمین پر ایک ساتھ محصول لگانے کے بجائے ہر کھیت پر علیحدہ علیحدہ محصول لگانے میں فائدہ یہ ہے کہ حالات کے لحاظ سے جس وقت مناسب معلوم ہو کاشتکار جتنے کھیتوں سے چاہے دست بردار ہو سکتا ہے یا دوسرے کھیتوں کو جو کسی کے زیر قبضہ نہ ہوں اپنے قبضہ میں لے سکتا ہے اور اس طرح اپنے ذرائع آمدنی کے مساوی اپنی ذمہ داری میں کمی و بیشی کر سکتا ہے ہماری پیمایش نے کھیتوں پر تیس سالہ میعاد کے لیے جو محصول مقرر کر دیا ہے اس سے کاشتکار کو اندرونِ میعاد مقررہ سال بہ سال ہر کھیت کا محصول ادا کرنے پر بلا کسی مزید شرط کے تیس سالہ پٹے کے جملہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس طرح کسی لاحقہ ذمہ داری یا خطرے کے بغیر جس کی تلافی اس کے محدود سرمایہ اور متزلزل حالت کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے ممکن نہ تھی کاشتکار کو تحفظ حقیت اراضی ایسا ہی حاصل ہو جاتا ہے جیسا ایک طویل المیعاد پٹے میں۔"

اراضی کی قدر کا تخمینہ کرنے کی غرض سے تمام اراضی کے ۹ مدارج قائم کیے گئے تھے جیسا ذیل کے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے:

قسم	قسم کی مالیت اضافی آنوں میں یعنے روپیہ کے سولھویں حصے میں	مٹی		
		درجہ اول جو یکساں باریک اجزا سے مرکب ہے اور رنگ میں گہری سیاہ سے گہری بھوری تک ہوتی ہے	درجہ دوم جو مقابلۃً یکساں موٹے اجزا سے مرکب ہے اور رنگ میں بھی پیلی اور عموماً سرخ ہوتی ہے۔	درجہ سوم کنکریلی اور ریتیلی بھربھری اور رنگ میں بادامی سے بھوری تک ہوتی تھی۔
	گہرائی ہاتھوں کے مساوی ایک ہاتھ = $1\frac{1}{2}$ فٹ	گہرائی ہاتھوں کے مساوی ایک ہاتھ = $1\frac{1}{2}$ فٹ	گہرائی ہاتھوں کے مساوی ایک ہاتھ = $1\frac{1}{2}$ فٹ	
۱	۱۶	$1\frac{3}{4}$	۱	
۲	۱۴	$1\frac{1}{2}$	$1\frac{3}{4}$	—

۳	۱۲	۱¼	۱½	
۴	۱۰	۱	۱¼	
۵	۸	¾	۱	
۶	۶	½	¾	۱
۷	۴½	¼	½	¾
۸	۳	—	¼	½
۹	۲	—	—	¼

کھیتوں کے اقسام مقرر کر دینے کے بعد کل ضلع پر مطالبۂ سرکار کی تشخیص باقی رہ جاتی تھی تاکہ اس ضلع کے کھیتوں اور مواضعات پر مطالبۂ سرکار کی جملہ رقم منقسم کر دی جا سکے۔

"بندوبست کی تکمیل کے لیے تمام ضلع پر محصول کی کتنی رقم لگانی چاہیے صرف اس کا تعین قطعی طور پر کر دینا باقی ہے۔ اس رقم کی تشخیص ہی سب سے اہم اور سب سے مشکل کام ہے جو پیمایش کے ذمے ہے اور جس عہدہ دار کا یہ فرض منصبی ہوتا ہے اس کو علاوہ دوسری باتوں کے نہایت تمیز اور سمجھداری کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے صاف طور پر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہمارے سابقہ انتظام کی نوعیت کیا تھی اور اس کا اس ضلع پر کیا اثر ہوا۔ اس کے معلوم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سالانہ بندوبست مالگزاری کے متعلق گزشتہ جتنے برسوں کا قابلِ اعتبار مواد مل سکتا ہے اور پیمایش کے وقت مقامی لوگوں سے دریافت کرنے پر دستیاب ہو سکتا ہے اس کی چھان بین کے بعد اعداد کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔

"اس کے علاوہ مواضعات یا ان خطوں کی جن میں متعدد مواضع واقع ہوں خوشحالی یا انحطاط کے اسباب دریافت کرنے کے وقت اس سے بھی مدد لینے کے لیے ہر موضع کے سالانہ بندوبست مالگزاری کی ایک علحدہ کیفیت مرتب کی جائے ....

"اور سب سے آخر اس اہم موضوع پر مکمل سے مکمل معلومات حاصل کرنے کی غرض سے تفصیلی کیفیتیں اور اعداد و شمار مرتب کرنا چاہیئے جن میں ہر قسم کی اراضی سے جو ان مواضعات کے اندرون حدود واقع ہو جن پر مالگزاری لگانے کی تجویز ہوری ہے خواہ ایسی زمین سرکاری ہو یا سرکار نے کسی کو دیدی ہو کن کن مدات کے تحت کن کن ذرائع سے کیا کیا محاصل وصول ہوتے ہیں ان سب کو بتانا چاہیئے۔

"اس طرح جو معلومات فراہم اور مقامی تحقیقات سے جو گزشتہ تاریخی حالات جمع کیے جائیں ان سب سے ہم اس ضلع کے سابقہ حالت کے موثر اسباب کا پتا لگا سکتے ہیں۔ ان باتوں کے علم کی بدولت اور اس ضلع کی استعداد اراضی کا دوسرے آس پاس کے اضلاع سے مقابلہ کرنے کے بعد اب مالگزاری کی کیا رقم مشخص کر دینی چاہیے اس کے متعلق ہم ایک اطمینان بخش نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔

قارئین ان دقیق و دشوار قواعد سے فوراً محسوس کر سکتے ہیں کہ اس ضلع پر اس کے اور اس کے مواضعات کے گزشتہ تاریخ اور سابقہ حالات کے لحاظ سے سرکاری مطالبہ کی تشخیص کس قدر عہدہ داران بندوبست کی قوت تمیزی اور فیصلے پر چھوڑ دی جاتی تھی۔ اگر عہدہ دار ہمدرد ہوتا تھا تو اس کو حسب دل خواہ اعتدال پر کاربند رہنے کی اور اگر وہ ہمدرد نہ ہوتا تھا تو من مانے تشدد کرنے کی پوری پوری آزادی حاصل تھی اور لکھو کھا کسانوں کی خوش نصیبی یا بدبختی رواجی دھارے پر نہیں بلکہ مختلف عہدہ داروں کے مختلف فیصلوں پر منحصر تھی۔ مزید براں ضلع کی سابقہ حالت کے لحاظ سے جو مالگزاری مقرر ہوگی لازمی ہے نہ خوش حالی کا زمانہ آنے کے بعد اس میں اضافہ بھی ہو سکا۔ پھر ایک ایسے نظام میں جس کے تحت زرعی سرسبزی پر اس طرح روز افزوں محصول کا مضر اثر پڑ سکتا تھا کسانوں کی دوامی اصلاح حالات ناممکن نہیں تو کیا تھی۔

تشخیص لگان کی یہ کمزوری حکومت بمبئی کی نظر سے نہیں چوک گئی تھی۔ گورنر بمبئی نے اپنی ۱۶ / نومبر ۱۸۲۱ء کی یادداشت میں لکھا تھا کہ "مجھ کو اس بات کے اعتراف کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ فی الوقت ہمارا انحصار کلیتاً ہمارے مہتمموں کے فیصلوں ہی پر ہے۔ اور اس وقت تک ہماری یہی حالت رہے گی

جب تک ہمارے کمشنران مالگزاری ہمارے اور ہمارے مہتمموں کے مابین ڈاک کی طرح مراسلات پہنچانے کا ذریعہ بنے رہنے کے بجائے کچھ کام نہ کریں"۔ لیکن خود کمشنرانِ مالگزاری اس معاملے میں بے دست و پا تھے۔ بمبئی کی کونسل کے رکن آنریبل مسٹر ریڈ نے اپنی ۱۶ر مئی ۱۸۴۶ء کی یادداشت میں نہایت برمحل یہ لکھا تھا کہ "میں معزز میر مجلس کی اس رائے سے بالکل متفق ہوں کہ مہتممانِ پیمایش کے فیصلے پر بھروسا لازمی ہے۔ درحقیقت ان امور میں انہیں پر کلیتاً انحصار کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کیونکہ میرے خیال میں کمشنرانِ مالگزاری سے بجز مہتمموں کے کام پر ایک عام نگرانی رکھنے کے اور کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس کام کی تفصیلی تنقیح کرنے کی چند ہی کمشنروں میں قابلیت ہوگی اور ایک بھی کمشنر ایسا نہ ہوگا جس کو اتنی فرصت ملتی ہو کہ وہ خود اس کام کو کر سکے۔"

ونگیٹ کے لیے یہ موجب ستایش ہے کہ اس نے اپنے غیر محدود اختیارات سے نہایت اعتدال فراست اور انسانیت کے ساتھ کام لیا۔ تشخیص لگان میں اگرچہ اس نے محض قیاس ہی سے کام لیا تھا اس پر بھی حتی الامکان نہایت احتیاط اور کاوش کے ساتھ اس نے اس کام کو انجام دیا اور اس کے بندوبست سے دکن کے کسانوں کو اس بدنظمی اور ظلم سے نجات ملی جو وہ بیس سال سے جھیل رہے تھے۔ مدراس میں سرٹامس منرو اور شمالی ہند میں مارٹنز کی طرح بمبئی میں سرجورج ونگیٹ کی یاد تازہ ہے اور یہ اس لیے نہیں کہ ان کا کارنامہ سنگین غلطیوں سے بالکل پاک تھا بلکہ اس لیے کہ جہاں پہلے بدنظمی تھی وہاں انتظام اور ایسا نظام قائم کرنے میں جو آج تک چلا آرہا ہے بہ حیثیت مجموعی وہ کامیاب رہے۔

بمبئی کے انگریزی عمال و عہدہ داروں نے وقتاً فوقتاً جو محصول اراضی لگایا تھا اس کا مالی نتیجہ اعداد کے ملاحظہ ہی سے بہترین طور پر ظاہر ہوتا ہے سنہ ۱۸۱۶ء و سنہ ۱۸۱۸ء کے درمیان پیشوا کی قلمرو کے الحاق کے بعد سے ونگیٹ کی سنہ ۱۸۳۶ء میں شروع کی ہوئی پیمایش و بندوبست تک اس صوبے میں انگریزی علمداری کے حدود میں کسی قسم کی توسیع نہ ہوئی لیکن اس کے باوجود اس فتح کے بعد ہی تھوڑی ہی مدت میں مالگزاری میں معتد بہ اضافہ ہوگیا۔

		پونڈ تھی
۱۸۱۷-۱۸۱۸ء	میں مالگزاری کی رقم	۸۶۰۰۴۷
۱۸۱۸-۱۸۱۹ء	" " " "	۱۱۴۳۰۴۱
۱۸۱۹-۱۸۲۰	" " " "	۱۰۷۸۱۲۴
۱۸۲۰-۱۸۲۱	" " " "	۱۸۱۸۳۱۴

دوسرے لفظوں میں بشمول مقبوضات مفتوحہ اس صوبے کی مالگزاری پیشوا پر فتح پانے کے چار سال کے اندر اندر دو چند سے بھی کچھ زیادہ ہو گئی۔

ونگیٹ نے جو بندوبست سنہ ۱۸۳۶ء میں شروع کیا تھا وہ سنہ ۱۸۷۲ء میں جا کر کہیں تکمیل کو پہنچا اور پونا اور چند دیگر مقامات کو جن کے بندوبست زیر نظر ثانی تھے خارج کر کے سابقہ جملہ مالگزاری ۱۵۳۳۰۰۰ پونڈ جو تھی وہ اب ۲۰۳۲۰۰۰ پونڈ ہو گئی تھی یعنے اس میں ۳۲ فی صدی اضافہ ہو گیا تھا۔ مختلف اضلاع کے اعداد حسب ذیل رہیں:

ضلع	مالگزاری قبل بندوبست پونڈ	مالگزاری تحت بندوبست پونڈ
تھانہ	۱۶۶۲۸۷	۲۱۱۰۳۷
خاندیس	۲۱۵۹۴۶	۳۰۷۸۶۹
رتناگری	۴۶۴۴۰	۴۶۵۷۲
احمدآباد	۵۳۷۵۲	۹۰۴۷۴
کھیرہ	۱۴۴۸۸۶	۱۸۸۷۵۲
سورت	۱۷۴۰۸۱	۲۴۰۱۳۴
بروچ	۸۰۸۹۰۸۴	۱۱۲۵۶۴
پنچ محال	۴۸۲۵	۸۱۵۵
کراچی	۱۹۴۰۴	۳۱۶۷۶
حیدرآباد سندھ	۶۳۳۳۰	۷۷۳۵۳
شکارپور	۱۲۳۹۳۱	۱۵۹۲۶۴
دھارواڑ	۱۱۳۰۳۹	۱۵۶۵۶۲

بلگام	۱۳۰۷۴۴	۱۵۷۰۲۶
کشناگری	۳۰۵۵۵	۵۸۲۸۳
ستارا	۱۴۳۶۵۶	۱۵۸۵۴۳
کنارا	۱۴۸۵۰	۲۷۷۸۸
میزان	۱۵۳۴۷۱۰	۲۰۳۲۰۵۱

پانچواں باب

مدراس میں بندوبست اراضی

۱۷۹۲ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلے پہل بارہ محال کے اضلاع پر قبضہ ہوا تو وہاں کپتان ریڈ اور ٹامس منرو نے رعیت واری بندوبست یعنے کاشتکاروں کے ساتھ انفرادی طور پر تعین مالگزاری کا طریقہ رائج کیا تھا اور یہی نظام رفتہ رفتہ صوبہ مدراس کے دوسرے اقطاع میں بھی پھیل گیا تھا۔ پہلی دفعہ جو مالگزاری مقرر کی گئی تھی وہ نہایت سنگین تھی۔ سرکاری مطالبہ کھیتوں کے تخمینہ پیداوار کا نصف کر دیا گیا تھا اور حقیقت یہ تھی کہ یہ مطالبہ تمام ملک کے جملہ معاشی لگان سے بھی زیادہ تھا۔ ٹامس منرو نے یہ بات خوب محسوس کی اور ۱۸۰۷ء میں مالگزاری کو گھٹا کر اس نے پیداوار کا ایک ثلث کر دینے کی تجویز پیش کی۔ حکومت مدراس نے اس تجویز کے مبنی بر انصاف ہونے کا اعتراف تو کیا مگر وہ اس لیے اس پر عمل پیرا نہ ہو سکی کہ نظمائے کمپنی بار بار زر طلب کر رہے تھے۔ چنانچہ مزید دس لاکھ پونڈ سالانہ بھیجتے رہنے کے احکام انگلستان سے اس دھمکی کے ساتھ صادر ہوئے تھے کہ عدول حکمی کی صورت میں تخفیف علہ کا مسئلہ خود نظماء اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ اسی لیے مدراس کے کسانوں کو سرکاری مطالبے کی زیادتی سے نجات نہیں ملی۔

۱۸۰۰ء اور ۱۸۱۸ء کے درمیان مدراس کی مجلس مالگزاری نے اس صوبے

کی دیہی جماعتوں کو تسلیم کر لینے کی پُرزور تائید کی اور صلاح دی کہ ہندوستان کے قدیم رواج کے موافق انھیں جماعتوں کے ساتھ بندوبست مالگزاری کیا جائے۔ مجلس نے تجربے سے یہ بھی ثابت کر کے دکھا دیا کہ جہاں کہیں موضع واری بندوبست عمل میں آیا تھا وہ نہایت کامیاب رہا تھا اور جس جگہ فرداً فرداً اسامیوں سے بندوبست کیا گیا تھا وہ بالکل ناکامیاب ثابت ہوا تھا۔ لیکن کمپنی کی مطلق العنان حکومت میں ایسی دیہی جماعتوں کی جو رعایا کی نمایندہ تھیں کوئی گنجایش ہی نہ تھی۔ نظما نے اس جماعت کے بلا توسط کاشتکاروں ہی سے فرداً فرداً معاملہ طے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی تاریخ سے مدراس کی قدیم دیہی جماعتوں کا انحطاط شروع ہو گیا۔

سنہ ۱۸۲۰ء سے سنہ ۱۸۲۷ء تک سر ٹامس منرو گورنر مدراس رہا تھا اور اس عرصے میں اس صوبے کے تمام اقطاع میں جہاں زمینداروں سے دوامی بندوبستِ مالگزاری نہیں ہوا تھا رعیت واری بندوبست شروع کر دیا گیا۔ منرو نے اپنی سابقہ تجویز کے موافق سرکاری مطالبے میں تخفیف کر دی اور اس کے ہمدردانہ طریقِ کار اور انتھک نگرانی سے کئی خرابیاں رفع ہو گئیں۔

لیکن اس کے باوجود سر ٹامس منرو کا مطالبہ تخفیف کے بعد بھی سنگین ثابت ہوا۔ کئی مواضعات اور کھیتوں میں پیداوار کا ایک ثلث کُل معاشی لگان کے مساوی تھا۔ عام قیمتوں اور سالانہ پیداوار کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک مقررہ رقم نقد وصول کر لیجاتی تھی اور ان کے وصول کرنے کے لیے نہ تو بزرگانِ قصبہ اور نہ قصبے کی کسی مجلس کا توسط اختیار کیا جاتا تھا بلکہ یہ رقم مملکت کے چند کم مواجب مختار و کار پرداز وصول کرتے تھے جو اپنی بد دیانتی اور مظالم سے کاشتکاروں کے مصائب و تکالیف میں اضافہ کر رہے تھے۔ جب سر ٹامس منرو کو جو ہر بات کی تنظیم کرتا اور ہر بات پر نظر رکھتا تھا دستِ قضا نے اس منظرِ ہستی سے اٹھا لیا تو اس نظام کی شکلیں اور زیادہ محسوس ہونے لگیں۔ تیس سال تک صوبہ مدراس ایسے مظالم اور زرعی مصائب کی جولان گاہ بنا رہا کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں بھی کہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مالگزاری کے کلکٹروں نے بھی عالمگیر مصیبتیں جن میں وہ گھرے ہوئے تھے چشم خود

دیکھی تھیں اور ان پر رپورٹیں لکھی تھیں جن کے چند اقتباسات ملاحظہ کرنے سے لوگوں کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ضلع کڈپہ۔ سنہ ۱۸۱۲ء میں کلکٹر نے مجلس مالگزاری کو لکھا تھا کہ "جس قدر آپ سننے کے لیے تیار ہیں اس سے کہیں زیادہ اب رعیت تاجروں کے پنجوں میں گرفتار ہے۔ صرف تقاوی لیکر اراضی کی کاشت کرنے سے بڑھکر کسانوں کو مقدور نہیں بشرطیکہ کوئی غیر معمولی نقصان ان کو نہ پہنچا ہو۔ اگر مویشی کے مرجانے یا اور وجوہ سے ان کو غیر معمولی نقصان پہنچ چکا ہو تو پھر تقاوی بغیر تلافیٔ مافات بالکل ناممکن ہے"

ضلع بلہاری۔ سنہ ۱۸۴۵ء میں کلکٹر نے اطلاع دی تھی کہ "عام طور پر رعایا کی شکایت اور درخواست یہی ہے کہ اس کو کاشت کا رقبہ کم کر دینے کی اجازت دی جائے اور یہ کاشت کے نفع بخش نہونے کا بین ثبوت ہے۔ پہلے تو رعیت خاصی مالدار تھی۔ اراضی میں سرمایہ لگانے کے قابل بھی تھی، سرکاری مطالبہ فوراً ادا کر دیتی تھی اور ایک مناسب قیمت آنے تک پیداوار محفوظ رکھتی تھی مگر اب یہ حال ہے کہ وہی رعیت قرض میں گرفتار سنگین سودا دا کرتی رہتی ہے اور قرض خواہوں کی بالکل دست نگر بن گئی ہے۔ اگر کلکٹر نے اپنے زیر دستوں کے ذریعہ سے ان کی مدد نہ کی ہوتی تو اس اراضی کے جس پر بہت زیادہ مالگزاری لی جاتی تھی نصف یا کم سے کم ثلث حصے سے رعایا اب تک دست بردار ہوگئی ہوتی۔ یہاں کاشت خاطر خواہ نہیں ہوتی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ زمین جس قدر پیداوار کے قابل تھی اتنی پیداوار وہاں نہیں ہوتی تھی۔ پٹے داروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے لیکن یہ ایک نادار طبقہ ہے جو صرف کشت کاری پر گزر اوقات کر لیتا ہے اور اس میں وہ ہمت بھی نہیں ہے کہ اس کا ان سابقہ زمینداروں سے تقابل کیا جائے جو طرح طرح کی مشکلات میں گرفتار رہونے کے بعد ضلع کے فرد جمعبندی سے اب خارج ہو چکے ہیں۔ اس طبقے کے اکثر افراد کو پہننے کے لیے نہ برابر کپڑے نصیب ہیں اور نہ پیٹ بھر کبھی کھانا ہی میسر آتا ہے اور ان کی حالت اور ہیئت کو دیکھ کر سوا اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ افلاس ہی اس کا اصل سبب ہے"

سر ہنری منٹگمری کی سنہ ۱۸۴۴ء کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجمندری۔ (جس کا نام بعد میں ضلع گوداوری رکھا گیا تھا) کی حالت تباہی کے قریب پہنچ چکی تھی وہاں سنہ ۱۸۳۰ء اور سنہ ۱۸۳۱ء میں قحط پڑے تھے۔ سنہ ۱۸۳۵ء اور سنہ ۱۸۳۶ء اور سنہ ۱۸۳۷ء میں ہنگام نامساعد رہا تھا اور سنہ ۱۸۳۸ء اور سنہ ۱۸۳۹ء اور سنہ ۱۸۴۰ء میں ایسے موسمی حوادث وقوع پذیر ہوئے تھے جو آفت سے کم نہ تھے۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں ۱۶۰۵۹۷ کی آبادی تھی۔ مگر سنہ ۱۸۴۰ء میں گھٹ کر ۵،۰۳۳۸،۳۶۰،۰ رہ گئی تھی۔

کنتور اور مچھلی بندر۔ ان اقطاع میں سنہ ۱۸۳۳ء کا قحط جس کو قحط گنتور کہا جاتا ہے شدید ترین سمجھا جاتا تھا۔ کپتان والٹر کیمبل جس نے بچشم خود وہاں کی حالت دیکھی تھی لکھتا ہے کہ "محاصرۂ کارنتھ نامی نظم میں کتوں کا انسان کی کھوپڑیوں کو چبا چبا کر کھانے کا جو ذکر ہے وہ بہ مقابل ان ہیبتناک واقعات کے جن کو دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جن کو روزانہ صبح و شام گھوڑے پر جاتے ہوئے دیکھنے کے سوا مجھے چارہ ہی نہ تھا ایک بالکل معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ یہ دیکھنا کس قدر ہولناک ہے کہ انسان ہو کر کیسی کیسی نفرت انگیز چیزیں مجبوری کے وقت جان بچانے کے لیے زہر مار کرنی پڑتی ہیں یہ فاقہ زدہ بدبخت مرے ہوئے کتے ہوں کہ گھوڑے سب چٹ کر جاتے ہیں۔ کل ہی کی بات ہے کہ قلعے سے ایک گدھا راہ بھٹک کر ان لوگوں میں چلا گیا تھا۔ بھیڑیوں کے غول کی طرح یہ لوگ اس پر گرے۔ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور وہیں ہضم کر گئے"۔ ضلع کرشنا کے گنتور کی طرف کے حصے میں ایک ثلث سے نصف تک آبادی کا صفایا ہو گیا تھا۔ اس کے دوسرے سال ہی ایک ایسی وبا پھیلی کہ ایک بھی "باصحت اور تنومند شخص کہیں دکھائی نہیں دیتا"۔

ضلع نلور۔ اناج کی قیمت کم ہونے کی وجہ سے یہاں کی رعیت مفلس ہو گئی تھی۔ کاشت کا تمام تر رقبہ سنہ ۱۸۰۱ء میں ۲۴۴۳۱۹ ایکڑ جو تھا وہ بڑھ کر سنہ ۱۸۵۰ء میں ۲۰۸۹۳۰۱ ایکڑ ہو گیا تھا لیکن عام قیمتوں کے گھٹ جانے سے محصول کا بار بڑھ گیا تھا اور اسی لیے باغات کی اراضی کی کاشت موقوف ہو گئی تھی۔

شمالی ارکاٹ۔ کلکٹر نے اطلاع دی تھی کہ "رعیت کی حالت جیسی

اس صدی کے ابتداء میں تھی اب اس سے بھی بدتر ہے ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی حالت بری ہے اور قابل اصلاح ضرور ہے۔ ان میں سے اکثر بے حد مفلس ہیں ان کی غذا نہ تو اچھی ہوتی ہے اور نہ کافی۔ ان کے کپڑے بھی غریبانہ ہی ہیں اور تن ڈھانکنے کے برابر نہیں ہوتے ان کے مسکن معمولی جھونپڑیاں ہیں اور ان سب پر طرہ یہ نری جہالت میں مبتلا ہیں۔"

جنوبی ارکاٹ۔ کلکٹر کی اطلاع کے موافق آبادی اور محنت کی اجرت میں یہاں اضافہ ہوا تھا اور گاڑی گھوڑا اکثر ہے۔ مکانات رعایا کی ترقی پر زبان حال سے شاہد تھے۔ مگر سنگین اور غیر مساوی لگان کے باعث یہاں زراعت بہت پیچھے تھی اور دو ثلث قابل کاشت زمین افتادہ تھی۔

ضلع تنجور۔ اس ضلع کے ذرائع آبپاشی اور ذرائع آمد و رفت میں ترقی ہونے کی وجہ سے بمقابل دوسرے اضلاع کے یہاں زرعی حالت کم خراب تھی۔

ضلع کوئمبتور۔ کلکٹر نے ۱۸۵۵ء میں یہ لکھا تھا کہ گزشتہ دس ہنگام میں 4 خراب تھے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مالگزاری کی رقم گھٹ گئی۔ بمبئی سے موٹے موٹے کپڑے کے تھانوں کی جو تجارت قائم تھی اس میں کچھ اضافہ ہوا تھا مگر مہین مہین پارچوں کی تجارت تو انگریزی صناعوں نے غارت کر دی۔ پے در پے خرابی موسم کی وجہ سے غلے کی قیمت میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

اضلاع سالم و مدورا و تناولی۔ سوتی پارچوں کی برآمد میں جو کوئمبتور سالم۔ مدورا اور تناولی میں بنتے تھے بہت کچھ بیشی ہو گئی تھی۔ کاشت میں بیشی ہونے کے ساتھ ساتھ محنت کی اجرت میں اضافہ نہیں ہوا تھا۔ کلکٹر نے یہ بیان کیا تھا کہ سستی قیمتوں کی وجہ سے اشیائے تعیش و تکلف کا صرف بڑھ گیا تھا۔

مدراس کی رعیت کی عام حالت۔ ان مختلف اضلاع کے حالات معلوم کرنے کے بعد ہم مدراس کے کاشتکاروں کی عام حالت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کو اس زمانے کے ایک مشہور مدراس کے عہدہ دار نے بیان کیا ہے۔ بورڈ کن بہ حیثیت کلکٹر شمالی ارکاٹ اور دوسرے مقامات میں رہ چکا تھا اور لوگوں کے

حالات سے کما حقہم واقفیت رکھتا تھا۔ سر ارتھر کاٹن اور دیگر ممتاز اشخاص کے ساتھ تعمیرات عامہ کے ماموریہ کی رکنیت پر اس کا بھی انتخاب کیا گیا تھا۔ اس ماموریہ نے سنہ ۱۸۵۲ء میں اپنی قابل قدر رپورٹ پیش کر دی تھی۔ بورڈلن نے سنہ ۱۸۵۳ء میں مدراس کی رعیت کے حالات نہایت ہی سنجیدہ اور معقول طور پر قلمبند کیے ہیں جن میں نام کو بھی مبالغہ نہیں اور کاشتکاروں کے لاعلاج افلاس کی دردناک تفصیل اس میں درج کی ہے۔

چند ہی کاشتکار ایسے تھے جن سے مالگزاری کم لیجاتی تھی یا جن کی اراضی مالگزاری سے مستثنیٰ تھی یا جو دیگر مفید مطلب حالات کی بنا پر مالدار سمجھے جاتے تھے اور تیس چالیس شلنگ کی ماہانہ آمدنی پر خوش باش کہلاتے تھے۔ اس طبقے میں بھی تین پونڈ سے لیکر پانچ پونڈ تک کی آمدنی الشاذ کالمعدوم کا مصداق تھی۔

کاشتکاروں کا ایک غلبۂ کثیر ہمیشہ افلاس زدہ اور عموماً مقروض رہتا تھا۔ رعیت کے طبقے کا ہر فرد بمشکل گزر اوقات کرتا ہے روپیہ پر اس کی نگاہ شاذ ہی پڑتی ہے بجز اس کے کہ سرکار کو قسط ادا کرنے کے لیے وہ اپنی جنس پر ساہوکار سے قرض لے۔ گاؤں کے باہر مبادلے کی زیادہ نوبت ہی نہیں آتی۔ اور جو کچھ بھی مبادلہ ہوتا ہے وہ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے ہل کے جانور نہایت خراب ہوتے ہیں اور ان کی قیمت فی راس ساڑھے تین روپے سے لیکر چھ روپے تک ہوتی ہے اور اس پر بھی یہ جانور اس کی ملک اس لیے نہیں ہوتے کہ انکی قیمت اس نے ابھی ادا نہیں کی ہے۔ اس کے ناقص اور بدشکل ہل کی قیمت جبکہ وہ بالکل نیا ہو دو یا تین شلنگ سے زیادہ نہیں اور اس کے چند زرعی اوزار اسی طرح کے ناقص و ناکارہ ہوتے ہیں۔ اس کا مسکن ایک جھونپڑی ہے جس کی دیواریں مٹی کی اور چھت پھوس کی ہوتی ہے اور مذکورالصدر رعیت کے مکانوں سے ان جھونپڑوں کی حالت زیادہ خراب و خستہ تنگ و تاریک ہوتی ہے۔ اس میں سامان آسائش کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ اس کی اور اس کے ارکان خاندان کی غذا کچھ تو دلیا ہوتی ہے اور کچھ چاول جنہیں برائے نام مسالہ پڑا ہوتا ہے۔ عام طور پر کھانے اور پکانے کے مٹی کے برتن بدنما اور بھدے ہوتے ہیں جن پر روغن نہیں ہوتا اور وہ اچھے انگریزی

سفال یا اینٹ سے زیادہ بھدے نظر آتے ہیں۔ ایسا نہ تھا کہ اس طبقے میں کسی کے پاس پیتلی ظروف بالکل نہ تھے لیکن وہ شاذ ہوتے تھے۔

رعیت میں نیچے کے درجے کے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے قبضے میں زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے اور یہ لوگ مویشی مستعار لے کر اس ٹکڑے کی کاشت کر لیتے ہیں لیکن ان کا اصل پیشہ محنت مزدوری ہی ہے اور وہ یا تو جلانے کی لکڑیاں کاٹ کر اس پاس کے قصبات میں بیچ لیتے ہیں یا کھیتوں میں مزدوری کرتے ہیں۔

"محض مزدور پیشہ طبقے کے لوگ ان سے بھی نیچے درجے کے ہوتے ہیں اور در حقیقت ان کی حالت بھی ان سے بدتر ہوتی ہے مگر کوئی مابہ الامتیاز بات ان میں نہیں ہوتی۔ زراعت کا کام کاج کرنے والے مزدور کی آمدنی ہر چیز کو شامل کرکے ۲۰ روپے سالانہ سے بڑھ کر نہ تھی اور یہ بھی نقد نہیں بلکہ اشیا کی شکل میں ہوتی تھی۔

وہ اس آمدنی کی بڑی سے بڑی شرح ۲۰ روپے سالانہ ہی لی جائے تو بھی مذکورالصدر معیار سے انگلستان میں اس کی حقیقی قدر دس پونڈ سالانہ کے برابر تھی۔

"کھیتوں میں کام کرنے والے انگریز مزدور کی اوسط آمدنی فصل میں اضافہ یافت وغیرہ ملا کر ۲۰ پونڈ سالانہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ اس طرح ظاہر ہے کہ کھیتوں کے مزدور کی (جس کو مسلسل کام ملتا رہتا ہے) حقیقی اجرت یعنے اس کی مقدور برابر زندگی کی ضرورتیں اور سہولتیں انگلستان کے مقابل ہندوستان میں ایک ثلث سے کسی قدر زیادہ اس کو حاصل ہیں۔"

رعیت واری نظام کی اصل کارروائی پر جس میں ہر ضلع کے کلکٹر کا فریضہ تھا کہ وہ اپنے ضلع میں ایک لاکھ اسامیوں سے مالگزاری کی ناممکن الوصول رقم وصول کرے ایک اور ممتاز عہدہ دار کی شہادت ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ جورج کیمبل نے جو بعد کو "سر" کے خطاب کے ساتھ بنگالے کا لفٹننٹ گورنر اور اس کے بعد رکن پارلیمنٹ مقرر ہوا تھا سنہ ۱۸۵۲ء میں مدراس کے اس نظام کے متعلق حسب ذیل بیان کیا ہے:

"ذرا خیال تو کیجیے کہ ایک کلکٹر اور ڈیڑھ لاکھ اسامیوں سے جن میں ایک بھی پٹہ دار نہ ہو اور جہاں ہر کاشت کار اپنی کاشت اور فصل کے موافق اور اپنے مویشی بھیڑ اور اولاد کی تعداد کے لحاظ سے علٰحدہ علٰحدہ مالگزاری ادا کرتا ہو جس میں اگرچہ تخفیف کا بھی امکان ہو مگر صرف ایسی صورت میں جبکہ وہ اس کی ضرورت معقول طور پر ثابت کردے معاملات طے کرے۔ انگلستان یا دوسرا کوئی ملک کیوں نہ ہو۔ ہاں اگر ایسا نظام ہو تو پھر اس نظام کے تحت ایک طرف تو زرعی مصائب اور دوسرے طرف ازدیاد اولاد کی بنا پر کیا ہی تہلکہ نہ مچے گا! اس وقت کیا کوئی اسامی ایسا بھی ہوگا جو یہ کہے کہ اس کی اراضی میں کچھ پیداوار واقعی ہوئی ہے یا اس کے مویشی کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے یا اس کے اولاد ہوئی ہی نہیں اگر کلکٹر غیب داں ہو یا اس نے عمر نوح اسی ضلع میں گزاری ہو تو بھی وہ اس فریضے کی انجام دہی کے قابل نہیں ہوسکتا۔ برخلاف اس کے وہ تو بندہ بشر ہے اور اس پر پردیسی جس کا ہمیشہ یہاں سے وہاں تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ بڑی تعجب کی بات ہوگی کہ اس کے ذیلی دیسی کارپرداز جو چاہے نہ کرسکیں یا اقتدار رکھ کر اس کا بے جا استعمال نہ کریں۔ بنابریں عام طور پر یہ امر مسلم ہے کہ اس تمام نظام کی بدعملی بالخصوص مالگزاری کی معافیات کی بدنظمی بہت ہی بدنما ہے۔ ہر قسم کی ہیر پھیر اور بے انتہا سازشیں ہوتی رہتی ہیں اور اس پر جاسوسوں کی مخبریوں پر کلکٹر مدراس کے اعتماد کرنے سے رہی سہی اصلاح حال بھی کچھ نہیں ہوتی"

اس حکمت عملی کے یہ ابتدائی نتائج تھے جس میں دیسی جماعتیں نظر انداز کر دی گئی تھیں اور ہر چھوٹی چھوٹی اسامی سے بھی براہ راست ایک ناممکن الوصول رقم مالگزاری کا وصول کرنا ایک کلیہ قرار دیا گیا تھا۔ نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس عہد میں شامت کے مارے کاشتکاروں سے مقررہ مالگزاری کے بروقت وصول کرنے کے لیے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دینے کا طریقہ عام طور پر رائج تھا۔ اس زہر آلود طریق عمل کی خبر ہوتے ہوتے انگلستان تک پہنچی اور سنہ ۱۸۵۰ء میں مسٹر بلیکٹ نے جو شہر نیوکاسل کی طرف سے پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہوا تھا۔ مدراس کے نظام اراضی کی تحقیقات کے لیے انعقاد ماموریہ کی تحریک پر پارلیمنٹی بحث کی ابتدا کی۔ اس نے بیان کیا کہ اس

نظام سے بدتر کوئی نظام وضع نہیں کیا جا سکتا تھا اور دعوے کے ساتھ کہا کہ مطالبہ مالگزاری اخذ بیجا سے کم نہ تھا۔ کیونکہ وہ رعیت کو اذیت پہنچائے بغیر وصول ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ جان برائیٹ نے بھی نہایت نڈرپن سے اس مباحثے میں شرکت کی اور مدراس کے کاشتکاروں کی حالت اور ان کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا تھا اس کے بیان کرنے میں وہ بلاغت دکھائی کہ لوگوں کو اس کی تقریر سن کر طیش آ گیا۔

یوں تو حکومت ہند اصلاح کی راہ میں قدم رکھنے سے جھجکتی اور تساہل سے کام لیتی تھی مگر اس پارلیمنٹی مباحثے کے بعد کچھ نہ کچھ کرنے پر وہ بھی مجبور ہو گئی۔ لوگوں کی شہادت قلمبند کرنے کے لیے ایک ماموریہ مقرر کیا گیا اور اس ماموریہ کو اپنا کٹھن کام شروع کرنے کا مجاز کرنے کے لیے ایک قانون بھی نافذ کر دیا گیا ایلیٹ جو مدراس کی عدالت خفیفہ کا جج تھا اور نارٹن نامی مدراس کا ایک بیرسٹر اور اسٹوکس جو رعیت واری نظام کا بڑا ہی طرفدار تھا یہ تینوں کمشنر مقرر ہوئے جب کمشنر ایسے ہوں تو ان کی رپورٹ بھی ویسی ہی نپی تلی ہو گی۔ ان کے نزدیک یہ تو ثابت تھا کہ اس صوبے میں مالگزاری وصول کرنے کے لیے لوگوں کو اذیتیں دی جاتی تھیں اور اس پر لوگ کہیں داد و فریاد نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کا شنوا ہی کوئی نہ تھا لیکن انھوں نے سرکار کے یورپی عہدہ داروں کو اس جرم میں لپیٹنے سے احتراز کیا اور اس بات کے باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں پائی کہ "عوام کو یہ ہی خیال ہو گیا تھا کہ سرکار کے یورپی عہدہ دار اس برے برتاؤ سے جو رعایا کے ساتھ ہوتا تھا چشم پوشی کرتے ہیں یا اس کو روا رکھتے ہیں"۔

لوگوں کو جو اذیتیں پہنچائی جاتی تھیں وہ حسب ذیل اقسام کی تھیں :۔

آدمی کو تپتی ہوئی دھوپ میں کھڑا کرنا۔ کھانا کھانے یا حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے نہ دینا۔ چپراسی کو اس پر متعین کرنا۔ "کٹی اننڈل" کا استعمال یعنے آدمی کو خمیدہ کر کے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دینا۔ انگلیوں کو قینچی بنا کر دبانا۔ ادھر سے ادھر دوڑا کر اس کے چٹکیاں لیتے جانا۔ طمانچے لگانا اور تازیانہ یا کھٹے مارنا۔ گوشمالی دینا۔ گھٹنوں میں روڑے دبکرا کڑوں بٹھانا۔ نیچ قوم کے کسی شخص کو اس کی پیٹھ پر سوار کرانا۔ دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کے سروں کو لے کر ایک دوسرے

کے ساتھ ٹکرانا یا دونوں کے چونڈے باندھ دینا۔ پاؤں کاٹھ میں ٹھوکنا۔ گدھے یا بھینس کی دم سے سر کے بال باندھ دینا۔ گردن میں ہڈیوں کا یا اس سے بھی ذلیل نفرت انگیز چیزوں کا ہار بنا کر پہنانا اور کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ سخت سرزنش کرنا اور سزا دینا۔

اس تحقیقات کے اثنا میں ایک بات جو بالکل صاف طور پر معلوم ہوئی یہ تھی کہ جہاں زمین پر بہت سنگین محصول لگایا گیا تھا وہاں لوگوں کو اکثر اذیتیں دی جاتی تھیں۔ ماموریہ نے لکھا تھا کہ "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کنرا اور ملیبار میں عام طور محصول اراضی ہلکا ہے لوگ بھی خوشحال ہیں اور آسانی ہی سے نہیں بلکہ خوشی خوشی مالگزاری ادا کرتے ہیں اور اس بنا پر وہاں ایک کش مکش سی رہتی ہے اور اس لیے نہیں کہ کس کس پر سرکاری مطالبہ ادا کرنا لازمی ہے بلکہ اس لیے کہ دیکھیں کون یہ مطالبہ سے پہلے ادا کرتا ہے اراضی کی وہاں قدر ہے اسی لیے وہ قابل فروخت بن گئی ہے بنجر زمین کے بٹوارے پر ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ وہ مجھی کو ملے۔ ایسی حالت میں اگر ان سرسبز مقامات کے یورپی باشندے بلا استثنا، یہ کہیں کہ اغراض مالگزاری کے لیے ایذا رسانی سے یہاں کے لوگ مقابلۃً ناآشنا ہیں تو اس پر کس کو تعجب ہو سکتا ہے"!

بورڈلن نامی شمالی ارکاٹ کے کلکٹر نے اپنی یہ رائے قلم بند کی تھی کہ اغراض مالگزاری کے لیے ایذا رسانی کا طریقہ "اب تک بالکل موقوف ہو گیا ہوتا اگر ان صوبوں میں زمین پر حد سے زیادہ مطالبہ سرکار نے نہ کیا ہوتا یا نظام مالگزاری میں وہ چند مخصوص واقعات نہ ہوئے ہوتے جو ہوئے تھے۔ اگر مالگزاری اعتدال پر مبنی ہوتی تو اراضی بھی قابل قدر ملک متصور ہوتی اور ہر شخص احتیاط کرتا کہ کہیں وہ ہاتھ سے نہ چلی جائے۔ تنگ دستی کے زمانہ میں بھی خود زمین اس کے پاس ایک ذریعہ تھی جس سے وہ مطالبہ سرکار آسانی ادا کر سکتا تھا۔ مزید برآں اگر محصول اراضی اعتدال پر مبنی ہوتا تو خود اس کا قوی اثر لوگوں کی کردار کو فروغ پہنچانے کے لیے کافی تھا کیونکہ جب لوگ اپنے لیے املاک پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں تو ان میں خودداری بھی پیدا ہو جاتی ہے اور عوام میں احترام کس طرح قائم رکھنا چاہیے اس کا ڈھنگ بھی

بھی نہیں آجاتا ہے جس کے بعد صاحب ملک و جائداد کسی صورت سے ذاتی تذلیل و تحقیر گوارا نہیں کرسکتے۔"

رعیت واری نظام کی برائیوں اور بے انداز محصول اراضی لگا دینے کی خرابیوں سے جیسی مدراس میں پھیلی ہوئی تھیں حکومت ہند خوب واقف تھی چونکہ شمالی ہند کے نظام کے مقابلے میں یہ نظام اتنا اچھا نہ تھا اسی لیے اس پر اعتراضات بھی ہوئے تھے۔ جیسا پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے صدر مجلس مالگزاری نے گورنر جنرل ہند کی خدمت میں ایک پُر زور مراسلہ بھیجا جس میں اس نے مدراس کے نظام پر نکتہ چینی کی تھی اور بتایا تھا کہ سرکار کا ہر کم مواجب کارپرداز کیا کیا جعلسازیاں اور مظالم نہیں کرتا ساتھ ہی ساتھ مجلس نے ہر کاشت کار کے ذرائع آمدنی کے متعلق دریافت کرنے کے طریقے کو جو عدالتی تحقیقات سے کم لوگوں کو دق کرنے والا نہ تھا مذموم قرار دیا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ جہاں سخت افلاس اور بے چارگی اسفل درجہ کی موجود تھی وہیں یہ نظام بھی تھا "اس سے ہر شخص خود اپنی نظروں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لیے اس کی ایک طفلانہ حیثیت بن جاتی ہے نہ تو اپنے بل آپ کھڑے رہنے والوں کی مردانہ آن بان اس میں ہوتی ہے اور نہ اپنے سے کسی بڑے آدمی کے لطف و کرم اور غیظ و غضب سے ایک مستغنی شخص کی سی تمکنت و بردباری اس میں پائی جاتی ہے"۔ لیکن حکومت مدراس نے اپنے بدترین انتظام مالگزاری کی اصلاح کے لیے نہ تو صدر مجلس کی ایک سنی اور نہ کلکٹروں نے ان اضلاع کی مسلسل بری اطلاعوں پر کچھ دھیان کیا۔

تعجب تو اس پر ہے کہ دوسرے صوبوں میں جب برڈ اور ونگیٹ جیسے مرد میدان بڑی بڑی خرابیوں کی بیخ کنی کر رہے تھے اس وقت مدراس کے حکام کوئی بڑی اصلاحی تجاویز یا نقائص کو دور کرنے والی تدابیر یا لوگوں کے حالات کو ترقی دینے کی کوئی مدبرانہ حکمت عملی اختیار کرنے کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ صوبہ مدراس کا لقب ہمیشہ سے "سیاہ بخت" رہا ہے گو پہلے کسی زمانے میں بھی وہ اس مذمت کا اس درجہ مستحق نہ تھا جیسا انیسویں [19] صدی عیسوی کے اول نصف حصے میں وہ نظر آتا تھا۔ ہندوستان میں ہر جگہ ضیائے نور بتدریج پھیل رہی تھی

مگر ساحل کرومنڈل پر جو گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں ان کی تاریکی تک اُس کی شعاع نہ پہنچی تھی نہ پہنچ سکی۔ ہم تک سرکاری اسناد کا ایک دفتر پہنچا ہے۔ لیکن اس میں مدراس کے اصلاح حال کی تدبیروں اور منصوبوں کو ہماری نظریں ڈھونڈتی رہیں مگر لاحاصل !

اس وقت بھی مدراس کے عہدہ دار اپنے ہی نظام پر نہ صرف کاربند تھے بلکہ کسی وجہ سے محصول کی نادہندگی پر دوامی بندوبست شدہ جاگیریں نیلام کر کے اس نظام کے حلقۂ عمل میں وسعت پیدا کر رہے تھے انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں اس حکمت عملی کی جس مستعدی کے ساتھ پابندی کی گئی تھی اس کو ایک عہدہ دار وقت نے یوں بیان کیا ہے ”کسی رعیت واری کلکٹر سے اس کے مکان پر ملیے اور اس کے مہمان نواز دسترخوان پر اُس سے گفتگو کیجیے تو وہ تسلیم کرے گا کہ فلاں بڑی زمینداری جو ابھی ابھی نیلام کر دی گئی ہے وہ محض اس کے انتظام کی ہوشیاری اور چالاکی کا نتیجہ ہے اور وہ یہ کہ زمیندار کو جان بوجھ کر کلکٹر نے ایسا پھانسا کہ رہائی کی کوئی صورت ہی نہ رہی اوّل تو اراضی کو نیلام کرنا ہی لازم نہ تھا لیکن بجائے نیلام کو موقوف کرنے کے اراضی کو بڑی بیدردی کے ساتھ نیلام کر دیا گیا“ اس شخص[1] نے متعدد ایسی مثالیں بھی دی ہیں جن کو پڑھنے ہی سے اب تکلیف ہوتی ہے۔

---

(۱) ”مدراس نظم و نسق دیوانی“ مولفۂ پی۔ بی۔ اسمالٹ۔ لندن ۱۸۵۸ء عیسوی
ضلع تنیاولی میں جو کم ہٹی کی قدیم جائداد کا مالک اپنے بقایا کے تصفیے کے لیے وہاں کے کلکٹر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کو غدار اور خطرناک شخص قرار دے کر حراست میں لے لیا گیا۔ اور کوئی قانونی جرم اس پر عائد کیے بغیر اس کو ایک سیاسی مجرم کی حیثیت سے قید میں رکھا گیا اور اس کی جائداد بھی ضبط کر لی گئی۔ ضلع نلور میں اودیگری کے مسلمان جاگیردار پر خواہ مخواہ سرکار کی بدخواہی اور بغاوت کا الزام لگا کر بلا کسی عدالتی تحقیقات کے اس کو اسی طرح قید کر لیا گیا اور اس کی جاگیر بھی ضبط کر لی گئی۔ ضلع گنتور میں واسی ریڈی کے مقبوضات جن کی سالانہ آمدنی ساٹھ ہزار پونڈ تھی وصول بقایا کے لیے پانسو پونڈ میں نیلام کر دیے گئے حالانکہ یہ اس زمانے کا بقایا تھا جب کہ خود سرکاری عہدہ داروں نے بحیثیت ٹرسٹی (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

رعیت واری نظام کا اصل بانی تو ٹامس منرو تھا مگر اس کے حاشیہ خیال میں بھی وہ طریقے نہیں آئے تھے جو بعد میں اس نظام کے تحت زیر عمل لائے گئے۔ اس نے ۱۸۱۲ء میں دارالعوام کے سامنے یہ بیان کیا تھا کہ "رعیت واری نظام کا اصل اصول ملک کی تمام اراضی پر محصول مقرر کر دینا ہی ہے۔ یہ محصول دوامًا مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ہر فرد رعیت جو اپنی اراضی کا مالک بھی ہے اور کاشتکار بھی اس بات کا مجاز ہے کہ مقررہ مالگزاری پر جب تک چاہے اپنی زمین پر قبضہ رکھے اور آئندہ بھی رقم مالگزاری میں بغیر کسی اضافے کے وہ اپنی زمین پر ہمیشہ قبضہ قائم رکھ سکتا ہے۔"

لیکن یہ مالگزاری بہت بڑھا چڑھا کر لگا دی گئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مطالبۂ سرکار ہنگام کے اختلافات اور لوگوں کے تغیر حالات کے مطابق بڑھتا گھٹتا رہا۔ اس طرح صوبے کی ۸۰ سالہ تاریخ اس محصول اراضی کے اتار چڑھاو کی تاریخ ہے۔ یعنے حکمنامے پر حکمنامے جاری ہوتے تھے کہ محصول اراضی کل وہ تھا آج یہ کر دیا گیا۔ مصائب یا قحط کے آثار نمایاں ہوں تو اس میں تخفیف ہو جاتی تھی۔ اور خوش حالی کی پہلی علامت نظر آنے لگتی تو اضافہ ہو جاتا تھا۔ موجودہ عہد کی تاریخ میں ایسے انتظام کی ایک بھی مثال نہیں ملے گی جہاں اراضی پر مالگزاری عائد کرنے کا ایک کا ایک ایسا نظام قائم ہو جس کے تحت سال بسال ملک کے انتہائی مقدور تک مالگزاری وصول کر لی جائے۔ اور اسی طرح ایک بڑی محنتی اور متمدن آبادی کیلیے اصلاح حال یا زرعی دولت کی تحصیل بالکل ناممکن بن جائے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی مکرر تجدید سے پہلے ۱۸۱۳ء اور ۱۸۳۳ء کی پارلیمنٹی تحقیقات میں اس نظام کی خرابیوں کی خوب پردہ دری ہوئی اسی تحقیقات کے سلسلے میں مدراس کے حکام کا بھی بیان لیا گیا اور ان عہدہ داروں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ اس جاگیر کا انتظام کیسا تھا ضلع مچھلی پٹن میں نداوول کی جاگیر جس کی سالانہ آمدنی تین ہزار پونڈ تھی بارہ سو پونڈ میں نیلام کر دی گئی۔ ضلع وزیگاپٹن میں گولکنڈہ کی قدیم زمینداری جس کی سالانہ آمدنی ہزار پونڈ تھی صرف دس پونڈ میں نیلام کر دی گئی۔ اس طرح ایک ایک کر کے اور جاگیریں بھی نیلام کر دی گئیں پھر ان زمینات میں رعیت واری نظام کی ترویج آسان ہو گئی۔

بے باکانہ سب کچھ کہدیا۔

میلکم لیوس نے جس نے ہندوستان میں بیس سال تک کلکٹر اور جج اور رکن کونسل کی حیثیت سے مختلف خدمتیں انجام دی تھیں دارالعوام کی مجلس منتخبہ کے سامنے بیان کیا کہ "میرے خیال میں نظام مالگزاری سے ملک کے اخلاق کا بہت بڑا تعلق ہے میں خیال کرتا ہوں کہ مدراس میں ابھی نظام مالگزاری ایسے موجود ہیں جن سے ایک طرف تو ملک کے اخلاق کی بیخ کنی اور دوسری طرف رعایا کے افلاس میں اضافہ ہونے کا احتمال ہے" اس نے یہ بھی کہا کہ "تحصیلدار تحقیقات کے لیے ادھر ادھر دورہ کرتے رہتے ہیں اور انھیں کے ہاتھ میں اس تمام رقم مالگزاری کا تعین ہے جو سرکار رعیت واری اضلاع سے وصول کرتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں 79
کہیں تحصیلدار پہنچتے ہیں اس گاؤں کی رعیت سب سے پہلے تحصیلداروں کو رشوت دیکر اس لیے اپنا کرلیتی ہے کہ مالگزاری ان پر کم باندھی جائے۔"

جیمز ولیم بی ڈائکس نے جو ضلع سالم میں مالگزاری کا کام کرچکا تھا دارالعوام کے سامنے بیان کیا کہ اس صوبے میں اس سرے سے اس سرے تک رعیت واری نظام میں حسب تفصیل ذیل نقائص موجود تھے۔

(۱) محصول لگانے کی بے قاعدگی یعنے کاشت کاروں کی اراضی میں اصلاح کی صورت پیدا ہوتے ہی لگان میں اضافہ کردینا۔ (۲) ملکیت اراضی کا تذبذب اور (۳) قواعد مالگزاری سے جاہل و ناخواندہ کاشتکاروں کی ناواقفیت۔

مدراس کے عمال نے ۱۸۵۵ء میں بمجبوری اصلاح کی وہی تدابیر اختیار کیں جن کو شمالی ہند میں ۱۸۳۳ء میں اور بمبئی میں ۱۸۳۵ء میں اختیار کیا گیا تھا۔ ایک وسیع پیمانے پر پیمایش اور بندوبست کرنے کا تہیہ کیا گیا اور حکومت مدراس نے اپنے ۱۸۵۵ء کے مشہور حکم میں اس بندوبست سے خوشگوار ترین نتائج مرتب ہونے کی توقع ظاہر کی۔

"اگر صحیح طور پر پیمایش کی جائے اور احتیاط کے ساتھ بندوبست مالگزاری عمل میں آئے تو سب خرابیاں دور ہو جائینگی۔ ہر شخص کو کتنا لگان ادا کرنا چاہیے اس کا تعین ہو جائے گا۔ عام کلیہ یہی بن جائے گا اور معافیات کا مسئلہ ہی پھر

باقی نہیں رہے گا۔ کہ اس کے لیے سازشیں کی جائیں اور لوگوں کو رشوتیں دی جائیں۔ اس طرح ایک طرف لجاجت اور عاجزی کرنے اور رشوت دینے کا اور دوسرے طرف رشوت ستانی اور بددیانتی کا بہت کچھ انسداد ہو جائے گا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسے نظام کے تحت موجودہ مالگزاری سے زیادہ رقم رعایا کو بہ نسبت پہلے کے کم زحمت دیکر وصول ہو سکتی ہے۔ نہ صرف رعیت کا پیسہ جو عہدہ داران سرکاری کو رشوت دینے میں صرف ہوتا ہے رعیت کو بچ جائے گا۔ بلکہ مالگزاری کی مساوی تقسیم سے ان لوگوں کو بھی محصول کے مزید بار سے نجات مل جانے گی جو اس وقت بے انتہا رقم ادا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی مالگزاری کا ایک واجبی حصہ ادا کرنے لگیں گے جو ناواجبی طور پر اس وقت تک اس سے گزیر کرتے رہے ہیں۔ فقط یہی نہیں بلکہ اس کا بھی یقین ہے کہ اگر محصول مبنی بر اعتدال اور معینہ ہی رہے تو لوگ جلد جلد اراضی زیر قبضہ لینے لگیں گے۔ فی الوقت اراضی پر بالواسطہ اور بلاواسطہ بار سنگین عائد ہونے کی وجہ سے کاشت بے شک دبی ہوئی سی ہے لیکن جب یہ بوجھ ہلکا ہو جائے گا تو نہ صرف اصلی زراعت پیشہ طبقے اور زمینوں کو اپنے زیر قبضہ لیں گے بلکہ تاجر طبقے کے اکثر اشخاص بھی اپنی کمائی زراعت میں لگائیں گے۔

مزید براں یہ بات یقینی ہے کہ بے انتہا مالگزاری لینے اور صحیح حسابات نہ رکھنے سے بڑے پیمانے پر جعل سازی اور کاشت کے چھپانے کا موقع رعیت کو مل جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسی ایسی باتوں کا انکشاف ہوتا ہے جس سے ایک وسیع پیمانے پر ان کے وقوع کا ثبوت ملتا ہے۔ اور تمام عہدہ داران مالگزاری کو معلوم ہے کہ تمام طور پر یہی ہوتا ہے مگر ذیلی اہل کار رشوت لے کر اس سے چشم پوشی کر جاتے ہیں جس سے اصل حال مخفی رہتا ہے اور منکشف نہیں ہونے پاتا۔

مالگزاری کی تخفیف کے ساتھ ہی اس کی ادائی سے لوگوں کا دغابازی سے گریز کرنا کم ہو جائے گا۔ کیونکہ چشم پوشی کے لیے اہل کار کو رشوت دینے کی ضرورت بھی کم ہو جائے گی اور صحیح طور پر پیمایش اور حسابات پاک و صاف ہو جانے کے بعد ایسی جعلسازیاں ان کے لیے مشکل اور خطرناک ہو جائینگی۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جب اس قدر اراضی کسی کے زیر قبضہ نہ ہونے سے یوں ہی پڑی رہے، صلح پسند اور جفاکش رعایا کو پیٹ بھر کھانا اور پیٹ پالنے کے برابر مزدوری نہ ملنے پر گھر بار چھوڑنے کی سخت مخالفت کے باوجود محنت مزدوری کے لیے سمندر پار جانا پڑے اور ہر سال سڑکوں اور ذرائع آمدورفت میں توسیع اور ترقی بھی ہوا کرے تو پھر ان حالات میں یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر محصول اراضی میں اتنی تخفیف کر دی جائے جس سے زراعت نفع بخش ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فی الفور زراعت میں بہت بڑی توسیع ہو جائے گی۔ ان توقعات کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے خطوں پر جو محصول اب ادا نہیں ہو رہا ہے وہاں ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے کہ ان پر مالگزاری کا واجبی مطالبہ قابل عمل بن جائے گا۔ سب سے آخر یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ مجوزہ طریقوں پر کاربند ہونے کے لیے ایک مدت درکار ہے۔ اس بات کی بمشکل توقع کی جا سکتی ہے کہ اس وسیع صوبے کی پیمایش اور بندوبست پندرہ[1] یا بیس[2] سال سے کم مدت میں تکمیل پائے گا۔ اسی طرح ہر سال مالگزاری کے صرف $\frac{1}{15}$ یا $\frac{1}{20}$ حصے کے متعلق معاملہ طے ہوا کرے گا۔ اور ایسے وسائل ان نئے طریقوں کی وجہ سے پیدا ہو جائیں گے جن سے کمی میعاعل کی تلافی ہو جائے گی۔ مجموعی حیثیت سے اس صوبے کی خراب و خستہ حالت کا لحاظ کرتے ہوئے اس بات کی پوری پوری توقع رکھنا درست معلوم ہوتا ہے کہ ان تدابیر کا نتیجہ کار مالگزاری میں کسی قسم کا خسارہ ہونے کی بجائے اس میں اضافہ ہی ہوگا اور محصول دہندگان ملک اور عوام الناس کو کثیر فائدہ پہنچے گا۔ ذرائع مالگزاری بھی موجودہ ذرائع کے مقابل دو چند بلکہ سہ چند ہو جائیں گے۔ اور اسی تناسب سہولت کے ساتھ اور کسی کو عسرت میں گرفتار کیے بغیر مطالبۂ سرکار وصول ہو جائے گا۔"

ہم نے یہ طول طویل اقتباس اس لیے پیش کیا ہے اسی اشتہاد سے مدراس کے انتظام مالگزاری کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ ۱۸۵۵ء

کی مجوزہ پیمایش وبندوبست کے نتائج ہم بعد کے کسی باب میں بیان کریں گے

چھٹا باب

پنجاب میں بندوبست اراضی

سکھوں کی پہلی جنگ کے بعد لارڈ ہارڈنگ نے ۱۸۴۶ء میں پنجاب کا کچھ حصہ انگریزی عملداری میں شامل کر لیا تھا مگر سکھوں کی دوسری جنگ کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۴۹ء میں پنجاب کا باقی حصہ بھی اپنے زیر تسلط کر لیا۔ اس صوبے کی حالت سکھوں کے سابقہ عہد حکومت نیز انگریزوں کی حکمرانی میں کیا تھی! اس کا صاف صاف بیان پنجاب کے نظم و نسق کی پہلی رپورٹ میں جو ۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی تھی درج ہے۔

رنجیت سنگھ کے عہد میں جس نے اس صوبے کو ایسا مستحکم اور قوی بنا دیا تھا کہ وہ ایک طاقتور سلطنت کے برابر ہو گیا تھا صرف وہی اشخاص جو جرأت اور اعلیٰ قابلیت کی بناء پر ممتاز و سر برآوردہ تھے اور عدالتی اور مالی اعلیٰ اختیارات کے ساتھ محصول مالگزاری کے لیے دور دور از مقامات پر بھیجے جاتے تھے انھیں لوگوں میں ایک جنرل اویتبیل بھی تھا جس نے اپنے پنجۂ آہنی کے زور سے پشاور کو سرنگوں کر رکھا تھا۔ اور دوسرا سردار ماہری سنگھ تھا جس نے ہزارہ نامی کوہی قبیلے کے سرکش و تند خو لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف مطیع و منقاد بنا رکھا تھا۔ لاہور کے قریب نیز اضلاع میں مالگزاری وصول کرنے پر "کاردار" یعنے کارپرداز مقرر تھے۔ اور ان کی اہم ترین کارروائیوں پر لاہور کی وزارت نگرانی کرتی تھی۔

یہاں کوئی قانون اب تک منضبط نہیں ہوا تھا اور عدل و انصاف بالکل ابتدائی اور سیدھے سادھے طریقے پر ہوتا تھا۔ خانگی ملکیت اراضی کاشتکاروں اور مالکان اراضی کے حقوق اضافی اور دیہی جماعتوں کی اجتماعی حیثیت غرض یہ سب کچھ تسلیم کی جاتی تھی مقامی حکام کے زیر ہدایت خانگی ثالثی سے اکثر کام لیا جاتا تھا۔ حقیقی اور شخصی جائداد کے مشکل ترین مسائل کا تصفیہ بھی یہی پنچایتیں کرتی تھیں ..... مہاراجہ بھی ہمیشہ اپنی قلمرو کا دورہ کرتا تھا۔ اس کی سواری جب باہر نکلتی تھی تو وہ سب کی فریاد سنتا تھا اور جس صوبے میں وہاں کے صوبہ دار کے متعلق بہت زیادہ شکایتیں پیش ہوتی تھیں تو اس پر عتاب کرتا تھا۔ اپنے دربار میں بھی وہ شخصی استغاثے کی سماعت کرتا تھا۔"

یہاں محصولات بہت سنگین تھے، لیکن بعض امور کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا تھا کہ اگر ایک ہاتھ سے سرکار لیتی تھی تو دوسرے ہاتھ سے دیتی بھی تھی۔ سرکار کے دائرہ ملازمت میں بے شمار لوگ داخل تھے۔ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے گاؤں گاؤں سے لوگ آتے تھے اور نوکری میں اپنی کمائی جو کچھ پس انداز کرسکتے تھے وہ اپنے اپنے گھروں کو بھیج دیتے تھے۔ متعدد مواضعات میں جن پر بہت سنگین محصول اراضی لگادیا جاتا تھا کم سے کم اس محصول کا نصف یہ لوگ اپنی فوجی آمدنی سے ادا کرتے تھے اور اس طرح زر برابر دست بدست پھرتا تھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں محصول اراضی اصولاً خام پیداوار کا نصف تو تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ عملی طور پر درحقیقت وہ خام پیداوار کے دو خمس سے لے کر ایک ثلث تک ہوتا تھا۔" ان سب صوبوں میں جن کو سکھوں نے کلیتاً فتح کر لیا تھا اور جہاں کاشت بھی معقول ہوتی تھی محصول اراضی کا یہی تناسب قائم تھا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ باستثناء اس صوبے کے جو دیوان ملراج کی زیر حکومت تھا دریائے سندھ کے اس کنارے پر تمام مقبوضات میں محصول کا یہی تناسب نافذالعمل تھا۔ البتہ دریائے سندھ کے اس پار مالگزاری کا یہ نظام لوگوں پر اس قدر باران وجوہ سے نہ تھا کہ یہ خطہ مستقر کی نگرانی سے بہت دور تھا اور وہاں کے لوگوں میں زیادہ صبر و برداشت کا مادہ نہ تھا نیز املاک

کی حالت وہاں غیر محفوظ تھی، اور آبادی کم تھی۔"

محصول اراضی جیسا کچھ تھا نقد نہیں بلکہ بہ شکل جنس وصول کیا جاتا تھا۔ اور اس لیے اچھے اور برے دونوں ہنگام میں کھیتوں کی پیداوار کے ساتھ اس کا تناسب یکساں رہتا تھا۔ ایسے نظام کے تحت جب کسی سال ہنگام خراب ہو تو یہ لازم نہ تھا کہ کاشتکار ایک معینہ اور غیر متغیر رقم ہی ادا کریں۔ یا ان ایام میں جبکہ عام قیمتیں گری ہوئی ہوں وہی مالگزاری ادا کریں جو عام قیمتیں بڑی رہنے کے وقت متعین کی گئی تھی۔

سنہ ۱۸۴۶ء کے دوسرے معاہدے کی رو سے جس کی تکمیل اسی سال دسمبر میں ہوئی پنجاب کے دیوانی اور فوجی معاملات ایک انگریز رزیڈنٹ کی زیر نگرانی کر دیے گئے اور "ہنری لارنس" وہاں کا پہلا رزیڈنٹ مقرر ہوا۔ ہندوستان کی اس عہد کی تاریخ میں گو وہ زمانہ قابل منتظمین مملکت اور بہادر سپاہیوں کے لیے مشہور تھا کسی کا نام ایسا روشن نہیں جیسے "صلح کار" ہنری لارنس کا نام ہے۔ اس کی ولادت سنہ ۱۸۰۶ء میں ہوئی۔ اس نے سنہ ۱۸۲۵ء کی پہلی جنگ برما میں شرکت کی۔ پشاور میں سکھوں کے سپاہیوں پر اچھی نگرانی رکھی اور سنہ ۱۸۴۲ء میں افغانستان پر چڑھائی کرنے میں پولک کی کمک کی۔ اس نے جنگ سبراؤں میں حصہ لیا جس پر سنہ ۱۸۴۶ء میں سکھوں کی پہلی جنگ ختم ہوئی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جس کو سکھوں کے حالات سے ہنری لارنس سے زیادہ واقفیت تھی یا جس کا اثر سکھوں پر لارنس سے بڑھ کر تھا۔ کوئی ایسا بھی نہ تھا جس کو لارنس سے زیادہ سکھوں کی خوبیوں کا احترام ملحوظ یا سکھوں کی حیثیت وقار اور خود مختاری برقرار رکھنے کی سچی خواہش دل میں جگہ لیے ہوئی تھی۔ بہ حیثیت رزیڈنٹ کے ہنری لارنس عملی طور پر پنجاب کا حکمران تھا۔ اس نے اپنی سب اصلاحی تجاویز نیابتی مجلس وزراء سے جو آٹھ سرداروں پر مشتمل تھی منظور کرالیں۔

ان اصلاحوں میں ایک اصلاح البتہ رعایا کے حق میں کلیتاً مفید نہیں تھی وہ یہ کہ قدیم نظام کے بجائے جس کے تحت محصول اراضی بہ شکل جنس وصول ہوتا تھا۔ انگریزوں کا جدید نظام اس نے قائم کر دیا۔ جس کے تحت مالگزاری نقدی کی شکل میں وصول ہونے لگی۔ مطالبۂ سرکار میں برائے نام تخفیف تو ہو گئی مگر سرسری بندوبست اور زر کی

شکل میں تعین محصول سے جیسا انگریزی سرکار کے عہدہ دار کرتے تھے، کاشتکاروں کے کندھوں کا بوجھ ذرا بھی ہلکا نہ ہوا۔ البتہ اور باتوں میں لارنس زیادہ کامیاب رہا۔ سکھوں کے اداروں سے اس کا ربط ضبط قائم تھا۔ مختلف مواضعات سے پچاس چودھری منتخب کیے گیے۔ جنھوں نے سردار لہنا سنگھ کی نگرانی میں ایک سیدھا سادہ قانون منضبط کیا جو سکھوں کے رواج پر مبنی تھا۔ تشدد آمیز محصولات اور سرکاری اجارے سب مسدود کر دیے گئے۔ اس کے علاوہ ہنری لارنس نے اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے لائق فائق کارکن عہدہ داروں کا انتخاب کیا۔ جن کو اس صوبے کے مختلف اقطاع میں نظم و نسق کا نگران کار بنایا گیا۔ سردار اور روسا، مالکان اراضی اور عوام الناس اس کے انتظام مملکت کی قدر جانتے تھے اور اس صلح کار ناظم کی حکمرانی کے آگے سر تسلیم خم کرتے تھے۔

بدنصیبی سے جن دو شخصوں نے پنجاب میں امن قائم کیا انھوں نے تھوڑی ہی مدت میں ہندوستان کو خیرباد کہا۔ ہنری لارنس کی صحت اچھی نہیں رہتی تھی اس لیے اس نے ۱۸۴۷ء میں بمجبوری ہندوستان سے وطن کی طرف مراجعت کی۔ اور لارڈ ہارڈنگ نے ۱۸۴۸ء کی ابتدا میں لارڈ ڈلہوزی کو زمام حکومت تفویض کر دی۔ اس کے بعد ہی ہنگامہ و فساد شروع ہوے جن کی بڑھتے بڑھتے سکھوں کی دوسری جنگ تک نوبت پہنچ گئی۔ اس کی تفصیل کسی دوسرے باب میں بیان ہو چکی ہے۔

ہنری لارنس جس کو ممتاز خدمات کے صلے میں "سر" کا خطاب حال ہی میں ملا تھا، اس ہنگامے کی خبر سنتے ہی بعجلت تمام ہندوستان واپس آیا۔ اور جنوری ۱۸۴۹ء میں میدان چلیان والا میں جو گھمسان کی لڑائی ہوئی تھی اس میں لارڈ گف کے دوش بدوش یہ بھی کھڑا ہو گیا۔ فروری میں دوسری جنگ گجرات میں ہوئی جس کے بعد سکھوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور پھر پنجاب کا فیصلہ ہو گیا۔ ہنری لارنس نے انگریزوں کے پنجاب کو الحاق کر لینے کی مخالفت کی مگر اس کے بھائی جان لارنس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ اس الحاق کا حامی تھا[۱]۔

۱؎ عام طور پر یہی خیال پھیلا ہوا ہے لیکن اس واقعے کے اٹھارہ سال بعد خود جان لارنس نے

غرض ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ئہ میں اعلان کر دیا گیا کہ پنجاب کی فرماں روائی اب ملکۂ انگلستان پر منتقل ہو چکی ہے۔

جیسے ہی سر ہنری لارنس نے یہ فیصلہ سنا اس نے اپنا استعفا دیدیا۔ یہ کچھ تو اس وجہ سے تھا کہ اس الحاق کے برملا خلاف انصاف ہونے کے متعلق اس نے اپنا خیال پہلے ہی ظاہر کر دیا تھا۔ اور زیادہ تر اس عقیدے کی بنا پر بھی کہ اب جو انتظامات ہونے والے تھے وہ مفتوح قوم کے حق میں موجب سختی ہوں گے۔ لیکن لارڈ ڈلہوزی اس صلح کار کی قدر و قیمت سے خوب واقف تھا۔ اس لیے اس نے سر ہنری کو جانے نہیں دیا۔ ڈلہوزی نے اپنے معتمدِ خاص کے ذریعہ سے اس کو کہلا بھیجا کہ وہ پنجاب میں اپنی موجودہ اعلےٰ خدمت ہی انجام دیتا رہے۔ "اور کچھ نہ سہی تو اس خاص غرض ہی سے سہی کہ اپنے مقصد عظیم کے حصول کا یعنے اس کا کہ مفتوحین کا نہ صرف از روئے انصاف لحاظ کیا جائے بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے خواہشات کی پاسداری ہو۔ اس کے لیے یہ بہترین موقع ہے۔ وہی ایک شخص ہے جو اس وقت اس خوددار اور بہادر غنیم کے اس طرح اطاعت قبول کر لینے کے ناگزیر صدمے اور کوفت کو ان کے دلوں سے دور کر سکتا ہے۔ اور دوسرا ایسا کوئی نہیں جو ان کے سرداروں اور رہنمایان قوم سے اس طرح بے تکلف خلا ملا رکھتا ہو یا ان کی شرافت نفس کا ایسا ہی قدردان ہو جیسا سر ہنری تھا۔"

جب اس استدلال کے ساتھ یہ استدعا کی گئی تو پھر سر ہنری کو مان لینے کے سوا چارہ ہی نہ تھا۔ لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب کے انتظام مملکت کے لیے ایک مجلس قائم کی جو تین (۳) اشخاص پر مشتمل تھی۔ سر ہنری لارنس اس کا میر مجلس تھا اور اس کا بھائی جان لارنس اور چارلس منسیل اور چند روز کے بعد چارلس منسیل کے بجائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس سے انکار کیا اور وزیر ہند سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ کو لکھا کہ "میں پوری صداقت کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ الحاق کی کسی وسیع العمل تجویز سے مجھکو کبھی کچھ تعلق نہیں رہا ہے۔ بجز ایک پنجاب کے الحاق کے اور وہاں بھی مجھکو صرف اس منصوبے کے سرانجام سے تعلق تھا۔ لیکن الحاق کی حکمت عملی سے مجھکو کچھ سروکار نہ تھا۔" مراسلہ مورخہ ۲۰ جون ۱۸۶۷ء (سوانح عمری لارڈ لارنس مولفہ بوزورتھ اسمتھ ۱۸۸۳ء) جلد دوم صفحہ ۳۶۵)

رابرٹ منٹگمری اس کے ارکان مقرر ہوئے۔ سر ہنری سیاسی امور انجام دیتا تھا۔ جان لارنس کی زیرِ نگرانی دیوانی اور مالگزاری کا نظم ونسق تھا۔ اور مینسیل اور اس کے جانشین منٹگمری کے زیرِ اہتمام عدالتی کاروبار تھا۔

یہ مجلس یکدل ویکجہت ہوکر کام نہ کرسکی۔ ہنری لارنس اپنی فیاض طبعی سے ہروقت کوشاں تھا کہ انگریزوں کے اس نو حاصل صوبے میں ان سرداروں کا جو اب ادبار میں گرفتار تھے پہلے کی طرح اعلیٰ رتبہ قائم رہے اور جیسے سابق میں ملک کے امرا میں ان کا شمار ہوتا تھا اب بھی ہو۔ جان لارنس نے اس بارے میں لارڈ ڈلہوزی کی طرح کسی قدر تنگ خیالی سے کام لیا اور اس کی رائے میں یہ سر دار گزارے سے بڑھ کر کسی بات کے مستحق نہ تھے اور ان کو یا کسی کو رعایا اور پردیسی حکمرانوں کے درمیان مداخلت کا حق نہ تھا۔ ہنری لارنس کی مسلسل کوشش یہی تھی کہ قوم کے ان ذی اثر فطری رہنماؤں کو تسلیم کر لیا جائے۔ برخلاف اس کے جان لارنس جس کے زیرِ تفویض انتظام مالگزاری تھا اس بات کا خواہاں تھا کہ جو کچھ محصولِ اراضی کاشتکار ادا کرتے ہیں اس پر خوب گرفت رکھی جائے اور ان قدیم سرداروں کو مان لینے میں اس کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ سرکار کا حق مالگزاری مارا جاتا ہے۔

یہ دو بھائی جو ایک دوسرے کا بہت کچھ ذاتی لحاظ کرتے تھے سرکاری معاملات میں ایک دوسرے سے بالکل کشیدہ ہو گئے جس سے سرکاری کام میں حرج ہونے لگا۔ جان لارنس نے گورنر جنرل کے معتمد خاص کو لکھا کہ "میں اور میرے بھائی ہم دونوں مل کر پہلے سے بہتر کام نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم میں کشیدگی اور بڑھ گئی ہے۔ شاذ ہی ہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ شاذ ہم سرکاری معاملات پر کبھی گفتگو کرتے ہیں ...... میں یہ محسوس کرنے لگا ہوں کہ اگر اس قماش کے دو آدمی ایک جگہ جمع ہو جائیں جو ارادے کے قوی بھی ہوں اور خیالات میں متضاد بھی اور جن کے عادت واطوار اور طریقِ کار میں بین تفاوت ہو تو پھر سب سے زیادہ خرابی اور بگاڑ کی بات ہوگی۔"

ایک ساتھ دونوں بھائیوں نے استعفا پیش کر دیا۔ اس پر لارڈ ڈلہوزی کے لیے ان دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ناگزیر ہو گیا مگر اس نے انتخاب میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کیا۔ مجلس نظم و نسق برخاست کر کے اس نے جان لارنس کو پنجاب کا چیف کمشنر بنا دیا اور سر ہنری لارنس کو تبادلے کے ساتھ راجپوتانے میں نائب سرکار کی کم ذمہ دارانہ اور کم حیثیت خدمت دیدی۔

لارڈ ڈلہوزی نے یہ فیصلہ کیا صادر کیا گویا پنجاب پر ایک بجلی گرا دی۔ وہ یہ خبر سن کر ہر ایک کی صورت غمزدہ سی ہو گئی۔ پیر و جوان۔ مالدار و مفلس۔ سر رشتۂ فوج اور دیوانی کے ملازم۔ اہل قلم و اہل سیف۔ انگریز اور دیسی لوگ غرض بلا استثنا، ہر شخص یہی محسوس کر رہا تھا کہ اس کا ایک دوست و بہی خواہ ہمیشہ کے لیے اس کو داغ مفارقت دے کر جا رہا ہے۔ قوی دل مرد (جن میں ہربرٹ ایڈورڈز بھی نظر آتا تھا) بچوں کی طرح ڈھاریں مار مار کر رو رہے تھے
جب وداع کا وقت آ پہنچا اور جب ہنری لارنس نے اپنی بیوی اور بہن سمیت سنہ ۱۸۵۳
میں ۲ جنوری کو لاہور اور پنجاب کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا تو دیسی سرداروں کی ایک لمبی قطار شہر سے باہر بہت دور تک اس کے جلو میں نظر آتی تھی۔ ان میں سے بعض پانچ بعض دس اور بعض بیس پچیس میل تک اس کے ہمرکاب گئے۔ یہ لوگ اپنے اپنے غریبانہ حوصلے کے موافق نہایت خلوص کے ساتھ رنج و غم، تشکر و تحسین کا اظہار کر رہے تھے کیونکہ ان کو ہنری لارنس سے جس کا نیر اقبال کم سے کم پنجاب میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا تھا۔ اب تو کچھ توقع نہ رہی تھی کہ ظاہرداری کے لیے اس طرح کریں۔ یہ جلوس لاہور سے امرتسر تک لمبا تھا اور ایسا تھا کہ گویا کسی کا جنازہ نکلا ہے۔ رابرٹ نیپیر جو اس زمانے میں لارڈ نیپیر مگڈالہ کے خطاب سے ممتاز تھا سب سے آخر اس سے رخصت ہوا کیونکہ ہنری لارنس اس کو بھائی سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ نیپیر دل شکستہ لاہور کی طرف چلنے کھڑا ہوا تو ہنری لارنس نے اپنی بہن سے مخاطب ہو کر کہا کہ "دو بہن نیپیر کو پیار کرو۔ یہ میرا بہترین اور عزیز ترین دوست ہے"۔ ہنری لارنس جب امرتسر پہنچا تو چارلس سانڈرز نامی ڈپٹی کمشنر کے گھر پر سوگواروں کی ایک نئی جماعت کھڑی تھی اور یہاں پھر اظہار

رنج و ماتم کیا گیا مگر تسرت سے وہ راجپوتانے روانہ ہوگیا"
اس قصے میں ہم سر ہنری لارنس کا نام پھر سنیں گے۔ ۲۲ جولائی ۱۸۵۷ء
میں جبکہ انگریزی سرکار کو شمالی ہند میں ایک بہت بڑی بغاوت کا دغدغہ لگا ہوا
تھا اور کسی روز بھی لارڈ کیننگ کی وفات یا استعفا کی خبر آنے والی تھی جس سے
ہندوستان میں کوئی رہنما نے حکومت باقی نہیں رہتا تھا۔ اس وقت خلوئے جائداد
کے امکان کے خیال سے مجلس نظمائے نے کسی کو گورنر جنرل کی خدمت پر پیش از پیش
نامزد کرنا مناسب سمجھا تھا چنانچہ نظمائے نے اس خدمت کے لیے ایک ایسے شخص
کا انتخاب کیا جس نے میدان جنگ میں آپ کو ایک بہادر سپاہی اور صلح کے زمانے
میں ایک ہمدرد منتظم مملکت ثابت کر دکھایا تھا۔ بنابراں یہ تجویز منظور ہوئی کہ "وائسکونٹ کیننگ
کی وفات یا استعفا یا مراجعت وطن پر اس کے جانشین کے انگلستان سے
آنے تک سر ہنری منٹگمری لارنس کے۔ سی۔ بی گورنر جنرل ہند کے عہدہ پر مامور
کیا جائے" لیکن یہ اعزاز بعد از وقت تھا کیونکہ سر ہنری لارنس ۴ جولائی کو لکھنو
میں مارا گیا۔ سر ہنری اس ایک مشہور انگریز کو چھوڑ کر جس کی قائم مقامی کے لیے اس
کا انتخاب کیا گیا تھا ہندوستان بھر میں اس زمانے کے سب انگریزوں میں فیاض
ترین منتظم مملکت تھا۔
اس شخصی دلچسپی سے قطع نظر کرکے جو ہنری لارنس کے سوانح زندگی سے وابستہ
ہے اس کی حکمت علی عامہ بھی خود ایسی تھی جو ہندوستان کے منتظمین مملکت کے
لیے ہمیشہ دلچسپی کا باعث ہوگی۔ وہ ایک خاص خیال کے منتظمین مملکت کا جن کے
بانی گزشتہ پشت میں الفنسٹن اور منٹک تھے مگر جن کا نام و نشان اکلینڈ اور
ڈلہوزی کی شہنشاہی پسندی کے زیر اثر اب مٹ رہا ہے اپنے وقت کا نمایندہ تھا۔
جنرل مکلاؤڈ انس کہتا ہے کہ "وہ اس خاص خیال کے اشخاص دیسیوں کے احساسات
روایات اور تخیلات کا خاص لحاظ کرنے اور دیسی ریاستوں کے حقوق کو واجبی
طور پر تسلیم کر لینے کا مطالبہ کرتے تھے اور قوم کے فطری رہنماؤں کے ساتھ ہمیشہ
عاقلانہ اور فیاضانہ برتاؤ کرنے کی صلاح دیتے تھے"
لارڈ ڈلہوزی تو خاص اس خیال کے لوگوں کو نہ کبھی سمجھ ہی سکا اور نہ اس نے

ان کی قدر رہی کی ۔ بس وہ شہنشاہی پسند تھا اور آخر تک وہی رہا۔ اس کی رائے میں ہندوستانیوں کے لیے بہترین نظم ونسق یہ دیسی حکمرانوں کا بلا توسط کسے براہ راست انتظام مملکت کرنا ہی تھا ۔ یہ درمیانی روسا و سردار اور رہنمائے قوم سب انتظام مملکت میں حائل اور اصلاح کے سنگ راہ تھے ۔ بیشک اس نے بھی وہی غلطی کی جو ہندوستان میں متعدد بار انگریز حکمرانوں نے کی تھی وہ یہ کہ قدیم اداروں اور سن رسیدہ وتجربہ کار رہنمایان قوم کو نظرانداز کردیا۔ اور ان کے بجائے اس نے انگریز عہدہ داروں کی شخصی حکومت بلا واسطہ قائم کرنے کی کوشش کی ۔ سر ہنری لارنس کو پنجاب سے کیا نکالا کہ اس کی حکمت عملی کی بیخ کنی کردی ۔ قوم کے فطری رہنماؤں کا صفایا کردیا اور جب صرف کاشتکاروں کی قوم باقی رہ گئی تو اس کو بھی براہ راست حکومت کے تحت کرلیا۔ اس بات کو پچاس سال گزر گئے ہیں مگر اس مدت میں یہ حکمت عملی تجربے سے نہ تو عاقلانہ ثابت ہوئی اور نہ اس سے نظم ونسق ہی کچھ اچھا چل سکا ہے ۔

قومی ادارے قومی ضرورتوں کا نتیجہ اور گویا ان کی زبان اظہار ہیں۔ ہندوستانیوں نے دیہی جماعتوں کو ترقی دی تھی ۔ اور کہیں پالیگاروں زمینداروں جاگیرداروں اور کہیں تعلقداروں سرداروں اور پنچایتوں کے تحت رہنا اس لیے قبول کرلیا تھا کہ ان کی رعایا کو ضرورت تھی ۔ دراصل ہندوستانیوں کی معاشرتی تنظیم ان کی معاشرتی ضرورتوں پر مبنی تھی۔ اور لوگ اپنے فطری رہنماؤں کے زیر سایہ اور دیہی جماعتوں کے حلقہ اثر میں زیادہ خوش تھے۔ اور یہی سمجھتے تھے کہ اس طرح رہنے میں ان کے حقوق زیادہ محفوظ ہیں۔ پھر ایسے انتظامات میں رخنہ ڈالنا کسی حکمران کے لیے بھی عقلمندی کی بات نہ تھی ۔ بالخصوص ہر دیسی حکمرانوں کے لیے تو رعایا کے منتظمہ اداروں کو نظرانداز کردینا سراسر ناعاقبت اندیشی پر مبنی تھا ۔

اس طرح قومی احتیاج تو پیدا کردی گئی مگر اس کی تکمیل کی اب تک کوئی صورت نہیں پیدا کی گئی قدیم دیہی جماعتوں کی جگہ کوئی مناسب طور پر حکومت خود مختاری رکھنے والے ادارے قائم نہیں کیے گئے ۔ ان حالات میں قوم کے

فطری رہنما بمدراس، بمبئی اور پنجاب میں اپنی قومی خواہشات اور قومی خیالات کی معقول طور پر کیا خاک ترجمانی کر سکتے تھے۔ چنانچہ ان صوبوں کی حکومتیں بمقابل حکومت بنگالہ کے جہاں لارڈ کارنوالس کی مہربانی سے شیرازۂ معاشرت پریشان ہوتے ہوتے رہ گیا تھا، رائے عامہ سے کم متاثر ہیں اور کم استفادہ کرتی ہیں مثلاً دیہی جماعتوں اور درمیانی سربرآوردہ اشخاص اور سرداروں کی غیر موجودگی میں بمبئی اور مدراس دونوں جگہ تشخیص لگان میں سختی اور زیادتی سے کام لیا گیا تھا۔ پنجاب میں جہاں نصف صدی سے پہلے قوم کے رہنماؤں کو ناعاقبت اندیشی سے نظر انداز کر دیا گیا تھا کاشتکاران اراضی جن کو یونہیں مالکان اراضی کا بھی لقب دیدیا گیا تھا کچھ ایسے خوش حال نظر نہیں آتے تھے اور اب وہ وقت آپہنچا تھا کہ حکومت ان لوگوں کو ایک خاص طبقے کے رہنماؤں سے یعنی سٹہ کھیلنے والوں صرافوں اور ساہوکاروں سے جن سے بدتر اشرافیہ کسی ملک میں ہو نہیں سکتی بچانے کی کوشش کرلے۔

یہ ایک سیدھی اور سچی بات ہے کہ جیسا ایشیا میں ویسا یورپ میں اقوام کے تحفظ حقوق اور فلاح و بہبود کے لیے کسی نہ کسی طرح کی نمایندگی قوم اور کسی نہ کسی قسم کی حکومت خود اختیاری کا ہونا ضروری ہے۔ ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کے جو اشکال موجود تھے ان سے انگریز واقف نہ تھے لیکن ان سے سب قومی اغراض پورے ضرور ہوتے تھے۔ البتہ ان میں ترقی و اصلاح بھی ضروری تھی پھر بھی کیا اچھا ہوتا کہ انھیں کا نشو ونما کیا جاتا مگر اس کے بجائے سرے سے ان کو میٹ دینے سے قومی زندگی کا صفحہ ہی سادہ رہ گیا کبھی نازک وقت آپڑتا ہے تو ان اداروں کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر اس وقت انگریزی راج کی کمک کے لیے کوئی نہیں رہتا اور خود شہنشاہیت پسندی کی قومی بنیاد متزلزل ہوجاتی ہے۔ جنرل مکلاؤڈ انیس اپنی کتاب میں جس سے ایک اقتباس اس کے پہلے پیش ہوچکا ہے بیان کرتا ہے کہ غدر کے تاریک زمانے میں ستلج کے اس کنارے پر بود باش رکھنے والے سکھوں اور ملتان کے مسلمانوں کی طرح سرحدی مسلمانوں نے بھی اپنے اپنے سرداروں کی خاص ہدایت و رہنمائی میں

انگریزوں کی نہایت قابل قدر امداد کی تھی اور ان لوگوں نے اپنی طرف سے طاقتور فوجیں بھی بھیجی تھیں۔ برخلاف اس کے پنجاب کے سکھوں کا کوئی سردار نہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے دہلی کی فتح تک تو کوئی مدد نہیں کی۔ ہندوستان کے منتظمین مملکت اس احتیاج کو یعنے پردیسیوں کے نظم ونسق کو ہر دلعزیز بنانے اور لوگوں پر حکومت کا رفیق کار بننے کے لیے اچھا اثر ڈالنے کی ضرورت محض جنگ کے زمانے ہی میں نہیں بلکہ صلح وامن کے زمانے میں بھی محسوس کرتے ہیں۔

بہرحال جان لارنس لارڈ ڈلہوزی کی حکمت عملی پر کاربند رہا۔ اس نے نکلسن کو لکھا مالگزاری مقداریں مقرر کیجیے جس سے قابض زمین کے لیے ایک واجبی اور معقول گنجائش رہ جائے تاکہ وہ کاشت میں اضافہ کرسکے اور اس طرح سرکاری محاصل ہنگام کی خرابی اور دست برد سے متاثر نہ ہونے پائے۔ درمیانی اشخاص سے ہر وقت کنارہ کشی کیجیے۔ یہ لوگ ہر جگہ ملک کے لیے وبال وآفت جان ہیں۔"

لیکن مالگزاری کبھی کم مقداریں نہیں لی گئی۔ اور جیسا ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں ہوا یہاں بھی ہوا یعنے انگریزوں کا قبضہ ہونے کے ساتھ ہی مالگزاری میں اضافہ کردیا گیا چنانچہ سنہ ۱۸۴۷ء و ۱۸۴۸ء کے درمیان پنجاب کی مالگزاری جو ۸۲۰۰۰۰ پونڈ تھی اس صوبے کو انگریزوں کے الحاق کرنے کے تین سال کے اندر اندر بڑھ کر وہ ۱۰۶۰۰۰۰ پونڈ ہوگئی۔ عام قیمتیں گھٹ جانے سے بھی کاشتکاروں کی مصیبت میں اضافہ ہوگیا تھا کیونکہ ان کو اب یہ رقم نقدی کی شکل میں ادا کرنی پڑتی تھی۔ اس کے متعلق سنہ ۱۸۵۱ء میں زراعت پیشہ لوگوں نے عام طور پر شکایتیں شروع کیں اور واویلا مچایا۔" عام طور پر زراعت پیشہ طبقے کا مطالبہ یہی تھا کہ اجناس کی شکل میں مالگزاری ادا کرانے کے طریقے کو دوبارہ رائج کیا جائے۔ اور ہنگام میں فصل کی تقسیم کی جائے یا اس کا تخمینہ قیمت کرلیا جائے۔ مجلس نے اس مطالبے کی مزاحمت کی لیکن اس بات کی ہدایت کردی کہ جہاں مناسب معلوم ہو عند الضرورت مالگزاری وصول کرنا ملتوی کردیا جائے۔"

پنجاب کے مختلف مقامات کے متعلق ذیل کے اعداد پیش کیے جاتے ہیں۔

جن کو نظم ونسق کی پہلی رپورٹ سے اخذ کیا گیا ہے:

ٹ۔ پنجاب کے نظم ونسق کی پہلی رپورٹ جس سے ہم نے پچھلے صفحات میں متعدد اقتباسات پیش کیے ہیں، گو رچرڈ ٹمپل کے سے کامل فن اور مشاق شخص کی لکھی ہوئی ہے ٹمپل ہندوستان میں قلم کا دھنی مشہور تھا۔ جان لارنس اگرچہ نہایت جفاکش وکارگزار اور بہت بڑا منتظم شخص تھا لیکن اس کے طرز تحریر میں کچھ آب وتاب نہ تھی اور وہ خود اس خامی کو محسوس کرتا تھا۔ ۱۸۵۱ء میں جب لارنس پہلی دفعہ شملے میں رچرڈ ٹمپل سے ملا اور اس کی لکھی ہوئی بندوبست کی رپورٹیں پڑھیں تو اس کو وہ بہت پسند آئیں۔ لارنس نے اپنے احباب سے تذکرہ کیا کہ "ہم اپنا معتمد بنانے کے لئے جس شخص کی تلاش میں تھے وہ شخص تو خود یہاں موجود ہے۔ وہ میرے منشاء کو خوب سمجھتا ہے اور اس کو بہترین شکل میں پیش کر سکتا ہے!" اس پر فوراً پنجاب کے نظم ونسق کی رپورٹ لکھنے پر ٹمپل مامور کیا گیا۔ اس رپورٹ کے کچھ حصے کا مسودہ ہنری لارنس اور جان لارنس نے لکھا تھا لیکن نو مامور معتمد نے اس رپورٹ کو از سر نو مرتب کیا۔ یہ رپورٹ ہندوستان کی اور رپورٹوں کے مقابل مایقرا اور دلچسپ ہونے کی وجہ سے ایک خاص امتیاز رکھتی ہے۔ ۱۸۵۴ء میں جب ٹمپل انگلستان سے ہندوستان واپس آیا تو اس وقت جان لارنس پنجاب کا چیف کمشنر تھا۔ لارنس نے ٹمپل سے کہا کہ "مجھکو یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ آپ کو آپ کے موزوں خدمت مل گئی ہے۔ مجھ کو آپ سے رائے لینے میں خوشی ہوتی ہے اور میں آپ کی تحریری قابلیت سے بھی بہت خوش ہوں لیکن ہمیشہ یہ ملحوظ رہے کہ جو کچھ حکمتِ عملی یا رائے ضبط تحریر میں آئے گی وہ میری اپنی حکمت عملی اور رائے ہوگی نہ کہ آپ کی۔ آپ کا بھی زمانہ آئے گا لیکن یہ میرا زمانہ ہے۔ اور ہر بات کا وقت مقرر ہوتا ہے۔" (سوانح عمری لارڈ لارنس مولفہ بوزورتھ اسمتھ)

پرگنہ	ضلع	رقم مالگزاری ۱۸۵۰ء - ۱۸۵۱ء	رقم مالگزاری ۱۸۵۱ء - ۱۸۵۲ء
لاہور	لاہور	۳۸۰۶۰	۴۰۶۱۴
	امرتسر	۸۶۸۷۲	۱۰۴۴۷۳
	دیناگر	۸۹۹۲۷	۹۴۰۴۱
	وزیرآباد	۱۰۸۳۳۸	۱۱۴۰۱۸
	شیخ پورہ	۳۱۹۱۶	۳۸۳۲۲
جہیلم	گجرات	۵۹۳۸۲	۵۹۸۵۹
	جہیلم	۶۹۵۴۸	۷۲۰۹۱
	راولپنڈی	۸۲۴۸۱	۸۲۰۵۶
	شاہپور	۴۱۲۳۱	۳۴۳۸۱
لیا	لیا	۴۸۴۴۴	۵۴۲۵۷
	خون گڑھ	۴۹۵۳۴	۴۸۴۶۳
	ڈیرہ غازی خاں	۲۵۵۷۴	۴۷۲۸۰
	ڈیرہ اسماعیل خاں	۴۸۹۶۸	۵۰۶۵۶
ملتان	ملتان	۵۶۴۳۰	۶۰۳۵۹
	جھنگ	۲۷۸۷۸	۳۴۹۶۲
	پاک پٹن	۲۵۷۵۷	۳۸۴۱۲
	پشاور	۸۹۳۰۷	۷۱۹۲۹
	ہزارہ	۱۸۸۵۴	۱۶۸۱۵
	میزان	۱۰۱۸۵۰۲	۱۰۶۰۹۸۹

انتظام مالگزاری میں جان لارنس کا اصل اصول یہ تھا کہ "اراضی پر مالگزاری کم مقدار میں لیجائے" اور اس نے بہت جلد یہ محسوس کرلیا کہ خام پیداوار کے ایک ثلث کا مطالبہ اور وہ بھی زر کی شکل میں کسانوں کے حق میں ظلم تھا۔ اسکے چند ہی سال میں پنجاب کے حکام مجاز نے اس غلطی کی اصلاح کردی، چنانچہ پنجاب کے محصول اراضی میں تخفیف کردی گئی اور وہ پہلے خام پیداوار کا ایک ربع مقرر کیا گیا تھا بعد کو چھٹا حصہ کردیا گیا۔ اس تدبیر کی دانائی اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ آگے چلکر وہاں کاشت میں اضافہ ہوا محاصل میں بیشی اور حقیقی جمع بھی توفیر ہوئی ۱۸۵۶ء سے لیکر ۱۸۵۷ء تک اور ۱۸۵۷ء سے لیکر ۱۸۵۸ء تک کے اعداد ذیل سے بمقابل ان اعداد کے جو اوپر درج ہیں محاصل کی بیشی اور جمع کی اطمینان بخش حالت ظاہر ہوتی ہے:

سنہ عیسوی	مطالبہ	جمع
۱۸۵۶-۱۸۵۷	۱۴۸۵۰۰۰ پونڈ	۱۴۵۲۰۰۰ پونڈ
۱۸۵۷-۱۸۵۸	۱۴۶۵۰۰۰ ؍؍	۱۴۵۲۰۰۰ ؍؍

پنجاب کے الحاق کے بعد ہی بندوبست اراضی باضابطہ طور پر شروع کردیا گیا تھا مگر وہ ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ہی برخاست کردیگئی لاہور اور امرتسر کے اضلاع میں ۱۸۶۰ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان جو بندوبست اختتام کو پہنچا تھا اسکی رو سے پیداوار کا چھٹا حصہ حق سرکار معین ہوا تھا اور قواعد مابعد کی رو سے جو ۱۸۷۰ء کے قانون مالگزاری کے حسب منشاء منضبط کیے گئے تھے مطالبہ مالگزاری معمولی غیر دخیل کار آسامیوں کے حقیقی لگان کا (جو سالہائے اوسط میں ان کو ملتا تھا) نصف کردیا گیا تھا۔

یہانتک تو ہم نے یکے بعد دیگرے شمالی ہند، بمبئی، مدراس اور پنجاب کے حالات بیان کردئیے ہیں اب ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظم ونسق مالگزاری کے آخری نتائج پر ایک عام نظر ڈالنی مقصود ہو تو ۱۸۵۸ء میں "انڈیا ہوز" دفتر وزیر ہند سے جو کیفیت بازیافت پیش ہوئی ہے اسکو پڑھئے کیونکہ اس سے بہتر مواد کہیں نہیں ملسکتا۔ اس کیفیت پر جان اسٹوارٹ مل کے دستخط ہیں جو اس وقت محکمہ وزیر ہند میں تنقیح مراسلات کی خدمت انجام دیرہا تھا اگرچہ یہ کیفیت اسکے عملے کی تیار کی ہوئی ہے لیکن اس میں عبارت کی فلسفیانہ طرز مواد کی صحت اور ترتیب اسی کے قلم کی معلوم ہوتی ہے۔ ذیل میں اسکے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:-

ہندوستان کے نظام اراضی پر جان سٹوارٹ مل کے خیالات

بنگالہ۔ ”بنگالے کے صوبہ جات جنوبی میں سالانہ ایک دوامی مقررہ محصول ادا کرنے پر زمیندار اپنی اراضی پر قبضہ رکھنے کے مجاز ہیں اور سنہ ۱۸۴۵ء کے قانون اوّل کی رو سے اگر یہ محصول ادا نہ ہو تو ان کی جاگیریں نیلام کر دی جاسکتی ہیں۔ سرکار کے زیر قبضہ جو کچھ بھی زمین ہے وہ انھیں جاگیروں کی ہے جن کو سرکار نے نیلام میں خرید لیا تھا۔ یہاں کے محصولِ اراضی کی شرح معلوم نہیں مگر یہ باور کیا جاتا ہے کہ یہ محصول اوسطاً لگان کا نصف ہوتا ہے۔“

شمالی ہند۔ ”اوّل ملک کے تمام آباد خطوں کو محال میں تقسیم کر دیا گیا ہے جن کی حد بندی بھی کر دی گئی ہے۔ ہر محال پر بہ حیثیت مجموعی بیس۲ یا تیس۳ سال کی میعاد کے لئے محصول اراضی لگا دیا جاتا ہے جس میں اراضی کی کل خالص پیداوار کے علاوہ ایک واجبی اندازے سے منافع میں معقول بچت کی گنجائش چھوڑ دی جاتی ہے اور مالگزاری کی اس رقم کے بروقت ادا ہونے تک تمام اراضی سرکار میں ایک صورت سے مکفول سمجھی جاتی ہے۔

”دوم۔ منافع کی اس بچت کے مستحق کون ہیں کون نہیں اس کی کامل تحقیق کر لی جاتی ہے مستحقین کا یوں تعین کر لینے کے بعد ان کے اس حق کو قابلِ انتقال اور قابلِ توریث قرار دیا جاتا ہے کیونکہ اس طرح کے حقداروں کو مالکانِ اراضی سمجھا جاتا ہے اور سرکار نے محال پر جو کچھ سالانہ محصول لگا دیا ہے وہ بھی انھیں سے وصول کیا جاتا ہے۔

”سوم۔ محال کے مالکانِ اراضی مجموعاً اور منفرداً اپنی ذات اور املاک سے سرکار کی مقررہ مالگزاری ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ جب ایک سے زیادہ محال کے مالک ہوں تو کس قاعدے کے تحت ان میں تقسیم منافع اور تلافیٔ نقصان ہو اس کا

تعین کرلیا جاتا ہے۔ اگر مالکان اراضی بے شمار ہوں تو ان میں سے چند سربرآوردہ اشخاص کے ساتھ قرارداد رقم کرلیا جاتا ہے اور یہ اشخاص اپنی جانب سے اور باقی لوگوں کے نمایندوں کی حیثیت سے محال کا کل انتظام اور مقررہ محصول ادا کرنے کی تمام ذمہ داری اپنے اوپر قبول کرلیتے ہیں۔

"پہلے پہل اراضی کا دارومدار محال کی خالص پیداوار کے دو ثلث تک محدود تھا لیکن پہلے بندوبست کی تیس سالہ میعاد کے ختم پر اس شرح پر نظر ثانی کے بعد مطالبۂ سرکار اوسط خالص اثاثے کے نصف حصے تک محدود کر دینے کا تہیہ کرلیا گیا۔"

مدراس "مدراس میں مالگزاری کے جو نظام رائج العمل ہیں وہ زمینداری" "موضع مشترکہ کرایہ پر دینا" "رعیت واری" اور "یولنگو" کہلاتے ہیں۔"

"زمینداری حقیقت اراضی زیادہ تر شمالی سرکار میں پھیلی ہوئی ہے اگرچہ دوسرے اضلاع مثلاً مدورا۔ نلور۔ شمالی ارکاٹ وغیرہ میں بھی زمینداروں کی بڑی بڑی جاگیریں موجود ہیں۔"

"موضع کرایہ پر دینے کے نظام میں موضع والوں کی حیثیت بعینہٖ زمینداروں کی ہے اور یہ لوگ سرکار سے موضع پر مشترکہ قبضہ حاصل کرتے ہیں۔ کل موضع یا تو تمام جماعت کو یا اس کے کچھ حصے کو ایک مدت مقررہ کے لیے کرایہ پر دیدیا جاتا ہے اور یہ لوگ براہ راست سرکار کو مالگزاری ادا کرتے ہیں۔ بلا مداخلت غیرے اپنے معاملات کا آپ سرانجام کرتے ہیں اور کاشت کے لئے آپس ہی میں اراضی تقسیم کرلیتے ہیں۔"

"رعیت واری نظام میں ہر قابض زمین جس کا نام دیہی بہی میں درج ہوتا ہے۔ زمین کا مالک تسلیم کرلیا جاتا ہے اور وہ سرکار کو براہ راست مالگزاری ادا کرتا ہے اور اس بات کا مجاز ہے کہ چاہے وہ اپنی ملکیت پر شکمیداری قائم کرے چاہے وہ اپنا حق ملکیت عطیہ۔ فروخت اور کفالت کی شکل میں کسی اور پر منتقل کردے جب تک وہ مالگزاری کی مقررہ رقم سرکار کو ادا کرتا رہے

اس وقت تک اراضی مقبوضہ سے اس کو بے دخل نہیں کیا جا سکتا اور ہر سال اس کو اس بات کا اختیار رہتا ہے کہ اپنی مقبوضہ اراضی کو وہ کم کر دے یا اس میں اضافہ کر لے یا اس سے بالکل ہی دست بردار ہو جائے۔ خرابی ہنگام پر اگر پوری پیداوار یا اس کے کچھ حصے کا نقصان ہو جائے تو اس پر مالگزاری معاف کر دی جاتی ہے۔ تشخیص مالگزاری نقدی میں کی جاتی ہے اور سال بسال رقم میں کمی و بیشی نہیں کی جاتی الا ان حالات کے جہاں یا فی سرکاری ذرائع آبپاشی سے خشکی کی اراضی کو تری کی اراضی بنائے یا زمین کو دو فصلہ کرنے کے لئے لیا جاتا ہو جس پر پن کی مزید رقم سرکار کو ادا کرنی ہوتی ہے۔ رعیت بمصارف خود کوئی اصلاح کرے تو اس کے لحاظ سے رقم مالگزاری میں اضافہ نہیں کیا جاتا۔ اس نظام کے تحت ایک سیدھے سادھے مکمل استحقاق کی بنا پر رعیت ہی مالک اراضی متصور ہوتی ہے اور دوامی پٹے کی ذمہ داریوں کے بغیر دوامی پٹے کے تمام فائدے اس کو حاصل ہوتے ہیں یعنے ہر شخص جب چاہے وہ اپنی اراضی سے دست بردار ہو سکتا ہے۔ مگر جب تک اپنے ذمے کی رقم وہ ادا کرتا رہے زمین سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ موسمی مشکلات و حوادث در پیش ہوں تو تقاوی لے سکتا ہے مگر اپنے ہمسایوں کی واجب الادا رقوم کا وہ ذمہ دار نہیں

...... رعیت واری نظام میں سالانہ تشخیص مالگزاری کے متعلق اکثر غلط فہمی ہوتی ہے اور اس باب میں یہ توضیح کر دینی مناسب ہے کہ سالانہ تشخیص مالگزاری اس لئے ضروری ہے کہ سال بہ سال رقبۂ کاشت بڑھانے اور گھٹانے کا حق رعیت کو حاصل ہے۔ اور اس تشخیص رقم کا یہ مقصد نہیں کہ از سر نو محصول اراضی لگایا جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ اس کے زیر قبضہ زمین پر سابقہ مجموعی رقم مالگزاری کا کتنا حصہ اب واجب الادا نکلتا ہے وہ مقرر کر دیا جائے۔ ایسی حالت میں جبکہ رعیت کی مقبوضہ اراضی میں کمی و بیشی نہیں ہوتی پٹے کی تجدید نہیں کی جاتی اور نہ سالانہ بندوبست سے ان کو کچھ سروکار ہوتا ہے اور نہ بندوبست کے وقت ان کے حاضر رہنے کی ضرورت ہے۔

"اراضی کرایہ پر دینے کا نظام جو یلنگو کہلاتا ہے وہ تنجور اور ترناولی میں

پایا جاتا ہے مگر وہاں بھی یہ عام نہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ مطالبۂ سرکار غلّے کے رائج الوقت نرخ پر منحصر ہوتا ہے۔ اس نظام کی ترویج کے وقت ہر موضع پر لگان اجناس کی شکل میں معیّن کر دیا گیا تھا اور محصول کی شرح کا ایک معیار بھی مقرر کر دیا گیا تھا جس کے موافق غلّے کے مطالبے کو زر کی شکل میں بدل دیا جاتا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی قرارداد ہوئی تھی کہ اگر کسی سال بازار کا بھاؤ مبادلۂ زر کے مقررہ معیار نرخ سے ۱۰ فیصدی زیادہ ہو جائے یا ۵ فیصدی گر جائے تو بجائے رعیت کے سرکار ہی یہ نفع یا نقصان اٹھائے گی۔ اس نظام میں خوبی یہ تھی کہ عام قیمتوں کی بیشی کے فائدے ہیں سرکار بھی رعیت کی شریک ہو جاتی ہے اور عام قیمتوں کی کمی کے نقصان سے رعیت بالکل محفوظ رہتی ہے مگر اس نظام میں یہ نقص تھا کہ سال بھر بازار کا روزمرہ بھاؤ صحیح صحیح معلوم ہونا ضروری تھا جو بہت ہی مشکل ہے"

بمبئی "صوبہ بمبئی کا انتظام مالگزاری عام اصطلاح میں رعیت واری کہا جا سکتا ہے اور اس منشا میں کہ عام طور پر سرکاری اراضی[1] پر جو اشخاص قابض ہوتے ہیں وہ کسی درمیانی شخص کے توسط کے بغیر سرکاری عہدہ داروں ہی سے براہ راست اپنی مالگزاری یا لگان کا تعین کر لیتے ہیں۔ مگر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس صوبے میں ایسی بھی مثالیں اکثر ملیں گی جہاں تمام موضع کی مالگزاری کا تعین سربرآوردہ قابضان اراضی ہی سے جن کے مختلف نام ہوتے تھے انفرادی یا مشترکہ طور پر کر لیا جاتا تھا"

"اس صوبے کے اس سرے سے اس سرے تک محصول اراضی پر اب نظرثانی کی جا رہی ہے جس سے ہر کھیت پر اس کے درجے کے موافق واجب الادا رقم مقرر کر دی جاتی ہے اور اس رقم کی مقدار میں تیس(۳۰) سالہ میعاد تک کوئی کمی و بیشی نہیں کی جا سکتی۔

---

[1] - ایسی اراضی کو "سرکاری اراضی" کہنا کچھ حسب حال نہیں ہے۔ بلا شک و شبہہ مدراس کی طرح بمبئی میں بھی قابضان اراضی ہی اراضی کے مالک تھے اور سرکار صرف محصول اراضی کی جو کھیتوں کی خالص پیداوار کا ایک حصہ ہوتا تھا مستحق تھی۔

پنجاب :- "پنجاب میں اراضی کا مالک مطلق اور کاشت کرنے والا عموماً ایک ہی شخص ہوتا ہے گو بعض دفعہ اپنے چند کھیتوں کو وہ اسامیوں ہی کو کیوں نہ دیتا ہو ہاں پر لگان کا مطلق بار نہیں ہوتا البتہ کاشت کے مصارف اور سرکاری مطالبے کی گنجائش اس کو پیدا کرنی پڑتی ہے۔ باقی پیداوار چاہے وہ اپنے خاندان کی ضرورتوں پر صرف کرے چاہے وہ جمع کرتا رہے۔ اس طبقے کے لوگ اپنی شخصیت کو ممیز رکھنے کے باوجود دیہی جماعتوں میں مل جاتے ہیں۔ موضع کی آبادی کے یہ معنی نہیں کہ وہاں رعیت فلاں تعداد میں بستی تو ہے مگر ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ وہاں ایک ہی اجداد کی نسل رہتی ہے گویا یہ ایک بڑی برادری ہے جس کا چودھری ایک ہی شخص ہوتا ہے اور جس کو مشترکہ کاروبار اور باہمی امداد کی ایک مدت سے عادت پڑی ہوی ہے"

"انگریزی سرکار نے پہلے ہی سے یہ تصفیہ کر دیا تھا کہ زر کی شکل میں یہ محصول وصول کیا جائے اور ایک مدت تک اس کی مقدار معین رہے۔ مالک اراضی زمان سرکار سے ایک مدت معینہ کے لئے مالگزاری چکا لیتے ہیں اور اس طرح کے تشخیص لگان چکانے کو اصطلاح میں بندوبست کہتے ہیں۔ مالکان اراضی فرداً فرداً سرکار سے کوئی قرارداد نہیں کرتے بلکہ موضع واری قرارداد کرتے ہیں۔ پھر یہ برادری اپنے چودھری یا نمایندے کے توسط سے فلاں رقم فلاں مدت تک سرکار کو دیتے رہنے کا ذمہ لیتی ہے۔ اس کے بعد لوگ اس رقم کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور ہر شخص کا حصہ مقرر کر دیتے ہیں۔ اگرچہ بہ ظاہر ہر شخص اپنے ہی لئے کاشت کرتا اور صرف اپنی طرف سے رقم دیتا ہے مگر آخر العمل وہ اپنے حصہ داروں کا درحقیقت اسی طرح ذمہ دار ہے جس طرح اس کے حصہ دار اس کے ذمہ دار ہیں اور دونوں کی ذمہ داری مشترکہ ہے۔ اس لیے پنجاب کا نظام نہ تو رعیت داری ہے اور نہ زمینداری بلکہ موضع واری نظام کہلاتا ہے۔ کوہی اقطاع میں اور بعض دفعہ اور جگہ بھی زمینداری نظام اور ملتان کی نواح میں رعیت واری نظام سے ملتا جلتا ایک اور نظام پایا جاتا ہے لیکن موضع داری نظام ہی عام طور پر اور بالخصوص اہم ترین مقامات میں پھیلا ہوا ہے"

خلاصہ ۔ اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ چند لفظوں میں کیا جاتا ہے ۔ بنگالے میں اراضی ایسے مالکوں کے زیر قبضہ تھی جو سرکار کو ایک معینہ اور غیر تغیر پذیر محصول اراضی ادا کرتے تھے ۔ شمالی ہند میں زمین عام طور پر ایسے مالکوں کے قبضے میں تھی جو محصول اراضی ادا تو کرتے تھے مگر ہر جدید بندوبست کے وقت اس رقم پر نظر ثانی کیجاتی تھی ۔ مدراس اور بمبئی میں مالکان اراضی کسان ہی تھے جو سرکار کو مالگزاری ادا کرتے تھے اور یہاں ہر جدید بندوبست پر محصول کی رقم پر بھی نظر ثانی ہوتی تھی ۔ پنجاب میں بھی مالکان اراضی کسان ہی تھے مگر یہ لوگ دیہی جماعتوں کے ارکان ہوتے تھے اور ہر موضع سے اجتماعی طور پر لگان ادا ہوتا تھا جس پر ہر تجدید بندوبست کے ساتھ ہی نظر ثانی کی جاتی تھی ۔

ان مختلف انتظامات کے تحت کم سے کم اصول کی حد تک تو محصول اراضی کی شرح بتدریج یکساں بن گئی تھی چنانچہ بنگالے میں محصول اراضی انیسویں[19] صدی عیسوی کے وسط میں لگان کا نصف تھا ۔ شمالی ہند میں ۱۸۵۵ء کے قواعد سہارنپور کی رو سے وہ لگان کا نصف ہی معین کیا گیا تھا مدراس اور بمبئی میں سر چارلس ووڈ نے ۱۸۶۴ء میں محصول اراضی معاشی لگان کا آدھا مقرر کر دیا تھا اور پنجاب میں سرکاری مطالبے میں یوں تخفیف کر دی گئی تھی کہ اسامی غیر دخیل کا معمولی طور پر جو لگان ادا کرتے تھے اس کا نصف مالگزاری مقرر کر دی گئی تھی ۔

یہ ہے ہندوستان کے محصول اراضی کا اصل اصول یعنے جہاں محصول اراضی دواماً معین نہیں ہے ۔ ہاں حقیقی یا معاشی لگان کے نصف حصے کا بطور مالگزاری مطالبہ کیا جا سکتا ہے ۔

لیکن کبھی اس اصول پر عمل نہیں کیا گیا جیسا آئندہ باب میں بتایا جائے گا ۔ شمالی ہند اور صوبجات متوسط میں جہاں مالگزاری عموماً مالکان اراضی سے وصول کیجاتی ہے حقیقی لگان کے نصف حصے سے بہت زیادہ سرکار وصول کر لیتی ہے ۔ بمبئی اور مدراس میں جہاں مالگزاری عموماً کاشتکاروں ہی سے

براہ راست وصول کی جاتی ہے سرکار کل معاشی لگان خود لے لیتی ہے اور کاشتکاروں کے لئے ان کی محنت کی اجرت سے زیادہ نہیں چھوڑتی ۔

ساتواں باب

خام پیداوار اور مصنوعات

جب سنہ ۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی تجدید ہوئی تو یہ شرط لگا دی گئی کہ آج کی تاریخ سے کمپنی "تمام تجارتی کاروبار موقوف کر دے اور ایسے کاروبار سے آئندہ کے لئے احتراز کرے" نیز زمانۂ مستقبل میں اس کی حیثیت ہندوستان کے محض منتظم مملکت اور حکمراں کی سی رہے۔ اس شرط کو عائد ہوئے بہت زمانہ نہ گزرا تھا کہ اس کے مفید نتائج ظاہر ہونے لگے۔ کمپنی خود جب حریف تجارت نہ رہی تو ہندوستان کے مصنوعات اور پیشوں میں بڑی دلچسپی لینے لگی چنانچہ ۱۱ فروری سنہ ۱۸۴۰ء میں پارلیمنٹ کی خدمت میں عرضی پیش کی کہ وہ تمام حاسدانہ اور کینہ آمیز محصولات اب مسدود کر دیئے جائیں جن سے ہندوستان کے اہل حرفہ کی دل شکنی اور صنعت و حرفت کی کساد بازاری ہو رہی تھی۔

اس عرضی پر رپورٹ پیش کرنے کے لئے دارالعوام نے اپنی ایک مجلس منتخبہ مقرر کی۔ لارڈ سیمور اس مجلس کا صدر نشین تھا اور ایک رکن اس کا گلیڈسٹن بھی تھا جو اس وقت ۳۱ برس کا جوان اور ایسا خاص قدامت پسند واقع ہوا تھا کہ اپنے سیاسی عقیدے کے خلاف وہ کسی کی بھی نہیں سنتا تھا۔ ایک اور شخص براکلہرسٹ نامی جو میکلسفیلڈ کا رکن پارلیمنٹ تھا برطانوی صناعوں کی جانب سے اس مجلس کا رکن مقرر ہوا تھا کیونکہ اس زمانے میں میکلسفیلڈ ریشم کی صنعت کا بہت بڑا مرکز

تھا۔ اثنائے تحقیقات میں ہندوستان کی پیداوار اور مصنوعات پر بہت کچھ قابل قدر شہادت قلمبند کی گئی اور چھ سو صفحے کی کتاب کی شکل میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ مگر ہماری اس کتاب کی مختصر گنجائش کی بناء پر اس شہادت کے وہی حصے یہاں بیان کیے جاسکتے ہیں جو اس کتاب کے موضوع سے خاص طور پر متعلق ہیں۔

جے۔ سی۔ ملول

فوجی مصارف اور مطالبات وطن۔ ملول نے کہا تھا کہ ہندوستان کی شاہی فوج کے مصارف جن کو کمپنی ادا کرتی تھی ۱۲۰۰۰۰۰ پونڈ تھے اور کمپنی نے یہ بھی قبول کر لیا تھا کہ ہندوستان میں ۲۰۰۰۰ کی فوج ہمیشہ قائم رکھنے کے جو مزید اخراجات ہوں گے وہ بھی ادا کر دئے جائینگے۔ ہندوستان کے محاصل سے سالانہ جو اوسط رقم انگلستان میں خرچ ہوتی تھی وہ ۳۲۰۰۰۰۰ پونڈ تھی اور اس میں کمپنی کے حصہ داروں کا مقسوم سرکاری قرضے کا سود۔ ملازمین سرکار کے ایام رخصت کی تنخواہ۔ وظائف پیرانہ سالی وغیرہ۔ مجلس نظم اور مجلس نظماء کے مصارف اور ان دونوں کے عملے کا خرچ بھی شامل تھا۔

افیون۔ افیون انگریزی عملداری کے علاوہ بنارس۔ پٹنہ اور مالوے کی دیسی ریاستوں میں بھی بنتی تھی۔ بنارس اور پٹنے کی افیون کا اجارہ کمپنی کو حاصل تھا اور حکومت بنگالہ کو اس اجارے سے بڑی آمدنی تھی کیونکہ ۲۰۰ فی صدی سے زیادہ منافع پر یہ افیون بکتی تھی۔ مالوے کی افیون بیرون ملک برآمد کرنے کے لئے جب انگریزی عملداری میں بھیجی جاتی تھی تو اس کے ہر صندوق پر ۱۲ پونڈ محصول راہداری ادا کیا جاتا تھا اور اس محصول سے حکومت بمبئی کو معتدبہ آمدنی ہوتی تھی۔ چین میں ان دونوں قسم کی افیون کو ملا کر کینٹن کی منڈی میں فروخت کیا جاتا تھا۔

نمک۔ کمپنی کی عملداری میں جو نمک بنتا تھا اس سے اور دیسی ریاستوں سے جو نمک بنکر انگریزی عملداری میں آتا تھا اس پر سنگین محصول ہونے سے سرکار کو

بہت بڑی آمدنی ہوتی تھی۔ کمپنی کو افیون کی طرح نمک کا اجارہ بھی حاصل تھا۔

شکر۔ ۱۸۳۶ء میں پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا جس کی رو سے ہندوستان کی شکر پر جزائر غرب الہند کی شکر کے برابر محصول یعنے ہر ہنڈرڈ ویٹ (چھپن سیر) پر ۲۴ شلنگ محصول ادا کرنے پر اس کو انگلستان لانے کی اجازت تھی قانونی اصول یہ تھا کہ اگر اس مقام میں جہاں سے یہ شکر آتی تھی اس کی درآمد ممنوع قرار دی گئی تھی تو اس صورت میں یہ شکر انگلستان لائی جا سکتی تھی گورنر جنرل ہند نے بنگالہ میں اس کی درآمد ممنوع قرار دی تھی اس لئے بنگالے کی شکر فی ہنڈرڈ ویٹ (چھپن سیر) ۲۴ شلنگ محصول ادا کرکے یہ انگلستان لائی جا سکتی تھی اس کی مقدار ۱۸۳۵ء میں جو ۱۰۰۰۰۰ ہنڈرڈ ویٹ تھی وہ بڑھکر ۱۸۳۹ء میں ۵۱۹۰۰۰ ہنڈرڈ ویٹ ہوگئی تھی۔ گورنر جنرل ہند نے ۱۸۳۹ء میں ایک قانون منظور کیا تھا جس کی رو سے مدراس میں شکر کی درآمد ممنوع قرار دی گئی تھی۔ اس کے بعد مدراس کو بھی بنگالہ کی طرح مراعات ملنے والے تھے مگر کچھ دنوں اور بمبئی کو ان مراعات کے حاصل ہونے کی توقع نہ تھی۔

رم شراب۔ انگلستان میں ہندوستانی رم شراب کی درآمد پر ۱۵ شلنگ فی گیلن محصول تھا درانحالیکہ جزائر غرب الہند کی رم پر جو اس سے زیادہ تیز تھی صرف ۹ شلنگ فی گیلن محصول تھا۔

تمباکو۔ انگلستان میں ہندوستانی تمباکو کی درآمد پر فی پونڈ وزنی ۳ شلنگ محصول تھا درانحالیکہ جزائر غرب الہند کے تمباکو پر فی پونڈ وزنی ۱ ۲ شلنگ ۹ پنس محصول تھا۔ ہندوستان کے لئے یہ تفاوت محصول موجب سختی تھا اس لیے یہ باور کیا جاتا تھا کہ اگر یہ محصول دونوں جگہ کے تمباکو پر مساوی المقدار کر دیا جائے تو اس سے ہندوستانی تمباکو کے استعمال میں بہت کچھ افزونی ہوجائے گی۔

قہوہ۔ ۱۸۳۵ء میں ہندوستانی قہوے پر وہی محصول یعنے فی پونڈ وزنی ۶ پنس لگا دیا گیا جو جزائر غرب الہند کے قہوے پر تھا جس کا نتیجہ ہوا کہ انگلستان میں ہندوستانی قہوے کے صرف میں بہت بیشی ہوگئی۔

سوتی۔ ریشمی۔ اور اونی پارچے برطانیہ کے ساختہ سوتی اور ریشمی مال پر جو برطانوی جہازوں پر لد کر ہندوستان آتا تھا ½۳ فی صدی اور اونی پارچوں پر صرف ۲ فی صدی محصول تھا حالانکہ ہندوستان کے سوتی مال پر جو انگلستان میں درآمد ہوتا تھا ۱۰ فی صدی اور ریشمی پارچوں پر ۲۰ فی صدی اور اونی مال پر ۳۰ فی صدی محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔

جتنی جتنی ہندوستان کے سوتی کپڑوں کی درآمد انگلستان میں کم ہوتی گئی حتیٰ کہ وہ رہی ہی نہیں اتنا اتنا خام روئی کی درآمد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس پنج سالہ میعاد میں جو ۱۸۱۳ء میں ختم ہوئی تھی انگلستان میں ہندوستانی خام روئی کی سالانہ درآمد اوسطاً ۹۳۶۰۰۰۰ پونڈ (وزنی) تھی مگر اس پنج سالہ مدت میں جو ۱۸۳۲ء میں ختم ہوئی تھی سالانہ اوسط درآمد ۳۲۹۶۶۰۴۰ پونڈ (وزنی) ہو گئی تھی۔

مِلول سے جب یہ سوال کیا گیا کہ "کیا دیسی مصنوعات کی جگہ برطانوی مصنوعات نے لے لی ہے؟" تو اس نے جواب دیا تھا کہ "ہاں! بہت زیادہ۔"

"کتنی مدت سے؟"

"میرے خیال میں زیادہ تر ۱۸۱۴ء سے"

"کیا ہندوستانی مصنوعات کے بجائے برطانوی مصنوعات نے ہندوستان میں ایسا گھر کر لیا ہے کہ اب ہندوستان ان چیزوں کے لئے برطانوی صنعت ہی کا محتاج ہے؟"

"میرا تو خیال یہی ہے"

"دیسی صناعوں کی روزی چلی جانے سے کیا اس نقصان عظیم کی تلافی خام پیداوار کی بیشی سے جو مایحتاج زندگی میں سب سے اول ہے کچھ ہوئی ہے؟"

"جب سے ہندوستانی پارچوں کی برآمد موقوف ہو گئی ہے اس وقت سے ہندوستان سے خام روئی کی برآمد میں بیشی ہوتی رہی ہے لیکن میں یہ نہیں کہہ

کہہ سکتا کہ یہ کس قدر ہوئی"۔

"کیا ہندوستانیوں کو مثلاً جولاہوں کو ان کا روزگار چلے جانے کے بعد دوسرے مشاغل سے روزی کمانے کی وہی سہولت حاصل ہے جو اس ملک کے باشندوں کو ہے یا خاص خاص پیشے خاص خاص قوموں ہی سے مخصوص ہیں؟

"میری دانست میں تو خاص خاص پیشے خاص خاص قوموں ہی سے مخصوص ہیں اس اب تو کچھ شک نہیں کہ برطانوی صنعت گروں کی مداخلت ہی سب سے پہلے ہندوستان کے صناعوں پر مصیبت لانے کا باعث ہوئی"۔

چائے سنہ ۱۸۲۶ء ہی میں مجلس نظماء کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ چائے کا پودا صرف ہندوستان میں ہوتا ہے لیکن اس وقت اس کی کاشت کو ترقی دینے کی کوشش ہی نہیں کی گئی سنہ ۱۸۳۵ء میں لارڈ ولیم بنٹنک نے مجلس کی اطلاع میں یہ بات لائی تھی کہ چائے کا پودا آسام میں بھی ہوتا ہے اور ہندوستان کے دیگر مقامات میں بھی اس کا نشوونما ممکن ہے اس پر مجلس نے تجربتاً چائے کی کاشت کرنے کے لیے ایک عملے کی منظوری دی تھی حال میں آسام کی چائے کے بیانوے صندوق جن کا مجموعی وزن تقریباً ۲۰۰۰ سیر تھا لندن پہنچے تھے اور یہ چائے بہت اچھی ثابت ہوئی تھی۔ اس کے لیے کئی لوگوں نے مل کر اپنی ایک کمپنی قائم کی تھی۔ اور مجلس نظماء سے چائے کی کاشت کی اجازت حاصل کرنے کے لئے درخواست دی تھی جس کو مجلس نظماء نے کارروائی کے لئے حکومت ہند کے پاس بھیج دیا تھا۔ اس کے بعد سنہ ۱۸۴۰ء سے آسام میں خانگی سرمائے سے چائے کی کاشت شروع کر دی گئی۔

اینڈریو سم

اس شخص کو کمپنی نے ہندوستان میں تقریباً ۶۰۰۰ ایکڑ اراضی عطا کی تھی۔ اس لئے اس نے زیادہ تر گنّے کی کاشت اور شکر سازی کے متعلق شہادت دی ہے۔ کاشتکار اپنے کھیتوں کے گنّوں کا رس نکال کر ابالتے اور اس سے گڑ بنا کر کارخانوں کو بیچ دیتے تھے۔ وہاں مشینوں سے اس کی اس طرح شکر

بنائی جاتی تھی کہ گڑ کو ابال کر اس کا شیرہ بنالیا جاتا تھا جس کے بعد اس کا پانی اتنا خشک کر دیا جاتا تھا کہ صرف شکر رہ جاتی تھی۔

برطانوی مصنوعات مثلاً ملبوسات۔ اوزار و آلات۔ کانچ کا سامان اور پیتلی ظروف وغیرہ کے رواج سے ہندوستانی اہل حرفہ کی روزی چلی گئی تھی اس کے متعلق اس گواہ نے بہت کچھ بیان کیا تھا۔ ہندوستان کے لوگ جب اپنے پیشوں سے محروم ہو گئے تو "زیادہ تر زراعت" کے کاموں میں روزی کمانے لگے۔

سی۔ ای۔ ٹریولین

ایک اور اہم گواہ سر چارلس ٹریولین تھا جس نے لارڈ ولیم بنٹنک کے تحت ہندوستان میں ممتاز خدمات انجام دیے تھے اور اس کے بعد انگلستان میں خزانۂ عامرہ کا مددگار معتمد بن گیا تھا۔

جس زمانے میں ٹریولین ہندوستان میں تھا اس نے جس طرح ان تمام محصولات راہداری کے مسدود کرنے میں مدد دی تھی جو لوگوں کے لئے موجب زحمت اور اندرونی تجارت کے سنگ راہ تھے اسی طرح مجلس منتخبہ کے سامنے اپنی شہادت میں انگلستان میں مال کی درآمد پر ان غیر مساوی اور امتناعی محصولات کے اٹھا دینے کی پرزور تائید کی جن کی بناء پر ہندوستان کے مصنوعات انگلستان نہیں لائے جاتے تھے۔

برٹش انڈیا کی آبادی۔ عام طور پر بنگالے کی آبادی کا ۲ کروڑ ۷۰ لاکھ تخمینہ کیا جاتا تھا۔ انگریزوں کے عہد حکومت میں شمالی ہند کی آبادی کا بھی ۳ کروڑ اندازہ

ا؎ اس کے بعد ۱۸۵۹ء عیسوی میں وہ مدراس کے گورنر کی حیثیت سے ہندوستان آیا لیکن جدید محصولات پر اعتراض کرنے کی بنا پر ۱۸۶۰ء میں اس کو واپس طلب کر لیا گیا۔ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۵ء عیسوی تک وہ لارڈ ایلگن اور لارڈ لارنس کے تحت ہندوستان کا وزیر مال رہا۔ اس کی شادی مکالے کی بہن سے ہوئی تھی اور اسی کے لڑکے نے لارڈ مکالے کی سوانح عمری لکھی ہے۔

تھا۔ مدراس کی آبادی کا تقریباً ایک کروڑ چالیس لاکھ اور بمبئی کی آبادی کا تیس لاکھ تھا۔ اس حساب سے برطانوی ہند کی جملہ آبادی سات کروڑ ستر لاکھ ہوتی تھی۔ محنت کی معمولی روزانہ اجرت دو آنے یا تین پیس تھی۔ بنگالے میں مالکانِ اراضی کاشت کے لئے اپنی زمینیں کسانوں کو دیتے تھے جو مالکان اراضی کے اسامی کہے جاتے تھے۔ "ہندوستان کی زراعت کا اصل اصول یہ ہے کہ جب تک قابض زمین اپنے مقامی رواج کے موافق لگان ادا کرتا رہے اس وقت تک اس کو قبضے سے بے دخل نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن ہمیشہ اس قاعدے کی خلاف ورزی ہوتی رہی ہے۔" ہندوستان میں یورپی اشخاص کے قبضے میں اراضی نہ دینے کے متعلق جو امتناعی احکام تھے وہ سب منسوخ کر دیے گئے اور توقع کی جاتی تھی کہ یورپی اشخاص اراضی خریدنے کے بعد ہندوستان میں بود و باش اختیار کرنے لگیں گے۔ "لیکن اس میں ناامیدی ہوئی۔ ہندوستان کی آب و ہوا کچھ ان کے موافق نہیں ہے اور وہیں مدت العمر گزارنا ان کا مطمح نظر بھی نہیں۔"

شکر اور رم شراب — اگر رم شراب پر محصول مساوی نہ کر دیا جائے تو پھر صرف شکر پر محصول کا مساوی کر دینا بے سود تھا۔ ایک ہی چیز کی حد تک مساوات ملحوظ رکھنا بڑی مضحکہ خیز بات تھی کیونکہ مساوات قائم کرنے کی غرض سے ہونا تو یہ چاہئے کہ شکر سے جتنی چیزیں بنتی ہیں ان سب پر محصول مساوی کر دیا جائے۔"

رم شراب پر غیر مساوی محصول ہونے سے نہ صرف شکر اور رم بنانے والوں کا نقصان ہوتا تھا بلکہ ہندوستانیوں کے دلوں میں یہ برا خیال پیدا ہوتا تھا کہ ان کے اغراض کو دوسرے ممالک کے اغراض پر جو ہندوستان سے زیادہ مورد الطاف ہیں قربان کر دیا جاتا ہے۔

کاشتکاروں کی بے اطمینانی ۔ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ دیسیوں میں بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے تو اس سے کیا یہ مطلب نکالنا درست ہے کہ یہ بے اطمینانی کاشتکاروں کے طبقے یا عام آبادی میں پھیلی ہوئی نہیں ہے بلکہ صرف ان لوگوں میں جن کو تاجروں کے طبقے سے تعلق ہے۔

مسٹر ٹریویلین:۔ میرا منشاء بالخصوص انہیں لوگوں سے ہے جن کا تاجروں کے طبقے سے تعلق ہے اور تعلیم یافتہ بنگالیوں سے بھی جنہیں ہندوستان اور انگلستان کے باہمی تعلقات کا کچھ نہ کچھ حال معلوم ہے اور انہیں لوگوں کو در اصل اس کی شکایت بھی ہے یوں تو دیسیوں کو اور باتوں کی شکایت بھی ہے مگر یہ مزید علیہ ہے۔ اس قسم کی شکایتیں باخبر لوگوں ہی سے عوام الناس میں پھیلتی ہیں مگر باخبر لوگوں کی طرح عوام الناس ان کے اصل وجوہ سے واقف نہیں ہوتے۔

دوسرے امور کے متعلق اس گواہ نے بیان کیا کہ بنگالے کی شکر جس کے پیے گنگا کی وادی میں گنے بوئے جاتے تھے اندرون ملک ہی زیادہ تر صرف ہوتی تھی مثلاً بنگالے کی ۲ کروڑ آبادی شمالی ہند کی ۲ کروڑ اور اس کے سوا دوسرے مقامات کی ۴ کروڑ آبادی سب یہی شکر استعمال کرتی تھی۔ اس گواہ کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وسط ایشیا کی منڈیوں میں اس زمانے تک بنگالہ کی شکر ہی کی کلیتاً مانگ تھی جب تک کہ چقندر سے بنائی ہوئی روسی شکر وہاں نہیں آئی تھی۔

سوتی مال تجارت:۔ "ہندوستان کے سوتی مصنوعات کی جگہ انگریزی مصنوعات نے غصب کر لی تھی۔ ریشم کی طرح نرم خاص قسم کی روئی جو پہلے بنگالے میں ہوتی تھی اور جس سے ڈھاکے کی مشہور مہین ململیں بنتی تھیں وہ اب کہیں نظر نہیں آتی۔ شہر ڈھاکہ کی آبادی ڈیڑھ لاکھ سے گھٹ کر اب تیس۳ یا چالیس ہزار رہ گئی ہے اور اس پر بھی ایک طرف ملیریا بخار کے زہریلے اثرات سے اور دوسری طرف شہر میں جنگل پھیل جانے سے روز بروز ویرانی بڑھ رہی ہے۔ ہندوستان میں صرف موٹے موٹے سوتی کپڑے ہی جو تجارتی مقابلے کی تاب لا سکتے ہیں رائج ہیں ورنہ انگریزی سوتی کپڑے تو ملک میں اس سرے سے اس سرے تک انتہائی مفلس و نادار لوگوں کے سوا سبھی کے زیر تصرف ہیں .... ڈھاکہ جو کسی زمانے میں ہندوستان کا مینچسٹر اور نہایت خوش حال شہر تھا اب نہایت ہی محدود و مختصر رہ گیا ہے کیونکہ در حقیقت اس شہر کو بہت کچھ مصیبتیں اٹھانی پڑی تھیں"۔

چائے:۔ آسام میں پہلے پہل سرکار نے تجربتاً چائے کی کاشت کی تھی مگر اس کے بعد نئی آسام کمپنی نے اس کاشت کو شروع کر دیا۔ مقامی مزدوروں کا قحط تھا اس

لئے کمپنی دور کے مقامات سے پہاڑی مزدوروں کو بات ٹھہرا کر چائے کے باغات میں کام کرنے کے لئے آسام لاتی تھی۔ اس گواہ کی دانست میں اس قسم کے اقرارنامے سہ سالہ میعاد کے لئے کیے جاتے تھے لیکن اس کو اس بارے میں صحیح صحیح علم نہ تھا۔

نیل۔ پہاڑی مزدور ہر سال بنگالے کے نخلستان نیل کے پاس نیل سازی کا کام کرنے جاتے تھے جیسے "آئرلینڈ کے باشندے فصل کا کام کرنے کے لئے اس ملک (برطانیہ) میں آتے ہیں"۔ یہ مزدور اہل وعیال اپنے ساتھ نہیں لاتے تھے بلکہ نیل کے ہنگام کے ختم پر گھروں کو واپس ہو جاتے تھے۔

بھاپ سے چلنے والے دریائی جہاز:۔ بھاپ سے چلنے والے جہاز کشتیاں وغیرہ سب ایسٹ انڈیا کمپنی ہی کے زیر انتظام و قبضہ تھے بہت چھوٹے چھوٹے بھاپ سے چلنے والے جہاز جو دو فٹ سے زیادہ گہرا پانی نہیں کھینچتے تھے کام میں لائے جاتے تھے۔ دریائے ہوگلی میں جہازوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاپ کے ذریعہ سے کھینچتے لیجانے کے لئے ایک شراکت (اسٹیم ٹگ کمپنی) بھی تھی جو خوب مقسوم پیدا کرتی تھی۔

سڑکیں۔ شاہراہوں کے سوا دوسری سڑکوں کی شاذ ہی مرمت ہوتی تھی۔ لیکن بارش کے موسم کے سوا بیل کی گاڑیوں کے لئے جو خاص مضبوط بنائی جاتی تھیں۔ یہ سڑکیں شاذ ہی ناقابل گزر ہوتی تھیں۔

خام پیداوار۔ مسٹر ٹریولین نے یہ سفارش کی تھی کہ انگلستان کی منڈیوں میں ہندوستان کی خام پیداوار پر کسی قسم کا غیر مساوی محصول نہیں ہونا چاہیے "ہم نے ان (ہندوستانیوں کے) مصنوعات کو بالکل میٹ دیا ہے۔ اور اب ان کے پاس ان کے ملک کی خام پیداوار کے سوا رہا ہی کیا ہے جس پر ان کے گزر اوقات کا انحصار ہے اس لئے میرے خیال میں یہ انتہائی ناانصافی ہوگی اگر ہم اپنے ملک کی منڈیوں میں ان کی خام پیداوار کو مساوی مراعات دینے سے دریغ کریں"۔

ہنری گوجر

ہنری گوجر ایک تاجر تھا جس نے کئی سال اپنی زندگی کے ہندوستان میں کاٹے تھے اور کلکتے کے نواح میں اس کے کئی کارخانے بھی تھے جس میں سوتی دھاگا بنتا تھا۔ رم شراب اترتی تھی۔ قسم قسم کے بیجوں سے روغن کشید ہوتا تھا۔ دھات کا سامان ڈھلتا اور کاغذ بنتا تھا۔ اس لئے اس کی شہادت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

سوتی دھاگا۔ سالانہ . . . . . . ۷ پونڈ وزن کا دھاگا کاتا جاتا تھا جو ۲۰ نمبر سے لے کر ۵۰ نمبر تک باریک ہوتا تھا۔ ہندوستان کا سوت ہی احتیاط سے جن بینے کے بعد اس کام میں لایا جاتا تھا اور یوروپی اشخاص کی نگرانی میں ہندوستانی مزدور مشینوں پر کام کرتے تھے۔ یہاں (تکلو) کرگھے تھے جو بھاپ سے چلتے تھے لیکن دھاگا بنانے ہی میں بھاپ کی تمام قوت صرف کرنے کی غرض سے کیونکہ دھاگے میں منافع زیادہ ملتا تھا ان کارگاہوں سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ کم نمبر کے موٹے موٹے دھاگے انگریزی دھاگے سے زیادہ اور بڑے نمبر کے باریک دھاگے کے برابر بکتے تھے لیکن بہ حیثیت مجموعی اس کاروبار میں منافع اس کی کثیر لاگت کے تناسب نہ تھا۔ اس گواہ نے کہا تھا کہ "میں تو نہیں سمجھتا کہ یہاں سوت کاتنے کا کوئی اور کارخانہ کبھی قائم ہوگا کیونکہ خود موجودہ کارخانے کی تعمیر میں اس قدر مصارف ہوئے ہیں کہ اب کسی کی ہمت نہیں بڑھتی!!"

کوئیلا۔ یہ گواہ اپنی بردوان کی کان کا کوئیلا استعمال کرتا تھا۔ کلکتے میں کوئیلا ۱۶ شلنگ فی ٹن کے حساب سے بکتا تھا۔ مگر یہ انگریزی کوئیلے کے برابر اچھا نہ تھا۔ پھر بھی سستا ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں عام طور پر بھاپ سے چلنے والے جہازوں میں صرف ہوتا تھا۔ کلکتے میں بردوان کے کوئیلے کی لاگت فی ٹن ۱۲ یا ۱۳ شلنگ تھی اور نیوکاسل کے کوئیلے کی قیمت فی ٹن ۲۵ شلنگ تھی۔

شکر۔ گنے کی کاشت کرنے والے گنوں کا رس اُبال کر گڑ بناتے تھے اور شکر بنانے کے لئے کارخانوں کو بیچ دیتے تھے۔ بنارس کی باریک شکر ۱۱ یا ۱۲ روپئے (۲۴ شلنگ) کو ۸۰ پونڈ (وزنی) بکتی تھی۔ محصولات کی شرح یکساں

کرنے سے پہلے اس کی قیمت کم تھی۔ انگلستان کو جو شکر جاتی تھی وہ جہاز پر ایک اٹل بوجھ متصور ہوتی تھی اور فی ٹن ساڑھے دس پونڈ کرایہ اس پر دینا پڑتا تھا۔

رم شراب جزائر غرب الہند کی رم شراب جب انگلستان میں درآمد ہوتی تھی تو اس پر فی گیلن ۹ شلنگ محصول لیا جاتا تھا حالانکہ ہندوستان کی رم پر فی گیلن ۱۵ شلنگ محصول تھا۔ ہندوستان میں رم شراب گڑ سے بھی بنتی تھی اور گڑ کے فضلے سے بھی۔ ۸۰ پونڈ (وزنی) گڑ کے فضلے سے ۳½ گیلن رم لندن کے معیار کے برابر تیز بنائی جا سکتی تھی مگر گڑ سے اس سے بھی زیادہ مقدار میں شراب کشید کی جا سکتی تھی۔ کلکتے میں ایک گیلن رم دس آنے (ایک شلنگ تین پنیں) کو ملتی تھی۔

در اصل زیادہ منافع تو اس میں تھا کہ گڑ سے شکر بنانے کے بعد فضلہ جو رہ جاتا تھا اس سے رم شراب کشید کی جاتی مگر اس طرح عموماً نہیں کیا جاتا تھا۔

ریشم ۔ انگلستان میں بنگالے کا خام ریشم فی پونڈ (وزنی) تقریباً ۱۶ شلنگ قیمت پر بکتا تھا۔ ہندوستان کے ساختہ کورے ریشمینے فی پونڈ (وزنی) ۱۶ یا ۱۷ شلنگ قیمت پر فروخت ہوتے تھے۔ ہندوستان سے خام ریشم کی برآمد انحطاط پر تھی۔ ۱۸۲۸ء سے ۱۸۲۹ء تک ...۹۲۰۰ پونڈ اس کی جملہ قیمت ہوئی تھی لیکن ۱۸۳۱ء سے ۱۸۳۲ء تک صرف ...۴۵ پونڈ کی برآمد شاید اس لئے ہوئی تھی کہ ریشمی پارچے ہندوستان ہی میں زیادہ بننے لگے تھے اور غالباً ہندوستان سے ریشمی پارچوں کی برآمد میں بھی اضافہ ہوا تھا۔

جی۔ جی۔ ڈی ایچ لارینٹ

اس کے بعد "ایسٹ انڈیا اور چینا اسوسی ایشن" (انجمن چین و ہند) کے صدر نشین مسمی لارینٹ کی شہادت لی گئی۔ یہ انجمن ۱۸۳۶ء میں ان لوگوں کی امداد کی غرض سے قائم ہوئی تھی۔ جن کی تجارت ہندوستان اور چین سے تھی مختلف ممالک سے انگلستان میں شکر اور رم شراب کی جو درآمد تھی اس پر لارینٹ نے

ایک طویل شہادت دی اور ساتھ ہی ساتھ اس نے ہندوستان کے سوتی اور ریشمی مصنوعات کے انحطاط پر پرزور الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

سوتی مال تجارت۔ مسٹر لارپنٹ نے مجلس کے سامنے انگلستان میں ہندوستانی مال کی درآمد اور ہندوستان میں انگریزی سوتی مال کی برآمد کے متعلق ذیل کے اعداد پیش کیے تھے۔

سوتی مال تجارت جو ہندوستان سے برطانیہ عظمیٰ میں درآمد ہوتا تھا۔

سنہ عیسوی		
۱۸۱۴	۱۲۶۶۶۰۸	تھان
۱۸۲۱	۵۳۴۴۹۵	”
۱۸۲۸	۴۲۲۵۰۴	”
۱۸۳۵	۳۰۶۰۸۶	”

برطانوی سوتی مصنوعات جنکی ہندوستان میں برآمد تھی

سنہ عیسوی		
۱۸۱۴	۹۱۸۲۰۸	گز
۱۸۲۱	۱۹۱۳۸۷۲۶	”
۱۸۲۸	۴۲۸۲۲۰۷۷	”
۱۸۳۵	۵۱۷۷۷۲۷۷	”

مصنوعات ہند کی اس کمی اور برطانوی مصنوعات کی اس بیشی کے باوجود برطانوی سوتی مال ۳½ فی صدی محصول بحساب قیمت ادا کرنے پر ہندوستان میں درآمد کیا جا سکتا تھا درآنحالیکہ ہندوستان کا سوتی مال انگلستان میں درآمد ہونے پر ۱۰ فی صدی محصول بحساب قیمت وصول کیا جاتا تھا مسٹر شور کے بیان کا اعادہ کرتے ہوئے اس گواہ نے ذیل کی عبارت پڑھ کر سنا دی "برطانوی مصنوعات

کا دیسی مصنوعات کی جگہ رائج کر دینا برطانیہ کی ہوشیاری اور فیروزی کی ایک شاندار مثال کے طور پر اکثر پیش کیا جاتا ہے مگر دراصل انگریزی جبریت کی مثال اس کو کہیں تو زیادہ موزوں ہوگا کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح برطانیہ کی علانیہ پاسداری میں سب سے زیادہ زحمت دہ چنگی اور دیگر محصولات کا نظام قائم کرکے ہندوستان کو مفلس و نادار بنا دیا گیا تھا"۔ مسٹر لارپنٹ اس باب میں بالکلیہ مسٹر شور کا ہم خیال تو نہ تھا لیکن کمپنی کے ایک ممتاز عہدہ دار کے جذبات اس سے ظاہر ہوتے ہیں اور ممکن تھا کہ یہی احساس ہندوستان کے لوگوں کے بھی ہوں۔

ریشمی مال تجارت۔ برطانوی ریشمیں کپڑے وغیرہ ۳½ فی صدی محصول دینے پر کلکتے میں لائے جاسکتے تھے اور ہندوستانی ریشمی پارچے ۲۰ فی صدی محصول درآمد ادا کرنے پر انگلستان میں لائے جاسکتے تھے۔ کورے ریشمی پارچے انگلستان میں زیادہ تر چھاپنے (ٹھپا اٹھانے) کی غرض سے بھیجے جاتے تھے اور اس کے بعد دوسرے ممالک کو بھیج دیے جاتے تھے۔ انگلستان میں کوری ریشمیں چیزیں جو انگلستان بھیجی جاتی تھیں ان کے متعلق ذیل کے اعداد پیش کیے گئے تھے۔

سنہ عیسوی	انگلستان کے تصرف کے لئے	غیر ممالک کو برآمد کرنے کے لئے
	تھان	تھان
۱۸۳۸	۱۶۰۰۰	۳۱۰۰۰۰
۱۸۳۹	۳۸۰۰۰	۳۵۲۰۰۰

ہندوستانی چھاپے کے جیبی باندھنو رومال کثیر تعداد میں انگلستان میں درآمد کیے جاتے تھے۔ ریشمی مال پر انگلستان اور ہندوستان دونوں جگہ یکساں محصول کر دینے کے متعلق مسٹر لارپنٹ نے زوردار سعی کی تھی مگر برطانوی صناعوں کے نمایندے اور مجلس منتخبہ کے ایک رکن مسمی براکلہرسٹ کی خواہش یہی تھی کہ محصول

یہاں ذکر دیا جائے کیونکہ انگلستان کے لئے یہی مفید مطلب تھا۔

مسٹر براکلہرسٹ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی پیداوار پر اس کا کیا اثر ہوگا اس کا خیال کیے بغیر آپ رائے دے رہے ہیں۔

مسٹر لارپینٹ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک حد تک اس ملک کے ریشمی مصنوعات کے ساتھ برابری کا مقابلہ رہے گا مگر اصولاً مجھ کو یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ ہمارے متعدد مقبوضات میں ہندوستان کا بھی شمار ہے یا نہیں؟ پہلے بھی یہ استدلال پیش کیا گیا تھا کہ جب ہمارے مصنوعات ہندوستان میں ایک خفیف سا محصول ادا کرنے پر آسکتے ہیں تو ہمیں بھی یہ چاہئے کہ ہندوستان کے مصنوعات کو ویسا ہی قلیل محصول دینے پر انگلستان لانے کی اجازت دیدیں۔

مسٹر براکلہرسٹ۔ کیا اس ملک کی کوئی نوآبادی ایسی بھی ہے جس کے مصنوعات اس قدر کم لاگت پر انگلستان لائے جاتے ہیں جیسے ہندوستان کے مصنوعات؟

مسٹر لارپینٹ۔ اس ملک کی کوئی نوآبادی ایسی نہیں ہے جسکے کثیر المقدار مصنوعات کے لئے اس درجہ اس بات کی ضرورت ہے۔ ہم نے ہندوستان کے مصنوعات کو تو بالکل نیست و نابود ہی کردیا۔ اس کے بعد اس گواہ نے مجلس تجار کے اُن خیالات کا اعادہ کیا جو لارڈ ولیم بنٹنک کی ۳۰ مئی ۱۸۲۹ء کی یادداشت میں درج ہیں۔ اور جنکی عبارت یہ ہے کہ "مجلس کی ہمدردی مجلس مالگزاری کی رپورٹ پڑھنے کے بعد جس میں تجارتی انقلاب کے اثرات کی ایک المناک تصویر کھینچی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے موجودہ زمانے میں ہندوستان کے بے شمار طبقے اور جماعتوں کیلئے ایسے کیا کیا تکالیف نہ پیدا ہوگئے ہیں جنکی مثال تاریخ تجارت میں کہیں نہیں ملتی بہت بڑھ گئی ہے"۔)

لیکن مسٹر براکلہرسٹ اس سے قائل تھوڑے ہی ہوتا تھا! انگلستان میں ہندوستانی ریشمی رومالوں کے استعمال پر اسکی روح کرب میں پڑ گئی تھی۔ اسلئے ٹہر ٹہر کر وہ پھر اسی مضمون پر آتا تھا۔

مسٹر براکلہرسٹ۔ کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہندوستانی ریشمی رومال اس ملک میں بنے ہوئے رومالوں کے بجائے اس تعداد میں استعمال ہو رہے ہیں کہ اب یہاں ناکارہ ریشم سے نقلی رومال بناکر ان کے بدلے رائج کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں؟

مسٹر لارپینٹ۔ میں نے سنا تو ہے کہ ناکارہ ریشم کے بنے ہوئے رومال رائج

کیے جا رہے ہیں اور جیسا میں نے پہلے کہا ہے کہ ان بنانے والوں کی جودت طبع اور حکمت سے ہماری منڈیوں میں غالباً ایسا مال رائج ہو جائے گا جو کم قیمت ہونے کی وجہ سے عام طور پہ استعمال ہونے لگے۔

مسٹر براکلہرسٹ اگر تجارتی مقابلے میں اپنی موجودہ حیثیت قائم رکھنے کے لیے برطانوی صناعوں کو ادنیٰ درجے کی چیزیں بنانے پر مجبور کرکے؟

مسٹر لارپنٹ۔ جن چیزوں کی طرف آپ کا اشارہ ہے وہ یہیں کی ساختہ ہیں۔ برطانوی صناعوں ہی نے ان ادنیٰ درجے کی چیزوں کو بنایا ہے۔

مسٹر براکلہرسٹ۔ شاید یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہندوستان میں صرف خام پیداوار ہوتی رہے اور یہ ملک اس خام پیداوار کو مکمل کرنے میں اپنا ہنر دکھاتا رہے؟

مسٹر لارپنٹ۔ ہندوستان کی جو موجودہ حالت ہے اس سے قطعی یہی ہونے والا ہے اور ہماری رائے یہ ہے کہ ان اہم چیزوں ہی کے لئے جن کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے ہندوستان کی زرعی پیداوار کی ہیں ہر طرح مدد کرنی چاہیئے میں پھر عرض کرتا ہوں کہ ہندوستان کے گئے گزرے مصنوعات میں یہی ایک چیز رہ گئی ہے جس کے اس ملک میں رائج ہو سکنے کی توقع بھی ہے تو پھر کم از کم اس کو ایک واجبی موقع دینا چاہیئے اور یہ نہیں کہ برطانوی صناعوں کی طرفداری میں اس پر ۲ فی صدی محصول لگا دیا جائے جو سراسر ظلم ہے۔

منٹگمری مارٹن

ہندوستان کا اس سے بھی زیادہ زور آور حامی منٹگمری مارٹن تھا۔ اس نے دس سال تک زیادہ تر اپنے خرچ سے شاہنشہی برطانیہ کی نو آبادیات میں سیاحت کی تھی۔ واقعات اور اعداد و شمار جمع کیے تھے اور برطانوی نو آبادیات کی پہلی مکمل تاریخ جو پانچ ضخیم جلدوں میں تھی تالیف کی تھی۔ مارٹن ہندوستان میں بھی

رہا تھا۔ ہندوستان کے مسائل کا برسر موقع بغور مطالعہ کیا تھا۔ اور ڈاکٹر فرانسس بکانن کے مغربی ہند سے متعلق ضخیم اور قابل قدر اعداد و شمار و حالات کو جن کو خود بکانن ترتیب نہ دے سکا تھا مرتب کیا تھا۔

اس نے لکھا کہ "میں نے ہندوستان کی سالہا سال کی تجارت کی طول طویل تحقیق کی ہے مختلف اسناد وغیرہ کو (جنھیں دیکھنے کی اجازت ایسٹ انڈیا ہوز کی معزز مجلس نظماء نے اپنی معمولی فیاضی کے ساتھ مجھے عطا کی تھی) بالتحقیق پڑھنے کے بعد صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لئے میں نے حد درجے کی محنت اٹھائی ہے۔ اور مجھ یقین واثق کا میرے دل پر بہت اثر ہے کہ ہندوستان کی تجارت بالکل ناواجبی طور پر بہت بڑے گھاٹے میں رہی ہے اور نہ صرف انگلستان کی حد تک بلکہ اور تمام ممالک کے ساتھ اور محض اس وجہ سے کہ انگلستان آزاد تجارت کے لئے ایک شور مچائے ہوئے تھا مگر خود ہندوستان کو آزاد تجارت کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا" اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ "سوائے ان اشیاء کے جن کے دیسی صناعوں کی جگہ ہم نے غصب کر لی ہے اور اس طرح ہم اس ملک کو اور زیادہ مفلس و نادار بنا رہے ہیں عام طور پر تجارت انحطاط ہی پر ہے۔"

سوتی پارچے ۱۸۱۵ء میں ہندوستان سے جو سوتی پارچے انگلستان میں برآمد ہوئے تھے ان کی قیمت ۱۳۰۰۰۰۰ پونڈ تھی مگر ۱۸۳۲ء میں ۱۰۰۰۰۰ پونڈ سے بھی یہ کم تھی ۱۸۱۵ء میں انگلستان سے جو سوتی کپڑے ہندوستان میں درآمد ہوئے تھے ان کی قیمت (۲۶۳۰۰) پونڈ تھی مگر ۱۸۳۲ء میں ۴۰۰۰۰۰ پونڈ سے بھی یہ زیادہ ہو گئی تھی۔ "ہم نے ایک ربع صدی کے اندر اندر ہندوستان کی علداری کے لئے ہمارے مصنوعات کا لینا ناگزیر کر دیا تھا۔ ہمارے پشمینوں پر محصول معاف تھا۔ ہمارے سوتی پارچوں پر صرف ۲½ فی صدی محصول تھا اور دوسری چیزوں پر بھی اسی تناسب کے ساتھ محصول لیا جاتا تھا۔ درانحالیکہ ہماری اس علداری کی ساختہ چیزوں پر اسی مدت میں ۱۰ سے لے کر ۲۰-۳۰-۵۰-۱۰۰-۵۰۰- کیا ۱۰۰۰ فی صدی تک ہم نے امتناعی محصول لگا دیا تھا۔ اس لئے ہندوستان کے ساتھ آزاد تجارت قائم کرنے کے لئے جو ایک شور مچایا گیا ہے اس کا منشا

انگلستان کے ساتھ ہندوستان کی جو تجارت ہے اس کو آزاد رکھنے کا نہیں بلکہ ہندوستان کے ساتھ اس ملک کی جو تجارت ہے صرف اس کو آزاد رکھنے کا ہے ....
سورت ڈھاکہ۔ مرشد آباد اور دیگر مقامات میں جہاں کسی وقت دیسی مصنوعات فروغ پر تھے اب ایسی تباہی اور بربادی پھیل گئی ہے کہ اس کا بیان کرنا تکلیف سے خالی نہیں۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ یہ حالت اثنائے تجارت میں جیسا کبھی ہوا کرتا ہے پیدا ہوئی ہے بلکہ میرے خیال میں دراصل زوردار نے کمزور کی مٹی پلید کی ہے“
اس طرح کی شہادت پر برطانوی صناعوں کے نمایندے مسمی براکلہرسٹ اور اس گواہ میں خوب بحثا بحثی ہوئی۔
مسٹر براکلہرسٹ۔ واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کے یا اس ملک کے جولاہوں میں سے ایک گروہ کا بھینٹ چڑھنا ضروری تھا اور وہ تو ہندوستان میں ہو ہی چکا کیا آپ کی خواہش اب یہ ہے کہ اس ملک پر آفت نازل کرکے ہندوستان کی آبادی میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی جائے؟
مسٹر مارٹن۔ میری خواہش ہندوستان کی آبادی میں از سر نو جان ڈالنے کی نہیں ہے بلکہ ہندوستان کو اس طرح مسلسل نقصان جو پہنچ رہے ہیں صرف اس کا انسداد چاہتا ہوں۔ اس سے لازماً یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ ہندوستانیوں کو اس ملک میں ملکی مصنوعات کے ساتھ تجارتی مقابلہ کرنے کی اجازت دینے سے انگلستان کے جولاہے سرے سے نیست و نابود ہو جائیں گے کیونکہ ہندوستانیوں کے پاس نہ تو بھاپ سے چلنے والے کرگھے ہیں اور نہ ان کو ہنر اور سرمایے سے اسی خوبی کے ساتھ کام لینا آتا ہے جیسا گلاسگو اور مینچسٹر کے صنعت گروں کو آتا ہے۔
مسٹر براکلہرسٹ۔ اب تک جتنے سوالات کیے گئے ہیں وہ کلیتاً ان مہین پارچوں سے متعلق ہیں جن کو بھاپ سے چلنے والے کارگاہوں پر تو نہیں بنا سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم اس ملک میں مہین پارچے تیار کریں یا ان کا بننا بالکل چھوڑ ہی دیں؟
مسٹر مارٹن۔ اگر یہاں مہین پارچے تیار کرنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہندوستان کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جائے تو میرا جواب یہ ہے کہ نتیجہ کچھ ہی

کیوں نہ ہو انگلستان کو تو ہر حالت میں انصاف ہی سے کام لینا چاہئے۔ انگلستان کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ اپنے فائدے کی خاطر اور اپنی قوم کے محض ایک طبقے کی حمایت میں کسی دوسری قوم کو مٹی میں ملا دے خواہ وہ قوم مفتوحہ ہی کیوں نہ ہو۔

مسٹر اکلہرسٹ: ۱۸۳۳ء میں جب اس ملک کے ہاتھ میں ہندوستان کی زمام حکومت آئی تھی سلہ اس وقت ہندوستان میں کپڑا بننے کی صنعت مٹ چکی تھی اس لیے اب اس کے مٹانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ وہ تو گئی گزری بات ہوئی۔ اب ہمارے سامنے جو شہادت پیش ہوئی ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں مصنوعات کے بجائے زیادہ تر زرعی پیداوار ہی ہوتی ہے اور جو لوگ پہلے صنعت میں مشغول تھے وہ اب زراعت میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کو کیا یہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر یہاں کے مصنوعات مسدود ہو جائیں تو پھر کیا یہاں کے لوگوں کو روزی کمانے کے لئے زراعت کی طرف متوجہ ہونے کا کوئی موقع بھی ہے؟

مسٹر مارٹن: مجھ کو آپ کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ ہندوستان سرے سے ایک زرعی ملک ہے۔ درحقیقت جیسا وہ صنعت گر ملک ہے ویسے وہ زرعی ملک بھی ہے اور جو کوئی اس ملک کی حیثیت کم کر کے اس کو محض زرعی بنا دینا چاہتا ہے وہ دراصل اس کو معیار تمدن سے گرا دینا چاہتا ہے۔ میرا مفروضہ یہ نہیں ہے کہ ہندوستان انگلستان کا ایک بہت بڑا لعبت بن جائے ہندوستان صنعت گری کا ملک ہے ایک زمانے سے مختلف قسم کے مصنوعات وہاں بنتے

سلہ ۱۸۳۳ء عیسوی میں ہندوستان برطانیہ عظمیٰ کے زیر حکمرانی نہیں آیا تھا۔ یوں تو اس سے پچاس سال پہلے برطانوی حکومت نے ہندوستان کا نظم و نسق پٹ کے قانون ہند بابتہ ۱۷۸۴ء عیسوی کی رو سے اپنی نگرانی میں لے لیا تھا اور وہ اس نظم و نسق کی ذمہ دار بھی تھی لیکن ۱۸۳۳ء میں جو قانون نافذ ہوا تھا اس کی رو سے کمپنی کے منشور کی تجدید کی گئی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کمپنی کو آیندہ تجارت کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔

رہے ہیں اور ایسے کہ جہاں برابری کا مقابلہ رہا ہے وہاں کوئی قوم ہندوستان کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ میں یہ ڈھاکے کی ململوں اور کشمیری شالوں کے متعلق ہی نہیں کہتا بلکہ ان تمام مختلف چیزوں کے متعلق کہہ رہا ہوں جو بمقابل دنیا کے کسی اور خطے کے ہندوستان میں بہت بہتر طریقے پر بنتی رہیں۔

پشمینے پچیس سال تک برطانیہ کے ساختہ پشمینے ہندوستان میں بلا محصول لائے جاتے تھے لیکن بکرے کے اون کے بنے ہوئے ہندوستانی پشمینوں پر ۳۰ فی صدی محصول بحساب قیمت انگلستان میں لیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۲۱ء سے ۱۸۳۵ء تک ہندوستانی پشمینوں کی درآمد اوسطاً سالانہ ۲۸۰۰۰ پونڈ سے زیادہ نہ تھی۔ اس تجارت کو موقوف کر دینے سے برطانوی صناعوں کو کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ انگلستان کے لئے شالیں زیادہ تر یورپ سے بن کر آتی تھیں۔

جہاز سازی۔ ہندوستان میں جہاز کم بن رہے تھے ۱۷۹۵ء اور ۱۷۹۶ء کے درمیان کلکتے میں ۱۴۰۵ ٹن وزنی چھ جہاز بنے تھے اور ۵۰۰ سے ۶۰۰ ٹن وزنی ناؤ وغیرہ تیار ہو رہی تھیں۔ ۱۷۹۷ء اور ۱۷۹۸ء کے درمیان متعدد جہاز وغیرہ کلکتے کے کارخانے کے بنے ہوئے دریا پر چلتے تھے لیکن اب (۱۸۳۰ء میں) جہاز سازی وہاں بالکل بند ہو گئی تھی۔ بمبئی میں پارسیوں نے جہاز بنانے کا ایک عظیم الشان کارخانہ قائم کیا تھا جس کا تمام عملہ تین پشت تک پارسیوں ہی کے زیر انتظام رہا تھا۔ "ایشیا" نامی ایک اچھا جہاز نوروزجی جمشید جی نے بنایا تھا اور دوسرے پارسی شرفا انگریزی کارخانوں میں جہاز بنانا سیکھ رہے تھے۔ اگر انگریزوں کے بنائے ہوئے جہازوں پر ہندوستانی خلاصی ہوتے تھے اور وہ ان ممالک کی بندرگاہوں کو جاتے تھے جن سے انگلستان کے ساتھ باہمی معاہدے تھے کہ جانبین کے حقوق و فرائض ہر وقت ملحوظ رکھے جائیں گے تو ان جہازوں کے ساتھ برطانیہ کے جہازوں کا سا برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا اور یہ ہندوستان میں جہاز بنانے میں بڑا مزاحم تھا ایسٹ انڈیا کمپنی کے ۱۸۳۳ء کے منشور میں تو یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ ہندوستانی بھی برطانوی رعایا تھے مگر ان کے حق میں یہ سخت ناانصافی اور ظلم تھا کہ تجارتی جہازوں کے معاملات میں ان کو برطانوی رعایا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

مطالبات وطن۔ اس گواہ نے کمپنی کے منشور کی ۱۸۱۳ء کی تجدید سے ۱۸۳۳ء کی مکرر تجدید تک اس بست سالہ مدت کے مطالبات وطن کے یعنے ہندوستان کے محاصل کی جس قدر رقم انگلستان میں صرف ہوئی تھی اس کے اعداد پیش کیے ہیں۔ اس کے بعد کی پنج سالہ مدت کے یعنے ۱۸۳۴ء سے ۱۸۳۸ء تک مطالبات وطن کے اعداد دوسری رپورٹ سے لیے گئے ہیں اور ہندوستان کے محاصل کے اعداد پارلیمنٹی نقشۂ بازیافت سے اخذ کیے گئے ہیں:

سنہ عیسوی	مطالبات وطن	محاصل ہند
	پونڈ	پونڈ
۱۸۱۴-۱۵	۲۴۴۶۰۱۲	۱۷۲۹۷۲۸۰
۱۸۱۵-۱۶	۲۰۴۸۰۳۰	۱۷۲۳۷۸۱۹
۱۸۱۶-۱۷	۲۰۴۲۸۰۹	۱۸۰۷۷۵۷۸
۱۸۱۷-۱۸	۲۰۲۳۹۹۶	۱۸۳۷۵۸۲۰
۱۸۱۸-۱۹	۲۳۶۹۹۴۷	۱۹۴۵۹۰۱۷
۱۸۱۹-۲۰	۱۸۶۱۳۸۱	۱۹۲۳۰۴۶۲
۱۸۲۰-۲۱	۲۳۰۶۱۸۷	۲۱۳۵۲۲۴۱
۱۸۲۱-۲۲	۳۲۰۳۶۱۱	۲۱۸۰۳۱۰۸
۱۸۲۲-۲۳	۳۳۲۶۴۰۶	۲۳۱۷۱۷۰۱
۱۸۲۳-۲۴	۲۰۲۷۴۲۰	۲۱۲۸۰۳۸۴
۱۸۲۴-۲۵	۲۱۸۲۱۳۲	۲۰۷۵۰۱۸۳
۱۸۲۵-۲۶	۲۳۶۲۳۶۰	۲۱۱۲۸۳۸۸
۱۸۲۶-۲۷	۲۹۷۵۱۴۱	۲۲۳۸۳۴۹۷
۱۸۲۷-۲۸	۲۶۹۴۲۱۹	۲۲۸۶۳۲۶۳

۱۸۲۸-۲۹	۲۷۱۹۵۷۹	۲۲۷۴۰۶۹۱
۱۸۲۹-۳۰	۲۶۱۳۵۲۷	۲۱۶۹۵۲۰۸
۱۸۳۰-۳۱	۲۳۹۹۵۷۳	۲۲۰۱۹۳۱۰
۱۸۳۱-۳۲	۲۴۷۵۵۶۹	۱۸۳۱۷۲۳۷
۱۸۳۲-۳۳	۲۲۳۳۵۵۹	۱۸۴۷۷۹۲۴
۱۸۳۳-۳۴	۲۰۵۳۱۴۱	۱۸۲۶۷۳۶۸
۱۸۳۴-۳۵	۳۰۶۳۳۲۲	۲۶۸۵۶۶۴۷
۱۸۳۵-۳۶	۲۹۵۹۹۷۵	۲۰۱۴۸۱۲۵
۱۸۳۶-۳۷	۳۰۹۰۵۸۲	۲۰۹۹۹۱۳۰
۱۸۳۷-۳۸	۲۹۷۹۵۱۴	۲۰۸۵۸۸۲۰

اس طرح ہم نے جو نقشہ مرتب کیا ہے اس سے ملکۂ وکٹوریہ کے سال تخت نشینی تک اس بست و چہار سالہ مدت میں مطالبات وطن کا ہندوستان کے محاصل کے ساتھ کیا تناسب رہا ہے وہ ظاہر ہوتا ہے۔

ان مطالبات وطن کا ایک قلیل حصہ یعنے تقریباً ایک خمس انگلستان سے جو سامان ہندوستان کی فوجی ضرورتوں وغیرہ کی تکمیل کے لئے آتا تھا اس پر صرف ہوتا تھا مابقی کے متعلق منٹگمری مارٹن نے کہا تھا کہ "یہ ہندوستان کے محاصل پر ایک ایسا مطالبہ ہے کہ ہندوستان کو اس کے معاوضے میں کچھ بھی نہیں ملتا...... یہ حساب کرنا تعجب سے خالی نہیں معلوم ہوتا کہ اگر ہندوستان کے گزشتہ تیس سالہ محاصل ہر سال تیس لاکھ ہی فرض کرلیے جائیں تو ۱۲ فی صدی (جو ہندوستان کی شرح سود ہے) سود در سود پر یہ رقم ۷۲۳۹۹۷۹۷۱ پونڈ ہو جاتی ہے۔ اگر ہم پچاس سال کے لئے سالانہ تیس لاکھ ہی محاصل فرض کریں تو ہندوستان کے اس سرمایے کے بارآور ہونے پر یہ رقم جملہ ۸۴۰۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ ہو جاتی ہے جو برتر از قیاس ہے"

ریشمی مصنوعات۔ ہندوستان کے ریشمی مصنوعات اس غیر مساوی مصولح

بالکل بری ہونے چاہئیں جو انگلستان میں ان پر عائد ہے کیونکہ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انگلستان کی یا کسی دوسرے ملک کی ریشمی مصنوعات سے ان کا مقابلہ نہیں ہے۔

الکزانڈر راجرز

سن۔ الکزنڈر راجرز ہندوستان میں سن کے بڑے بڑے کارخانوں کا مالک تھا اور ریشے کے لئے سن کی کاشت وہاں رائج کر رہا تھا کیونکہ ہندوستانی محض بیج کے لئے اس کی کاشت اب تک کرتے رہے تھے۔ یہ توقع کی جاتی تھی کہ ہندوستانی سن کے پہلے نمونے ۔ ار جون ۱۸۴۰ء تک انگلستان پہنچ جائیں گے "اگر ہم ایک قسم کے سن کی پیداوار میں کامیاب ہوں تو دوسری قسم کے سن کی پیداوار میں بھی کامیاب ہونے میں ہمیں کچھ مشکل نہ ہوگی کیونکہ دونوں کی کاشت کا طریقہ ایک ہی ہے"۔

ریشم۔ یہ گواہ ہندوستانی ریشم کثیر مقدار میں انگلستان بھیجتا تھا۔ برطانوی ریشمی مصنوعات کی ہندوستان میں درآمد پر ۳½ فی صدی محصول لیا جاتا تھا اور ہندوستانی ریشمی مصنوعات کی انگلستان میں درآمد پر (۲۰) فی صدی سے بھی زیادہ محصول وصول کیا جاتا تھا۔ اس تفاوت سے ہندوستانی ریشمی صنعت کے گویا ہاتھ پاؤں شل ہوگئے تھے۔ اگر ہندوستانی ریشموں پر محصول کم کر دیا بھی جاتا تو اس سے برطانوی مصنوعات پر کچھ مضر اثر نہیں پڑتا تھا کیونکہ فرانسیسی ریشموں پر محصول کم کر دینے سے کوئی مضر اثر نہیں پڑا تھا۔ ایک طرف تو ہندوستان کے ساختہ ریشم کے تھان جو انگلستان میں رائج ہو سکتے تھے وہ بہت گاڑھے ہوتے تھے مثلاً کورے ریشمینے جو بہت کم انگلستان میں بنائے جاتے تھے اور دوسری طرف انگلستان کو یہ فائدہ تھا کہ اس سے دیسیوں کو ان تھانوں کے معاوضے میں ہمارا مال خریدنے کے لئے دو چند بلکہ سہ چند رقم مل جاتی تھی۔

شکر۔ اس گواہ نے اپنے نیل کے کارخانے کے قریب شکر سازی کا ایک کارخانہ

۲۰۰۰۰ پونڈ کے مصارف سے جسور ضلع میں سرکول کے مقام پر تعمیر کیا تھا۔ اس امید پر کہ شکر اور رم شراب پر مساوی محصول کر دیا جائے گا کیونکہ یہ دونوں گنّے ہی سے بنتے تھے راجرز کو اچھے منافع کی توقع تھی۔ مگر اس کو صرف ۱/۴ ۱۱ فی صدی منافع ملا جو اطمینان بخش نہ تھا کیونکہ اگر ہندوستان میں بلا کسی خطرے کے صرف سود پر روپیہ قرض دیا جائے تو ۱۰ فی صدی اور سود در سود دیں تو اس سے بھی زیادہ بیٹھے بیٹھے مل جاتا ہے اگر رم شراب پر محصول مساوی کر دیا جاتا تو اس کے منافع میں اضافہ ہو سکتا تھا اور اگر نہ کیا جاتا تو وہ شکر سازی کے کاروبار سے دست بردار ہونے پر آمادہ تھا۔

ج۔ ام ہیتھ

لوہا۔ اس گواہ کا جس انجمن سے تعلق تھا اس انجمن نے ۱۸۳۳ء میں ۱۲ میل مدراس کے جنوب میں "پورٹونوو" کے مقام پر کام شروع کر دیا تھا۔ لوہار کی بھٹیاں بنائی تھیں اور نرم لوہا بنانے کے لئے ایک لوہاری کارخانہ قائم کیا تھا غرض اس طرح اپنے کارخانے کو بہت بڑا کر دیا تھا۔ انگریزی لوہے سے فولاد نہیں بن سکتا تھا فولاد بنانے کے لئے لوہے کی ایک سلاخ بھی درکار ہوتی تھی تو انگلستان کو سویڈن اور روس سے یہ لوہا منگوانے کے سوا چارہ نہ تھا۔ البتہ ہندوستان سے بھی یہ دھات مل سکتی تھی کیونکہ ہندوستانی لوہے سے بھی فولاد بن سکتا تھا۔ اس گواہ نے ریزۂ آہن کی شکل میں ہندوستان کا لوہا سلاخیں بنانے کے لئے انگلستان میں درآمد کیا تھا لیکن انگلستان میں آہن خام کی درآمد پر امتناعی محصول تھا۔ "ایک ٹن آہن خام پر ۵ شلنگ محصول ہے اور دو ٹن آہن خام سے ایک ٹن لوہے کی سلاخیں بنتی ہیں۔ ایک ٹن لوہے کی سلاخوں پر ۱/۲ ۲ شلنگ محصول لیا جاتا ہے درآنحالیکہ ایک ٹن لوہے کی سلاخیں بنانے کے لئے جس قدر آہن خام درکار ہے اس پر ۱۰ شلنگ محصول وصول کیا جاتا ہے۔ انگریزی لوہے کی ہندوستان میں درآمد پر کچھ محصول نہ تھا۔"

ہاریس ہیمن ولسن

کتب ۔ سنسکرت کے اس بڑے فاضل و فائق مستشرق نے چوبیس[۲۴] سال ہندوستان میں گزارے تھے اور مراجعت وطن پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتاب خانے کا محافظ اور جامعۂ اکسفرڈ میں سنسکرت کا پروفیسر مقرر ہوا تھا اس نے اپنی شہادت میں بیان کیا ہے کہ جو کتابیں ہندوستان میں طبع ہوتی ہیں ان پر فی ہنڈرڈ ویٹ (چھپن سیر) دو پونڈ دس شلنگ محصول لیا جاتا ہے چنانچہ اس محصول کو معاف کر دینے کی اس نے استدعا بھی کی تھی۔

جوزف ٹکر

ریشمی مصنوعات ۔ جوزف ٹکر ریشم پر ٹھپّا اٹھانے والی اور ریشمی رومال بیچنے والی ساجھے کی ایک لندن کی دکان کا شریک تھا جو برطانوی صنعت کی حفاظت کے لئے ہندوستان کی ریشمی مصنوعات پر ۲۰ فی صدی محصول قائم رکھنے کا خواہشمند تھا۔ اس نے کہا تھا کہ برطانیہ کے لوگ اب تک صرف برطانوی مصنوعات ہی استعمال کرتے تھے لیکن فرانسیسی ہندوستان کی چیزوں کو برطانوی مصنوعات پر ترجیح دیتے تھے اس لئے فرانس میں برطانوی ریشمی مصنوعات کی درآمد کم ہو رہی تھی۔ اس نے پارلیمنٹی نقشہ بازیافت سے ذیل کے اعداد پیش کیے تھے:

ممالک متحدہ برطانیہ سے فرانس میں آمد		
سنہ عیسوی	برطانوی ریشمی مال تجارت	ہندوستانی باندھنو اور دوسرے قسم کے رومال
	پونڈ	پونڈ
۱۸۳۲	۵۰۶۰۰	۹۲۵۰۰
۱۸۴۳	۳۶۳۰۰	۶۰۴۰۰

۱۸۳۴	۳۲۷۰۰	۷۷۷۰۰
۱۸۳۵	۱۶۸۰۰	۱۱۴۴۰۰
۱۸۳۶	۱۵۶۰۰	۱۰۷۶۰۰
۱۸۳۷	۱۰۰۰۰	۱۷۴۵۰۰
۱۸۳۸	۹۴۰۰	۲۰۲۲۰۰
۱۸۳۹	۵۵۰۰	۱۶۸۵۰۰

اس گواہ نے مزید توضیح یہ کی تھی کہ "جس زمانے میں پہلے پہل برطانوی مال تجارت فرانس بھیجا گیا تھا اس وقت ہندوستان کے مال تجارت کا فرانس میں داخل ہونا ممنوع تھا جس کا یہ نتیجہ تھا کہ فرانسیسی خریدار برطانوی مال ہی کو پسند کرتے تھے اور اسی لیے برطانوی مال اس مقدار میں فرانس بھیجا جاتا تھا۔ جیسے ہی یہ امتناع اٹھا دیا گیا ہماری تجارت پر اس کا اثر پڑا اگرچہ اس سے پہلے بھی اثر پڑ رہا تھا مگر وہ بالکل خفیف سا تھا۔ بہ الفاظِ دیگر امتناع اٹھنا ہی تھا کہ فرانس کے ساتھ برطانیہ کا یہ رشتۂ تجارت سرے سے منقطع ہو گیا۔"

ہندوستان کی ساختۂ ایک شئے کو صرف ایک یورپی قوم کے پسند کرنے سے انگریز دکانداروں اور صنعت گروں کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ یہی رشک و حسد ذیل کے آخری چار گواہوں کے بیان سے جو ریشم کے صناع تھے اور جن کا اظہار مجلس منتخبہ نے لیا تھا ٹپک رہا ہے۔ ان اشخاص کی شہادت کی طرف ہم اب متوجہ ہوتے ہیں۔

ٹامس کوپ

ریشمی مصنوعات ۔ کسی اور گواہ نے اس طرح صاف صاف سیدھے سادے طریقے پر گواہی نہیں دی جیسے ٹامس کوپ نامی میکلز فیلڈ کے ریشم کے پارچہ باف نے

دی تھی۔

مسٹر براکلہرسٹ۔ ہندوستان کے ریشمی مال پر ۲۰ فی صدی محصول جو اس وقت ہے اگر وہ صرف ۳½ فی صدی کر دیا جائے تو اس کا اثر آپ کے شعبۂ تجارت پر کیا ہوگا؟

مسٹر کوپ میری رائے میں اس کا اثر یہ ہوگا کہ تجارت کا یہ شعبہ نابود ہو جائے گا۔ اور اگر ایسا ہوگا تو وہ سب جماعتیں جن کا نام میں نے پہلے لیا ہے روزی کمانے اور محنت مزدوری کر کے ایمانداری کے ساتھ پیٹ پالنے کے ذرائع سے بالکل محروم ہو جائیں گی اور ایسے مفلس اور بے پروا بن جائیں گے کہ قوم کے دوسرے سب لوگوں کے لیے جن پر پہلے سے کچھ کم بوجھ نہیں ہے یہ مزید بارگراں ہو جائیں گے۔ اس سے قومی سرمائے کا ایک بہت بڑا حصہ بیکار پڑا رہے گا اور پردیسیوں کے ہاتھوں روزی کمانے کا وہ ذریعہ چلا جائے گا جس کو ہمارے کسب معیشت کے کام آنا چاہیے۔

مسٹر ہاگ۔ کیا آپ کی رائے یہ ہے کہ ریشم کے صنعت گروں کے حق میں انصاف کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہماری منڈی میں تمام پردیسی ریشمی مصنوعات کو آنے نہیں دینا چاہیے؟

مسٹر کوپ۔ میری رائے یہ ہے کہ انگریز صنعت گروں کے حق میں انصاف کرنے کی خاطر ان اشیا کی درآمد پر ایسا محصول لگانا چاہیے جس سے پردیسی اور ہم برابر ہو جائیں۔ اگر ایک ہندوستانی روزانہ ڈیڑھ یا دو پنس پر گزر اوقات کر لیتا ہے تو ایک انگریز روزانہ دو شلنگ سے کم میں گزارہ نہیں کر سکتا اور ہم اس کو بڑا ہی ظلم سمجھتے ہیں کہ ہندوستانی پارچہ باف اپنا مال یہاں بھیجے اور ایسی نا واجبی شرائط پر ہم سے مقابلہ کرے۔

مسٹر ایلیٹ۔ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اس ملک کے مزدور کو جو بہتر غذا کھاتا ہے یہ کہنے کا حق ہے کہ ہم ہندوستان کے مزدور کو اسی حال پر رکھیں گے کہ اس کو کھانے کے لئے چاول سے بڑھ کر کچھ نہ مل سکے؟

مسٹر کوپ۔ مجھ کو ہندوستانی مزدوروں پر ترس ضرور آتا ہے مگر ساتھ

ہی ساتھ بتقابل ہندوستانی مزدوروں کے اہل وعیال کے میرے اپنے اہل وعیال کا مجھ کو زیادہ خیال ہے۔ میرے نزدیک یہ بالکل غلط ہے کہ ہندوستانی مزدور کی خاطر سے اس لیے کہ ہندوستانی مزدور کی حالت اتفاقاً مجھ سے بدتر ہے میں اپنے اہل وعیال کے آرام وآسائش کو قربان کردوں اور میرے خیال میں ایسا قانون نافذ کرنا سراسر ناورست ہے جس سے روزی کمانے کا ایک ذریعہ ہم سے چھین لیا جائے اور ہندوستانی مزدور کو محض اس لئے دیدیا جائے کہ اس کی حالت ہم سے بدتر ہے"

یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ ہندوستان کے متعلق برطانیہ عظمیٰ کی جو حکمت عملی تھی وہ کوتپ کے سے صناعوں ہی کی مقرر کردہ تھی اور برطانوی پارلیمنٹ وحکومت ہند دونوں برطانیہ عظمیٰ کے صناعوں اور رائے دہندوں کے محض فرماں بردار خادم تھے۔

جان پراوٹ

ریشمی مصنوعات جان پراوٹ میکلزفیلڈ کا ایک اور ریشم کا پارچہ باف تھا اور یہ بھی برطانوی ریشمی صناعوں کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔

مسٹر بریکلہرسٹ ۔ کیا آپ اس کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے ریشمی مصنوعات اور بانڈ مصنوعہ مالوں پر محصول میں تخفیف کرنے سے آپ کے پیشے کو نقصان پہنچے گا۔

مسٹر پراوٹ ۔ میں اس کو بہت بڑا نقصان سمجھتا ہوں اور عام طور پر میکلزفیلڈ کے اہل حرفہ کا خیال بھی یہی ہے کیونکہ اس حکمت عملی سے پردیسیوں کا ہماری منڈیوں پر قبضہ ہوجائیگا اور صنعت کا یہ ہمارا شعبہ بالکل مٹ جائیگا۔

جان فرانسس

ریشمی مصنوعات ۔ شہر ناروچ کا ایک اور ریشم کا پارچہ باف مسمی جان فرانسس

ہندوستانی ریشمینوں کے بالکل خلاف اس لئے تھا کہ وہ نہایت کامیابی کے ساتھ برطانوی مصنوعات کا مقابلہ کر رہے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے مصنوں کو مساوی کر دینے کی جب درخواست کی تھی تو اس پر اس نے کمپنی کے بہت سخت خلاف کہا تھا۔

مسٹر ہلیمٹ ۔ ریشم کی پارچہ بافی چھوڑتے وقت جو آپ کا پیشہ تھا کیا آپ صرف اس پیشہ کی حالت سے بیزار ہو گئے تھے یا اس کے علاوہ کوئی اور بات بھی تھی؟

مسٹر فرانسیس ۔ میں صرف اس پیشے کی حالت دیکھ کر اس سے بیزار ہو گیا تھا " انڈیا ہوز یعنے" دفتر وزیر ہند میں جب کورے ریشمینوں کا نیلام ہوتا ہے میں وہاں جاکر ایک تھان ٩ ؟ چ اس قیمت پر خرید سکتا ہوں جس قیمت پر مجھ کو یہاں آدھ سیر خام ریشم نہیں ملتا۔

مسٹر اردِنگ ۔ آپ اس کے کیا وجوہ سمجھتے ہیں؟

مسٹر فرانسیس ۔ محض یہ وجہ ہے کہ ہندوستانی اپنا مال کم لاگت پر سستے داموں یہاں بھیج سکتے ہیں۔

مسٹر برانکلہرسٹ ۔ کیا آپ کے خیال میں اس صورت حال کا بہترین علاج یہ نہیں ہے کہ ہندوستانیوں کو یہاں خام پیداوار بھیجنے کی ترغیب دی جائے تاکہ برطانوی صناع اس کو کام میں لائیں؟

مسٹر فرانسیس ۔ یقیناً۔

اس گواہ نے یہ بھی کہا کہ چالیس سال پہلے (تقریباً ۱۸۰۰ء میں) ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان سے کچا ریشم لائی تھی اور انگلستان میں چیزیں بنانے کے لیے کمپنی نے اس کو فروخت کر دیا تھا لیکن اب کمپنی برطانوی صنعت سے بالکل بے پروا ہو گئی ہے اور بہتر طریقے پر ریشم اپنے پاس سے نکالنے کے لئے کمپنی نے ہندوستان ہی میں ریشمینے بنانے کی اجازت دیدی ہے۔

مسٹر براکلہرسٹ نے یہاں تک کوشش کی تھی کہ اس گواہ کے منھ سے اس بات کا اقبال کرا دے کہ ہندوستان کے صنعت گر خام پیداوار اور صرف ½ ۱ پنس روزانہ پیدا کرنے میں خوش تھے اور آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔

مسٹر براکلہرسٹ۔ آپ کے خیال میں بھی وہ کسی قسم کی تکلیف میں تو نہیں ہیں۔ ساری عمر ان کو جیسی عادت پڑی ہے ویسی وہ زندگی گزارتے ہیں۔

مسٹر فرانسیس۔ یقیناً یہی بات ہے۔

مسٹر براکلہرسٹ۔ اس سے بہتر ان کو ما یحتاج جب میسر نہ ہوں تو جو کچھ ہے اسی میں ان کو آرام ملتا ہوگا؟

مسٹر فرانسیس۔ جی ہاں۔ بھوکوں مرنے میں شاید آرام ملتا ہوگا مگر میں تو یہ خیال نہیں کر سکتا۔

جان لوئی ٹن

مجلس منتخبہ نے جس آخری گواہ کی شہادت لی وہ جان پوئی ٹن نامی اسپٹل فیلڈ کا ایک پارچہ باف تھا۔

ریشمی مصنوعات۔ اسپٹل فیلڈ میں بہت کم باندھنو رومال بنتے تھے اس لئے ہندوستان کا اس مقام سے کچھ مقابلہ نہ تھا۔ اس پر بھی یہ گواہ ہندوستانی مصنوعات پر محصول کم کرنے کا اس لئے مخالف تھا کہ "اگر محصول کم کر دیا جائے تو ملک میں اس وضع کے رومال اور بھی کم بننے لگیں گے اور جو لوگ اب باندھنو رومال بناتے ہیں وہ جو کچھ اور بنانا شروع کر دیں گے اور اس طرح ان چیزوں میں جن کو ہم بنا رہے ہیں یقینی وہ ہم سے مقابلہ کرنے لگیں گے۔

ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا دار العوام کی مجلس منتخبہ نے اس شہادت پر

جو قلمبند کی گئی تھی کوئی مختص تجاویز پیش کی تھیں یا نہیں ؟ لیکن ہمارے سامنے دارالامرا کی مجلس منتخبہ نے جو رپورٹ پیش کی تھی وہ موجود ہے کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے دارالعوام و دارالامرا دونوں کے پاس معروضہ کیا تھا اور دارالامرا کی مجلس منتخبہ نے ملوِل لارپنٹ اور ٹریویلین کے علاوہ دوسرے ان گواہوں کی بھی شہادت قلمبند کی تھی جن کی شہادتیں مجلس دارالعوام کے سامنے پیش ہوئی تھیں اور جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

لارڈ ایلنبرو جو بعد کو گورنر جنرل ہند ہوا تھا مجلس دارالامرا کا صدر نشین تھا اور اگرچہ اس کی رپورٹ ہندوستانیوں کے ساتھ یہ ظاہر اتھا ئی ہمدردی جتانے کے خیال سے لکھی گئی تھی مگر اس میں بھی ان کی دستگیری و دادرسی کے لئے جس کی تگ و دو میں وہ لگے ہوئے تھے کچھ نہیں لکھا گیا۔ لارڈ صاحب نے ہندوستان کے مخصوص دعاوی کو جو پارلیمنٹ کی حق شناسی اور فیاضی پر مبنی تھے حسب معمول اپنے رنگین طرز تحریر میں صرف بیان فرما دیا:

"ہندوستان جس کی آبادی ممالک متحدہ برطانیہ اور برطانوی شہنشہی کے زیر نگین جتنے اقطاع عالم ہیں ان سب سے زیادہ اور چہار چند زیادہ ہے جس کے محاصل ہی سے حکومت اور فوجی محافظت کے جملہ مصارف ادا ہوتے ہیں جس کی حکومت کے اعلیٰ تر معزز تر اور زرخیز تر عہدوں پر پیدائشی انگریز رعایا ہی مامور ہے اور حکمرانی کرتی ہے اس پر یہ بھی لازم کیا گیا ہے کہ مختصر سے فوجی ساز و سامان کے سوا بلا کسی معاوضے کے سالانہ وہ اس ملک کو بین۲ اور تین۳ لاکھ پونڈ انگلسیہ کی رقم ارسال کرتا رہے"۔

اس بلاغت نشان اظہار خیال کے بعد لارڈ ایلنبرو نے جزائر غرب الہند اور ہندوستان کے تمباکو پر محصول یکساں کر دینے کی سفارش کی لیکن رم شراب کے متعلق اس طرح کی تجویز پیش کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ہندوستان کے سوتی مصنوعات تو مٹ ہی چکے تھے۔ ایلنبرو نے سفارش کی کہ ان پر ہندوستان اور انگلستان میں محصول یکساں کر دیا جائے۔ لیکن ہندوستان

کے ریشمی مصنوعات انگلستان کے ریشمی مصنوعات کے ساتھ اب بھی مقابلہ کر رہے تھے اس لیے لارڈ ایلنبرو نے ان پر محصول یکساں کر دینے کی کوئی سفارش نہیں کی اور "ہندوستان کے یہ سب سے آخری مصنوعات" اسطرح مٹ گئے۔

آٹھواں باب

قہوہ ۔ شکر اور روئی

۱۸۴۸ء اقوام یورپ کے لئے بڑے سیاسی انقلاب کا سال تھا۔ فرانس نے اپنے بادشاہ کو معزول کر کے اس کی جگہ دوسری مرتبہ جمہوریہ قائم کی تھی جرمانیہ چھوٹے چھوٹے والیانِ ریاست کی مطلق العنانی سے تنگ آکر باغیانہ تحریکات کی شکل میں اپنی بے صبری اور اضطرار کا اظہار کر رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس کو ایک اہم دستور بھی مل گیا تھا۔ اطالیہ نے قبل از وقت آسٹریا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا میزینی کے خیالات کی تقلید میں ایک جمہوریہ روما میں قائم کر دی گئی تھی اور وہاں قومی خودمختاری حاصل کرنے کے لئے پہلی دفعہ ایک کوشش عظیم کی گئی تھی جو ناکامیاب رہی۔ آسٹریا نے ویانا کی بغاوت بھی دیکھی تھی اور وطن پرست بہادر کسوتھ کے زیر حکم شورش پر آمادہ تھی آئرلینڈ میں تنسیخ "اتحاد" کا مسلسل مناقشہ کھلی بغاوت کا مقدمہ بن گیا تھا غرض ہر جگہ قدیم روش اور پرانی باتیں مفقود ہو رہی تھیں اور ان کے بجائے نئے نئے قومی ادارے اور قومی طاقتیں پیدا ہونے کے آثار نظر آتے تھے۔

ان سیاسی تحریکات کے ساتھ ساتھ تجارتی اور زرعی مصیبت بھی یورپ میں پھیلی ہوئی تھی۔ انگلستان میں ایک طرف تو مالکانِ اراضی کا طبقہ غلے کی

قیمت حسب حال برقرار رکھنے پر تلا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف صنعت گرد پیر دو اپنیہ طبقہ سستی روئی کھانے پر اڑا ہوا تھا۔ اس جھگڑے کا تصفیہ ۱۸۴۶ء میں قانون غلہ کی تنسیخ پر ہوا۔ اس طرح برطانوی مصنوعات کو اس سے بڑا زور ہو گیا اور لوگ ایک ایسی شاہنشاہی کے بے سرو پا خواب دیکھنے لگے جس میں سب انسانی ضرورتوں کا پورا پورا سامان موجود ہو۔ کیا یہ ممکن تھا کہ انگلستان پردیسی اقوام سے بالکل مستغنی بن جائے؟ کیا یہ ممکن تھا کہ انگلستان کے سب مایحتاج خود اسی کی نو آبادیات سے دستیاب ہونے لگیں؟ چینی چائے کے بجائے ہندوستانی چائے بتدریج مقبول ہو رہی تھی۔ کیا ہندوستان کے لیے یہ ممکن تھا کہ حسب ضرورت قہوے کی سربراہی بھی کرے؟ جزائر غرب الہند میں غلاموں کو آزادی ملنے کے بعد شکر کے نخلستانوں کو انحطاط ہو گیا تھا۔ کیا ہندوستان کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ برطانیۂ عظمیٰ کے لئے معقول مقدار میں شکر بھیجا کرے؟ امریکہ کی روئی لنکاشیر کے کارگاہوں کے کام آتی تھی کیا یہ ممکن تھا کہ ضرورت کے موافق ہندوستان میں کپاس پیدا ہونے لگے؟ غرض ان سب امور کی پارلیمنٹ نے تحقیقات شروع کر دی۔

مجلسِ شکر و قہوہ

۱۸۴۸ء میں دارالعوام نے لارڈ جورج بنٹنک کی صدارت میں یہ دریافت کرنے کے لئے ایک مجلس منتخبہ منعقد کی کہ "ملک معظم کے جزائر غرب الہند اور ہندوستان کے مقبوضات اور جزیرۂ موریشس میں شکر اور قہوے کے نخلستانوں" کی موجودہ حالت کیا ہے اور آیندہ کے توقعات کیا ہو سکتے ہیں۔ اس مجلس نے متعدد گواہوں کی شہادت قلمبند کی اور دو ہزار مطبوعہ صفحات کی آٹھ رپورٹیں پیش کیں۔ پہلا گواہ لارڈ پامرسٹن تھا مگر ہندوستان کی تجارت کے متعلق صاف سیدھا اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ پارلیمنٹ کے ایک رکن مسمی جان بنگشا کی شہادت بھی اسی روز پیش ہوئی۔ بنگشا نے ان سب غیر مفید اشکال کو تفصیل کے ساتھ

بیان کیا جن کے تحت ہندوستان کو دوسرے برطانوی مقبوضات سے مقابلہ کرنے پر سخت نقصان پہنچا تھا۔

"اول ایسٹ انڈیا کمپنی کے مطالبات وطن کی تکمیل کے لیے ہندوستان کے محاصل سے بلا کسی قسم کے معاوضے کے ہر سال تین ۳ لاکھ پونڈ انگلیسیہ اور اس سے بھی بڑھ کر رقم باہر چلی جاتی ہے۔

"دوم۔ دیوانی اور فوج کے ملازم جن میں سے شاذ ہی دو ایک ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے بود و باش اختیار کر لیتے ہیں روپیہ خوب جمع کرتے ہیں اور ہندوستان کی دولت کا یہ جز ہر سال برطانیہ عظمیٰ ارسال ہوتا ہے جس سے وہاں کے اصل میں اسی قدر اضافہ ہو جاتا ہے"۔

"سوم یہ مشہور امر واقع ہے کہ برطانوی ہند کے محاصل کا جزء اعظم مالگزاری ہی ہے اور پیداوار اراضی پر یہ ایک بار سنگین ہے جو ایک کروڑ پینتیس ۳۵ لاکھ پونڈ انگلیسیہ کے لگ بھگ ہوتا ہے۔

"چہارم۔ انگلستان کے محصول خانوں میں جن طریقوں سے محصولات وصول کیے جاتے ہیں ان کی وجہ سے مال درآمد کرنے والوں کو ہر وقت مشکلات درپیش رہتی ہیں۔

گزشتہ تیس ۳۰ سال میں ہندوستان میں سوتی مصنوعات کے مٹ جانے پر جان بیگنشا نے بہت تاسف کا اظہار کیا۔ ۱۸۱۶ - ۱۸۱۷ء میں "ہندوستان نے نہ صرف اپنی بڑی آبادی کے تمام کپڑوں کی سربراہی کی بلکہ ۱۶۵۹۴۳۸ پونڈ مالیت کے تھان اس کے علاوہ برآمد بھی کیے"۔ مگر اس کے تیس ۳۰ سال بعد یہ برآمد کچھ بھی باقی نہیں رہی تھی بلکہ الٹے خود ہندوستان چالیس لاکھ پونڈ انگلیسیہ کا سوتی مال اپنے لیے درآمد کرنے لگا تھا۔ "برطانوی مصنوعات اہل ہند چاہیں تو خرید سکتے ہیں کیونکہ یہ $2\frac{1}{2}$ فی صدی محصول ادا کرنے پر ہندوستان میں درآمد ہوتے تھے مگر ہندوستانی مصنوعات پر یہاں (انگلستان میں) ایسا امتناعی محصول وصول کیا جاتا ہے کہ اہل انگلستان کا اس مال کو استعمال کرنا بالکل بند ہو گیا ہے"۔ شکر انگلستان میں نہیں بنتی تھی اس لیے اس کے شرح محصول میں کسی قدر مفید تبدیلی

کی گئی ۔ جس کا نمایاں نتیجہ فوری دکھائی دینے لگا ۔ ایک ہندوستانی اخبار کی عبارت نقل کرتے ہوئے بیگشافے یہ کہا کہ "گزشتہ کسی عہد میں تجارت کی کسی شعبے میں بھی ایسی بڑی ترقی ہونے کی مثال نہیں ملتی ۔ اس ناگہانی توفیر کے مماثل ہندوستان کے کسی اور ذریعۂ آمدنی کا نشو و نما کبھی دیکھا ہی نہیں گیا ۔ گزشتہ سال ہم نے (ہندوستان نے) انگلستان کو اس کے جملہ صرفے کی ایک ربع مقدار کے برابر شکر کی سربراہی کی تھی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوستان رفتہ رفتہ انگلستان کی پوری مانگ کی تکمیل کر سکے گا ۔" یہ کہنا اب بے فائدہ ہے کہ یہ توقع کبھی پوری نہ ہوئی اور انیسویں ۱۹ صدی عیسوی کے آخری نصف حصے میں قریب قریب دوسرے سب مصنوعات کے ساتھ شکر سازی پر بھی انحطاط چھا گیا ۔

ایبٹ انڈ با کمپنی کے ایک ممتاز ناظم مسمی کرنل سائیکس نے جس نے ہندوستان کے اعداد و واقعات کا بغور مطالعہ کیا تھا ہندوستان سے ہر سال ۳۰۰۰۰۰۰ پونڈ سے لیکر ۳۷۰۰۰۰۰ پونڈ تک جو معاشی سوتاؤ تھا اسکی تفصیل بیان کرتے ہوئے سچ کہا تھا کہ "وہاں برآمد ہمیشہ درآمد سے متجاوز رہتی ہے جبھی تو ہندوستان اس خراج کی تاب لا سکتا ہے ۔" ایبٹ انڈ با کمپنی کے صدر نشین ہنری سنٹ جارج ٹکر نے کہا تھا کہ اس معاشی سوتاؤ کی مقدار روز افزوں ہو رہی ہے کیونکہ مطالبات وطن میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے ۔" کمپنی کے صدر نشین کا اس پر اظہار افسوس کرنا بیشک خلوص دل کے ساتھ تھا مگر اس سے بھی کچھ تدارک خاطر خواہ نہ ہوا کوئی ستم ظریف یہ کہہ سکتا تھا کہ ہندوستان سے دولت کی گنگا جتنی انگلستان کو بہتی تھی انگلستان بھی اتنی ہی زیادہ ہمدردی اور تاسف کا دریا بہا کر اس کا نعم البدل کر دیتا تھا ۔

مسٹر جیمس الکزانڈر جو ہندوستان کے ساتھ تجارت کرتا تھا انگلستان میں ہندوستانی شکر کے بڑی مقدار میں صرف ہونے کا دیر تک ذکر کرتا رہا مگر اس کے آئندہ توقعات کے متعلق نہایت نپی تلی شہادت اس نے دی تھی ۔ ہندوستانی شکر کی تجارت میں ۱۸۴۶ء سے قبل معقول منافع ملتا تھا مگر تھوڑا عرصہ گزرا کہ کچھ نہیں ملنے لگا

اگر یہ تجارت بھی انحطاط میں آگئی تو پھر بڑی مشکل یہ تھی کہ ہندوستان سے اس ملک کو خراج ہر سال کیونکر ایصال ہوگا۔ اس گواہ نے یہ بیان کیا کہ ۱۸۴۲ء تک تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عموماً ہندوستان کی درآمد تقریباً ...... ۶ پونڈ اور برآمد تقریباً ...... ۹۵ پونڈ رہی تھی۔ اور ان دونوں کا تفاوت تقریباً ...... ۴ پونڈ ہوتا ہے اور یہی وہ خراج تھا جس کو کمپنی اس ملک سے وصول کرتی تھی۔[1]

الکزانڈر اور سر جورج لارنپٹ (جن کا ذکر ہم نے پچھلے باب میں کیا ہے) ان دونوں نے مجلس منتخبہ کے سامنے یہ بیان کیا تھا کہ جزائر غرب الہند اور موریشیس زیادہ تر شکر بنانے والے ملک تھے اور ہندوستان زیادہ تر شکر صرف کرنے والا ملک تھا اور اپنی سالانہ پیداوار کا ایک قلیل جز غیر ممالک بھی بھیجتا تھا اسی لیے شکر کی برآمد میں ہندوستان مدت دراز کے لیے دوسرے ممالک سے مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ لارنپٹ نے یہ بھی کہا کہ ۱۸۳۶ء میں محصول جو مساوی کردیا گیا تھا وہ محض اس لئے نفع بخش ثابت ہوا تھا کہ اس اثناء میں جزائر غرب الہند کی شکر مقدار میں بہت کم ہوگئی تھی یعنے جہاں تک مجھ کو خیال پڑتا ہے ۱۸۳۱ء میں یہ شکر ...... ۲۰۰ ٹن ہوئی تھی مگر ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۲ء

---

[1] پہلی رپورٹ۔ پچاس سال قبل یہ صداقت عیاں ہوچکی تھی کہ مطالبات وطن کی تکمیل میں ہر سال جو معاشی بدرروہ ہندوستان سے جاری تھی اس سے ہندوستان جتنا مال درآمد کرسکتا تھا اس سے زیادہ برآمد کرنے پر مجبور تھا۔ اس طرح انگلستان اور ہندوستان کے درمیان جو تجارت قائم تھی وہ خود اختیاری یا فطری نہ تھی بلکہ جبراً تھی۔ نصف صدی کے بعد سے تو حالات بد سے بدتر ہوگئے ہیں۔ ہندوستان کی مصنوعات انحطاط پر ہیں درانحالیکہ مطالبات وطن تیس لاکھ پونڈ سے ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ تک پہنچ گئے ہیں۔ ہندوستان اس ہولناک مطالبے کی تکمیل بیشتر گیہوں اور چاول یعنے اہل ہند کے اشیائے خوردنی کی برآمد سے کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں افلاس بڑھتا جا رہا ہے اور کثرت سے قحط پڑ رہے ہیں۔

میں صرف ۱۰۰۰۰ ٹن رہ گئی تھی۔ یہی بات تھی جس نے ہندوستان میں ایک حرکت ڈال دی، اور نفع حاصل کرنے کا ایک اور موقع ہندوستان کے لئے پیدا کر دیا۔ یہاں شکر کی گرانی ہی ایک ایسی وجہ ہے جس سے ہندوستان کے لئے شکر برآمد کرنا نفع بخش ہوتا ہے۔"

ایک سے زیادہ گواہوں نے یہی بیان کیا تھا کہ پیداوار کے تخمینہ قیمت کے موافق تشخیص مالگزاری کا اثر اراضی پر یہ تھا کہ شکر کی طرح اور دوسری قابل قدر پیداوار کی کاشت کرنے کی لوگوں کو ترغیب نہیں ہوتی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے صدر نشین مسمی ہنری سینٹ جورج ٹکر نے کہا تھا کہ "سر ٹامس منرو کا منصوبہ یہ تھا کہ ملک سے حتی المقدور محصول وصول کیے جائیں۔ اس نے پیداوار کی مختلف چیزوں پر اپنے خیال کے موافق قیمت لگا کر مالگزاری کی تشخیص کر دی تھی اور ان اشیاء پر جن پر زیادہ منافع ملنے کی امید تھی مالگزاری کی رقم میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ اس میں منرو کو کامیابی ہوئی یا ناکامیابی اس کے متعلق میں اس لئے کچھ نہیں کہتا ممکن ہے تخفیف پیداوار کے اسباب دوسرے ہی ہوں لیکن یہ تو میں یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اس طرح محصول لگانے کا نتیجہ مدراس کی عملداری میں یہ ہوا کہ وہاں شکر سازی کے لئے گنے کی کاشت میں کمی ہونے لگی اور نئی نئی رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔"

سیلون کے ایک نخلبند قہوہ مسمی رابرٹ کرسچین نے اس جزیرہ کے پہلے نخلستان قہوہ کے دلچسپ حالات حسب ذیل بیان کیے تھے۔

"سنہ ۱۸۳۱ء میں ہم نے پہلے پہل یہ کام شروع کیا تھا اس وقت ہماری ترغیب کا باعث یہ تھا کہ ایک طرف تو جزائر غرب الہند کے قہوہ کی مقدار پیداوار میں روز بروز بہت کمی ہو رہی تھی اور دوسری طرف اس زمانے میں انگریزوں کے نخلستان تامینی محصول کے زیر اثر موج کر رہے تھے اور ان حالات کا نتیجہ یقینی یہی تھا کہ عام طور پر گرانی پھیلی ہوئی تھی۔" ہم سے پہلے اہل سیلون بھی یورپی اشخاص کے بلا توسط اور بغیر امداد سرمایہ قہوے کی کاشت اور قہوے کی برآمد بھی کرتے تھے سنہ ۱۸۳۵ء میں اس جزیرے سے ۲۵۰۰ ٹن قہوہ جس کی کاشت کلیتاً اہل سیلون ہی نے کی تھی انگلستان بھیجا گیا تھا۔ اس سے (۹) سال بعد سنہ ۱۸۴۴ء کی

فصل ۲۴۴۲۰ ٹن ہوئی تھی جس میں سے ۱۷۲ ٹن اہل سیلون کی پیداوار تھی اور ۲۰۹ ٹن یورپی نخلبندوں کی۔

مجلس منتخبہ نے اپنی آخری رپورٹ میں شکر کے نخلستانوں میں غلاموں کو آزادی مل جانے اور آزاد مزدوروں کے نہ ملنے سے جو سخت نقصان اور تکلیف ہوئی تھی اس کو تفصیلی طور پر بیان کیا تھا اور شکر کی طرفداری میں جو برطانوی مقبوضات کی پیداوار تھی۔ اشلنگ "تفریقی محصول" لگانے کی سفارش کی تھی۔

مجلس پنبہ

ایک اور اہم مجلس منتخبہ ہندوستانی کپاس کو ترقی دینے کے اسباب دریافت کرنے کے لئے اسی سال مقرر کی گئی تھی۔ قدیم زمانے ہی سے ہندوستان سوتی پارچوں کے لئے جن کی سربراہی ایشیا اور یورپ کی سب منڈیوں کو ہوتی تھی مشہور عالم تھا۔ جب انگلستان نے اپنے بھاپ کی طاقت سے چلنے والے کارگاہوں اور ماکینی محمولات کے زور پر ہندوستان کی صنعت کو دبوچ ڈالا تو اس پر بھی امید کی جاتی تھی کہ ہندوستان اس خام پیداوار کی کاشت جس کی لنکیشر کے کارخانوں کو ضرورت تھی جاری رکھے گا۔ چنانچہ اس خیال سے کہ یہ خام پیداوار اور صنعت دونوں انگلستان ہی کے قبضے میں رہیں اور اس طرح امریکہ یا دوسرے غیر ممالک کی اس کو محتاجی نہ رہے ہندوستان میں کپاس کی کاشت کو ترقی اور توسیع دینے کے لئے ہر ممکنہ کوشش ہو رہی تھی۔ بنا بریں ۱۸۴۸ء میں جس مجلس منتخبہ کے ذمے یہ اہم ترین کام کر دیا گیا تھا اس کا صدر نشین مشاہیر انگلستان میں سے ایک شخص بنا دیا گیا یعنے جان برائیٹ جس نے "قانون غلہ" کی تنسیخ کے لئے شورش بپا کرنے میں کابڈن کے رفیق کار کی حیثیت سے خاص امتیاز حاصل کیا تھا۔ اسی تحقیقات کے اثنا میں جان برائیٹ نے ہندوستان کے معاملات پر ایسی مکمل اندرونی واقفیت حاصل کر لی تھی کہ مدت العمر اس کی تقریروں میں اس واقفیت کی جھلک نمایاں رہی

بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انیسویں صدی کے وسط میں جان برائیٹ کی دارالعوام میں وہی حیثیت تھی جو اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری قرون میں ایڈمنڈ برک کی تھی۔ ایک بہت بڑے زبردست مشرقی ملک کے حق میں انصاف کرنے کی ان دونوں نے کوشش کی تھی جس کی یاد چاردانگ عالم میں اس وقت بھی تازہ رہے گی جبکہ برطانوی شاہنشہی کا نام ونشان دنیا میں نہ رہے گا۔ اور ان کی مطبوعہ تقریریں انگریزی نثر کے بہترین نمونوں کی حیثیت سے اس وقت بھی زیر مطالعہ رہیں گی جبکہ غالباً موجودہ انگریزی زبان دنیا میں بولی نہ جائے گی۔

مجلس منتخبہ نے کپاس کی کاشت سے متعلق ابھی بہت زیادہ شہادت قلمبند کی نہ تھی کہ ہندوستان کی اراضی پر تشخیص لگان کے متعلقہ سوال پر بھی نظر ڈالنا اس کے لیئے ناگزیر بن گیا۔

فرانسیس ولیم پریدو نے جو اس وقت تنقیح مراسلات ہند کے صیغے میں ایک مددگار تھا مینچسٹر کے ایوان تجارت کی درخواست سے مالگزاری کے موضوع سے متعلق ذیل کی عبارت پڑھ کر سنائی "کپاس کی بہتر طریقے پر کاشت کرنے میں جو رکاوٹیں ہیں ان میں سب سے زیادہ نمایاں محصول اراضی ہے یعنے وہ حقیقت ہے جو اراضی کی بنائے قبضہ ہے نیز سڑکوں اور ذرائع حمل ونقل کی غیر موجودگی۔ آپ کے سائلوں کا خیال یہ ہے کہ خود معزز مجلس کے بہ عقیدہ دل نشین ہے کہ ان مقامات میں جہاں فی زمانہ کپاس کی کاشت ہوتی ہے محصول اراضی بالکل ناقص ہے چنانچہ متعدد بار اصلاحیں شروع کی گئی تھیں مگر شروع کرنے کے ساتھ ہی موقوف کردی گئیں لیکن جب تک بمقابل دوسری چیزوں کی فصل کے کپاس کی فصل پر سنگین محصول لگانا ترک نہ کردیا جائے اور حقیت اراضی معقول اور واجبی اصول پر نہ قائم کی جائے اس وقت تک اعلیٰ درجے کی روئی پیدا کرنے کی سب کوششیں جن سے اس کی ایسی قیمت آنے لگے کہ اور زیادہ کاشت کرنے کی لوگوں کو ترغیب ہو رائیگاں جائیں گی"

برطانوی صناعوں کا وہ زور چلا کہ انگلستان میں روئی کی برآمد پر سب

محصولات معاف ہو گئے چنانچہ ۱۸۳۶ء میں بنگالے کی روئی پر ۱۸۳۸ء میں بمبئی کی روئی پر اور ۱۸۴۴ء میں مدراس کی روئی پر کوئی محصول وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن مجلس نظماء نے کپاس کی ازدیاد کاشت کی لوگوں کو ترغیب دینے کی غرض سے محصول اراضی میں تخفیف کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

اس کے بعد ڈاکٹر جان فوربز رائل نے شہادت دی۔ یہ شخص سہارنپور کے نباتی باغ کا نو (۹) سال تک محافظ رہا تھا اور ۱۸۳۲ء میں اس نے "ہندی طب کی قدامت" پر ایک قابل قدر رسالہ بھی شائع کیا تھا جس میں قدمائے ہند کے علم کیمیا اور علم جراحی کے معلومات کے متعلق کہ وہ کیا تھے اور کس نوعیت کے تھے توضیح کی تھی۔ اس نے اپنی شہادت میں یہ بیان کیا تھا کہ لورپول میں سورت کی روئی بمقابل امریکہ کی روئی کے ۳۰ فی صدی سستی بکتی تھی اور ہندوستان کی روئی عموماً نہایت کثیف حالت ہی میں جہازوں پر لادی جاتی تھی۔ امریکہ کی کپاس ہندوستان میں جہاں سرخ مٹی ہو وہاں بہتر نشو و نما پاتی تھی اور ہندوستان کی روئی سیاہ مٹی میں۔ الاباما اور لوئیزیانہ نامی امریکہ کی ریاستوں میں فی ایکر چار سو پونڈ (وزنی) صاف روئی نکلتی تھی درآنحالیکہ ہندوستان میں سو یا ڈیڑھ سو پونڈ (وزنی) سے زیادہ نہیں نکلتی تھی۔ شمالی ہند میں ۱۸۳۳ء کے جدید بندوبست سے جس میں کاشتکاروں کو طویل المیعاد پٹے دئے گئے تھے کپاس کی کاشت میں بہت کچھ اضافہ ہوا تھا۔ ہندوستان میں بنولے نکالنے کی مشین رائج کرنا مناسب خیال کیا گیا تھا مگر امریکہ کی روئی سستے داموں ملتی تھی اس لئے مینچسٹر کے سوت کاتنے والے ہندوستان کی روئی کام میں لاتے تھے۔ ہندوستان کی روئی دو طریقوں سے انگلستان میں کام میں لائی جاتی تھی۔ ایک تو اس کے کپڑے بنے جاتے تھے دوسرے لحاف کی طرح ملبوسات میں وہ بھری جاتی تھی یعنے موسم سرما میں لوگ کوٹ کے استر میں روئی بھر کر پہنتے تھے۔ سال بسال انگریزی سوتی کپڑوں کی ہندوستان میں درآمد ترقی پر تھی اور ہندوستانی سوتی مصنوعات ایک ایک کر کے مفقود ہو رہے تھے۔

مینچسٹر کے ایوان تجارت کے میر مجلس مسمی ٹامس بیزلی نے ایک نقشہ پیش کیا تھا

جس میں امریکہ اور ہندوستان کی روئی کا انگلستان میں تناسب درآمد بتایا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جملہ برطانوی درآمد کے ساتھ ہندوستان کی روئی کا تناسب کم و بیش ۸ اور ۱۵ فی صدی کے درمیان تھا۔ ملکۂ وکٹوریہ کی تخت نشینی کی تاریخ سے دس سال کے اعداد ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:-

انگلستان۔ اسکاٹلنڈ اور آئرلنڈ میں روئی کی درآمد

سنہ عیسوی	ممالک متحدہ امریکہ سے	برطانوی مشرقی مقبوضات سے
	پونڈ (وزنی)	پونڈ (وزنی)
۱۸۳۷	۳۲۰۳۵۱۷۱۶	۵۱۵۸۷۱۴۱
۱۸۳۸	۴۳۱۴۳۷۸۸۸	۴۰۲۲۹۴۹۵
۱۸۳۹	۳۱۱۵۹۷۷۹۸	۴۷۱۷۰۶۴۰
۱۸۴۰	۴۸۷۸۵۶۵۰۴	۷۷۰۱۰۹۱۷
۱۸۴۱	۳۵۸۲۱۴۹۶۴	۹۷۳۶۸۳۱۲
۱۸۴۲	۴۰۵۳۲۵۶۰۰	۹۶۵۵۵۱۸۶
۱۸۴۳	۵۵۸۷۳۵۶۰۰	۶۸۸۲۰۵۷۰
۱۸۴۴	۵۱۷۲۱۸۶۲۲	۸۸۶۳۹۶۰۸
۱۸۴۵	۶۲۶۶۵۰۴۱۲	۵۸۴۳۷۴۲۶
۱۸۴۶	۳۸۲۵۲۶۰۰۰	۳۴۲۷۰۸۰۰

اسی گواہ نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ سوت کاتنے والے کو ایک پونڈ (وزنی) سورت کی روئی سے ۱۲ اونس دھاگا ہاتھ آتا تھا اگر ایک پونڈ (وزنی) امریکہ کی روئی سے ½۱۳ اونس تاگا نکلتا تھا۔ اسی لیے موخر الذکر کی قیمت ½۳ اور ۶ پنس کے

مابین تھی جب کہ ہندوستانی روئی کی قیمت ۳ اور ۵ پنس کے درمیان تھی
ٹامس بیزلی نے اپنی شہادت کے آخر میں ہندوستان اور انگلستان کے مابین تجارت کے بارے میں ایک انگریز کا کیا خیال ہوسکتا ہے اس کی چند الفاظ میں یوں توضیح کی تھی کہ "ہندوستان کی عملداری بہت وسیع ہے اور برطانوی مصنوعات کی ایک کثیر مقدار ہندوستان کی آبادی اپنے صرف میں لاسکتی ہے ہماری ہندوستانی تجارت کے متعلق صرف سوال یہی ہے کہ ہم جو بھی اپنے مصنوعات بھیجنے کے لئے تیار رہیں کیا وہ لوگ ان کی قیمت اپنی پیداوار اراضی سے ادا کرنے کے قابل رہیں ؟"

رابرٹ کرافرڈ نامی ایک تاجر ساکن بمبئی نے اس صوبے کے چند مقامات میں روئی کی کاشت کس قدر ہوئی تھی اس کے متعلق ۱۸۳۴ء سے ۱۸۴۵ء تک ان بارہ سال کے اعداد پیش کیے تھے ۔ بروچ میں روئی کی کاشت ان اراضی کی (جن پر مالگزاری مقرر تھی) جملہ کاشت کی ۴۳ فی صدی ۔ سورت میں ۲۲ فی صدی ۔ خاندیس میں ۱۰ فی صدی اور شولاپور میں ۳ فی صدی ہوی تھی ۔ گجرات میں مالگزاری کی نوعیت کے متعلق جب اس سے سوال کیا گیا تو اس گواہ نے یہ جواب دیا کہ "جب سرکار اور سرکاری عہدہ دار بالکل بجا طور پر اس بات کو قابل تعریف سمجھتے ہیں کہ حتی الامکان جس قدر محاصل ان کو مل سکتے ہیں اس قدر سب وصول کریں تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اراضی سخت سے سخت اور سنگین سے سنگین لگان پر ان کو دی جاتی ہے"
اور اس گواہ نے مسٹر ڈیوس کلکٹر بروچ کی رپورٹ سے ذیل کا اقتباس پڑھ کر سنایا ۔
"بد نصیبی سے منڈی کی موجودہ حالت ایسی ہے کہ کاشتکار اپنے سرمایے کی تلافی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ منافع کی توقع کرے ۔ لہذا اس سے یہ استنباط بالکل بدیہی ہے کہ کاشتکار تباہی سے بچنے کے لئے بالکلیہ معافیات یا پیداوار کی فاضلات پر انحصار کرتا ہے"

اسی گواہ نے "قوانین جہاز رانی" کے برے اثرات کو جن کی روسے جہازوں پر انگریز ملاحوں اور خلاصیوں کے سوا دوسری قوم کے افراد ملازم نہیں رکھے جاسکتے تھے اپنی شہادت میں بیان کیا تھا اور کہا تھا کہ "مجھ کو معلوم ہے کہ بعض وقت ایسا بھی

ہوتا ہے جب بندرگاہ بمبئی کے کسی جہاز کے لیے یہی باعث سہولت تھا کہ وہ ہندوستانی خلاصیوں کے ساتھ اس ملک کو آئے بشرطیکہ اس کو بھی بحر و بندرگاہ میں وہی حقوق و مراعات حاصل رہیں جو ایک انگریزی جہاز کو حاصل ہیں۔"

ایک اور بہت ہی اہم گواہ میجر جنرل برگز تھا ۱۸۰۱ء میں یہ کمپنی کی ملازمت میں داخل ہوا تھا اور تینتیس ۳۳ سال تک ہندوستان میں کارگزار رہا تھا۔ سر جان میلکم اور اور مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن کے سے اشخاص کے زیر حکم رہ چکا تھا اور میسور کا کمشنر اور ناگپور کا رزیڈنٹ بھی رہا تھا۔ اس نے "مالگزاری ہند" پر ایک نہایت قابل قدر اور مکمل کتاب لکھی تھی اور شمالی ہند کے بندوبست میں لارڈ ولیم بنٹنک کا مشیر بھی رہا تھا۔ تاریخ ہند کا مطالعہ اس نے اصل ماخذ ہی سے کیا تھا۔ اور تاریخ فرشتہ کا ایک ایسا عالمانہ ترجمہ کیا تھا جو آج تک مسلمہ ہے۔

میجر جنرل برگز نے ہندوستان میں روئی کے صرف کثیر کا ذکر کیا اور کہا کہ "تمام دنیا کے صرف کے لئے روئی کافی مقدار میں پیدا کرنے کی" اس ملک میں صلاحیت ہے اس کے خیال میں انگلستان کو اور زیادہ مقدار میں روئی برآمد ہونے میں دو رکاوٹیں تھیں ایک تو محصول اراضی اور دوسرے حمل و نقل کے لئے سڑکوں کا نہ ہونا۔ مقدم الذکر موضوع پر اس سے سوال کیا گیا تو اس نے یہ جواب دیا کہ "ہندوستان کا محصول اراضی نیز تمام دیگر بلا واسطہ محصولات سب محصول آمدنی کے اصول ہی پر مبنی ہیں آمدنی کا ایک جز جنس کی شکل میں ہو کہ زر کی حسب معمول فرمان روا کا حق سمجھا جاتا ہے" اور ہندوؤں کے عہد حکمرانی میں یہ جز ابتداءً پیداوار کا عشر مقرر کر دیا گیا تھا۔"

شمالی ہند کا بندوبست جس کو لارڈ ولیم بنٹنک نے ۱۸۳۳ء شروع کیا تھا ایسا تھا کہ رعایا کے ادارے اس سے محفوظ ہو گئے تھے اور اگر اس کو دوامی کر دیا جاتا تو اس سے سرکار اور کاشتکار دونوں کو فائدہ پہنچتا۔" برخلاف اس کے مدراس کے بندوبست میں سر ٹامس منرو کے ۱۸۲۷ء میں تخفیف محصول کے بعد بھی حد سے زیادہ محصول تھا۔ سرکاری مطالبہ نہ تو پورا ادا کیا جا سکتا تھا اور نہ کیا جاتا تھا۔ کلکٹر کی قوت تمیزی پر اس بات کا انحصار تھا کہ وہ جو مناسب سمجھے وصول کرے۔

اور جب اس طرح کلکٹر کی قوت تمیزی پر کس کا انحصار رہے تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ ذیلی عہدہ داروں کے ایک انبوہ کثیر کی (جو ملک میں اس سرے سے اس سرے تک پھیلے ہوئے تھے) قوت تمیزی پر دراصل اس کا انحصار تھا" معینہ محصول اراضی کبھی پورا ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ ہر سال معافیات ہوتے تھے اور کسانوں کی حالت مفلس و نادار کی سی ہو گئی تھی"

جنرل برگز نے لگان بہ شکل غلہ لینے کی پرزور سفارش کی یعنے محصول اراضی ہر سال اسی سال کی پیداوار پر مبنی ہو اور اس کی رائے یہ تھی کہ اس قاعدے کے تحت رعیت واری نظام کارآمد رہ سکتا ہے۔ "اور پیداوار کا ۵۰ فی صدی حاصلات پیداوار یا خالص پیداوار سے بشرطیکہ غلے کی شکل میں یہ وصول کیا جائے کچھ زیادہ نہیں ہے" "لیکن یہ محصول چونکہ بہ شکل زر وصول کیا جاتا ہے اس لئے اکثر اس کو جملہ پیداوار کے مساوی سمجھنا چاہئے"

ہاس وتھمسن نے جو بمبئی کا کمشنر مالگزاری رہ چکا تھا انگریزوں کے نظام مالگزاری پر یہ سنگین ترین الزام لگایا تھا کہ صرف ایک شخص یعنے محصول اراضی معین کرنے والے عہدہ دار کی مرضی اور رحم ... پر ساری قوم کی خوشحالی کا انحصار تھا اور اس نے کہا کہ "ضلع بھر کی خوشحالی صرف اس عہدہ دار کی ذاتی قابلیت پر منحصر تھی جس کے زیر انتظام یہ ضلع ہوتا تھا" اضلاع کے کلکٹر ہمیشہ مکمل اور با مروت انسان نہیں ہوتے تھے چنانچہ زمانہ حال تک گجرات پر نہایت سنگین محصول لگا دیا گیا تھا اور اراضی کی ترقی بالکل مسدود ہو گئی تھی۔ بروچ میں بہت بڑا بقایا ناقابل وصول تھا۔ معافیات محض ذاتیات اور عہدہ داروں کی مرضی پر موقوف تھے اور مالگزاری کی رقم مختلف قسم کی بدعنوانیوں سے متاثر ہوتی تھی ... عام ... نہایت ہی مفلس و بے مایہ ہو گئی تھی۔ ان ... زرعی سرمایہ بہت ہی کم رہ گیا تھا اور روئی کی پیداوار بھی کم ہو گئی تھی۔ "بے حساب محصول لگا دینے کے عام نتائج اور ... یہی تو ہیں"

جورج گبرن گجرات کا کلکٹر رہ چکا تھا اور ۱۸۲۶ء میں ہندوستان سے چلے جانے کے بعد ۱۸۴۰ء میں بہ حیثیت جوڈیشل کمشنر اس ملک کو واپس آیا تھا چودہ سال منقضی ہونے کے بعد بھی اس نے لوگوں کی حالت میں کوئی اصلاح نہیں دیکھی

بلکہ اس کو یہی نظر آرہا تھا کہ "دستمندوں پر زوال آگیا تھا" اور عام طور پر بہت زیادہ محصول لگا دیا گیا تھا۔ "ان تمام مقامات میں جہاں ایک بہ حیثیت کلکٹر رہ چکا ہوں رعیت کے لیے کچھ نہیں بچتا کہ پس انداز کیا جائے یا رعیت اصلدار بن جائے"۔

اس گواہ سے یہ پوچھا گیا کہ "کیا آپ ان مقاموں سے بھی واقف ہیں جہاں سنگین محصول لگا دینے سے بادی النظر میں کاشت کم ہو گئی ہے"؟ تو اس نے یہ جواب دیا کہ "میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھکو ایک بھی ایسا مقام معلوم ہے۔ جس مقام کو دیکھئے وہ ترقی کرنے کے بجائے جہاں تھا وہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ رعیت کو کچھ منافع بھی نہ ملے تو کاشت کرتے رہنے کے سوا ان کو چارہ ہی کیا ہے؟ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی توپسری کے لیئے کاشت کرنا ان کے لیئے ضروری ہے وہ اپنے دیس یا گاؤں سے جس کے وہ باشندے ہیں ایسے وابستہ ہیں کہ ایک پائی کے فائدے کے بغیر وہ سرکاری لگان ادا کرنے ہر وقت تیار رہیں بشرطیکہ ان کو اتنا مقدور بھی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ کہیں بھی ترقی کے آثار نمایاں نہیں"!

فرانسس کارنک براؤن کے والدین انگریز قوم کے تھے مگر اس کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی تھی، اور اس کو بھی اپنے والد کی طرح ہندوستان کی سوتی صنعت و حرفت کا بہت بڑا تجربہ تھا۔ اس نے مجلس منتخبہ کے سامنے ایک ہندوستانی چرخہ پیش کیا اور یہ توضیح کی کہ صنعت گروں کے ہر چرخے۔ ہر گھر اور ہر دروازے پر نہایت ہی تکلیف دہ "متفرقہ محصول" تھا اور اس کی وجہ سے ہندوستان میں بنولے نکالنے کی مشینیں رائج نہیں کی جاسکتی تھیں۔

فرانسس براؤن روئی کی کاشت کے ہندوستانی نظام کے متعلق بڑی اعلے رائے رکھتا تھا چنانچہ اس نے یہ کہا تھا کہ ہندوستانیوں کو اس فن کے سکھانے کے لیئے امریکہ سے کاشتکاروں کو بلانا ایسا ہی تھا جیسے گیہوں کی کاشت انگریز زمینداروں کو سکھانے کے لیئے بلجیم سے کاشتکاروں کو طلب کرنا۔ اس نے اپنی اس رائے کی تائید میں امریکہ کے ایک کاشتکار مسمی مرسر کی شہادت پیش کی تھی جو روئی کی کاشت کو ترقی دینے کے لیئے ہندوستان بھیجا گیا تھا۔ سنہ ۱۸۴۲ء اور سنہ ۱۸۴۵ء کے درمیان مسٹر مرسر نے یہ بیان کیا تھا کہ حکومت بمبئی کی گشتی مورخہ ۲۸ جنوری سنہ ۱۸۴۵ء سے ذیل کی عبارت نقل

کی گئی ہے)۔ ''سرکار نے تجربہ کی غرض سے روئی کی کاشت کے لئے اراضی اور عملہ کیا مختص کیا دراصل اپنا روپیہ رائگاں کیا امریکہ کا نظام ہندوستان کے مناسب حال نہیں ہے۔ اور خود دیسیوں کو ہندوستان کی آب و ہوا اور زمین کی قوت نمو کے متعلق ایسے اچھے معلومات ہیں کہ وہ بمقابل کسی یورپی شخص کے زیادہ کفایت اور عمدگی کے ساتھ یہ کاشت خود کر سکتے ہیں۔''

تشخیص مالگزاری کے متعلق فرانسیس براون کی شہادت نہایت زوردار تھی مدراس میں کاشت کار کو ''مالگزاری ادا کرنے کے بعد قوت بسری سے زیادہ کچھ نہیں بچتا تھا'' ایسے لکھو کھا کاشت کار مدراس میں تھے جن کو سدرمق یا قوت بسری سے بڑھ کر کچھ نہیں ملتا تھا مقتضائے فطرت اور اسباب معیشت کی محتاجی سے ان کو مجبوراً کاشت کرنی پڑتی تھی اور جہاں وہ اپنے قدم گاڑتے تھے وہیں کے ہو جاتے تھے۔ اور سرکاری مالگزاری انہیں کہیں مفر ہی نہ تھا ان پر محصول اراضی اس قدر زیادہ لگا دیا جاتا تھا کہ وہ کبھی پورا نہیں ادا کر سکتے تھے اس گواہ نے یہ بھی کہدیا کہ ''مجھ کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دیسی لوگ ہمیشہ ایسی مخلوق متصور ہوتے ہیں جو صرف ایسٹ انڈیا کمپنی کے مطالبات ادا کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہو۔''

جب فرانسیس براون پر حکومت ہند کے خلاف ایسی نکتہ چینی کرنے کا الزام لگایا گیا۔ تو اس نے یہ جواب دیا کہ ''میرا منشاء ایسٹ انڈیا کمپنی کو محض بدنام کرنا نہیں ہے مگر ملک کی حالت بھی تو دیکھئے اور میرا کہنا یہ ہے کہ ایک انگریز کی آنکھوں سے اور ایک انگریز ہی کے فہم و ادراک اور ایمانداری کے ساتھ دیکھئے اور پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے بارے میں فیصلہ کیجئے ...... میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے بلا مبالغہ بچشم خود لوگوں کو مرتے دیکھا ہے اور حکومت کی زیر کارروائی ملک کو فلاکت میں گرفتار دیکھا ہے ...... عام طور پر ملک کی حکومت رعایا میں افلاس و ناداری و ذلت خواری ہی پھیلا رہی ہے۔''

امریکہ کے نظام اراضی کا جس کے تحت روئی کی کاشت پھیلائی جا رہی تھی ہندوستان کے نظام اراضی کے ساتھ جس کے تحت روئی کی کاشت جس قدر برآمد کرنے کی غرض سے کی جاتی تھی گھٹ رہی تھی مقابلہ کرنے کے بعد اس گواہ نے کہا کہ

"امریکہ میں اراضی ڈالر کو ایک ایکڑ کے حساب سے فروخت کیجاتی ہے اور خریدنے والے کو ساتھ ہی ساتھ اراضی کے متعلق آیندہ کچھ دینے دلانے سے "معافی دوام" مل جاتی ہے اور اس کے بعد اس پر کسی قسم کی زیر باری عائد نہیں ہوتی دراصل روئی کی پیداوار کی وجوہ محرک بھی یہیں تو ہیں لیکن ہندوستان کی صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے یہاں حق مالکانہ ہے ہی نہیں اسی لئے کسی شخص کو اپنے فائدے کے لئے یہاں کاشت میں روپیہ لگانے اور حتی الامکان محنت و جانفشانی کرنے کی ترغیب نہیں ہوتی۔"

فرانسس براؤن اس لئے بھی قابل ستائش ہے کہ یہ پہلا شخص تھا جس نے ہندوستان کے جنگلوں کے اتلاف کی بناء پر قلت بارش کے خطرے سے آگاہ کیا اس وقت اس بات کا کوئی سمجھنے والا نہ تھا اس لئے اس گواہ نے بیرن ہمبولٹ کی "آپ بیتی کہانی" سے ذیل کا فقرہ پڑھکر سنایا۔ "پہاڑوں کے دامن میں اور ان کی چوٹیوں پر جو درخت اُگتے ہیں ان کی بیخ کنی سے ہر ملک میں انسان آیندہ نسلوں کے لئے دو طرح کی آفتیں پیدا کرتا ہے ایک تو ہیزم سوختنی کی محتاجی اور دوسرے پانی کی قلت۔

ہندوستان کے قدیم ذرائع آبپاشی کے متعلق فرانسس براؤن نے کہا کہ "تمام جنوبی ہند میں گنجم سے لیکر راس کامورن تک ایسے ایسے تالابوں کے نشان جگہ جگہ نظر آتے ہیں جنکے دیکھنے سے عقل دنگ رہ جاتی ہے" ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے سوائے تنجور کے جہاں آبپاشی کے مفید ترین نتائج ظہور پذیر ہوئے تھے کہیں بھی ان قابل قدر ذرائع آبپاشی کی نگہداشت نہیں کی میجر آرتھر کاٹن نے کمپنی کی حکومت کو متعدد بار ذرائع آبپاشی کی اہمیت سے آگاہ کیا تھا مگر محض بے سود اور فرانسس براؤن کا خیال تھا کہ آبپاشی کے ذریعہ سے ہندوستان کا بہت سا حصہ مصر کی وادی نیل کی طرح سرسبز و شاداب ہو سکتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظماء بلاشک و شبہ فرانسس براؤن کو آگ لگانے والا نہ سہی تو ایک جوشیلا آدمی تو سمجھتے تھے لیکن نصف صدی سے زیادہ مدت کے بعد اب کوئی بھی اس شہادت کو پڑھ کر انکار نہیں کر سکتا کہ اس تیز نظر انگریز نے جس کی پیدائش اور تربیت ہندوستان ہی میں ہوئی تھی ان بعض بڑی بڑی خرابیوں کو اس وقت تاڑ لیا تھا جب کہ ہندوستان کے منتظمان مملکت ان کو محسوس نہیں کر سکتے تھے یا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ بھی قرین قیاس نہ تھا کہ ہندوستان کے سرکاری عہدہ دار فرانسس براؤن کے سے شخص کی شہادت پر اعتراض کرنے کے بغیر خاموش

بیٹھے رہ گئے۔ مسٹر براؤن کی شہادت پیش ہونے کے تین ہی دن بعد راس منگل نے جو حکومت ہند کا معتمد مالگزاری رہ چکا تھا اور اس وقت پارلیمنٹ کا رکن اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ناظم بھی تھا اظہار دینے کیلئے خود کو پیش کیا۔ اس زمانے میں غالباً انگلستان میں کوئی اور شخص ایسا نہ تھا جو کمپنی کے انتظام مالگزاری کی ایسی پچ کر سکتا جیسی منگل کر سکتا تھا۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص اس کی شہادت پڑھے اور اس کے یقین کامل کے جذبے اور اظہار خیالات کی صفائی کو محسوس نہ کرے۔ مگر باایں ہمہ راس منگل ہندوستان کی مالگزاری کے صرف نظریہ کی پچ کر سکا کیونکہ اس کی عملی خرابیوں سے درحقیقت اس سے زیادہ کوئی واقف نہ تھا۔

منگل نے بیان کیا کہ صوبہ بنگال میں جہاں دوامی بندوبست تھا زمیندار لوگ جو مالگزاری سرکار کو ادا کرتے تھے وہ اوسطاً ان کی جاگیروں کے لگان کی تقریباً نصف ہوتی تھی ان خطوں میں جہاں دوامی بندوبست نہ تھا سرکاری مطالبہ لگان کا ۷۵ فی صدی ہوتا تھا۔ مدراس میں رعیت ہی مالک اراضی بھی تھی اور سرکار کو براہ راست مالگزاری ادا کرتی تھی لیکن رعیت واری نظام میں خرابی یہ تھی کہ دوامی مداخلت اور ہر سال تشخیص لگان ہوتا تھا۔ اس سے رشوت ستانی استحصال ناجائز اور ظلم کا ایک رستہ پڑ گیا تھا۔

شہادت دینے کے دوسرے روز راس منگل کی جان برائیٹ صدر نشین مجلس منتخبہ اور جورج ٹامسن رکن مجلس کے ساتھ بڑی بحث ہوئی جس کا یہاں نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

جورج ٹامس۔ کیا آپ یہ ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں کہ کسی حکومت کا خواہ وہ انگریزوں کی ہو یا کسی اور کی ہندوستان کی اراضی پر اگر سارے ہندوستان پر اسی حکومت کا تسلط مان لیا جائے تو مالکانہ حق رکھنے کا دعویٰ کرنا اخلاقی وجوہ سے بالکل درست ہے؟

راس منگل۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ سوال مالگزاری سے متعلق ہے۔ میں نے کبھی یہ نہ تو فرض کیا ہے اور نہ بیان کیا ہے کہ ہندوستان میں حکومت ہی اراضی کی مالک تھی اور نہ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ ہندوستان میں حکومت ہی اراضی کی مالک ہے۔

جورج ٹامسن۔ کیا دراصل یہ واقعہ نہیں کیونکہ ملک اس سرے سے اس سرے تک اراضی کے فطری لگان کے ۷۵ فی صدی کا مطالبہ حکومت اپنے اوپر فرض سمجھتی ہے۔

راس منگل۔ خارج از حافظ زمانے ہی سے لگان کا ایک حصہ سرکاری اغراض کیلئے حق سرکار سمجھا جاتا ہے

جان برائیٹ۔ کلکٹروں کے ذریعہ لگان وصول کرنے کے طریقے کے متعلق کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں

کہ بالفرض اراضی کے ایک متصل ٹکڑے کی پیداوار ۱۰۰ ہوتی ہو تو آیا کوئی معینہ تناسب ایسا ہے جس کے لحاظ سے کلکٹر بطور مالگزاری سرکار رقم کی ایک خاص مقدار مقرر کر دینے کا مجاز سمجھا جاتا ہے یا نہیں؟

راس منگل میں نے اس سے پہلے مجلس کے سامنے اس کی توضیح کر دی ہے کہ چند سال سے پیداوار کے اصول پر بندوبست کرنا نہایت خطرناک ثابت ہو رہا ہے اسی لئے کلکٹروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ہر موقع پر وہ لگان معلوم کرنے کی کوشش کریں اور بندوبست کے لئے اسی کو اپنا اصول قرار دیں۔

جان برائیٹ۔ اگر تشخیص مالگزاری ہر سال کی جاتی ہے جیسا کمپنی کی زیر حکومت ہندوستان کے بہت بڑے حصے میں ہوتا ہے تو پھر ایسی صورت میں کہ کاشتکار نے خود ترقی واصلاح کی ہو کیا مالگزاری میں اضافہ اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ کاشت میں اور بھی ترقی واصلاح ہو یا اس مقصد سے کہ ترقی و اصلاح کرنے کے لئے کاشتکار کی ہمت پست ہو جائے؟

راس منگل۔ مقتضائے فطرت تو یہی ہے کہ اس سے پست ہمتی پیدا ہوگی میں بھی اس سالانہ تجدید بندوبست کے اسی قدر خلاف ہوں جس قدر معزز صدر نشین صاحب خود ہو سکتے ہیں۔

یہ رد و قدح اس لئے اہم ہے کہ اس سے ان اصول پر روشنی پڑتی ہے جن کو ۱۸۵۳ء ہی میں تسلیم کر لیا گیا تھا۔

(۱) حکومت نے مالکِ اراضی ہونے کا دعوی نہیں کیا تھا بلکہ زمیندار رعیت ہی مالک اراضی تسلیم کیجاتی تھی
(۲) حکومت صرف لگان کے ایک حصے کا بطور مالگزاری مطالبہ کرتی تھی۔
(۳) یہ حصہ معیّن نہ تھا۔ ان جاگیروں میں جہاں دوامی بندوبست ہو چکا تھا مطالبہ سرکار لگان کا تقریباً ۹۰ فی صدی اور جہاں دوامی بندوبست نہیں ہوا تھا وہاں قریب قریب ۷۵ فی صدی ہوتا تھا۔

باقی باتوں میں راس منگل بھی جان اسٹوارٹ مل کا ہم خیال تھا یعنے ہندوستان کی مالگزاری جزو لگان ہونے کی وجہ سے پیداوار اراضی کی لاگت میں شامل نہیں اس لئے روئی کی کاشت کی یہ بالکل نفع بخش تھی

جان سیلیون نے بھی جو مدراس میں ایک محکمے کا وزیر اور مجلس مالگزاری کا میر مجلس رہ چکا تھا ہندوستان کے نظام مالگزاری کی تائید کی مگر ہندوستان سے سالانہ جو معاشی نوناہ ہوتا تھا اس کا وہ شاکی تھا۔ "موجودہ نظام مالگزاری کے متعلق اہل ہند کو جو شکایت ہے وہ میرے خیال میں اس لئے نہیں ہے کہ مالگزاری کی رقم اس قدر زیادہ ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس رقم کا مصرف موجب تکلیف ہے۔ ان کے اپنے بادشاہوں

کے عہد حکومت میں جتنا محاصل ملک سے وصول ہوتا تھا وہ سب کا سب ملک ہی میں صرف ہوتا تھا لیکن ہماری حکومت میں محاصل کا بہت بڑا حصہ بلا کسی معاوضے کے ہر سال ملک سے سوت لیا جاتا ہے۔ اور دولت کا یہ سوتا و ساٹھ ستر سال سے جاری ہے اور بجائے گھٹنے کے بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے .... ہمارا نظام اسفنج کا کام کرتا ہے یعنے لب گنگا اچھی اچھی چیزیں پانی کی طرح چوس لیتا ہے اور دریائے ٹمز پر پہنچکر پانی ہی کی طرح ان کو نچوڑ دیتا ہے ...... انکو (ہندوستان کے لوگون کو) محصولات لگانے میں جن کے ادا کرنے کا ان سے مطالبہ ہوتا ہے رائے دینے کا کوئی حق نہیں ہے ان کو قانون وضع کرنے میں بھی جس کی تعمیل ان پر فرض ہے رائے دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ خود ان کے ملک کے نظم و نسق میں ان حقیقی طور پر شریک نہیں کیا جاتا اور ان سب حقوق سے ان کو اس ہتک آمیز و گستاخ حیلے سے محروم کر دیا جاتا ہے کہ ایسے فرائض کی انجام دہی کے لئے ان کے دماغی اور اخلاقی قوٰی درست نہیں ہیں۔

باقی دوسرے گواہوں کی شہادت کم اہم ہے اس لئے یہاں اس کی تشریح غیر ضروری ہے۔ مجلس منتخبہ کے سامنے کس نوعیت کی شہادت پیش ہوئی تھی اس کے معلوم کرنے کے لئے یہاں تک جو کچھ قلمبند ہوا وہ کافی ہے۔ اس شہادت پر جان برائٹ اور اس کے رفقائے کار نے ۱۷ جولائی ۱۸۴۸ء میں اپنی رپورٹ پیش کر دی۔

اس رپورٹ میں انھوں نے بیان کیا تھا کہ ساٹھ سال تک یعنے ۱۷۸۸ء سے مجلس نظما نے روئی کی کاشت پھیلانے اور اس کی برآمد میں اضافہ کرنے کے لئے ہندوستان میں مختلف تجربے کیے تھے۔ امریکہ سے مشینیں منگوائی تھیں۔ اور وہاں سے روئی کے کاشتکاروں کو بھی ہندوستان بھیجا تھا اور اسی غرض سے تجربے کے لئے کچھ اراضی بھی مختص کر دی تھی۔ اب بھی نظما کو یہی یقین تھا کہ ہندوستان میں روئی کی کاشت میں جو کچھ بھی رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو سکتی ہیں۔

ان تجربات کے نتائج دیکھ کر مجلس منتخبہ کو اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ ہندوستان ایک غیر محدود مدت تک بہت اچھے درجے کی روئی کی سربراہی کر سکتا ہے لیکن

اس مجلس کی رائے میں جو ذرائع کہ اختیار کیے گئے تھے ان سے اس کام کے سرانجام کی توقع نہ تھی ۔ امریکہ کی روئی جس کا تار لمبا ہوتا تھا ہندوستانی مصنوعات کے لئے ایسی موزوں نہ تھی جیسی خود ہندوستان کی روئی تھی اور غیر ممالک کے مطالبے کی ہر وقت کی کمی و بیشی ایک نئی قسم کی روئی کی کاشت کے لئے کوئی معقول وجہ نہیں سمجھی جاتی تھی بالخصوص جبکہ اس کا انتشار دور دراز بدیسی منڈیوں کی سربراہی کرنا تھا ۔

ہندوستان کے کاشتکاروں کی خستہ حالی پر بھی مجلس منتخبہ نے توجہ مبذول کی ۔ مدراس اور بمبئی میں کثیر التعداد کاشتکاروں کے پاس وہ کچھ سرمایہ نہ تھا اور نہ وہ ذرائع اُن کو حاصل تھے جو صرف سرمائے ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور جن سے صنعت میں نئی نئی اصلاحیں کی جا سکتی ہیں اور اس کو ترقی دی جا سکتی ہے ۔ درحقیقت کاشتکاروں کے اس طبقے کی بہت ہی بری حالت ہے ۔"

اس سوال پر کہ کاشتکاروں کی خستہ حالی کس حد تک سرکار کے مطالبۂ مالگزاری کا نتیجہ ہے اختلاف رائے تھا ۔ ایک طرف تو یہ اصول پیش کیا گیا تھا کہ جب تک مطالبۂ سرکار معاشی لگان کے ایک حد تک محدود رہتا ہے اس وقت تک کاشتکاروں پر کوئی ایسا خراب اثر نہیں پڑتا جس سے ان کا افلاس بڑھے ۔ دوسری طرف یہ شہادت پیش ہوئی تھی کہ انھیں مقامات کا انتظام عملی طور پر خراب تھا جن کی آبادی بہت بڑی تھی اور جو صرف ایک عہدہ دار کی زیر نگرانی تھے ۔ اور یہ کہ ناعاقبت اندیشانہ جوش کارگزاری یا عدم کارگزاری یا تخمین غلطیوں ہی سے ان مقامات کی خوش حالی پر مضر اثر پڑا تھا اور یہ کہ "دراصل یہ نظام انتہا یا زرعی آبادی کے لئے اصلاح کی امنگوں کا ناس کرنے والا نہیں تو کم سے کم ہمت پست کرنے والا تو ضرور تھا ۔"

"مطالبہ سرکار میں اعتدال پیش نظر رکھنا اور رقم مالگزاری اور حقیت اراضی بالکل معین کر دینا" ان ہر دو اصول کو ہندوستان کے بندوبست اراضی کی بنیاد بنانے کی سفارش کی گئی تھی ۔

آخر میں مجلس منتخبہ نے ہندوستان میں سڑکوں کی ضرورت اور ان کے نہ ہونے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور خود دراس ہنگل کی (جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا ناظم

تھا) شہادت کا حوالہ دیا جس میں اس نے بیان کیا تھا کہ اندرونی ذرائع آمدورفت کی اصلاح و ترقی کے لئے کس قدر کم کام ہوا تھا اور کس قدر باقی تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے گواہوں نے درآمد و برآمد کے مرکزوں سے اندرون ملک آمدورفت کے لئے ریلیں بنانے کی بھی سفارش کی تھی۔

نواں باب

چائے۔ نمک اور افیون

جان برائیٹ نے ۱۸۴۸ء میں رپورٹ پیش کردی۔ اس کے پانچ سال بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا منشور تجدید کے لیے پیش ہوا اور حسب معمول دارالامرا اور دارالعوام دونوں کی مجالس منتخبہ نے ۱۸۵۲ء اور ۱۸۵۳ء میں کمپنی کے نظم ونسق ہند کی مکمل تحقیقات کی جب ہم کمپنی کے عام نظم ونسق سے بحث کریں گے اس وقت اس تحقیقات کا حوالہ بھی دیں گے۔ سردست اس تحقیقات کے اثناء میں چائے۔ نمک اور افیون کی پیداوار کے متعلق جن دلچسپ واقعات کا انکشاف ہوا تھا ان کو اس باب میں ہم بیان کرتے ہیں:۔

چائے

چائے کی کاشت پر اہم ترین شہادت "نباتی باغ" سہارنپور کے محافظ مسمی ڈاکٹر رائل کی تھی جس نے روئی کی مجلس منتخبہ کے سامنے بھی (جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے) شہادت دی تھی۔ اس نے ۱۸۲۷ء اور ۱۸۳۲ء میں حکومت ہند کے پاس چائے کی کاشت کرنے کی سفارش کی تھی۔ حکومت ہند نے ۱۸۳۵ء میں اس کاشت کی ابتدا کی

اور سب سے پہلے ۱۸۳۶ء میں چائے کی پتی بنائی گئی۔ اس گواہ کی شہادت کے وقت (۱۸۵۳ء) میں ہمالیہ کے شمالی مغربی حصے میں اور آسام میں بھی اس سرے اس سرے تک چائے کی کاشت بڑے پیمانہ پر ہو رہی تھی۔

اب تک تو ۰۰۰۰۰ پونڈ (وزنی) سے زیادہ چائے کو مائوں میں پیدا نہیں ہوئی تھی مگر کاشت پھیل رہی تھی کیونکہ وہ سب پہاڑی علاقہ جو سکم سے لیکر نیپال اور کو مائوں ہوتے ہوئے وادی کنگڑا تک پھیلا ہوا تھا چائے کی کاشت کے لیے بہت موزوں تھا۔ ڈاکٹر جمسن نے جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی یہ کام لے رہی تھی اطلاع دی تھی کہ جیسا وادی کنگڑا میں چائے کا پودا سر سبز و شاداب ہوتا ہے ویسا کسی اور زمین پر نہیں ہوتا ۰۰۰۰۰ ہندوستانی عموماً چائے استعمال نہیں کرتے۔"

حکومت ہند نے آسام میں چائے کی کاشت کا سب کاروبار ایک کمپنی کے تفویض کر دیا تھا ایک اور کمپنی کو مائوں میں چائے کی تمام کاشت حکومت سے خرید لینے کی تجویز کر رہی تھی۔

نمک

ہندوستان میں کمپنی کے ذرائع آمدنی میں نمک اور افیون کا اجارہ کچھ کم اہم نہ تھا۔ کمپنی کے کارپرداز اور گماشتے بنگالے میں نمک بناتے اور فروخت کے لئے منڈی میں بھیجنے سے پہلے اس کی اصل لاگت پر ۵ شلنگ فی من (۸۲ سیر) محصول لگا دیتے تھے پنجاب کی کانوں سے جو نمک نکلتا تھا اس پر ۴ شلنگ فی من محصول لیا جاتا تھا اور دیسی ریاستوں میں جو نمک بنتا تھا اس پر انگریزی عملداری میں داخل ہونے کے وقت ۴ یا ۵ شلنگ محصول وصول کیا جاتا تھا۔

مدراس میں دریا کے کنارے ایک مقام پر آب شور جمع کر کے حرارت آفتاب سے بخارات بنکر اڑ جانے کے لئے اس کو یونہیں چھوڑ دیا جاتا تھا اور اس طرح جو نمک بنتا تھا وہ بنگالی نمک سے سستا بھی ہوتا تھا اور فی من ۲ شلنگ کے حساب سے اس کو بیچنے سے کمپنی کو خوب آمدنی بھی ہوتی تھی۔ بمبئی میں فی من ڈیڑھ شلنگ محصول ادا کرنے

پر نمک سازوں کو خاص قسم کے اُتھلے برتنوں میں سے جس میں وہ بنتا تھا نمک نکال لینے کی سرکار اجازت دیتی تھی۔ انگلستان یا دوسرے ممالک سے ہندوستان کو جو نمک آتا تھا اس پر فی من ۵ یا ۶ شلنگ محصول لیا جاتا تھا تاکہ بازار میں اس کی قیمت ہندوستانی نمک کی قیمت سے جس پر محصول تھا کم ہونے پائے۔

نمک سازی سے کمپنی کو جو ۱۷۹۳ء میں ۔۔۔۔۸ پونڈ خالص آمدنی ہوئی تھی وہ بڑھکر ۱۸۴۴ء میں ۔۔۔۔۔۱۳۰ پونڈ ہوگئی تھی اور اس باون (۵۲) سال کی مدت میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس قدر نمک بنایا تھا اس کا تخمینہ بیس کروڑ من سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اور اس نمک سے جس قدر آمدنی ہوئی تھی اس کا اندازہ چھ کروڑ پونڈ انگلیسیہ کیا جاتا ہے۔

مذکورالصدر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں جس قدر نمک کمپنی خود بناتی تھی اور جس قدر برطانیہ عظمیٰ سے ہندوستان میں درآمد کرتی تھی ان دونوں میں ایک توازن قائم رکھنے کی وہ کوشش کر رہی تھی۔ اس حکمت عملی کی بانی دراصل دارالعوام کی مجلس منتخبہ تھی جس نے ۱۸۳۶ء میں اس طرح عمل کرنے کی تجویز منظور کی تھی اور کمپنی فقط اسی حکم کی تعمیل کر رہی تھی لیکن اس اصول پر عمل کرنے میں کمپنی نے اس حکم سے بطور خود کسی قدر تجاوز بھی کیا تھا جس سے برطانوی نمک سازوں کو ناجائز مگر مفید مطلب موقع ہاتھ آگیا تھا کیونکہ کمپنی نے اصل لاگت میں محاصل کی وصولیابی اور تامین کے مصارف بھی لگا دیے تھے اور اس طرح بنگالی نمک کی قیمت فروخت میں اضافہ کر دیا تھا۔ اس سنگین غلطی سے برطانی نمک سازوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور برطانوی نمک کی فروخت دن دونی رات چوگنی ہونے لگی۔ دو گواہوں نے جن کو ہندوستان میں برطانوی نمک کی فروخت سے خاص دلچسپی تھی مجلس منتخبہ کے سامنے ذیل کے اعداد پیش کیے تھے:۔

برطانوی نمک جس کی درآمد کلکتے میں تھی						
۱۸۴۶ء-۱۸۳۵ء	۱۸۴۷ء-۱۸۳۶ء	۱۸۴۸ء-۱۸۴۷ء	۱۸۴۹ء-۱۸۴۸ء	۱۸۵۰ء-۱۸۴۹ء	۱۸۵۱ء-۱۸۵۰ء	۱۸۵۲ء-۱۸۵۱ء

من دام اسیر	من دام اسیر	من دام اسیر	من دام اسیر	من دام اسیر	من دام اسیر	من دام اسیر
۵۰۲۱۶	۳۵۲۰۲۵	۷۵۲۹۹۸	۴۵۹۰۰۲	۶۹۴۴۷	۱۰۱۲۶۹۰	۱۸۵۰۷۶۲

برطانوی نمک جس کو ہندوستان ارسال کیا گیا تھا

سنہ ۱۸۴۷ء	سنہ ۱۸۴۸ء	سنہ ۱۸۴۹ء	سنہ ۱۸۵۰ء	سنہ ۱۸۵۱ء
ٹن	ٹن	ٹن	ٹن	ٹن
۲۵۷۵۴	۱۵۵۰۷	۲۷۶۴۰	۳۶۲۴۱	۶۱۷۱۱

برطانوی نمک کی درآمد میں اتنا بڑا اضافہ جو ہوا تو بنگالے کی مجلس مالگزاری پریشان ہو گئی اور اس نے ایک طول طویل مگر نہایت ہی سنجیدہ مراسلہ لکھا جس میں بنگالی نمک کی اصلی لاگت میں مختلف مصارف شامل کر کے جو درحقیقت لاگت کے جز نہ تھے اس کی قیمت میں اضافہ کرنے کی ناواجبیت بتائی تھی۔

ہندوستان کے گورنر جنرل وقت لارڈ ڈلہوزی نے اپنی یادداشت میں اس اہم معاملے پر جو کچھ لکھا تھا اسی سے ذیل کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے:۔

"میری ناچیز رائے میں مجلس مالگزاری کے نمایندے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ موجودہ نظام کے تحت نمک درآمد کنندہ کے حق میں کوئی ناانصافی نہیں ہوتی بلکہ دراصل دیسی نمک سازوں ہی کے حق میں بہت بڑی اور روز افزوں ناانصافی ہو رہی ہے"

"اس کا سیدھا سادہ نتیجہ یہ ہے کہ اس دیس کے نمک کے ساتھ برطانیہ کے ساختہ نمک کا مقابلہ ایسا کامیاب رہا ہے کہ دیسی نمک اب منڈیوں میں کم آنے لگا برخلاف اس کے اگر دیسی نمک کی قیمت فروخت بھی اسی قدر رہے جس قدر دیسی تاجروں کے ہاتھ میں

تعین قیمت رہنے پر ہوتی تو پھر دیسی نمک بھی برطانوی نمک کا ایک طرح مدمقابل بن سکتا تھا۔"

"میری رائے میں حکومت کو اپنی غلطی کے اعتراف میں اس قدر شرمانا نہیں چاہیے جس قدر اس ناانصافی کو دور کرنے میں اس خیال سے ذرا بھی پس و پیش کرنے میں کہ کہیں اس طرح غلطی کرنے کی وجہ سے کلنک کا ٹیکا ان کے ماتھے نہ لگ جائے"۔

"یہ ممکن ہے کہ نئی قیمت مقرر کرنے کے بعد بھی دیسی نمک کا بازاروں میں بکنا اس لئے بند ہو جائے کہ بدیسی نمک کو دوسرے اشیائے درآمد پر تجارتی برتری حاصل ہے۔ اگر تجربے سے یہی ثابت ہو جائے تو پھر حکومت کو اس صورت حال پر مکرر غور کرنا ہوگا لیکن اس وقت حکومت کا فریضہ کیا ہے وہ تو بالکل عیاں ہے"۔

"اتنا بڑا تغیر معزز مجلس نظماء کی اطلاع کے بغیر قوت سے فعل میں لانا نامناسب ہوگا۔ اس لئے آیندہ ڈاک سے انھیں اطلاع کر دی جائے اور چونکہ یہ معاملہ اشد ضروری ہے اس بنا پر جلد سے جلد جواب دینے کی ان سے استدعا کی جائے"۔

چنانچہ مجلس نظماء کو ہندوستانی نمک کے بارے میں جو ناانصافی ہوئی تھی وہ سب کچھ لکھ دیا گیا اور اس کے تدارک کی منظوری ان سے طلب کی گئی۔

جب ہندوستان کے حکام ہندوستانی نمک کی اصل لاگت کچھ ایسی مقرر کر دینے کی کوشش کر رہے تھے جس سے ہندوستانی نمک واجبی طور پر بدیسی نمک کا مقابلہ کر سکے تو اس وقت برطانوی نمک کے درآمد کرنے والے بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار نہیں بیٹھے تھے۔ برطانوی نمک سازوں نے یہ احسان جتا کر کہ اپنا بہتر نمک اہل ہند کو کھلانے کی انھیں آرزو ہے نمک پر محصول درآمد ہی ہندوستان میں اٹھا دینے کی دارالعوام کے پاس درخواست پیش کی تھی اور یہ بھی توقع ظاہر کی تھی کہ اگر یہ طریقہ اختیار کر لیا جائے تو پھر ہندوستانی کثیف اور گندہ نمک کا بازاروں میں بکنا بند ہو جائے گا اور ہندوستان کی کل آبادی برطانوی نمک ہی استعمال کرنے لگے گی۔

شہر مینچسٹر کے تاجروں، نمک سازوں اور بیوپاریوں کی رائے یہ تھی کہ "ہندوستان کی کثیر آبادی کے لئے ایک واجبی قیمت پر عمدہ نمک کا ہمیشہ دستیاب ہونا انتہائی اہمیت رکھتا ہے"۔

ہندوستان میں نمک کی درآمد پر فی ٹن ۷ پونڈ محصول تھا اور یہ اصل لاگت سے ۲۰۰۰ فی صدی زیادہ اور "ہندوستان کے حق میں سراسر ظلم تھا" اسی بنا پر یہ استدعا کی گئی تھی کہ برطانوی نمک بلا محصول ہندوستان میں درآمد کرنے کی اجازت دی جائے یا اس پر محصول لینا ہی منظور ہو تو وہ برائے نام لیا جائے۔

نارتھوچ علاقہ چیسٹر کے باشندوں نے بیان کیا تھا کہ چیسٹر کے ان اضلاع میں جہاں نمک سازی ہوتی تھی سالانہ ۶۰۰۰۰۰ ٹن نمک بنتا تھا اور اس میں ۵۰۰۰ انگریز روزی پر لگے ہوئے تھے اگر ہندوستان میں برطانوی نمک پر بھی وہی محصول لیا جائے جو دوسری چیزوں پر تھا تو ہندوستان کے صرف کیلئے چیسٹر سے بھی ایک خاص مقدار میں ایسا نمک بھیجا جا سکتا تھا "جو غیر مخلوط اور صاف ستھرا ہو۔ کافی مقدار میں ہمیشہ برابر ملتا رہے اور قیمت میں بھی کم ہو"

ڈرائٹیچ کے باشندوں نے شکایت کی کہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا نمک بنانا "قانون ۳ و ۴ عہد ولیم رابع باب ۸۵ کی بدیہی خلاف ورزی اور عدول حکمی تھی کیونکہ اس قانون کی رو سے کمپنی پر سب تجارتی کاروبار بند کر دینا لازمی تھا۔ مزید یہ کہ ہندوستان میں نمک کی درآمد پر ۷ پونڈ محصول عائد ہونے کی وجہ سے ۵۰۰۰ ٹن سے بڑھکر اس کی سالانہ درآمد نہ تھی حالانکہ یہی نمک ہندوستان میں ۴۰۰۰۰۰ ٹن سے بھی زیادہ مقدار میں صرف ہونا چاہئیے اور یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا فریضہ تھا کہ "وہ برطانوی تاجروں کو ایسی تجارت کے فوائد سے محروم کرنے کے بغیر جس پر ان کو سب پر مقدم ایک فطری حق حاصل تھا" اپنے محاصل وصول کرے

دوسٹر کے علاقے میں ویچ (جس کا دوسرا نام ڈرویٹیچ بھی تھا) واقع تھا جس کے میئر بلدیہ شہر کائے میئر بلدیہ اور ممتاز شہریوں نے شکایت کی تھی کہ فی ٹن ۷ پونڈ محصول کثیر لگا کر ایسٹ انڈیا کمپنی نے "برطانوی نمک کا ہندوستان کی منڈیوں میں آنا بند کر دیا تھا"

شہر گلوسٹر کے ایوان تجارت نے بھی یہی شکایت کی تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا نمک بنانا "قانون ۳ و ۴ عہد ولیم رابع باب ۸۵ کی بدیہی خلاف ورزی اور عدول حکمی تھی" اور برطانوی تاجروں کو "ایسی تجارت کے فوائد سے جس پر ان کو سب پر

مقدم ایک فطری حق حاصل تھا محروم کر دینے پر" سخت اعتراض کیا تھا۔

سینٹ ہیلینیز کے تاجروں صنعت گروں اور بیوپاریوں کی رائے یہ تھی کہ عمدہ نمک کی قیمت اور اسکا وافر مقدار میں ملنا" اہل ہند کی فلاح و بہبود کے لئے بے انتہا اہمیت رکھتا تھا" نیز یہ کہ ہندوستانی نمک خراب بھی تھا اور گراں بھی۔ اور یہ کہ "انگلستان کا ساختہ نمک ہندوستان میں اگر بلا محصول درآمد ہو یا کم سے کم دوسری اشیاء کی طرح اس پر محصول بحساب قیمت لیا جائے گر باقی سب محصولات ملکی پیدا وار معاف ہوں تو پھر اُس ملک کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے معقول مقدار میں نمک بھیجا جاسکتا ہے"۔

ونسفرڈ (جو چسٹر کے علاقے میں واقع ہے) کے باشندوں نے بھی ایک محضرپیش کیا تھا جس میں نارتھوچ کے لوگوں کی درخواست سے جن کا اوپر ذکر آچکا ہے لفظ بہ لفظ اُن کو اتفاق تھا۔

ووسٹر کے ایوان تجارت نے شکایت کی تھی کہ ووسٹر کے لازوال قدرتی چشموں کے پانی سے نمک کا بننا اس لئے کم ہوگیا تھا کہ اس نمک کی درآمد کے لئے ہندوستان کی سب بندرگاہیں بند تھیں "ایک سنجیدہ اور انسانیت پر مبنی حکمت عملی یہ تھی کہ صرف آمدنی کی غرض سے ایک واجبی محصول لینے کے بعد بلا مزاحمت مزید نمک کی درآمد کرنے کے لئے ہماری حوصلہ افزائی کی جائے برخلاف اس کے حکومت ہند نے اپنے خراب نمک کا اجارہ محفوظ رکھنے کی غرض سے ایسے قیود عائد کیے ہیں جن سے معتبر قانونی مشورے کے موافق سائلوں کی نظروں میں قانون ۳ و ۴ عہد ولیم رابع باب ۸۵ کی صریح خلاف ورزی ہوتی ہے"۔

برسٹل کے ایوان تجارت نے نمک پر محصول عائد ہونے سے ہندوستان میں جو تکلیف لوگوں کو محسوس ہو رہی تھی اس کے متعلق بہت اچھے استدلال کے ساتھ ایک زوردار درخواست پیش کی تھی "ہندوستان میں نمک کی قیمت فی ٹن ۲۱ پونڈ ہے درانحالیکہ انگلستان میں وہی نمک ۳۰ شلنگ فی ٹن بکتا ہے۔ جبکہ خود انگلستان میں محصول نمک کا موقوف کر دینا ضروری خیال کیا جاتا ہے تو چہ جائیکہ ہندوستان میں جہاں ملکۂ معظمہ کی لکھوکھا رعایا انگریزوں سے بڑھ کر اس بات کی مستحق ہے

کیونکہ ایک طرف تو ان پر افلاس طاری ہے اور دوسری طرف نمک روزانہ استعمال کے علاوہ ایسی آب وہوا میں امراض کی روک تھام کے لیے بھی نہایت ضروری ہے۔"

لورپول کے تاجروں ۔ مالکان جہاز اور بیوپاریوں کی رائے یہ تھی کہ حکومت کا نہایت اہم اور متبرک فریضہ یہ ہے کہ ہندوستان کی رعایا کے نشوونما میں وہی احتیاط پیش نظر رکھے جو اس ملک کے لوگوں کے نشوونما میں پیش نظر ہے اور ہونی چاہئے۔" اور انھوں نے یہ بھی خیال ظاہر کیا تھا کہ "برطانوی ہند میں نمک پر محصول اٹھا دینے سے نہ صرف وہاں کی رعایا کے حال پر بڑا کرم ہوگا کیوں کہ انصاف اور انسانی ہمدردی کے نقطۂ نظر سے وہ اس کی مستحق بھی ہے بلکہ اس سے عام طور پر اس ملک کے تجارتی تعلقات بھی زیادہ اچھے اور مستحکم ہو جائیں گے اور خصوصاً انگلستان کے سوتی مصنوعات وغیرہ کی مانگ بھی وہاں زیادہ ہو جائے گی۔"

مذکورالصدر اقتباسات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان کے تاجر اور نمک ساز دونوں اس موقع پر زیادہ تر مفاد ذاتی ہی کے لیے اس تحریک میں شریک ہوئے تھے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ اس موقع پر ان کے اغراض محصول ادا کنندگان ہند کے اغراض سے علحدہ نہیں ہیں۔ ہندوستان کے لئے بڑی مسرت کی بات ہوتی اگر اس عام استدعا کی شنوائی ہوتی اور ہندوستانی اور انگریزی نمک دونوں پر ہندوستان میں محصول اٹھا دیا جاتا مگر یہ بھی یاد رہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اس کا نتیجہ غالباً انگلستان کے نمک سازوں کی توقعات کے خلاف ہی نکلتا۔

ہندوستان میں نمک پر محصول وصول کرنے کے لیے کیا کارروائی کی جاتی تھی اس کے متعلق دارالعوام کی مجلس منتخبہ کے سامنے بہت کچھ شہادت پیش ہوئی مدراس کے حالات انجمن اہل مدراس کی درخواست سے جس پر ڈی۔ راما سوامی وغیرہ کے دستخط تھے خوب ظاہر ہوتے ہیں۔

"یہ کہ ۱۸۰۵ء میں نمک کے انتظام اور نگرانی کے لئے سرکار نے ایک محکمہ قائم کیا تھا جس کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ نمک کی قیمت دوچند ہوگئی یعنے اس وقت ۷۰ روپئے (۷ پونڈ) فی گارس مقرر کر دی گئی اور اس حساب سے بعد کے تین سال کی مدت

میں نمک کا اوسط صرف ۲۱۶۰۰۰۰ گارس ہوا تھا۔ اس کے بعد ۱۸۰۵ء میں پھر قیمت ۲
روپے سے ۳.۰ روپیے (۰.۱ پونڈ ۶ شلنگ) فی گارس کر دی گئی اور یہ حکومت کے
اجارہ نمک لینے کے قبل کی قیمت سے سہ چند زیادہ تھی لیکن قیمت میں اضافہ ہونے
کی وجہ سے چونکہ نمک کا صرف کم ہو گیا تھا اس لیئے ۱۸۰۹ء میں نمک کی قیمت پھر ۲
روپیے (۲ پونڈ) فی گارس کر دیگئی۔ مگر آٹھ سال تک مسلسل یہی قیمت رہنے کے
بعد پھر ۵.۰ روپیے (۰.۱ پونڈ ۱۰ شلنگ) مقرر کر دی گئی اور ۱۸۲۶ء میں بڑھا کر اس
کو ۰.۸ روپیے (۸ پونڈ) کر دیا گیا تھا مگر پھر گھٹا کر ۱۲۰ روپیے اور چلر فروش تو اس
پر اپنا منافع لگا کر اور زیادہ قیمت پر نمک بیچتے ہیں تاکہ صارف کی جیب ہی
سے یہ سب کچھ ادا ہو۔"

"اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یا تو لوگ نمک کے بغیر ہی گزارتے ہیں یا اس کے بجائے
نمک سازی کے مقام کی آب و شور سے تر معمولی مٹی جن میں نمک کے ریزے ملے ہوئے
ہوتے ہیں بلا خوف سزا یابی استعمال کرتے ہیں جن سے ان کی صحت پر مضر اثر پڑتا ہے۔
اجارہ کے نمک کے سوا کوئی اور نمک چوری چھپی سے لینا ممنوع ہے اور خلاف ورزی
حکم پر کلکٹر یا تحصیلدار حسب صوابدید ملزم کو سزا نے تازیانہ دینے کا مجاز ہے۔"

اسی طرح نمک کی کارروائیوں میں جو سختی کی جاتی تھی اس کا پورا پورا انکشاف
کلکتے کی انجمن برطانوی ہند کی درخواست سے بھی جس پر راجہ راد ھاکنٹ دیب
بہادر وغیرہ کے دستخط ثبت تھے ہوتا ہے۔

"سرکار اپنی مرضی کے موافق نمک کی قیمت فروخت کا تعین کر دیتی ہے
اور ہر وقت یہ قیمت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ملک میں نمک سازی کا سب کچھ سامان
رہنے کے باوجود انگریز تاجروں کے لئے برطانوی نمک کی درآمد نفع بخش ہوتی ہے
نمک کی گرانی کی وجہ سے وہ لوگ تک جو نمک سازی کے مرکز کے پاس ہی رہتے ہیں
نمک خرید نہیں سکتے بلکہ نمک جہاں بنتا ہے وہاں کی اوپر اوپر کی مٹی کی پرت
لیکر استعمال کرتے ہیں اور جو لوگ ملک کے اندرونی حصے میں بود و باش رکھتے ہیں
وہ تو صرف ترکاریاں وغیرہ جلا کر ان کی راکھ کا کھار اس کام میں لاتے ہیں۔
عدل و انصاف اور حکمت عملی کے اصول کے خلاف محکمۂ نمک کے عہدہ داروں

کو عدالتی اختیارات بھی عطا ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ حکام اختیارات حاصلہ کے استعمال میں اگر بے ضابطگیاں نہ کریں اور لوگوں کو تکلیف نہ دیں تو کیا تعجب ہے۔ ذیلی عہدہ داروں کو بھی اس حیلے سے کہ محصول ادا کیے بغیر مال چھپا کر لانے کا انسداد کیا جائے ہر وقت نمک کے باربرداروں اور شورہ صاف کرنے والوں کو ستانے کا موقع مل جاتا ہے۔ سائلوں کی رائے یہ ہے کہ اس محکمے میں اور ضروری اصلاحوں کے علاوہ یہ اصلاح بھی حکومت کو کرنا مناسب ہے کہ اگر حکومت اس نامقبول ذریعۂ آمدنی سے فوراً دست بردار ہونا نہیں پسند کرتی تو اس کو چاہیے کہ کم سے کم نمک پر ایک مستقل اور غیر تغیر پذیر شرح محصول مقرر کر دے مثلاً ۱۰۰ من (۱۰۰ ہم سیر) پر ۲۰۰ روپے (۲۰ پونڈ) جس سے نہ صرف غربا کو بڑا فائدہ پہنچے گا بلکہ خود قانون سے بھی محصول اندرون ملک وصول کرنے والوں کی ایک طرح کی عدالتی بے ضابطگی مٹ جائے گی اور نمک کی چوکیوں کے ذیلی عہدہ داروں کا نمک کے بیوپاریوں کو ستانا بند ہو جائے گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نمک بھی ضروریات زندگی میں داخل ہے اس لئے جس قدر جلد ممکن ہو اس پر محصول بالکل اٹھا دینا چاہیئے"۔

بمبئی کے کاشتکاروں نے حکومت بمبئی کی خدمت میں محصول نمک کے ظلم و تشدد کے خلاف ۲۶ نومبر ۱۸۵۲ء میں ایک درخواست پیش کی۔ اس کے بعد کے دارالعوام کی مجلس منتخبہ نے رستم جی ویکاجی کی شہادت قلمبند کی۔ اس گواہ نے مذکورالصدر درخواست کا کچھ حصہ پڑھکر سنایا جس میں درخواست گزاروں نے بیان کیا تھا کہ ان کے کھیتوں کی پیداوار سال میں آٹھ ماہ کے لئے ان کو کفاف کرتی تھی۔ باقی چار مہینوں کے لئے ترکاریوں پر ان کی گزراوقات تھی جس میں وہ نمک مرچ ڈال کر پکا لیتے تھے بشرطیکہ نمک پر محصول نہ ہو اور محصول ہو تو پھر اپنے ذائقہ کی اتنی معمولی چیز کو بھی خریدنے کا ان کو مقدور نہ تھا"۔

متعدد ممتاز و تجربہ کار عہدہ داروں نے جو پُر زور شہادت دی تھی وہ اس شہادت سے جو بنگالے، مدراس اور بمبئی کے باشندوں نے دی تھی کسی حال کم نہ تھی۔

رابرٹ برڈ نے جس نے تینتیس ۳۳ سال تک عدالت اور مالگزاری کے سررشتہ جات

میں خدمت انجام دی تھی جب محصول نمک کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا وہ ایسا ہی زحمت دہ ہے جیسا بیان کیا جاتا ہے تو اس نے حسب ذیل جواب دیا۔

"مجھکو معلوم نہیں کہ اس کے متعلق کیا کہا گیا ہے مگر اس میں تو شک نہیں کہ یہ محصول نہایت سنگین ہے اور نمک کی اصلی لاگت پر تقریباً ۳۰۰ یا ۴۰۰ فی صدی ہوتا ہے لیکن صرف سرحد پر یہ وصول کیا جاتا ہے۔ جس زمانے میں لارڈ آکلنڈ ممالک مغربی میں اپنی حسب عادت ان کارروائیوں میں جن میں مصروف تھا مجھ سے تبادلۂ خیالات کرنے آئے تھے تو انھوں نے اس محصول کے متعلق بھی گفتگو کی تھی اور یہ کہا تھا کہ اس سے لوگوں پر بہت کچھ سختی ہوتی ہے بالخصوص نمک کے لئے سرحد پر ڈولیوں اور میانوں کی جن میں مستورات ہوتی تھیں تلاشی لینے سے حکومت پر برا اثر پڑتا ہے اور بدنامی اس کے سوا ہوتی ہے ...... میں نے صرف یہ کہا تھا کہ اگر تلاشی لینا موقوف کردیا جائے تو پھر دوسری ملکوں کے مقابل ممالک مغربی میں بہت سی لوٹ کی بوریاں آنے لگیں گی یعنے ہر زنانی میانے میں نیچے سے اوپر تک نمک بھرا ہوا ہوگا۔"

فریڈرک ہیلی ڈے نے جو حکومت ہند کے محکمۂ داخلہ کا معتمد اور اس کے چند ہی دنوں کے بعد بنگالے کا لفٹننٹ گورنر مقرر ہوا تھا اس تمام رشوت ستانی اور استحصال ناجائز کی تفصیل بیان کردی تھی جو ہندوستان میں کمپنی کے نمک کے اجارہ کا لازمی نتیجہ تھا۔ اس کی رائے یہ تھی کہ اگر یہ اجارہ اٹھالیا جائے اور اہل ہند کو نمک بنانے کی اجازت دیدی جائے تو پھر ہندوستان میں درآمد نمک کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔

"بنگالے میں سرکار جو نمک بناتی ہے اس کی موجودہ قیمت بازار میں خریدنے والوں کے لئے اتنی گراں اس وجہ سے ہے کہ نمک سازی میں کفایت سے کام لینا تو کجا بے انتہا فضول خرچی کی جاتی ہے جو ایک سرکاری نظام نمک سازی میں لازمی ہے اور رشوت ستانی و استحصال ناجائز اور خورد برد ہوتی رہتی ہے جس کا ایسے نظام میں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں سارا کاروبار رہنے سے وقوع پذیر ہونا بھی لازمی ہے۔ ان حالات میں باخبر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اگر سرکار یہ محصول اٹھادے اور کوئی دوسرا محصول کہیں کے نمک پر بھی نہ لگائے تو بھی بنگالی نمک ساز

درآمد شدہ نمک کی بہ نسبت اتنے کم داموں اپنا نمک فوراً بیچ سکتے ہیں کہ آیندہ بنگالے میں باہر سے نمک کا ایک ریزہ بھی درآمد نہیں ہو سکتا۔"

یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ محصول نمک کے خلاف جتنی درخواستیں گزریں اور کھلبلی مچی وہ سب ناکام ثابت ہوئی کیونکہ سرکار کو محاصل نمک سے دست بردار ہونا کسی حال منظور نہ تھا۔

افیون

نمک کے علاوہ صرف ایک ہی چیز میں کمپنی کا اجارہ باقی رہ گیا تھا اور وہ افیون تھی اس سے محاصل پیدا کرنے کے طریقے کی توضیح اف۔ ڈبلیو پریڈو نے جو محکمۂ ہند کے صیغہ تنقیح مراسلات میں ایک مددگار تھا مجلس منتخبہ کے سامنے اپنی شہادت میں کی تھی۔

بنگالے میں خشخاش کی کاشت قطعی ممنوع تھی بجز اس صورت کے کہ خشخاش کا عرق صرف سرکار کو بیچنے کا منشا ہو جن کاشتکاروں کو خشخاش بونے کی خواہش ہوتی تھی اُن کو اس شرط پر اجازت دی جاتی تھی کہ وہ ایک مقررہ قیمت پر اس کا عرق صرف سرکار کو فروخت کریں۔ اس کے بعد یہ عرق پٹنہ اور بنارس کے دو اہم کارخانوں کو بھیجدیا جاتا تھا جہاں اس سے افیون بنائی جاتی تھی اور یہ افیون کلکتہ بھیجدی جاتی تھی۔ کلکتے میں یہ نیلام ہوتی تھی اور سرکار کو اس سے منافع ملتا تھا جس کی نوعیت یہ تھی کہ اصل لاگت میں اور افیون چین بھیجنے والے تاجر نیلام میں جو اس کی قیمت دیتے تھے اس میں جو تفاوت ہوتا تھا بس وہی منافع تھا۔

بمبئی میں نہ تو خشخاش کی کاشت تھی اور نہ افیون بنائی جاتی تھی۔ مالوے کی دیسی ریاست میں جو افیون بنتی تھی اس سے کمپنی کو اس مد کے تحت آمدنی ہوتی تھی۔ مالوے کے تاجر افیون بمبئی کی بندرگاہ ہی سے چین بھیجتے تھے اور انگریزی سرکار افیون کے اپنی عملداری سے ہو کر گزرنے پر فی صندوق (۱۴۳ پونڈ وزنی) ۱۲۵ پونڈ محصول وصول کر لیتی تھی۔ ۱۸۴۳ء کے قبل مالوے کی افیون سندھ کی راہ سے

ہندوستان سے باہر بھی جاتی تھی لیکن اس سال انگریزوں نے سندھ فتح کر لیا تھا اور اس کے بعد افیون غیر ممالک کو بھیجنے کے لئے انگریزی علداری میں سے ہو کر گزرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ یہی محصول راہداری تھا جس سے حکومت بمبئی کو افیون کی مد میں آمدنی ہوتی تھی اس طرح سندھ کی فتح میں حکومت بمبئی کا کچھ مالی فائدہ بھی مضمر تھا۔

مدراس میں افیون نہیں بنتی تھی۔

انگلستان میں اس موضوع پر بڑی بڑی بحثیں ہوئی تھیں کہ آیا محصول افیون درحقیقت اہل ہند پر ایک قسم کا محصول سمجھا جا سکتا ہے یا نہیں کیا اس محاصل کے برقرار رکھنے کے لئے چین سے وہاں جا کر لڑائیاں کرنا جیسا کیا گیا تھا جائز تھا یا نہیں، اور کیا حکومت ہند کا افیون کا اجارہ موجودہ زمانے میں بھی بحالہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اس تالیف کا مطمح نظر یہ ہے کہ ناظرین کے روبرو ایسے صحیح واقعات پیش کر دئے جائیں جن پر وہ خود رائے قائم کر سکیں اس لئے ان مباحث میں پڑنا ہمیں پسند نہیں۔ ہمارے خیال میں معاشیات کا کوئی حقیقی ماہر فن ایسا نہ ہوگا جو اس سے انکار کرے کہ ایک ایسا سرکاری اجارہ جس کی وجہ سے ایک نفع بخش حرفت سے لوگ محروم ہو جائیں اور ایک نفع خیز شئے کی کاشت و ساخت اور تجارت موقوف ہو جائے لوگوں پر بالکل حقیقی معنی میں محصول نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے کوئی غیر جانبدار مورخ ایسا نہیں ہے جس نے چین کی حکومت کی مرضی کے خلاف وہاں کی بندرگاہوں میں ہندوستانی افیون داخل کرنے کی غرض سے جو لارڈ پالمرسٹن نے چین سے لڑائیاں کی تھیں ان کی تائید کی ہو۔ اور کوئی مدبر و سنجیدہ شخص ایسا نہیں ہے جس کو افیون کا سرکاری اجارہ بشرطیکہ وہ بغیر کسی قسم کے خطرے کے اٹھا دیا جا سکتا ہے پسند آتا ہو۔

بایں ہمہ چونکہ افیون عام طور پر جزء غذا نہیں ہے اس لئے ہندوستان کے لوگ افیون کے سرکاری اجارے کو اپنے لئے اس قدر مضر نہیں سمجھتے جس قدر نمک کے اجارے کو سمجھتے ہیں۔ اسی لئے عام طور پر مقدم الذکر پر ہندوستان میں وہ غیظ و غضب نہیں ہوتا جو موخر الذکر پر کیا جاتا ہے۔ پھر بھی لوگوں کی رائے یہی ہے

کہ اس اجارے کو بحیثیت اجارہ برخاست کر دینا ہی حکومت کے لیے بہتر ہے اور اس کے بجائے اس شئے کے بنانے اور بیچنے پر جائز آمدنی کی خاطر سنگین سے سنگین محصول لگا دیا جا سکتا ہے جیسا دوسرے منشیات مثلاً شراب وغیرہ کے بنانے اور بیچنے پر اب ہے۔ انجمن برطانوی ہند نے اپنی درخواست میں جو دارالعوام کو دی تھی ہندوستان کے لوگوں کے خیالات کی خوب ترجمانی کی ہے۔

مقتضائے انصاف یہی ہے کہ خشخاش کی کاشت میں سرکاری مداخلت بند کر دی جائے اور افیون کے بنانے اور غیر ممالک کو بھیجنے پر جیسا مالوے کی افیون کے بارے میں ہوتا ہے جو معینہ محصولات ہیں اور ان سے جو آمدنی ہوتی ہے وہی محاصل افیون کا دوسرا نام سمجھا جائے۔ ان اصول کے اختیار کرنے سے خشخاش کے کاشتکاروں کو وہی آزادی عمل مل جائے گی جو ان حکومتوں میں جن کے اساسی اصول خودسری اور مطلق العنانی نہیں ہیں ہر شخص کو حاصل ہے اور اس انتظام میں جو بھی کچھ نقصان محاصل ہوگا اس کی تلافی یوں ہو جائے گی کہ فی الوقت جو بیش مصارف عملہ افیون کے لیے ضروری ہے اس کے برخاست کر دینے سے آیندہ بچت نکلے گی۔

یہ عاجزانہ التجا بھی یونہیں رائگاں گئی۔ نہ تو ایسٹ انڈیا کمپنی اور نہ حکومت ہند ہی (جو ۱۸۵۸ء میں کمپنی کی قائم مقام ہوئی تھی) اس بات پر آمادہ تھی کہ افیون کے اجارے سے دست برداری اختیار کر لی جائے یا اس کے بجائے صرف افیون کی پیداوار اور برآمد پر محصول لگا دیا جائے۔

دسواں باب

نرخنامۂ محصول۔ درآمد اور برآمد

ہندوستان کے محکمۂ قانون نے ۱۸۳۲ء اور ۱۸۵۳ء کے درمیان تجارت اور جہاز رانی کو ایک ضابطہ کے تحت لانے اور محصول کا نرخنامہ مقرر کردینے کے لئے مختلف قوانین وقتاً فوقتاً نافذ کیے تھے۔ ۱۸۵۲ء میں چند اہم اشیائے درآمد پر محصول لیا جاتا تھا جن کی تفصیل درج ذیل ہے:-

اشیاء	محصول درآمد
کتب (برطانوی)	بلا محصول
کتب (ممالک غیر)	۳ فی صدی
قہوہ	۷½ 〃 〃
سوتی اور ریشمی پارچے (برطانوی)	۵ 〃 〃
سوتی اور ریشمی پارچے (ممالک غیر)	۱۰ 〃 〃
سوتی دھاگا ڈوریاں اور سوت (برطانوی)	۳½ 〃 〃
سوتی دھاگا (ڈوریاں) اور سوت (ممالک غیر)	۷ 〃 〃

گھوڑے اور بہائم و مویشی	بلا محصول
بحری سامان (برطانوی)	۵ فی صدی
بحری سامان (ممالک غیر)	۱۰ " "
فلزات (برطانوی)	۵ " "
فلزات (ممالک غیر)	۱۰ " "
بیر۔ ایل اور دیگر تخمیری شراب	۵ " "
نمک	۳ شلنگ فی من (۸۲) بنگالے میں ۱ شلنگ فی من مدراس میں
دارو	۴ شلنگ فی امپیریل گیلن لندن کے معیار کے برابر تیز
چائے	۱۰ فی صدی
انگوری شراب اور دیگر قسم کی شراب	۲ شلنگ فی امپیریل گیلن
اونی پارچے (برطانوی)	۵ فی فیصدی
اونی پارچے (ممالک غیر)	۱۰ " "
دیگر مصنوعات	۵ " "
اشیائے متفرق	۳½ فی صدی

دار العوام کی سنہ ۱۸۵۳ء کی رپورٹ کے ضمیمہ (۳) ایں جس سے مذکورالصدر اعداد اخذ کیے گئے ہیں بمبئی مدراس اور بنگالے کے متعلق سنہ ۱۸۳۴-۳۵ء سے سنہ ۱۸۴۹-۵۰ء تک سولہ سال کی درآمد و برآمد کی قیمت درج ہے۔ ذیل کے دو نقشوں میں ہم نے ایک پونڈ انگلیسیہ ۱۰ روپیے کے مساوی قرار دیا ہے۔

درآمد				
سنہ عیسوی	مال تجارت و خزانہ طلا و نقرہ وغیرہ			
	در بنگالہ	در مدراس	در بمبئی	جملہ
۱۸۳۴-۳۵	۲۶۴۵۳۵۵	۶۵۶۴۰۵	۲۸۵۲۳۶۹	۶۱۵۴۱۲۹

۱۸۳۵ - ۳۶	۲۸۵۷۵۳۰	۵۸۵۰۸۸	۳۴۸۵۶۹۴	۶۹۲۸۳۱۲
۱۸۳۶ - ۳۷	۳۳۹۵۴۲۳	۶۷۲۹۸۵	۳۵۰۴۷۴۷	۷۵۷۳۱۵۷
۱۸۳۷ - ۳۸	۳۵۱۲۷۸۸	۷۳۲۴۶۶	۳۴۲۷۳۱۷	۷۶۷۲۵۷۲
۱۸۳۸ - ۳۹	۳۸۵۱۱۸۳	۷۷۸۵۳۶	۳۶۲۱۸۷۶	۸۲۵۱۵۹۶
۱۸۳۹ - ۴۰	۴۵۶۸۳۷۸	۷۹۵۷۱۴	۲۴۱۲۴۰۸	۷۷۷۶۵۰۱
۱۸۴۰ - ۴۱	۵۵۰۹۵۶۳	۸۳۷۰۷۹	۳۸۵۵۵۵۱	۱۰۲۰۲۱۹۳
۱۸۴۱ - ۴۲	۵۲۵۲۵۲۷	۷۴۵۸۸۷	۳۶۳۱۴۸۵	۹۶۲۹۹۰۰
۱۸۴۲ - ۴۳	۵۵۶۳۸۹۷	۶۶۰۵۹۳	۴۸۲۲۴۰۳	۱۱۰۴۶۸۹۴
۱۸۴۳ — ۴۴	۶۲۲۶۸۴۸	۷۶۷۵۰۴	۴۴۱۸۱۲۲	۱۳۶۱۲۴۷۵
۱۸۴۴ - ۴۵	۷۵۱۵۳۵۵	۱۲۳۵۴۵۵	۵۷۵۵۷۲۷	۱۴۵۰۶۵۳۷
۱۸۴۵ - ۴۶	۶۲۲۳۶۲۳	۱۰۲۲۲۱۱	۴۳۳۷۹۰۳	۱۱۵۸۳۴۳۸
۱۸۴۶ - ۴۷	۶۶۴۹۶۷۱	۱۰۲۹۰۰۳	۴۱۵۷۹۱۱	۱۱۸۳۶۵۸۶
۱۸۴۷ - ۴۸	۵۴۱۸۵۸۴	۱۱۰۸۱۷	۴۰۴۳۶۰۶	۱۰۵۷۱۰۰۸

۱۸۴۸ - ۴۹	۵۷۷۰۶۲۳	۱۰۶۵۲۷۱	۵۷۰۳۴۰۲	۱۲۵۴۹۳۰۷
۱۸۴۹ - ۵۰	۶۴۹۸۰۳۵	۱۰۲۷۴۴۱	۶۱۷۱۲۱۸	۱۳۶۹۶۶۹۶

برآمد

سنہ عیسوی	مال تجارت و خزانہ طلا و نقرہ وغیرہ			
	از بنگالہ	از مدراس	از بمبئی	جملہ
۱۸۳۴ - ۳۵	۳۱۵۸۵۹۸	۹۹۲۴۸۵	۳۰۳۷۰۷۷	۸۱۸۱۶۱
۱۸۳۵ - ۳۶	۵۵۹۳۸۹۶	۱۱۵۲۹۶۸	۴۴۶۷۷۴۰	۱۱۲۱۴۶۰۴
۱۸۳۶ - ۳۷	۶۸۴۹۵۲۷	۱۳۵۱۴۱۶	۵۳۰۳۱۷۳	۱۳۵۰۴۱۱۷
۱۸۳۷ - ۳۸	۶۹۰۵۸۰۹	۱۰۷۲۶۴۰	۳۶۰۴۹۸۶	۱۱۵۸۳۴۳۶
۱۸۳۸ - ۳۹	۶۹۵۴۳۸۱	۱۱۱۱۷۱۹	۴۰۵۶۵۷۳	۱۲۱۲۲۶۷۵
۱۸۳۹ - ۴۰	۷۰۰۰۹۴۳	۱۳۵۵۹۱۴	۲۹۷۶۴۱۱	۱۱۳۳۳۲۶۸
۱۸۴۰ - ۴۱	۸۲۰۶۷۷۱	۱۱۳۳۴۶۶	۴۴۸۱۸۳۲	۱۳۸۲۲۰۷۰
۱۸۴۱ - ۴۲	۸۲۲۵۵۳۹	۱۴۲۳۰۶۴	۴۶۹۱۶۸۹	۱۴۳۴۰۲۹۳

۱۸۴۲-۴۳	۷۴۳۶۳۶۹	۱۳۲۷۳۰۸	۵۰۰۳۹۴۲	۱۳۷۶۷۶۲۱
۱۸۴۳-۴۴	۱۰۰۷۶۹۰۴	۱۲۳۰۲۵۵	۶۶۹۲۳۹۳	۱۷۹۹۹۵۵۳
۱۸۴۴-۴۵	۱۰۲۱۸۷۴۰	۱۷۰۶۵۱۶	۵۷۷۱۷۹۶	۱۷۶۹۷۰۵۲
۱۸۴۵-۴۶	۱۰۱۰۲۷۵۵	۱۴۷۶۹۸۱	۶۲۶۴۹۶۵	۱۷۸۴۴۷۰۲
۱۸۴۶-۴۷	۹۵۱۹۷۹۷	۱۵۸۴۳۱۶	۴۹۶۵۱۹۲	۱۶۰۶۹۳۰۷
۱۸۴۷-۴۸	۸۰۶۶۹۲۸	۱۴۹۱۵۵۸	۴۳۷۹۹۴۷	۱۳۷۳۸۴۳۵
۱۸۴۸-۴۹	۹۸۱۹۷۴۲	۱۹۴۶۳۱۱	۶۸۶۲۱۹۰	۱۸۶۲۸۲۴۴
۱۸۴۹-۵۰	۱۰۵۰۲۲۴۴	۱۳۴۵۵۲۲	۶۴۳۵۷۷۶	۱۸۲۸۳۵۴۳

ان نقشوں کے اعداد پر غائر نظر ڈالنے سے چند باتیں فوراً ظاہر ہوتی ہیں مثلاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ بمبئی اور بنگالے میں درآمد برآمد دونوں جلد جلد بڑھ رہی تھیں لیکن مدراس میں ان کا اضافہ کچھ ایسا نمایاں نہیں تھا۔ چنانچہ بمبئی اور بنگالے میں درآمد اشیا پچیس لاکھ سے ساٹھ لاکھ ہوگئی تھی مگر مدراس میں ۶ لاکھ سے صرف دس لاکھ ہوئی تھی۔ بمبئی سے برآمد اشیاء تیس لاکھ سے ساڑھے ساٹھ لاکھ ہوگئی تھی اور بنگالے سے ۴۰ لاکھ سے ڈیڑھ کروڑ ہوگئی تھی مگر مدراس سے برآمد اشیاء دس لاکھ سے صرف پندرہ لاکھ ہوگئی تھی۔ یہ نمایاں اضافہ بمبئی اور بنگالے کی علمداری میں کسی قسم کی توسیع حدود کے باعث نہیں ہوا تھا کیونکہ ۱۸۳۴ء اور ۱۸۴۹ء کے درمیان ان صوبوں کے رقبے میں کوئی اہم اضافہ

نہیں ہوا تھا بلکہ محض مدراس کے بدتر نظام اراضی کے تحت جس کی تفصیل ہم نے کسی اور باب میں بیان کی ہے مدراس کی جو حالت بن گئی تھی تمامتر اسی وجہ سے تھی۔

مذکورۃ الصدر اعداد کے معائنہ سے ایک اور بات قابل ذکر یہ نظر آتی ہے کہ برطانوی ہند کی درآمد برآمد کے تناسب میں تفاوت عظیم تھا اور یہ ۳۵-۱۸۳۴ء میں ۲۰ لاکھ تھا مگر ۱۸۴۹ء میں ۴۵ لاکھ سے بھی زیادہ ہوگیا تھا ان اعداد سے نہ صرف برطانیۂ عظمیٰ کے ساتھ برطانوی ہند کی تجارت جو تھی وہ ظاہر ہوتی ہے بلکہ وہ تجارت بھی جو برطانوی ہند کی دنیا کے اور تمام ممالک سے تھی۔ دوسرے ممالک جو کچھ لیتے تھے اس کا واجبی معاوضہ بھی دیتے تھے لیکن برطانیۂ عظمیٰ ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا جس کا کوئی تجارتی معاوضہ نہیں دیتا تھا۔ اس طرح ہندوستان کی درآمد و برآمد میں ۲۰ لاکھ سے لیکر ۴۵ لاکھ تک کا تفاوت ہوتا تھا اور یہی تفاوت دولت کا سالانہ سوتاؤ تھا۔

مذکورۃ الصدر نقشوں میں ۱۸۵۰ء تک کی ہندوستان کی تجارت کے اعداد بتائے گئے ہیں مگر اب ہم ناظرین کے سامنے ۱۸۵۱ء سے ۱۸۵۸ء تک کمپنی کے ہشت سالہ عہد حکمرانی کے اعداد جو ایک حالیہ نقشے سے اخذ کیے گئے ہیں پیش کرتے ہیں۔ پہلے پانچ سال میں ہندوستان سے برآمد اشیا میں فاضلات ہی رہی لیکن باقی تین سال کیا جو غدر کا زمانہ تھا برآمد اشیا سے بھی درآمد زیادہ ہوئی۔

تمام ممالکِ غیر سے ہندوستان کی تجارت

سنہ عیسوی	درآمد مال تجارت پونڈ	درآمد طلا و نقرہ پونڈ	جملہ درآمد پونڈ	جملہ برآمد پونڈ	تفاوت برآمد پونڈ
۱۸۵۱	۱۱۵۵۸۷۸۹	۳۸۱۱۸۰۹	۱۵۳۷۰۵۹۸	۱۸۷۰۵۴۳۹	۳۳۳۴۸۳۹
۱۸۵۲	۱۲۲۴۰۴۹۰	۵۰۵۲۰۵۹	۱۷۲۹۲۵۴۹	۲۰۷۹۸۳۴۲	۳۵۰۵۷۹۳
۱۸۵۳	۱۰۰۷۰۸۶۳	۶۸۳۱۳۷۷	۱۶۹۰۲۲۴۰	۲۱۵۱۹۸۶۳	۴۶۱۷۶۲۳
۱۸۵۴	۱۱۱۲۲۶۹۵	۴۸۷۱ ۵۴	۱۵۹۹۴۶۱۳	۲۰۷۷۸۴۳۵	۴۷۸۳۸۲۲

۱۸۵۵	۱۲۷۴۲۶۶۱	۲۰۲۸۲۵۶	۱۴۷۷۰۹۲۷	۲۰۱۹۴۲۵۵	۵۴۲۳۳۲۸ تفاوت درآمد
۱۸۵۶	۱۳۹۴۳۴۹۳	۱۱۳۰۱۲۸۸	۲۵۲۴۴۷۸۲	۲۳۶۳۹۴۳۵	۱۶۰۵۳۴۷
۱۸۵۷	۱۴۱۹۴۵۸۷	۱۴۴۱۳۶۹۷	۲۸۶۰۸۲۸۴	۲۶۵۹۱۸۷۷	۲۰۱۶۴۰۷
۱۸۵۸	۱۵۲۷۷۶۲۹	۱۵۸۱۵۴۳۶	۳۱۰۹۳۰۶۵	۲۰۲۷۸۴۷۴	۲۸۱۴۵۹۱

یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ برآمد سے درآمد کا ہندوستان میں زیادہ ہونا محض عارضی تھا سنہ ۱۸۷۴ء تک جیسا ہم کسی آیندہ باب میں بتائیں گے ہندوستان کی درآمد سے برآمد پھر بڑھ گئی اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا یہ تفاوت اور بھی زیادہ ہوتا گیا۔

ہندوستان کی نصف سے بھی زیادہ تجارت برطانیہ عظمیٰ سے تھی اس طرح سنہ ۱۸۴۱ء سے سنہ ۱۸۵۵ء تک جب ہندوستان کی درآمد ایک کروڑ سے لیکر ۲ کروڑ تک ہوئی تھی اس وقت صرف ممالک متحدہ برطانیہ سے درآمد اشیاء ۵۰ لاکھ اور ایک کروڑ کے درمیان ہوئی تھی اور باقی تین سال میں یعنی سنہ ۱۸۵۶ء سے سنہ ۱۸۵۸ء تک جبکہ درآمد میں ڈھائی کروڑ اور تین کروڑ دس لاکھ کے درمیان اضافہ ہوا تھا تو اس وقت ممالک متحدۂ برطانیہ سے درآمد میں ایک کروڑ اسّی لاکھ کے درمیان اضافہ ہوا تھا ہندوستان کی برآمد میں اور ممالک کے مقابل برطانیۂ عظمیٰ کا حصہ کسی قدر کم تھا۔ سنہ ۱۸۴۱ء اور سنہ ۱۸۵۵ء کے درمیان ہندوستان سے جملہ برآمد ایک کروڑ تیس لاکھ اور دو کروڑ دس لاکھ کے درمیان ہوئی تھی جس میں سے برطانیہ عظمیٰ کو ۵۰ لاکھ اور ۸۰ لاکھ کے درمیان برآمد ہوئی تھی۔ بقیہ تین سال میں ہندوستان کی جملہ برآمد دو کروڑ تیس لاکھ اور دو کروڑ اسّی لاکھ کے درمیان ہوئی تھی اور ممالک متحدۂ برطانیہ کو اس میں سے ایک کروڑ ہوئی تھی۔

ہمارے پاس اتنی گنجائش صفحات نہیں ہے جس میں ہم یہ بتا سکیں کہ ان سنین میں کس طرح مختلف اشیائے تجارت کی درآمد و برآمد بڑھتی گھٹتی رہی ہے لیکن چند

اہم اشیائے تجارت کا بیان اس لئے ضروری ہے کہ اس سے اہل ہند کی اس زمانے کی حرفت پر روشنی پڑتی ہے۔ ہندوستان کے اہم ترین اشیائے درآمد میں سوتی دھاگہ اور ڈوریاں، سوتی کپڑے، ریشمی پارچے، اونی پارچے، مشینیں اور گرنیوں کے مصنوعات کا شمار تھا اور ان اشیاء کے صرف میں دس سال میں جو کمی و بیشی ہوتی رہی ہے وہ ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتی ہے:

تمام ممالک غیر سے ہندوستان میں درآمد اشیاء

سنہ عیسوی	سوتی دھاگہ ڈوریاں پونڈ	سوتی مال پونڈ	ریشمی مال پونڈ	اونی مال پونڈ	مشینیں پونڈ	گرنیوں کے مصنوعات پونڈ
۱۸۴۹	۴۰۹۰۱۶	۲۲۲۲۰۸۹	۱۲۳۵۰۵	۱۱۱۸۱۵	۱۸۰۶۴	۲۰۳۹۹۷
۱۸۵۰	۱۱۳۱۵۸۶	۲۳۷۱۶۱۸	۱۱۲۶۰۱	۱۵۶۱۵۴	۸۰۷۹	۱۶۶۱۳۹
۱۸۵۱	۱۰۳۹۳۲۹	۳۶۴۲۳۶۱	۱۱۱۵۵۴	۲۱۸۸۴۸	۲۰۶۶۶	۲۴۵۳۹۳
۱۸۵۲	۱۳۹۱۳۴	۴۷۷۰۷۷۹	۱۲۶۶۰۶۴	۲۰۵۵۰۵	۱۴۳۳۷	۲۴۶۷۰۱
۱۸۵۳	۱۱۳۰۵۰۰	۳۶۶۷۴۳۳	۱۱۰۵۴۶۸	۱۴۲۰۲۷	۲۶۴۵۷	۲۱۷۱۸۷
۱۸۵۴	۱۲۰۶۹۱۳	۴۴۳۲۵۲۵	۱۱۶۹۵۵	۱۴۴۴۷۳	۵۲۷۸۸	۲۸۶۶۷۱
۱۸۵۵	۱۲۷۴۹۸	۵۴۰۳۲۴۴	۱۹۷۵۱۰	۱۷۱۰۶۵	۱۲۶۳۰۳	۳۱۲۲۰۴
۱۸۵۶	۱۴۱۴۲۷۴	۴۹۴۸۰۵	۱۳۸۷۶۸	۱۳۳۹۹۸	۴۳۵۵۱۲	۷۸۸۸۵۹

۱۸۵۷	۱۱۹۱۹۷۴	۴۹۴۱۲۵۳	۱۰۶۳۳۳	۱۴۲۷۹۷	۲۴۴۴۳۳	۵۵۸۳۲۹
۱۸۵۸	۹۴۳۹۲۰	۴۷۸۲۶۹۸	۱۰۸۰۲۳	۲۶۱۵۸۹	۴۶۵۴۵۳	۳۷۸۹۸۹

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۵ء تک یعنے چھ۶ سال کی مدت میں سوتی مال کی درآمد دوچند سے بھی زیادہ ہوئی تھی اور غدر کی وجہ سے اس میں اضافہ ہوتا بند ہوگیا تھا مگر ۱۸۵۹ء میں آتا فاتا ۸۰ لاکھ کی مالیت اس کی ہوگئی مشینوں اور گرنیوں کی مصنوعات کی درآمد میں بھی نمایاں اضافہ ہوا تھا۔

دس سال کی مدت میں ہندوستان کی برآمد میں جو کمی و بیشی ہوئی وہ ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتی ہے :-

ہندوستان سے تمام ممالکِ غیر کو برآمد

سنہ عیسوی	سوت پونڈ	سوتی مال ڈوریاں اور دھاگا پونڈ	خام ریشم پونڈ	ریشمی مال پونڈ	کچا اون پونڈ
۱۸۴۹	۱۷۷۵۳۰۹	۶۹۰۵۸۴	۷۱۳۶۳۲	۳۰۲۳۲۲	۵۵۵۹۱
۱۸۵۰	۲۲۰۱۱۷۸	۷۴۲۳۲۰	۶۶۶۰۹۴	۴۴۱۷۴۹	۴۸۹۲۵
۱۸۵۱	۳۴۷۴۴۸۹	۶۷۳۵۴۹	۶۱۹۳۱۹	۳۵۵۲۲۳	۶۸۳۳۵
۱۸۵۲	۳۶۱۹۹۸۹	۸۱۹۰۴۹	۶۸۸۶۴۰	۲۶۰۲۲۵	۱۰۰۶۱۲
۱۸۵۳	۳۶۲۹۴۹۴	۹۳۰۸۷۷	۶۶۷۵۴۵	۳۱۵۳۰۵	۱۷۲۱۱۰
۱۸۵۴	۲۸۰۳۱۵۰	۷۶۹۲۴۵	۶۳۰۴۵۱	۳۲۶۵۷۱	۲۰۵۶۰۱

۱۸۵۵	۲۳۲۸۷۶۴	۸۱۷۱۰۳	۵۰۰۱۰۵	۲۶۳۴۵۳	۲۰۷۲۶۳
۱۸۵۶	۳۳۱۴۹۵۱	۷۷۹۶۴۷	۷۰۷۷۰۶	۳۴۱۰۳۵	۲۷۲۹۴۲
۱۸۵۷	۱۴۳۷۹۴۹	۸۸۲۲۴۱	۷۸۲۱۳۰	۲۸۱۴۵۰	۳۱۴۲۱۶
۱۸۵۸	۴۳۰۱۷۶۸	۸۰۹۱۸۳	۷۶۶۶۷۳	۱۵۸۲۲۴	۳۸۷۱۰۴

ہندوستان سے تمام ممالک غیر کو برآمد

سنہ عیسوی	غلہ و اجناس	شکر	افیون	نیل	سن
	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۴۹	۸۵۸۶۹۱	۱۸۱۴۳۰۴	۵۷۷۲۵۲۶	۲۰۹۳۴۷۴	۶۸۷۱۷
۱۸۵۰	۷۵۷۹۱۷	۱۹۲۵۶۰۳	۵۹۷۳۳۹۵	۱۸۳۸۴۷۴	۸۸۹۸۹
۱۸۵۱	۷۵۲۲۹۵	۱۸۲۲۷۸۹	۵۴۵۹۱۳۵	۱۹۸۰۸۹۶	۱۹۶۹۳۶
۱۸۵۲	۸۶۹۰۰۲	۱۸۰۱۶۶۰	۶۵۱۵۲۱۴	۲۰۲۵۳۱۳	۱۸۰۹۷۶
۱۸۵۳	۸۸۹۱۶۰	۱۷۲۹۷۶۲	۷۰۳۴۰۷۵	۱۸۰۹۶۸۵	۱۱۲۶۱۷
۱۸۵۴	۱۴۱۳۶۵۳	۹۴۸۵۸۲	۶۴۳۷۰۹۸	۲۰۶۷۷۶۹	۲۱۴۷۶۸
۱۸۵۵	۱۷۴۲۵۳۰	۱۱۳۵۶۹۹	۶۲۳۱۲۷۸	۱۷۰۱۸۲۵	۲۲۹۲۴۱

۱۸۵۶	۲۸۹۶۲۶۲	۱۲۵۹۱۰۴	۶۲۰۰۸۷۱	۲۴۲۴۳۳۲	۳۲۹۰۷۶
۱۸۵۷	۲۵۸۷۴۵۶	۱۸۸۶۰۷۷	۰۰۵۶۶۳۰	۱۹۳۷۹۰۷	۲۷۴۹۵۷
۱۸۵۸	۳۷۹۰۳۷۴	۱۱۷۵۷۷۱	۹۱۰۶۶۳۵	۱۷۲۴۳۳۹	۳۰۲۲۹۲

ان اشیائے برآمد کی کمی وبیشی معنی خیز ہے کچے سوت کی برآمد اس دہ سالہ مدت میں ۲۰ لاکھ کی جو تھی اس میں چالیس لاکھ سے کچھ زیادہ ہی اضافہ ہوا تھا۔ ہندوستان میں روئی کی کاشت پھیلانے اور اس کو ترقی دینے کی خواہش انگلستان کے اس لئے دامنگیر تھی کہ اس کے کارخانوں اور کارگاہوں کی ضرورتوں کی تکمیل بجائے امریکہ کے اس طرح خود اس کے مقبوضات ہی سے ہوسکتی تھی۔ ہم کسی آئندہ باب میں بتائیں گے کہ مدت دہ سالہ (۱۸۶۰ تا ۱۸۷۰) کے ابتدائی سالوں میں امریکہ میں خانہ جنگی گویا خدا کی طرف سے ان کوششوں کی تائید ہی کے لئے شروع ہوئی اس خانہ جنگی کے زمانے میں امریکہ سے روئی نہ آسکی اس لئے سنہ ۱۸۶۴ء میں ہندوستان روئی کی برآمد میں تین کروڑ ساٹھ لاکھ کا اضافہ ہوا اور اس کے بعد کے سال اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوا لیکن ممالک متحدہ امریکہ میں جب صلح وامن قائم ہوا تو پھر یہ بات باقی نہ رہی۔ برطانوی کارخانوں میں ہندوستانی روئی کے بجائے امریکہ کی روئی پھر استعمال ہونے لگی اور ہندوستان کی برآمد جیسے آناً فاناً بڑھ گئی تھی ویسے آناً فاناً گھٹ گئی۔

اس صدی میں ابتدا سے انتہا تک ہندوستان میں کپڑا بُننے کی حرفت کے نشوونما یا بھاپ سے چلنے والے کارگاہوں پر اہل ہند کو اپنے لئے پارچہ بُننا سکھانے یا اپنے قدیم دستی کارگاہوں میں کوئی اختراع کرنے کا کسی کو کچھ خیال نہ تھا اگر اس وقت ایک حقیقی قومی حکومت ہوتی جس کو قومی فلاح وبہبود کا بھی خیال ہوتا تو وہ ہندوستان کی اس قدیم قومی حرفت کو قائم اور محفوظ رکھنے کے لئے جدید اور ترقی یافتہ طریقے ضرور اختیار کرتی اور ہندوستان کے صابر اور قانع جفاکش اور ہنرمند

کاریگروں اور صنعت گروں کو بھی ایک اچھا سبق ملتا اور ان جدید طریقوں کے اختیار کرنے سے ان کی قدیم حرفت ضرور قائم و محفوظ رہتی ۔

مذکورالصدر نقشے میں ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ خام ریشم کی برآمد ہی بحالہ تھی اور کچھ اون کی برآمد میں اضافہ ہوا تھا مگر ۱۸۱۴ء سے ۱۸۳۵ء تک ہندوستان کے ریشمی مصنوعات جن پر انگلستان کے پارچہ بافوں کو اس قدر رشک وحسد تھا ایسے انحطاط میں گرفتار ہوگئے تھے جس سے ان کو پھر کبھی نجات ہی نہیں ملی ۔ برخلاف اس کے غلہ واجناس کی برآمد میں مسلسل ایسا خطرناک اضافہ ہوتا رہا تھا کہ دس سال میں کچھ کم دس لاکھ سے چالیس لاکھ کو یہ برآمد پہنچ گئی تھی ۔ دستکاری اور مصنوعات کے انحطاط کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ انگلستان کا خراج سالانہ ادا کرنے کے علاوہ اس کے اشیاء درآمد کے معاوضے میں ہندوستان اپنی رعایا کو محروم کرکے روزافزوں غلہ واجناس مسلسل باہر ارسال کرنے پر مجبور تھا ۔ اس صدی کے آخر تک چاول گیہوں اور دیگر اجناس کی برآمد سالانہ ایک کروڑ بیس لاکھ پونڈ انگلیشیہ کی کثیر رقم کو پہنچ چکی تھی ۔

کمپنی کی حکمرانی کے آخر سال میں ہندوستانی شکر کی برآمد سے آثار انحطاط نمایاں ہو رہے تھے اور اس صدی کے ختم پر اس قدر کم شکر برآمد ہونے لگی تھی کہ اس کی مجموعی قیمت ...... پونڈ انگلیشیہ سے بھی کم تھی برخلاف اس کے ٹاٹ روئی وغیرہ بنانے کے لئے سن کی برآمد میں بالخصوص جنگ کریمیا کے زمانے سے مسلسل اضافہ ہوتا رہا تھا کیونکہ اس جنگ سے پہلے انگلستان میں روسی سن کی بہت بڑی درآمد تھی جو اس جنگ کی وجہ سے بند ہوگئی تھی اور اس طرح ہندوستانی سن کو انگلستان کی منڈی میں آنے کا ایک موقع مل گیا جو آج تک بحالہ قائم ہے ۔ اس صدی کے ختم تک خام سن اور اس کے مصنوعات کی ہندوستان سے برآمد ایک کروڑ پونڈ انگلیشیہ کو پہنچ چکی تھی ۔

نیل کی برآمد بھی بہت زیادہ تھی لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس حرفت پر ظلم وتعدی اور بے ضابطگی کا دھبہ لگا ۔ بنگالے کے نیل کے یورپی نخلبندوں نے وہ وہ کام کیے تھے کہ لوگوں کو طیش آگیا جس سے آخرکار بنگالے کے اکثر حصوں میں ان خرابیوں کا خود بخود انسداد ہوگیا ۔ کاشتکاروں نے ہڑتال کردی ۔ نیل کے کئی کارخانے ڈوب گئے اور نیل کی صنعت پر انحطاط آگیا اس کے متعلق آئندہ کسی با

میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ مزید برآں اس صدی کے قریب الختم جرمانیہ نے نیل کے مماثل ایک کیمیائی شئے دریافت کر لی تھی جس سے اس قدیم حرفت کا خاتمہ ہی ہو گیا۔

محصول مترفہ

ہندوستان کی حرفت وصنعت کے متعلق یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ ۱۸۶۲ء میں سیاہ بخت صوبۂ مدراس" کے سوا ہندوستان میں سب جگہ اہل حرفہ اور اہل پیشہ پر جو تکلیف دہ اور پُر زحمت محصول مترفہ تھا وہ اٹھا دیا گیا۔ انجمن اہل مدراس نے دار العوام کو جو درخواست دی تھی اس میں اس محصول کے متعلق یہ بیان کیا گیا تھا کہ یہ "محصول تمام اہل پیشہ اور اہل حرفہ پر لگا دیا گیا ہے اور جن میں جولاہے۔ بڑھئی کسار۔ بیوپاری خواہ ان کی دو دکانیں ہوں (جن پر ایک علیحدہ محصول لیا جاتا تھا) خواہ وہ سرراہ بیٹھے اشیا بیچتے ہوں سب شامل ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے آلات و اوزار پر یا محض بیوپار کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے یہ محصول ادا کرتے تھے۔ غرض یہ محصول تجارت کی معمولی سی معمولی چیز اور مشین درست کرنے والے کے کم قیمت سے کم قیمت آلے پر جس کی لاگت مترفہ محصول کی وجہ سے کیونکہ اس محصول کے ادا کرنے پر اس کے بیچنے یا استعمال کرنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ ششگونہ زیادہ ہو جاتی ہے۔" اس انجمن نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ "اس محصول کا اثر بہ نسبت مالداروں اور دولتمندوں کے غربا اور کم مایہ لوگوں پر زیادہ پڑتا ہے۔ مترفہ محصول وصول کرنے والوں کو ایسے اختیارات تمیزی حاصل ہیں کہ ان کی بنا پر محصول وصول کرنے والوں کو ہمیشہ بہت بڑا موقع رہتا ہے کہ وہ اپنی خوشی سے لالچ کے مارے جب چاہیں لوگوں کے گھروں پر تحقیقات کے حیلے سے ظلم و تشدد اور استحصال ناجائز کرنے کی غرض سے چلے جائیں اور ان کے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ اخذ بیجا کے لیے جبراً سزائے قید دیں اور لوگوں کو بیڑیاں پہنا دیں۔" اور یہ سب کچھ اسی محصول کی آمدنی کی خاطر حالانکہ "اس محصول سے

جس قدر آمدنی ہوتی ہے وہ صرف ..... ا پونڈ سے کچھ زیادہ ہے"
مذکورالصدر بیان میں کچھ مبالغہ نہ تھا جے ڈبلیو۔ بی ڈائکس نامی ایک گواہ نے جو مجسٹریٹ اور عہدہ دار مالگزاری بھی تھا اور مدراس میں خود اس نے محصول وصول کیا تھا اس ظلم و تشدد کے متعلق نہایت پُرزور الفاظ میں شہادت دی تھی۔
سوال۔ کیا یہ محصول انھیں اشخاص پر لگایا گیا ہے جو تجارتی کاروبار میں مشغول ہیں؟
جواب۔ یہ محصول قریب قریب اُن سب اشخاص پر ہے جو کاشت نہیں کرتے ..... اگر کوئی بڑھیا منڈی میں ترکاری خرید کر گلی کے نکڑ پر بیچتی ہے تو اس سے ترکاری بیچنے والی کی حیثیت سے یہ محصول وصول کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کپڑے بیچتا ہے تو اس سے بھی محصول لیا جاتا ہے لیکن یوروپی تاجروں سے یہ محصول کوئی وصول نہیں کرتا۔ اس غریب کا جو سال بھر میں دو چار روپے کما لیتا ہے شاید کوئی یورپی تاجر ہمسایہ ہو جو سینکڑوں روپے تو پیدا کرتا ہے مگر ایک پائی بھی محصول نہیں دیتا۔
۱۸۵۳ء کی پارلیمنٹی تحقیقات کے بعد اس طرح کا حسد انگیز محصول ہندوستان کے کسی حصے میں بھی قائم نہیں رہ سکتا تھا چنانچہ وہ اٹھا دیا گیا۔ اور ہندوستان کی زمام حکومت سرکار برطانیہ کے ہاتھ میں آنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد محصول آمدنی سب پر لگا دیا گیا جو زیادہ واجبی اور مبنی بر انصاف اس لئے تھا کہ یہ طبقۂ رعایا پر برابر لگا دیا گیا تھا اور آگے چل کر اس سے وہ سب غریب مستثنیٰ کر دیئے گئے تھے جن جن کی آمدنی بہت ہی قلیل تھی۔

گیارھواں باب

آبپاشی اور ریلیں

اٹھارھویں صدی عیسوی کی لڑائیوں کی بنا پر آبپاشی کی بڑی بڑی نہریں جو شمالی ہند میں مسلمان بادشاہوں کی یادگار تھیں بلا مرمت یونہی پڑی تھیں ۱۸۰۳ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر قبضہ شمالی ہند آیا تو اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد کمپنی کے عاملوں نے ان نہروں پر اپنی توجہ مبذول کرنی شروع کی ۱۸۱۰ء میں لارڈ منٹو کے عہد حکومت میں ایک مجلس پیمائش یہ دریافت کرنے کے لئے مقرر ہوئی تھی کہ جمنا کے مشرقی اور مغربی دونوں جانب قدیم نہروں کی اس وقت حالت کیا ہے۔ چیف انجینیر اور صدر افسر پیمائش دونوں کی رائے میں بہت کچھ اختلاف تھا۔ انھوں نے اپنے اپنے علم و تجربے سے پیمائش رپورٹ میں وہ متضاد طومار باندھ دیا تھا" کہ اس کے وزن کے نیچے دب کر نہروں کی درستی و مرمت کا منصوبہ مٹی میں مل گیا"

لارڈ ہیسٹنگز نے زیادہ عملی طور پر پھر سے یہ سوال اٹھایا اور ۱۸۱۵ء میں شمالی ہند میں دورہ کرنے کے بعد اس نے اس قدیم نہر کی جو جمنا کے مغربی کنارے پر واقع تھی ترمیم و درستی کے منصوبے کے متعلق بڑی توقع کے ساتھ یہ لکھا تھا کہ "میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اس شکستہ نہر کے معائنہ کے بعد اس اعلیٰ کام کی تکمیل میں ہم کو جو سہولت

حاصل ہے اور جو حکمت عملی ان میں مضمر ہے وہ سب میرے ذہن نشین ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس سے ملک کے وہ وسیع خطے جو اب افتادہ ہیں زیر کاشت آجائیں گے اور اس طرح معزز کمپنی کی مالگزاری میں بھی اضافہ ہو گا۔ اس نہر کی آبپاشی پر جس قدر ین کی رقم وصول ہو گی وہ خود ایک خاصی آمدنی ہو گی۔"

چنانچہ لفٹنٹ بلین نے جمنا کی مغربی نہر کی مرمت و درستی شروع کر دی اور نصف صدی کے وقفے سے دہلی تک اس نہر کا پانی پھر آگیا لیکن یہ کام اس سے آگے نہیں بڑھا تھا کہ ۱۸۲۳ء میں کرنل جان کالون دہلی میں آبپاشی کا صدر مہتمم مقرر ہوا پھر یہ کام سرعت کے ساتھ تکمیل کے قریب پہنچنے لگا۔ ۱۸۳۳ء کی خشک سالی میں اس نہر کے پانی سے سیراب ہونے کی وجہ سے فصل تلف ہو جانے سے بچ گئی تھی اس کی قیمت خام ۱۰ لاکھ پونڈ تخمینہ کی گئی تھی۔ اصل نہر اس کی سب شاخوں کو چھوڑ کر ۴۴۵ میل لمبی تھی۔

اس کے بعد جمنا کی مشرقی نہر پر توجہ مبذول ہونے لگی۔ اس نہر کو بھی مسلمان شہنشاہوں ہی نے بنایا تھا اور اس کو دوبارہ رواں کرنے والے رابرٹ اسمتھ اور کرنل بیرڈ اسمتھ نامی دو مشہور انجینیر گزرے ہیں ان میں سے اول الذکر عہدہ دار مسمی رابرٹ اسمتھ نے اس نہر کے سابقہ اصل نقشے کے موافق ۱۸۳۰ء میں اس کام کی تکمیل کر دی تھی لیکن ابھی تک بہت کچھ کرنا باقی تھا کیونکہ اس میں اہم نقائص پائے گئے تھے۔ کپتان کاٹلی نے ان غلطیوں کی اصلاح کی۔ اس کے بعد بیرڈ اسمتھ اس کا قائمقام مقرر ہوا جس نے دوسرے محکمے میں بھی نظم ونسق کے وہ اعلیٰ خدمات انجام دیے تھے جن کا ذکر کسی آیندہ باب میں آئے گا۔ کرنل برڈ اسمتھ نے تعمیر نہر میں ضروری اصلاحیں اور اضافے کیے اور تکمیل کار کے بعد خود اس نے اس نہر کے متعلق جو ۱۵۵ میل لمبی تھی "انڈین ریویو" نامی رسالے میں بجا طور پر نہایت فخریہ لکھا تھا کہ یہ "درحقیقت تمام اقطاع میں خوشنما ترین نہر ہے اس کے کنارے پر ایک کشادہ سڑک انگلستان کے ہر یاول کی طرح ہموار، اس کی دونوں جانب درختوں کی قطاریں نہر پر سایہ فگن اس کے دیدہ زیب پیچ وخم کا دور تک نظر آنا نہایت سرسبز کھیتوں کا دونوں کنارے لہلہانا خوشنما چوکیاں اور خاص احتیاط کے ساتھ ان سب کی حفاظت ونگرانی غرض ان وجوہ سے اس نہر کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے اور مناظر میں سب سے

زیادہ دلفریب اور نظروں کو بھانے والا اس کا منظر ہے"۔

نہر گنگا کی تعمیر کمپنی کی حکمرانی کے آخری زمانے سے متعلق ہے۔ اس کار عظیم کی ابتدا لارڈ آکلینڈ نے کی مگر بدنصیبی سے اس کے قائم مقام لارڈ ایلنبرو نے اس کام کو ملتوی کر دیا لیکن بعد کو لارڈ ہارڈنگ نے اس عظیم الشان منصوبے کی حسن وخوبی کو تسلیم کر کے اظہار پسندیدگی کے ساتھ اس کی منظوری دیدی اور مجلس نظماء نے بھی جمنا کی مشرقی اور مغربی نہروں کے مالی نتائج سے خوش ہو کر اس عظیم الشان تعمیر پر دس لاکھ پونڈ انگلیسیہ سے بڑھ کر صرف کرنے پر رضامندی ظاہر کردی۔ اس کام کی تکمیل سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمرانی ختم ہو چکی تھی لیکن کمپنی کے عہد حکومت میں جتنا کام ہوا تھا اس کی حسب ذیل تفصیل کمپنی کی یادداشت میں درج ہے:

"نہر گنگا کا طول اس کی سب شاخوں کو ملا کر ۸۹۸ ½ میل ہو گا اور اس سے ساڑھے چالیس لاکھ ایکڑ رقبے کی خاطر خواہ آبپاشی ہو سکتی ہے۔ شمال مغربی ممالک کے لفٹنٹ گورنر کے لفظوں میں یہ نہر "دراصل آبپاشی کا وہ وسیع نظام ہے جس کی مثال دنیا بھر میں نہیں ملتی اصل نہر کا عرض وطول وعمق اور بعض جگہ پتھر اور اینچ کی بندش بالخصوص روڑکی اور ہردوار کے درمیان ایسی حیرت انگیز ہے کہ اس سے قوم کے غرور وافتخار میں اضافہ ہوتا ہے"۔ یکم مئی ۱۸۵۶ء تک اس کام پر ۱۵۶۰۰۰۰ پونڈ صرف ہو گئے تھے۔ اور تکمیل تک جملہ مصارف (بیس ۲۰) لاکھ پونڈ سے کم نہیں ہوتے تھے۔ اس نہر سے ابھی ابھی آبپاشی شروع ہوئی تھی اس کے باوجود کرنل بیرڈ اسمتھ ناظم آبپاشی کے تخمینے میں ان اراضی کی (جن کی تمام سال آبپاشی ہوئی تھی) سالانہ پیداوار کی قیمت ۱۵۰۰۰۰ پونڈ اور ۲۰۰۰۰۰ پونڈ کے درمیان تھی اور اس نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ اس نہر سے جب پوری آبپاشی ہونے لگے گی تو اس وقت ۷۰ لاکھ پونڈ انگلیسیہ کی کثیر رقم تک پیداوار اراضی پہنچ جائے گی۔ ۳۰ اپریل ۱۸۵۴ء سے اب تک یہ نہر اتنی دور پہنچ چکی تھی کہ اصل نہر اور اس کی اس سرے کی شاخوں کو ملا کے ۴۹۴ ½ میل تک اس کا پانی بہتا تھا"۔

۱۸۴۹ء میں لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب کا الحاق کر لیا اس زمانے میں وہاں دو قسم کی نہریں تھیں ایک سیلابی نہریں دوسری مستقل اور پختہ نہریں۔

"سیلابی نہروں میں دریاؤں کا پانی کاٹ کر لایا جاتا ہے اور موسم سرما میں

یہ بالکل خشک ہو جاتی ہیں کیونکہ اس زمانے میں دریاؤں میں اتنا اونچا پانی نہیں ہوتا کہ بہہ کر ان میں آئے لیکن موسم بہار میں جب پہاڑوں سے برف پگھل کر بہتی ہے تو ان دریاؤں کا پانی اونچا ہو کر ان نہروں میں بھر جاتا ہے اور موسم خزاں کے ختم تک بھی یہ نہریں یا یونہی بھری رہتی ہیں۔ پنجاب کے جنوب مغربی حصے کی سرسبزی کا انحصار زیادہ تر انھیں نہروں پر ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ زمانے میں یہ نہریں سب دریاؤں سے کاٹی گئی تھیں اور سب دریاؤں کا پانی ان میں آتا تھا۔ جہاں جہاں سے ہو کر یہ نہریں بہتی تھیں اس کے آثار اب بھی موجود ہیں اور نہ صرف گاؤں کے کھنڈروں کے پاس بلکہ شہروں اور سرکاری عمارتوں کے بھی جن کا انحصار زمانہ سابق میں کلیتاً اراضی کی (جن کی ان نہروں سے آبپاشی ہوتی تھی) زرخیزی پر تھا۔ الحاق کے زمانے میں جو نہریں قابل کار تھیں ان میں اور اصلاح کی گئی ان کو طویل و کشادہ بھی کیا گیا اور بہر حال قائم رکھا گیا۔ شکستہ نہروں میں پانی از سر نو رواں کرنے کے منصوبے سوچے گئے اور تخمینۂ مصارف بھی کیا گیا۔ اس کام پر جو خزینہ صرف کیا جاسکتا تھا اس کا زیادہ تر حصہ اس وقت تک مستقل پختہ نہروں کی تعمیر و ترمیم ہی میں لگا دیا گیا۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی نے پنجاب میں جو اہم ترین نہر بنائی تھی وہ بڑی نہر دوآبہ کہلاتی تھی اور ۵۰۰ میل لمبی تھی۔ اس عظیم الشان نہر کی تعمیر کے لئے ہندوستان جان لارنس اور لارڈ ڈلہوزی کا ممنون احسان ہے۔ جان لارنس بالاصرار حکومت ہند سے ہمیشہ یہی کہتا رہا کہ ہندوستان میں نہروں اور سڑکوں کی سخت ضرورت ہے اور اس کا وعدہ یہ تھا کہ ان سے مالگزاری میں اتنا اضافہ ہو جائے گا جس سے مصارف کے دو چند رقم فوری واپس مل جائے گی۔ لاہور کی مجلس نے لکھا تھا کہ "اگر ہم ہزاروں آدمیوں کی پرورش کرنا چاہتے ہیں جو انقلاب حکومت کی وجہ سے لازمی طور پر بے روزگار ہو گئے ہوں گے تو ہم اس سے بہتر کام نہیں کر سکتے کہ نئی نہریں کاٹی جائیں اور قدیم نہروں کی تہ سے مٹی اور ریتی نکال کر ان کو درست کیا جائے۔" لارڈ ڈلہوزی نے جواب دیا کہ میں نے وسیع رقبے کی زمینیں ہر جگہ ایسی دیکھی ہیں جو کسی زمانے میں نہایت سرسبز و زرخیز ہوں گی لیکن اب پانی کی محتاجی کی وجہ سے بنجر سی نظر آتی ہیں۔ اگر ان کو پانی ملے تو یہ نہایت ہی زرخیز ہو جائینگی۔" مجلس نظماء نے "خوشی خوشی اس کام کی منظوری"

بہادر کی بیلین "بڑی نہر دوآبہ" بنانے کی لیکن اس تنبیہ کے ساتھ کہ یہ کام وہ نہایت کفایت کے ساتھ "انجام دیا جائے۔
بیرڈ اسمتھ شمالی ہند کی آبپاشی کا ایک ممتاز ترین اور مستند ماہر فن مانا جاتا تھا جب وہ اپنی رخصت کے زمانے میں یورپ گیا تو لمبارڈی اور پیڈمانٹ کی عظیم الشان نہروں کا معائنہ کرنے کے لئے اطالیہ بھی گیا اور بعد میں اسی غرض سے جب وہ ممالک متحدہ امریکہ گیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کے سب مصارف ادا کیے۔ یہ کہنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ "بڑی نہر دوآبہ" کا کام زور وشور کے ساتھ چلنے لگا۔
مئی ۱۸۵۶ء تک ۴۲۰ میل سے بھی زیادہ دور تک نہر کھودی گئی اور توقع کی جاتی تھی کہ یہ کام ۱۸۵۹ء تک تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ اس کے جملہ مصارف دس لاکھ پونڈ انگلیشیہ تخمینہ کیے گئے تھے اور توقع تھی کہ اس سے ۳۰۰۰۰۰ پونڈ سالانہ آمدنی ہوگی یعنی جملہ مصارف پر ۱۲ فی صدی وصول ہوں گے۔
صوبۂ بمبئی میں نربدا اور تاپتی کے سوا جن سے صرف چند اضلاع سیراب ہوتے تھے کوئی اور بڑے دریا نہ تھے اور دکن کی سطح زمین ایسی مرتفع تھی کہ وہاں نہروں کے ذریعہ آبپاشی کرنے کا موقع نہ تھا۔ باؤلیوں اور تالابوں سے آبپاشی کرنے کی طرف کمپنی کے عاملوں نے معقول توجہ نہیں کی تھی۔ سندھ میں دریائے سندھ کی طغیانی پر کاشت کا انحصار تھا اور وہاں قدیم نہریں جال کی طرح پھیلی ہوئی تھیں جن سے اس دریا کا پانی اراضی میں تقسیم ہوتا تھا ان نہروں کی نگہداشت پر کمپنی سالانہ ۲۵۰۰۰ پونڈ صرف کرتی تھی۔
مدراس میں قدیم راجاؤں اور پالی گاروں نے متعدد تالاب اور پانی کے خزانے تعمیر کیے تھے جن کے اب صرف کھنڈر رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر فرانسس بکانن نے ۱۸۰۰ء میں مدراس سے مغربی ساحل تک اپنی سیاحت کے اثنا میں ان کے متعلق تفصیلی طور پر لکھا ہے۔ ان قدیم ذرائع آبپاشی کی بالالتزام مرمت و درستی جس سے یہ ازسرنو کارآمد بن جائیں اور حفاظت ضروری نیز جہاں جہاں ان کی سخت ضرورت محسوس ہوتی تھی وہاں سے تالابوں کا کھودنا اور خزانہ ہائے آب تعمیر کرنے سے پچاس ساٹھ سال کے بعد ملک کی حیثیت میں تغیر عظیم ہونا لازمی تھا۔ اور اس طرح

جب سرکار برطانیہ کو اس صوبے کی تفویض عمل میں آئی اس وقت تک یہاں کی زراعت اور آبادی قحط امساک باراں کے اثرات سے بالکل محفوظ ہوگئی تھی لیکن کمپنی نے آبپاشی سے بالکل بے اعتنائی برتی اور جب کبھی کسی کلکٹر نے کسی قدیم خزانہ آب کی مرمت کی بھی تو محض اس غرض سے کہ اپنے ضلع کے تشخیص محصول اراضی میں اس سے اور اضافہ ہو جائے۔

صوبہ مدراس میں چند خطے ایسے بھی ہیں جہاں نہروں سے اعلیٰ پیمانے پر آبپاشی ممکن ہے اور یہ خطے گوداوری کرشنا اور کاویری کے دہانے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے ابتدا ہی میں اصحاب غور و فکر اس بات سے واقف تھے کہ ان دریاؤں سے آبپاشی ممکن تھی۔ جس طرح شمالی ہند کی آبپاشی بیرڈ اسمتھ اور اس کے رفقائے کار کی طرف منسوب کی جاتی ہے اسی طرح جنوبی ہند کی عظیم الشان نہروں کی تعمیر سر آرتھر کاٹن کے نام نامی کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور ابد الآباد تک کیجائے گی۔

کولرون دریائے کاویری کی ایک شاخ ہے اور تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ کولرون کے ذرائع آبپاشی کی ابتدا جن کو قدمائے ہند نے تعمیر کیا تھا سنہ عیسوی کی دوسری صدی سے ہوئی ہے۔ جب سنہ ۱۸۰۱ء میں یہ ملک انگریزوں کے زیر انتظام آیا اس وقت ان قدیم ذرائع آب پاشی کی حالت ناگفتہ بہ تھی دریا کی تہہ میں مٹی اور ریتی آ کر جم گئی تھی اور آبپاشی کی زمینوں کا رقبہ روز بروز کم ہو رہا تھا۔ شمالی ہند میں جمنا کی نہریں ایسی کامیاب ثابت ہوئیں کہ جنوبی ہند میں کولرون کے ذرائع آبپاشی کی اصلاح و ترقی کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ سنہ ۱۸۳۶ء سے زور و شور کے ساتھ یہ کام مسلسل چلتا رہا کولرون کی بالائی اور زیرین چادروں کی تعمیر پر ۔۔۔۔ ہ پونڈ سے کچھ زیادہ ہی صرف کیے گئے اور ضلع تنجور نیز ترچناپلی اور جنوبی ارکاٹ کے کچھ حصے میں ذرائع آبپاشی کو توسیع دینے میں ۔۔۔۔ ا پونڈ کی مزید رقم خرچ ہوئی تھی۔ کولرون اور کاویری سے جو اراضی سیراب ہوتی تھی اس کا رقبہ ۔۔۔۶۳۰ ایکڑ سے ۔۔۔۱۶۰ ۷ ایکڑ ہو گیا تھا اور مالگزاری میں بھی سالانہ ۔۔۔ ۴۴ پونڈ کا اضافہ ہوا تھا۔ اس حساب سے مصارف پر ۴۴ فی صدی سے بھی زیادہ وصول ہوتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کارِ عظیم کی کامیابی اور اس کے نفع بخش نتائج کو اپنے ہی طرف منسوب کر لیا حالانکہ سب کچھ سر آرتھر کاٹن نے کیا تھا کیونکہ سب سے پہلے اسی کو اس کا خیال پیدا ہوا تھا چنانچہ اس نے کولرون کے بالائی پشتے کی تعمیر باوجود کمپنی کی مخالفت کے شروع کی تھی کاٹن کی پیدائش ۱۸۰۳ء میں ہوئی تھی اور ۱۸۲۱ء میں وہ مدراس آیا تھا ۱۸۶۰ء میں خدمت سے سبکدوش ہو کر ہندوستان سے وطن جانے کے قبل ہی اس نے وہ شہرت حاصل کر لی تھی جو ہندوستان کے کسی دوسرے انجینیر کو کبھی حاصل ہی نہیں ہوئی شمالی ہند کے ناظم آبپاشی سمی بیرڈ اسمتھ نے لکھا تھا کہ "جس وقت سخت مشکلیں درپیش تھیں۔ اس کے ذرائع بالکل محدود تھے۔ اور بہت کچھ مخالفت ہو رہی تھی اس وقت صرف اپنی ذاتی ذمہ داری پر کرنل کاٹن نے بڑی ہمت کی جو کولرون کے بالائی پشتے کی تعمیر شروع کر دی اور اب تنجور کی دوامی خوشحالی زیادہ تر اسی دریا کی آبپاشی پر مبنی ہے"

کولرون کے ذرائع آبپاشی کی تعمیر پر آرتھر کاٹن کا بڑا نام ہو گیا اسی لئے گوداوری کے ذرائع آبپاشی کی تعمیر کے وقت (جن پر اس شہرت کا زیادہ تر انحصار ہے) اس کام کی ذمہ داری لینے کا سب سے زیادہ اہل یہی شخص سمجھا گیا اس نے راجمندری سے (جو قدیم زمانے میں ہندو راجاؤں کا پائے تخت رہا تھا) چند میل کے فاصلے پر ایک مقام کا انتخاب کیا اور دریا پر ایک عظیم الشان چادر تعمیر کی جس کو چار حصوں میں منقسم کیا تھا اور جن کی تعمیر میں دو ٹاپوؤں کو جو دریا کے بیچ میں واقع تھے کام میں لایا تھا۔ اس تعمیر کا تخمینہ مصارف ۲۴۰۰۰۰ پونڈ ہوا تھا مگر ایسٹ انڈیا کمپنی اس کام کو نفع بخش سمجھتی تھی اور توقع کرتی تھی کہ اس سے مالگزاری میں ۳۰۰۰۰ پونڈ یعنی سالانہ ۱۰ فی صدی کا اضافہ ہو جائے گا۔[1]

---

[1] یادداشت دربارۂ اصلاحات وغیرہ بابتہ ۱۸۵۸ء عیسوی۔

آخر کو اس تعمیر وغیرہ کے مصارف بہت زیادہ ہو گئے تھے اور آبپاشی کے ان مفید و نفع رساں کاموں کے لئے سرمایہ فراہم کرنے پر نہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہی رضامند تھی اور نہ نظم و نسق تاج جو کمپنی کے بعد قائم ہوا راضی تھا درآنحالیکہ ریلوں پر بے حساب روپیہ لٹایا جا رہا تھا۔ جب ۱۸۶۶ء میں

اب صرف دریائے کرشنا رہ گیا تھا۔ سنہ ۱۸۵۳ء میں اس دریا پر بھی ایک چادر تعمیر کی گئی۔ ابتداءً اس کا تخمینۂ مصارف ۵۵۰۰۰ پونڈ ہوا تھا۔ اور مالگزاری میں ۶۰۰۰۰ پونڈ یعنی مجملہ رقم مصارف پر ۲۹ فی صدی سالانہ اضافے کی توقع کی جاتی تھی۔

سنہ ۱۸۵۸ء سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی نے جن ذرائع آبپاشی کی تعمیر اپنے ذمے لی تھی وہ مذکورالصدر رہی ہیں۔ ان کے مصارف کثیر ہوئے تھے اس لئے کمپنی ایک ایسی واجبی آمدنی کی توقع رکھنے میں تو حق بجانب تھی جو پانی کی ایک مبنی بر اعتدال شرح مقرر کر دینے سے ہو سکتی تھی۔ لیکن مذکورالصدر اعداد سے واضح ہوتا ہے کہ کمپنی نے اس سے بھی تجاوز کیا تھا بالخصوص سیاہ بخت صوبۂ مدراس میں مالگزاری میں جس قدر اضافہ ممکن تھا اس قدر کر دیا تھا جس کی وجہ سے کمبخت کاشتکاروں کی حالت ویسی ہی افلاس زدہ رہی جیسی پہلے تھی۔ اگر کوئی مالک اراضی اپنی اسامیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے تو مشکل اس کو فیاض اور دانشمندی کہا جائے گا چہ جائیکہ ایک مملکت عظیم کی حکومت ایک کثیر زرعی آبادی کے ساتھ۔ ہر روشن رائے اور صاحب بصیرت حکومت کا مقصد اولیں یہی ہونا چاہئے کہ رعایائے ملک کی ترقی دولت ہو اور ملک میں اجتماع اصل ہوتا ہے۔

ذرائع آبپاشی کی سرگزشت سے ہندوستان کی ریلوں کی سرگزشت بالکل

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ ۔ کی مجلس منتخبہ نے سر آرتھر کاٹن کی شہادت قلمبند کی اس وقت کاٹن نے ان امور کا بھی ذکر کیا۔ بتیس ۳۲ سال کی لگاتار کوششوں کے بعد آبپاشی کے لئے صرف سات لاکھ پونڈ منظور ہوئے تھے یعنے سالانہ بیس ۲۰ ہزار پونڈ کے حساب سے اور وہ بھی ایسے کام کے لئے جو ابتدا ہی سے بے انتہا کامیاب ثابت ہوا تھا .... جو مابہ البحث ہے وہ صرف یہی ہے کہ آبپاشی سے ۲۷ فی صدی آمدنی ہو گی یا ۴۰ فی صدی اور بتیس ۳۲ سال کے بعد بھی منجملہ دس لاکھ ایکڑ کی آبپاشی اب ہو رہی ہے .... اسی زمانے میں ناگپور تک ۶۰ میل ریل کی سڑک تعمیر کرنے کے پانچ لاکھ پونڈ مصارف ہوئے تھے اور یہ مسلمہ تھا کہ ۴ فی صدی آمدنی بھی اس سے نہ ہو گی لیکن کسی کو اس پر اعتراض نہ تھا۔"

("جنرل سر آرتھر کاٹن ۔ اس کے سوانح حیات اور کارنامے" مؤلفہ ایڈی ہوپ صفحہ ۲۶)

مختلف النوع ہے۔ ذرائع آبپاشی کی ابتدائے تعمیر ہی سے سرکار کو منافع ملتا تھا اور خوب ملتا تھا لیکن ریلوں پر جو مصارف ہوتے تھے ان کا واجبی سا حصہ تک حاصل نہ ہوتا تھا۔ سرکار نے ذرائع آبپاشی کو آمدنی کا ایک ذریعہ بنا رکھا تھا لیکن ریلوں سے سال بسال سرکار کو نقصان ہی نقصان ہو رہا تھا۔ آبپاشی سے فصل ہوتی تھی۔ پیداوار میں اضافہ ہوتا تھا اور امساک باراں کی بنا پر قحط کی کبھی نوبت نہیں آتی تھی ریلوں سے قحط کے زمانے میں قحط زدہ مقامات کو غلہ وغیرہ لیجانے میں مدد ملتی تھی مگر پیداوار میں تو کچھ اضافہ نہیں ہوتا تھا۔

ان حالات کے لحاظ سے ہندوستان کے سے ایک زرعی ملک کی حکومت سے قطعاً یہی توقع ہو سکتی تھی کہ وہ بمقابل ریلوں کے ذرائع آبپاشی کی زیادہ طرفدار ہوگی، لیکن انگریز خود اپنے ملک میں نہروں کے بہ نسبت ریلوں سے زیادہ واقف تھے اور انھوں نے ہندوستان کی ضرورتوں کے سمجھنے میں یہی غلطی کی۔ برطانوی صناعوں کا بھی یہی خیال تھا کہ بمقابل نہروں کے سے ان کے تجارتی مال کی کھپت کے لیئے ہندوستان میں اندرون ملک نکاس نکل آئے گی اور ہندوستان میں ریلوں کی توسیع اور ان کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیئے خواہ اس سے ملک کے محاصل کا نقصان ہی کیوں نہو ایسٹ انڈیا کمپنی اور سرکار برطانیہ دونوں کے نظم و نسق پر پارلیمنٹ مسلسل دباؤ ڈالتی رہی تھی اور رعایائے ہند اس بارے میں بالکل بے دست و پا تھی کیونکہ نہ تو رعایا کو حق انتخاب حاصل تھا اور نہ حکومت عاملانہ میں رعایا کا کوئی نمایندہ شریک تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے ذرائع آبپاشی سے بے اعتنائی برتی اور ملک کی فوری ضرورتوں اور مقدور سے بڑھکر ریلوں کی تعداد میں اضافہ کرنا ہی پسند کیا۔

ایسٹ انڈین ریلوے کمپنی اور گریٹ انڈین پننشیولا ریلوے کمپنی کے نام سے دو غیر سرکاری انجمنیں ۱۸۴۵ء میں قائم ہوئیں لیکن ان انجمنوں کے بانیوں نے دیکھا کہ بلا امداد سرکار اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے سرمایہ فراہم کرنا ان کے لیئے ناممکن تھا اس لئے حکومت کمپنی سے انھوں نے استدعا کی۔ بڑی ردّ و قدح کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظما اس شکل میں امداد دینے پر راضی ہو گئے کہ ریلوں کے

سرمائے پر صرف سود کے وہ ذمہ دار و کفیل ہوں گے اور وہ بھی اس شرط پر کہ اگر ریلوے کمپنی کے صرف شدہ اصل پر خالص آمدنی ۵ فی صدی سے کم ہو تو حکومت ہند ہندوستان کے محاصل سے اس کی تکمیل کر دے گی۔ برخلاف اس کے اگر خالص آمدنی ۵ فی صدی سے زیادہ ہو تو اس اضافے کا نصف ریلوے کمپنی کو اور نصف سرکار کو ملے گا۔ مثلاً ریلوں کی آمد و رفت سے صرف شدہ اصل پر صرف ۴ فی صدی اگر آمدنی ہو تو حکومت ہند شرح سود کی جس کی وہ کفیل ہے گی تکمیل کے لئے اپنی طرف سے ایک فی صدی ادا کرے گی۔ برخلاف اس کے اگر ۷ فی صدی آمدنی ہو تو ریلوے کمپنی کے حصّہ دار اس میں سے ۶ فی صدی خود لے لیں گے اور ایک فی صدی سرکار کو دیں گے۔ ریلوے کمپنی کا تمام انتظام خود اسی کے ہاتھ میں رہے گا۔

یہ بھی قرار داد ہوا تھا کہ اگر کمپنی چاہئے تو چھ ماہ قبل باضابطہ اطلاع دینے کے بعد اپنے تمام کاروبار سے دست بردار ہو جائے اور پھر حکومت پر یہ لازم تھا کہ وہ تمام صرف شدہ سرمایہ کمپنی کو واپس دیدے۔ حکومت اس بات کی مجاز تھی کہ پچیس اور پھر پچاس سال کی میعاد کے انقضا پر ریلوے کمپنی کے حصص کی رائج الوقت قیمت دیکر لائن خود خرید لے۔ ننانوے ۹۹ سال کے بعد کمپنی کا کارخانہ اور اراضی خود بخود سرکار پر منتقل ہو جاتی تھی لیکن اس وقت انجن اور ریل کے گاڑیوں کو ایک قیمت مقررہ پر سرکار کو خریدنا پڑتا تھا۔

ایسٹ انڈین ریلوے۔ ۱۸۵۴ء میں آمد و رفت کے لئے صرف ½ ۳۷ میل تک اس ریل کا افتتاح ہوا تھا اور فروری ۱۸۵۵ء میں کلکتے سے رانی گنج تک ۱۲۱ میل تک گاڑی چلتی تھی۔ لارڈ ڈلہوزی نے اس زمانے میں ہندوستان کے لئے ایک ایسے عام نظام کا منصوبہ سوچا تھا کہ ریلیں گاڑیوں کو بدلے بغیر ایک مقام سے دوسرے مقام کو سیدھی چلی جائیں اس کے بعد دوسرا اقرار کمپنی اور سرکار کے مابین یہ ہوا تھا کہ کمپنی دہلی تک ریل کی توسیع کرے گی اور اس پر جو کچھ مصارف ہوں گے ان پر ½ ۴ فی صدی سود کی حکومت کفیل و ذمہ دار رہے گی لیکن آمد و رفت کے لئے اس لائن کے افتتاح سے پہلے غدر ہو گیا اور غدر کے بعد ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمرانی ختم ہو گئی۔

گریٹ انڈین پننسیولا ریلوے ۔ بمبئی سے کلیانی یعنے ۳۲ میل تک ۱۸۵۳ء میں پٹڑیاں بچھانے کا کام ختم ہو چکا تھا۔ اسی سال نومبر میں اسی ریلوے کمپنی نے مصارف پر ۴½ فی صدی سود کی کفالت پر اس لائن کی توسیع کرنا قبول کر لیا تھا لیکن جدید حصص اجرا کیے گئے سود بھی ۵ فی صدی کر دیا گیا ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے پہلے مزید ۴۵ میل تک ریل کی سڑک تیار ہو چکی تھی۔

مدراس کی ریلیں ۔ اس لائن کا پہلا حصہ جو مدراس سے ارکاٹ تک ۶۵ میل لمبا تھا جولائی ۱۸۵۶ء میں لوگوں کی آمد رفت کے لئے کھول دیا گیا مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہتمام نظم و نسق تک اس لائن میں مزید توسیع نہیں ہوئی ۔ نومبر ۱۸۵۸ء تک جب شہنشاہی ہند کا نظم و نسق براہ راست سرکار برطانیہ کے قبضے میں آگیا تو ان مذکور الصدر تین کمپنیوں کی ریلوں کے سوا ہندوستان میں کوئی اور ریل نہیں تھی۔

مذکور الصدر تینوں ریلوں میں نقصان ہی نقصان ہو رہا تھا۔ حکومت ہند نے جس حد تک سود کی کفایت قبول کر لی تھی اور اس کی تکمیل میں ریلوے کمپنیوں کو سال بسال جس قدر رقم اس کو دینی پڑتی تھی اس کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

کفالت سود کے حساب میں حکومت ہند نے جس قدر رقم ادا کی

سنہ عیسوی	ایسٹ انڈین ریلوے	گریٹ انڈین پننسیولا ریلوے	مدراس ریلوے
	پاونڈ	پاونڈ	پاونڈ
۱۸۴۹	۵۶۰۲	۰	۰
۱۸۵۰	۱۷۴۷۱	۳۰۶۳	
۱۸۵۱	۳۷۱۸۵	۶۳۱۹	
۱۸۵۲	۴۵۲۳۴	۱۶۳۱۰	
۱۸۵۳	۵۲۰۷۱	۲۲۸۲۵	
۱۸۵۴	۸۸۸۸۴	۲۵۰۰۲	۹۷۰۳
۱۸۵۵	۱۹۵۷۳۰	۳۰۲۵۹	۱۸۱۱۵

۱۸۵۶	۲۹۶۳۹۰	۶۰۳۷۰	۴۲۵۱۰
۱۸۵۷	۳۵۴۵۱۱	۱۱۶۶۱۲	۸۱۱۳۹
۱۸۵۸	۴۳۳۹۶۸	۱۷۵۲۸۹	۱۰۹۲۶
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
جملہ	۱۵۲۸۰۴۶	۴۵۶۰۴۹	۲۶۰۷۳۴

ہندوستان میں سال بسال ریلوں میں جیسی جیسی توسیع ہوتی گئی ویسے ویسے رعایا کا نقصان ہوتا گیا۔ لیکن جب تک حکومت سود کی کفیل رہی اس وقت تک ریلوے کمپنیوں کو آمدنی ہوتی رہی اور ہندوستان کے ہر حصے میں ریلیں چلانے کے لئے نئی نئی کمپنیاں قائم ہوتی گئیں۔ مثلاً ایسٹ انڈیا کمپنی کے اختتام نظم و نسق سے پہلے سندھ ریلوے کمپنی جس کے حلقۂ عمل میں پنجاب بھی داخل تھا بمبئی بڑودہ اینڈ سنٹرل انڈین ریلوے کمپنی۔ ایسٹرن بنگال ریلوے کمپنی گریٹ ساؤتھ آف انڈیا ریلوے کمپنی۔ کلکتہ اینڈ ساؤتھ ایسٹرن ریلوے کمپنی غرض یہ سب کمپنیاں قائم ہو چکی تھیں لیکن ان کی لائنوں کا افتتاح نہیں ہوا تھا۔

برطانوی صناعوں اور تاجروں کو یہ تعویق بڑی شاق گزر رہی تھی۔ آخر کار ۱۸۵۸ء میں دار العوام نے "اس تعویق کے اسباب دریافت کرنے کے لئے" ایک مجلس مقرر کی تحقیقات کے بعد اس مجلس نے رپورٹ پیش کی کہ اس تعویق کے حسب ذیل وجوہ تھے:۔ اس کام پر نگرانی سرکار کا التزام۔ انگلستان سے ہندوستان کی بُعد مسافت، فتنہ و فساد اور بغاوت و غدر، ملک میں فطری سوانحات و مشکلات وغیرہ۔ اس مجلس نے یہ بھی بیان کیا کہ

"(۱) تعمیرات عامہ کے ایسے عظیم الشان کاموں کا سرانجام سرکار نے جو خانگی کمپنیوں کے سپرد کر دیا بہت بڑی عقلمندی کی"۔

(۲) عامۃ الناس کی ترغیب کے لئے تاکہ وہ اس پیمانے کے جدید کاروبار میں اپنا سرمایہ لگائیں حکومت کا اس سرمایے پر جس کی ضرورت تھی سود کی کفالت قبول کر لینا ایک لازمی امر تھا۔

(۳) ہندوستان کے محاصل کو صرفِ بیجا سے بچانے اور خود حصہ داروں کے اغراض کی حفاظت کے لئے ریلوے کے کاروبار پر سرکاری نگرانی بھی نہایت ضروری ہے۔"

یہ قرینِ قیاس ہے کہ اگر اس مجلس میں رعایائے ہند کی طرف سے کوئی نمایندہ شریک رہتا یا کم سے کم کثیر التعداد ہندوستانیوں کی شہادت بھی اس مجلس نے لی ہوتی تو پھر اس مجلس کی رائے بھی بالکل بدل گئی ہوتی اور ممکن تھا کہ یہ نتیجہ نکالا جاتا کہ ہندوستان کے محاصل کو صرفِ بیجا سے بچانے کے لئے کفالتِ سود کے نظام کے تحت ہندوستان میں ریلیں نہ بنائی جائیں بجز اس کے کہ کوئی سیاسی اشدّ ضرورت درپیش آ جائے نیز یہ کہ دوسری سب ریلیں خانگی کمپنیوں ہی پر چھوڑ دی جائیں اور اہم ترین یہ کہ ہندوستان میں نہریں بھی عام طور پر مگر بالخصوص قحط و امساکِ باراں کے زمانے میں حمل و نقل کا ایک کم مصارف ذریعہ ہونے کی بناء پر دراصل رعایا کے زیادہ مناسب حال تھیں۔

بارھواں باب

نظم و نسق

سنہ ۱۸۳۳ء میں کمپنی کے جس منشور کی تجدید ہوئی تھی اس کی میعاد سنہ ۱۸۵۳ء میں ختم ہونے والی تھی۔ اس کی مکرر تجدید کا مسئلہ زیر غور تھا اور حسب معمول دارالعوام اور دارالامرا کی مجالس منتخبہ نے کمپنی کے سابقہ نظم و نسق کے متعلق تحقیقات شروع کر دی۔ ان مجالس منتخبہ نے جو شہادت قلمبند کی تھی اس کو سرکاری رپورٹوں کی شکل میں شائع کیا گیا تھا اور انھیں رپورٹوں میں ملکۂ وکٹوریہ کے ابتدائی عہد کی تاریخ ہند کا نہایت قابل قدر مواد موجود ہے۔

دارالامرا کی مجلس منتخبہ کا انعقاد سنہ ۱۸۵۲ء میں ہوا تھا اس مجلس نے کاسمو ملول سر جورج کلارک۔ جان اسٹوارٹ مل کے سے اہم گواہوں کے علاوہ دوسرے اور باوقعت اشخاص کی بھی شہادت لینے کے بعد جون سنہ ۱۸۵۲ء میں اپنی رپورٹ پیش کر دی سنہ ۱۸۵۲-۵۳ء میں دارالامرا کی ایک اور مجلس منتخبہ کا اجلاس ہوا جس نے اگست سنہ ۱۸۵۳ء میں تین رپورٹیں پیش کیں۔ اس مجلس نے جن گواہوں کی شہادت قلمبند کی تھی ان میں ہندوستان کے ایسے مشاہیر بھی شامل تھے جیسے لارڈ ہارڈنگ لارڈ گوف۔ سر چارلس نیپیر۔ سر ایڈورڈ رائن۔ سر ارسکن پیری۔ سر چارلس ٹریویلین

فریڈرک ہیلی ڈے ۔ جورج کیمبل ۔ الگزانڈر ڈوف ۔ جان مارشمن اور ہارسس ہیمن ولسن
اسی طرح دار العوام کی مجلس منتخبہ بھی جو لارڈ جان رسل وزیر مال اور سر چارلس وڈ
کا بڈن ۔ گلیڈسٹن وغیرہ ارکان پارلیمنٹ پر مشتمل تھی ۱۸۵۲ء میں منعقد ہوئی اور
لارڈ الفنسٹن ۔ لارڈ ایلنبرو ۔ لارڈ ہارڈنگ ۔ سر جورج کلارک ۔ کاٹمو طول ۔ ہنری ٹوبی
پیسپ وغیرہ گواہوں کی شہادت لینے کے بعد جون ۱۸۵۲ء میں اس مجلس نے اپنی رپورٹ
پیش کر دی ۔ دار العوام کی ایک اور مجلس منتخبہ جس کے مذکور الصدر اشخاص کے علاوہ مکالے
لارڈ اسٹینلی اور لارڈ پامرسٹن بھی ارکان تھے ۔ پارلیمنٹ کے ۱۸۵۳ء کے اجلاس
کے اثنا میں منعقد ہوئی اور اس مجلس نے سر جورج کلارک ۔ سر ایڈورڈ رائن سر ارسکن پیری
سر چارلس ٹریویلین، فریڈرک ہیلی ڈے ۔ ہے کیرن ۔ مارٹنر برڈ ڈاکٹر رویل جان ۔
سلیسون ۔ جان مارشمن وغیرہ گواہوں کی شہادت قلمبند کرنے کے بعد ۱۸۵۳ء میں مئی
اور اگست کے درمیان چھ رپورٹیں پیش کیں ۔

اس باب کی مختصر گنجائش میں اس شہادت کا جو چار ہزار صفحوں کی گیارہ رپورٹوں میں پیش ہوئی تھی خلاصہ کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے ۔ البتہ ہم سے یہ ممکن ہے کہ ہم قارئین کے سامنے اس زمانے کے چند اہم ترین مسائل پر اس زمانے کے چند ممتاز و سربرآوردہ اشخاص کے خیالات و آراء پیش کر دیں ۔ ملکۂ وکٹوریہ کے ابتدائی عہد کے نظم و نسق ہند پر ایسے اشخاص کے خیالات و آراء کی مدد سے جنھوں نے خود اس نظم و نسق میں حصہ لیا تھا تبصرہ کرنے میں یہ خاص فائدہ ہے کہ ہمیں صرف یہی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ نظام کیا تھا بلکہ یہ بھی کہ وہ کس طرح چلتا تھا اور صرف اسی بات سے واقفیت نہیں ہوتی تھی کہ وہ کیا اصول تھے جو تنظیم مملکت کے رہنمائے کار رہے تھے بلکہ اس سے بھی کہ خود نظم و نسق کی شکل و ہیئت اس وقت کیسی تھی کیونکہ ان لوگوں کے (جنھوں نے شہنشاہی ہند کی کثیر آبادی میں رہ کر نظم و نسق کا کام کرتے کرتے تیس چالیس سال اپنی عمر کے گزار دیئے تھے) بیانات پڑھنے کے بعد نظم و نسق کی جیتی جاگتی تصویر ہمارے آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے

دو عملی

۱۷۸۴ء کے قانون ہند مرتبہ پٹ کے نفاذ کے بعد ۱۸۳۳ء کا قانون ہند نافذ

ہوا جس کی رُو سے ہندوستان میں دوعملی قائم ہو گئی۔ چنانچہ نظم ونسق کے اختیارات تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے چوبیس (۲۴) نظماء ہی کے تفویض رہے لیکن نگرانی کے اختیارات مجلس نظم کو جس کے ارکان کا انتخاب خود سرکار برطانیہ کرتی تھی دے دیئے گئے سنہ ۱۷۸۴ء سے کمپنی کی تاجرانہ حیثیت باقی نہیں رہی تھی بلکہ وہ محض منتظم مملکت ہند بن گئی تھی۔ اور یہ بھی شرط لگا دی گئی تھی کہ نظمائے کمپنی کے تمام اختیارات پر بجز ان تقررات کے جنکی اس قانون میں تخصیص کر دی گئی تھی۔ مجلس نظم کی نگرانی رہے گی۔ ہر بات کی ابتدا مجلس نظماء کے ہاتھوں میں تھی اور ہر بات پر نگرانی مجلس نظم کے ذمے تھی۔ سہولت کار کے خیال سے چوبیس (۲۴) نظماء نے اپنی تین (۳) مختلف مجالس قائم کر لی تھیں جن کے حسب ذیل نام تھے:۔

"مجلس مالیات" "سیاسی اور فوجی معاملات کی مجلس" "مالگزاری اور عدالتی معاملات کی مجلس"۔

البتہ ایک اہم امر ایسا تھا جس کے آغاز کرنے کا مجلس نظماء کو کچھ اختیار نہ تھا اور وہ صلح وجنگ تھی جس کو "مجلس نظم" بلا استمزاج نظمائے کمپنی کمپنی کی "مجلس معاملات راز" کے توسط سے خود کرتی تھی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تمام امور جن کی سیاسی اہمیت بہت بڑی تھی اور جن میں صلح وجنگ کا مسئلہ بھی شامل تھا ایک طرح براہ راست وزیر دولت برطانیہ ہی کی زیر ہدایت و نگرانی تھے کیونکہ اس بارے میں جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ صرف ہندوستان کے حکام صدر کی اطلاع سے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی "مجلس معاملات راز" کے توسط سے جس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظماء کو کچھ دخل نہ تھا ہوتا تھا"

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مجلس نظم کے میر مجلس کی ایما سے جو برطانوی کابینہ کا رکن ہوتا تھا اور مجلس نظماء کے علم کے بغیر ہندوستان لڑائیوں میں اکثر پھنس جاتا تھا۔ اگر اس معاملے میں مجلس نظماء کو بھی کچھ اختیار ہوتا تو پھر جنگ افغان جس کی لارڈ آکلینڈ نے ابتدا کی تھی اور "جس میں ۱۵۰۰۰ جانوں کا اتلاف اور لکھوکھا روپے کے مصارف عائد ہوئے تھے شاید کبھی وقوع ہی میں نہ آتی"۔ مسٹر ٹی ایچ میڈکس نے دارالعوام کی مجلس منتخبہ کے سامنے سنہ ۱۸۵۲ء میں اپنی شہادت میں بیان کیا تھا کہ "جنگ برما کے آغاز کے بابت اس کی وقتاً فوقتاً کیفیت اور موجودہ حالت سے مجلس نظماء کو کچھ بھی علم نہیں۔

ہیں نے دو مرتبہ اس کے کاغذات مانگے تھے لیکن مجھ سے دو دفعہ یہی کہا گیا کہ ان کا غذات کا مجلس نظماء کو بھیجنا نامناسب خیال کیا جاتا ہے۔"

یہاں یہ بتانا ضروری نہیں کہ اس غیر اطمینان بخش انتظام سے یہ ہوتا تھا کہ لارڈ پامرسٹن کے سے شہنشاہی پسند وزرائے برطانیہ محض انگلستان کے شہنشاہی اغراض کی خاطر ہندوستان کو جنگ و مہمات میں پھنسا دے سکتے تھے اور دیتے تھے اور مجلس نظماء کو اس جنگ و جدال کے مصارف جو اس کی رضامندی یا علم کے بغیر ہوتے تھے ادا کرنا پڑتا تھا۔ پہلے ہی سے مجلس نظماء متعدد قصور رو رکھا کی جواب دہ تھی اب اس نے یہ گناہ اور کیا کہ ہندوستان کے ایک قدیم قانون کا غلط منشا نکال کر دیسی ریاستوں کا الحاق کرنا شروع کر دیا جس سے اسکا جلد خاتمہ ہونے کی صورت پیدا ہو گئی۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ ملکہ وکٹوریہ کے ابتدائی عہد کی بد سے بدتر لڑائیوں کی مثلاً جو افغانستان سندھ اور برما سے ہوئی تھی از روئے انصاف مجلس نظماء جواب دہ و ذمہ دار نہیں تھی۔

دستورِ حکومت کے اس نقص سے قطع نظر کرکے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلاشبہ یہ دو عملی عملاً کچھ ایسی بری نہ تھی۔ اس سے ایک طرف تو نظمائے کمپنی پر نگرانی رہتی تھی جسکی ضرورت ہی تھی اور دوسری طرف وزرائے دولت برطانیہ کو مطلق العنان اور غیر ذمہ دارانہ اختیارات ملنے سے جو خرابی پیدا ہو سکتی تھی وہ نہیں ہونے پائی تھی۔ لارڈ ہارڈنگ نے جو سب سے زیادہ دانشور و قابلِ گورنر جنرل گزرا ہے ۱۸۵۲ء میں دارالعوام کی مجلس منتخبہ کے سامنے اپنی شہادت میں کہا تھا کہ "سرکار برطانیہ کو عوام کے سامنے زیادہ نمایاں طور پر ہر وقت پیش کرنے کے بجائے اس دو عملی کا ہونا ہی زیادہ مصلحت اور دانائی پر مبنی ہے" اس کے علاوہ انیسویں صدی عیسوی کے انگریزوں کے سب سے زیادہ دیر مغز و دور اندیش فیلسوف حکیم یعنے جان اسٹوارٹ مل نے اس نظام کو پسند کیا تھا۔ مل ۱۸۵۲ء تک یعنے تیس سال تک چونکہ ہند کے صیغہ تنقیح مراسلات میں مددگار رہ چکا تھا اس لئے جس نظام کے تحت وہ کام کر رہا تھا اس کے متعلق زیادہ وثوق اور واقفیت کے ساتھ وہ بیان کر سکتا تھا۔

جان اسٹوارٹ مل کی شہادت

"یہ تقریباً ناممکن ہے کہ ایک ملک میں کسی غیر ملک کے لئے ایک ایسا عضوِ حکومت

اختراع کیا جائے جس کو خوبی حکومت سے زیادہ دلچسپی ہو۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسی جماعت قائم کی جائے جس کو بُری حکومت سے اقل درجہ دلچسپی ہو اور میرا تو خیال یہ ہے کہ ہندوستان معاملات کے تصفیے کے لئے اس ملک میں جو حکمران جماعتیں اب موجود ہیں ان میں ہر قسم کی بدنیتی اور بد باطنی اس طرح مفقود ہے جس طرح دنیا کی کسی اچھی سے اچھی حکومت میں ہو سکتی ہے۔"

"مجلس نظماء صرف تحریک کنندہ جماعت ہے۔ آخری فیصلہ صادر کرنے والی جماعت نہیں اور حکام بالا کی بلا منظوری بطور خود کچھ نہیں کر سکتی اور محض استدلال کے سوا حکام بالا کو اپنی بات منوانے کا اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لئے گمان غالب یہ ہے کہ ان حالات میں اس قبیل کی جماعت ہی اپنی کارروائی کے تمام دلایل کی کمال احتیاط کے ساتھ چھان بین کر سکتی ہے۔ ورنہ اسی جماعت کو اختیار تحریک کے ساتھ ساتھ اختیار حکم آخر بھی مل جائے تو پھر یہ بات نہ رہے۔"

محض ایک وزیر ہند کے توسط سے ہندوستان پر حکمرانی کرنے سے "بدتر کوئی اور مطلق العنان حکومت اس ملک میں تو ہو نہیں سکتی کیونکہ ایسی حالت میں بحث مباحثہ اور غور و خوض کرنے کا موقع ہی نہیں بجز اس گفتگو کے جو وزیر ہند اور اس کے زیردستوں میں شاید ہوتی ہو لیکن وزیر ہند پر اپنے زیردستوں کی صلاح و مشورے کا سننا کچھ لازم نہیں ہے اور اگر لازم بھی ہو تو اس کے زیر دست جو کچھ صلاح و مشورہ دیں گے اس کے وہ ذمہ دار ہرگز نہ ہوں گے۔"

جان اسٹوارٹ مل کو اس رائے کا اظہار کیے پچاس سال گزر گیے اور اب ہمارا پنجاہ سالہ تجربے سے بھی اس فیلسوف اعظم کی دور اندیشی اور دانائی ثابت ہوتی ہے۔ ان پچاس برسوں میں جیسے جیسے عام تجربہ وسیع ہوتا گیا ہندوستان کے نظم و نسق میں بھی کئی طرح سے یقیناً اصلاح ہوتی گئی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وزیر ہند کی غیر ذمہ دارانہ حکومت سے نہایت ہی مضر نتائج مرتب ہوتے رہے۔ مجلس نظماء پر مجلس نظم کی جیسی نگرانی تھی ویسی حقیقی طور پر وزیر ہند کے افعال پر کسی کی نہ تھی۔ کمپنی کے منشور کی ہر تجدید کے وقت کمپنی کے نظم و نسق کے متعلق جیسی تحقیقات ہوتی تھی ویسی میعادی تحقیقات موجودہ نظم و نسق کے متعلق کبھی نہیں ہوئی۔ کمپنی پر جس طرح بدگمانی اور مفید نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ اس طرح

موجودہ حکومت ہند پر اس کے افعال کی روک تھام اور اصلاح کے لئے کوئی بدگمانی اور نکتہ چینی نہیں کی جاتی تھی۔ اسی لیے غیر ذمہ دارانہ نظم و نسق کا کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلا۔ صرف معاملات مالیہ ہی کو لیجئے کمپنی کے آخری پچاس سالہ نظم و نسق میں ہندوستان کے محاصل اوسطاً تین کروڑ پونڈ انگلیشیہ تھے اور اس رقم میں سے صرف ۳۵ لاکھ پونڈ مطالبات وطن کی تکمیل کے لئے انگلستان ارسال ہوتے تھے لیکن ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت کے آخری سال (۱۹۰۰ء - ۱۹۰۱ء) ہندوستان کے محاصل دوچند ہو گئے تھے۔ یعنے ریلوے اور آبپاشی کے وصولات کو چھوڑ کر یہ پانچ کروڑ پچاس لاکھ پونڈ تھے حالانکہ ملک ہی کی وسعت بعینہ پہلی سی تھی اور لوگوں کی دولت اور آمدنی میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہوا تھا اور اس پر مطالبات وطن کی تکمیل کے لئے ایک کروڑ ستر لاکھ سے بھی زیادہ رقم انگلستان ارسال ہوتی تھی۔ یہ کثیر المقدار معاشی سوتا ؤ جو پچاس سال کے اندر اندر پنچ گونہ بڑھ گیا تھا اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ہوتی تو اس کے تحت بالکل ناممکن الوقوع تھا۔

برطانوی تاجروں کے خیالات

برطانوی تجار و صناع کی ہمیشہ خواہش یہی تھی کہ ہندوستان میں اچھا انتظام قائم رہے لیکن ان کو "اچھی حکومت سے زیادہ دلچسپی" نہ تھی اور نہ ہوسکتی تھی اور ظاہر ہے کہ صرف اچھی حکومت ہی سے اچھا انتظام قائم ہوسکتا ہے ان لوگوں کا مقتضائے فطرت ہی یہ تھا کہ فقط اپنے تجارتی اور صنعتی اغراض کو زیادہ تر پیش نظر رکھیں چنانچہ ان کا یہ خیال تھا کہ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی برخاست کردی جائے اور ہندوستان کو براہ راست وزیر دولت برطانیہ کے زیر نگرانی کر دیا جائے تو پھر اس وزیر پر دباؤ ڈال کر برطانوی تجارت کے لئے اس سے بہت کچھ سہولتیں حاصل کی جاسکتی ہیں اس لئے ہمیں اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مینچسٹر۔ برمنگھم اور لورپول کو لارڈ ہارڈنگ اور جان اسٹوارٹ مل سے اختلاف رائے تھا کیونکہ ان شہروں کی صلاح یہی تھی کہ ہندوستان پر وزیر دولت برطانیہ کے توسط ہی سے حکومت کی جائے۔

شہر مینچسٹر کی طرف سے ایک عام جلسہ ہوا جس میں یہ تحریک منظور ہوئی کہ "ہندوستان

میں بدنظمی کی اصلاح اس وقت تک یقینی طور پر نہیں ہو سکتی جب تک کہ حکومت دکن کی مکمل اصلاح نہ ہو لے۔ اور ہماری رائے یہ ہے کہ مجلس نظما اور مالکان کمپنی کو حکومت ہند سے کچھ سروکار نہیں ہونا چاہئیے اور آئندہ اس ملک میں حکومت ہند پر نگرانی رکھنے کے لئے ایک وزیر اور اس کی کونسل سرکار کی طرف سے مامور ہونی چاہئیے جو شہنشاہی پارلیمنٹ کو براہ راست جواب دہ رہے۔"

لورپول کی ایک انجمن "ایسٹ انڈیا اینڈ چینا ایسوسی ایشن" نے "ہندوستان کی بندرگاہوں سے پیداوار روال تجارت کے اندرون ملک لانے اور لیجانے کے لئے ذرائع آمد ورفت میں" اصلاح کی ضرورت بتائی تھی۔ ہندوستان کے بے انتہا محصول ارضی اور طلائی معیار کے موقوف کردینے پر سخت اعتراضات کیے تھے۔ عدالت اور کوتوالی کا اچھا انتظام قائم کرنے کی استدعا کی تھی محکمہ جنگی کی تعویق کے متعلق بہت کچھ کہا تھا اور نہایت عجز وانکسار کے ساتھ یہ صلاح دی تھی کہ ہندوستان پر مجلس نظم کی براہ راست نگرانی، نیز اقتدار کو ایک نہ ایک شکل میں زیادہ وسیع کرنے کی سخت ضرورت تھی"۔

برمنگھم کے باشندوں نے ایک عام جلسہ کیا تھا جس میں انھوں نے تحکمانہ مطالبات پیش کیے تھے اور پارلیمنٹ سے درخواست کی تھی کہ "ہندوستان کی دوعملی مسدود کردی جائے اور خود انگلستان میں ہندوستان کے لئے ایک نظم ونسق ایسا قائم کیا جائے جس کا نفاذ حکومت برطانیہ ہی کے ہاتھ میں ہو اور جو شہنشاہی پارلیمنٹ کو براہ راست جواب دہ ہو"۔

برطانوی شہنشاہی کے نظم ونسق کی حکمت عملی کا تعین حکما ومدبرین کے ہاتھوں میں نہیں تھا بلکہ برطانیہ عظمی کے تاجروں صناعوں اور رائے دہندگاں کے ہاتھوں میں تھا اور چونکہ برطانیہ عظمی کے تاجروں اور صناعوں نے ہندوستان کے لئے تاج برطانیہ کی حکومت ہی پسند کی تھی تو پھر آئندہ چل کر کبھی نہ کبھی اس طرح کی حکومت کا آغاز ہونا ایک لازمی امر تھا۔

نیابت کا مطالبہ

اہل ہند کے مطالبۂ نیابت کی بھنک سات سمندروں پار پہلے پہل کانوں میں

پڑنے لگی تھی۔

انجمن اہل مدراس اور صوبہ مدراس کے اصل باشندوں نے یہ صلاح دی تھی کہ "مدراس کی کونسل میں سرکاری اور غیر سرکاری ارکان کی تعداد مساوی اور ہر جماعت سے چھ یا سات اشخاص کا انتخاب ہونا چاہئیے سرکاری ارکان کا تقرر ان کے عہدے کے لحاظ سے خود سرکار کر سکتی ہے مثلاً صدر وکیل سرکار ایک رکن ہو سکتا ہے مگر غیر سرکاری ارکان کی حد تک گورنر ان اٹھارہ یا بیس اشخاص میں سے جن کو مدراس کے محصول دہندگان نے منتخب کیا ہو یا ان لوگوں میں سے جن کو چھوٹی اور بڑی جیوری کی خدمت بجالانے کا حق حاصل ہے ارکان کا انتخاب کر سکتا ہے یا جیسا معزز دارالعوام کی دانست میں مناسب ہو۔ عندالضرورت سرکاری ارکان گورنر کی فیصلہ کن رائے کی بنا پر کسی اہم معاملے میں حکومت کے حسب منشاء تصفیہ کر سکتے ہیں۔ اس مجوزہ منصوبے کے سرانجام میں کوئی رکاوٹیں نہیں ہیں اور تمام معاملات میں معقول طور پر سب کو معلومات حاصل ہو سکتی ہیں"۔

انجمن بمبئی کے ارکان اور صوبہ بمبئی کے اصل باشندوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ "اب وقت آچکا ہے کہ ہندوستانی اپنے ملک کے انتظامی معاملات میں بمقابل سابق کے زیادہ حصہ لینے لگیں اور جیسا لارڈ ڈالہنرو۔ لارڈ الفنسٹن وغیرہ کی رائے تھی مقامی حکومت کی کونسلوں میں وضع قوانین کے معاملات اور حکمت عملی کی تشکیل میں جن سے ملک کو بھی عام دلچسپی ہے سمجھدار اور تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو حصہ لینے اور ان معاملات پر بحث کرنے کا موقع دینا چاہئیے"۔

انجمن برطانوی ہند اور صوبہ بنگالہ کے دوسرے اصلی باشندوں نے پارلیمنٹ کے بغور ملاحظہ کرنے کے لئے یہ تحریک پیش کی تھی کہ "کلکتہ میں ایک مجلس وضع قوانین قائم کی جائے جو سات ارکان پر مشتمل رہے ان میں سے تین ۳ ارکان نو تین ۳ صوبوں کے دیسی باشندوں کی طرف سے وہاں کے قابل اور معزز دیسی اشخاص میں سے منتخب ہونے چاہئیں ایک ایک رکن ہر صوبے کا گورنر اپنے دیوانی تجربہ کار عہدہ داروں میں سے سرکاری اغراض کی دیکھ بھال کیلئے مقرر کر سکتا ہے اور ایک رکن تاج برطانیہ کی طرف سے بھی مقرر کیا جا سکتا ہے"۔

جس وقت ہندوستانیوں کی انجمنیں نیابت کے لئے ڈرتے ڈرتے کمال احتیاط

کے ساتھ اس طرح دعوے کر رہی تھیں ہی وقت سنہ ۱۸۳۳ء کے قانون کی اس مشہور دفعہ کے موافق جس پر دارالعوام میں زور شور کے نعرہ ہائے تحسین بلند کیے گئے تھے۔ مگر جس کو ہندوستان میں ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا تھا ان انجمنوں نے اعلیٰ عہدوں پر ہندوستانیوں کے تقرر کی پُرزور تائید بھی کی تھی۔ انگریز گواہوں نے بھی اس بات کی تصدیق کی تھی کہ اہل ہند کے ساتھ سرکار نے صریح وعدہ خلافی کی ہے۔ گورنر جنرل کی کونسل کے رکن قانونی (۱۸۴۳ء تا ۱۸۴۸ء) مسمی جے کیمرن نے بھی اس پر بہت زور ڈالا تھا۔

لارڈ مونٹ ایگل جس حد تک کسی بات کا اظہار کر دینا ہوتا ہے اس حد تک اس آخری قانون کی دفعہ ۸۷ کی رو سے عام طور پر دیسیوں کے استحقاق خدمت کے متعلق جو اظہار خیال کر دیا گیا ہے کیا اس سے بھی زیادہ حتمی طور پر اس خیال کا اظہار کرنا ممکن ہے؟

جے کیمرن۔ جی نہیں کیونکہ میرے خیال میں یہ نہایت ہی پُرزور اور صاف و صریح طریقے پر کر دیا گیا ہے۔۔۔۔۔

لارڈ مونٹ ایگل۔ اگر اس قانونی دفعہ کو اسی وسیع معنی میں لیں جو معنی اس کے آپ لیتے ہیں تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے عملی نتائج ایسے واقع ہوئے ہیں جن سے اس دفعہ کو مرتب کرنے والوں کے توقعات پورے ہوتے ہیں؟

جے کیمرن۔ جی نہیں بلکہ بالکل اس کے برخلاف عمل ہوا ہے۔ میرے علم میں ایک بھی دیسی شخص ایسا نہیں ہے جس کی حیثیت اس قانونی دفعہ کی بنا پر اس سے بہتر ہو گئی ہو جو اس دفعہ کے نافذ نہ ہونے کی صورت میں آج اس کی رہتی۔

سر چارلس ٹریویلین کی شہادت تو اس سے بھی زیادہ پُرزور تھی اس نے گزشتہ زمانے کے شہنشاہی اقوام شلاً مقدونیہ اور روما کی قوموں کا حوالہ دیا اور بتایا کہ مفتوح اقوام اور فاتحین میں "ہر بات میں بالکل مساوات" قائم رکھنے سے کیسی وسیع شہنشاہیاں کتنی طویل مدت تک برقرار رہی تھیں اور اپنی یہ رائے بھی ظاہر کی تھی کہ "ہندوستان پر ہمارا شہنشاہی اقتدار مدت مدید تک قائم رکھنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہم دیسیوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دیکر ذمہ دارانہ خدمتوں پر ان کو مامور کریں اور اُس کے لئے ان کو تعلیم دی جائے تاکہ وہ اپنے فرائض زیادہ قابلیت اور صلاحیت کے ساتھ بجا لا سکیں"

پہلا "قانون اصلاح" انگلستان میں نافذ ہونے کے صرف ایک سال بعد جب کہ حقیقی "جدت پسندی" بھی عروج ہی پر تھی کہ ۱۸۳۳ء کا قانون جاری کیا گیا۔ اس کے بعد سے انگلستان میں حقیقی "جدت پسندی" کا انحطاط ہونے لگا اور شہنشاہیت پسند جماعت جب اقتدار پر پہنچی تو اہل ہند پر وہ پہلا سا التفات باقی نہ رہا تھا۔ فرانسس رابنسن نے بھی جو ہندوستان میں جج اور مجلس مالگزاری کا ایک رکن رہ چکا تھا اس افسوسناک واقعہ کی تصدیق کی تھی۔

چنانچہ اس نے کہا تھا کہ "حکمراں قوم محکوم قوم کو نہایت ہی نفرت کی نظروں سے دیکھتی ہے۔ اس بات کو لارڈ ولیم بنٹنک سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا اور اسی نے سب سے پہلے اس جذبے کی روک تھام کی اور دیسیوں کے معاشرتی ترقی مدارج کی کوشش کی تھی"۔

فرانسس رابنسن سے استفسار کیا گیا کہ "کیا آپ اس مجلس کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ جب سے خود لارڈ ولیم بنٹنک گورنر جنرل وقت نے اپنی تجاویز سے اس مضمون کی طرف عام توجہ منعطف کرائی تھی اس وقت سے دیسیوں پر جو التفات کیا جاتا تھا آیا اس میں معتد بہ اضافہ ہوا ہے یا نہیں"؟

اس کا فرانسس رابنسن نے یہ جواب دیا کہ "میرے خیال میں اس بارے میں اب خیالات بدل گئے ہیں۔ لارڈ ولیم بنٹنک کے زمانے سے یہ تغیر خیالات نمایاں ہے"۔

لارڈ ولیم بنٹنک کی اصلاحوں کو دو قرن گزر چکے۔ اس نے اعتماد اور ذمہ داری کی نئی نئی خدمتیں ہندوستانیوں کے لئے قائم کرنے کی کوشش کی تھی مثلاً صدر امنا، حلقہ ڈپٹی مجسٹریٹ اور ڈپٹی کلکٹروں کی خدمتیں اسی نے قایم کی تھیں۔

لیکن بنٹنک کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد اس میں کوئی ترقی نہیں ہوئی نظم و نسق دیوانی میں ہندوستانیوں کی تعداد ۱۸۲۸ء میں یعنے جس سال لارڈ ولیم بنٹنک ہندوستان آیا تھا کیا تھی اور اس کے ۲۵ سال بعد ۱۸۴۹ء میں کیا ہوئی اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

صدر اشغال حلقہ	سنہ ۱۸۲۸ء	سنہ ۱۸۴۹ء
—	—	۶۴
صدر امین	۱۵۷	۸۱
منصف	۸۶	۴۹۴
ڈپٹی مجسٹریٹ	۰۰	۱۱
ڈپٹی اور مددگار کلکٹر	....	۸۶
مددگار سب کلکٹر	....	۲۷
مہتممان آبکاری	...	۱۵
تحصیلدار	۳۵۶	۲۷۶
سررشتہ دار	۳۶۷	۱۵۵
معاملہ دار	۹	۱۱۰
دفتردار	۲	۱۹
کماوسدار	۵۷	...
عدالتی	....	۵
میر منشی	....	۱
تعلیمات	۱۴	۴۷۹
متفرق	۱۴۹	۹۹۰
میزان	۱۱۹۷	۲۸۱۳

سنہ ۱۸۴۹ء میں تین ہزار سے بھی کم ہندوستانی انگریزی سرکار کے حلقۂ ملازمت میں داخل تھے اور ایک ہزار سے بھی کم ہندوستانی اعزاز۔ اعتماد اور ذمہ داری کی خدمتوں پر مامور تھے۔

عاملانہ نظم و نسق

سنہ ۱۸۳۳ء کے قانون کی رو سے جو اپریل سنہ ۱۸۳۴ء میں نافذ العمل ہوا چند اہم تغیرات

عمل میں آئے۔ مثلاً بنگالے اور آگرے کے انتظام کے لئے علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کی گئیں بنگالہ اب بھی گورنر جنرل ہند لارڈ ولیم بنٹنک کے براہ راست زیر انتظام تھا مگر سر چارلس مٹکاف آگرے کا پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ گورنر جنرل کی کونسل میں رکن قانونی کی ایک مزید جگہ قائم کی گئی اور مکالے پہلا شخص تھا جو اس خدمت پر مامور ہو کر ہندوستان آیا۔ اب تک تو ہر صوبہ مثلاً صوبۂ بنگالہ صوبہ مدراس صوبۂ بمبئی اپنا اپنا دستور العمل نافذ کر لیتا تھا لیکن اب گورنر جنرل اس بات کا مجاز کیا گیا کہ اپنی کونسل کی مدد سے وہ قوانین نافذ کرے اور اور یہ قوانین تمام ہندوستان کے لئے واجب التعمیل تھے۔

اس زمانے میں بنگالے کے لئے کوئی علیحدہ گورنر مقرر نہ تھا۔ گورنر جنرل ہند ہی گورنر بنگالہ تھا اور حقیقی حکومت ہند و بنگالہ پر ہنری ٹوبی پرنسپ کے تقرر کا اعلان سرکاری جریدے میں کر دیا گیا۔

مدراس اور بمبئی بھی اصولاً گورنر جنرل ہند ہی کے براہ راست تحت کر دیئے گئے تھے نگران صوبوں کے نظم و نسق کو داصل جو عملی خود مختاری حاصل تھی اس میں مداخلت کرنے کی طرف بد نصیبی سے کسی کا رجحان نہ تھا۔ "گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کلکتے سے حکومت مدراس اور حکومت بمبئی کے اندرونی انتظامات میں شاذ ہی مداخلت کرتا ہے۔ مثلاً مالیات میں مداخلت اسی وقت کرتا ہے جب رقم صرف کرنے کا سوال ہوتا ہے یا کبھی وضع قوانین سے متعلق معاملات میں بھی مداخلت کرتا ہے لیکن مالگزاری کوتوالی اور عدالت کے معاملات میں تو مداخلت قریب قریب نہیں کرتا۔"

جب ۱۸۴۹ء میں پنجاب کا الحاق عمل میں آیا تو اس کو پانچواں صوبہ قرار دیا گیا اور ایک مجلس کے زیر انتظام کر دیا گیا جو لارنس نامی دونوں بھائیوں اور منسل پر مشتمل تھی جیسا پچھلے باب میں بیان ہوا ہے۔ اس کے تین سال بعد یہ مجلس برخاست کر دی گئی اور جان لارنس ۱۸۵۳ء میں پنجاب کا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔

ہر صوبے کو اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا اور اضلاع کے عہدہ داران کو فوجداری اور مالگزاری کے اختیارات اور علاوہ فرائض تفویض تھے انھیں نامکمل ابتدائی طریقوں پر جن کو وارن ہیسٹنگز اور لارڈ کارنوالس نے گذشتہ صدی عیسوی میں مقرر کیا تھا ملک کا نظم و نسق چلاتے تھے۔ اہم تر فوجداری مقدمات کی جج سماعت کرتے تھے اور یہی

بیچ (صدر) اور ان کے زیر دست دیسی ملازمین سرکار تمام دیوانی مقدمات کا تصفیہ کرتے تھے۔

عدالتی نظم و نسق

ہر صوبے میں دو اعلےٰ عدالتیں تھیں ایک صدر عدالت جو کمپنی کے ملازمین دیوانی پر مشتمل تھی اور دوسری بادشاہی عدالت جو ان ججوں پر مشتمل تھی جن کا تقرر تاج کی طرف سے ہوتا تھا۔ عام اتفاق آرا یہی تھا کہ ان دونوں عدالتوں کو ایک کر دیا جائے۔

سر لارنس پیل جو بمبئی کی بادشاہی عدالت کا رکن اور ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۸ء کے درمیان اس کا میر مجلس بھی رہ چکا تھا اس کی رائے یہ تھی کہ ” ان دونوں عدالتوں کو ایک کر دینا نہایت ہی مناسب ہے اور ہندوستان میں سب سے پہلے جس اصلاح کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ تمام عدل و انصاف ملکۂ معظمہ کے نام سے ہونا چاہیئے .... میں جس نظام کی صلاح دے رہا ہوں اس سے بڑی حد تک اس تصادم کا انسداد ہو جائے گا جو اب ان عدالتوں میں ہوتا ہے “۔

سر ایڈورڈ رائن جو بنگالے کی بادشاہی عدالت کا رکن اور ۱۸۳۷ء اور ۱۸۴۲ء کے درمیان اس کا میر مجلس بھی رہ چکا تھا اس کی بھی یہی رائے تھی کہ ” بادشاہی عدالت اور صدر عدالت دونوں کا ایک کر دینا مناسب ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ملکۂ معظمہ کے ججوں اور کمپنی کے ججوں دونوں کے لئے ایک ہی عدالت کر دینی چاہیئے اور اس تمام صوبے کے لئے جہاں ایسی عدالت قائم کی گئی ہو یہی عدالت ”عدالت استغاثہ“ متصور ہونی چاہیئے “۔

سر ایڈورڈ گیمبیر نے جو مدراس کی بادشاہی عدالت کا رکن اور ۱۸۳۶ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان میر مجلس بھی رہ چکا تھا کہا تھا کہ ” میری جو کچھ صلاح ہو گی اس میں اس تجویز کا حوالہ بھی ضرور ہو گا جس کو میں حد درجہ مناسب سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ اس صوبے میں ”بادشاہی عدالت“ اور ”صدر عدالت“ دونوں کو ایک کر دیا جائے “۔

اس بارے میں وکلاء کی رائے بھی اسی قدر غیر متزلزل تھی جس قدر ججوں کی

اور ایک انگریز بیرسٹر مسمی جان فارلی کیتھ نے جو کلکتہ [illegible]
مجلس خاصہ کے مقدمات میں وکالت کرتا تھا دونوں عدالتوں [illegible]
فوائد نہایت صاف طور پر بیان کئے تھے "کمپنی کے عہدہ دار [illegible] جو عہدہ [illegible]
کی ملازمت دیوانی کے ارکان ہیں انگریز جج بھی جنھیں قانون کی خاص تعلیم ملتی ہے
شریک ہو جائیں گے بمصداقِ ملازمت کے ججوں کو ملک اور اہل ملک کے اطوارات
عادات واطوار۔۔ رسم ورواج کے متعلق جو تجربہ اور علم ہے اس سے بہت کچھ عملی فائدے
حاصل ہو سکتے ہیں پھر آپ کو ایسے تعلیم یافتہ عملی تجربہ رکھنے والے قانون داں مل جاتے
ہیں جو واقعات اور قانون کے متعلق ایسے مقننین کی مدد سے جنھیں صحیح طور پر تحقیقات
اور منطقی استدلال کرنے کی عادت سی ہوگئی ہے صحیح صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں۔"
بنگالے کی انجمن برطانوی ہند نے بھی یہی تحریک پیش کی کہ "صدر عدالت" اور "بادشاہی عدالت"
دونوں کو جتنا جلد ممکن ہو ایک کر دینا چاہیے" اس قومی اتفاق آرا کے مطابق جب
کمپنی کے منشور کی تجدید ہوئی تو یہ دونوں عدالتیں ایک کر دی گئیں اور مدراس بمبئی اور
کلکتے میں ان کا نام بدل کر "عدالت العالیہ" رکھا گیا۔

۱۸۳۳ء کے قانون کے نفاذ کے بعد ایک "ماموریۂ قوانین" منعقد کیا گیا اور مکالے
جو گورنر جنرل کی کونسل کا پہلا رکن قانونی تھا اس ماموریہ کا پہلا میر مجلس مقرر ہوا۔ اس
ماموریہ نے سب سے پہلے ہندوستان کے لئے ایک قانون تعزیرات مرتب کرنا شروع
کیا۔ اس کی ترتیب کے وقت نپولین کے مجموعۂ قوانین وغیرہ کے علاوہ اسی طرح کا
اور مواد بھی مکالے کے پیش نظر تھا۔ "قانون تعزیرات ہند" کا مسودہ مرتب اور ۱۸۳۷ء
میں پیش کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہ مسودہ انگلستان اور ہندوستان کے مستند مقننین کے
ملاحظہ میں پیش کیا گیا۔ ہندوستان کی عدالتوں نے اس پر جو کچھ لکھا تھا اس پر ۱۸۴۵ء
میں ماموریۂ قوانین کے باقی ارکان یعنی ایلیٹ اور سے کیمرن نے ایک تبصرہ لکھا
اس کے بعد یہ معاملہ یوں ہی سوتا رہا اور بیتھیون نامی قانونی رکن وقت نے اس
مسودے میں ایسی ترمیم کی کہ اس کا نام تک "قانون بیتھیون" ہو گیا۔ لیکن پھر بھی
کمپنی کے وجود تک تو یہ مجموعۂ قوانین منظور نہ ہوا البتہ اس کے اختتام کے بعد
قانون کی شکل میں نافذ ہوا۔

[illegible] کے ماموریہ قوانین انہوں نے جس کے اس وقت ارکان صرف ایلیٹ اور [illegible]رن رہ گئے تھے ایک ضابطۂ فوجداری بھی مرتب کیا لیکن یہ بھی کمپنی کے [illegible]م و نسق کے اختتام کے بعد نافذ کیا گیا چنانچہ لارڈ کیننگ نے جو تاج برطانیہ کے زیر اقتدار پہلا وائسرائے مقرر ہوا تھا قانون تعزیرات ہند کے علاوہ ضابطۂ فوجداری اور ضابطۂ دیوانی بھی نافذ کیا۔

منضبطہ قانون کی عدم موجودگی میں کمپنی کے ججوں اور مجسٹریٹوں سے جیسا بہتر ممکن تھا وہ کام چلا لیتے تھے اور ہندوستانی عہدہ داروں نے بھی جن کو سررشتۂ عدالت میں ذمہ داری کی خدمتوں پر مامور کیا گیا تھا عدالتی کام میں ایسی قابلیت۔ اہلیت اور قوت فیصلہ دکھائی تھی کہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقننین نے ان کی تعریف کی تھی۔ سر ایڈورڈ رائن کو "اُن کی قابلیت اور مقدمات کے فیصلوں کی قوت پر بہت حیرت ہوتی تھی" اور سر ارسکن پری نے دوسرا اور دو بیرسٹروں کی رائے جو ہندوستان میں وکالت کرتے تھے بیان کی تھی جس کی وہ بھی تائید کرتا تھا کہ "دیسی ججوں کے فیصلے کمپنی کے ججوں کے فیصلوں سے بھی جو استغاثے کی سماعت کرتے تھے بہتر اور بے حد اچھے تھے"۔

بااین ہمہ ہندوستانی ججوں کی تنخواہیں بہت کم تھیں۔ سر ارسکن نے دارالامرا کی مجلس کے سامنے کہا تھا کہ ایک یورپی جج کو سالانہ ... ۳ پونڈ تنخواہ ملتی تھی درانحالیکہ ایک منصف کو صرف ۱۲۰ پونڈ ملتے تھے۔ اور اسی سال دارالعوام کی مجلس کے سامنے جب سر ارسکن نے اپنا اظہار دیا تو اس بارے میں اس نے اور زوردار رائے ظاہر کی تھی۔

"میرے خیال میں سررشتۂ عدالت کی ملازمت سے متعلق کوئی عدالتی خدمت ایسی نہیں ہے جو دماغی قابلیت اور اخلاقی صلاحیت کے لحاظ سے ہندوستانیوں کی دسترس سے باہر سمجھی جائے۔ ضلع کے ججوں کے اس بارے میں میری رائے انگریز بیرسٹروں کو ان خدمتوں پر مامور کرنے کی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ میرا خیال اب یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے مفاد اور ہندوستان میں اچھی حکومت قائم رکھنے کی غرض سے مناسب ہوگا کہ ہندوستانیوں کو بھی انگریز ججوں کا شریک کر دیا جائے ..... میری رائے میں دیسی عہدہ داروں

کو دیانت دار بنانے کا طریقہ آپ ہی کے ہاتھ میں ہے او
انگریز عہدہ داروں کے لئے آپ نے اختیار کیا۔ ہر شخص
کہ ملک میں ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک وہ انگریز
ہیں نہایت قابلِ اعتبار ہیں اور اس کا اصل سبب یہی ہے کہ آپ نے ان کو بڑی بڑی تنخواہیں دے رکھی ہیں۔ میری رائے میں دیسی ملازموں کے ساتھ بھی یہی اصول مرعی رکھا جائے تو بالکل یہی نتیجہ حاصل ہوگا۔"

سر ارسکن پری کی بڑی تعریف کی بات ہے کہ اگرچہ وہ ہندوستان میں صرف ایک عدالتی عہدہ دار ہی رہا تھا مگر اس کی نظر عدالت کی چار دیواری سے باہر بھی پڑتی تھی چنانچہ عام لوگوں کی کردار کا اندازہ ان کے روزانہ معمولی کاروبارِ زندگی سے وہ کر لیتا تھا۔ مذکورالصدر اظہارِ خیال کے بعد ہی سر ارسکن نے اہلِ ہند کی تجارتی دیانت کے متعلق بھی اپنا خیال یوں ظاہر کیا کہ :-

"ہندوستانیوں کی تجارتی دیانت ہمیشہ سے شہرۂ آفاق ہے۔ بڑی حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ تاجرانہ ساکھ اور عزت قائم رکھنے کے اصول ان میں خوب پھیلے ہوئے تھے مثلاً ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک ان کی ہنڈیاں چلتی تھیں اور نہایت قابلِ اعتبار سمجھی جاتی تھیں۔ تجارتی بہی کھاتوں کا اعتبار ایسا تھا کہ دیسی عدالتوں میں ان بہی کھاتوں کا پیش کر دینا ہر مابہ النزاع معاملے کی تصدیق و ثبوت کے لئے کافی تھا۔"

ہمارا دل تو یہی چاہتا ہے کہ ہم سر ارسکن پری کے ایک اور معاصر انگریز کی تصدیق یہاں پیش کریں جس کو ہندوستانیوں سے عدالتوں یا تجارتی کوٹھیوں میں نہیں بلکہ زیادہ تر ان کے دیہی مسکنوں میں دیکھ دیکھ کر خوب واقفیت پیدا ہوگئی تھی۔ کرنل سلیمن کا نام بہ حیثیت ایک ممتاز عہدہ دار ہونے کے اور ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں اور ایک قصبے سے دوسرے قصبے میں قیام امن انسداد جرائم اور ٹھگی ... کے استیصال کیلئے اسکے پھرتے رہنے سے آج تک بھی ہندوستان میں زبان زد خلائق ہے کرنل سلیمن نے کہا تھا کہ "میرے روبرو ایسے ہزاروں مقدمات پیش ہوئے جن میں ایک آدمی کی املاک۔ آزادی حتیٰ کہ زندگی کا انحصار صرف ایک دفعہ کے جھوٹ کے بولنے پر تھا مگر اس نے ایسی دروغ بیانی سے صاف انکار کر دیا۔" بہت کم انگریز

ایسے لوگ جو عدالتوں اور سرکاری محکموں میں دیسیوں کو دیکھنے کے بعد اس رائے کی تائید کریں گے کہ بہت کم ایسے ہوں گے جو دیسیوں کو ان کے دیہی مسکنوں میں دیکھنے کے بعد اس سے انکار کریں گے کیونکہ یہ بالکل سیدھی سادی سچی بات ہے جس کی تصدیق ہر شخص کر سکتا ہے کہ روزانہ کاروبارِ زندگی اور خاندانی تعلقات میں اپنے معاشرتی اور تجارتی معاملات میں ہندوستان کے کثیر التعداد باشندے ایسے ہی سیدھے سادے دیانت دار۔ راست باز۔ اور صادق القول ہیں جیسے روئے زمین پر کہیں اور ہو سکتے ہیں۔

نظم ونسق کوتوالی

انگریز سرکار کے نظم ونسق ہند میں سب سے کامیاب جو بات تھی اور آج تک بھی ہے وہ یہی کوتوالی کا انتظام ہے۔ فریڈرک ہیلی ڈے نے جو اس سے تھوڑے دنوں بعد بنگالے کا پہلا لفٹنٹ گورنر ہوا اپنے زمانے کے ہندوستان کے نظم ونسق کوتوالی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ عام طور پر کوتوالی کے ذیلی عہدہ داروں کی تنخواہیں بہت کم ہیں اور ترغیب و تحریص میں پڑنے کے ان کو موقعے بہت ملتے رہتے ہیں اسی لئے وہ حد درجہ بددیانت ہیں .... مجسٹریٹ یا ڈپٹی مجسٹریٹ کے تحت داروغہ یا تھانے دار ہوتا ہے جس کو زمانۂ حال تک ۲۵ روپے (۵۰ شلنگ) ماہوار ملتے تھے۔ اس کو وسیع اختیارات حاصل ہیں اور اس کا حلقۂ اختیار ۲۰۰ سے ۳۰۰ مربع میل ہوتا ہے .... داروغہ کے تحت ایک محرر ہوتا ہے جس کا کام لوگوں کے بیان قلمبند کرنا اور تھانے کے اسلحہ وغیرہ کی حفاظت کرنا ہے جب داروغہ حاضر نہیں ہوتا یا محرر کو خاص طور پر اس کام پر متعین کیا جاتا ہے تو اس کو بھی داروغہ ہی کے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ اس محرر کی تنخواہ ۸ روپے (۱۶ شلنگ) ماہوار ہوتی ہے۔ ایک جمعدار بھی ہوتا ہے جس کو ۸ یا ۱۰ روپے (۱۶ یا ۲۰ شلنگ) ماہوار ہیں اور داروغہ کی زیر ہدایت وہ لکھنے پڑھنے کے کام کے سوا سب کچھ کرتا ہے۔ اس کے سوا اس سے

پچیس برقنداز (کوتوالی کے جوان) بھی ہوتے ہیں جن [illegible]
(شلنگ) ماہوار ہوتی ہیں۔ اگر کام کی کثرت ہون[illegible]
تفتیش وارداتیں انہیں کے ذمّے کردی جاتی ہے اور یہ اپنے اس کام کو انجام دیتے ہیں۔ ان سب سرکاری ملازموں سے بھی نیچے کے درجے پر گاؤں کے چوکیدار ہیں۔" آگے چلکر ہیلی ڈے نے یہ بھی کہا تھا کہ "میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ جرائم کی تعداد کم ہو رہی ہے البتہ ان کا ظلم و تشدّد کم ہو رہا ہے مثلاً جنوبی صوبوں میں ڈکیتی کی وارداتیں اب بھی ویسی ہی بے شمار ہوتی ہیں جیسے پہلے تھیں اور کلکتے کے مضافات میں تو یہ بہت زیادہ وقوع میں آتی ہیں لیکن ان کے ظلم و تشدد میں کمی ہو رہی ہے۔"

ایک اور گواہ مسمی رابرٹ ٹورنس نے جو ہندوستان میں مجسٹریٹ جج اور کوتوال رہ چکا تھا ایک ہی شخص کو عدالت اور کوتوالی کے فرائض تفویض کرنے کے طریقے کو خرابیوں کی جڑ بتایا تھا۔

لارڈ ہیاروبی۔ کیا وہی شخص جرائم کی تفتیش اور مجرموں کی تلاش کرتا ہے جس کو انھیں جرائم کے مقدمات کا بعد کو فیصلہ کرنا ہوتا ہے؟

ٹورنس۔ جی ہاں!

لارڈ ہیاروبی۔ یہ قابلِ اعتراض ہے نہ صرف اصول کی حد تک بلکہ عملی طور پر بھی اور کیا یہی ثابت ہوا ہے؟

ٹورنس۔ میرے خیال میں تو بلکہ ایسا ہی ہے اور میرے تجربے میں بھی یہی ثابت ہوا ہے۔

دیہی جماعتیں

یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے کے منتظمین مملکت میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے خود رعایا کی یا دیہی جماعتوں کی مدد سے ملک کے انتظام کوتوالی یا عام نظم و نسق کی اصلاح کے لئے نہایت سنجیدہ طور پر کوشش کی ہو۔ ابتدائی زمانہ سے ہندوستان دیہی جماعتوں کا مسکن اور مرکز تھا۔ اور یہ خود مختار جماعتیں سیکڑوں اور

ہزاروں سال سے امن وامان قائم رکھتی تھیں اور گاؤں میں نزاعوں کا تصفیہ کرتی تھیں اگرچہ ملک میں اس وقت تاراج ہی کیوں نہ پھیلا ہوا ہو۔

صوبۂ مدراس میں ۱۸۱۲ء ہی میں یہ معلوم ہوا تھا کہ "اس سیدھے سادے نظام بلدیہ کے تحت اس ملک کے باشندے نہایت ہی قدیم زمانے سے رہ رہے ہیں...... ان باشندوں کو تقسیم سلطنت یا ملک کے تہ و بالا ہونے کی کچھ پرواہ ہی نہیں جب تک گاؤں صحیح سالم رہے ان کو کچھ پرواہ نہیں کہ یہ کس طاقت کے تحت چلا گیا یا کس فرمانروا کے زیرنگیں ہے کیونکہ گاؤں کے اندرونی انتظام میں انقلاب زمانہ سے تو کچھ تغیر و تبدل ہوتا ہی نہیں"۔

صوبۂ بمبئی میں ۱۸۱۹ء میں یہ معلوم ہوا تھا کہ "ان جماعتوں کے اندر مختصر سے پیمانے پر مملکت کا سب ساز و سامان موجود ہے اور اگر کسی قسم کی حکومت ان پر مسلط نہ رہے تو بھی وہ اپنے ارکان کی حفاظت کے لئے خود کافی ہیں"۔

سر چارلس مٹکاف نے شمالی ہند میں ان کے متعلق ۱۸۳۰ء میں یہ کہا تھا کہ "دیہی جماعتیں چھوٹی چھوٹی جمہوریہ ہیں جن میں ان کی ضرورتوں کا مکمل ساز و سامان موجود ہے اور باہر سے تعلقات پیدا کرنے کی انہیں حاجت ہی نہیں۔ جہاں کسی چیز کو ثبات نہیں وہاں ان کا وجود قائم ہے شاہی خاندان پر شاہی خاندان تہ و بالا ہو گئے۔ انقلاب پر انقلاب رونما ہوئے۔ ملک کے مالک پہلے ہندو تھے پھر پٹھان ہوئے مغل گئے تو مرہٹے آئے اور سکھوں کے بعد اب انگریز ہیں مگر دیہی جماعتیں ایک ہی حال پر ہیں...... ان تمام تغیرات اور انقلابات میں جو وقتاً فوقتاً ہندوستان پر نازل ہوتے رہے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کی بقا میں سب اسباب و علل سے بڑھکر ان دیہی جماعتوں ہی کا حصہ ہے جو ہر ایک گویا ایک علیحدہ علیحدہ مملکت کے برابر ہے اور زیادہ تر انہیں سے لوگوں کو سکھ چین بھی نصیب ہے اور آزادی و خود مختاری بھی"۔

یہ نہایت ہی افسوسناک واقعہ ہے کہ انگریز حکمرانوں کی حد سے زیادہ مرکزی نظم و نسق کے تحت ان خود مختار اداروں میں انحطاط ہو گیا حتیٰ کہ وہ بالکل مفقود ہی ہو گئے اگر گاؤں کے رہنماؤں پر کچھ اعتماد کیا جاتا، اُن کو مالگزاری فوجداری

[illegible]
اور کوتوالی کے کچھ اختیارات دیئے جاتے اور بدنظمی کے اسباب [illegible]
نگرانی ان پر رکھی جاتی تو پھر یہ جماعتیں آج تک بھی اپنی خدمتیں بجالا [illegible] سکتیں۔
حکومتِ خود اختیاری کے ان قدیم اشکال کے مٹ جانے کے بعد ان کے بجائے کسی کامیاب
خود اختیاری نظام کی ترویج نہیں کی گئی۔ موجودہ زمانے میں گاؤں نے نمایندے ہوتے
ہی نہیں جو نظم ونسق کی مدد کرسکیں اور پردیسی حکومت کو وہ ہردل عزیزی حاصل نہیں ہے
اور اس کے ساتھ وہ تعلقات قائم نہیں ہیں جو ہندو راج اور مغلیہ حکومت میں صدیوں
سے چلے آئے تھے۔

تعلیمات

انگریزوں کی حکومت میں مغربی طرز کی تعلیم ہی غالباً سب سے بڑی برکت ہے جو
ہندوستان کو حاصل ہوئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظما نے بڑے پس وپیش کے بعد اہل ہند
کو انگریزی تعلیم دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ سنہ ۱۷۹۲ء میں جب ولبرفورس نے یہ تجویز پیش
کی تھی کہ اس سال کی تجدید منشور کے ساتھ ساتھ اس میں دو اور دفعات کا اضافہ کردیا
جائے جن کی رو سے انگلستان سے معلمین ومدرسین کا بھیجنا کمپنی پر لازم ہو جائے تو
مجلس مالکانِ کمپنی نے اس کی سخت مخالفت کی تھی چنانچہ ان دفعات کو واپس
لے لینا ہی پڑا۔ اس تجویز پر نظما میں ایک یادگار مباحثہ بھی ہوا۔
اس موقع پر ایک ناظم نے یہ بیان کیا تھا کہ "ہم نے امریکہ میں مدرسوں اور کالجوں
کے قیام کی اجازت دیدی تھی اور اسی بے وقوفی سے امریکہ ابھی ابھی ہمارے قبضے
سے نکل گیا ہے۔ اب ہندوستان کے متعلق ہم سے ایسی بے وقوفی کا اعادہ تو نہیں ہوسکتا
اگر دیسیوں کو تعلیم کی ایسی ہی خواہش ہے تو وہ حصول تعلیم کے لیے انگلستان آسکتے
ہیں"۔
سنہ ۱۷۹۲ء تک ملک میں جو تعلیمی ادارے قایم کیے گئے تھے ان میں ایک تو
کلکتے میں مسلمانوں کا کالج تھا جس کو وارن ہسٹنگز نے سنہ ۱۷۸۱ء میں قائم کیا تھا اور دوسرا
بنارس میں سنسکرت کالج تھا جس کو لارڈ کارنوالس نے سنہ ۱۷۹۲ء میں قائم کیا تھا۔

ان اداروں کا مقصد فصول مقدمات میں انگریز ججوں کو مدد دینے کے لیے لوگوں کو محض "مولوی" اور "پنڈت" ہی بنانا تھا۔ عام لوگوں میں اشاعت تعلیم نہ کرنے کا خیال اور بیس سال تک قائم رہا۔ ۱۸۱۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے پہلی دفعہ ہندوستان کے تینوں صوبوں میں اشاعت تعلیم پر ۔۔۔۔ ایونڈ صرف کرنے کا حکم دیا۔ مگر دس سال تک یعنے ۱۸۲۳ء تک اس رقم سے پھر بھی استفادہ نہیں کیا گیا۔

اسی اثناء میں غیر سرکاری اشخاص نے ہمت کر کے بنگالے میں انگریزی کی تعلیم شروع کر دی "اس کا سہرہ دو اشخاص کے سر ہے۔ ایک تو مسٹر ڈیوڈ ہیر کے اور دوسرے رام موہن رائے نامی ایک دیسی آدمی کے۔ ۱۸۱۵ء میں سر شام یہ لوگ بیٹھے چند احباب کے ساتھ مشورہ کر رہے تھے کہ دیسیوں کی کردار اور النفس کی اصلاح کے لیئے کیا تدابیر اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ رام موہن رائے نے تجویز پیش کی کہ ایک سبھا یا انجمن ایسی قائم کی جائے جس میں مقدس وید کے اعلیٰ اور پاک مذہبی مسائل سکھائے جائیں ۔۔۔۔۔۔ مسٹر ڈیوڈ ہیر کلکتے کا ایک گھڑی ساز تھا اور خود ایک معمولی ناخواندہ آدمی ہونے کے باوجود اس میں غضب کی چستی تھی اور کام کرنے کا بھی اس کو خوب شعور تھا۔ اس نے یہ کہا کہ دیسی لڑکوں کی تعلیم کے لئے ایک انگریزی مدرسہ یا کالج قائم کرنے کا منصوبہ زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ اس نے اس موضوع پر ایک گشتی مرتب و جاری کی جس پر رفتہ رفتہ سربرآوردہ یورپی اشخاص کی توجہ مبذول ہونے لگی۔ ان اشخاص میں ایک سر ہائیڈ ایسٹ میر مجلس عدالت العالیہ بھی تھا جب اس مجوزہ منصوبے پر غور کرنے کی اس سے استدعا کی گئی تو وہ بھی شوق سے اس تجویز میں شریک ہوا اور مئی ۱۸۱۶ء میں یورپی شرفا کا ایک جلسہ اس نے منعقد کیا جس میں ذی اثر دیسیوں کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی۔ اس کے بعد سب کے اتفاق آرا سے یہ طے ہوا کہ اعلیٰ طبقوں کے بچوں کی انگریزی تعلیم کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جائے۔ جس کا نام "ہندو کالج کلکتہ" رکھا جائے۔ یورپی اور دیسی اشخاص کی ایک مشترکہ مجلس اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے مقرر کی گئی۔ ۱۸۱۷ء کی ابتدا میں ایک کالج کا جس کو دراصل ایک مدرسہ کہنا چاہیئے۔ افتتاح کیا گیا اور یہ بنگالے میں تو کیا بلکہ ہندوستان بھر میں میرے حد علم تک

انگریزی طرز کی پہلی درس گاہ تھی۔
[illegible] تعلیمی معاملات پر ..... پونڈ صرف [illegible] ہونے کے دس سال بعد ۱۸۲۳ء میں حکومت [illegible] مقرر کی۔ اس مجلس نے آگرہ اور دہلی میں مسلم [illegible] کی مستند کتابوں کے ساتھ ساتھ یورپی حکمت [illegible] کر کے بہت بڑے پیمانے پر ان کی طباعت [illegible]۔ اس نے کے ہندو کالج کے نام جس کا قیام چھ سال پہلے عمل میں آیا تھا سالانہ امدادی عطیہ منظور کیا جس سے اطمینان ہو گیا کہ یہ کالج ضرور کامیاب اور مفید ثابت ہو گا۔

مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن انگریزی تعلیم کا حامی تھا۔ اس نے ۱۸۲۰ء میں بمبئی میں ایک جلسۂ عام کی صدارت کی تھی جس کے بعد وہاں اشاعتِ تعلیم کی غرض سے ایک انجمن قائم کی گئی اس نے اس انجمن کی طرف سے طباعت کتب اور انعامات کے لئے ...۵ پونڈ کے عطیہ کی منظوری حاصل کی۔ اس کے بعد سولہ سال تک دیسی زبانوں میں جو تعلیم دی گئی وہ سب اسی انجمن کے توسط سے دی گئی۔ بمبئی کی تعلیمی حالت کے متعلق تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا کہ ۱۸۳۲ء میں اس صوبے میں ۱۷۰۵ مدارس اور ۳۵۱۴۲ طلبا تھے۔

الفنسٹن کی یہ بھی تجویز تھی کہ بمبئی میں نوجوان ملازمین دیوانی کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک کالج کھولا جائے جس میں دیسی عہدہ داروں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی ایک شعبہ قائم کیا جائے مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظمانے اس کو نامنظور کیا۔ بمبئی میں پہلا انگریزی مدرسہ ۱۸۲۸ء میں جب کہ الفنسٹن کو ہندوستان سے رخصت ہوئے ایک سال گزر چکا تھا کھولا گیا اور بمبئی کے ادارۂ اعظم کا جو الفنسٹن کے نام سے موسوم تھا ۱۸۳۴ء تک افتتاح نہیں ہوا۔

مدراس میں چند تعلیمی ادارے جن کے مصارف صرف پادری لوگ برداشت کرتے تھے ۱۸۲۰ء میں موجود تھے مگر سرکاری ادارہ کوئی نہ تھا۔ پچیاپا نامی ایک ہندو مخیر نے خیراتی کاموں کے لیے بڑی رقم چھوڑی تھی اور مدراس کے ایڈووکیٹ جنرل مسمی نارٹن نے پچیاپا کی وصیت کے بموجب ..... پونڈ کی رقم جمع

گیا۔ ۱۸۱۶ء میں اس رقم سے تعلیم کے لئے ایک مرکزی ادارہ قائم کیا گیا اور اس خیراتی کاروبار کے انتظام کے لئے ایک مجلس مقرر کی گئی جس کے سب ارکان دیسی لوگ ہی تھے۔ "یہ پچی آپا کالج" آج تک بھی مدراس میں ایک نہایت کامیاب تعلیمی ادارہ مانا جاتا ہے۔

سر چارلس ٹریویلین کی کوششوں سے دہلی میں بھی ایک انگریزی کالج قائم کیا گیا تھا۔

مکالے کے ہندوستان آنے سے انگریزی تعلیم میں نئی حرکت پیدا ہو گئی۔ مکالے کی مدد اور حمایت سے لارڈ ولیم بنٹنک نے مارچ ۱۸۳۵ء کی وہ مشہور تحریک منظور کی جس کی رو سے ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگریزی زبان ہی ذریعہ تعلیم قرار دی گئی۔

"مجلس تعلیمات" کے ارکان کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ مکالے اس کا میر مجلس مقرر رہا۔ سر ایڈورڈ رائن اور جے کیمرن وغیرہ اس کے ارکان بنائے گئے اور اس زمانے کے تین سربرآوردہ دیسی اشخاص کو جن کے نام رادھا کنٹ دت، روسومائی دت اور نواب تہور جنگ تھے بہ حیثیت ارکان اس میں شریک کیا گیا۔

لارڈ ولیم بنٹنک کے سب جانشینوں کو انگریزی تعلیم کے نشوونما اور اشاعت کی بنٹنک کی طرح آرزو نہ تھی۔ لارڈ ایلنبرو جو ۱۸۴۲ء گورنر جنرل مقرر ہو کر ہندوستان آیا تھا ہندوستان میں انگریزی تعلیم کے اثرات سے بہت بدظن تھا اور اس نے یہی بزدلانہ رائے دوارکنیتھ ٹگور کی طرف بھی منسوب کی تھی جو اس زمانے میں سب سے زیادہ سیاست نگار ہندوستانی تھا۔

"مجھ کو یاد ہے کہ ایک مرتبہ دوارکنیتھ ٹگور مجھ سے ملنے آیا۔ یہ شخص نہ صرف ان سب دیسیوں میں جو اس ملک کو وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں زیادہ ہوشیار تھا بلکہ اس کا شمار اپنے ملک کے سب سے زیادہ ہوشیار لوگوں میں بھی تھا۔ اسی روز صبح میں نے اس کی ایک تقریر "دیسیوں کی تعلیم" کے عنوان پر اخبار میں پڑھی تھی اور جب وہ مجھ سے ملنے آیا تو میں نے اس سے

کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے تعلیم کے متعلق تقریر کی ہے" اس نے کہا کہ "کیا اخبار والوں نے اس کو چھاپ دیا ہے؟" میں نے کہا کہ "ہاں۔ اخبار ہر چیز چھاپ دیتے ہیں لیکن میں اور آپ دونوں یہ جانتے ہیں کہ اس کمرے کے اندر بیٹھ کر ہمیں ایسی گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں جس کو عامۃ الناس کو سنانے کے لئے مشتہر کیا جائے بلکہ دل کھول کر جو چاہیں ہم آپس میں کہہ سکتے ہیں۔ آپ تو اس سے خوب واقف ہیں کہ اگر دیسیوں کو تعلیم دینے میں یہ لوگ حسبِ دل خواہ کامیاب ہو جائیں تو پھر ہم تین ماہ سے زیادہ اس ملک میں نہیں رہ سکتے" اس پر اس نے کہا کہ "تین ماہ تو بہت زیادہ ہیں تین ہفتوں سے زیادہ نہیں رہ سکتے"، اور یہ اس کا کہنا بالکل درست تھا"۔

لارڈ ایلنبرو کا قائم مقام لارڈ ہارڈنگ ہوا جو ایلنبرو سے زیادہ منتظم اور عاقل و مدبر شخص تھا۔ اس نے بنگالے کے مختلف اضلاع میں دیسی زبان میں اس خیال سے ہر دست تعلیم دینے کے لئے کہ آئندہ اعلیٰ تعلیم انگریزی میں دی جا سکے ایک سو مدارس قائم کئے اور اس مشہور تحریک کو بھی منظور کیا جس کی رو سے سرکاری ملازمت کے لئے انھیں لوگوں کا انتخاب کرنا لازمی تھا جنھوں نے ان جدید قائم کردہ اداروں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ پنڈت ایسور چندرا ودیا ساگر نے جو اپنے وقت کا بڑا ماہر تعلیمات اور ادیب مانا جاتا تھا اس کام کے سرانجام کے لئے اچھے اچھے لوگوں کے انتخاب کرنے میں لارڈ ہارڈنگ کی بڑی مدد کی تھی۔

سب سے آخر تعلیمات پر ۱۸۵۴ء کا مراسلہ پہنچا جس میں بنٹنک اور ہارڈنگ کے بنا کردہ نظام کو تسلیم کر لیا گیا اور ہندوستان کی دیسی زبانوں میں ابتدائی تعلیم دینے کے لئے جس کے بعد اعلیٰ تعلیم انگریزی میں دی جا سکے قواعد مقرر کر دیئے گئے۔ اس اصول کو ان لفظوں میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ "اگرچہ انگریزی زبان سے (اس حیثیت سے کہ وہ ان لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے جنھیں اس سے معقول واقفیت ہو گئی ہے بہترین ذریعۂ تعلیم ہے) اب کام لیا جا رہا ہے لیکن دیسی زبانوں سے بھی اس بہت بڑے طبقے کی خاطر کام لینا بھی ضروری ہے جنھیں انگریزی آتی نہیں یا آتی بھی ہے تو بالکل ناقص"۔

اس مراسلے سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ انگریزی میں اعلےٰ تعلیم کی اشاعت کرنے کے لئے ہندوستان میں جامعات کے قیام کو پسند کیا گیا تھا "اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستان میں جامعات قائم کی جائیں جن میں باقاعدہ طور پر ہر طرح کے علوم کی نصابی تعلیم دی جائے اور مختلف شعبہ جات میں ایک خاص حد تک تحصیل علوم وفنون کرنے کے ثبوت میں لوگوں کو اسناد عطا کی جائیں اور جو لوگ اس طرح کا اعزاز و امتیاز حاصل کرنا چاہیں اُن کو اس کا موقع دیا جائے۔ تعلیمی کونسل نے اپنی تجویز میں جس کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے جامعۂ لندن کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا اور ہمیں بھی کونسل کی رائے سے اتفاق ہے کہ اس جامعہ کی تشکیل۔ حکومت اور فرائض وغیرہ (جس کے منشور اور قواعد کے نقول آپ کے ملاحظہ کے لئے مع ہذا ملفوف ہیں) ایسے جو ہندوستان کی ضرورتوں کے لحاظ سے بالکل مناسب حال ہیں اور بہ حیثیت مجموعی ان کی پابندی مفید مطلب بھی ہے اگرچہ بعض جگہ تفصیل میں کچھ ردّ و بدل ضروری معلوم ہوتا ہے۔"

امداد سرکاری مقرر کرنے کے علاوہ اور طریقوں سے بھی عامۃ الناس کو ابتدائی تعلیم دینے کی غرض سے جو دیسی مدارس قایم تھے ان کی بھی ہر طرح ہمت افزائی کی گئی۔

چنانچہ لارڈ کیننگ نے بمبئی، مدراس اور کلکتے میں جامعات قائم کیں اور اس مشہور مراسلے میں جس نظام کا خاکہ کھینچا گیا تھا وہی نظام آج تک قائم ہے۔ اس کے بعد الہ آباد اور لاہور میں بھی جامعات کا قیام عمل میں آیا اور ملکہ وکٹوریہ کی حکمرانی کے آخری سال چالیس لاکھ سے زیادہ لڑکے برطانوی ہند کے تعلیمی اداروں میں شریک تھے۔

ابتدائی تعلیم

موجودہ زمانے میں چالیس لاکھ سے زیادہ لڑکے جو برطانوی ہند کے مدارس میں شریک ہیں وہ صرف پڑھنا لکھنا سیکھتے ہیں اور حساب کی ابتدائی تعلیم پاتے ہیں اور اس

تعلیم کا آغاز انگریزی منتظمین مملکت نے نہیں بلکہ دیسیوں ہی نے کیا ہے۔ سر ٹامس منرو اور مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن نے انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں تحقیقات کرنے کے بعد رپورٹ پیش کی تھی کہ بہت قدیم زمانے سے ابتدائی تعلیم ہندوستان میں بمقابل یورپ کے زیادہ پھیلی ہوئی تھی اور دیسی مدارس کے دیسی لڑکوں میں سیدھے سادے زبانی حساب کرنے کی خاص فطری قوت موجود تھی برہمنوں اور ملک کے اعلیٰ طبقوں میں بچوں کو کچھ نہ کچھ تعلیم دینا مذہبی فرض سمجھا جاتا تھا۔ بیوپاریوں اور تاجروں کے طبقوں میں بچوں کو ان کے آبائی پیشے کا کاروبار حسن و خوبی کے ساتھ چلانے کے قابل بنانے کے لئے پڑھنا لکھنا اور حساب سکھایا جاتا تھا برطانوی منتظمین مملکت نے اس قدیم ابتدائی تعلیم کے نظام کو تسلیم کر لیا تھا اور رقم وغیرہ سے اس کی امداد بھی کی تھی لیکن یہ کافی نہ تھی۔ موجودہ زمانے میں جس بات کی اشد ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ گاؤں کے ابتدائی مدارس کے لئے نہایت فیاضانہ طور پر امداد دینی چاہئے ساتھ ہی ساتھ ابتدائی تعلیم کی اشاعت کاشتکاروں کے طبقے میں کرنا بھی بہت ضروری ہے تاکہ ہندوستان کے ہر مزدور و کاشتکار کے لئے برائے نام کچھ دینے پر گاؤں کے مدرسے میں پڑھنا لکھنا اور حساب سیکھنا ممکن ہو جائے سر ارسکن پری نے سنہ ۱۸۵۳ء میں شکایت کی تھی کہ سرکاری امداد بہت کم ہے اور بتایا تھا کہ اسقدر قلیل رقم پر سرکار "ہر گاؤں میں ایک مدرسہ قائم نہیں کر سکتی" آج تک بھی یہ امدادی رقم اشاعت تعلیم کے لئے کافی نہیں ملتی چنانچہ "ہر گاؤں میں ایک مدرسہ قائم کرنے کے" فریضے کی تکمیل اب تک نہیں ہوئی ہے۔ [1]

[1] ملکہ وکٹوریہ کے عہد کے آخری سال برطانوی ہند کی تئیس ۲۳ کروڑ کی آبادی کے لئے تعلیمات پر تقریباً ساڑھے گیارہ لاکھ پونڈ صرف ہوئے تھے جس میں سے چھ ۶ لاکھ چونسٹھ ہزار پونڈ سرکار نے اپنے خزانۂ شاہی سے دیئے تھے اور باقی چار لاکھ چوراسی ہزار پونڈ مقامی اور بلدیہ کے خزائن سے ادا ہوئے تھے۔

تعلیم نسواں

اگر مدرسوں کی حاضری معیارِ ترقی سمجھی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم لڑکوں کے برابر نہیں ہوتی ۔ ایک ایسے ملک میں جہاں عام طور پر لڑکیوں کی کی شادی دس سے چودہ سال کی عمر کو پہنچتے تک ہو جاتی ہے وہاں قدیم زمانے میں لڑکیاں شاذ ہی مدرسے بھیجی جاتی تھیں اور موجودہ زمانے میں بھی کم تعداد میں وہ مدرسے بھیجی جاتی ہیں اس سے مجبوراً ان کی تعلیم زیادہ تر خانگی استادوں سے گھروں ہی پر ہوتی ہے ۔ گورنر جنرل کی کونسل کے رکن قانونی ڈرنک واٹر بیتھیون نے کلکتے میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ قائم کرنے کی نہایت قابل تعریف اور کامیاب کوشش کی تھی اور اپنی جیب سے .... پونڈ اس میں صرف کیے تھے ۔ آج بھی بیتھیون کا مدرسہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم کا نہایت کامیاب ادارہ مانا جاتا ہے اور ابتدا سے لے کر جامعہ کے امتحانات تک وہاں تعلیم ہوتی ہے ۔ ہندوستانی جامعات بھی جامعہ لندن کی تقلید میں عورتوں کو اسناد عطا کرتی ہیں چنانچہ عورتیں بھی مدراس بمبئی اور کلکتے کی جامعات سے اسناد حاصل کر سکتی ہیں تحتانی مدارس میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ساتھ تعلیم دی جاتی ہے اور ملکہ وکٹوریہ کی حکمرانی کے آخری سال ان تمام لڑکیوں کی تعداد جو برطانوی ہند کے مدارس میں شریک تھیں ۵ لاکھ سے کچھ کم تھی ۔

جیسا پہلے عرض کیا گیا ہے اس تعداد سے ہندوستان میں تعلیم نسواں کی اشاعت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا ۔ اعلےٰ طبقے کی لڑکیاں بیاہی ہوئی یا ان بیاہی دونوں گھروں ہی پر تعلیم پاتی ہیں اور ناخواندہ ادنےٰ طبقے کی عورتیں بمقابل یورپ کے ہندوستان میں زیادہ تر مذہبی عقائد اور اخلاقی فرائض اپنے قومی روایات اور ادبیات سے واقف ہوتی ہیں ۔ یہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ایک گاؤں کی رہنے والی ناخواندہ ہندوستانی عورت کو کم سے کم مذہب کی تعلیم ویسی ہی اچھی ملتی ہے اور قومی روایات اور ادبیات کے متعلق اس کو ایسے ہی اچھے معلومات ہوتے ہیں جیسے ایک غریب

یورپ کی رہنے والی عورت کو ہو سکتے ہیں جو ایمل سے واقف ہوتی ہے اور گاہے گاہے ایک آنے کے رسالوں میں قصے کہانیاں پڑھ لیتی ہے۔

مطبع عام

ہندوستان کے مطبع عام کی دلچسپ سرگزشت کا پتہ مراسلات کے اس مجموعۂ کثیر میں ملتا ہے جو مجلس نظماء اور حکومت ہند کے درمیان چلتے رہے ہیں اور جو ۱۸۵۸ء میں دارالعوام کے حکم سے شائع کیے گئے تھے۔

۱۷۹۱ء میں لارڈ کارنوالس کے عہد حکومت میں ولیم ڈواین نامی ایک شخص کو "بنگال جرنل" میں ایک نازیبا فقرہ لکھنے کی پاداش میں خارج بلد کرکے یورپ واپس بھیجدینے کے لئے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ بادشاہی عدالت میں استغاثہ کرنے پر فیصلہ صادر ہوا کہ حکومت اس طرح کرنے میں اپنے اختیارات سے متجاوز نہیں ہوئی تھی مگر ولیم ڈواین کو تنبیہ کے بعد رہا کردیا گیا۔ ڈواین نے پھر "ورلڈ" میں اسی حملے کا اعادہ کیا جس پر اس کو ۱۷۹۴ء میں پھر یورپ بھیجدیا گیا۔

سالہائے مابعد میں دوسرے اسی قسم کے حملوں پر خاص نگرانی رکھی جاتی تھی۔ ۱۷۹۹ء میں لارڈ ویلزلی کی حکومت نے مطبع عام پر ایک انتظام قائم رکھنے کے لئے چند قواعد نافذ کیے تھے۔ کوئی اخبار ایک سرکاری عہدہ دار کے مسودہ معائنہ کیے بغیر شائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کی اور دوسرے منضبطہ قواعد کی خلاف ورزی کی سزا "جہاز پر سوار کرکے فوری یورپ بھیجدینا" تھی۔ ان قواعد کو مجلس نظماء نے بھی منظور کرلیا تھا۔

۱۸۰۱ء سے ۱۸۱۳ء تک متعدد مدیران اخبار وغیرہ کو انکے قابل اعتراض مضامین اور فقرات پر قصوروار اور قابل مواخذہ ٹھرایا تھا اور کئی مضمون نگاروں کو اس طرح حملہ کرنے پر سرکار سے بہ مجبوری معافی چاہنی پڑی تھی۔

مارکوئیس ہیسٹنگز کی حکومت نے ۱۸۱۸ء میں ایک جدید دستور العمل نافذ کیا

جس میں ایسی سخت گیری نہ تھی لیکن پھر مدیران اخبار وغیرہ کو تجاویز عامہ پر "حشم نمائی" یسی آبادی کو متوحش کردینے والے "مباحث پیدا کرنے اور لوگوں کی "خانگی زندگی پر اتہام اور ذاتیات پر حملے"، جن سے لڑائی جھگڑے پھیلیں غرض ایسی باتوں کے شائع کرنے کی ممانعت تھی۔

اس دستورالعمل کے نفاذ کے بعد سے حکومت نے اس طرح کی ناروا اور ناز یبا باتوں پر خاص طور پر نگرانی رکھی تھی جس کی کئی مثالیں موجود تھیں مثلاً لفٹننٹ کرنل رابنسن کو ۱۸۲۲ء میں سپہ سالار ہند نے اس جرم پر کورٹ مارشل کرنے کا حکم دیا تھا کہ اس نے اپنے پہلے مضمون کی جو "کلکتہ جنرل" میں محض ایک "فوجی بہی خواہ" کے دستخط سے گمنام شائع ہوا تھا تائید میں ایک اور درشت خط حکومت کے نام لکھا تھا۔

مدراس اور بمبئی میں بھی مطبع عام کے مضامین پر خاص طور پر نگرانی رکھی جاتی تھی۔

نظما نے ۱۸۲۳ء میں کہا تھا کہ مطبع عام کی آزادی نیابتی دستور کا ایک ضروری ضمیمہ ہے۔ جہاں کہیں حکومت کا ظہور قوم ہی سے ہوتا ہے اور قوم کو وہ جوابدہ ہے وہاں قوم کو حکومت کے تجاویز پر ردو قدح کرنے کا حق رہنا چاہئے اور جہاں کہیں قوم وضع قانون کے لئے نمایندوں کا انتخاب کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے قوانین سے ان کی ذات اور ملک پر اثر پڑتا ہے تو پھر قوم کو اپنے نمایندوں کے طریق کار پر اگر وہ قوم کے اعتماد کو پورا نہ کریں تو کھلے طور پر برا بھلا کہنے کا ہر وقت حق حاصل ہے لیکن کسی صورت سے بھی حکومت ہند ایک آزاد نیابتی یا قومی حکومت نہیں کہلا سکتی۔ رعایا اس کے قیام کے بارے میں بالکل بے زبان سی ہے اور اس کے افعال پر قوم کو نگرانی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔

"ہندوستان میں حکومت کو جو اقتدار حاصل ہے وہ دراصل مجلس نظما اور مجلس نظم سے نیابتاً حاصل ہوا ہے۔ حکومت ہند کا مرکز دراصل یہی ملک یعنی انگلستان ہے اور حکومت انگلستان کی طرح یہ بھی انگریزی قوم ہی کو جوابدہ ہے۔ اس لئے بجائے ہندوستان کے اس ملک ہی میں حکومت کے تجاویز پر بحث مباحث ہونے چاہئیں"۔

ہندوستان کے مطبع عام کے متعلق ۱۸۲۳ء میں نظماء کی رائے یہی تھی جو ذکر ہوئی لیکن یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کا مطبع عام جو کہلاتا تھا وہ دراصل ہندوستان میں ایک مختصر سی یورپی جماعت ہی کا مطبع تھا۔ یہ مطبع نہ تو قوم کے جذبات کی ترجمانی کرتا تھا اور نہ قوم کے اغراض کی حمایت اور۔ اس زمانے میں تو کیا بلکہ اس سے تیس۳۰ سال بعد تک بھی ہندوستان کے لوگوں کا کوئی ذی اثر مطبع ہی نہیں تھا۔ اس لیے جب لارڈ ولیم بنٹنک نے ہندوستان کے باشندوں کو ترقی دینے کی کوشش کی اور کمپنی کے ماتحت ان کو ذمہ داری کی خدمتیں دیں تو ہندوستان کے اس مطبع نے بنٹنک پر ایسے ایسے حملے کیے جو اس وقت سے آج تک کسی اور گورنر جنرل پر کبھی نہیں ہوئے۔

لارڈ ولیم بنٹنک کے مشیر خاص مکالے کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ مکالے نے ان یادگار لفظوں میں ہندوستان کے مطبع عام کے بارے میں لکھا ہے کہ "رائے عامہ کے معنی ہیں ان پانسو آدمیوں کی رائے جن کے اغراض۔ مذاق۔ جذبات اس پانچ کروڑ کی آبادی سے بالکل جدا ہیں جس میں وہ رہتے ہیں اور آزادی کی محبت کا منشاء یہ ہے کہ ان پانسو آدمیوں کو ہر ایسی تجویز پر سخت اعتراض ہے جو پانچ کروڑ کی آبادی کے ساتھ اُن کے حسب دلخواہ بدسلوکی کرنے کے مانع ہوتی ہے"[1]

لارڈ ولیم بنٹنک کے قائم مقام سر چارلس مٹکاف نے اپنی چند روزہ حکومت میں

---

[1] ۔ "لارڈ مکالے کی سوانح عمری اور مراسلات"۔ مولفہ ٹریولین

جان اسٹوارٹ مل نے بھی ۱۸۵۲ء عیسوی میں ہندوستان کے انگریزی مطبع کے متعلق اسی طرح کی رائے کا اظہار کیا تھا۔ دارالامراء کی مجلس کے سامنے اس نے اپنی شہادت میں یہ بیان کیا تھا کہ "ہندوستان میں جب تک ایک گروہ کثیر کو مطبع عام سے بے دخل رکھا جائے گا اس وقت تک یہ خطرہ درپیش رہے گا کہ مطبع محض انفرادی اغراض کا مرکز بنا رہے گا۔ ہندوستان میں جو انگریزی اخباروں کا مطبع ہے وہ انگریزوں کے اور بالخصوص ایسے انگریزوں کے جن کا حکومت سے کچھ تعلق نہیں ہے خاص اغراض ہی کا مرکز ہے۔ اس کو ہندوستانیوں سے یا ہندوستان کے مفاد عظیم سے کچھ سروکار نہیں۔"

یہ نمایاں خصوصیت پیدا کردی کہ ۱۸۳۵ء میں مطبع عام کو اس وقت وہ جیسا بھی کچھ تھا آزادی دیدی۔ درحقیقت یہ ایک بڑی فراخ حوصلگی اور ہمت کی بات تھی لیکن اس پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظماء سخت ناراض ہو گئے انہوں نے لکھا کہ :-

"یہ کارروائی ہمارے پہلے احکام اور ان سنجیدہ فیصلوں کے بالکل خلاف ہے جو کلکتے کی بادشاہی عدالت اور ملک معظم کی مجلس خاصہ نے اس مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر مکمل بحث مباحث کرنے اور فریقین کے استدلالات سننے کے بعد صادر کئے تھے نیز مدراس بمبئی اور کلکتے کی سابقہ حکومتوں کے آراء کے خلاف ہے جو ضبطِ تحریر میں آچکے تھے۔"

"مجبوراً ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ کارروائی بالکل ناجائز متصور ہونی چاہیئے بالخصوص جبکہ ایک ایسی حکومت نے اس طرح عمل کیا ہے جو خود مشروط تھی۔"

"ہم فوری ان اختیارات کے استعمال میں جو پارلیمنٹ کے نافذہ قانون کی رو سے ہمیں حاصل ہیں آپ کے اس جدید قانون کی منظوری پر اس کا نافذ العمل ہونا روک دیتے لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ خواہ اس قانون کا نفاذ حد درجہ نامناسب اور ناروا ہی کیوں نہ ہو مگر اب اس کی تنسیخ نہایت مفسدانہ نتائج پیدا کرے گی۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنا فیصلہ آخر آپ کو سنانے سے پہلے آپ کے موجودہ گورنر جنرل لارڈ آکلینڈ کے ہندوستان جانے کے بعد ان کے بہ اجلاس کونسل مشورہ سے بھی واقف ہو جائیں لیکن اس بارے میں آپ تو ہمارے دل کی بات سے آگاہ ہو گئے ہیں اس لئے ہم کو اس بات کا ذرا بھی افسوس نہ ہوگا اگر آپ پہلے کا نظام دوبارہ قائم کر کے آئندہ ہماری مداخلت بالکل غیر ضروری کردیں۔"

خوش نصیبی سے سر چارلس مٹکاف ایسا آدمی نہ تھا کہ وہ نظماء کے "دل کی بات" کا لحاظ کر کے اپنے عقیدے سے ہٹ جاتا یا ان کی دھمکیوں میں آکر پہلا نظام دوبارہ رائج کر دیتا اور اس سے دو سال بعد جب لارڈ آکلینڈ ہندوستان میں آیا تو اس وقت ہندوستان اور انگلستان دونوں ممالک میں لوگ مطبع عام کی

آزادی پر ناراض نہ تھے اس لئے مٹکاف کے اس اچھے کام کو مسترد نہیں کیا گیا۔

اس کے بیس۲۰ سال بعد غدر کے زمانے میں اس بات کی ضرورت ہوئی کہ ایک انگریز اخبار کو ایسے مضامین شائع کرنے سے متنبہ کر دیا جائے جس سے لوگوں کے دلوں میں اشتعال پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔ اور تین۳ ہندوستانی اخباروں پر مقدمہ چلایا گیا جن میں سے دو۲ اخباروں کے شائع کرنے والوں سے اظہار تاسف اور ضمانت پر درگزر کیا گیا۔ تیسرے اخبار کے شائع کرنے والے کو جرم کے ثابت نہ ہونے پر رہا کر دیا گیا۔ اسی زمانہ میں مطبع عام پر چند قیود بھی عائد کیے گئے تھے جن کو بعد میں برخاست کر دیا گیا۔

تیرھواں باب

مالیات ہند۔ ہندوستانی قرض کی ابتداء

پارلیمنٹ کی مجالس منتخبہ نے جو شہادت قلمبند کی تھی اور جس سے ہم نے پچھلے باب میں متعدد اقتباسات پیش کئے ہیں وہ ۱۸۵۲ء اور ۱۸۵۳ء میں شائع کی گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظم و نسق ہند کے متعلق نہایت ہی مکمل تحقیقات ہوئی تھی۔ برطانیہ کے غلطی میں عام طور پر اور خصوصاً تاجروں اور صناعوں کے طبقوں میں یہی خیال زیادہ تر پھیلا ہوا تھا کہ تاج برطانیہ کو ہندوستان کی حکومت براہ راست اپنے قبضے میں لے لینی چاہئے۔ وزارت دولت برطانیہ کو بھی جس نے اکثر مرتبہ بلا امتزاج نظما ہندوستان میں صلح و جنگ کر لی تھی ہندوستانی معاملات کے انتظام کو براہ راست اپنے ہاتھوں میں لے لینے میں ذرا بھی پس و پیش نہ تھا لیکن ایک ایسی کمپنی کو بالکل علیحدہ کر دینے میں جس نے خود قوم کے لئے شہنشاہی ہند کی بنا ڈالی تھی قوم کو پس و پیش لاحق تھا۔ اس لئے رفع داد باہمی کے لئے ایک معقول تصفیہ حسب ذیل کیا گیا:—

کمپنی کے منشور کی کرر تجدید تو ہوئی لیکن ۱۸۳۳ء کے قانون کی رو سے اس منشور کی میعاد کا تعین نہیں کیا گیا۔ اس میں صرف یہی درج تھا کہ پارلیمنٹ کے حکم ثانی تک ہندوستانی عملداری تاج برطانیہ کی امانت کے طور پر کمپنی کے زیر انتظام

رہے گی۔ نظماء کی تعداد جو بیس (۲۴) سے اٹھارہ کر دی گئی اور تاج برطانیہ نے ان اٹھارہ میں سے چھ نظماء کا تقرر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مجلس نظم کی نگرانی بھی حسب حال قائم رکھی گئی۔

اس جدید منشور کی رو سے اور تغیرات بھی عمل میں آئے مثلاً بنگال کے لئے ایک گورنر یا لفٹننٹ گورنر کے تقرر کی اجازت دی گئی چنانچہ گورنر جنرل نے جس صوبے پر اپنے زمانے تک حکومت کی تھی اس پر ۱۸۵۴ء میں پہلی دفعہ ایک لفٹننٹ گورنر مامور کیا گیا۔ اسی قانون کی رو سے ایک اور لفٹننٹ گورنری کے قیام کی اجازت صادر ہوئی چنانچہ ۱۸۵۹ء میں پنجاب پر بھی ایک لفٹننٹ گورنر مامور کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور جو اہم تغیرات وقوع میں آئے ان میں گورنر جنرل کی کونسل کی تعداد ارکان میں وضع قانون کی غرض سے وضع قانون کے ارکان کا اضافہ بھی قابل ذکر ہے۔ ہندوستان کی سرکاری خدمتوں پر لوگوں کو مامور کرنے کا اختیار مجلس نظما سے چھین لیا گیا اور اس تاریخ سے جدید قواعد کے مطابق یہ اختیار مجلس نظم کے سپرد کر دیا گیا۔ جدید قواعد میں یہ بھی شرط لگا دی گئی کہ ہندوستان کی ملازمت دیوانی میں داخل ہونا عام مقابلے کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے پر منحصر رہے گا۔

ان تغیرات سے جن میں چند سے تو کمپنی کے اختیارات کم ہو گئے تھے اور چند سے تاج برطانیہ کے اثر و اقتدار میں اضافہ ہو گیا تھا وہ دوعملی جس کی جان اسٹوارٹ مل نے پُر زور تائید کی تھی قائم رہی اور چند سال تک حکومت یونہی چلی مگر غدر ہونے کے ساتھ ہی کمپنی کو نظم و نسق ہند سے بالکل علیحدہ کر دینے کا ایک اچھا موقع برطانوی قوم اور برطانوی پارلیمنٹ کے ہاتھ آ گیا۔ اب کمپنی کے نظم و نسق ہند کا قصہ ختم کرتے ہوئے اس باب میں ہم اس کے انتظام مالیہ پر تبصرہ کریں گے۔

ملکۂ وکٹوریہ کی تخت نشینی سے کمپنی کی برخاست تک اس اکیس (۲۱) سال کی مدت میں جمع و خرچ کے اعداد کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں کیونکہ ان اعداد سے اس دور کی سیاسی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ ذیل کا نقشہ سرکاری اسناد وغیرہ سے مرتب کیا گیا ہے۔ ان اعداد سے مالگزاری کا جملہ محاصل کے ساتھ تناسب کیا تھا نیز مطالبات وطن کا جملہ خرچ کے ساتھ کیا تناسب تھا وہ سب تفصیلی طور پر ظاہر ہوتا ہے

سنہ عیسوی	محاصل مالگزاری	جمع خاص	مطالبات وطن	خرچ خاص
	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۳۷ - ۳۸	۱۱۸۵۳۹۷۵	۲۰۸۵۸۸۲۰	۲۳۰۴۴۴۵	۱۹۸۵۷۹۷۰
۱۰۳۸ - ۳۹	۱۲۳۰۳۲۰۰	۲۱۱۵۸۰۹۹	۲۶۱۵۴۶۵	۲۱۳۰۶۲۳۲
۱۸۳۹ - ۴۰	۱۲۲۷۳۹۸۲	۲۰۱۲۴۰۳۸	۲۵۷۸۹۶۶	۲۲۲۲۸۰۱۱
۱۸۴۰ - ۴۱	۱۲۳۱۳۸۴۰	۲۰۸۵۱۰۷۳	۲۶۲۵۷۷۶	۲۲۵۳۶۴۳۰
۱۸۴۱ - ۴۲	۱۲۱۵۴۵۸۷	۲۱۸۳۷۸۲۳	۲۸۳۴۷۸۶	۲۲۵۳۴۴۴۶
۱۸۴۲ - ۴۳	۱۳۳۲۲۸۸۰	۲۲۶۱۶۴۸۷	۲۴۵۸۱۹۳	۲۳۸۸۸۵۲۶
۱۸۴۳ - ۴۴	۱۳۲۲۸۸۵۰	۲۳۵۸۶۵۷۳	۲۹۴۴۰۷۳	۲۴۹۲۵۳۷۱
۱۸۴۴ - ۴۵	۱۳۲۲۳۰۵۴	۲۳۶۶۶۲۴۶	۲۴۸۵۲۱۲	۲۴۲۹۳۶۴۷
۱۸۴۵ - ۴۶	۱۳۳۸۶۵۱۷	۲۴۲۷۰۶۰۸	۳۰۴۴۰۶۷	۲۵۶۶۲۷۳۸
۱۸۴۶ - ۴۷	۱۳۹۹۵۷۱۷	۲۶۰۸۴۶۸۱	۳۰۶۶۶۳۵	۲۶۹۱۶۱۸۸
۱۸۴۷ - ۴۸	۱۴۴۳۷۲۵۴	۲۴۹۰۸۳۰۲	۳۰۱۶۰۷۲	۲۶۷۴۶۴۷۴
۱۸۴۸ - ۴۹	۱۴۲۷۴۲۷۰	۲۵۳۹۶۳۸۶	۳۰۱۱۹۰۸	۲۶۷۶۶۸۴۸
۱۸۴۹ - ۵۰	۱۵۲۴۸۶۹۴	۲۷۵۲۲۳۴۴	۲۷۵۰۹۳۷	۲۶۹۶۰۹۸۸
۱۸۵۰ - ۵۱	۱۵۳۸۲۴۴۲	۲۷۶۲۵۳۶۰	۲۷۱۷۱۸۶	۲۷۰۰۰۶۲۴
۱۸۵۱ - ۵۲	۱۵۳۹۱۶۶۴	۲۷۸۳۲۲۳۷	۲۵۰۹۳۷۷	۲۷۰۹۸۴۶۲
۱۸۵۲ - ۵۳	۱۵۳۶۵۲۵۰	۲۸۶۰۹۱۰۹	۲۶۹۷۴۸۸	۲۷۹۷۶۷۳۵
۱۸۵۳ - ۵۴	۱۵۸۳۸۶۴۹	۲۸۲۷۷۵۳۰	۳۲۶۲۲۸۹	۳۰۲۴۰۴۳۵
۱۸۵۴ - ۵۵	۱۶۴۱۹۰۳۱	۲۹۱۳۳۰۵۰	۳۰۱۱۷۳۵	۳۰۷۵۳۴۵۶
۱۸۵۵ - ۵۶	۱۷۱۰۹۹۷۱	۳۰۸۱۷۵۲۸	۳۲۶۴۶۲۹	۳۱۶۳۷۵۳۰
۱۸۵۶ - ۵۷	۱۷۷۲۲۱۷۰	۳۱۶۹۱۰۱۵	۳۵۲۹۶۷۳	۳۱۶۰۸۸۷۵
۱۸۵۷ - ۵۸	۱۵۳۱۷۹۱۱	۳۱۷۰۶۷۷۶	۶۱۶۲۰۴۳	۴۱۲۴۰۵۷۱

مذکورالصدر اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت کے سال اول

بیس لاکھ پونڈ سے زیادہ مطالبات وطن کی تکمیل کے بعد بھی محاصل ہندوستان میں فاضل واصلات تھی۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ لارڈ ولیم بنٹنک کا نظم ونسق حد درجہ محتاط تھا اس کے علاوہ خود اس نے اور اس کے قائم مقام سرچارلس مٹکاف نے بہت کچھ تخفیف مصارف کی تھی۔ لیکن ۱۸۳۶ء میں لارڈ آکلینڈ ہندوستان کیا آیا کہ اس نے لارڈ پامرسٹن کی ہمہ گیر حکمت عملی کا آغاز کردیا اور اسی سال سے ہندوستان میں فاضل واصلات نہ رہی بلکہ الٹی کمی ہونے لگی، اور آکلینڈ کے جانشین لارڈ ایلنبرو کے نظم ونسق میں بھی یہی حالت برقرار رہی۔

بعد کے دو گورنر جنرل ہارڈنگ اور ڈلہوزی نے سکھوں سے جو لڑائیاں شروع کردیں تو حالت اور بھی بدتر ہوگئی مگر سکھوں کی آخری جنگ کے ختم پر اور پنجاب کے زرخیز صوبے کے الحاق کے بعد ۱۸۴۹ء میں ہندوستان میں پھر فاضل واصلات ہوئی۔ لیکن ہندوستان کی قسمت شہنشاہیت کے نوجوان شیدائیوں ہی کے ہاتھوں میں تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فاضل واصلات پھر مفقود ہوگئی۔ ڈلہوزی کی حکومت کے ختم پر ہندوستان کے مصارف خام میں دن دونا اور رات چوگنا اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ ۱۸۵۳-۵۴ء میں یہ تین کروڑ پونڈ ہو گئے اور ناگپور اور دوسری زرخیز ریاستوں کو الحاق کر لینے کے باوجود ڈلہوزی کے ہندوستان سے روانہ ہونے کے سال تک (۱۸۵۵-۵۶ء) ہندوستان کے محاصل میں کمی ہی واقع ہوتی رہی۔

البتہ لارڈ کیننگ نے اپنے نظم ونسق کے سال اوّل فاضل واصلات دکھائی تھی اور وہ بھی محض اودھ کے الحاق کی بنا پر جو اس کے ہندوستان آنے سے کچھ پہلے عمل میں آیا تھا لیکن یہ فاضل واصلات غدر کے سال (۱۸۵۷-۵۸ء) ایک کروڑ کمی سے پھر متبدل ہوگئی۔

مذکورالصدر نقشے سے ایک اور عجیب مگر افسوسناک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ انگلستان میں جو کچھ خرچ ہندوستان کے حساب میں محسوب ہوتا تھا اور جس کو "مطالبات وطن" کہا جاتا ہے اس میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا رہا حالانکہ برطانوی شہنشاہی ہند کے قیام و برقرار رکھنے میں ہندوستان اور انگلستان دونوں کا فائدہ تھا اس لئے ان دونوں کو اس شہنشاہی کے مصارف آپس میں بانٹ لینا چاہیئے تھا۔ مقتضائے انصاف بھی یہی تھا کہ ہندوستان کے ان مصارف کا

نو عشر جو ہندوستان ہی پر خرچ ہوا تھا ہندوستان کو اپنے محاصل سے ادا کرنا لازم تھا اور ان مصارف کا کم سے کم ایک عشر جو انگلستان میں صرف ہوا تھا خود انگلستان کو ادا کرنا چاہیے تھا۔ لیکن برنیوسس کے زمانے میں شمشیر فاتح جیسے ترازو میں تولی گئی تھی وہی بات اب بھی ہو رہی تھی اور حق تو یہی ہے کہ حکمراں و محکوم اقوام کے مابین مالی انتظامات کبھی از روئے انصاف ہوتے ہی نہیں اس طرح کی سالانہ بدرروسے ہندوستان کو سراسر نقصان ہی پہنچا تھا ملک سے باہر جو کچھ زر چلا جاتا تھا وہ ملک میں کبھی واپس نہیں آتا تھا اور لطف یہ کہ ایک مفلس و نادار ملک کا روپیہ ایک مالدار و دولتمند ملک کی تجارت و حرفت کو بارور کرنے کے لئے یوں بہا چلا جا رہا تھا۔

ایک سربرآوردہ عہدہ دار نے جس کی مستحسن کارگزاری پر ہم نے پانچویں باب میں تبصرہ کیا ہے لکھا تھا کہ "برطانیہ عظمیٰ کو خراج ادا کرنے کا اثر ہندوستان کی معاشی حالت پر جو پڑتا ہے وہی ہماری موجودہ حکمت عملی کی نہایت قابل اعتراض صورت ہے۔ اگر محصولات اسی ملک میں صرف کیے جائیں جہاں وہ وصول کیے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ اس سے بالکل مختلف ہوگا کہ محصولات ایک ملک میں وصول کیے جائیں مگر صرف دوسرے ملک میں ہوں۔ اول الذکر صورت میں عام لوگوں سے جو محصولات وصول کیے جاتے ہیں وہ رعایا کے اس حصے کو جو سرکاری ملازمت میں داخل ہے تنخواہوں وغیرہ کی شکل میں ادا کیے جاتے ہیں اور ان سرکاری ملازموں کے ذاتی خرچ سے محصولات کی یہ رقم اہل حرفہ کو واپس مل جاتی ہے۔ اس سے صرف تقسیم محاصل میں فرق ہو جاتا ہے ورنہ بمجموعی حیثیت سے تو قومی آمدنی کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔"

"لیکن اگر محصولات کی رقم اسی ملک میں جہاں یہ محصولات وصول ہوتے ہیں صرف نہ کی جائے تو پھر صورت حال بالکل مختلف ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں فقط یہ نہیں ہوتا کہ قومی آمدنی کا ایک حصہ شہریوں کے ایک طبقے سے دوسرے طبقے پر منتقل ہو جائے بلکہ اس سے وہ تمام رقم جو محصول دینے والے ملک سے باہر ارسال

کردی جاتی ہے ہمیشہ کے لئے ملک ہی سے مفقود ہو جاتی ہے اور اہل ملک کے حق میں یہ نقصان مطلق کے برابر ہے۔ قومی پیداوار پر اس کے اثر کے متعلق کچھ نہ پوچھئے۔ اس رقم کا ممالک غیر ارسال کر دینا ایسا ہی ہے۔ جیسے پوٹلی بنا کر کسی نے اس رقم کو دریا میں پھینک دیا۔

"خراج ہند کو خواہ آپ ترازوئے عدل میں تولیے خواہ آپ ہمارے حقیقی مفاد کی روشنی میں دیکھیے بہرصورت وہ انسانیت معمولی عقل۔ اور معاشیات کے مسلمہ اصول کے بالکل خلاف ہی نظر آئے گا۔ اس لیے صحیح زمانئی اسی میں ہے کہ حکومت ہند کے ایسے مصارف جو مطالبات وطن کی شکل میں عاید ہوتے ہیں مگر درحقیقت ان کی نوعیت خراج کی سی ہے آیندہ شہنشاہی خزانے ہی سے ادا کرنے کی گنجائش رکھی جائے۔ یہ مصارف غالباً حسب ذیل مدات پر مشتمل ہوں گے:۔ ایسٹ انڈیا کے حصص پر مقسومات ملکی قرض پر سود، حکومت ہند کے محکمۂ داخلہ کے عہدہ داروں اور عملے کی تنخواہوں اور اس کی عمارات وغیرہ کے اخراجات تعمیر و ترمیم ہندوستان کے ملازمین فوج و دیوانی کی جو انگلستان میں ہوں تنخواہ ایام رخصت و وظائف وغیرہ وہ تمام قسم کے اخراجات جو ان برطانوی لشکریوں سے متعلق ہیں جو ہندوستان میں خدمت بجالاتے ہیں نیز ان کی آمد و رفت کے مصارف کا ایک حصہ وغیرہ۔"

اس کتاب کی پہلی جلد میں ہندوستان میں برطانوی شہنشاہی کے قیام و عروج سے ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی تک کے واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے ناظرین نے دیکھا ہوگا کہ برطانوی حکمرانی کی ابتدا سے ۱۸۳۷ء تک بھی ہندوستان کے جملہ محاصل انگریز عہدہ داروں کی بڑی بڑی تنخواہوں اور ہندوستان کی جنگ و جدل کے بے جا صرفے کے باوجود ہندوستان کے خرچ سے جو ہندوستان ہی میں ادا ہوتا تھا بڑھے ہوئے تھے۔ اس باب میں بھی جو اعداد پیش کئے گئے ہیں ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت کے پہلے اکیس (۲۱) سال یعنی ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۸ء تک بھی آمدنی ان تمام مصارف سے بڑھی ہوئی تھی جو ہندوستان میں عائد ہوتے تھے۔ اسلئے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ اگر برطانوی حکمرانی کی ابتدا ہی سے ہندوستان سے مطالبات

وطن سے بالکل بری الذمہ رہتا تو ۱۸۵۸ء میں جب ہندوستان کی حکمرانی تاج برطانیہ پر منتقل ہوئی تو اس وقت ہندوستان کے ذمے کوئی سرکاری قرض نہیں رہتا بلکہ بہ حیثیت مجموعی یہ محاصل اس کے حق میں فاضلات ہی نکلتے ۔ ہندوستان کا تمام سرکاری قرض جو کمپنی کی صد سالہ حکومت میں اس قدر زیادہ ہوگیا تھا کہ نوعیت میں دراصل وہی دین تھا جو انگلستان میں واجب الادا مصارف کی تکمیل میں ہندوستان پر ہوگیا تھا حالانکہ حق اور انصاف کی رو سے یہ مصارف ہندوستان کے خزانے سے واجب الادا نہ تھے ۔ اگر اس صدی کے ہندوستان اور برطانیہ عظمیٰ کے باہمی مالی تعلقات پر کسی غیر جانب دار عدالتی حاکم کی رائے لی جائے تو اس میں ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں کہ اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا کہ ہندوستان سے برطانیہ عظمیٰ کو جو فائدہ پہنچا تھا وہ مطالبات وطن کی مجموعی رقم سے بھی بہت زیادہ تھا ۔ اس لیے حق اور انصاف تو یہ تھا کہ انگلستان ہی ان اخراجات کو ادا کر دیتا ۔

یہ کہنا شرط انصاف و اخلاق ہے کہ ۱۸۵۸ء میں تو ہندوستان پر کوئی قرض ہی نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ برخلاف اس کے اس زمانے میں اضافہ زر قوم کی ادائی کے معاوضے میں وہ انگلستان کے لیندار ہونے کا بھی دعویٰ کر سکتا تھا ۔

یہ کہنا ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں مبنی بر انصاف ہوگا کہ اس کے نظم و نسق میں جو مطالبات وطن ہوتے تھے وہ نسبتاً کم ہوتے تھے یعنے وہ ہندوستان کے سالانہ محاصل کا ایک عشر تھے غدر سے بیس سال قبل تک محاصل دو کروڑ سے تین کروڑ دس لاکھ ہو گئے تھے اور مطالبات وطن پچیس لاکھ سے پینتیس لاکھ ہوئے تھے ۔

جب نظم و نسق ہند براہ راست تاج برطانیہ کے تحت فرمان ہوا تو اس کا سب سے زیادہ افسوسناک نتیجہ یہ نکلا کہ مطالبات وطن میں دن دونا اور رات چوگنا اضافہ ہوگیا اور تاج برطانیہ کی حکومت کی غیر ذمہ داری سے مطالبات وطن کا یہ اضافہ نہ صرف بجائے خود اضافہ تھا بلکہ محاصل کے تناسب بھی اس کو اضافہ ہی کہنا چاہیے اس نتیجہ پر جان اسٹوارٹ مل کی وہ رائے صادق آتی ہے جو پچھلے باب میں بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ وزیر ہند اور اس کی کونسل کے توسط سے ہندوستان پر جملہ

کرنا " ایک ایسی مکمل مطلق العنان حکومت کے برابر ہے جو برطانوی حکمرانی کے تحت ممکن ہے"

۱۷۹۲ء میں ہندوستان کا جملہ قرض ستر لاکھ سے کچھ زیادہ تھا مگر ۱۷۹۹ء میں وہ ایک کروڑ کو پہنچ گیا تھا۔ اس کے بعد لارڈ ویلزلی کی لڑائیاں شروع ہوئیں اور یہ قرض ۱۸۰۵ء میں دو کروڑ دس لاکھ جو تھا ۱۸۱۰ء میں دو کروڑ ستر لاکھ ہو گیا۔ کئی سال تک اس میں کچھ کمی وبیشی نہیں ہوئی لیکن ۱۸۲۹ء میں لارڈ ولیم بنٹنک کے ہندوستان آنے کے ایک سال بعد یہ تین کروڑ ہو گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام عہد حکومت میں یہی ایک لائق اور محتاط گورنر جنرل ایسا گزرا ہے جس نے ہندوستان کے سرکاری قرض میں معتدبہ تخفیف کی تھی۔ چنانچہ ۳۰ اپریل ۱۸۳۶ء میں یہ قرض ۴۳۴-۲۶۹۴ پونڈ رہ گیا تھا۔

ذیل کے نقشے سے اکیس (۲۱) سال تک یعنی ملکہ وکٹوریہ کے سال تخت نشینی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی برخاستگی تک ہندوستان کا سرکاری قرض کتنا رہا ہے اس کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ اس نقشے کے اعداد سرکاری اسناد سے لیے گئے ہیں:-

سنہ عیسوی	ہندوستانی قرض	انگلستان واجب الادا ہندوستانی قرض میں	میزان
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۳۷ - ۳۸	۳۰۲۴۹۸۹۳	۳۵۲۲۸۲۵	۳۳۷۷۲۷۱۸
۱۸۳۸ - ۳۹	۳۰۲۳۱۱۶۲	۱۷۳۴۳۰۰	۳۱۹۶۵۴۶۲
۱۸۳۹ - ۴۰	۳۲۷۵۰۶۹۷	۱۷۳۴۳۰۰	۳۴۴۸۴۹۹۷
۱۸۴۰ - ۴۱	۳۴۱۸۷۸۲۷	۱۷۳۴۳۰۰	۳۵۹۲۲۱۲۷
۱۸۴۱ - ۴۲	۳۶۶۷۰۱۷۳	۱۷۳۴۳۰۰	۳۸۴۰۴۴۷۳
۱۸۴۲ - ۴۳	۳۸۷۴۴۳۴۰	۱۷۳۴۳۰۰	۴۰۴۷۸۶۴۰
۱۸۴۳ - ۴۴	۴۰۱۴۹۱۵۱	۱۷۳۴۳۰۰	۴۱۸۸۳۴۵۱
۱۸۴۴ - ۴۵	۴۱۲۰۳۱۵۰	۲۲۹۹۶۰۰	۴۳۵۰۲۷۵

۱۸۴۵ - ۴۶	۴۱۵۹۲۲۴۹	۲۲۹۹۶۰۰	۴۳۸۹۱۸۴۹
۱۸۴۶ - ۴۷	۴۴۵۸۴۶۲۵	۲۲۹۹۶۰۰	۴۶۸۸۴۲۲۵
۱۸۴۷ - ۴۸	۴۵۹۵۷۶۱۳	۲۷۹۹۶۰۰	۴۸۷۵۷۲۱۳
۱۸۴۸ - ۴۹	۴۷۱۵۱۰۱۸	۳۸۹۹۵۰۰	۵۱۰۵۰۵۱۸
۱۸۴۹ - ۵۰	۵۰۰۳۵۲۶۸	۳۸۹۹۵۰۰	۵۳۹۳۴۷۶۸
۱۸۵۰ - ۵۱	۵۱۱۹۹۸۱۵	۳۸۹۹۵۰۰	۵۵۰۹۹۳۱۵
۱۸۵۱ - ۵۲	۵۱۲۱۵۱۹۳	۳۸۹۹۵۰۰	۵۵۱۱۴۶۹۳
۱۸۵۲ - ۵۳	۵۲۳۱۳۰۹۴	۳۹۲۰۵۹۲	۵۶۲۳۳۶۸۶
۱۸۵۳ - ۵۴	۴۹۷۶۲۸۷۶	۳۹۲۰۵۹۲	۵۳۶۸۳۴۶۸
۱۸۵۴ - ۵۵	۵۱۶۱۵۵۲۸	۳۹۱۵۵۹۲	۵۵۵۳۱۱۲۰
۱۸۵۵ - ۵۶	۵۳۸۴۸۹۲۲	۳۹۱۵۳۱۷	۵۷۷۶۴۲۳۹
۱۸۵۶ - ۵۷	۵۵۵۴۶۶۵۲	۳۹۱۵۳۱۷	۵۹۴۶۱۹۶۹
۱۸۵۷ - ۵۸	۶۰۷۰۴۰۸۴	۸۷۶۹۴۰۰	۶۹۴۷۳۴۸۴

سنہ ۱۸۳۹-۴۰ء میں جیسا اوپر کے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے سرکاری قرض میں جو چھبیس لاکھ کا اضافہ نظر آتا ہے وہ دراصل اضافہ نہیں ہے بلکہ جن سرکاری کاغذات سے یہ اعداد ماخوذ ہیں ان میں دو مختلف طریقوں پر حسابات رکھے گیے تھے جس کی وجہ سے یہ حسابی تفاوت پیدا ہو گیا۔ لیکن سنہ ۱۸۴۱-۴۲ء سے لارڈ آکلینڈ کی کم بخت جنگ افغان کے مضر اثرات ہندوستان کے مالیات پر پڑنے لگے اور سنہ ۱۸۴۴-۴۵ء تک جملہ سرکاری قرض تین (۳) کروڑ تینتالیس لاکھ پونڈ سے چار (۴) کروڑ پینتیس (۳۵) لاکھ پونڈ ہو گیا۔ جنگ افغان کے مصارف کا بوجھ ہندوستان کے مالیات پر ڈالنے پر نہ صرف ایسٹ انڈیا کمپنی نے اعتراض کیا بلکہ جب جان برائیٹ نے یہ کہا کہ "گزشتہ سال جنگ افغان کے کثیر مصارف (تقریباً ڈیڑھ کروڑ پونڈ) کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ یہ تمام و کمال اہل انگلستان کی آمدنی محصولات ہی سے ادا ہونا چاہئے کیونکہ یہ جنگ انگریزی کابینہ کے حکم سے اور انگریزوں کے اعتراض کی خاطر ہوئی تھی" تو اس پر دارالعوام کے متعدد ارکان

جان برائیٹ سے بالکل متفق الرائے ہو گئے۔

لارڈ ایلنبرو کے الحاق سندھ اور لارڈ ہارڈنگ اور لارڈ ڈلہوزی کے سکھوں سے جنگ کرنے سے مالی ذمہ داریاں اور بڑھ گئی تھیں چنانچہ ۱۸۵۱ء میں سرکاری قرض بڑھتے بڑھتے پانچ کروڑ پچاس لاکھ ہو گیا۔ اس کے بعد کچھ کمی و بیشی ہوتی رہی اور قرض میں تخفیف کرنے کی کوشش بھی کی گئی مگر ڈلہوزی کی حکومت کے آخری سال یہ قرض پانچ کروڑ پچانوے لاکھ پونڈ ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء میں غدر کیا ہوا کہ اس ایک سال میں قرض میں ایک کروڑ پونڈ کا اضافہ ہو گیا اور اس طرح ۳۰ اپریل ۱۸۵۸ء میں ہندوستان کا جملہ قرض چھ کروڑ پچانوے لاکھ پونڈ تک پہنچ گیا۔

ایک غیر جانبدار مورخ نے لکھا ہے کہ دنیا میں بغاوت کرنے پر اگر کوئی حق بجانب تھا تو وہ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان تھے جن کو گائے اور سور کی چربی ملے ہوئے کارتوس دیئے گئے تھے اور یہ ان کی نظروں میں گناہ کبیرہ سے کم نہ تھا۔ یہ سنگین غلطی انگریز منتظمین مملکت ہی سے سرزد ہوئی تھی مگر ہندوستان کو اس کا خسارہ اٹھانا پڑا۔ اس سے پہلے ہندوستانی فوج سے چین اور افغانستان میں کام لیا گیا تھا مگر اپنی قلمرو کے بیرون حدود ہندوستانی فوج کی خدمت بجا لانے کے معاوضے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک حبہ بھی نہیں ملا تھا۔ برخلاف اس کے جب بغاوت فرو کرنے کے لئے انگریزی فوج ہندوستان بھیجی گئی تو انگلستان نے اس کے کل مصارف ایسے تشدد کے ساتھ وصول کیے کہ اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔

"محکمہ نوآبادیات" بالفاظ دیگر "باستثنائے ہندوستان برطانوی نوآبادیاں او مقبوضات" کا انگلستان میں جو محکمہ سرکار قائم ہے اس کے تمام مصارف نیز بری اور بحری افواج وغیرہ کے جملہ اخراجات ممالک متحدہ برطانیہ کے محاصل ہی سے ادا ہوتے ہیں۔ اس سے فطرتاً یہی استنباط لیا جا سکتا ہے کہ اسی کے مماثل ہندوستان کے مصارف لاحق بھی اسی ملک کے خزانے سے ادا ہوتے ہوں گے۔ لیکن واقعہ کیا ہے؟ برطانیہ کے محاصل سے ایک حبہ بھی ہماری شہنشاہی ہند کے فوجی تحفظ پر صرف نہیں کیا جاتا"

"کیسے تعجب کی بات ہے کہ ایک قوم اپنے نوآبادیات اور مقبوضات کے علاوہ غیر ممالک کی بھی عندالضرورت زر سے مدد کرنے میں تو مبالغے کے ساتھ

فیاضی دکھائے لیکن اپنی شہنشاہی ہند کی انتہائی مالی مشکلات کے باوجود خلاف عادت بعید از قیاس کنجوسی کرے کہ ہندوستان کی امداد کرنے سے صاف انکار کر دے۔"

"سب سے بدترین بات تو ابھی بیان ہی نہیں کی گئی۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر معمول سے زیادہ فوجی دستے ہندوستان بھیجے ہوتے ہیں جیسا حال کے ہنگامے میں ہوا تو انگلستان سے ان افواج کے روانہ ہونے سے چھ ماہ قبل کی تنخواہوں کا بار محاصل ہند ہی پر ڈالا جاتا ہے اور برطانوی افواج کا "محکمہ تقسیم تنخواہ" یہ رقم حکومت ہند سے وصول کر لیتا ہے۔"

"غدر کے نازک زمانے میں جب کہ مالیات ہند انتہائی ابتری میں پڑے ہوئے تھے اور ان کے سلجھانے سے مایوسی ہو چلی تھی برطانیہ عظمیٰ کی صرف یہی خواہش نہ تھی کہ ساحل برطانیہ سے روانہ ہونے کے بعد ان معمول سے زائد افواج کے جملہ مصارف ہندوستان ہی ادا کرے بلکہ یہ بھی کہ ان افواج کے انگلستان سے روانہ ہونے سے چھ ماہ قبل کے مصارف بھی جو اس ملک میں رہ کر خدمت بجا لانے سے متعلق تھے ہندوستان ہی سے ادا کیے جائیں۔"

ایک اور شخص تھا جس کی عظمت سر جورج ونگیٹ سے بھی بڑھ کر تھی اس کا نام جان برائیٹ تھا اور اس نے غدر کے مصارف پر اپنی طرز خاص میں نہایت صاف دلی اور بیباکی کے ساتھ یوں اظہار خیال کیا ہے "میرے خیال میں چار کروڑ پونڈ جو اس بغاوت کے مصارف ہوں گے ان کا سنگین بوجھ اہل ہند کے کندھوں پر ڈالنا ظلم ہے۔ بالخصوص جب کہ یہ ہنگامہ در اصل پارلیمنٹ اور اہل انگلستان ہی کی بد انتظامی سے وقوع میں آیا ہے اگر انصاف کی رو سے کردار و اعمال کا مواخذہ ہر شخص کے لیے برابر ہے تو پھر بے شک یہ چار کروڑ پونڈ ان محصولات ہی سے ادا ہونے چاہئیں جو اس ملک کے باشندوں سے وصول ہوتے ہیں۔"

ہم اس لیے ان اقتباسات کو پیش اور ان واقعات کو بیان نہیں کرتے کہ ان سے گزشتہ مباحث کی یاد تازہ کی جائے بلکہ صرف اس خیال سے کہ ہندوستان کے سرکاری قرض کا آغاز کس طرح ہوا تھا اس کی بلاکم و کاست توضیح کر دی جائے۔ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ انگلستان نے ہندوستان کی فتح اور نظم و نسق پر اور ذرائع آمدنی

کو ترقی دینے میں اپنا جو سرمایہ صرف کیا ہے اسی سے ہندوستانی قرض کا آغاز ہوا مگر موجودہ باب میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۵۸ء تک تو ہندوستانی قرض کے آغاز کے اسباب یہ نہ تھے۔ ہندوستان نے اپنی فتح اور اپنے نظم و نسق کے مصارف آپ ادا کیے تھے اور کمپنی کی حکمرانی کے آخر سال تک جو کچھ تھوڑا بہت ملا ہندوستان تک پہنچا تھا وہ اس خراج کے مقابل جس کو ہندوستان ایک صدی تک انگلستان کو برابر ادا کرتا رہا تھا ایک بہت ہی حقیر سی مقدار میں تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس خراج کا قریب قریب صحیح تخمینہ کرنا ناممکن ہے۔ سر جورج ونگیٹ کے حساب سے یہ خراج انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا سے ۱۸۵۸ء تک اس میں سود شامل کیے بغیر دس کروڑ پونڈ ہوتا ہے۔ منٹگمری مارٹن نے اس صدی کے ابتدائی تیس ۳۰ سال کی میعاد تک ہندوستان کی ۱۲ فی صدی معمولی شرح سود کے حساب سے سود در سود لگا کر اس قرض کی مقدار ستر کروڑ بتائی ہے۔ ان حسابات میں وہ رقوم شامل نہیں ہیں جو اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان سے باہر ارسال ہوتی رہی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مطالبات وطن کی شکل میں جو خراج وصول کیا جاتا تھا۔ وہی ہندوستانی قرض کا اصل باعث تھا۔ ہندوستان اپنے نظم و نسق کے جملہ اخراجات نیز اپنے اندرون ملک فتوحات والحاقات کے لیے آئے دن جو جنگ و جدل ہوتی رہتی تھی۔ ان کے کل مصارف آپ ادا کرتا تھا۔ لیکن ان نظامی مصارف کے علاوہ خراج کی پوری رقم ادا کرنا تو ہندوستان کے مقدور سے باہر تھا۔ چنانچہ سال بسال محاصل میں خسارہ ہی ہو رہا تھا حتی کہ جب لارڈ ڈلہوزی ہندوستان سے چلا ہے اس وقت ہندوستان کا قرض بڑھتے بڑھتے چھ کروڑ پونڈ ہو گیا تھا اور غدر کے پہلے سال جب ایسٹ انڈیا کمپنی برخاست کر دی گئی اس وقت یہ قرض مصارف غیر معمولی کی وجہ سے سات کروڑ پونڈ تک پہنچ چکا تھا۔

حکومت ہند کی تاج برطانیہ پر منتقلی کی وجہ سے جو تازہ مطالبات ہندوستان پر قائم ہوئے تھے ان کی آئندہ باب میں توضیح کی جائے گی۔ یوں تو تاج برطانیہ نے شہنشاہی ہند کمپنی سے خرید لی تھی مگر اس کی قیمت خرید دراصل خود اہل ہند نے

اپنی جیب سے ادا کی تھی یعنے کمپنی کے حصص کی قیمت کمپنی کے حصہداروں کو تاج برطانیہ نے ادا نہیں کی تھی بلکہ ہندوستانی قرض کی شکل میں یہ ہندوستان ہی سے ادا ہوئی تھی۔

کیا انگلستان کم سے کم اس قرض کا کفیل ہی بن سکتا تھا؟ اس کفالت سے ہندوستانی قرض کے سالانہ سود میں دس لاکھ پونڈ تک تو تخفیف ممکن تھی جس سے ہندوستان کے محصول ادا کرنے والوں کا بوجھ ہلکا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ڈرتے ڈرتے لارڈ اسٹینلی نے جس کو لارڈ ڈاربی کا خطاب بعد کو سرفراز ہوا ۱۸۵۹ء میں یہی صلاح دی تھی:-

"مجھ کو معلوم ہے کہ پارلیمنٹ اور اس ملک کی حکومت کی حکمت عملی ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ ہندوستانی قرض کے متعلق جو ان کی دانست میں ہندوستان کے خزانۂ عامرہ ہی سے کلیتاً ادا ہونا چاہئے کسی قسم کی ذمہ داری کبھی قبول نہیں کی گئی۔ موجودہ حالت پر نظر کرتے ہوئے میں تو اس حکمت عملی میں کسی قسم کے تغیر کی سفارش نہیں کرتا کیونکہ خوب جانتا ہوں کہ اس طرح کی تجویز پر کیا کچھ شور نہ مچے گا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ قطعاً ایسی تجویز کو کبھی منظور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ سوال ہر ہمیشہ نظروں کے سامنے آتا رہے گا اور اس پر نہ صرف موجودہ زمانے میں بلکہ آئندہ زمانے میں بھی غور کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔"

"اسی بنا پر میری استدعا دارالعوام سے یہ ہے کہ وہ میری یہ بات خوب ذہن نشین کر لے کہ اگر کبھی وہ وقت بھی آ جائے جب کہ اس مقررہ حکمت عملی میں تغیر واقع ہو جائے اور اس رقمی ذمہ داری اور دین کے لئے قومی ضمانت دی جائے تو ایسی کفالت سے ہندوستانی قرض کے سود میں کم سے کم ..... ۵ پونڈ بلکہ .... ا پونڈ تک تخفیف ہو جائے گی اور اس رقم سے اگر ذخیرہ ادائی قائم کر دیا جائے تو اس سے اس قرض کا بہت کچھ حصہ ادا ہو جائے گا۔"

اس کے چھ ماہ بعد خود جان برائیٹ نے ہندوستانی قرض کے لئے شہنشاہی کفالت دینے کے خیال کی مخالفت کی اور اس کا استدلال بھی اس کی اپنی خاص طرز کا تھا۔

"میں شہنشاہی کفالت کا اس لئے مخالف نہیں ہوں کہ مجھ کو اس معاملے میں انگریز محصول دینے والوں سے خاص ہمدردی ہے میرا خیال تو یہ ہے کہ محصول ادا کرنے والی انگریز رعایا عموماً ہندوستان کے معاملات سے بالکل غافل رہی ہے اس لئے اس طرح اپنی غفلت کی سزا اس کا بھگتنا درست ہے .... لیکن شہنشاہی کفالت پر میرا اعتراض یہ ہے کہ بالفرض ہم ہندوستان کے سب عمال کو ہندوستان کے تمام ذرائع آمدنی ختم کر دینے کے بعد اہل انگلستان کی جیبیں ٹٹولنے کے لئے ایسی حالت میں چھوڑ دیں جب کہ اہل انگلستان کو ہندوستان کے مصارف پر نگرانی رکھنے کا کوئی حق حاصل نہ ہو تو پھر یہ کہنا ناممکن ہے کہ ایسے عمال کیا کیا بعید از قیاس فضول خرچی اور اسراف نہ کریں گے ۔ اور اس طرح ہندوستان کو بچانے جا کر ہم خود انگلستان کو کہیں تباہ نہ کر دیں ؟"

افسوس ہے کہ جان برائیٹ کے سے شخص کو بھی یہ نظر نہ آیا کہ اگر اہل انگلستان پر بھی اس ہندوستانی قرض کی کچھ ذمہ داری عائد کر دی جاتی تو پھر اہل انگلستان ہندوستان کے معاملات میں وہ اپنی پہلی سی غفلت نہیں برتتے بلکہ ہندوستان کے مصارف پر اپنی نگرانی بھی قائم کر دیتے ۔

چودھواں باب

کمپنی کی حکمرانی کا اختتام

"ہندوستان کے لئے میری دوامی دعا اور توقع یہی ہے کہ ابدالآباد تک ہمارے زیر تسلط ممالک وصوبہ جات کی رپورٹیں سال بسال امن وامان خوش حالی اور ترقی کی خوش خبری لاتی رہیں اور اُن کے عروج واقبال بزبان حال سے شہادت دیں"
اس پاک ونیک نیت تمنا و آرزو پر لارڈ ڈلہوزی نے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے اپنے ہشت سالہ نظم ونسق ہند کے یادگار تبصرے کو ختم کیا تھا۔

"ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہیئے کہ ہندوستان کی حالت یہ ہے کہ ابھی ابھی مطلع صاف نظر آرہا تھا ابھی ایک لکہ ابر اُٹھا جو پہلے تو دیکھنے کو ہتیلی کے برابر تھا مگر بڑھتے بڑھتے ایسی کالی گھٹا بن گیا جس کا ہم پر چھا جانے کا اندیشہ ہے" لارڈ کیننگ کی اس جوابی تقریر کے یہ الفاظ پیشین گوئی کے برابر ہیں جو اس نے اپنے ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے مجلس نظماء کی طرف سے لندن میں جو الوداعی ضیافت اس کو دی گئی تھی اس محفل میں کی تھی۔

لارڈ ڈلہوزی نے امن وامان خوش حالی اور ترقی کی جو چمکتی دمکتی تصویر کھینچی تھی وہ گردش تقدیر سے کچھ عرصے تک تو ماند پڑ گئی لیکن لارڈ کیننگ نے ایسی گھنگھور گھٹا کی

پیشین گوئی کی تھی جس سے خود شہنشاہی ہند کے ورطۂ ہلاکت میں پڑ جانے کا اندیشہ تھا اور بدقسمتی سے یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے اسباب اب کچھ پوشیدہ نہیں رہے جان لارنس نے لکھا ہے کہ "وہ بہ حیثیت مجموعی دیسی فوج کا واقعی عقیدہ یہی تھا کہ ان کارتوسوں کا جو ان کی ذات پات میں رخنہ انداز تھے عام رواج پڑنے کے لیئے صرف وقت درکار تھا .... اور یہی بات دراصل بناءِ غدر ہے۔ لارڈ رابرٹ کے سے بڑے مستند شخص کی تصدیق سے نہیں اب یہ معلوم ہے کہ دیسی فوج کا یہ عقیدہ بالکل بے بنیاد نہ تھا اور جو کارتوس رائج کیئے گئے تھے واقعی ان پر گائے اور سور کی چربی ملی ہوئی تھی

اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ پہلے تو یہ بغاوت محض سپاہیوں کی تھی مگر بعد کو اس میں ایسے سیاسی وجوہ بھی شامل ہو گئے کہ یہ بڑھتے بڑھتے شمالی ہند اور ممالک متوسط کے باشندوں کے متعدد طبقوں میں پھیل گئی اور اس کی شکل سیاسی شورش سے مبدل ہو گئی۔ لارڈ ڈلہوزی نے وسیع عملداریوں کا عاجلانہ الحاق کر لیا تھا جس سے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا اصل مقصد تمام ہندوستان فتح کر لینا ہی ہے اور یہ کہ اپنے مقصد کی تکمیل میں معاہدات اور قوانین ملک کی وہ کچھ پروا نہیں کرتی۔ لوگوں کو اطمینان قلب حاصل نہ تھا اور باغیوں کے سرغنہ جو تھے انھوں نے متعدد اعلانات شائع کیے تھے جن میں یہ دیسی حکمرانوں کی بے ایمانی اور طمع زمین کو بصورت ظاہر کیا تھا۔ جھانسی کی ریاست میں جس کا لارڈ ڈلہوزی نے الحاق کر لیا تھا وہاں کی رانی خود اس شورش کی روح رواں تھی۔ اس نے مردانہ لباس پہنکر انگریزی فوج کا مقابلہ بھی کیا تھا اور میدانِ جنگ ہی میں وہ کام آئی تھی۔ اودھ میں بھی جس کا الحاق لارڈ ڈلہوزی نے کر لیا تھا باغی سپاہیوں کے ساتھ آبادی کا ایک جم غفیر ہو گیا تھا۔ اور یہ لوگ اپنے معزول بادشاہ کا دم بھر رہے تھے اور اس کی حمایت کو تیار تھے۔

اس پُرازواقعات جنگ کے سنسنی خیز حالات کا بیان کرنا ہماری اس تالیف کے مقصد سے باہر ہے۔ سر جان کے اور میلیسن نے اپنی اپنی ضخیم تالیفات میں ان کو

بیان کیا ہے نیز حالیہ زمانے کی چند مختصر سی گڑبڑی جو بیوں کی کتابوں میں بھی ان کی تفصیل درج ہے۔ انگریزوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کا لکھنؤ میں باغیوں کے ایک جم غفیر کے مقابلے میں شجاعت کے جوہر دکھانا اور انگریزوں کے سب سے اچھے اور سب سے سچے سپاہی ہنری لارنس کی "جس نے اپنا فریضہ بجا لانے کی کوشش کی تھی" دردناک موت۔ وہ غیر متزلزل بہادری جو معدودے چند سپاہیوں نے کئی ماہ تک جو ختم ہوتے ہی نظر نہ آتے تھے دہلی کی مشہور تاریخی پہاڑی پر اپنا قبضہ قائم رکھنے میں دکھائی تھی کہ جان لارنس نے پنجاب کی خاک چھاننے کے بعد ایک ایسا دھاوا مارا کہ شہنشاہی کی قسمت کا فیصلہ ہی کر دیا۔ ممالک متوسط سے کامیاب گزر کر اس کا یلغار پہنچنا اور روہیلکھنڈ اور اودھ میں وہ طول طویل کٹھن فوجی نقل و حرکت غرض یہ سب انگریزوں کے تاریخی واقعات ہیں جو انگریزوں کی ادبیات کی سلک میں گوندھ دیئے گئے ہیں۔ عہد وکٹوریہ کے ملک الشعراء نے محاصرۂ لکھنؤ کا وہ ترانہ گایا ہے کہ کبھی دل سے وہ فراموش نہیں ہو سکتا اور موجودہ زمانے کے چند عام اہل قلم نے بھی جان نکلسن اور فتح دہلی کی بہادری کے قصے خوب بیان کئے ہیں۔

غدر کے تاریک واقعات کو بیان کرنا موجودہ تالیف کا منشا نہیں ہے۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں دونوں کی دلی خواہش یہی ہے کہ کاش ان واقعات سے اب تاریخ کے صفحات بالکل پاک و صاف کر دیئے جائیں یا کم سے کم مدارس کی وہ نصابی کتابیں ہی جو لڑکوں کو پڑھائی جاتی ہیں۔ یوں تو کلائیو اور ولنگٹن کے زمانے ہی سے ہندوستان میں متعدد جنگیں ہوتی رہی تھیں مگر ایک بھی جنگ کبھی ایسی نہیں ہوئی تھی جس پر ناحق و ناروا ظلم و ستم گناہ و خطا کا اس قدر گہرا دھبہ لگا ہو جیسا ۱۸۵۷ء کے ہنگامے پر لگا تھا۔ باغیوں کے عقیدے میں ان کی ذات اور مذہب کو بچانا ضروری تھا مگر ادھر انھوں نے بے دست و پا عورتوں اور معصوم بچوں کو ایسی وحشیانہ سنگدلی اور بے دردی کے ساتھ قتل کیا کہ اپنے بنا دعوے کو ذلیل و خوار اور اپنا منھ ہمیشہ کے لئے کالا کر لیا اور ادھر انگریزی فوج میلوں تک جہاں جہاں سے گزری اس نے گاؤں کے گاؤں جلا کر خاک کر دیئے اور ملک کو لق و دق صحرا بنا دیا۔ انگریز فاتحین نے باغیوں کے فرار ہو جانے کے بعد بھی دہلی میں قتل عام کیا اور انگریزوں

کے خاص کمشنروں نے شمالی ہند میں ہزاروں ایسے بیگناہوں کو سولی دیدی جو غدر میں بالکل بے خطا تھے اس مورخ کے الفاظ میں جو ابھی تک بقید حیات ہے "یہ مقابلہ دو ایسی وحشی اقوام کے درمیان تھا جن کو انصاف یا رحم کا کچھ خیال نہ تھا اور صرف یہی جنون ان کے سر میں سمایا ہوا تھا کہ کسی نہ کسی طرح دشمن کو فنا کر دیا جائے۔ طرفین سے ہر طرح کے ظالمانہ افعال سرزد ہوئے جن پر اب پردہ ڈالنا ہی مناسب ہے"

ہندوستان میں لارڈ کیننگ سے بڑھکر کسی شخص نے اس ہولناک صورت حال کو محسوس نہیں کیا اور انگلستان میں ملکہ سے بڑھ کر کسی نے اس پر تاسف نہیں کیا۔ لارڈ کیننگ نے ملکہ کی خدمت میں یہ لکھا تھا کہ "بلا امتیاز کیسے فوری انتقام لینے کی وبا عام طور پر پھیلی ہوی ہے اور اس کا اثر اکثر ایسے اشخاص پر بھی پڑ رہا ہے جن سے اچھی مثال پیش کرنے کی توقع ہو سکتی تھی اور اس کا خیال آتے ہی کوئی شخص اپنے ہم وطن لوگوں کی حالت پر شرم سے عرق عرق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا" ملکہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ "لارڈ کیننگ بہ آسانی باور کر سکتے ہیں کہ اس غیر مسیحی جذبے پر جو یہاں بھی عامۃ الناس ہندوستان کے خلاف بڑی حد تک ظاہر کرتے رہتے ہیں ما بدولت بھی تاسف اور غصے کے اظہار میں لارڈ کیننگ سے بالکل متفق الاحساس ہیں"

بس یہ سمجھئے کہ اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمرانی کا خاتمہ ہی ہوگیا۔ برطانوی قوم نے پہلے ہی سے اس کا تہیہ کر لیا تھا۔ غدر کی وجہ سے ایک اچھا موقع اس کے ہاتھ آ گیا۔ لارڈ پامرسٹن ۱۸۵۵ء میں وزیر اعظم ہو گیا تھا اور اس نے اپنی عادت کے موافق مستعدی کے ساتھ جنگ کریمیا کو بھی ختم کر دیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے انتخاب کے بعد اس کی حکومت ایک کثیر غلبۂ آراء سے پھر قائم ہوی اور اسی سال اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے صدر نشین کو اطلاع دی کہ حکومت ہند کو براہ راست تاج برطانیہ کی زیر نگرانی لے لینے کے لئے اس کی حکومت کا ارادہ پارلیمنٹ میں ایک مسودۂ قانون پیش کرنے کا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے صدر نشین راس منگل اور نائب صدر نشین سر فریڈرک کری نے ۳۱ دسمبر ۱۸۵۷ء میں اس کا جواب دیا کہ "مجلس نظماء کو ملکۂ معظمہ کی حکومت

کی اس تجویز پر تعجب ہوتا ہے کہ کمپنی پر غدر کے متعلق کوئی الزام لگائے بغیر اور پارلیمنٹ کے توسط سے کسی قسم کی تحقیقات کیے بغیر وہ کمپنی کی بیخ کنی کرنا چاہتی ہے "مجلس نظماء کی رائے تھی کہ ہندوستان میں اچھی حکومت قائم رکھنے کے لئے کمپنی کی سی "ایک درمیانی غیر سیاسی اور بالکل خود مختار جماعت" ہی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اور یہ عقل میں نہیں آتا تھا کہ اگر اس مجوزہ حکومت جدید کے سب ارکان تاج برطانیہ ہی کی طرف سے مقرر کیے جائیں تو پھر ایک ایسی "غیر سیاسی اور خود مختار جماعت" کا قیام کیسے ممکن تھا۔

کمپنی نے ایک باضابطہ عرضی بھی دار العوام اور دار الامراء میں پیش کی تھی جس کو تیز نظر اور صاحب بصیرت جان اسٹوارٹ مل نے لکھ کر دیا تھا۔ ایسے پر مغز اور فلسفیانہ شخص کے قلم کی تحریر آج بھی ہمارے لئے دلچسپی رکھتی ہے اسی لئے اس کے دو ایک فقرے خاص طور پر یہاں قابل اعادہ ہیں:۔

اس دو عملی کا حوالہ دیتے ہوئے جو کمپنی کے نظماء اور ملکۂ معظمہ کے ایک وزیر کی نگرانی میں جو مجلس نظم کی صدارت کرتا تھا جاری تھی جان اسٹوارٹ مل نے خاص وجوہ پر حسب ذیل عرض کیا:۔

"یہ کہ ان حالات میں اگر نظم و نسق ناکام ثابت ہوا ہے تو سائلوں کے نزدیک یہ توقع رکھنا بالکل ناواجبی ہے کہ اقتدار حکمرانی کے شعبے کو جو تنہا تو غلطی پر نہیں ہو سکتا فنا کر کے تمام اختیارات دوسرے ایسے شعبے کو جو ہر حقیقی یا مفروضہ غلطی میں ناگزیر طور پر اس کا شریک غالب ہے اس لئے تفویض کر دیئے جائیں کہ اس سے واقعی اصلاح حال ہو سکتی ہے یہ باور کر لینا کہ حکومت ہند مجلس نظماء کی مدد کے بغیر صرف ایک وزیر تاج برطانیہ کی زیر نگرانی اسی طرح جاری رہ سکتی ہے کہ اس سے کم غلطیاں سرزد ہوں یہ باور کر لینے کے برابر ہے کہ وزیر تاج برطانیہ نے باوجود ہندوستان پر حسب دل خواہ حکومت کے پورے اختیارات رکھنے کے خراب حکومت محض اس لئے کی کہ اس کو تجربہ کار اور ذمہ دار مشیروں نے مدد دی تھی۔"

وزیر ہند کی مجوزہ کونسل کے متعلق اس نے حسب ذیل عرض کیا:۔

"یہ کہ سائلوں کی نظروں میں ہندوستان کے لئے اس سے بدتر حکومت کوئی اور نہیں

ہو سکتی کہ ایک وزیر ایسی کونسل کی برائے نام مدد سے اس پر حکومت کرے جس سے مشورہ لینے یا نہ لینے کی اس کو اپنی مرضی کے موافق آزادی حاصل رہے .... یہ کہ کوئی جماعت ہی وزیر کی شریک حکومت کیوں نہ بنادی جائے لیکن اگر اس سے وزیر کے افعال کی روک تھام نہ ہو سکے گی تو پھر وہ وزیر کے لئے ٹٹی کی اوٹ بن جائے گی .... یہ کہ سائلوں کو یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ کسی کونسل کو جس کے سب ارکان کا تقرر تاج برطانیہ کی طرف سے ہو رائے اور فعل کی وہی خودمختاری حاصل رہے گی جو مجلس نظماء کا خاصہ رہی ہے ... یہ کہ سائلوں کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ اگر نگرانی کرنے والی جماعت کلیتاً وزیر ہی کی مامور کردہ ہو تو پھر کیونکر پارلیمنٹی گروہ کے اس خودمختارانہ اثر کو جو اب تک نظم و نسق ہند کی نیز اس ملک کے اہم ذمہ دارانہ خدمات پر تقررات کرنے کے اقتدار کی، ایک امتیازی خصوصیت رہا ہے آئندہ برقرار رکھنے کی توقع کی جا سکتی ہے ۔"

ہر طرف سے دو عملی پر جو طعن و تشنیع ہو رہی تھی اس کے متعلق عرض کیا گیا تھا "پارلیمنٹی دستور میں نہ صرف دو عملی بلکہ سہ عملی کا ہونا نقص نہیں بلکہ بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے ۔ سائلوں کی دانست میں حاکمانہ اقتدار البتہ واحد ہونا اکثر مفید ہے کیونکہ ہر بات کا بروقت اور فوری عمل میں آنا ایک امر ناگزیر ہے ۔ لیکن سابقہ تجاویز پر نہایت غور و خوض کے بعد اظہار رائے اور آئندہ کی حکمت عملی کے لئے اصول کا مقرر کرنا سائلوں کے خیال میں ایک ایسا کام ہے جس میں ایک سے زیادہ اشخاص کا اتفاق آراء ہو سکتا ہے اور ہونا بھی چاہئے ۔ ایسی جماعت میں دو عملی کا ہونا کوئی نقص نہیں اور اس جماعت کا واحد ہونا کوئی خوبی نہیں ۔"

اس عرضی کے پیش کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوا ۔ لارڈ پامرسٹن نے کمپنی کی حکمرانی برخاست کرنے اور حکومت ہند کی آئندہ تشکیل کے لئے اپنا مسودہ قانون پارلیمنٹ میں پیش کر دیا ۔ اس میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ نظم و نسق کا وہ حصہ جو انگلستان میں واقع تھا ایک کونسل کے جو آٹھ ارکان پر مشتمل تھی اور سکریٹری کے میر مجلس کے ہاتھوں میں رہنا چاہئے ۔ ان سب کا تقرر تاج برطانیہ کی طرف سے عمل میں آنا ضروری ہے اس کونسل کے ارکان ہشت سالہ میعاد کے لئے مقرر ہوں گے اور ان میں ہر سال

ڈو ڈو باری باری سے علیحدہ ہوتے رہیں گے۔ جب یہ مسودہ دوسری مرتبہ دارالعوام میں پڑھا گیا تو منظور کر لیا گیا لیکن آخری منظوری سے پہلے لارڈ پامرسٹن کی حکومت مسودہ قانون سازش کی بنا پر جس کا منشا شہنشاہ فرانس کو ان سیاسی مجرموں کی چالبازیوں اور سازشوں سے بچانا تھا جو انگلستان میں پناہ گزیں تھے زوال آگیا۔

اس کے بعد لارڈ ڈاربی نے "قدامت پسند" حکومت قائم کی جس میں مسٹر ڈزریلی وزیر مال نے اپنا جدید مسودہ قانون ہند پیش کیا جو نہایت پیچیدہ ناقابل عمل اور مضحکہ خیز تھا۔ اس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ کونسل ہند دو طرح کے ارکان پر مشتمل ہونی چاہیئے ایک تو وہ جنہیں تاج برطانیہ نے مامور کیا ہو اور دوسرے وہ جن کو مانچسٹر وغیرہ شہروں کے باشندوں اور ایسٹ انڈیا حصص کے قابضوں نے منتخب کیا ہو۔ مسٹر ڈزریلی کے اس منصوبے کا وہ مضحکہ اڑایا گیا کہ اس تہمت و جہالت سے یہ تجویز بالائے طاق ہو گئی۔ اس مسودہ قانون کے متعلق لارڈ پامرسٹن نے وہی کہا جو ڈون کوئکسوٹ کے متعلق کہا گیا تھا یعنے جب کبھی اس نے کسی کو رستہ چلتے ہوئے ہنستا دیکھ لیا تو اس کو یقین تھا کہ وہ شخص مسٹر ڈزریلی کے مسودہ قانون پر کہیں سے بحث کر کے چلا آ رہا ہے!" ایسٹر کی تعطیل کے بعد جب دارالعوام کا اجلاس پھر ہوا تو اس وقت اس مسودہ قانون کی تائید کرنے والا ایک نہ تھا۔

مجلس نظماء نے ان دونوں مسودات قانون کی خوب چھان بین کی اور اس کے بعد جان اسٹوارٹ مل کے قلم کی ایک مدلل اور بے باک رپورٹ مجلس ارکان کمپنی کی خدمت میں پیش کر دی۔ اس کا ایک فقرہ ایسا ہے جو قارئین کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہے۔

"ان مشکلات کے (ایک قوم کے دوسری قوم پر حکومت کرنے سے پیدا ہوتے ہیں) رفع کرنے کا طریقہ جو اس مسودہ قانون میں پیش کیا گیا ہے وہ صرف ایک وزیر کو غیر محدود اختیارات تفویض کر دینا ہی ہے۔ ان دونوں مسودات قانون میں اس بارے میں کوئی اہم فرق نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس وزیر کو ایک کونسل بھی دی جائے گی لیکن مطلق العنان سے مطلق العنان حکمران بھی کونسل رکھتے ہیں۔ ایک مطلق العنان حکمران کی کونسل اور ایک ایسی کونسل جو حکمران کو مطلق العنان

ہونے نہیں دیتی ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایک تو مطلق العنان حکمراں کی دست نگر بنی رہتی ہے اور دوسری بالکل خود مختار رہتی ہے۔ ایک کو تو کچھ اختیار رہتا نہیں ہوتا اور دوسری کو کچھ اختیار ضرور ہوتا ہے پہلے (یا مرسٹن کے) مسودۂ قانون کی رُو سے کونسل کے تمام ارکان تاج برطانیہ ہی کی طرف سے مامور ہوتے ہیں دوسرے (ڈزرے لی کے) مسودۂ قانون کی رُو سے ان میں سے صرف آدھے اس طرح مامور ہوتے ہیں ان دونوں کی رو سے جملہ فرائض کی انجام وہی چند معمولی باتوں کے بہ استثناء وزیر کی صوابدید اور اختیار تمیزی ہی پر منحصر ہے[۱]

اس استدلال کا جواب ہی نہیں دیا جا سکتا۔ نصف صدی گزر جانے کے بعد اصحاب فکر کی یہی رائے ہوگی کہ اگر ایک قوی اور خود مختار مجلس شوریٰ پہلے سے ایسی ہوتی جو وزیر کے افعال کو اعتدال پر لا سکتی تو اس سے ہندوستان کے معاملات کا انتظام بھی بہتر ہو جاتا۔ نظماء کمپنی کی مجلس اسی قبیل کی تھی مگر وہ اہل ہند کے اغراض کی نہیں بلکہ صرف کمپنی کے حصہ داروں کے اغراض کی ترجمانی کرتی تھی۔ قدیم نظام میں نقص یہی تھا اور اس خرابی کی اصلاح ضروری تھی۔ لیکن ۱۸۵۸ء میں پارلیمنٹ نے جو تنظیم جدید کی اس میں اس نقص کو دور نہیں کیا۔ مجلس نظماء کا سب اقتدار نیست و نابود کر دیا لیکن نظم و نسق کی جدید تنظیم میں ایک ایسی خود مختار مجلس شوریٰ کے لئے جو اہل ہند کی نمایندہ ہو اور ان کے اغراض اور فلاح و بہبود کو ہمیشہ پیش نظر رکھے کوئی گنجایش ہی نہیں رکھی۔

مسٹر ڈزرے لی کے مسودۂ قانون کا تو فیصلہ ہو چکا تھا اس لئے ایک نیا قانون مرتب کرنے کی ضرورت داعی تھی۔ اس وقت یہ تحریک منظور ہوئی کہ جدید منصوبے کے اصول پر دارالعوام میں بحث کر لی جائے اور دونوں سیاسی گروہ مل کر ایک مسودۂ قانون پیش کریں۔ چنانچہ یہی ہوا اور نیا مسودۂ قانون اگست ۱۸۵۸ء میں نافذ ہوا جو "بہتر حکومت ہند کے قانون" کے نام سے مشہور ہے۔

اس قانون کے ۷۵ باب ہیں اور چونکہ اب بھی نظم و نسق ہند میں اسی کے مطابق عمل ہوتا ہے اس لئے اس کی اہم دفعات کے متعلق یہاں کچھ کہنا ضروری ہے

ایسٹ انڈیا کمپنی کی علمداری ملکۂ معظمہ کے مفوض کردی گئی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی اور مجلس نظم کے اختیارات وزیر ہند کو تفویض کردیے گئے۔ وزیر ہند کو ایک کونسل بھی دی گئی تھی جو پندرہ ارکان پر مشتمل تھی اور یہ ارکان بشرطیکہ نیک چلن رہیں ہمیشہ کونسل کی خدمت پر رہ سکتے تھے اور ہر رکن کو ہندوستان کے محاصل سے سالانہ ۱۲۰۰ پونڈ تنخواہ ملتی تھی۔ وزیر ہند کا مشاہرہ اور اس کے عملے کی تنخواہیں سب ہندوستان کے خزانے ہی سے ادا ہوتی تھیں۔

چند مخصوص معاملات کے استثناء جن کا ذکر اس قانون میں کردیا گیا تھا اور سب معاملات میں وزیر ہند اس بات کا مجاز تھا کہ وہ چاہے تو غلبۂ آراء کے خلاف عمل کرے اور صلح و جنگ کے مسائل میں (جن کو اب تک مجلس نظم نظماء کی مجلس معاملات راز کے توسط سے طے کرتی تھی) وزیر ہند کو اختیار حاصل تھا کہ اپنی کونسل کے استمزاج یا اطلاع کے بغیر ہند پر براہ راست احکام صادر کرے۔

گورنر جنرل ہند اور گورنر بمبئی و مدراس کے تقرر کا اختیار خود ملکۂ معظمہ کے ہاتھ میں تھا اور لفٹنٹ گورنروں کا تقرر گورنر جنرل کرسکتا تھا۔ مگر اس شرط پر کہ ملکۂ معظمہ کے کوئی تقرر ناپسند نہ ہو۔ اس کے علاوہ امتحان مقابلہ میں کامیابی حاصل کرکے ہندوستان کی ملازمت دیوانی میں داخلے کے قواعد وزیر ہند کو ابھی مرتب کرنے تھے۔

اس قانون کی مالیات سے متعلق جو دفعات ہیں وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہیں۔ ان کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام کیپٹل اسٹاک (Capital Stock) پر مقسوم کے علاوہ کمپنی کا "مسکی" (Bond) "ادھار پٹہ" (Dbenture) اور دوسری شکل کا قرض جو برطانیۂ عظمیٰ میں واجب الادا تھا اور مقامی اور دوسری قسم کا وہ تمام قرض جو کمپنی کے ذمے تھا غرض یہ سب کچھ "ہندوستان کے محاصل ہی سے چونکہ قابل ادا تھا اس لئے محاصل ہند ہی سے ادا ہونا چاہئے"۔

اس عجیب و غریب دفعہ کی رُو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا "کیپٹل اسٹاک" (Capital Stock) اور تمام قرض ہندوستان کے سرکاری قرض میں شامل کردیا گیا اور اس "اسٹاک" (Stock) پر سود کی شکل میں سالانہ جو خراج ہندوستان اب تک ادا کرتا رہا

تھا وہ دوامی کردیا گیا۔ تاج برطانیہ نے شاندار شہنشاہی ہند کمپنی سے حاصل تو کرلی مگر اس کے لیے ایک حبہ بھی اس کو دینا نہ پڑا۔ جو اہل ہند نے اس کی قیمت ادا کی اور اب تک ادا کر رہے ہیں۔ ایک برطانوی مقبوضہ علاقہ ہی کے حق میں یہ ایسی بڑی ناانصافی تھی جس کی برطانوی شہنشاہی کی تمام تاریخ میں مثال نہیں ہے[1] اس ناانصافی سے ہندوستان میں لوگوں کی گردنیں جھکی جارہی تھیں بالخصوص جب کہ غدر کے فرد کرنے میں جو چار کروڑ پونڈ خرچ ہوئے تھے وہ بھی انھیں کے سر کر دیے گئے تھے۔

البتہ ایک مفید مالی شرط اس قانون میں عائد کی گئی تھی اور وہ یہ کہ "ملکہ معظمہ کے مقبوضات ہند پر کسی واقعی حملے کے انسداد یا مدافعت کے سوا یا اسی طرح کی ناگہانی شدید ضرورت کے بہ استثنا پارلیمنٹ کی بلا منظوری محاصل ہند سے کسی ایسی فوجی نقل و حرکت کے مصارف کے لیے استفادہ نہیں کیا جائے گا جو ان مقبوضات کے بیرون حدود وقوع میں آئیں خواہ اس زمانے میں ملکہ معظمہ کی ان افواج کے معمولی مصارف محاصل ہند ہی سے ادا کیوں نہ ہوتے ہوں"۔

اس منصفانہ اور مفید اصول کی بھی بدنصیبی سے اکثر خلاف ورزی ہوتی رہی ہے چنانچہ مصر اور ابی سینیا کی مہمات۔ افغانستان کی جنگ و جدل اور برما کی فتح کے سب مصارف ہندوستان کے خزانے ہی سے ادا ہوئے تھے۔

اس قانون کے نفاذ کے بعد مجلس نظم باقی نہیں رہی البتہ ایسٹ انڈیا کمپنی

---

[1] تاریخ انگلستان کے متعلمین کو ایسی بے شمار مثالیں یاد ہوں گی جہاں برطانیہ عظمیٰ نے اپنی نوآبادیات اور مقبوضات کے لیے سنگین مصارف برداشت کیے تھے لیکن بحیثیت مجموعی ایسے مصارف کا بار کسی اور پر نہیں ڈالا گیا تھا حتیٰ کہ سنہ ۱۹۰۰ عیسوی میں جب رائل نائیجر کمپنی سے برطانوی حکومت نے نائیجیریا بمعاوضہ ۰۰۰ ۸۶۵ پونڈ خرید لیا تو یہ رقم نائیجیریا کے محاصل میں محسوب نہیں کی گئی۔ حال ہی میں برطانیہ عظمیٰ نے جنوبی افریقہ کی شہنشاہی کے تحفظ و توسیع میں بیس کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ رقم صرف کی لیکن اس میں شک ہے کہ جنوبی افریقہ سے اس رقم کے ایک خفیف جز کے سوا کچھ اور وصول ہوگا۔

کا جو وہ اس لئے باقی رکھا گیا کہ وہ اپنے اسٹاک (Stock) پر ہندوستان کے محاصل سے منفع مقسوم وصول کر لیا کرے۔

ہندوستان کی آبادی کا کثیر حصہ ایسا ہی تھا کہ اس کو اس جدید قانون کے تسلط کا کچھ علم نہ تھا لیکن انہیں ملکۂ انگلستان کی تو خبر تھی اور اس نام کو اہل ہند بہت عزیز رکھتے تھے اور اس کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان لوگوں نے جب یہ سنا کہ شہنشاہی ہند ملکہ کے زیر انتظام ہو گئی ہے تو اس پر بڑی خوشیاں منائیں۔ اس وقت ہندوستان میں ایک مناسب موقع اعلان شائع کیا گیا اور یہ اعلان اہل ہند کو اس لئے بہت عزیز ہے کہ اس کے مندرجہ خیالات خود ملکہ کے خیالات تھے۔

اس اعلان کا مسوّدہ اوّل ملکۂ معظمہ کو پسند نہ آیا۔ ملکہ نے لارڈ ڈاربی کو یہ کہہ کر دوسرا مسوّدہ لکھنے کا حکم دیا کہ "ملحوظ خاطر رہے کہ یہ اعلان ایک فرماں روا عورت کی طرف سے دس کروڑ سے زیادہ اہل مشرق کے نام ہے اور اس فرماں روا عورت نے اس موقع پر زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی ہے اور ایک خونریز جنگ کے بعد وہ اپنی مشرقی رعایا سے نیا عہد و پیمان کرتی ہے جس کا ایفا اس کی آئندہ حکومت پر منحصر رہے گا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے حکومت کے اصول کی بھی توضیح کر دی جائے ایسے اعلان میں جو بمنزلہ سند ہے۔ فیاضی، نیک نیتی اور مذہبی رواداری کے جذبات پھونک کر بھر دینا چاہیئے اور یہ بتانا چاہیئے کہ تاج برطانیہ کی دوسری رعایا کے ساتھ ہندوستانی رعایا کی مساوات قائم ہو جانے سے اس کو کیا کیا مراعات و حقوق حاصل ہو جائینگے اور کس طرح تمدن کے پیچھے پیچھے تمول و خوشحالی کے قدوم میمنت لزوم آئیں گے۔"

اپنی ہندوستانی رعایا کے متعلق ملکہ کے جذبات اس طرح کے تھے اعلان کا جدید مسوّدہ ملکہ کے حسب منشا مرتب کیا گیا اور یہ اس عظیم الشان موقع کے سزاوار بھی تھا۔ اہل ہند اس اعلان کو اپنا "منشور حقوق" سمجھتے ہیں اس لئے اس سند کو جو کچھ ایسی طویل نہیں ہے ابتدا سے انتہا تک یہاں نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اعلان ملکۂ معظمہ بہ اجلاس کونسل بنام والیان ریاست و سرداران

ورعایائے ہند۔

"وکٹوریہ بہ فضل خدا ملکۂ بادشاہی متحدۂ برطانیۂ عظمے وآئرلینڈ و نوآبادیات و مقبوضات واقع یورپ وایشیاء و افریقہ وامریکہ و آسٹریلیا محافظ دین۔

"ہرگاہ مختلف معقول وجوہ پر دینی اور دنیوی امراء اور والدالعوام کے مشورے اور رضامندی سے ہندوستان کے علداریوں کی جواب تک بطور ہماری امانت کے معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام تھیں زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کا تصفیہ مابدولت نے کیا ہے"

"بناءبرآں حاضرین کے ذریعہ سے مابدولت عوام کی آگاہی اور اطلاع کے لئے اعلان کرتے ہیں کہ مذکور الصدر جماعتوں کے مشورے اور رضامندی سے مابدولت حکومت مذکورہ کی عنان اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور مذکورہ علداریوں کی تمام رعایا کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ہمارے اور ہمارے ورثاء اور جانشینوں کے ساتھ ہمیشہ وفادار رہے اور انھیں کی حقیقی اطاعت پر کمربستہ رہے۔ اور جن کو مابدولت زمانۂ مابعد میں وقتاً فوقتاً مابدولت کے نام سے اور مابدولت کی طرف سے مابدولت مذکورہ علداریوں پر حکومت کرنے کے لئے مقرر کرنا مناسب خیال کریں ان کے اقتدار کے آگے سر تسلیم خم کرے"

"اور مابدولت اپنے فرزند جگر بند او رمشیر و معتمد علیہ چارلس جان وائکونٹ کیننگ کی عقیدت و وفاداری قابلیت اور رائے پر خاص اعتماد و اعتبار کر کے وائکونٹ کیننگ مذکور کو مذکورہ علداریوں پر اور مذکورہ علداریوں میں اس اعلان کی رو سے مابدولت کا پہلا وائسرائے اور گورنر جنرل اس لئے مقرر کرتے ہیں کہ وہ مابدولت کے نام سے وہاں کی حکومت کا نظم و نسق کریں اور مابدولت کے نام سے اور مابدولت کی طرف سے عام طور پر سب کچھ کریں بجز اس صورت کے کہ مابدولت کے ایک وزیر اعلیٰ کے توسط سے وقتاً فوقتاً احکام و قواعد مابدولت اس کے نام صادر کریں جو اس کے لئے واجب التعمیل ہوں گے"

"اور مابدولت اس اعلان کے ذریعہ سے ان تمام اشخاص کے تقرر کی جن کو معزز ایسٹ انڈیا کمپنی نے مختلف دیوانی اور فوج کی خدمتوں پر مامور کیا ہے اس شرط پر توثیق کرتے ہیں کہ ان کا انحصار مابدولت کی مرضی پر اور ایسے قوانین

وتواعد پر رہے گا جو اُس کے بعد نافذ ہوتے رہیں گے"

"ما بدولت ہندوستان کے دیسی والیانِ ریاست کی آگاہی کے لیے یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ ان تمام معاہدات اور شرائط و اقرار کو جو معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیرِ اقتدار یا براہِ راست اُن سے طے ہوئے تھے ما بدولت بھی قبول کرتے ہیں اور بلا کم و کاست بہ احتیاط تمام ما بدولت ان سب کو برقرار رکھیں گے اور والیانِ ریاست سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بھی ان کی پابندی کریں گے"

"ہمارے موجودہ مقبوضات کے رقبے میں ما بدولت اضافہ کرنا نہیں چاہتے اور درآں حالیکہ ما بدولت کی قلمرو یا حقوق پر حملے کا اقدام کرنے والوں کو ما بدولت بغیر سزا دیئے نہ چھوڑیں گے اسی طرح ما بدولت دوسروں کی قلمرو یا حقوق پر دست اندازی کرنے کی کبھی منظوری نہیں دیں گے ما بدولت دیسی والیان ریاست کے حقوق عزت اور مرتبے کا وہی لحاظ و احترام کریں گے جو اپنے حقوق عزت اور مرتبے کا کرتے ہیں اور ما بدولت کی دلی خواہش یہی ہے کہ دیسی والیانِ ریاست نیز ما بدولت کی رعایا اس خوش حالی اور معاشرتی ترقی سے بہرہ اندوز ہو جو صرف اندرون ملک امن اور اچھی حکومت قائم رکھنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے"

"ما بدولت اقرار و تسلیم کرتے ہیں کہ ما بدولت کی ہندوستانی عملداریوں کی دیسی رعایا کے ما بدولت پر وہی حقوق و فرائض ہیں جو ما بدولت کی سب دوسری رعایا کے ہیں۔ اور یہ اقرار و فرائض خدائے عزوجل کی برکت سے ما بدولت نہایت دیانت اور ایمانداری کے ساتھ پورے کریں گے"

"دینِ عیسوی کی صداقت پر پورا بھروسہ اور اعتقاد رکھنے اور دینی تسلی اور اطمینان کے مرہون منت ہونے کے باوجود ہمیں یہ خیال و حق نہیں ہے کہ اپنے کسی فرد رعایا کو اپنے عقائد منوانے کی کوشش کریں۔ ما بدولت اس اپنی شاہانہ مرضی اور ارادے کا اعلان کرتے ہیں کہ کوئی فرد بشر اپنے ایمان اور مذہبی رسوم ادا کرنے کی بنا پر نہ تو مورد الطاف و کرم ہوگا اور نہ اس کو کوئی مزاحمت بے جا سے پریشان کر سکے گا بلکہ مساوات اور غیر جانبداری کے ساتھ قانون سب کے حقوق کی حفاظت کرے گا ما بدولت ان سب لوگوں پر جنہیں ہمارے تحت اقتدار دیا گیا ہے

یہ واجب و فرض کرتے ہیں کہ وہ مابدولت کے سخت سے سخت عتاب اور ناخوشی کے ڈر سے مابدولت کے کسی فرد رعایا کے مذہبی عقیدے یا عبادت میں مخل ہونے یا کسی قسم کی مداخلت کرنے سے ہر وقت احتراز کریں "

" اور یہ بھی مابدولت کا ارادہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مابدولت کی رعایا کے افراد کو خواہ ان کی نسل یا مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو مابدولت کی ملازمت میں بلا قید اور بلا تعصب وطرفداری کے شریک کیا جائے گا بشرطیکہ وہ تعلیم یافتہ لائق اور دیانتدار ہونے کی وجہ سے اپنے فرائض منصبی کما حقہم انجام دینے کے قابل ہوں "

" ویسیوں کو ان کے آبائی ورثے میں جو اراضی ملی ہے اس کے ساتھ جو خاص دل لگی ہے اس کا مابدولت بھی خاص لحاظ کرتے ہیں اور مابدولت کی خواہش یہی ہے کہ ایک واجبی مطالبہ سرکار کے ساتھ ساتھ ان کے جملہ حقوق متعلقہ اراضی ہر طرح محفوظ رہ جائیں اور مابدولت کی مرضی اور ارادہ یہی ہے کہ قانون مرتب کرنے اور اس پہ عمل کرنے میں قدیم حقوق اور رسم و رواج ملک کا واجبی لحاظ کیا جائے "

" مابدولت کو ان خرابیوں اور مصیبتوں پر سخت افسوس ہوتا ہے جو ان خود غرض اور خود نما اشخاص کے افعال سے ہندوستان پر نازل ہوئیں جنھوں نے غلط خبریں پھیلا کر اپنے ہم وطن لوگوں کو دھوکہ دیا اور بغاوت پر یوں آمادہ کر دیا۔ میدان جنگ میں مقابلہ کرنے کے بعد اس بغاوت کو فرو کرنے میں مابدولت کی طاقت کا اظہار ہو چکا ہے۔ اب مابدولت ان لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرکے جو اس طرح رستہ بھٹک گئے تھے مگر اب اپنے فرائض کے سیدھے رستے پر واپس آنے کے خواہشمند ہیں اپنا عفو و کرم بھی بتانا چاہتے ہیں"

" اس وقت تک ایک صوبے میں تو اور زیادہ خون ریزی مسدود کر دینے اور مابدولت کی ہندوستانی قلمرو میں عجلت سے امن قائم کرنے کے لئے مابدولت کے وائسرائے اور گورنر جنرل نے چند خاص شرائط پر ان میں سے اکثر لوگوں کی خطائیں معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے جو مابدولت کی حکومت کے خلاف گزشتہ ناگوار ہنگامے میں احکام و قانون کی خلاف ورزی کے قصوروار تھے اور ان لوگوں کے

لیے سزا کا اعلان کر دیا ہے جن کے جرائم ناقابل معافی تھے۔ بادولت کے وائسرائے اور گورنر جنرل کے افعال مذکور کو بادولت بہ نظر پسندیدگی دیکھتے ہیں اور ان کی توثیق کرتے ہیں اور اب مزید حسب ذیل امور کا اعلان کرتے ہیں کہ:-

"بادولت کے مراحم خسروانہ اور عفو شاہانہ سب قصور وار اور خطا کار اشخاص کے شامل حال رہیں گے بجز ان لوگوں کے جن پر رعایائے برطانیہ کے قتل میں براہ راست حصہ لینے کا الزام ثابت ہو چکا ہے یا ہوگا۔ کیونکہ ان کے حال پر عفو و کرم کرنا مقتضائے انصاف نہیں۔"

"ان لوگوں کو جنھوں نے دیدہ و دانستہ قاتلوں کو برضا و رغبت اپنے پاس پناہ دی تھی یا خود اس بغاوت میں بہ حیثیت اغوا کنندہ یا سرغنہ با غیاں حصہ لیا تھا صرف اپنی جان کی امان ملے گی لیکن ایسے اشخاص کے لیے مناسب سزا تجویز کرنے میں ان حالات کا بھی پورا پورا لحاظ کیا جائے گا جن کے زیر اثر یہ لوگ سرکار کی اطاعت سے منحرف ہو گئے تھے اور ان لوگوں کے ساتھ بہت کچھ مراعات روا رکھی جائیں گی جن کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ مفسدہ پرداز اور شفقی اشخاص کی جھوٹی خبریں پھیلانے سے انھوں نے ان خبروں کو باور کر لیا تھا اور اسی لیے وہ مرتکب جرائم ہوئے تھے"

"دوسرے ان تمام لوگوں کو جنھوں نے حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے بادولت اس اعلان کے ذریعہ سے ان تمام خطاؤں پر جو ہمارے ہمارے تاج و تخت اور شان و شکوہ کے خلاف ان سے سرزد ہوئے تھے ایسی غیر مشروط معافی اور جاں بخشی کرنے کا وعدہ کرتے ہیں جس سے ان کی خطائیں نسیاً منسیاً ہو جائیں بشرطیکہ وہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو کر اپنے سابقہ پرامن مشاغل میں پھر سے مصروف ہو جائیں"

"یہ بادولت کا ارادہ شاہانہ ہے کہ معافی اور جان بخشی کے یہ سب مراعات ان تمام لوگوں کو عطا کیے جائیں جو آئندہ جنوری کی پہلی تک ان سب شرائط کو قبول کر لیں"

"جب پروردگار کی برکت سے اندرون ملک امن و امان از سر نو قائم ہو جائے گا

توما بدولت کی سچی خواہش یہی ہے کہ ہندوستان کی پُرامن حرفت کو ابھارا جائے۔ ترقی ورفاہ عام کے کاموں کو فروغ پر پہنچایا جائے اور اسی نہج پر حکومت کی جائے کہ وہاں کے تمام باشندوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ ان کی خوش حالی ہماری قوتِ بازو ہے۔ ان کی قناعت ہماری معاون و مددگار اور ان کا شکر و احسان شناسی ہماری جزا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ جس کو سب عظمت و قوت سزاوار ہے ایسا کرے کہ ہمیں اور ہمارے زیر دست ارباب اقتدار کو رفاہ عام اور رعایا کی فلاح و بہبود کی ان سب تمناؤں کو برلانے کی توفیق عطا فرمائے۔"

دوسری کتاب

(عہد ملکۂ وکٹوریہ)

سنہ ۱۸۵۸ء تا سنہ ۱۸۷۶ء

پہلا باب

کیننگ ۔ الگن اور لارنس

جنگ کریمیا کے بعد امن ۔ تخفیف مصارف اور اصلاح کا دور شروع ہو گیا۔ اگرچہ لارڈ پامرسٹن ان سب وزرائے خارجہ میں جو آجتک گزرے ہیں کبھی نچلا بیٹھنے والا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن جب قوم کی قوم امن پسند ہو گئی تو بحیثیت وزیر اعظم اس کو بھی مجبوراً امن پسند بننا پڑا۔ تاریخ عالم میں یکے بعد دیگرے اہم واقعات ظہور پذیر ہوئے تھے۔ پروشیا نے ڈنمارک کے متعدد صوبے فتح کر لئے تھے اور ہر طرح سے توسیع عملداری کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ روس نے مشرق کی طرف فوجیں بھیجنے کی ٹھان لی تھی۔ لارڈ پامرسٹن چپ چاپ سب کچھ دیکھتا رہا اور آنکھ تک نہیں جھپکائی۔ اگرچہ اقوام یورپ کو بہت بڑے عروج پر یوں پہنچا دیکھ کر رشک و حسد کی آگ اس کے سینے میں شعلہ زن ضرور تھی مگر ان میں مداخلت کرنے کی اس کو ہمت نہیں ہوتی تھی اور ۱۸۶۵ء میں جب کہ اس کے ملک میں امن قائم تھا اس نے وفات پائی۔

انگلستان میں اس وقت ملکی اصلاحوں کا دور دورہ تھا مسٹر گلیڈسٹن وزیر

مال وقت نے ایسی بڑی بڑی مالی اصلاحیں کی تھیں کہ رفتہ رفتہ تجارت کے اوپر سے سب قیود اٹھا دئیے گئے۔ مسٹر کابڈن نے ۱۸۵۹ء میں فرانس کے ساتھ اپنے تجارتی معاہدے کی تکمیل کی۔ ۱۸۶۰ء میں کاغذ کا محصول اٹھا دیا گیا۔ دوسرے محصولات بھی موقوف کر دئیے گئے اور اس کے باوجود توفیر تجارت کے ساتھ ساتھ سرکاری محاصل میں دن دونا رات چوگنا اضافہ ہوتا گیا۔

لارڈ پامرسٹن کی وفات کے بعد پارلیمنٹ میں "مسودۂ قانون اصلاح" پیش کیا گیا جو نامنظور ہوا۔ لیکن خود قوم ایسے قانون کا مطالبہ کر رہی تھی اس لئے ایک اور "مسودۂ قانون اصلاح" جس کو مسٹر ڈزرے لی نے پیش کیا تھا منظور ہو گیا۔ لارڈ پامرسٹن کے بجائے ۱۸۶۸ء میں مسٹر گلیڈسٹن وزیر اعظم ہوا اور اس کے انس پہلے نظم ونسق میں کئی نمایاں اصلاحیں ہوئیں۔ کلیسائے آئرلینڈ کی سرکاری امداد موقوف کر دی گئی۔ پہلا "قانون اراضی آئرلینڈ" نافذ ہوا فوج میں بھی اصلاح کی گئی "قانون قرعہ اندازی" بھی نافذ کیا گیا۔ عدالت عالیہ کا قیام عمل میں آیا۔

تاج برطانیہ کے نظم ونسق کے ابتدائی اٹھارہ سال تک تاریخ ہندوستان میں بھی اسی پر امن ترقی کا عکس نظر آتا ہے لارڈ کیننگ ہندوستان کا پہلا وائسرائے مامور ہوا۔ کیننگ کے "عفو وکرم" پر جو لوگ حد درجہ معترض تھے اور جنھوں نے اس کی بازطلبی کے لئے درخواستیں بھی دی تھیں ان میں بمشکل چند ہی ایسے تھے جنھیں یہ معلوم تھا کہ اس نے کتنا مہتم بالشان کام انجام دیا اور کیسی آزمائش سے گزرا تھا۔ غدر کے تاریک زمانہ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ اس خاموش ان تھک کارکن نے دن کا بہت بڑا حصہ اور رات رات بھر کام کرتے گزار دی ہے۔ موسم سرما میں ایک دن آدھی رات سے دوپہر تک وہ ناشتہ کئے بغیر بلا وقفہ اور سستائے بغیر کام کرتا رہا اس کے بعد مضمحل ہو کر پڑ گیا کیونکہ اتنی دیر تک مسلسل کام کرتے رہنے سے دماغ ناکارہ سا ہو جاتا ہے اور اکیلا کیننگ ہی ایسا نہ تھا جس پر کام کا اتنا بوجھ تھا۔ اس کی بیوی بھی اس کی تشویش اور تردد میں شریک تھی اور اکثر اس کے ساتھ عرق ریزی کرتی رہتی تھی۔ وہ رات رات بھر جاگتی اور راز کے ان تمام خطوط ومراسلات کی نقل کرتی رہتی تھی جنکو معمولی

سرکاری ذرائع سے نہیں بھیجا جاتا تھا۔ جیسا ان دونوں نے یہ بارگراں اپنے سر لیا تھا ویسے نمایاں کامیابی بھی انھوں نے حاصل کی۔

آخر کار غدر ختم ہوا۔ یکم نومبر ۱۸۵۸ء میں ایک بڑا دربار الہ آباد میں منعقد کیا گیا جس میں لارڈ کیننگ نے اعلان شاہی حاضرین کو پڑھ کر سنایا۔ اس وقت تک ہندوستان میں جتنے دربار ہوئے تھے ان میں یہ دربار سب سے بڑا تھا۔ اس میں تزک و احتشام نمائش کی حد تک نہیں پہنچا تھا اور ایسی جھوٹی شیخی نہیں دکھائی گئی تھی جس کا کسی پر کچھ اثر ہو۔ ایک اور دربار میں جو کانپور میں منعقد ہوا تھا وائسرائے نے ایک نہایت ہی مبارک اعلان کیا یعنے راجاؤں اور رؤسا کی رسم تبنیت کے خلاف جو قاعدہ سابق میں رائج کیا گیا تھا اور جس کی وجہ سے کئی خاندان ختم ہو چکے تھے وہ منسوخ کر دیا۔ ملکہ کی حکومت نے تبنیت کی قدیم رسم کو جو ہندوستانی والیان ریاست میں زمانۂ دراز سے چلی آئی تھی تسلیم کر لیا۔ یہ سنکر ہندوستان کے ہر والئی ریاست اور سردار نے بہ اطمینان سانس لی۔ قوم نے بھی تاج برطانیہ کے اس جدید نظم و نسق پر نعرہا ے تحسین بلند کئے۔

اپنے اس بڑے دورے کے اثناء میں لارڈ کیننگ نے شمالی ہند اور پنجاب کے بڑے بڑے شہروں کا معائنہ کیا اور فروری ۱۸۶۰ء میں پشاور کے سرحدی مقام پر پہنچ گیا۔ واپسی پر اس نے چند روز کے لئے شملے میں قیام کیا اور مئی کی گرمی میں کلکتے واپس آیا۔ مسلسل کام کرتے رہنے سے اس کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ لیکن صحت کا خیال اس کے فرائض کی انجام دہی میں حائل نہ تھا۔ موسم خزاں میں اس نے ایک اور کٹھن دورہ شروع کیا اور جبل پور میں ہو کر سندھیا اور وسط ہند کے دیگر رؤسا سے ملنے کے لئے ایک اور دربار منعقد کیا۔ غدر کے بعد والیان ریاست اور اہل ہند سے ملاقات کرنے کے لئے اس کو ہر جگہ جانا ناگزیر تھا کیونکہ ان سب کو اطمینان دلانا اور ان میں عقیدت اور وفاداری کے جذبات پیدا کر کے شہنشاہی کا استحکام کرنا نہایت ہی ضروری تھا۔

۱۸۶۱ء میں لارڈ کیننگ پر ایک بڑا حادثہ گزرا یعنے شمالی ہند کے دورے سے واپسی پر اس نے اپنی بیوی کو سخت علیل پایا دارجیلنگ سے واپس

آتے ہوئے لیڈی کیننگ ترائی کے بخار میں مبتلا ہوگئی تھی اور اس مہلک مرض سے وہ روز بروز ناتوان ہوتی گئی حتی کہ نومبر میں اس نے انتقال کیا اس حادثۂ جانکاہ سے ایسے انتھک کارگزار شخص کا بھی دل ٹوٹ گیا۔ اس کا خانگی معتمد لکھتا ہے کہ ''میں نے جب اس حجرے میں قدم رکھا جہاں نعش رکھی ہوئی تھی تو یہ خود دار اور کم سخن شخص اپنے آنسو پی نہیں سکتا تھا۔ اس نے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیکر اس زور سے دبایا جس سے اس کے جذبات کا پتہ چلتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دل پر کیا اثر ہوا ہے'' مارچ ۱۸۶۲ء میں جبکہ کیننگ لب گور پہنچ چکا تھا اس وقت ہندوستان سے وہ وطن واپس ہوا۔

عصر حاضر کی تاریخ ہند کے کسی دور میں بھی لارڈ ولیم بنٹنگ کے پرخیر عہد حکمرانی کے علاوہ ایسی بڑی بڑی متعدد اصلاحیں اس قدر مختصر سی مدت میں کبھی وقوع پذیر نہیں ہوئیں جیسی لارڈ کیننگ کے عہد حکومت میں ہوئی تھیں اور ان سب میں اہم ترین کام جو اس نے کیا وہ ہندوستان کی زرعی دولت کو فروغ دینا تھا یعنے ایک ایسا انتظام قائم کرنا جس سے خود کاشتکاروں کو ان کی کاشت کا ثمرہ ملے۔ مسئلۂ اراضی ہی دراصل ہر زرعی قوم کی خوشحالی کی جڑ ہے اور لارڈ کیننگ نے اہل ہند کے مفاد میں اس سوال کے حل کرنے کی جو فیاضانہ کوششیں کی تھیں ان کا ذکر کسی آئندہ باب میں آئیگا۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ۱۸۵۹ء کے ''قانون بنگال'' سے اس صوبے کی زرعی آبادی کو وہ تحفظ حقوق حاصل ہوگیا جو اس سے پہلے کبھی ان کو حاصل نہیں ہوا تھا اس سے دس سال بعد جب مسٹر گلیڈسٹن نے ''قانون اراضی آئرلینڈ'' مرتب کیا تو اس وقت اسی قانون کے شرائط اس کے پیش نظر تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر لارڈ کیننگ نے یہ کیا کہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں رعایا کو زحمت دہ تجدید بندوبست اور روز افزوں مطالبات سرکاری سے محفوظ رکھنے کی ہر طرح کوشش کی۔ اگر اس کی تجویز پر عمل کیا جاتا تو ہندوستان میں آئندہ قحط کم پڑتے مگر ایسا نہیں کیا گیا چنانچہ انیسویں صدی عیسوی کے آخر ربع حصے میں قحط پر قحط پڑے اور یہ صورت حال تاریخ ہند کی ایک نہایت افسوسناک خصوصیت سی ہوگئی ہے۔

اعلیٰ تعلیم پر بھی اس وائسرائے نے خاص توجہ مبذول کی تھی ۱۸۵۷ء میں مدراس بمبئی اور کلکتے میں جامعۂ لندن کے نمونے پر جامعات قائم کئے گئے تھے۔ مغربی تعلیم کا روح پرور اثر آبادی کے ایک وسیع حلقے میں پھیلا ہوا تھا۔ بنگالے کے ممتاز ترین اہل قلم مثلاً اسور چندر ودیا ساگر اور مدہا سودن دتا اور بنکم چندر راجہ جی ۱۸۵۶ء کے دور کی ابتدا ہی میں مشہور آفاق ہو گئے تھے۔ لارڈ ولیم بنٹنگ کے زمانے سے اس وقت تک اس درجہ بلند خیالی اور اعلیٰ حوصلگی لوگوں میں کبھی نمایاں ہی نہیں ہوئی تھی جیسی ملکۂ وکٹوریہ کے عہد حکومت کی ابتداء میں اور اس کے پہلے وائسراؤں کی زیر پناہ ہوئی تھی۔

وضع قانون میں بھی لارڈ کیننگ کا نظم ونسق زمانۂ مابعد سے بالکل علیحدہ ہے۔ قانون تعزیرات ہند جس کا مسودہ مکالے نے پہلے ماموریۂ قوانین کے زمانے میں (۱۸۳۷ء) مرتب کیا تھا ۱۸۶۰ء میں منظور ونافذ ہوا۔ ضابطۂ دیوانی اور ضابطۂ فوجداری بھی نافذ کئے گئے اور ایک جدید قانون کی روسے کوتوالی کی تنظیم بھی عمل میں آئی۔

گورنر جنرل کی کونسل جو ۱۸۶۱ء کے قانون کے تحت جدید طرز پر قائم ہوئی تھی پانچ ارکان پر مشتمل تھی۔ خود لارڈ کیننگ نے ان ارکان میں کام تقسیم اور ہر ایک کو ایک علیحدہ محکمہ تفویض کر دیا تھا۔ اس طرح یہ کونسل دراصل ایک کابینہ بن گئی تھی جس کا صدر گورنر جنرل تھا۔ ہر رکن اپنے اپنے محکمے کے معمولی مسائل کا خود تصفیہ کر دیتا تھا اور صرف اہم معاملات گورنر جنرل کے ملاحظہ میں پیش کرتا تھا۔ اور گورنر جنرل اور رکن میں کسی مسئلے میں اختلاف رائے ہوتا تھا تو پھر ایسا مسئلہ بحث کے لئے کونسل میں پیش ہوتا تھا۔ نظم ونسق کا یہ نظام لارڈ کیننگ کی ایجاد ہے اور آج تک بھی یہی برقرار ہے۔ اس میں صرف ایک ہی نقص تھا جس کو اب دور کر دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ شہنشاہی کے نظم ونسق میں رائے عامہ کا کوئی نمایندہ شریک نہ تھا۔

عدالتی نظم ونسق کی بھی جدید تنظیم ہوئی تھی۔ ۱۸۶۱ء میں کمپنی کی صدر عدالت اور شاہی عدالت کے انضمام کے بعد مدراس بمبئی اور کلکتے میں ایک ایک عدالت عالیہ قائم ہوئی تھی۔ سر بارنس پی کاک ایک ممتاز قانون داں کلکتے کی عدالت عالیہ کا

میر مجلس مقرر ہوا تھا۔ راما پرساد رائے خلف راجہ رام موہن رائے پہلا ہندوستانی تھا جو کلکتے کی عدالت عالیہ کا رکن مقرر ہوا تھا لیکن اپنے تقرر کے چند دنوں بعد ہی اس نے انتقال کیا۔ اس کے جانشینوں میں سب سے زیادہ ممتاز دوارکاناتھ متھرا گزرا ہے جس کے صحیح فیصلوں اور بیباکانہ خود مختاری کو ہر شخص نظر تحسین سے دیکھتا تھا۔

فوج میں بھی جدید تنظیم کی گئی تھی ہندوستان میں کل ۷۰۰۰۰ انگریز سپاہی اور ۱۳۵۰۰۰ دیسی سپاہی تھے۔ اس کے بعد سے اس کثیر فوج میں کثیر اضافہ ہوا اور ایشیا اور افریقہ میں برطانیہ عظمیٰ کی شہنشاہی ضرورتوں کے لئے امدادی فوج کا کام بھی اسی سے لیا جاتا تھا۔

سب سے زیادہ مشکل مسئلہ جو لارڈ کیننگ کے درپیش تھا وہ مالیات کا مسئلہ تھا۔ برطانوی حکومت نے غدر کے تمام معرکوں کے مصارف کا بار ہندوستان کے مالیات پر ڈالنے کا تصفیہ کر دیا تھا۔ اس طرح ہندوستان کے قرض میں چار کروڑ پونڈ سے زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس قرض کے سالانہ سود کی رقم کثیر ہوئی تھی اور ہندوستان کے محصول ادا کرنے والوں سے اس مطالبہ کی تکمیل مطلوب تھی جیمس ولسن کو جو فن معاشیات کا ایک اچھا ماہر اور کچھ مدت تک انگلستان کے خزانۂ عامرہ کا معتمد مال تھا گورنر جنرل کی کونسل کا پہلا رکن مال مقرر کر کے ہندوستان بھیجا گیا اس نے پہلی دفعہ سرکاری زر کاغذی رائج کیا اور روز افزوں مصارف کی تکمیل کے لئے لوگوں پر محصول اجازت نامہ اور محصول آمدنی لگا دیا۔

ہندوستان میں لارڈ کیننگ کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ انگلستان اور ہندوستان میں رائے عامہ کے نقطۂ نظر سے پہلا سا بغض و حسد باقی نہ تھا۔ رفتہ رفتہ انگریز بھی اس پہلے اور سب سے بڑے وائسرائے کے متعلق زیادہ صحیح رائے قائم کرنے لگے تھے۔ لارڈ کیننگ کی خدمت میں جو الوداعی سپاس نامہ پیش کیا گیا تھا اس میں تحریر تھا کہ "اس مغربی سرزمین میں اگر انصاف اور انسانیت کبھی قابل اعزاز و احترام سمجھے جائینگے تو آپ کو وہاں کوئی ممتاز خدمت دینے کے سوا چارہ نہ ہوگا۔" لیکن لارڈ کیننگ کی قسمت میں اعلیٰ اعزاز لکھا نہ تھا۔ جون سنہ ۱۸۶۲ء میں

اپنی عمر کے پچاسویں سال اس نے وفات پائی۔ وسٹ منسٹر کی خانقاہ میں اس کے نامور باپ کی قبر کے نزدیک اس کی تدفین ہوئی۔ انگلستان کے نامور لوگوں کی طویل فہرست میں بہت سے نام ایسے نہیں نکلیں گے جو جورج کیننگ وزیر اعظم اور چارلس کیننگ ہندوستان کے پہلے وائسرائے کے نام نامی سے زیادہ روشن ہوں۔

لارڈ الگن مارچ ۱۸۶۲ء میں ہندوستان آیا اور لارڈ کیننگ کے جانشین کی حیثیت سے آپ کو اس کا ہم پلہ ثابت کیا۔ اس نے بھی کیننگ کی طرح صلح پسندی اختیار کی اور اہل ہند کے ساتھ بڑی ہمدردی دکھائی۔ انگریز لوگ اس کے باپ سے اس لئے زیادہ واقف ہیں کہ اس نے سنگ مرمر کے وہ انمول بت اتھنز سے خرید لئے تھے جو اسی کے نام سے اب مشہور ہیں اس مشہور باپ کا بیٹا لارڈ کیننگ کا ہم عمر اور آکسفرڈ میں اس کا ہم درس رہا تھا۔ ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۴ء تک کنیڈا کے گورنر جنرل کی حیثیت سے الگن نے خاص امتیاز حاصل کیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج لیکر چین جاتے ہوئے اس نے غدر کی جو خبر سنی تو فوراً اس چین کی مہم سے دست بردار ہوکر انگریزوں کی مدد کے لئے ہندوستان کا رخ کیا۔ اس کے پانچ سال بعد وائسرائے اور گورنر جنرل مقرر ہوکر ہندوستان آیا۔ ایک ایسے حکمراں سے جو اپنے کام سے اس قدر واقف اور اہل ہند کا اس درجہ ہمدرد تھا۔ بڑی بڑی توقعات تھیں۔ لیکن ہندوستان آنے کے ایک سال بعد اس نے انتقال کیا اس لئے نظم ونسق ہند پر اپنا نقش جمانے کی اس کو مہلت نہ ملی۔

اس وقت سوال یہ تھا کہ لارڈ الگن کا جانشین کون مقرر کیا جائے۔ ڈلہوزی اور کیننگ دونوں نے نظم ونسق ہند کی محنت شاقہ پر اپنے آپ کو قربان کردیا تھا اور جب وہ مرنے کے قریب ہوئے تو وطن واپس گئے۔ مگر الگن نے تو بمشکل دو سال ہندوستان میں گزارے تھے کہ اس کو پیغام اجل آگیا۔ اسوقت یہ خیال پیدا ہوا کہ جن لوگوں کے قویٰ ہندوستان میں ایک عمر گزار نے سے موسمی تغیرات کو برداشت کرلینے کے عادی ہوچلے ہیں وہی ہندوستان میں رہ کر

کام کرنے کے زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے سر جان لارنس مستحق ترین شخص تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس کو امیر کا خطاب نہ تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ سر جان شور کے سوا کوئی ہندوستان کی ملازمت دیوانی کا رکن مستقل طور پر گورنر جنرل کبھی نہیں ہوا تھا لیکن حالات ایسے غیر معمولی پیش تھے کہ مقررہ قاعدے سے ہٹنا ہی پڑا۔

"بہتر حکومت ہند کا قانون" لارڈ ڈاربی کی حکومت نے ۱۸۵۸ء میں منظور کیا تھا اور لارڈ ڈاربی کا بیٹا لارڈ اسٹینلی پہلا وزیر ہند مقرر ہوا تھا۔ ۱۸۵۹ء میں حکومت "قدامت پسند" کو زوال ہوا اور "جدت پسند" حکومت اس کی قائم مقام ہوئی جس میں سر چارلس وڈ وزیر ہند مقرر ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے زمانے میں سر چارلس وڈ مجلس نظم کا میر مجلس تھا اس نے اپنے ۱۸۵۴ء کے مشہور مراسلے میں ہندوستان میں تعلیمات کی از سر نو تنظیم کے لئے تجاویز پیش کئے تھے۔ اپنے عہدے کے فرائض کی انجام دہی کے لئے ہندوستانی معاملات کا اس کو خوب تجربہ تھا اور ہمیشہ اس کی رائے صائب ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اہل ہند کے حق میں ہر وقت انصاف کرنے پر وہ تُلا ہوا تھا اس کا نائب معتمد لارڈ واگر نے تھا جو بعد کو مارکوئیس رپن سے مخاطب ہوا اور ہندوستان کا وائسرائے مقرر ہوا۔

سر جان لارنس ۱۸۵۹ء میں کونسل ہند کا رکن مقرر ہوا تھا اور لارڈ اسٹینلی اور سر چارلس وڈ کے تحت چار سال سے کام کر رہا تھا۔ اسی زمانے میں لارڈ الگن کی وفات کے بعد وائسرائے ہند کی خدمت خالی ہوئی انگلستان میں رائے عامہ پنجاب کے اس کار آزمودہ اور جہاں دیدہ شخص کو اس خدمت کے زیادہ سزاوار سمجھتی تھی اور سر چارلس وڈ بھی اس سے اس قدر واقف تھا کہ اس کی رائے بھی یہی تھی۔ ۱۸۶۳ء میں ۳۰۔ نومبر کی صبح کو محکمۂ وزیر ہند میں سر چارلس وڈ سر جان لارنس سے اس کے کمرے میں جا کر ملا اور کہا کہ "آپ بہ حیثیت گورنر جنرل ہندوستان بھیجے جائینگے۔ میں ملکہ سے منظوری حاصل کرنے کے لئے اب ونڈزر جا رہا ہوں آپ یہیں میرا انتظار کیجیے"۔ اسی شام سر چارلس وڈ ملکہ کی منظوری حاصل کرنے کے بعد واپس آیا۔

سر جان لارنس جنوری سنہ ۱۸۶۴ء میں کلکتے آیا۔ وہ اہل ہند سے ایسا واقف تھا کہ بہت کم انگریز تھے اور خوش نصیبی سے اس کو مشیر بھی بہت اچھے ملے تھے۔ ہنری سمنر مین جو اپنے وقت کا غالباً سب سے بڑا مقنن تھا اس کا رکن قانونی تھا۔ سر چارلس ٹریولین کا سا تجربہ کار شخص جو تیس سال قبل بنٹنک اور مکالے کا رفیق کار رہ چکا تھا اس کا وزیر مال تھا اور رابرٹ نیپیر جو بعد کو لارڈ نیپیر مگڈالہ کے خطاب سے سرفراز ہوا اس کا فوجی مشیر تھا۔

البتہ ایک بے چین زبردست نے اس کو کچھ زحمت میں ڈالا۔ یہ سر بارٹل فریر گورنر بمبئی تھا جو شہنشاہیت کا بڑا طرفدار اور دلدادہ تھا۔ اس نے ایک یادداشت مرتب کی تھی جس میں سر جان لارنس کی سرحدی حکمت عملی پر حملے کئے تھے اور لارڈ الگن یا اس کے نامعلوم قائم مقام کے ملاحظے میں اس کاغذ کو پیش کرنے کا فریر کو خیال تھا۔ اتفاق سے سر جان لارنس ہی لارڈ الگن کا قائم مقام ہوا اور یہ کاغذ اسی کے ہاتھ لگا۔ لارنس نے اپنی خاص مردانہ طرز میں اس مابہ البحث حکمت عملی کے متعلق اپنی صفائی پیش کی۔ جب یہ کاغذ وزیر ہند سر چارلس وُڈ کے ملاحظہ میں پیش ہوا تو اس نے بجا طور پر یہ کہا کہ پنجاب کی حکمت عملی کے خلاف فریر نے جو شکایتیں کی ہیں ان سے بڑھ کر کوئی بے سروپا اور لغو جلد بازی نہیں ہو سکتی۔ اسراف اور اصلاح کے لمبے چوڑے منصوبے سوچتے رہنے میں فریر اسی قدر جلد باز تھا جس قدر لارنس محتاط اور کفایت شعار تھا اس لئے نئے وائسرائے کو اپنے جلد باز زبردست کی روک تھام کے لئے بہت کچھ کرنا پڑا۔

اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ء میں ایک بڑا دربار لاہور میں آراستہ کیا گیا۔ لارنس نے چھ سو والیانِ ریاست اور سرداروں کو ان کی اپنی زبان میں مخاطب کیا اور یہ وہ کام تھا جو اس کے قبل یا مابعد کا کوئی گورنر جنرل نہیں کر سکتا تھا۔ بھوٹان سے چند روز لڑائی رہی جس کے خاتمہ پر دوآر کا انگریزوں نے اس شرط پر الحاق کر لیا کہ اس کے نصف محاصل بھوٹان کی ریاست کو ادا کئے جائیں گے۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں ایک شدید قحط اوڑیسے میں پڑا۔ قحط زدہ لوگوں کی امداد معقول طریقے پر نہ ہو سکی اس لئے جانوں کا بہت نقصان ہوا۔ مسئلۂ اراضی حکومت کے مسلسل پیش نظر رہتا تھا لارڈ کیننگ

لئے بنگالی کاشتکاروں کے حقوق اراضی محفوظ کردیے تھے۔ لارنس نے بھی یہی مفید حکمت عملی پنجاب اور اودھ میں اختیار کی لارنس بھی لارڈ کیننگ کی رائے سے اس بارے میں بالکل متفق تھا کہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں اراضی پر مطالبۂ سرکار دوامی مشخص ہو جانا چاہیئے اور یہی اس لئے سفارش بھی کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ متوسط طبقے کو تقویت اور قوم کی زرعی دولت کو ترقی دیجائے کیونکہ وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ قوم کی فلاح وبہبود کا حکمرانوں کو سب سے پہلے خیال آتا تھا۔

سرجان لارنس نے اپنے نظم ونسق کی ابتداء میں فوجی مصارف جو ۱۳۱۸۲۰۰۰ پونڈ ہوتے تھے گھٹا کر اپنے نظم ونسق کے ختم تک ۱۲۹۹۰۰۰۰ پونڈ کردئے تھے۔ باایں ہمہ محاصل میں ہر سال کمی واقع ہورہی تھی چنانچہ اس کی پنج سالہ حکومت میں جملہ کمی تقریباً ۳/۱ ، ۳ لاکھ پونڈ ہوگئی تھی۔ رعایا پر جو محصولات تھے وہ انتہا تک پہنچ چکے تھے۔ اگر تجارت پر محصول لگایا جائے تو برطانوی تجار خاموش نہیں بیٹھے تھے بلکہ سخت اعتراض کرتے تھے اور حکومت ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ ۱۸۶۷ء میں سرجان لارنس نے وزیر ہند کو لکھا تھا کہ "اگر محصول اجازت نامہ نامنظور ہوگیا تو مجھ کو یقین ہے کہ وہ تمام محصولات جو غیر سرکاری یورپی جماعت کو متاثر کرنے والے ہیں اس کے بعد ناقابل عمل نتیجے بنینگے جہاں تک اُن کی آواز کی رسائی ہے اور ان کی شنوائی ہوگی وہاں تک یہ یورپی لوگ کسی قسم کے محصول کو پسند نہیں کرینگے کیونکہ ان کی خواہش ہی یہ ہے کہ تمام محصولات دیسیوں ہی کے بارگردن رہیں۔"

سرجان لارنس نے وزیر ہند کی کونسل کے ایک رکن سر ارسکن پیری کو خانگی طور پر یہ لکھا تھا کہ "ان معاملات میں ایک واجبی طرز عمل اختیار کرنے میں حکومت ہند کو بڑی بڑی مشکلیں درپیش ہوتی ہیں۔ اگر دیسیوں کی مدد کرنے کے لیئے کچھ کہا جاتا ہے یا کچھ کرنے کی کوشش کیجاتی ہے تو ایک شور مچ جاتا ہے جو سارے انگلستان میں گونجنے لگتا ہے اور ہر جگہ ہمدرد وحمایتی پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ میں ایسا پریشان ہو جاتا ہوں کہ مجھ کو کچھ نہیں سوجھتا۔ صرف اصول کی حد تک تو ہر شخص انصاف

واعتدال وغیرہ جیسی خوبیوں کا دلدادہ معلوم ہوتا ہے لیکن جب ان اصول پر کاربند ہونے کا موقع آتا ہے جس سے کسی کے اغراض متاثر ہوتے ہیں تو پھر اس شخص کے دل سے پوچھیے۔ وہ تو بالکل بدل جاتا ہے"

لارنس نے ہندوستانی قرض میں ایک ناروا اضافے کی زوردار مخالفت کی مگر اس میں کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ برطانیۂ عظمیٰ اور ملک تھیوڈور والی ابی سینیا میں ۱۸۶۷ء میں جنگ تھی اور یہ ایک چھوٹی سی لڑائی تھی۔ رابرٹ نے پیر کو جو اسوقت بمبئی کی افواج کا افسر اعلیٰ تھا اس مہم پر بھیجا گیا تھا اور مسٹر ڈزرے لی کے رنگین الفاظ میں سنٹ جورج کا جھنڈا راسیلاس کی پہاڑیوں پر گاڑ دیا گیا لیکن اس کے کثیر مصارف ہوئے اور ان کا بڑا حصہ نہایت ہی خسیس اور ناواجبی طریقے سے اس وقت ہندوستان پر ڈالا گیا جب کہ ہندوستان کی مالی حالت بہت ابتر تھی اور محاصل میں ہر سال کمی واقع ہو رہی تھی۔ سر جان لارنس نے لکھا "میں یہی صحیح سمجھتا ہوں کہ غدر میں جتنے ایسے انگریز سپاہیوں سے کام لیا گیا تھا جو انگلستان سے آئے تھے ان کے تمام مصارف ہندوستان ہی کے محاصل سے ادا کئے گئے تھے۔ مجھ کو یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۰ء میں ہندوستان سے اس ناواجبی کثیر التعداد سپاہیوں کے مصارف بھی وصول کئے گئے تھے جن کو ہندوستان کی خدمت بجالانے کے نام سے بے وجہ انگلستان کے متعدد مرکزوں پر جمع کیا گیا تھا موجودہ حالت میں ہندوستان کے اغراض ابی سینیا کی اس مہم سے وابستہ نہیں ہیں۔ اسی سے میری رائے میں ہندوستان کو اس کے مصارف نہیں ادا کرنا چاہئے" لارنس نے انصاف کرنے کی استدعا کی تھی مگر اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

اب صرف وہ سرحدی حکمت عملی قابل ذکر ہے۔ جو لارنس کے نام کی طرف منسوب ہے۔ اس کے متعلق ہمیں جو کچھ کہنا ہے وہ چند لفظوں میں ہم کہہ دیں گے۔ ۱۸۶۶ء میں سر چارلس وڈ وزیر ہند نہیں رہا تھا۔ خرابی صحت کی بنا پر اپنی خدمت سے مستعفی ہونے کے بعد لارڈ ہیلیفکس کے خطاب کے ساتھ وہ دارالامراء کا رکن ہو گیا تھا۔ لارڈ دے گرے جو بعد کو مارکوئس ریپن ہوا فروری ۱۸۶۶ء میں وزیر ہند مقرر ہوا لیکن چند مہینوں کے بعد حکومت جدت پسند کو زوال ہوا۔ اور جولائی ۱۸۶۶ء

میں لارڈ کرین بورن جو بعد کو مارکوئیس سالسبری ہوا وزیر ہند مقرر ہوا۔ یہ بھی تھوڑی مدت کے لیے اس خدمت پر رہا اور مارچ ۱۸۶۷ء میں سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ اس کا قائم مقام مقرر ہوا۔ جب حکومت جدت پسند پھر قائم ہوئی تو نارتھ کوٹ کے بجائے ڈیوک آرگئیل ۱۸۶۸ء میں وزیر ہند ہوا۔

اس زمانے کا مقتضا ہی یہی تھا کہ وزرائے ہند مثلاً سر چارلس وڈ لارڈ ڈے گرے۔ لارڈ کرین بورن۔ سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ اور ڈیوک ارگئیل سب کے سب سر جان لارنس سے اس سرحدی حکمت عملی کے بارے میں بالکل متفق الرائے تھے اور سبھوں نے لارنس کے اس عزم بالجزم کو پسند کیا تھا کہ افغانستان کی لا متناہی پہاڑیوں میں نئی سرحد قائم کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ ہندوستان کی مستحکم قدرتی سرحد ہی پر اکتفا کیا جائے۔

لارنس کی یہ رائے تھی کہ ہندوستان کے مغربی حدود کو آگے بڑھانا دراصل ان خطرات کے استقدام کے برابر تھا جن سے ہم مسلمہ طور پر خائف تھے۔ یعنی ایک ناقابل عبور دریا اور دیوار کوہ جس سرحد پر حائل ہوں اس سرحد کو چھوڑ کر ایک ایسی جدید سرحد کی خاطر جو ہر جگہ تھی اور کہیں بھی نہ تھی آگے قدم بڑھانا نادانی تھی۔ اس سے جنگ کے وقت غنیم کی آبادی ہمیں گھیرے ہوئے رہے گی اور ہم اپنے مرکز سے بہت دور پڑ جائینگے۔ اس کے علاوہ افغانیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ان کے دوست بنجانے کی توقع تھی مگر اس حکمت عملی سے تو وہ ہمارے اور دشمن بنجائینگے اور اس میں ضرور ہندوستان کے لکھوکھا روپے برباد ہوں گے درانحالیکہ ہندوستان کی آبادی کو اس روپے کی سخت ضرورت تھی کیونکہ وہ ایک طرف تو محصول وصول کرنے والوں سے اور دوسری طرف فاقہ کشی سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے سخت نالاں تھی۔ چنانچہ ۱۸۶۳ء میں دوست محمد کی وفات کے بعد جب تخت افغانستان کے لئے چھینا جھپٹی شروع ہوئی تو لارنس نے افغانی قضیئے کے تصفیے تک اپنی حکمت عملی سے جس کو کسی نے "استادانہ بے کاری" کہا تھا سر مو تجاوز نہ کیا۔ ۱۸۶۸ء میں جب دوست محمد کے فرزند شیر علی نے اپنے باپ کا تخت و تاج حاصل کر لیا تو اس وقت سر جان لارنس

نے حکومت انگلستان کی منظوری سے اس کو افغانستان کا فی الواقع حکمران تسلیم کرلیا۔

اگرچہ سرجان لارنس کی یہ حکمت عملی دانشمندانہ غیر تغیر پذیر اور کامیاب تو تھی لیکن یہ اعتراض سے نہیں بچی سر بارٹل فریر جس نے لارنس کی پنجاب کی حکمت عملی پر ۱۸۶۳ء میں حملہ کیا تھا اس وقت کونسل ہند کا رکن تھا۔ وہ سرحد کو آگے بڑھانے کا حامی تھا اور اس کو کونسل ہند کے ایک اور رکن سر ہنری رالنسن میں رفیق کار مل گیا۔ رالنسن نے اپنی مشہور یادداشت میں جس میں "وسط ایشیا میں روس کی پیش قدمی کو روکنے اور افغانستان و ایران میں انگلستان کے اثر و اقتدار کو تقویت دینے کی" تدبیریں درج تھیں اس سوال کو پھر اٹھایا مگر تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ سرحد کو آگے بڑھانے کے حامیوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے افغانستان اور ایران میں انگلستان کے اثر و اقتدار کو تقویت دینے کے مصارف خود انگلستان سے ادا ہونے کی تجویز بھی کبھی پیش کی ہو۔ اگر ایسی تجویز پیش ہوتی تو برطانوی محصول دینے والے اس سے بخوبی واقف رہتے کہ اس بارے میں ان کو کیا کرنا چاہیئے۔ سرحد کو آگے بڑھانے کے حامیوں کے تمام تجاویز کا انحصار اسی مفروضے پر تھا کہ اہل ہند اس کے مصارف ادا کرینگے۔

سر ہنری رالنسن کی یادداشت سرجان لارنس کے ملاحظے میں پیش ہوئی۔ لارنس نے رالنسن کو وہی جواب دیا جو پانچ سال پہلے اس نے بارٹل فریر کو دیا تھا۔ متعدد یادداشتوں کے ساتھ جو مراسلہ اس موقع پر بھیجا گیا اس میں لارنس کی حکمت عملی کی ایسی صاف و صریح توضیح کردی گئی ہے کہ ابدالآباد تک پھر کسی توضیح کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

"کسی اعلیٰ انگریز عہدہ دار کے توسط سے خواہ اس کے ہمراہ امدادی فوج بھیجی جائے یا نہ بھیجی جائے یا ہماری سرحد سے باہر افغانستان کے کسی فوجی مقام یا خطے پر دوستانہ یا جابرانہ قبضہ کرکے افغانستان کے معاملات میں عملی مداخلت کرلینے پر اس وجہ سے ہمیں اعتراض ہے کہ موجودہ حالات میں اس تجویز سے حملے یا مدافعت غنیم کے لیے ہماری طاقت واقتدار کو ذرا بھی تقویت

پیدا [illegible] لیے ہم سے افغانیوں کے دلوں میں کھٹک طیش اور نفرت پیدا [illegible] اگر روس ہندوستان پر واقعی حملہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس حملے میں جو مشکلات پیش آئینگے ان میں خود ہمارا کسی طرح کی تخفیف کرنا ہمارے خیال میں نہایت نامناسب اور غیر دانشمندانہ بات ہے اور اگر ہم اپنی سرحد چھوڑ کر ایک دشوار گزار ملک میں جہاں کی آبادی ممکن ہے ہماری دشمن ہی ہو روس سے آدھا رستہ طے کر کے مقابلہ کریں تو ضرور یہی ہوگا کہ روس کے مشکلات میں اس حد تک کمی ہو جائیگی۔ ایسی حرکت وقوع میں آنے کے بعد اس کے مصارف کی انتہا ہماری فہم سے باہر ہے اور ہم ہندوستان کی رعایا پر مزید محصولات عاید کرنے کی اس طرح کی ضرورت پر اس لیے معترض ہیں کہ وہ اس طرح کا باران تجاویز کے لئے بھی جن کو وہ خوب سمجھتی ہے اور بہت اچھی طرح سمجھتی ہے اپنے آپ پر لینا نہیں چاہتی۔ اور ہمارے خیال میں ہمارا اور ان سب لوگوں کا دلی مقصد جن کو ہندوستان سے دلچسپی ہے اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ سرحد پر ہمارا انداز اور طرز یہ رہے جیسے ہم استقلال کے ساتھ تیغ بکف کھڑے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان عملی اور صحیح مقاصد کے حصول پر جن پر ہم ایک موثر طریقے پر فوری نگرانی کر سکتے ہیں اپنی ساری توجہ اور دل کھول کر رقم صرف کرنے سے ہمیں کبھی دریغ نہ کرنا چاہیئے"۔

"اگر کوئی پردیسی طاقت مثلاً روس کسی وقت باہر سے ہندوستان پر واقعی حملہ کرنے کا خیال کرے یا جو اس سے زیادہ اغلب ہے اندرون ملک بے چینی اور نراج پھیلانے والے عناصر کو اکسائے تو ہماری رائے میں ہماری صحیح حکمت عملی جو ہماری قوی ترین ضامن ہوگی یہ ہوگی کہ ہم پہلے سے کابل قندھار یا ان کے مماثل کسی اور فوجی مقام میں گھر جانے سے احتراز کرتے رہیں۔ ہماری باقاعدہ اور سامان جنگ سے آراستہ و پیراستہ فوج کے ساتھ ہماری عملداری کے اندرون حدود یا خود ہماری سرحد پر غنیم کا مقابلہ ہونے دیں اور اپنی فوج پر پورا بھروسہ رکھیں ہماری رعایا میں عقیدت و محبت نہیں تو کم سے کم قناعت ہی پیدا کریں۔ ہماری حکمت عملی سے رفتہ رفتہ بڑے بڑے روساء اور دیسی امرائے ملک میں اراضی کے استحقاق اور قبضے کے متعلق ایک احساس تحفظ قائم رکھیں۔ برطانوی ہند میں وہ مادی ذرائع

بھی تعمیر و قائم کریں جن سے ایک طرف تو رعایا کو آرام پہنچے اور دوسری طرف
خود ہماری سیاسی اور فوجی طاقت میں اضافہ ہو۔ مالیات میں کفایت شعاری
پیش نظر رکھیں اور ذرائع آمدنی میں استقلال اور اضافے کی صورت پیدا کریں۔ تمام
ناگہانی موقعوں سے نپٹنے کے لیے جنکو ہندوستان کا کوئی مدبر نظر انداز نہیں کرسکتا
خاموشی کے ساتھ تیاری کرتے رہیں اور اپنے ارادے کی راستی اور صداقت پر
بھروسہ رکھنے کے ساتھ ساتھ رعایا کو کسی قسم کی شکایت کا موقع دینے سے احتراز
کرتے رہیں ورنہ یہ پردیسی حملہ آوروں کو گویا دعوت دیکر بلا لنے یا بے چین لوگوں
کو اکسا کر ملک میں بغاوت پر آمادہ کرنے کے برابر ہے۔"

دوسرا باب

میو اور نارتھ برُک

خدمت سے مستعفی ہونے کے بعد لارنس خطاب امارت سے سرفراز ہوا اور ہندوستان میں اس کا جانشین اسی کا ہم پلہ ایک شخص مقرر ہوا۔ لارڈ میو آئرلینڈ کے ایک قدیم رئیس خاندان کا رکن تھا اور اس میں بھی وہی ہمدردی اور فیاضی تھی جو اس کے ہم وطنوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کی خوش طبعی اور خوش اخلاقی کا لوہا مخالفین بھی مان لیتے تھے۔ اس میں کام کرنے کا ایسا مادہ تھا کہ نظم و نسق کا کام خوب چلتا تھا اور صلح پسندی کی راہ پر وہ ایسا ثابت قدم تھا کہ اس نے اپنے پیش رو کی حکمت عملی ہی جاری رکھی۔ اس کا وقار اور دبدبہ سب کو مرعوب کر دیتا تھا۔ وہ ہندوستان کے والیان ریاست اور سرداروں میں اس آن بان سے پھرتا تھا جیسے معمولی آدمیوں میں ایک بادشاہ پھرتا ہے۔

سنہ ۱۸۲۲ء میں ڈبلن میں اس کی پیدائش ہوئی سنہ ۱۸۴۷ء میں یہ پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہوا اور ہندوستان آنے سے پہلے تین مرتبہ آئرلینڈ کا چیف سکرٹری رہا۔ لارڈ میو کا انتخاب مسٹر ڈزرے لی نے کیا تھا اور سنہ ۱۸۶۸ء کے آخر میں جب حکومت

قدامت پسند کو زوال ہوا تو لوگوں کو شک تھا کہ آیا وزارت جدت پسند بھی جو اس کے بعد آنے والی تھی اس انتخاب کو قائم رکھے گی یا نہیں۔ یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ مسٹر گلیڈسٹن نے اس انتخاب کے خلاف اپنے گروہ کے شور مچانے والوں کی ایک نہ سنی اور اس تقرر کی تنسیخ سے صاف انکار کر دیا۔ لارڈ میو کے تین سال ہندوستان میں وائسرائے رہنے تک وزارت جدت پسند دل کھول کر اس کی حمایت کرتی رہی۔

لارڈ میو نے ۱۲ جنوری ۱۸۶۹ء میں کلکتے آکر ہندوستان کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ بہ حیثیت وائسرائے ہندوستان میں اس کی کارگزاری کا اندازہ کرنے کے لیے قارئین کو پہلے اس کی "کابینہ" اور سات محکموں پر نظر غائر ڈالنا چاہیے۔ قلمدان وزارت خارجہ و تعمیرات عامہ براہ راست خود لارڈ میو کی زیر نگرانی تھا۔ ایک قابل مقنن مسٹر جیمز اسٹیفن نامی اس کی کونسل کا رکن قانونی تھا اور محکمۂ وضع قانون کی صدارت بھی کرتا تھا۔ سر رچرڈ ٹمپل جس کو ہندوستان کا مختلف النوع تجربہ تھا اس کا وزیر مال تھا۔ سر وایلیس وزیر داخلہ اور سر جان اسٹریچی وزیر مالگزاری تھا۔ ہر رکن معمولی کام کا خود تصفیہ کرتا تھا اور صرف نہایت اہم معاملات گورنر جنرل کے ملاحظے میں پیش کرتا تھا۔ ہفتے میں ایک مرتبہ کونسل کا اجلاس ہوتا تھا اور "اس چند سری حکومت" میں شہنشاہی حکمت عملی کے تمام معاملات پر دروازے بند کر کے بحث کیجاتی تھی۔"

اس مختصر مگر نہایت بامعنی جملے سے ہندوستان کے نظم و نسق کی قوت اور کمزوری کا پتا چلتا ہے۔ اس "چند سری حکومت" میں ہندوستان کے قابل ترین انگریز عہدہ دار شامل تھے۔ لیکن تاج برطانیہ کے نصف صدی تک حکومت کرنے کے بعد بھی کبھی کسی ہندوستانی کو اس میں شریک نہیں کیا گیا۔ محکمۂ مالگزاری یا محکمہ مالیہ یا کوئی اور محکمہ کسی ہندوستانی کو کبھی تفویض نہیں ہوا۔ ہندوستانیوں کو اس کابینہ میں کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ کابینہ کو صلاح و مشورہ دینے کے لیے قوم کے نمائندوں کی کوئی مجلس شوریٰ قائم نہیں کی گئی۔ اس کابینہ کو رعایا کے احساس اور جذبات سے واقف کرنے کے لیے کوئی دستوری طریقہ ایجاد نہیں کیا گیا۔ بہترین سے بہترین حکومت قابل ترین سے قابل ترین منتظمین مملکت پر مشتمل کیوں نہ ہو ضرور ناکامیاب ثابت ہوگی اگر

اس میں رعایا کو اپنے معاملات کے انتظام سے بالکل خارج کر دیا جائے۔
ہندوستان آنے کے صرف دو مہینے بعد لارڈ میو نے انبالہ کے مشہور دربار میں امیر افغانستان کا خیر مقدم کیا۔ شیر علی کابل کا مستقل حکمران بن چکا تھا اور وہ ہندوستان اس غرض سے آیا کہ حکومت ہند سے اپنے لئے کچھ مدد معاش معین کرائے۔ لارڈ میو نے حسب وعدہ اس کو...... اپو نڈ دیئے اور ضرورت اس کی حمایت و اعانت کرنے کی امید بھی دلائی۔ لیکن باضابطہ طور پر کسی قسم کی مدد معاش معین کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ لارڈ میو نے لکھا تھا کہ "ہم نے صاف طور پر امیر کو آگاہ کر دیا ہے کہ کسی حالت میں بھی ایک انگریز سپاہی اس کی باغی رعایا کو زیر کرنے میں اس کی کمک کے لیئے اس کی سرحد کو عبور نہیں کریگا۔ یہ کہ کسی مقررہ میعاد تک کوئی معینہ امداد یا وظیفہ زر کی شکل میں اس کو کبھی نہیں دیا جائیگا۔ یہ کہ کسی اور صورت سے مدد کرنے کا کوئی وعدہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ کہ کوئی ایسا معاہدہ ہم ہرگز نہیں کر سکتے جس کی رو سے ہر حالت میں اس کو اور اس کی اولاد کو افغانستان کا حکمران تسلیم کرنا ہم پر لازم آئے۔ لیکن حتی المقدور ہم اس کی اخلاقی حمایت اس طرح کرینگے کہ بالکل کھلے طور پر اس کو ہم تسلیم کریں گے اور سرکاری طریقے پر اس کی کردار کا احترام کرینگے اور اس کے بخت و دولت میں ہمیشہ دلچسپی لیں گے جو ہماری دوست نشنی پر زبان حال سے شاہد رہیگا اور اس کے علاوہ جب کبھی ہم مناسب سمجھیں گے زر سے اسلحہ اور گولہ بارود سے اور دیسی کاریگروں کو بھیجکر یا دوسرے طریقوں سے ہم اس کی مدد کرینگے"

یہ لارنس کی "استادانہ بیکاری" کی حکمت عملی کی سختی سے پابندی تھی اور لارڈ میو نے انبالہ کے دربار کے بعد ہی لارڈ لارنس کو جو خط لکھا اس میں اس کا اعتراف بھی کیا۔ "میں نے نہایت سختی سے ان اصول کی پابندی کی کہ ایسے معاہدات ہی نہوں جن کی وجہ سے ہم بعد کو زحمت میں پڑ جائیں بلکہ صرف دوستانہ تپاک اور التفات اور بہ صورت مناسب امداد و اعانت جاری رہے۔ جب آپ نے گزشتہ دسمبر میں شیر علی کو روپیہ اور اسلحہ وغیرہ بھیجے تھے تو میری رائے میں آپ نے ایک ایسی حکمت عملی کا سنگ بنیاد رکھا جو زمانہ مابعد

ہیں ہمارے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوگی۔ میری بھی خواہش اسی حکمت عملی کو قائم رکھنے کی ہے"

لیکن لارڈ میو نے اپنے پیش رو کی حکمت عملی کو محض قائم رکھنے سے بھی بڑھ کر کام کیا۔ ہندوستان کی سرحد پر امن کی مستحکم بنیاد قائم کرنے کے لیے اس نے اس حکمت عملی کو ترقی دی۔ اس کی خاص مابہ الامتیاز حکمت عملی خارجہ یہ تھی کہ سرحد ہند پر خود مختار دوستانہ ریاستوں کا ایک حلقہ بنایا جائے جنکے اندرونی انتظام مملکت میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہو اور برطانوی قلمرو کی زیر نگرانی ان کو لانے کی کوشش نہ کی جائے۔ لارڈ میو نے لکھا تھا کہ "میں نے بار ہا اپنی استعداد کے موافق ہماری سرحدی حکمت عملی کے اساسی اصول مقرر کر دئے تھے جن کا چند لفظوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی سرحدی ریاستوں مثلاً قلات۔ افغانستان یارکند۔ نیپال اور برما کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کریں اور ان سب کو یہ محسوس کرائیں کہ اگرچہ ہم ایک طاقت اعلیٰ ہیں لیکن ہماری خواہش یہی ہے کہ ہم ان کی قومیت کی حمایت کریں۔ یہ کہ عند الضرورت ممکن ہے ہم زر اور اسلحہ سے اور خاص حالات میں شاید آدمیوں سے بھی ان کی مدد کریں۔ اس طرح ہم انھیں اپنی شہنشاہی کے مورچے بنا لیں اور یہ یقین دلائیں کہ ملکوں کو الحاق کرنے کا اب زمانہ نہیں رہا اور اگر وہ بھی ہماری نوازشات اور امداد کے مستحق اپنے آپ کو ثابت کرنے میں کوشاں رہینگے تو ان کو اس میں فائدہ ہی فائدہ اور نقصان کچھ بھی نہیں"

اس صاف وصحیح اور عاقلانہ حکمت عملی کی پابندی میں لارڈ میو نے ڈگلس فارسایتھ کو روسی وزرا سے ملکر تصفیۂ معاملات کرنے کے لیے اکتوبر سنہ ۱۸۶۹ء میں سینٹ پیٹرزبرگ بھیجا۔ امیر کی قلمرو کی شمالی سرحد دریائے جیحون مقرر کر دی۔ لارڈ میو نے شاہ ایران کو بھی اس کی سلطنت اور بلوچستان کے درمیان حد بندی کرنے پر راضی کر لیا اور بلوچستان کی اندرونی حد بندی کے لئے ایک انگریز عہدہ دار خاص طور پر مامور کیا۔ نیپال کے ساتھ اس نے مستحکم دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ شمالی برما میں شاہ برما کے جنگجو خصائل کی روک تھام کی اور اس کے ساتھ

گہرے تجارتی تعلقات قائم کردئے۔ ہندوستان کے لیے بڑی خوش نصیبی اسی میں تھی کہ اطراف کی ریاستوں میں لارڈ میو کے جانشین بھی ویسے ہی مستحکم دوستانہ تعلقات ہمیشہ قائم رکھتے جیسے لارڈ میو نے قائم رکھے تھے۔

ہندوستان کے اندرونی انتظام میں بالخصوص مالی معاملات میں لارڈ میو کی کامیابی کچھ ایسی نمایاں نہ تھی۔ سرجان لارنس باوجود شدید کفایت شعاری کے محاصل میں فاضلات نہیں کرسکا تھا۔ مگر لارڈ میو نے تو محصولات میں مزید اضافہ کردیا ان دونوں کا دراصل کچھ قصور نہ تھا بلکہ سچ پوچھئے تو سب قصور وزرائے برطانیہ ہی کا تھا جنھوں نے محاصل ہند پر وہ تمام بوجھ ڈال دیا تھا جس کا کچھ حصہ انصافاً برطانیہ عظمیٰ پر بھی پڑنا چاہئے تھا۔

ہندوستان کا سرکاری قرض ۱۸۶۷ء میں دس کروڑ بیس لاکھ پونڈ تھا اور اس کثیر قرض پر کسی حال سود ادا ہونا لازمی تھا۔ لارڈ میو نے ایک فی صدی محصول آمدنی کو ۲½ فی صدی اور اس کے بعد ۳⅛ فی صدی کردیا۔ محاصل میں فاضلات کرنے کی خاطر مدراس اور بمبئی میں محصول نمک میں بھی اضافہ کردیا۔

لیکن لارڈ میو کے نظم ونسق میں جو مستقل تغیرات عمل میں آئے وہ ہندوستان کے نظام مالیہ میں تھے۔ ایک یہ کہ اس اصول کو صاف طور پر تسلیم کرلیا گیا تھا اور اس پر عمل بھی کیا جاتا تھا کہ کارہائے بیدآور کے لیے قرض لینا چاہئے۔ تاکہ سالانہ محاصل کلیتہً معمولی مصارف کے لیے مختص کردئے جائیں۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریلوں پر بیجا طور پر کثیر رقوم صرف ہونے لگے جیسا خود قارئین آئندہ کسی باب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور اس روز افزوں قرض کی تخفیف کے لیے کوئی ادائی کا کوئی ذخیرہ قائم نہیں کیا گیا۔

دوسرا تغیر لارڈ میو کے "منصوبہ تضعیف مرکزیت" کے نام سے مشہور ہے۔ لارڈ میو کے عہد سے قبل ہندوستان کے مختلف صوبوں کے لیے تقسیم محاصل میں کوئی خاص حصہ علٰحدہ علٰحدہ مقرر نہ تھا اور ہر صوبے کے گورنر کی بھی کوشش ہوتی تھی کہ اپنے صوبے کے لیے جس قدر ممکن ہو حاصل کرلے۔ جو سب سے زیادہ شور وغل مچاتا تھا اسی کو سب سے زیادہ ملتا تھا۔ چنانچہ سر بارٹل فریر کو بمبئی میں

نہایت ہی وسیع اور بیش مصارف رفاہ عام کا کام کرنے سے روکنے کے لیے سر جان لارنس کو انتہائی مشکل اٹھانی پڑی تھی۔ ۱۴ ر دسمبر ۱۸۷۰ء کے دستور کی رو سے صوبوں کی حکومتوں کے لئے لارڈ میو نے پانچ سال تک رقم علیحدہ علیحدہ مختص کر دی اور گورنروں کو اختیار دیدیا کہ اپنی اپنی رقوم معینہ کے اندر جیسا ان سے بن پڑے اپنے اپنے صوبے کا انتظام کرلیں پنج سالہ میعاد کے ختم پر اضافہ رقم کے لئے پھر بھی چھینا جھپٹی ہوتی تو تھی لیکن پانچ سال میں ایک دفعہ اس طرح ہونا گورنروں کے سالانہ مقابلے سے تو بہتر تھا۔

تیسرا تغیر جو لارڈ میو کے عہد حکومت میں وقوع میں آیا۔ بدنصیبی سے وہ مالیات کے متعلق تھا جس سے صوبے کے محصولات میں جن کو شاہی محاصل سے کوئی واسطہ نہ تھا کثیر اضافہ ہو گیا سنہ ۱۸۶۱ء ہی میں لارڈ کیننگ کے وزیر مال نے شاہی محاصل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے یہ ضرورت محسوس کی تھی کہ ہر صوبے کو اپنے اندرون حدود مقامی محصول لگانے کا اختیار دیا جائے۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں سر جان لارنس کے وزیر مال نے اپنی تقریر موازنہ میں یہ بتایا تھا کہ سنہ ۶۵-۱۸۶۴ء میں مقامی محصول کی آمدنی ۲۵ لاکھ پونڈ ہوئی تھی۔ لارڈ میو کے منصوبہ تضعیف مرکزیت سے ان مقامی محصولات میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا۔

تضعیف مرکزیت کے منصوبے میں مختلف صوبوں کے لیے محاصل کا جو حصہ مختص کر دیا جاتا تھا وہ اس بنا پر ہر صوبے کی ضرورتوں سے کم مقرر کیا جاتا تھا کہ مقامی محصولات میں اضافہ کر کے اس کمی کو پورا کر لیا جائے۔ خزانۂ شاہی کا بوجھ یوں ہلکا کیا گیا کہ ایک طرف تو محصولات کے مرکزوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا اور دوسری طرف بہ حیثیت مجموعی خود محصولات میں بھی اضافہ کیا گیا محاصل کے قدیم ذرائع ہی اب تک برقرار رکھے گئے مگر ہر صوبے میں تو غیر محاصل کے لئے جدید ابواب زیادہ تر اراضی ہی پر عائد کئے گئے۔ اس منصوبے کو جس کی مکمل توضیح کسی آئندہ باب میں کیجائیگی لارڈ لارنس نے غور کرنیکے بعد سابق میں رد کر دیا تھا۔ مگر لارڈ میو نے بدنصیبی سے اس کو عملاً اختیار کیا کہ اس سے اراضی پر جو مطالبہ سرکار تھا اس میں اضافہ ہو گیا اس طرح سنہ ۱۸۵۵ء اور سنہ ۱۸۶۴ء میں نصف لگان تک مالگزاری کے مطالبے کا جو ایک قاعدہ مقرر کر دیا گیا تھا وہ پھر باقی نہ رہا۔

لارڈ میو انھیں گوناگوں کاموں میں منہمک تھا کہ اسی زمانے میں اس تحریک کار گزار شخص کی رگِ زندگی ایک قاتل کی چھری سے منقطع ہو گئی۔ جب وہ جزائر انڈمان دیکھنے گیا جہاں سزا یافتہ بسائے گئے ہیں تو ۸ ہرفروری سنہ ۱۸۷۲ء میں ایک قیدی نے اس کے چھری ماردی۔ یہ پورے شباب کے عالم میں تھا اور اس کی قوت اور مردانگی ابھی بہار ہی پر تھی کہ سموم مرگ سے اس کا غنچۂ زیست کملا گیا۔

خوش نصیبی سے اس کا جانشین بھی اسی کی طرح سربرآوردہ اور امن قائم رکھنے کی حکمت عملی کا سچا دلدادہ تھا۔ لارڈ نارتھ بُرک کی پیدائش سنہ ۱۸۲۶ء میں ایک ایسے خاندان میں ہوئی تھی جو محتاط اور کامیاب تجارت کرتے رہنے کی بنا پر یورپ کے تاجروں میں سربرآوردہ تھا۔ نائب وزیر ہند کی حیثیت سے نارتھ بُرک کو ہندوستان سے واقفیت تھی۔ ہندوستان کے سرحدی مسئلے پر وہ بھی لارنس اور میو کا اتباع کرتا تھا۔ مالی انتظام میں سرایولین بیرنگ اس کا رشتے کا ایک بھائی جس نے لارڈ کرومر کی حیثیت سے اب ایسی شہرت پیدا کرلی ہے کہ برطانوی شہنشاہی میں اس کا درجہ کسی سے کم نہیں اس کا مددگار اور مشیر تھا۔

لارڈ نارتھ بُرک کا عہد حکومت اس کے دونوں پیش رُووں کے عہد کی طرح امن کا دور تھا۔ لیکن ہندوستان ـَ سے ملک کا نظم و نسق مشکلات سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ چنانچہ لارڈ نارتھ بُرک کو اپنی حکمرانی کے دوسرے ہی سال بنگالے میں شدید قحط کے آثار نمایاں ہوتے دیکھ کر وزیر ہند کو پیش از پیش اطلاع دینی پڑی سنہ ۱۸۶۶ء کے قحط اوڑیسہ اور سنہ ۱۸۶۹ء کے شمالی ہند کے قحط سے جانوں کا جو نقصان عظیم ہوا تھا وہ لوگوں کو اب تک یاد ہے۔ لارڈ نارتھ بُرک نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ سنہ ۱۸۷۴ء میں کسی حال زمانۂ گزشتہ کے سے مہلک نتائج کا اعادہ نہ ہونے پائے۔ منفعد دامدادی تدابیر بروقت وسیع پیمانے پر اختیار کی گئیں اور تاریخ ہند میں یہی ایک موقع تھا جب کہ اختیار کردہ تدابیر سے پوری پوری کامیابی ہوی۔ بنگالے میں چونکہ دوامی بندوبست ہو چکا تھا اور لگان کم تھے تو وہ بمقابل ہندوستان کے کسی اور صوبے کے زیادہ مایہ دار تھا۔ بنگالی بہ نسبت اور جگہ کے باشندوں کے اپنی مدد آپ کر سکتے تھے اس لئے وہاں

جانوں کا اتلاف نہ ہونے پایا۔ قحط کے بعد تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا کہ قحط کی وجہ سے وہاں ایک بھی جان ضائع نہیں ہوی۔

گیکواڑ بڑودہ کی بدانتظامی سے نارتھ برک کو ایک اور مشکل درپیش تھی بدنظمی کے علاوہ گیکوار پر یہ بھی الزام تھا کہ اس نے انگریزی رزیڈنٹ کو زہر دینے کی کوشش کی تھی۔ لارڈ نارتھ برک نے از روئے انصاف یہ مقدمہ چلایا۔ تین انگریز اور تین والیان ریاست سماعت مقدمہ کے لئے مقرر کئے گئے اور گیکوار کی طرف سے اس مقدمے میں جوابدہی کرنے کے لیے سارجنٹ بیلنٹائن انگلستان سے بلایا گیا۔ اس عدالت خاص کے ارکان کی رائے میں اختلاف ہوا اور سارجنٹ بیلنٹائن اپنے آخری دم تک یہی باور کرتا تھا کہ گیکوار اس جرم کے اقدام سے بالکل بے گناہ ہے لیکن گیکوار نے اپنے آپ کو حکمرانی کے ناقابل ثابت کیا تھا۔ اس لئے لارڈ نارتھ برک نے بجاے اس ریاست کا الحاق کرنے کے کیونکہ ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کی رو سے آیندہ الحاق کرنا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ گیکوار کو معزول کرکے اس گدی پر اسی کے خاندان کے ایک لڑکے کو بٹھا دیا۔ ایک پشت کے تجربے سے بھی اس تدبیر کی دانائی پر کوئی حرف نہیں آتا اور آج بڑودہ کا اپنی دیسی حکومت کے تحت ہندوستان کی ان ریاستوں میں شمار ہے جن کا نظم و نسق بہترین مانا جاتا ہے۔ نوجوان مہاراجہ کی جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی ویسے ویسے اس نے اپنے آپ کو ملک کا قابل ترین اور شائستہ ترین حکمراں ثابت کر دکھایا۔

ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی بہ حیثیت پرنس آف ویلز ۱۸۷۵ء اور ۱۸۷۶ء کے درمیانی موسم سرما میں اسی طرح ہندوستان میں تشریف آوری ہوئی جس طرح پانچ سال قبل ملک معظم کے بھائی ڈیوک آف اڈنبرا کی ہوئی تھی اور عام طور پر اہل ہند نے شاہی خاندان کے ان نمایندوں کی آمد پر نہایت خلوص کے ساتھ جوش عقیدت و وفاداری کا اظہار کیا۔

لیکن اب ہندوستان کے مطلع پر انوار پر ایک لکۂ ابر کی تاریکی پھیل رہی تھی جو مغرب سے اٹھ رہا تھا۔ کیننگ اور لارنس۔ میو اور نارتھ برک نے نہایت ہی طاقتور دوستانہ ریاستوں میں رہ کر ہندوستان میں امن قائم رکھنے

اور ایک مفلس و بے مایہ ملک کی مالیات کو سنبھالنے کی جو سرگرم کوششیں کی تھیں اُن کی انگلستان میں کچھ قدر نہ ہوی۔ مشرق میں روس کی روک تھام کا تصور پھر سے برطانوی شہنشاہی کے شیدائیوں کے پیش نظر تھا اور یہ خیال بھی ان کو ہو چلا تھا کہ ان شہنشاہی چالبازیوں کے اخراجات ہندوستان کے محاصل ہی سے ادا کئے جائیں۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ ۱۸۶۶ء میں جب سر بارٹل فریر بمبئی کا گورنر تھا۔ اس نے وہ پیش روی کی حکمت عملی" کی تائید کی تھی جس میں اس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اس لئے لارنس کی سرحدی حکمت عملی پر جو حملے کئے تھے وہ کاغذ لارنس کے ہاتھ لگ گیا تھا اور لارنس نے بھی اس کا بہت معقول اور موثر جواب دیا تھا۔ سر ہنری رالنسن نے بھی ۱۸۶۸ء میں دوبارہ یہ سوال اٹھایا تھا گر لارڈ لارنس نے دوبارہ اس کا جواب صاف دیا تھا لیکن اس وقت انگلستان میں شہنشاہی ردعمل شروع ہو چکا تھا اس لیے سر بارٹل فریر کو اچھا مواقع ہاتھ آگیا۔ اس نے اپنی ۱۸۷۴ء کی یادداشت میں اس مسئلے کو پھر تازہ کیا۔ بارسوم یہ کوشش کامیاب ہوی کیونکہ اس کے لیے نیک ساعت آچکی تھی۔

جون ۱۸۷۴ء میں سر بارٹل فریر نے یہ تجویز پیش کی کہ ہرات۔ قندھار اور کابل میں سرکار کی طرف سے ایک وکیل مقرر کرنا چاہئے اور افغانستان کو ایک طاقتور اور دوستانہ ریاست علیحدہ قائم رکھنے کے بجائے اس ملک میں زیادہ تر برطانوی اثر پھیلا دینا مناسب ہے۔ نومبر ۱۸۷۴ء میں پختہ کار لارڈ لارنس نے یہ جواب دیا کہ سر بارٹل فریر نے جس حکمت عملی کی وکالت کی ہے اس سے روس کی پیش قدمی کا انسداد ہونے کے بجائے اس کے لیے اور زیادہ سہولتیں پیدا ہو جائینگی۔ افغان قبائل بھی انگریزوں کے مخالف بنجائینگے۔ انگریز عہدہ دار جو افغانستان میں متعین رہینگے چوری سے قتل کئے جائینگے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ روزانہ لڑائیاں ہوتی رہیں گی۔ ۱۸۷۴ء ہی میں اسی بڈھے غیب داں شخص پر گویا ان باتوں کا القا ہوا تھا جو اس سے پانچ سال بعد واقعی ظہور میں آئیں۔ لیکن اس کے متنبہ کرنے کے باوجود کسی نے اس پر دھیان نہیں کیا۔ افغانیوں اور سرحد

پنجاب کے متعلق اس کے بے مثال تجربے اور معلومات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ سر بارٹل فریر نے جنوری ۱۸۷۵ء میں لارڈ لارنس کو جواب تحریر کیا لارڈ سالسبری نے کبھی زمانے میں "پیش روی" کی تائید کرنے والوں کے خدشات کی ہنسی اڑائی تھی مگر اب اسی نے سر بارٹل فریر کے منصوبے کو قبول کر لیا۔ لارڈ سالسبری ڈیوک آرگئیل کے بعد ۱۸۷۴ء میں جب حکومت قدامت پسند قائم ہوئی تھی وزیر ہند مقرر ہوا تھا۔ اس نے نارتھ برک کو لکھا کہ ایک برطانوی وکالت ہرات میں۔ اس کے بعد ایک قندھار میں اور آخر کار ایک کابل میں قایم کرنی چاہیے۔

لارڈ نارتھ برک لارڈ لارنس کا بالکل ہم خیال تھا لارنس نے فریر کو جو جواب دیا اس کو نارتھ برک پڑھ چکا تھا اور اس بارے میں اپنی اتفاق رائے سے خود لارنس کو آگاہ کر چکا تھا۔

اسی بنا پر جب لارڈ نارتھ برک کو لارڈ سالسبری کا مراسلہ ۱۸۷۵ء از فروری میں وصول ہوا تو اس نے فوراً بذریعہ تار برقی سالسبری کو اطلاع دی کہ حالات و واقعات کے لحاظ سے ان تجاویز پر عمل کرنا بالکل نامناسب ہے اور جون ۱۸۷۵ء میں اپنے لارڈ سالسبری کے مراسلے کا باضابطہ جواب لکھ بھیجا جس میں بتایا تھا کہ لارڈ کیننگ کے زمانے سے جو حکمت عملی اختیار کی گئی تھی اور جس میں خاصی کامیابی بھی ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ افغانستان کو خوب طاقتور بنایا جائے اور اس کے حکمران پر ایسا قوی برطانوی اثر جمایا جائے کہ پردیسی دست درازیوں سے وہ بالکل محفوظ رہے۔ اس مراسلے پر نارتھ برک کے علاوہ اس کے سب ارکان کونسل مثلاً لارڈ نے پیر مگڈالہ۔ سر ہنری نارمن۔ سر آرتھر ہاب ہاؤس۔ سر ولیم میور۔ ریشلی ایڈن کے دستخط بھی تھے۔

لارڈ سالسبری نے نومبر ۱۸۷۵ء میں اس کا جواب الجواب دیا اور یہ مراسلہ ان تمام تحریرات سے جو برطانوی وزراء کے قلم کی اس وقت تک لکھی ہوئی تھیں کم قابل تعریف ہے۔

"امیر کے ساتھ ہمارے تعلقات اطمینان بخش اصول پر قائم کرنے کیلئے

سب سے پہلے ہمیں یہ کرنا چاہیئے کہ امیر کو اپنے پائے تخت میں ہماری سفارت کا عارضی قیام ہی قبول کر لینے کی ترغیب دینا ضروری ہے یہ ضرور نہیں کہ امیر کی قلمرو میں سفارت کے مستقل قیام سے اسی عارضی قیام کا کیا تعلق ہے علانیہ معلوم ہو۔ بظاہر کسی معمولی سیاسی غرض کے لئے جس کو تلاش کرنا یا ضرورت ہو تو پیدا کرنا آپ کے لئے کچھ مشکل بات نہیں اس سفارت کو قائم کرنا بہت کچھ مفید مطلب ہوگا۔"

لارڈ نارتھ برک نے اس حیرت انگیز مراسلے کا جو جواب دیا وہ ایسا ہی زور دار اور موثر تھا جیسا وہ بلند پایہ اور شاندار تھا۔ اس نے لکھا کہ اگر مستقل طور پر سفارت کا افغانستان بھیجنا ہی منظور تھا تو یہ بہتر ہوتا کہ امیر کو اس کے اصل مقصد اور حقیقت سے صاف طور پر آگاہ کر دیا جائے۔ لیکن دراصل اس سفارت کی کچھ ضرورت ہی نہ تھی۔

"ہمیں یقین ہے کہ لارڈ کیننگ۔ لارڈ لارنس اور لارڈ میو نے افغانستان کے بارے میں جو حکمت عملی اختیار کی تھی اگر وزراء صبر کے ساتھ اسی کا اتباع کیا جائے جس کے برقرار رکھنے کی ہم بھی ہر طرح کوشش کرتے رہے ہیں تو اس سے آگے چلکر امیر کے ساتھ ہمارے تعلقات کی ایک اطمینان بخش صورت قائم ہو جانے کی قوی توقع ہے اور موجودہ حالات میں آپ کے مراسلے میں جو ہدایات صادر فرمائے گئے ہیں اُن کی تعمیل کرنے سے ہمیں خدشہ یہ ہے کہ ضرور افغانستان کے امن و امان میں بڑا خلل پڑ جائیگا اور یہ برطانوی شہنشاہی ہند کے اغراض کے بھی بالکل منافی ہوگا۔"

جس ڈاک سے لارڈ نارتھ برک کا یہ سنجیدہ اور بلند پایہ اعتراض لارڈ سالسبری کو پہنچا اسی ڈاک سے ہندوستان کے عہدہ جلیلہ سے اس کا استعفا بھی پہنچا۔

لارڈ نارتھ برک کا عہد حکومت کیا ختم ہوا کہ امن اور اصلاح کا دور ہی جس کی ابتدا ۱۸۵۸ء سے ہوی تھی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد لارڈ لٹن کی حکمرانی سے ایک مضطرب و بے قرار شہنشاہیت کا دور شروع ہوتا ہے۔

تیسرا باب

شمالی ہند میں اصلاحات اراضی

یوں تو لارڈ کیننگ نے نظم و نسق ہند کے ہر شعبے میں بڑی بڑی اصلاحیں کی تھیں مگر سب سے بڑی اصلاح اس لئے وہ کی تھی جس سے ہندوستان کے زرعی اور صاحب زمین طبقات کو فائدہ پہنچا۔ اس کے ۱۸۵۹ء کے "قانون لگان بنگالہ" سے نہ صرف بنگالے کے کاشتکاروں کے سب حقوق محفوظ ہو گئے بلکہ اس کے جانشینوں کو اسی طرح کے "قوانین لگان" ہندوستان کے اور صوبوں میں بھی نافذ کرنے میں بڑی مدد ملی۔ اس بات میں کیننگ اور لارنس نے شمالی ہند میں جو اصلاحات اراضی کی تھیں ان کی مختصر کیفیت یہاں پیش کی جاتی ہے۔

بنگالہ

۱۷۹۳ء میں جب لارڈ کارنوالس نے بنگالہ کی مالگزاری کا دوامی تعین کر دیا تھا تو اس قانون میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ معقول طور پر کاشتکاروں کے

تحفظ حقوق کے لئے حکومت ضروری کارروائی کرنے کی مجاز تھی۔ وقتاً فوقتاً کاشتکاروں کے حالات کی تحقیقات ہوتی رہی لیکن ساٹھ سال سے زیادہ مدت گزر چکی تھی پھر بھی بنگالے کے کاشتکاروں کو وہ تحفظ حقوق حاصل نہیں ہوا جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ کمپنی کے ان عاملوں کی غفلت کی وجہ سے نہ تھا جن کے زیر انتظام بنگالہ تھا بلکہ اس بنا پر تھا کہ خاص طبقات اور عامۃ الناس کے درمیان ایک مناسب قانونی اصول قائم کرنے میں انتہائی مشکل درپیش تھی۔

آخر کار لارڈ کیننگ ہی نے اس مشکل کو حل کیا۔ اس کا "قانون لگان بنگالہ" (قانون نمبر ۱۰ بابتہ ۱۸۵۹ء) بنگالے کے کاشتکاروں کا منشور اعظم متصور ہوتا ہے۔ اس کی رو سے بنگالے کے کاشتکاروں کے تین مدارج قائم کئے گئے (۱) اُن کاشتکاروں کے جن کی مقبوضہ اراضی پر ۱۷۹۳ء سے لگان کی مقدار میں کبھی کمی و بیشی نہیں ہوئی تھی اس قانون کی رو سے لگان میں ابداً آباد تک کوئی تغیر نہیں کیا جا سکتا تھا (۲) وہ کاشتکار جو بیس سال سے ایک مقررہ لگان پر اپنی زمینوں پر قابض تھے ان کے لئے یہ مفروضۂ قانونی تھا کہ وہ لوگ بھی گویا ۱۷۹۳ء ہی سے یہی لگان ادا کرتے رہے ہیں بجز اس کے کہ یہ مفروضہ خلاف واقعہ ثابت ہو۔ (۳) اور اُن کاشتکاروں کا جن کا اراضی پر بارہ سال کا قبضہ تھا صرف حق قبضہ تسلیم کر لیا گیا تھا مگر اُن کے لگان میں بھی آیندہ اضافہ نہیں کیا جا سکتا تھا بجز ان واجبی اور مختص وجوہ کے جن کو قانون میں درج کر دیا گیا تھا۔

اس قانون سے بنگالے میں ایک انقلاب ہو گیا اور موجودہ زمانے میں بمقابل ہندوستان کے دوسرے اقطاع کے بنگالے کی آبادی زیادہ مایہ دار اور خوش حال اس لئے ہے کہ (۱) زمینداروں پر جو مطالبۂ سرکار تھا اس کی ۱۷۹۳ء میں ایک انتہا مقرر کر دی گئی تھی اور (۲) ٹھیکہ داروں پر زمینداروں کا جو مطالبہ ہوتا تھا اس کی بھی ایک انتہا مقرر کر دی گئی تھی۔

اودھ

صوبۂ اودھ کی تاریخ بالکل جدا ہے ۱۸۵۶ء میں جب لارڈ ڈلہوزی نے

اس صوبے کا الحاق کر لیا تو اس وقت زمیندار یعنے تعلقدار اپنی اپنی جاگیروں کے دراصل مالک بنے بیٹھے تھے اور شمالی ہند کے اور مقاموں کے بہ نسبت دیہی جماعتوں نے یہاں کم ترقی کی تھی۔

انگریزی سرکار نے اس فرق کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ عہدہ داران بندوبست نے اکثر موقعوں پر تعلقداروں کو علیحدہ کر کے دیہی مالکان اراضی سے براہ راست بندوبست کرنے کی کوششیں کیں۔ لیکن انھیں مقدمات کا غلبہ کثیر تھا جن میں اس طرح نہیں کیا جاسکتا تھا چنانچہ اودھ کے ۲۳۵۴۳ قصبات میں ۱۸۵۶ء میں ۱۳۶۴۰ گاؤں کا بندوبست تو تعلقداروں کے ساتھ کیا گیا اور ۹۹۰۳ گاؤں کا بندوبست دیہی مالکان اراضی کے ساتھ عمل میں آیا۔ اس نو مقبوضہ صوبے میں قدیم رہنمایان ملت کو اس طرح نظر انداز کر دینا نہ تو انصاف تھا اور نہ دانائی کا فعل تعلقداران اودھ نے یہ محسوس کیا کہ اس سے ان کے حقوق ہی فسخ ہو گئے اور جب سال مابعد میں غدر شروع ہوا تو یہ لوگ باغیوں کے ساتھ ہو گئے۔

ختم جنگ پر لارڈ کیننگ نے اپنے مارچ ۱۸۵۸ء کے اعلان کی رو سے جو اب ایک تاریخی اعلان بن گیا ہے سب زمینیں ضبط کریں۔ گورنر جنرل نے صرف چھ ایسے وفادار تعلقداروں کا انتخاب کیا جن کے حقوق کا لحاظ کیا جا سکتا تھا اور "انعام و اعزاز" کا دوسروں کے لئے بھی وعدہ کیا بشرطیکہ ان کے دعاوی پایۂ ثبوت کو پہنچیں۔

"باشندگان اودھ کی اطلاع و آگاہی کے لئے گورنر جنرل اس بات کا بھی اعلان کرتا ہے کہ مذکور الصدر تعلقداروں کے بہ استثنا تمام اراضی کا حق مالکانہ انگریز سرکار نے ضبط کر لیا ہے اور اپنی مرضی کے موافق جس طریقے پر انگریز سرکار مناسب سمجھے اس حق کو تقسیم یا تفویض کر سکتی ہے"۔

"ان سب تعلقداروں۔ سرداروں اور زمینداروں سے معزز گورنر جنرل وعدہ کرتا ہے کہ اگر وہ سب اپنے ہمراہیوں اور رفقا کے ساتھ فوراً چیف کمشنر اودھ کے سامنے اظہار اطاعت کریں اور اپنے سب اسلحہ اس کو لا دیں اور اس کے احکام بجا لائیں تو ان کی جاں بخشی ہوگی اور عزت و آبرو بچے گی بشرطیکہ کسی انگریز

کے نادوا خون سے ان کے ہاتھ رنگے ہوئے نہوں۔ مزید مراعات حاصل کرنے اور اس معاملے میں کہ آئندہ ان کی حالت کیا ہوگی وہ آپ کو انگریز سرکار کے انصاف ورحم وکرم پر بالکل چھوڑ دیں"۔

لارڈ کیننگ کے سب سے بڑے مدح خواں کے لئے بھی اس بات کا اعتراف کرنا ناگزیر ہے کہ یہ اعلان سراسر غلط تھا۔ بلا امتیاز اس طرح عام قرقی کا حکم دینا غالباً کیننگ کا منشا رنہ تھا مگر عام قرقی کا اعلان کرنا بے ضرورت اور نامناسب تھا۔ اس اعلان سے عام طور پر یہ خیال پھیل گیا کہ آئندہ بندوبست کے موقع پر انگریز سرکار تعلقداران اودھ کو اس سے بھی زیادہ علحدہ کر یگی جس حد تک سنہ ۱۸۵۶ء میں کیا گیا تھا۔ اس سے لوگوں کو بجا طور پر خدشہ ہو گیا کہ جدید حکمراں ملک کے قدیم نظام اراضی کا جو صفایا کر رہے تھے اس سے ان کا منشاء شاید اس نظام اراضی کے سادہ صفحے پر آئندہ اپنی نامعلوم حکمت عملی کو قلمبند کرنا ہوگا۔

جب سنہ ۱۸۵۸ء میں حکومت قدامت پسند قائم ہوئی تو اسوقت لارڈ ایلنبرو مجلس نظم کا ممبر مجلس مقرر ہوا اور اس نے اس غلطی کو فوراً محسوس کیا۔ دوسرا کوئی شخص اس کی جگہ پر ہوتا تو بہ صیغۂ راز گورنر جنرل کو اس غلطی سے آگاہ کرتا اور کسی آئندہ اعلان میں اس کی ترمیم کرنے کا حکم دیتا۔ لیکن لارڈ ایلنبرو کو واہیات اور مزید خرافات بکنے میں فصاحت وبلاغت دکھانے کی عادت سی پڑی ہوئی تھی اور اس موقع کو وہ ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اپریل سنہ ۱۸۵۸ء میں اس نے لارڈ کیننگ کو وہ اپنا مشہور مراسلہ لکھا جس کا اقتباس ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:۔

"ملک (اودھ کے) لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ان کے بادشاہ کو گرفتار کر لیا گیا اور اس کی حکومت کے بجائے جو خواہ کتنی ہی خراب کیوں نہو کم سے کم وہ دیسی تو تھی ہماری حکومت قائم کردی گئی۔ حکومت کے اس ناگہانی تغیر کے بعد ایک سرسری بندوبست مالگزاری فوراً کیا گیا جس سے صوبے کے بہت بڑے حصے میں بڑے بڑے ذی اثر قابضان اراضی کو اُن کے خیال کے موافق اُن کے املاک سے اور یقیناً اس شئے سے جو مدت دراز سے ان کے خاندانی تمول

اعزاز اور طاقت و اقتدار کا باعث رہی تھی محروم کر دیا گیا"

"ان حالات میں ہم کو اعتراف کرنا چاہئے کہ اودھ میں جو نمایاں مخاصمت ہو رہی تھی وہ بغاوت نہیں بلکہ جائز لڑائی کی شکل و نوعیت کی تھی اسلئے باشندگان اودھ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیئے نہ کہ اُن کو ایسی سزا کا مستوجب سمجھنا جو اپنی وسعت اور شدت میں ان سب سزاؤں سے بڑھی ہوئی ہے جو تاریخ عالم میں کسی مغلوب قوم کے حق میں آج تک صادر ہوئی ہیں"

"دوسرے قاعدہ ہے کہ فاتحین نے جب غنیم پر غلبہ حاصل کر لیا ہے تو باستثنار چند جن کو وہ مستوجب سزا سمجھتے تھے انھوں نے نہایت دریا دلی کے ساتھ رعایا کی ایک کثیر جماعت کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا ہے"

"آپ نے اس سے بالکل مختلف اصول پر عمل کیا ہے چنانچہ مورد الطاف و کرم بنا لینے کے لئے آپ نے صرف چند افراد کو منتخب کر لیا ہے۔ اور اس ملک کے کثیر باشندوں کو وہ صدمہ پہنچایا ہے، جو ان کی نظروں میں سخت سے سخت سزا کے برابر ہے"

"ایسے ملک میں جہاں کی تمام آبادی کسی ناانصافی کے احساس کی بنا پر بالکل دشمن بن گئی ہو زبردستی سے ایک عرصے تک حکومت قائم نہیں رہ سکتی اور اگر اس طرح حکومت کو برقرار بھی رکھا جا سکتا ہے تو یہ کوئی خوش گوار و پسندیدہ مقصد نہیں"

اس سرزنش کا لفظ لفظ اگرچہ منصفانہ تھا لیکن لارڈ کیننگ کے حق میں جس نے اس آفت عظیم میں جیسی آج تک ہندوستان میں انگریزی حکومت پر کبھی نازل نہیں ہوئی تھی مسلسل جاں فشانی کا بار سنگین اُٹھانے کے علاوہ اس کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوا تھا مزید برآں جس نے اپنے ہم وطنوں کے خونخوار جذبات کی روک تھام کی تھی اور دشمنوں کے حال پر عفو و کرم کیا تھا یہ سرزنش صرف ایک ایسی غلطی پر جو زیادہ تر اس کے اعلان اودھ کے منشا میں نہیں بلکہ الفاظ میں تھی بڑی سختی تھی۔

لارڈ ایلنبرو کی سرزنش ایک اہم معاملہ تھا کیونکہ ایلنبرو برطانوی کابینے

کارکن تھا اور اس کے اظہار ناپسندیدگی سے جس پر برطانوی وزارت کو بھی علانیہ اتفاق رائے تھا بذریعۂ تار برقی لارڈ کیننگ کو اطلاع دینے سے لارڈ کیننگ کے اقتدار کی ایسے موقع پر سبکی ہوئی تھی جبکہ اس کی حمایت اور حوصلہ افزائی کی سخت ضرورت تھی۔ خود انگریزوں نے بھی یہی محسوس کیا اور وہ یہ ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے کہ شہنشاہی ہند کے نجات دہندہ پر برطانوی کابینہ نے اس طرح کا الزام لگایا تھا۔ آخر کار لارڈ ایلینبرو کو کابینہ سے استعفا دینا پڑا جس سے یہ مشکل رفع ہوگئی۔

ہندوستان میں بھی ذمہ دار اصحاب فکر اور اہل الرائے نے لارڈ کیننگ کی اس غلطی کو محسوس کیا تھا۔ اودھ کے چیف کمشنر وقت سر جیمز آؤٹرم نے لارڈ کیننگ کو اس اعلان میں اس فقرے کے اضافہ کرنے کی صلاح دی تھی کہ حکومت ان تعلقداران اودھ کے دعاوی کو نظر عنایت سے دیکھے گی۔ جو فوری اطاعت قبول کریں گے۔ پنجاب کے چیف کمشنر وقت سر جان لارنس نے بیان کیا تھا کہ دو لوگوں سے یہ کہنا کہ ان کی تمام اراضی اور املاک قرق کرلی گئی ہے اور انفعال و ندامت کا اب کوئی موقع نہیں رہا دراصل ان کے دلوں میں ایسی مایوسی پیدا کردیتا ہے کہ ان کی حالت "مرتا کیا نکرتا" کی سی بن جائے" لارڈ ایلینبرو کی سرزنش سے یقیناً یہ تو ہوا کہ اس غلطی کی پوری اصلاح کردی گئی۔ اودھ میں لوگوں کا حق مالکانہ تسلیم کرلیا گیا۔ جن تعلقداروں نے اطاعت قبول کرلی ان کو ان کی اراضی واپس دیدی گئی۔ فطری رہنمایان قوم کی حیثیت عوام کے برابر کردینے کی ۱۸۴۹ء میں پنجاب میں ۱۸۵۶ء میں اودھ میں جو غلط کوشش کی گئی تھی اس کا پھر اعادہ نہیں کیا گیا۔ ۱۸۶۰ء میں باضابطہ بندوبست اراضی شروع کیا گیا جو ۱۸۷۸ء میں ختم ہوا اور اس بندوبست کی میعاد تیس سالہ تھی۔

اودھ کے کاشتکاروں کا اسی طرح تحفظ حقوق کرنا جس طرح لارڈ کیننگ نے بنگالے کے کاشتکاروں کے حقوق کے لئے کیا تھا ایسی بات تھی جس کو سر جان لارنس نے گویا اپنے لئے اٹھا رکھا تھا۔ پہلے بندوبست کے زمانے ہی میں پہلا قانون لگان اودھ" (قانون نمبر ۱۹ سنہ ۱۸۶۸ء) نافذ ہوا۔ جدید حقوق پیدا کئے بغیر اور اسامیان قابض کو تسلیم کئے بغیر اس سے غیر مالکانہ اسامیوں کے حقوق اراضی کا

تعین کر دیا گیا اور اُن کی اراضی مقبوضہ پر بجز حکم عدالت کے لگان میں اضافہ کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔

شمالی مغربی ممالک

پچھلے باب میں ہم نے بیان کیا ہے کہ کس طریقے پر رابرٹ مارٹنز برڈ کی زیر ہدایت شمالی مغربی ممالک کا بندوبست عمل میں آیا تھا۔ ٹامسنس نے "مالگزاری کے عہدہ داروں کے لئے ہدایات" نامی رسالہ کیسا شائع کیا تھا اور کس طرح ۱۸۵۵ء میں لارڈ ڈلہوزی نے اپنے آخری فیصلے کی رو سے مطالبۂ سرکار میں تخفیف کر کے اس کو لگان کا نصف قرار دیا تھا۔ زمانۂ مابعد میں صرف ایک ہی اہم "تغیر" اصلاحات اراضی کے ضمن میں عمل میں آیا اور وہ لارڈ نارتھ بُرک کے زیر نظم و نسق "قانون الگزاری" (قانون ۱۹ ۱۸۷۳ء) کا نفاذ تھا۔ اس قانون کی رو سے پچاس سے زیادہ سابقہ دستور العملوں اور قوانین میں ایسی ترمیم و تنسیخ ہوئی کہ کوئی قانونی پیچیدگی نہیں رہی۔ اسی قانون کی شرائط کے موافق تجدید بندوبست بھی عمل میں آئی قدیم طریقوں کے بجائے نئے طریقے پر پیمائش شروع کی گئی جس میں ایک خاص پیمانے پر اراضی کے نقشے مرتب کئے گئے۔ عہدہ داران بندوبست نے مقامی تحقیقات کے بعد ہر جاگیر کے لگان پر نظر ثانی کر کے لگان کی تصحیح کی اور مقررہ لگان کے ۴۵ اور ۵۵ فی صدی کے درمیان مطالبۂ سرکار معین کر دیا۔

قارئین خود ان تغیرات کی اہمیت محسوس کر سکتے ہیں۔ محصول اراضی لگانے کا سابقہ طریقہ جس پر برڈ اور ٹامسن کاربند تھے یہ تھا کہ اس میں جمع سے تفصیل کی طرف رجوع کرتے تھے یعنی پہلے کسی حلقے کی مالگزاری کا بہ حیثیت مجموعی تعین کر دیا جاتا تھا اور اس کے بعد یہ رقم ان سب مواضعات پر تقسیم کر دی جاتی تھی جو اس حلقے میں واقع تھے۔ مگر اب ان قواعد کی رو سے جن کو قانون ۱۹ بابتہ ۱۸۷۳ء کے تحت منضبط کیا گیا تھا ایک نیا طریقہ جاری کیا گیا جس میں تفصیل سے جمع کی طرف رجوع کرتے تھے یعنی تحقیقات کے بعد ہر جاگیر کے لگان کی تصحیح کر کے ایک رقم مقرر کر دی جاتی

تھی اور اس طرح جاگیروں کے لگان پر نظر ثانی کے بعد سرکاری مالگزاری کی جو رقم مشخص کر دی جاتی تھی وہی اس حلقے کی مجموعی جمع تھی۔ بہ الفاظ دیگر قدیم نظام میں جو مطالبۂ مالگزاری مقرر کیا جاتا تھا وہ قیاس پر مبنی تھا مگر جدید نظام میں مطالبۂ مالگزاری لگان کی نظر ثانی پر مبنی تھا۔

با ایں ہمہ وہ طریقہ جس سے حقیقی لگان مشخص کیا جاتا تھا اصولاً غلط اور عملاً موجب سختی تھا۔ اگر زمیندار کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ بڑا نرم دل واقع ہوا ہے تو اس کا امکان تھا کہ عہدہ دار بند و بست اس کے لگان پر نظر ثانی کرکے ۱۰۰۰ پونڈ کے لگان کو ۱۲۰۰ پونڈ کر دے اور سرکاری مالگزاری بھی اسپر ۶۰۰ پونڈ مقرر کر دے۔ ایسی کارروائیوں سے نرم دل زمیندار بھی سختی کرنا سیکھ جاتے تھے اور جہاں تک ہو سکے لگان میں اضافہ کرنے کا خیال ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتا تھا حالانکہ انگریزوں کے نظم و نسق کا پہلا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اس طرح کی زیادہ ستانی وقوع ہی میں نہ آنے پائے۔

"نصف لگان کے قاعدے" کی خلاف ورزی کی ایک اور صورت پیدا ہو گئی۔ جب لارڈ میو کے سنہ ۱۸۷۰ء کے منصوبۂ تضعیف مرکزیت کی رو سے ابواب کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو لارڈ ڈلہوزی کی حکومت نے "نصف لگان کا قاعدہ" اس صاف و صریح مقصد سے مقرر کر دیا تھا کہ مالکان اراضی کو ان کی جاگیری آمدنی کا نصف ملے۔ اور سرکار کو بطور مالگزاری اس کا نصف ملے لیکن سنہ ۱۸۷۱ء میں جب جاگیروں پر علاوہ مالگزاری کے محصول اراضی کا ۱۰ فیصدی بشکل ابواب عائد کرنے کی اجازت دی گئی تو "نصف لگان کا قاعدہ" ٹوٹ گیا اس نئے منصوبے سے دراصل محصول اراضی ہی میں اضافہ ہوا اور وہ حد باقی نہ رہی جو لارڈ ڈلہوزی نے مقرر کی تھی۔ اس کے علاوہ اس سے اراضی پر جو مطالبۂ سرکار تھا اس میں اضافہ کرنے کا صوبوں کی حکومتوں کو غیر محدود اختیار حاصل ہو گیا۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں ہندوستان کے تمام صوبوں پر ابواب کی تعداد میں اضافے ہونے سے ایک آفت نازل ہوئی۔

پنجاب

پنجاب کے کاشتکاروں کے تحفظ حقوق کی سر جان لارنس نے بڑی دلیرانہ

کوشش کی تھی جس میں اس کو کامیابی بھی ہوئی تجدید بندوبست کا جب وقت آیا تو متعدد اشخاص جنھوں نے ۱۸۵۲ء کے بندوبست کے وقت بہ حیثیت زمیندار اپنا نام سرکاری کھاتے میں درج نہیں کرایا تھا زمیندار ہونے کا دعویٰ کرنے لگے اگر اس وقت ان کو زمیندار تسلیم کرلیا جاتا تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان کے تحت کی آسامیوں کی حیثیت اسامی غیر دخیل کار کی ہو جاتی اور یہ تخمینہ کیا گیا تھا کہ صرف ضلع امرت سر کے ۶۰۰۰ خاندانوں میں ۴۶۰۰ خاندانوں کی حیثیت اس سے گھٹ جاتی تھی اس لئے کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت کے لیے "قانون اسامیاں" کا مسودہ پیش کیا گیا جس پر ۱۸؍ اکتوبر ۱۸۶۸ء میں شملے میں بہت بڑی بحث ہوئی۔ سر ہنری مین نے ایک یادگار تقریر میں اس قانون کی پرزور تائید کی اور سر جان لارنس کی خواہش یہی تھی کہ کسی حال یہ نافذ ہو جائے۔ مخالفوں کو ایسی شکست ہوئی کہ اُن کی کمریں ٹوٹ گئیں اور "قانون اسٹامپ" (قانون ۲۸ بابتہ ۱۸۶۸ء) کی رو سے ایک طرف زمینداروں کے حقوق کو تسلیم کرلیا گیا اور دوسری طرف کاشتکاروں کو مذلت سے بچا لیا گیا۔

"اس قانون کی رُو سے ان اسامیوں کی جن کو حق قبضہ حاصل تھا ایک باضابطہ حیثیت مقرر کردی گئی۔ خاص خاص حالات کے بہ استثناء عام طور پر وہ اضافۂ لگان سے بھی محفوظ ہو گئے۔ حقیت ارضی کو دوسروں پر منتقل کرنے کا ان کا حق تسلیم کرلیا گیا۔ اسامی اپنی اراضی میں کس قسم کی اصلاح کر سکتے تھے اور ان کو ان اصلاحوں کا کیا معاوضہ ملنا چاہئے ان امور کا تعین کردیا گیا۔ یہ گویا ان امور کی پیش بندی تھی جو بعد کو آئرلینڈ میں تصفیہ طلب بنگئے تھے۔"

صرف اتنا اور عرض کرنا ضروری ہے کہ "قانون اسامیاں" کے نفاذ سے تین سال بعد لارڈ میو کے عہد حکومت میں "قانون مالگزاری پنجاب" (قانون ۳۳ بابتہ ۱۸۷۱ء) نافذ ہوا اور اس کے تحت جو قواعد منضبط ہوئے انھیں کے موافق پنجاب میں یکے بعد دیگرے بندوبست عمل میں آئے۔

ہم نے اس باب میں ان قوانین پر مختصر سا تبصرہ کیا ہے جو لارڈ کیننگ اور اس کے جانشینوں نے شمالی ہند کے کاشتکاروں کے تحفظ حقوق کے لئے نافذ

گئے تھے حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت نے ان سے زیادہ مفید و کار آمد قوانین کبھی نافذ نہیں کئے۔ منتظمین وقت کی یہ خواہش نہ تھی کہ صاحب اراضی طبقے کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ برخلاف اس کے ان کے حقوق کا منتظمین وقت لحاظ کرتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں کے تحفظ حقوق کا بھی انھیں خیال تھا جو مالکان اراضی کے تحت زمین کی کاشت کرتے تھے۔ کیننگ اور لارنس نے سچ پوچھئے تو ہندوستانی اسامیوں کو نئے حقوق عطا نہیں کئے۔ یا کوئی جدت پیدا نہیں کی۔ برخلاف اس کے انھوں نے صرف ان حقوق میں اصلاح کی۔ ان کی قانونی تعریفات بھی کیں اور ان کو قانون کی شکل میں منضبط کر دیا کیونکہ ہندوستانی کاشتکار سیکڑوں ہزاروں سال سے رسم و رواج ملک کے موافق ان حقوق سے بہرہ ور رہے تھے۔ اس زمانے کے قوانین کی جن میں بڑوں کا احترام اور چھوٹوں اور کمزوروں کی حفاظت ملحوظ رکھی گئی تھی اور جو ہندوستان کے بن لکھے قدیم رسم و رواج پر مبنی تھے تفصیل بیان کرنے سے اہل ہند کی تاریخ لکھنے والے کو بے انتہا خوشی ہوتی ہے۔ ایسے دانشمندانہ اور مفید قوانین کے نفاذ کا سہرہ اول تو لارڈ کیننگ کے سر ہے جس نے سب سے پہلے بنگالے کے کاشتکاروں کا تحفظ حقوق کیا تھا دوم جان لارنس کے سر ہے جس نے بعد کو پنجاب اور اودھ کے کاشتکاروں کا تحفظ حقوق اسی صورت سے کیا۔ ۱۸۵۷ء کے تاریک زمانے میں برطانوی شہنشاہی ہند کو بچانے میں ان آدمیوں نے جو بہادرانہ خدمات انجام دیتے تھے ان کا ہر مورخ کو اعتراف ہے لیکن ہر مورخ میں یہ فروتنی نہیں ہے کہ وہ ان خدمات کا بھی ذکر کرے جو ان دونوں نے شمالی ہند کے بے زبان کسانوں کے اغراض کی حفاظت اور ان کے فلاح و بہبود کی خاطر نہایت استقلال کے ساتھ انجام دئے تھے۔ اہل ہند کے معاشی حالات کی تاریخ لکھنے والے ہی کو یہ خاص اعزاز و حق حاصل ہے کہ وہ ہندوستان کے ان دو زبردست ترین منتظمین مملکت کی اس غیر معروف کارگزاری کا پرزور الفاظ میں مکمل اعتراف کرے۔

ان سر برآوردہ حکمرانوں نے جس طرح شمالی ہند میں کسانوں پر زمینداروں کے مطالبات کی ایک حد قائم کر دی تھی اسی طرح ہمت کر کے زمینداروں پر سرکاری

مطالبات کی بھی ایک حد مقرر کر دی کیونکہ ان کا خیال تھا اور بجا خیال تھا کہ اگر ہر تجدید بندوبست پر ملک کی حکومت بھی مطالبۂ مالگزاری میں مسلسل اضافہ کرنے کی خواہاں ہو تو پھر اس زرعی ملک میں دوامی خوش حالی، اجتماع دولت اور اصلاح حال کے لئے معقول وجہ تحریک کیا خاک ہوگی۔ کیننگ اور لارنس نے مطالبات میں اضافے کو اس لئے محدود کر دیا تھا کہ اس سے رعایا خوش حال رہے اور رعایا کی عام خوش حالی کے ساتھ ساتھ سرکاری محاصل میں بھی توفیر ہو۔ کیننگ اور لارنس دونوں کو ناکامی ہوئی کیونکہ آنے والی نسلوں کے مدبروں میں کوتاہ نظری پھیلی ہوئی تھی اور قوم کے ساتھ ان کا کوئی رشتۂ ارتباط قائم نہ تھا اور جب شہنشاہی بالکل محفوظ تھی اور کسی غنیم کا ڈر نہ تھا تو یہ لوگ قوم کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان مباحث کا قصہ نہایت افسوس ناک ہے جو بعد کے باب میں بیان ہوگا۔

چوتھا باب

ہندوستان کے لیے دوامی بندوبست کی تجویز

سنہ ۱۸۳۷ء سے اس وقت تک ایسا شدید قحط شمالی ہند میں کبھی نہیں پڑا تھا جیسا سنہ ۱۸۶۰ء میں پڑا۔ اس کا اثر ۲۵۰۰۰ مربع میل کے رقبے کے اس سرے سے اس سرے تک ایک کروڑ تیس لاکھ کی آبادی پر پھیلا ہوا تھا۔ دہلی۔ آگرے۔ الہ آباد اور دوسرے شہروبلاد پر ایک مصیبت نازل ہوئی تھی۔ حکومت نے ان سب تندرست عورتوں اور مردوں کو جو کام کرنے کے قابل تھے امدادی کاموں پر لگا دیا۔ اور اپاہج یا سن رسیدہ لوگوں کی جو کام کرنے کے قابل نہ تھے خیرات عامہ سے امداد کی جاتی تھی۔ سنہ ۱۸۳۷ء کے قحط کے مقابل اس قحط میں جانوں کا اتلاف کم ہوا۔

آخر کار جب یہ آفت سر سے ٹلی تو لارڈ کیننگ نے کرنل بیرڈ اسمتھ کو ان امور کی تحقیقات و دریافت کرنے پر مقرر کیا کہ اس قحط کے اسباب کیا تھے اور کہاں تک اسکا اثر پھیلا تھا اس کام کے لئے کرنل بیرڈ اسمتھ سے بہتر انتخاب نہیں ہو سکتا تھا۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں دہلی کی فتح کے وقت بیرڈ اسمتھ بہ حیثیت چیف انجینیر خاص امتیاز حاصل کر چکا تھا لیکن دراصل اس کی شہرت کا انحصار شمالی ہند کے ان ذرائع آبپاشی پر

تھا جن سے نہ صرف رقبۂ کاشت میں اضافہ ہو گیا تھا بلکہ رعایا کے کھانے کے لئے غلے کی پیداوار میں بھی توفیر ہوئی تھی چنانچہ حسب معمول مستعدی اور سرگرمی سے اس نے اس جدید کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ قحط زدہ خطوں کے حالات کی مکمل تحقیقات کرنے کے بعد اس نے مئی اور اگست سنہ ۱۸۶۱ء میں تین رپورٹیں پیش کیں اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے وہ چند امور واقعہ دریافت کئے تھے جو ہندوستان کے ہر قحط پر صادق آتے تھے۔

اول اس نے صاف طور پر بتایا تھا کہ ملک میں قحط پڑنے کا سبب غلہ اجناس کی قلت نہ تھی بلکہ فاقہ کش اور بھوکوں مرنے والوں کو اشیائے خورد و نوش میسر نہیں ہوتے تھے۔ دوم اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ قوم کی عام قوت تحمل کا انحصار زیادہ تر ان کے نظام اراضی ہی پر تھا۔

"اس سے بڑھ کر کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قحط کے وقوع میں آنے کو تعین مطالبہ مالگزاری کے ساتھ کچھ زیادہ تعلق نہیں ہے۔ یا جیسا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دونوں امور باہم دیگر متعلق نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہ مقابل سڑکوں اور نہروں کے لئے ذرائع امداد کے اگرچہ یہ بھی بیشک اہم ہیں مطالبہ مالگزاری سے قحط کا تعلق قریب تر کا ہے۔ کیونکہ رعایا کی روزمرہ زندگی اور سانیچے عروج و زوال۔ تمول و افلاس سے اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ جب فطرت کے اقتضاء سے امساک باراں اور خشک سالی نمودار ہوتی ہے تو پھر کوئی بہتر سے بہتر بندوبست بھی انسانی دماغ اختراع کیوں نہ کرے اس سے نہ آسمان پر بادل امنڈ تے ہیں اور نہ زمین بارش سے تر ہو سکتی ہے لیکن خشک سالی اور اس کے نتائج خواہ کچھ ہی کیوں نہوں لوگوں میں ان فنا کن اثرات کے مدافعت کی قابلیت اسی تناسب پر بلکہ میں تو یہ کہونگا کہ اسی ہندسی تناسب پر ہو گی جس تناسب پر ان کا نظام بندوبست جس کے زیر اثر وہ اپنی زندگی گزارتے ہیں اور نشو و نما پاتے ہیں مکمل بن گیا ہو۔"

باحتیاط تمام پوری چھان بین کرنے کے بعد سنہ ۱۸۳۷ء کے قحط اور سنہ ۱۸۶۰ء کے قحط کا باہمی مقابلہ کرنے سے کرنل بیرڈ اسمتھ کو اس مذکورالصدر امر کا حق الیقین

ہوگیا تھا۔ مساوی رقبے پر ان دونوں قحطوں کا اثر پڑا تھا لیکن بعد کے قحط سے زیادہ آبادی متاثر ہوئی تھی اور ۱۸۶۱ء میں دوسرے حالات بھی بدتر تھے۔ باایں ہمہ ۱۸۶۱ء میں اتنی جانیں تلف نہیں ہوئیں جتنی ۱۸۳۳ء میں ہوئی تھیں کیونکہ ۱۸۳۳ء سے شمالی ہند میں جس نظام اراضی کی ترویج کی گئی تھی وہ پہلے نظام سے بے انتہا بہتر تھا۔

"۱۸۶۰ء میں جن اسباب سے شمالی ہند کا معاشرتی شیرازہ ایسا مستحکم ہوگیا تھا کہ امساک باراں اور قحط کے شکنجے میں پھنس لنے کے بعد بھی ملک کو ان صدموں کی تاب لانے میں بمقابل ۱۸۳۷-۳۸ء کے کم زحمت و تکلیف اٹھانی پڑی تھی ان میں سب سے زیادہ اہم سبب زرعی ملک کی آسان نقد پذیری اور انتقال ملکیت کی سہولت کہی جاسکتی ہے اور یہ دراصل اراضی پر طویل میعاد تک مطالبۂ سرکار نیز انفرادی حقوق کا جنھیں موجودہ بندوبست کی ابتدا سے کامل طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے بہ احتیاط تمام تعین کردینے کا لازمی نتیجہ ہے"

آئندہ قحط کے بدترین سے بدترین اثرات سے ملک کے محفوظ رکھنے اور عام رعایا کی خوش حالی سے محاصل سرکار میں اضافہ ہونے کی غرض سے کرنل بیرڈ اسمتھ نے شمالی ہند کے سابقہ اور موجودہ حالات کی بہ احتیاط تمام تحقیقات کرنے کے بعد جو اعداد اور معلومات فراہم کئے تھے ان کے لحاظ سے وہاں کے لئے دوامی بندوبست مالگزاری کی سفارش کی تھی۔

"ایک حد تک صحیح اصول پر کار بند رہنے سے عام طور پر جو فائدہ ہوا ہے اس سے قدم اور آگے بڑھانے کی ہمت ہوتی ہے اور اس فعل کے جواز کی بھی ایک صورت نکل آتی ہے۔ آپ کے غور کے لئے نہایت مؤدبانہ طریقے پر میں سب سے پہلی اور سب سے اہم اصلاحی تجویز یہ پیش کرتا ہوں کہ اراضی پر مطالبۂ سرکار کا ہمیشہ کے لئے تعین کردینا مناسب ہے کیونکہ میرا راسخ عقیدہ یہ ہے کہ اس سے سرکار اور رعایا دونوں کے اعتراض کو روزافزوں تقویت حاصل ہوگی"

"یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اگر مطالبۂ سرکار کا دوامی تعین کردیا جائے تو اس رعایت سے سرکار کو محاصل کا بڑی حد تک ایثار کرنا ہوگا لیکن یہ قابل ملاحظہ ہے کہ صرف ایک صورت حال کے بہ استثناء جس کے متعلق علٰحدہ عرض کیا جائیگا

سرکار نے حال میں جتنی تدبیریں اختیار کی تھیں ان کا نتیجہ بالکل اس کے برعکس ہی نکلا اور یہ ثابت ہوگیا کہ مطالبۂ مالگزاری میں عام اضافے کے بجائے عام تخفیف ہی سے سرکاری اغراض بہتر طریقے پر پورے ہو سکتے ہیں اگر اس طرح دولت جمع ہونے لگے تو اس کے فواید سے ساری زمین بہرہ ور ہوگی اور اس طبقے کی خوش حالی میں بھی اضافہ ہونے کی بنا پر جو ہمیشہ دیسی معاشرت کی روح رواں ہے اور جس کا استحکام اور کمزوری معاشرتی شیرازے کا استحکام اور کمزوری ہے نہ صرف تجارت داخلہ و خارجہ اور عام تمول میں اضافہ ہوگا بلکہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائےگا قوم دولت بھی زیادہ قوی ہوتی جائےگی اور ایک ایسی آفت کی جو اب زیر غور ہے کسی جماعت کے تاب نہ لانے کا اندیشہ بھی رفتہ رفتہ کم ہوتا جائےگا۔ گر یہ فرض کرلیا جائے کہ اس تجویز سے کم سے کم ایک حد تک مذکورہ توقعات پوری ہوتی ہیں تو پھر یہ سفر دضہ نا واجبی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذہین اور طاقتور حکومت ان عام فواید سے خود بہرہ ور نہ ہوگی حقیقت یہ ہے کہ خوش حالی سے مستفید ہونے کے سب سے کم ناپسندیدہ اور سب سے زیادہ موثر ذریعوں کی طرف خود بخود ایسی حکومت کا ذہن منتقل ہوگا اور ان ذرائع کی آزمائش اور کامیابی بھی اس کے مقدور میں ہوگی۔ اس لیے میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ اس میں سرکار کو ایثار سے کام لینا نہیں پڑے گا بلکہ اس کے برخلاف اس طرح مزید غیر سرکاری ملکیت کے پیدا کرنے سے جو مطالبۂ مالگزاری کے دوامی تعین کا لازمی نتیجہ ہوگا سرکار کے ذرائع آمدنی میں بھی اضافہ ہوگا۔"

کرنل بیرڈ اسمتھ نے سب سے پہلے جو اصلاحی تجویز پیش کی وہ یہی تھی اور اس کے علاوہ اس نے ذرائع آبپاشی اور ذرائع آمد و رفت وغیرہ کی تکمیل و توسیع کی بھی صلاح دی۔ اس کے بعد لارڈ کیننگ نے بیرڈ اسمتھ کی اس رپورٹ کو تمام صوبوں کی حکومتوں کے پاس ان کے غور و خوض کے لیے بھیج دیا۔

پنجاب کی رپورٹ

شمالی ہند میں حکومت پنجاب ہی ایک ایسی حکومت تھی جس نے دوامی بندوبست

کی فوری ترویج میں اس لیے تامل ظاہر کیا تھا کہ اس صوبے کو انگریزوں کے زیر انتظام آئے ابھی بارہ سال نہیں ہوئے تھے اور کئی اضلاع میں ابھی کاشت بہت زبوں حال میں تھی۔ وہاں کے لفٹنٹ گورنر نے لکھا تھا کہ:

"پنجاب کا آدھا رقبہ بھی زیر کاشت نہیں ہے وہاں بڑے بڑے خطے تقریباً غیر آباد ہیں۔ ذرائع آمد و رفت بالکل ناقص اور عام طور پر ذرائع آمدنی سرکار ابھی ناممکل ہی ہیں۔ اس لئے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ایک ایسے صوبے میں جہاں اوسط درجے کی زرعی ترقی ہو چکی ہو آئندہ لگان میں کسی طرح کا بھی اضافہ کرنے کے حق سے سرکار کا دست بردار ہو جانا بڑی دانائی کی بات ہے ہم موجودہ وصول باقی کو ایک ایسے صوبے میں جس کی حالت ترقی یافتہ صوبے کی سی نہیں بحالہ قائم رکھنا ہی بڑی عاقبت اندیشی خیال کرتے ہیں۔"

"اس موضوع پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالنے کے بعد پنجاب کی حد تک تو لفٹنٹ گورنر کا یہی خیال ہے کہ اگر پنجاب جیسے ملک میں بھی جہاں کاشت کی حالت بہت ہی زبوں ہے اور جس کے محاصل سے فوج کے مصارف تمام و کمال نہیں ادا ہوتے اور جہاں دیوانی ادارے بھی کسی بہت بڑے شائستہ اور ترقی یافتہ ملک کے مناسب حال نہیں بلکہ بالکل معمولی ہیں علانیہ یہ کہہ دینا کہ محصول مالگزاری میں آئندہ کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا جائیگا بڑی فراست سمجھی جاتی ہے تو با ایں ہمہ تقسیم دولت کی موجودہ اور آئندہ کی غیر مساوات اس درجے بڑھی ہوئی اور عام طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ بندوبست کے ساتھ ساتھ اس کو بھی دوامی کر دینا لازم آتا ہے اور یہ کسی صورت سے مناسب نہیں۔"

شمالی مغربی ممالک کی رپورٹ

شمالی ہند ساٹھ سال سے انگریزوں کے زیر حکمرانی تھا اور ان اضلاع میں جہاں کاشت خوب ہوتی تھی دوامی بندوبست کی ترویج کے مسئلے پر سبھی کا اتفاق رائے تھا۔

ولیم میور نے جو اس وقت مجلس مالگزاری کا رکن کبیر تھا اور بعد کو اس صوبے کا لفٹنٹ گورنر اور پھر وزیر مال ہند ہوا۔ دوامی بند و بست کے فوائد کا حسب ذیل چھ عنوان کے تحت خلاصہ کیا ہے:۔

(۱) میعادی تجدید بند و بست کے مصارف کی بچت۔

(۲) تجدید بند و بست کی زحمتوں سے رعایا کو نجات۔

(۳) ہر عارضی بند و بست کے ختم پر جاگیروں کا ناقدری سے محفوظ رہنا۔

(۴) اصلاح اور صرفِ اصل کی معقول وجہ تحریک اس طرح پیدا ہونے سے خوشحالی کا پیدا ہونا۔

(۵) ملک اراضی کی توفیر مالیت۔

(۶) رعایا میں قناعت اور اطمینان قلب کا پیدا ہونا۔

آریبتی مجلس مالگزاری کے رکن صغیر کی رائے میں اس تجویز سے سرکار کا کوئی مالی نقصان نہیں ہونا تھا۔

تمیری رائے یہ ہے کہ آئندہ تجدید بند و بست پر موجودہ مطالبۂ سرکار میں اضافہ کرنے کے بعد بھی مالگزاری کی رقم اتنی زیادہ نہیں ہو سکتی جتنی زیادہ ذرائع آمدنی کے بالواسطہ یا بلا واسطہ بتدریج ترقی کرنے سے ہو سکتی ہے بشرطیکہ حقیت اراضی سہل ترین کر دی جائے۔ اور اس کا ثبات متیقن ہو جائے۔

ان آراء سے اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے شمالی مغربی ممالک کے لفٹنٹ گورنر نے غور و خوض کے بعد ایک طول طویل یادداشت میں دوامی بند و بست کر دینے کی تجویز پیش کی تھی۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ شمالی مغربی ممالک میں بتدریج و بہ احتیاط تمام بند و بست مالگزاری کو مراعات مداومت کا حامل بنانے سے عام طور پر وہ فوائد حاصل ہونگے جن کو کرنل بیرڈ اسمتھ نیز مسٹر میور نے اور زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ طویل المیعاد بند و بست کے نتیجے کا لحاظ کرتے ہوئے بلا خوف و خطر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ مطالبۂ سرکار کو دواماً محدود کر دینے سے اراضی کی شکل میں شغل سرمایہ بہت زیادہ ہونے لگے گا۔ زرعی طبقات کی دولت میں بھی اضافہ ہوگا۔ ملک کی خوشحالی

بڑھ جائے گی اور قوم میں نیاز ور پیدا ہو جائیگا۔ اراضی کی قیمت بھی زیادہ ہو جائیگی اور کاشت کی توسیع اور پیداوار کی توفیر سے جو منافع ہو گا اس کا کوئی حصہ بطور حق سرکار لینے سے اگر حکومت دست کش ہو جائے تو اس آئندہ نقصان کی تلافی کلیتہً نہیں تو کم از کم جزء عام طور پر ملک کی توفیر دولت اور از دیاد خوش حالی سے ہو جائیگی"

"علاوہ برآں اس کے ذیلی فواید کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے مثلاً لوگوں کو ہر طرح کی زحمتوں اور استحصال بیجا سے جو در حقیقت وقتاً فوقتاً تجدید بندوبست کے لازم و ملزوم ہیں نجات حاصل ہونا۔ ان مصارف کثیر سے بچنا جو ہر تجدید بندوبست پر سرکار پر لاحق ہوتے ہیں مالکان اراضی کو ہر تجدید بندوبست کے وقت عارضی طور پر اپنے املاک کی فرسودہ حالت بنا دینے کا کوئی موقع نہ دینا غرض مذکورہ الصدر سب امور سرکار اور رعایا دونوں کے حق میں بارسنگیں ہیں اور کم و بیش شدت سے ان دونوں پر ان کا اثر پڑتا ہے۔ اگر سرکاری محاصل میں دوامی خسارے کی کوئی صورت پیدا کئے بغیر ان خرابیوں کو دُور کیا جا سکتا ہے تو کوئی ہوشیار شخص ایسا نہ ہو گا جو اس کی ذرا بھی مخالفت کرے"

"میرے خیال میں اس بات کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ مطالبۂ سرکار کا دوامی تعین کرنا بڑی سیاسی فراست و دانائی ہے۔ یہ سچ ہے کہ بہار اور بنارس کے چند اضلاع خصوصاً غازی پور میں جہاں دوامی بندوبست قائم ہے ۱۸۵۷ء کی بغاوت ان صوبوں کے ان دوسرے اقطاع کے مقابل جہاں صرف عارضی بندوبست ہی ہے کسی حال کم عالمگیر یا کم ارادی واقع نہیں ہوئی تھی لیکن ان جذبات کا ظہور چند ایسے جوش دلانے اور ابھارنے والے اسباب و علل کا نتیجہ تھا جن کا اثر سریع الزوال اور عارضی تھا اور اس سے یہ عقیدہ کسی حال کمزور نہیں ہوتا کہ اراضی پر مطالبۂ سرکار کی ایک حد مطلق مقرر کر دینے سے رعیت کو اطمینان کلی حاصل ہو جائیگا اور اگر کسی بات سے رعیت کو سرکار کے ساتھ عقیدت و خلوص پیدا ہو سکتا ہے اور ملک کے اغراض کی بہترین طریقے پر تکمیل کرنے کی خواہش سرکار کے دل نشین ہونے پر اعتماد کیا جا سکتا ہے تو بس وہ یہی ایک بات ہے"

"لیکن میری رائے میں دوامی بندوبست کی ترویج چند مستثنیات و قیود

وشرائط کے ساتھ ہونی چاہئے اور اس تجویز کو انجام پر پہنچانے کے لیے چند سال کی مہلت درکار ہے۔ تعجیل ایک ایسے اہم معاملے میں بالکل نادرست ہے کیونکہ یہ سرکار اور رعایا دونوں کے حق میں باعث مضرت ہے۔"

لفٹنٹ گورنر جی۔ ایف۔ اڈمنسٹن نے "جو مستثنیات و قیود وشرائط" مقرر کئے تھے وہ حسب ذیل تھے:۔ یہ کہ دوامی بندوبست سے پہلے موجودہ بندوبست پر نظرثانی کر لی جائے۔ یہ کہ اس تجویز سے بعض اضلاع جن کی حالت جنگل کی سی ہے یا جن کی رفتار ترقی بہت سست ہے کئی سال تک مستثنیٰ کر دیئے جائیں۔ یہ کہ "ہر میعاد بندوبست کے ختم پر مالگزاری میں آئندہ اضافہ سے سرکار کے دست بردار ہو جانے پر جو نقصان ہوگا اس کی تلافی کے لیے پن کی شرح میں اضافہ کیا جائے۔"

بنگالہ کی رپورٹ

سیسل بیڈن لفٹنٹ گورنر بنگالہ نے گورنر جنرل کی کونسل کے رکن کی حیثیت سے پہلے ہی اس تجویز کی تائید کی تھی مکرر بہ حیثیت لفٹنٹ گورنر اس نے اپنی سابقہ رائے کی ایک علحدہ مراسلے میں توثیق کی۔

"اگرچہ فی الحقیقت مجلس کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ سرکار اور کسی شخص کے مابین جس سے بندوبست کیا جاسکتا ہے تشخیص مالگزاری ایک بالکل سیدھا سادہ معاہدہ ہے اور یہ دوامی ہو کہ عارضی اس کے جواز کے لیے کسی خاص قانون کی ضرورت نہیں پھر بھی بنگالے کے جنوبی صوبوں کے متعدد پرگنوں میں تشخیص مالگزاری کے متعلق ہمیشہ کے لیے ایک موثق اصول کا قانوناً مقرر کر دینا جیسا ۱۷۹۳ء میں کیا گیا تھا لفٹنٹ گورنر کی رائے میں بیشک درست ہوگا۔"

وزیر مال کی رائے

سر بارٹل فریر اس وقت گورنر جنرل کی کونسل کا رکن تھا۔ اس نے بھی اس تجویز

کی تائید کی۔لیکن جس نے سب سے زیادہ اہم تائید کی وہ خود لارڈ کیننگ کی کونسل کا وزیر مال سیموئل لنگ تھا۔انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ جو ہر ماہر فن مالیات کی قابل تعریف فطری خصوصیت ہوتی ہے اس نے یہ تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ دوامی بندوبست سے آئندہ مالگزاری کا جو نقصان ہوگا اس کی تلافی دیگر ذرائع سے توفیر آمدنی وقوع میں آنے کے باعث ہو جائیگی لیکن دوسرے اعلےٰ غور طلب امور کی بنا پر اس نے اس تجویز کی تائید کی جس کو اسی کے پُرزور الفاظ سے بہتر الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا :-

"بہ حیثیت حکومت ہمارا وجود اس لیے نہیں کہ ملک سے اس کے انتہائی مقدور کے برابر ہم محاصل وصول کرتے رہیں۔ یا رعایا کے ایک جم غفیر کو کسان اسامیوں کی حیثیت سے ایک پدری حکومت کے تحت ہر جگہ یکساں اور مساوی الحیثیت بنا رکھیں خواہ یہ حالت ایک حد تک مسرت خیز و قناعت افزا ہی کیوں نہو"

"اگر ہم دوامی بندوبست کر دیں جیسی مسٹر بیڈن کی تجویز ہے تو ہم ایک ایسے معاشرتی نظام کا سنگ بنیاد رکھیں گے جس کا انتظام یوں بہ آسانی ہو سکیگا۔ مگر جس میں متعدد اور مختلف تمدن و ترقی کے عناصر پہلے سے زیادہ موجود ہونگے۔ اس معاشرتی نظام میں کئی مدارج ہونگے مثلاً دیسی رؤساء جن کے زیر قبضہ اراضی کے بڑے بڑے خطے ہونگے ان کے بعد شرفا جن کی جاگیریں ہوں گی۔ خود مختار زمیندار۔ اپنی اراضی کی خود کاشت کرنے والے چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی۔ طویل المیعاد پٹہ رکھنے والے بڑے بڑے اسامی جو ہنرمند اور سرمایہ دار ہونگے۔ چھوٹے چھوٹے پٹہ دار اسامی، غیر دخیل کار اور سب سے آخر روزانہ کے مزدور"

"بعض اضلاع میں ایک طبقے کے لوگ زیادہ ہونگے بعض میں دوسرے طبقے کے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک ایسے مقام کے مقابل جہاں حکومت ہی سب کچھ ہو یہاں زحمت و تکلیف غیر مساوات اور تصادم بہت زیادہ ہوگا مگر ساتھ ہی ساتھ زندہ دلی۔ حرکت اور ترقی بھی بہت زیادہ نمایاں رہیگی۔

”اگر انگلستان میں سرکار نے ان سب زمینوں کے جو پیشے ور پہلے زمانہ جنگلوں میں بطور تاوان آئنیں یا کلیسا سے چھین کر ضبط کر لی گئیں صرف معاف شدہ محصول اراضی کو اپنے لیے مختص کر لیا ہوتا تو پھر بلا کسی مزید محصول کے حکومت کے کاروبار میں اس سے بہت کچھ مدد ملتی مگر کیا انگلستان پھر وہی ملک ہوتا جو آج نظر آتا ہے؟“

”اگر مشرق سے ہم کو کچھ سروکار ہے تو یہی کہ ہم مقبول عام قدیم وضع کی مشرقی مطلق العنانی[1] کے بجائے کوئی اچھی چیز اختراع کریں اور ایک بڑی خود مختار اور خودمنی قوم بننے کا ہندوستان کو کم سے کم موقع ہی دیں“

”محاصل پر اس کا کیا اثر پڑیگا اس کا مجھ کو مطلق خدشہ نہیں“

”ممکن ہے یہ صحیح ہو کہ کم سے کم آئندہ بیس یا تیس سال تک گو لگانوں کے محاصل میں اضافہ ہوتا ہے لیکن ہمیں اس قدر محاصل وصول ہو گا جس قدر اس حالت میں ہوتا کہ اضافہ ہمیں کو ملتا“

”لیکن آئندہ معقول مقدار میں محاصل کے وصول ہوتے رہنے کا کچھ اندیشہ نہیں بشرطیکہ ہمارے بندوبست اراضی میں چند امور ملحوظ رہیں۔ مجھ کو اس کا کسی صورت سے یقین نہیں کہ حکومت کے حقیقی مقاصد کی تکمیل کے لیے جتنے محاصل

---

[1] ہندوستان میں مشرقی مطلق العنانی کے نقائص اور خرابیاں کچھ ہی سہی وہ ہر وقت طبقات کے مراتب کا لحاظ کرتی تھی اور دیہی جماعتوں۔ زمینداروں۔ پالی گاروں۔ جاگیرداروں میراث داروں۔ سرداروں اور تعلقداروں کی پرورش کا ہمیشہ خیال رکھتی تھی۔

[2] یادداشت مورخہ ۷ اپریل ۱۸۶۲ء۔ بیرڈ اسمتھ نے لکھا تھا کہ ”بعض وقت تمسخر کے طور پر اور بعض وقت متانت و سنجیدگی کے ساتھ یہ کہا جاتا تھا کہ ہندوستان کے خزانے کے پر ہونے کا لازمی نتیجہ جنگ ہی ہوتا ہے“ لیکن یہ کہنا زیادہ صحیح اور حقیقت سے قریب تر ہوگا کہ بے اندازہ محصولات سے محاصل میں فاضلات ہونے کا یقینی نتیجہ مزید فوجی مصارف کا عائد ہونا، ہندوستان پر ناواجبی بار کا ڈالنا اور ہندوستان سے اور زیادہ معاشی بدررو کا جاری رہنا ہی ہوتا ہے۔

کی ضرورت ہے اس سے زیادہ ملک کی آمدنی میں سے سرکار کا اپنے صرف کے لیے مختص کر لینا یا بہ آسانی اس سے بڑھ کر زر وصول کرنا بھی کوئی پسندیدہ بات ہے۔"

سرجان لارنس کی یادداشت

ممالک متوسط۔ مدراس اور بمبئی سے یہ اور دوسری رپورٹیں وزیر ہند کے ملاحظے میں پیش ہوئیں۔ سر چارلس وُڈ نے اس سوال نیز محصول اراضی کے مسئلہ انفکاک پر جو گزشتہ چند سال سے حکومت کے زیر غور تھا نہایت توجہ اور احتیاط کے ساتھ غور کیا۔ موخرالذکر مسئلہ تو وہیں ختم کر دیا گیا لیکن مقدم الذکر یعنے دوامی بندوبست کے مسئلے پر ٹھنڈے دل سے نہایت قابلانہ بحث مباحث ہوئے۔

سرجان لارنس جو اس وقت وزیر ہند کی کونسل کا رکن تھا انفکاک مالگزاری کی حکمت عملی کا مخالف تھا مگر اس نے بھی دوامی بندوبست کی تجویز کی زور دار تائید کی۔

"میں دوامی بندوبست کی اس لیے سفارش کرتا ہوں کہ مجھ کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ چند سال سے ملک نے بڑی ترقی کی ہے۔ لیکن مطالبۂ سرکار اگر محدود کر دیا جائے تو ذرائع تمول میں اس سے بڑھ کر ترقی کا امکان ہے۔ اس تجویز سے لوگوں کو اندرون ملک شغل زر کرنے کی اور زیادہ ترغیب ہوگی اور خود مالگزاری بھی زیادہ محفوظ ہو جائیگی کیونکہ وقتاً فوقتاً نزول آفات پر مالگزاری کا ہمیشہ خسارہ ہوتا رہا ہے اگرچہ یہ نقصان کم و بیش عارضی نوعیت ہی کا ہوتا ہے۔ یہ بھی نہایت ہی پسندیدہ بات ہے کہ موجودہ زمینداروں اور کسان مالکوں کو ان کی اراضی سے بے دخل کئے بغیر ایک ایسے متوسط طبقے کے جس کا تعلق اراضی سے ہو نشو و نما کے لیے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ ان طبقوں میں جو ایسے نادار ہیں کہ ظاہری حالت بھی ثقہ نہیں رکھ سکتے اکثر ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنھیں فہم و فراست۔ جوش و جرأت اور معاشرتی اثر و اقتدار حاصل ہے۔ اس لیے موجودہ صورت حال کی اصلاح اس طرح نہیں ہو سکتی کہ صرف چند اشخاص کو غیر مشترک فوائد عظیم پہنچائے جائیں اور

وہ بھی قوم کے باقی افراد کو بالخصوص محروم کر کے۔ جس بات کی درحقیقت ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں جو داناو ہوشمند۔ کفایت شعار اور باہمت ہوں ان کو اپنے ان اوصاف سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے تاکہ ان کی حالت درست ہو جائے اور اس کا بہترین طریقہ بیشک یہی ہے کہ اراضی پر مطالبۂ سرکار محدود کر دیا جائے جب ایسے لوگ صاحب جائداد بنجا ئینگے اور خوب خوشحال رہینگے تو سرکار کی طرف بھی ان کے خیالات یقیناً اچھے رہیں گے اور اپنے وسیع اقتدار کو سرکار کی حمایت کے کام میں ضرور لائیں گے۔ یوں تو اہل ہند پر قومی اور مذہبی جذبات کا بڑا اثر ہے لیکن حُبِ وطن کا اس سے بھی بڑھ کر اثر ہے۔ چنانچہ شمالی ہند کے ہزاروں بلکہ لکھو کھا باشندے جو ہندوستان کے اقوام میں سب سے زیادہ جنگ جو اور سپاہی منش ہیں ان اجداد کی اولاد ہیں جنھوں نے اپنی سرزمین کو بچانے کے لیے مذہب تک کو ترک کر دیا تھا۔ مزارعین ملک کے دراصل ہاتھ پاؤں ہیں اور ان کی قناعت پر انگریزی حکمرانی کے آئندہ قیام کا بڑی حد تک انحصار ہے۔ اگر وہ خوشحال رہیں اور پھر فوج کم تعداد میں بھی رکھی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔"

سر چارلس وڈ کا مراسلہ

وزیر ہند نے ان خیالات اور دلائل پر نہایت خلوص وگرم جوشی کے ساتھ اپنا اتفاق رائے ۹ر جولائی ۱۸۶۲ء کے یادگار مراسلے میں ظاہر کیا جس سے ہم ذیل کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"ملکۂ معظمہ کی حکومت کو دوامی بندوبست کے سیاسی فوائد کے متعلق ذرا بھی شک نہیں مالکان اراضی پر مطالبۂ سرکار کا دوامی تعین کر دینے سے ملکیت اراضی کا پورا پورا تحفظ ہو جائیگا بلکہ یوں کہئے کہ یہ حقیقت از سر نو پیدا ہوگی اور اس سے رعایا کے دلوں میں بھی حکومت کی طرف سے جو اس برکت کا باعث ہے اور جس کے وجود کے ساتھ اس برکت کا وجود بھی دوامًا وابستہ ہے محبت وخلوص عقیدت ووفاداری کے جذبات پیدا ہونگے اور اگر یہ جذبات ان میں پہلے سے موجود ہیں تو اور موثق و مستحکم ہو جائینگے"

"یہ بھی بہت ہی مناسب ہے کہ کسان مالکوں اور قابضوں کو اراضی سے بے دخل کئے بغیر ایک متوسط طبقے کے تدریجی نشو و نما کے لیے جس کا تعلق اراضی سے ہو ہر طرح کی سہولتیں پیدا کی جائیں۔ یہ باور کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں میں جن میں فرداً فرداً دیکھیں تو افلاس پھیلا ہوا ہے۔ ایسے اشخاص بھی پائے جاتے ہیں جن کو فہم و فراست کار ہائے عامہ میں جوش و جراءت اور معاشرتی اثر و اقتدار بہت کچھ حاصل ہے اس لیے اراضی پر مطالبۂ سرکاری ایک حد مقرر کر دینے سے ہوشیار۔ کفایت شعار اور حوصلہ مند اشخاص کو اپنے اوصاف سے متمتع ہو کر اپنی حالت سدھار لینے کا موقع مل جائیگا۔ جب ایسے لوگ اپنے لیے املاک پیدا کریں گے اور اپنے آپ کو متمول حالت میں دیکھینگے تو یقیناً ان کے دلوں میں ایسی حکومت کے ساتھ خوش اعتقادی پیدا ہو جائیگی جس کے زیر سایہ وہ رہتے ہیں زراعت پیشہ طبقات (جو آبادی کا جزو کثیر ہیں) کی قناعت پر حکومت کے قیام کا زیادہ تر انحصار ہے۔ اگر یہ طبقات خوشحال ہیں تو دوسرے طبقات یا جماعتوں کی اتفاقی سرکشی کچھ ایسی موجب خطر نہیں ہو سکتی اور پھر افواج اور ان کے مصارف میں بھی حسب ضرورت تخفیف کی جا سکتی ہے۔

"ملکۂ معظمہ کی حکومت کو ذرا بھی شبہ نہیں کہ دوامی بندوبست سے عام اصلاح و ترقی کی رفتار میں اور سرعت پیدا ہو جائیگی۔ ملکیت اراضی پیدا کرنے سے ملک کی روز افزوں دولت کے لیے ایک مقبول عام شغل زر کا ذریعہ پیدا ہو جائیگا اور سب طبقات اس تجویز سے مستفید ہونگے۔ زرعی آبادی پر اس کا وہی اثر ہوگا جیسا کرنل بیرڈ اسمتھ نے محولۂ صدر اپنی قابلانہ یادداشت میں بیان کیا ہے یعنے اس سے رعیت کی معاشرتی حالت ارفع و اعلیٰ ہو جائے گی جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ لوگ نہ صرف حوادث زمانہ کے مقابلے میں کامیاب رہینگے بلکہ معمولی اوقات میں بغیر کسی مشکل کے مختلف اشکال میں مزید محصولات برداشت کر سکیں گے۔ ملکیت کا احساس یا بہ الفاظ دیگر اگر اس بات کا تیقن ہو جائے کہ جو محنت اور سرمایہ لوگ اپنی اراضی میں لگائینگے اس کا ثمرہ انھیں کو ملیگا تو پھر یقیناً ان کے سب قویٰ اراضی کو ترقی پر پہنچانے میں صرف ہونے لگیں گے۔ ملکۂ معظمہ کی حکومت کو پوری توقع ہے کہ اگر لوگ قانع رہ کر اپنی اصلاح حال کے لیے ہر وقت کوشاں رہیں تو کسی مشکل کے بغیر دوسری صورتوں سے وہ محاصل

سرکار میں اس قدر اضافہ کرسکتے ہیں کہ آئندہ کے اضافۂ مالگزاری سے دست بردار ہونے کے نقصان کی تلافی سے بھی بڑھ جائے۔"

"ان غور طلب امور پر نظر غائر ڈالنے کے بعد ملکۂ معظمہ کی حکومت کی یہ رائے ہے کہ اس تجویز سے نہ صرف ان لوگوں کے لیے جن کا اراضی سے براہ راست تعلق ہے بلکہ عام طور پر ایک بڑی جماعت کے لیے فوائد عظیم کی واجبی طور پر توقع کیجا سکتی ہے تو ان کے حصول میں آئندہ نقصان اٹھانے کے خطرے میں پڑنا بھی بالکل جائز اور درست ہے۔ یہ کہ صحیح حکمت عملی کا اقتضا یہی ہے کہ ان سب اضلاع میں دوامی بندوبست کر دیا جائے جہاں کے حالات یا تو سر دست ایسے ہیں یا آئندہ ایسے ہونے کی توقع ہے کہ وہاں دوامی بندوبست شروع کرنے کے لیے کوئی امر مانع نہیں اس سے ہندوستان کے ذرائع آمدنی میں جلد ترقی ہوگی اور اس ملک میں ملکۂ معظمہ کے ہر طبقے کی رعایا کی فلاح و بہبود اور قناعت کی صورت بھی پیدا ہو جائیگی۔"

رعایا کی رائے یہ ہے کہ قابضان اراضی کو حق انفکاک لگان عطا کرکے اس پیچیدہ طریقے سے وہی نتیجہ پیدا کرنیکی بہ نسبت دوامی بندوبست کا سیدھا طریقہ ہی بہتر ہے۔ ان کا یہ عقیدہ نہیں کہ قابضان اراضی کو اپنی ملک کو ترقی دینے کے لیے روپیہ صرف کرنے کی ترغیب کے طور پر مالگزاری کا حق انفکاک بھی حاصل ہونا ضروری ہے بلکہ ان کے قوتے اور سرمایہ سے حتی المقدور کام لینے کے لیے جس چیز کی ان کو حقیقی ضرورت ہے وہ اپنی اپنی جاگیروں میں ہر قسم کے مطالبات سرکاری کو ادا کرنے سے ان کا مستثنیٰ ہو جانا نہیں بلکہ ان کے واجب الادا رقوم کی مقدار ہمیشہ کے لیے متوسط اور غیر تغیر پذیر مقرر کر دینا ہی ہے چنانچہ بنگالے میں جہاں زمینداروں کے ساتھ دوامی بندوبست ستر سال قبل کیا گیا تھا اور جس کے بعد بندوبست کے طریق کار میں بھول چوک ہونے سے کسانوں کی حالت گری ہوئی سی ہوگئی تھی لیکن اس کے باوجود جب سے اب تک ملک کے تمول و خوش حالی میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے۔ وہاں قابضان اراضی کے حقوق و اغراض کے متعلق ہماری موجودہ معلومات کے لحاظ سے ایسی غلطیاں اب وقوع میں نہیں آسکتیں۔"

"بنا بر آں ملکۂ معظمہ کی حکومت نے تہیہ کرلیا ہے کہ انفکاک مالگزاری کا

اختیار انھیں مقدمات تک محدود رہیگا جن کا مذکور الصدر فقرہ (۲۶) میں حوالہ دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ تمام ہندوستان کے لیے دوامی بندوبست بھی منظور کر لیا ہے۔ پھر بھی یہ تصفیہ طلب ہے کہ اس تجویز کے نفاذ کے لیے موجودہ زمانے میں کن کن اضلاع کی حالت فی الواقع اس کی مستحق ہے"

سر چارلس وڈ اور ارل دے گرے

جب سر جان لارنس بحیثیت وائسرائے ہندوستان آیا تو اس نے اپنے حسب معمول مستعدی کے ساتھ اراضی کے اس مسئلے کو تازہ کیا۔ اور مارچ ۱۸۶۴ء میں اس پر ایک یادداشت مرتب کی جس میں عام فہم الفاظ میں اس نے شمالی ہند اور اودھ و پنجاب میں دوامی بندوبست کی ترویج کے متعلق اپنی تجویز بیان کی۔

۲۴ مارچ ۱۸۶۵ء میں وزیر ہند سر چارلس وڈ نے اپنا جواب لکھا جس میں اس نے اضلاع ہند کو تین اقسام پر منقسم کیا:۔

(۱) وہ اضلاع جہاں زراعت کی حالت نہایت زبون و پست تھی۔

(۲) وہ اضلاع جہاں کاشت تو واجبی سی تھی لیکن وہ اور طرح ترقی یافتہ اور بالکل مکمل تھے۔

(۳) وہ اضلاع جہاں جاگیری اراضی کی کاشت واجبی سی تھی اور جاگیرداروں کی عام حالت بھی بہت کچھ ناقص تھی۔

اس نے یہ تصفیہ کیا کہ دو قسم کے اضلاع میں تو دوامی بندوبست کی فوری ترویج ہونی چاہیئے مگر ایک قسم کے اضلاع کی حد تک اس سے انکار کر دینا چاہیئے۔ تین قسم کے اضلاع کے متعلق اس نے بیان کیا تھا کہ ملکہ معظمہ کی حکومت "اس بات پر آمادہ ہے کہ ان تمام جاگیروں پر جہاں حقیقی کاشت جملہ رقبۂ کاشت یعنی رقبۂ مالگزاری کی اسی فی صدی ثابت ہوتی ہے نظر ثانی کر لینے کے بعد وہاں دوامی بندوبست فوری کرنے کی اجازت دیدی جائے" اور جن جاگیروں میں اس

پیمانے پر کاشت نہیں ہوتی ہے وہ ان کا بند وبست معمولی طریقے پر سی سالہ میعاد
کے لئے مقرر کردیا جائے۔"

۳ اگست ۱۸۶۵ء میں وائسرائے نے باجلاس کونسل اپنی تمام اس مراسلت
کو جو ذرائع آبپاشی کے سلسلے میں دوامی بندوبست کے مسئلے پر اس کے اور شمالی مغربی
ممالک کی حکومت کے درمیان چلی تھی وزیر ہند کی خدمت میں پیش کردیا۔

۱۷ مارچ ۱۸۶۶ء میں وزیر ہند ارل دے گرے اینڈ رپن نے اپنا جواب
قلمبند کیا جس میں اس نے شمالی مغربی ممالک میں دوامی بندوبست کرنے کے
جو ہدایات حکومت ہند نے وہاں کے لفٹنٹ گورنر کے نام جاری کئے تھے ان
پر اظہار پسندیدگی کیا اور صلاح دی کہ نہروں کے ذریعہ آبپاشی کرنے کا حسب ذیل
قاعدہ مقرر کرنا مناسب ہوگا۔

"یہ قاعدہ مقرر کردینا مناسب ہے کہ کسی ایسی جاگیر میں جہاں کا اثاثہ
اگر موجودہ تجویز کے موافق نہروں سے پوری آبپاشی وہاں ہوجاتی تو عہدہ دوامی
بندوبست و آبپاشی دونوں کی رائے میں موجودہ اثاثے سے ۲۰ فی صدی سے کچھ
زیادہ ہوتا دوامی بندوبست نہ کیا جائے۔"

سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ

۲۳ مارچ ۱۸۶۷ء میں وزیر ہند سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ نے
دوامی بندوبست کی ترویج کے متعلق ملکۂ معظمہ کی حکومت کے فیصلے کی توثیق کردی اور
لکھا کہ "مالکان اراضی کے اغراض انگریزی حکومت کے قیام و ثبات کے ساتھ
وابستہ کردینے کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے" ملکۂ معظمہ کی حکومت مالگزاری
کے اضافے کی توقع سے بطور ایثار دست بردار ہونے پر آمادہ ہے۔ اس نے
ترقی نایافتہ خطوں اور جاگیروں میں دوامی بندوبست پر ذیل کے دو قاعدے
مقرر کرکے قیود لگادئیے۔

"اول اس جاگیر میں دوامی بندوبست نہیں کیا جائیگا جہاں حقیقی کاشت

جملہ رقبۂ کاشت یعنی رقبہ مالگزاری کی ۸۰ فی صدی سے کم ہو"
" دوم - اس جاگیر میں دوامی بندوبست نہیں کیا جائیگا جہاں گورنر جنرل به اجلاس کونسل کی رائے میں آئندہ بیس سال کے اندر اندر نہروں سے آبپاشی شروع کردیجائیگی جس سے جاگیر کے موجودہ اثاثے میں ۲۰ فی صدی کا اضافہ ہونے کا امکان ہے"

اس تجویز کی آخری نامنظوری

یہ معلوم کرنے کے لیے تحقیقات شروع کردی گئی کہ شمالی ہند کے کن کن اضلاع میں سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ کے شرائط کے موافق دوامی بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ سنہ ۱۸۶۹ء میں بعض ایسے مقامات کی اطلاع ملی تھی جہاں ان شرائط کے موافق دوامی بندوبست کرنے سے سرکار کو آئندہ نقصان ہوتا تھا۔ یہ کوئی نیا استدلال نہ تھا کیونکہ سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ کو پہلے ہی سے یہ معلوم تھا اور اُس نے ملکۂ معظمہ کی حکومت کا غور و خوض کے بعد یہ آخری فیصلہ سنا دیا تھا کہ " مالکان اراضی کے اغراض انگریزی حکومت کے قیام و ثبات کے ساتھ وابستہ کرنے کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے ملکۂ معظمہ کی حکومت مالگزاری کے اضافہ کی توقع سے بطیب خاطر دست بردار ہونے پر آمادہ تھی"۔ لیکن جتنا جتنا امن کا زمانہ گزرتا گیا ویسے ویسے ایثار کرنے کی خواہش بھی کمزور ہوتی گئی اور سنہ ۱۸۶۲ء میں جن وجوہ کی پیش بینی کرلنے کے بعد ان کو نظر انداز کردیا گیا سنہ ۱۸۶۹ء میں وہی وجوہ نہایت معتبر اور قابل التفات ہوگئے چنانچہ سنہ ۱۸۶۷ء میں ان دو قواعد کے علاوہ ایک تیسری شرط بھی لگادی گئی جس کا ماحصل یہ تھا کہ اس وقت تک دوامی بندوبست ملتوی رکھنا چاہیے جب تک زمین کی مالیت میں اضافہ ہوتا رہے۔

روپیہ کی فرسودگی سے ایک اور مشکل اس وقت درپیش ہوی۔ اس کی بھی سر چارلس وڈ نے پیش بینی کی تھی لیکن واقف کاروں کی نظروں میں سنہ ۱۸۶۰ء کے دور کی ابتدا میں جیسی یہ مشکل پیش آئی تھی اس سے کہیں زیادہ مہیب سنہ ۱۸۷۰ء کے

دور کی ابتدا میں تھی اس لئے اس وقت دوامی بندوبست کا خیال ترک کردیا گیا انجام کار آخری فیصلہ صادر ہوا۔ وزیر ہند نے اپنے مراسلہ نشان ۲۴ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۸۸۳ء میں لارڈ کیننگ کی بیس سال قبل کی تجویز کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ گویا اس کے گلے پر چھری پھیر دی۔ اس مراسلہ میں تحریر تھا کہ "ہم کو جناب والا کی حکومت سے اتفاق ہے کہ جو حکمت عملی ۱۸۶۲ء میں مقرر کی گئی تھی اس کو باضابطہ طور پر اب ترک کردینا ہی مناسب ہے"

قصۂ مذکور کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں دوامی بندوبست کی تجویز کو آخری دفعہ نامنظور کرنے کی وجہ اثنا ئے تحقیقات میں کسی نئی بات کا معلوم کرنا نہ تھا بلکہ حکومت کی حکمت عملی کے اصل منشا میں تغیر ہوگیا تھا۔ اس تجویز کا پہلا منشا تو یہ تھا کہ قوم کی مادی حالت کو ترقی دیجائے۔ لارڈ لارنس کے الفاظ میں "اراضی کی شکل میں شغل زر کے لئے لوگوں کو ہمت دلائی جائے" "ہندوستان میں ایک متوسط طبقہ کا بتدریج نشوونما کیا جائے۔ اجتماع دولت اور ذرائع تمول کو فروغ دینے کا رعایا کو موقع دیا جائے جن سے حوادث زمانہ امساک باران و خشک سالی و عام مصیبت و آفت میں رعایا کو بہت بڑی مدد ملے۔ ان نیک نیت مقاصد کو منتظمین مملکت کی نئی نسل نے بالکل ہی نظر انداز کردیا۔ سکھوں کی جنگ اور غدر کے سالہائے مابعد میں ملکہ معظمہ کی حکومت سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ کے الفاظ میں "مالکان اراضی کے اغراض انگریزوں کی حکومت کے قیام و ثبات کے ساتھ وابستہ کردینے کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے" مالگزاری کے اضافہ کی توقع سے بطور ایثار دست بردار ہونیکی خواہاں تھی لیکن اسکے بعد کئی سال امن کے ساتھ گزر گئے اور ملکۂ معظمہ کی حکومت کے ساتھ اہل ہند کی عقیدت و وفاداری سے اس خواہش کو تقویت ہونیکے بجائے اُس کو تشفی ہوگئی اسکے علاوہ ۱۸۸۳ء میں ربع صدی کے امن و امان کے بعد ایثار کرنا کچھ ایسا ضروری بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کبھی ایسا وقت نہیں آیا تھا جبکہ ایک قوم کی وفاداری کی ایسی بدتر جزا ملی ہو یا کسی قوم کی امن پسندی کے باعث وہ برکت صاف طور پر اس سے واپس لے لی گئی ہو جسکا وعدہ مصائب کے نازک وقت میں اس سے کیا گیا تھا۔ ایک حکومت کیلئے قوم کو ایسا سبق پڑھانا اور ایک قوم کے لیے ایسا سبق سیکھنا بہت ہی بُرا ہے۔

پانچواں باب

ممالک متوسط میں بندوبست اراضی

ملک کا وہ وسیع خطہ جو ممالکِ متوسط ہند کے نام سے مشہور ہے تقریباً نوے ہزار مربع میل کا رقبہ اور نوے لاکھ سے زیادہ آبادی رکھتا ہے۔ مرہٹوں کی آخری جنگ میں جو سنہ ۱۸۱۷ء میں وقوع میں آئی راجہ ناگپور کے لشکر نے سیتا بلدی پر انگریزی فوج پر حملہ کیا لیکن کئی جانوں کے نقصان کے ساتھ راجہ کے لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ راجہ نے اپنی باغی فوج سے بالکل بے تعلقی ظاہر کی اور انگریزوں کو ساگر اور نربدا یہ دونوں علداریاں تفویض کر کے اپنی دوستی کا استحکام کیا اس طرح سنہ ۱۸۱۸ء میں ساگر اور نربدا کی علداریاں انگریزوں کے زیر حکمرانی آئیں۔ اس کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے سنہ ۱۸۴۹ء میں سنبھلپور کے راجہ کے لاولد فوت ہو نے پر اس علاقے کا الحاق کر لیا اور سنہ ۱۸۵۳ء میں ناگپور کے راجہ کی وفات پر اس کے متبنیٰ کے حقوق کو نظر انداز کر کے ناگپور کا بھی الحاق کر لیا۔ ان تمام مذکورہ علداریوں کو بہ استثنا ئے سنبھلپور لارڈ کیننگ نے نومبر سنہ ۱۸۶۱ء میں ایک ہی نظم ونسق کے تحت کر دیا اور اس وقت سے ان کا نام ممالک متوسط ہو گیا ہے۔ سنہ ۱۸۶۲ء میں سنبھلپور بھی ان میں شامل کر دیا گیا۔ یہاں

ان علٰحدہ علمداریوں کے ابتدائی نظم ونسق کے متعلق یعنے ۱۸۶۱ء اور ۱۸۶۲ء میں انکے باہمی متحدہ ہونے سے قبل کی حالت کے متعلق کچھ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ساگرا و رنربدا کی علمداریاں

۱۸۱۸ء میں جب ساگر اور نربدا کی علمداریاں پہلی دفعہ انگریزوں کے زیر حکمرانی آئیں تو اوّل اُن کو حکومت ہند کے براہ راست تحت میں رکھا گیا مگر بعد کو شمال مغربی ممالک کے لفٹنٹ گورنر کے زیر انتظام کر دیا گیا۔ پھر ۱۸۴۲ء میں ان ممالک کو ایک ذیل سلطنت کے تحت کر دیا گیا جو حکومت ہند کو براہ راست جواب دہ تھا لیکن زمانۂ مابعد میں ان ممالک کی حکومت دوبارہ شمال مغربی ممالک کے لفٹنٹ گورنر پر منتقل کر دی گئی اور ۱۸۶۱ء کے اتحاد ممالک (یا صوبجات) تک یہی حالت برقرار رہی۔

ساگر اور نربدا کی علمداریوں کا ابتدائی نظم ونسق کامیاب نہ رہا۔ انگریز منتظمین سے یہاں وہی غلطی سرزد ہوئی جو ان سے مدراس وغیرہ میں سرزد ہوئی تھی۔ اراضی پر سنگین محصول لگا دیا اور ایک ناممکن الوصول رقم مالگزاری کا مطالبہ ہونے لگا۔ رعایا مفلس و نادار بن گئی اور ملک کی ترقی موقوف ہو گئی۔ بعد کو جب اس غلطی کا انکشاف ہوا تو نہایت پرزور الفاظ میں اس کو برا ٹھیرایا گیا۔

اضلاع ہوشنگ آباد و سیونی۔ ۱۸۲۱ء میں سب سے پہلے جو پنج سالہ بندوبست ہوشنگ آباد اور سیونی میں کیا گیا وہ "غالباً سب بندوبست سے بدترین تھا"۔ میجر مکفرسن کو ایک غیر آباد ملک اور مفلس و پست ہمت رعایا کے ساتھ سابقہ تھا۔ اس کو ان پانچ سال میں اس قدر ترقی و اصلاح کی توقع تھی جو پچاس سال میں بھی نہیں ہو سکتی تھی .... بہت جلد ظاہر ہو گیا کہ محصول اراضی کے تعین میں بہت کچھ مبالغے سے کام لیا گیا تھا اور وہ وصول ہی نہیں ہو سکتا تھا .... پھر بھی میجر مکفرسن نے ہوشنگ آباد کی رعایا کو کوڑے لگانے اور سیونی کی رعایا کو کوڑے اور تازیانے کی سزا دینے سے بھی دریغ نہ کیا"۔

۱۸۲۱ء میں جتنے رقبے پر میجر مکفرسن نے ۱۰۳۵۹ پونڈ مالگزاری مقرر کردی تھی اسی رقبے پر زمانہ سابقہ میں مرہٹوں کی حکومت نے صرف ۲۰۰۰ پونڈ مالگزاری مشخص کی تھی۔ ۱۸۲۵ء میں ایک اور پنج سالہ بندوبست کیا گیا اور مالگزاری مزید اضافے کے بعد ۱۳۰۷۷ پونڈ مقرر کر دی گئی جو مرہٹوں کے مطالبے سے ہفت گونہ زیادہ تھی۔ مطالبے کی اتنی کثیر رقم کبھی وصول نہیں ہوسکتی تھی اس لئے بہت سی معافیات کرنی پڑیں "لیکن معافیات کافی نہیں ہوئی تھیں اور ہر صورت سے محاصل وصول کرنے کی کوشش ہورہی تھی چنانچہ ان بے رحمیوں اور اذیتوں کی یاد زمینداروں کے دلوں میں آج تک بھی تازہ ہے"

تیسرے پنج سالہ بندوبست میں بھی حق رسی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ آخر کار ۱۸۳۶ء میں بست سالہ بندوبست کسی قدر تخفیف جمع کے ساتھ عمل میں آیا اگرچہ پھر بھی یہ جمع مرہٹوں کے مطالبے سے تقریباً سہ چند زیادہ تھی۔

ضلع نرسنگ پور۔ پہلے پندرہ سال تک نرسنگ پور میں جو کارروائی ہوئی وہ ایسی ہی نامناسب تھی جیسی سیونی اور ہوشنگ آباد میں ہوئی تھی۔ "یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ ہمارے نظم ونسق کے ابتدائی پندرہ سال اسی مسلسل جدوجہد میں گزرے تھے کہ زرعی جماعت کو تقویت دی جائے تاکہ مطالبۂ مالگزاری کے ناقابل برداشت دباؤ سے اس جماعت میں کہیں انتشار پیدا نہ ہو جائے۔ ہمارے اوائل کے بندوبست مرہٹوں کے آخری زمانے کی جمع پر مبنی تھے حالانکہ اس جمع میں مرہٹوں کے غیر معمولی وقت آزمایش کے مصارف کا بار گراں بھی شامل تھا۔ اسی وجہ سے جب ہمارے عہدہ داروں نے ایسی غیر صحیح جمع پر بندوبست کے مبنی ہونے کی پروانہ کرکے وصول میں سختی شروع کر دی تو سب شیرازہ بکھر گیا اور جمع کی نامناسبت اس سے ظاہر ہونے لگی کہ متعدد گاؤں رعیت فرار ہو جانے سے بے چراغ ہوگئے"

پہلی جمع ۶۹ ۶۲۷ پونڈ تھی۔ اس کا نتیجہ یہ آسیب نکلا اور دو مالگزار" تباہ حال ہوگئے۔ رعیت کو کثیر معافیات دینی پڑیں۔ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۳۳ء کے سہ سالہ بندوبست کے وقت جمع میں بڑی تخفیف بھی کرنی پڑی۔ ۱۸۳۶ء کے بست سالہ بندوبست میں نو ۱۳ ۲ ۵ پونڈ کی تخفیف عمل میں آئی۔

ضلع دامو ہ - اس ضلع میں بد نصیبی سے ۱۸۳۵ء میں جو بست[۲۰] سالہ بندوبست کیا گیا اس میں بمقابلہ سابقہ قلیل المیعاد بندوبستوں کے جمع میں اضافہ کر دیا گیا چنانچہ یہ جمع ۳۰۵۱۴ پونڈ مقرر کر دی گئی " اس بندوبست پر کئی " مالگزار اپنے پٹوں سے دست بردار ہو گئے اور صرف مصمم تدابیر اختیار کرنے سے یہ مشکل آسان ہوئی .... یہاں اراضی کی یہ حیثیت ملک کچھ قدر نہیں رہی تھی بیسیوں گاؤں سالہا سال سے خالصہ کے زیر انتظام تھے "

ضلع ساگر - اس ضلع میں بھی قلیل المیعاد بندوبستوں کے بعد جب طویل المیعاد بندوبست عمل میں آیا تو اس وقت جمع میں کوئی کمی نہیں کی گئی -

" مطالبۂ سرکار رعایا پر وہ بار گراں ہے کہ اس سے حوصلے پست ہو گئے ہیں اور اصلاح و ترقی کی ذرہ برابر بھی اب کوشش نہیں کی جاتی - میں نے بذات خود اس کا اطمینان کر لیا ہے کہ مطالبۂ سرکار بعض گاؤں میں خام لگان سے بھی زیادہ ہے -

" لوگوں نے اس درجے ہمت ہار دی ہے کہ بعض مثالیں ایسی بھی تھیں جہاں آبائی حق مالکانہ رکھنے والے حقیقی مالکان اراضی نے قصبات پر حقوق مالکانہ کسی شرط پر بھی قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا -

" ضلع کے اس حصے میں اس گوشے سے اس گوشے تک جو مصیبت و آفت بپا ہے وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے - بالخصوص دھمونی میں اور بینیکا پٹنے کے کچھ حصے میں -

" ان خطوں کا معائنہ کرنے کے بعد میرے دل پر جو اثر ہوا وہ یہ تھا کہ گویا ان پرگنوں کی ساری آبادی یکایک تہ خاک ہو گئی ہے کیونکہ یہ ایسا سنسان ویرانہ نظر آتا تھا جہاں انسان تو انسان پرندہ تک پر نہیں مارتا تھا "

" انگریزوں کی نصف صدی تک حکمرانی کے بعد ساگر کی جو صورت حال ہوئی اس کو حکومت ہند نے پُرزور لفظوں میں بالکل مذموم قرار دیا - اور لکھا کہ " ۱۸۳۴ء میں بھی بست[۲] سالہ بندوبست کی جمع مبنی بر اعتدال نہیں سمجھی جا سکتی تھی اور اس سے اتنے فوائد حاصل نہیں ہوئے تھے جتنے اس عملداری کے اور

اضلاع میں ہوئے تھے۔ ہر شخص کے لگان میں بہت بڑی تخفیف کی گئی جس سے مجموعی جمع میں بھی تخفیف ہو گئی۔ یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ اگرچہ حکومت وقت تخفیف کی ضرورت کی طرف اصرار کے ساتھ توجہ دلاتی رہی لیکن مقامی حکام نے تعمیل احکام میں بڑی کوتاہی کی اور مراعات بھی کیں تو بہت ہی خفیف۔ لگان میں تخفیف اگر بر وقت کر دی جاتی تو اغلب تھا کہ اس ضلع کی حالت پہلی سی پھر ہو جاتی۔"

وزیر ہند نے لندن سے لکھا تھا کہ "ہندوستان کے اس حصے سے سابق میں جتنی رپورٹیں وصول ہوئی ہیں انمیں سب سے زیادہ اس رپورٹ سے بے انتہا جمع مقرر کر دینے کی وہ سب خرابیاں ظاہر ہوئی ہیں جو اس ضلع کے انگریزوں کے زیر حکومت آنے کی تاریخ سے آج تک وہاں رونما ہوئی ہیں۔"

انگریزی حکمرانی کے ابتدائی دہ سالہ دور میں ساگر اور نربدا کی عملداریوں کی جو حالت تھی وہ مذکورالصدر اقتباسات سے خوب ظاہر ہوتی ہے۔ اوائل میں قلیل المیعاد بندوبست اور سنگین جمع کا قاعدہ نافذ کیا گیا تھا اور رابرٹ مارٹنز برڈ ہی جو شمالی ہند کے بندوبست اراضی کا بانی مشہور ہے پہلا شخص تھا جس نے ۱۸۳۴ء میں طویل المیعاد بندوبست کی ترویج پر اصرار کیا اور ایک زوردار رپورٹ ان عملداریوں کی افسوسناک حالت پر جو مسلمہ بے انتہا محاصل کو عارضی وسائل سے سنبھال رکھنے کے لئے "مسلسل کوششوں کا نتیجہ تھی لکھ کر پیش کی۔

رابرٹ مارٹنز برڈ کی عام رپورٹ۔ برڈ نے لکھا تھا کہ "کہا جاتا ہے کہ بے انتہا دغابازی اور تخمین شروع ہو گئی ہے اور کاشتکاروں کو شاذ ہی ان محاصل سے مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے جن سے حکومت نے ان کی خاطر دست بردار ہونا قبول کر لیا تھا بلکہ الٹے ان کاشتکاروں کو اپنے حتی المقدور لگان ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ اس طرح کی بد اخلاقی بھی شروع کر دی گئی ہے کہ لوگوں کا اعتبار بھی جاتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اراضی سے اپنا سرمایہ ہٹا لیا۔ بقالوں کے گوداموں کو کھول کر زبردستی ان میں سے

اناج نکال لیا جاتا ہے اور تھالوں کو اس کی قیمت ادا کیے بغیر کاشتکاروں کو بیج کے لئے دیدیا جاتا ہے اور بعد کو ان لوٹے ہوئے اناج کو انھیں واپس دلانے میں ان کی کچھ مدد بھی نہیں کی جاتی۔

"بیان کیا گیا تھا کہ اناج یوں لوٹ کر ان کاشتکاروں کو دیا گیا تھا جنکی امداد کرنے سے ساہوکاروں نے ان کی پچھلی دغابازیوں اور وعدہ خلافیوں کے تجربے کے بعد صاف انکار کر دیا تھا۔ اگر اصلدار زراعت پیشہ لوگوں کے خلاف حکم ڈگری حاصل کریں بھی تو نہ مزارعین کو قید کیا جا سکتا تھا اور نہ ان کے مویشی فروخت کیے جا سکتے تھے کیونکہ یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ اس طرح عدالت کے حکم کی تعمیل کرنے سے اراضی بے کاشت پڑی رہے گی۔ اس نظام کی ذرا ذرا سی تفصیل یہاں بیان کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اتنا کہدینا کافی ہے کہ جو دیسیوں نے جو کچھ کھلا کھلا بیان کیا تھا اور جس سے بڑی عہدداری بھی انکار نہیں کر سکتے تھے اس سے بخوبی ثابت ہوتا تھا کہ ایک بے اندازہ سنگین جمع کو کسی حال قائم رکھنے کی بے سود توقع اور تفصیلی انتظام کرنے کا عملی تجربہ اور مہارت رکھنے کے غلط خیال کی بنا پر لوگوں کے ذاتی معاملات اور خانگی انتظام میں شرارت سے مداخلت کرنے کا ایک نظام قائم کیا گیا تھا جو عام طور پر پھیلا ہوا تھا۔"

اس رپورٹ کے پیش ہونے کے بعد حکومت ہند کے زیر حکم ان عملداریوں میں پنتی سالہ بندوبست عمل میں آیا مگر قارئین نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ اس طویل المیعاد بندوبست سے بعض اضلاع میں تو تخفیف جمع ہوئی تھی جس سے رعایا کے کندھوں کا بوجھ ہلکا ہوا تھا لیکن بعض اضلاع میں ایسا نہیں ہوا کیونکہ مقامی عہدہ داروں کا مطمح نظر و اصول کار یہی تھا کہ جس قدر رقم مالگزاری اراضی سے وصول ہو سکتی تھی وہ وصول کی جائے۔ سنہ ۱۸۶۱ء تک جب کہ ممالک متوسط کا جدید نظم و نسق قائم ہوا اس طویل المیعاد بندوبست کو بوقعیں قائم رہنے دیا گیا۔

ریاست ناگپور

یہ ریاست بھونسلہ خاندان کے مرہٹہ حکمرانوں کے زیر نگیں سنہ ۱۷۴۳ء سے

۱۸۳۳ء تک یعنے نو سال سے کچھ زیادہ رہی تھی۔ لیکن اسی دور میں راجہ کی کمسنی کے زمانے میں یہ ریاست ۱۸۱۸ء سے ۱۸۳۰ء تک یعنے بارہ سال انگریز عہدہ داروں کے بھی زیر انتظام رہی۔ انگریز منتظمین نے یہ غلطی کی کہ مالگزاری کے اضافے کو اپنے نظم ونسق کے بہتر اور کارفرما ہونے کی علامت سمجھ لیا۔ بارہ سال کی مدت میں اس ریاست کی مالگزاری میں بہت کچھ اضافہ کر دیا گیا۔ اور چند نامی ایک ضلع میں تو جمع دو چند ہو گئی تھی۔ راجہ کے سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد جب اس ریاست کی زمام حکومت راجہ کے ہاتھ میں دیدی گئی تو اس وقت وہاں کی مالگزاری ۲۰۰۰۰ ۲ پونڈ ہو گئی تھی۔ راجہ کا نظم ونسق ایسا زور دار و زبردست نہ تھا جیسا انگریزوں کا تھا اور یہ معلوم کرنے سے ہمیں اطمینان سا ہوتا ہے کہ ۱۸۵۳ء میں راجہ کی وفات تک مالگزاری کی رقم گھٹ کر ۲۲۴۱۷۰ پونڈ رہ گئی تھی۔ اس کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے اس ریاست کا الحاق کر لیا۔

اس نو ملحقہ ریاست میں ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۱ء تک یعنے ابتدائی آٹھ سال تک نظم ونسق کچھ کامیاب نہیں رہا۔ قلیل المیعاد بندوبست سے نہ رعایا کی خوشحالی اور نہ سرکار کی مالگزاری میں کچھ اضافہ ہوا۔ ۱۸۶۱ء میں اس ریاست کو دوسرے ملحقہ اضلاع میں شامل کر کے ممالک متوسط قایم کیے گئے۔

ریاست سنبھلپور

صدیوں سے اس ریاست پر چوہان راجپوتوں کے ایک شاہی خاندان کی حکومت تھی۔ چوہان راجپوت وہ تھے جنھوں نے مسلمانوں کی فتح ہند سے قبل ہندوستان کے کئی اقطاع پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ ایک مختصر سے وقفے کے بعد ۱۸۱۷ء میں انگریزوں کے زیر اثر چوہان شاہی خاندان کے ایک رکن کو اس ریاست کی گدی دوبارہ دے دی گئی تھی اور اس ریاست پر حکومت بنگال کی باقاعدہ نگرانی قائم کر دی گئی تھی۔ اس ریاست کی مالگزاری تقریباً ۱۰۰۰۰ پونڈ تھی۔

آخری راجہ کے لاولد فوت ہو جانے پر لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۴۹ء میں اس

ریاست کا الحاق کر لیا اور سنہ ۱۸۶۲ء تک یہ ریاست حکومت بنگالہ کے زیر انتظام رہی۔ چنانچہ جب سنہ ۱۸۶۱ء میں ممالک متوسط کے لئے ایک علحدہ نظم و نسق قائم کیا گیا تو اس وقت سنبھلپور ان ممالک میں شامل نہ تھا بلکہ بنگالہ ہی کے زیر تسلط تھا۔ آخر کار سنہ ۱۸۶۲ء میں جب یہ ریاست ممالک متوسط میں شامل کر دی گئی تو اس کے بعد سے چند سال تک ایک دعوی دار ریاست کی وجہ سے وہاں ہنگامہ بپا رہا۔ اس لئے ممالک متوسط میں سنہ ۱۸۶۳ء اور سنہ ۱۸۶۴ء میں بڑے پیمانے پر جو بندوبست ہوئے ان میں ضلع سنبھلپور شامل نہ تھا اور آج تک بھی وہاں کا نظام اراضی ممالک متوسط کے اور اضلاع سے بالکل مختلف ہے۔

ممالک متوسط کا قیام

۲ نومبر سنہ ۱۸۶۱ء میں لارڈ کیننگ نے ممالک متوسط کے نظم و نسق کے قیام کی تحریک قلمبند کی جس سے دو ایک اقتباسات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:-

"صوبہ ناگپور اور ساگر و نربدا کی عملداریوں کے انتظامات کا مسئلہ گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے اب تک زیر غور تھا اور اب یہ تحریک منظور کی جاتی ہے کہ ایک ہی مرکزی اقتدار کے تحت ان مختلف ریاستوں کو لایا جائے کیونکہ اس کا وقت آگیا ہے"۔

"چونکہ گورنر جنرل اور اس کی کونسل کی یہ رائے ہے کہ (۱) ساگر و نربدا کی عملداریوں کا انتظام آیندہ سے شمالی مغربی ممالک کے ملحقات کی طرح رہنا نامناسب ہے اور ان کے لئے ایک علحدہ نظم و نسق مستقل نوعیت کا قائم کرنا ضروری ہے اور (۲) ان عملداریوں کو صوبۂ ناگپور میں شامل کر کے ان سب کو ایک ہی مقامی حکومت کے زیر انتظام کر دینے سے ذرائع نمو کی ترقی اور رقبے کے ارتقا کے لئے بہت ہی مفید ہوگا اس لئے یہ تحریک منظور کی جاتی ہے کہ صوبۂ ناگپور اور ساگر و نربدا کی عملداریوں کے لئے ایک علحدہ چیف کمشنری قائم کی جائے جس کا لقب ممالک متوسط کی چیف کمشنری ہو"۔

اپریل ۱۸۶۲ء میں ممالک متوسط میں ضلع سنبھلپور شامل کر دیا گیا اور مئی ۱۸۶۳ء میں ضلع نہار اور مئی ۱۸۶۵ء میں بجراگو گڑھ بھی۔

کرنل ایلیٹ نامی ایک نہایت ہی مسن اور از کار رفتہ شخص کا اس چیف کمشنری پر پہلی دفعہ تقرر کیا گیا لیکن اس کے رخصت پر جانے کے بعد اس کو اس خدمت سے ہٹا کر رچرڈ ٹمپل کا اس پر تقرر کیا گیا اور ٹمپل نے ۱۸۶۲ء تک اس صوبے پر حکومت کی۔ سر رچرڈ ٹمپل نے شمالی ہند کے مشہور منتظم مالگزاری اور حکمران مسمی ٹامسن کے تحت ابتدا میں کام سیکھا تھا۔ مجلس نظم و نسق اور لارنس کے تحت بھی پنجاب میں خدمت بجا لائی تھی اور اب اس کو موقع ملا کہ اس جدید طور پر قائم کیے ہوئے صوبے میں آپ کو ایک قابل اور ہمدرد حکمراں ثابت کر کے شہرت پیدا کرے۔ زمانہ بھی اس کے موافق تھا۔ ملکہ کی حکمرانی کے ابتدائی دس سال تک ہندوستان کے ساتھ قدر شناسانہ ہی نہیں بلکہ فیاضانہ برتاؤ کرنے کی متعدد اشخاص کو خواہش تھی اور کیننگ اور لارنس اور سر چارلس وڈ اور سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ کے سے لوگ رعایا کی مادی حالت کی اصلاح اور برطانوی حکومت کی طرف سے ان میں عقیدت و خلوص پیدا کرنے پر زور ڈال رہے تھے۔

بندوبست دوامی کی تجویز

جس زمانے میں مسٹر ٹمپل اپنی نئی خدمت پر مامور تھا کرنل بیرڈ اسمتھ کے دوامی بندوبست مالگزاری کی تجویز جس کا ذکر پچھلے باب میں کیا گیا ہے غور کے لئے مسٹر ٹمپل کے ملاحظے میں پیش ہوئی۔ یہ کہنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رچرڈ ٹمپل نے اس تجویز کی ذیل سے تائید کی اور اس نے حکومت ہند کو جو جواب دیا چونکہ وہ بہت طویل نہیں اس لئے من و عن یہاں نقل کر دیا جاتا ہے۔

"آپ کے مراسلہ نشان ۲۰۳۵ مورخہ ۷ ر اکتوبر ۱۸۶۱ء اور ایک بعد کے مراسلہ نشان ۱۴۷ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۸۶۲ء کا (جس میں دوامی بندوبست مالگزاری کے مسئلے پر کرنل بیرڈ اسمتھ نے اپنی قحط کی رپورٹ کے (۶۲) فقرے سے

(۲۸) فقرے تک بحث کی ہے نیز جن مقامات میں بندوبست فی الوقت اس نوعیت کے ہیں کہ وہ دوامی نہیں کیے جا سکتے وہاں طویل المیعاد بندوبست کرنے کے لیے قانونی منظوری حاصل کرنے کی ضرورت پر چیف کمشنر کے قائم مقام کی رائے دریافت کی گئی تھی اب تک کوئی جواب ادا نہ ہو سکا۔ یہ مسئلہ بہت اہم تھا اور حال میں ان ممالک کے نظم و نسق میں جو تغیرات کیے گئے تھے ان میں مصروف رہنے کی وجہ سے میں اس مسئلے پر جیسی چاہیئے ویسی توجہ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اب چیف کمشنر کے قائم مقام نے ممالک متوسط میں مشمولہ اضلاع کے خاص حالات کے لحاظ سے اس مسئلے پر خوب غور و خوض کر لیا ہے اور اپنی رائے پیش کرنے پر تیار ہے اس لیے حسب ذیل رپورٹ پیش کرنے کی اس نے مجھ سے خواہش کی ہے

" ۲۔ سب سے پہلے چیف کمشنر کے قائم مقام کا یہ کہنا ہے کہ یہ بیان کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اور مقامات کی طرح یہاں بھی دوامی بندوبست کا اثر صرف مالگزاری ہی پر پڑے گا اور مالگزاری کی رقم ہمیشہ کے لئے مشخص کر دی جائے گی بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اراضی پر براہ راست جو مطالبہ سرکار ہوتا ہے اس کی مستقل اور دوامی ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ اس سے لوگوں کی ملکیت اراضی اور ان کے اساسی حقوق پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑے گا کیونکہ ملکیت اور حقیت کی بلا قید و شرط ایک ناقابل تغیر شکل علیحدہ مقرر کر دی جائے گی خواہ محصول اراضی کی ایک ہی رقم ہمیشہ کے لئے مقرر کر دی جائے یا نہ کر دی جائے۔ البتہ ایسی ملکیت اور حقیت کی قدر و قیمت بندوبست کے لحاظ سے کہ وہ قلیل یا طویل المیعاد یا دوامی ہے کم و بیش ہو گی لیکن ہر حالت میں ملکیت اور حقیت کی اصل نوعیت اور حقیقت یکساں رہے گی اور اس میں سر مو فرق نہ ہو گا۔

" ۳۔ مذکورۃ الصدر معنی میں دوامی بندوبست کا اصل اصول دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی صادق آتا ہے مزارعین کی ہمت۔ فراخ حوصلگی اور برخود اعتماد کرنے اور اجتماع دولت نیز سرمایہ سے کام لینے غرض ان سب امور میں اس سے ایک نئی حرکت پیدا ہو جائے گی جس کا فی الحال پورا پورا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں مالگزاری کی ایک واجبی رقم مقرر کر دی جائے گی وہاں

دوامی بندوبست کو رعایا بہت بڑی برکت سمجھے گی۔ ایک طرف تو بیشک سرکار مالگزاری میں آئندہ اضافہ کرنے کے حق سے دست بردار ہو کر اس حد تک نقصان گوارا کریگی مگر دوسری طرف محاصل کے جملہ شعبہ جات میں بہ سرعت نہ سہی تو بہ تدریج توفیر ہونے سے اس نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔ محاصل کے ان شعبہ جات کا انحصار رعایا کے عام طبقات میں خوش حالی اور تموّل پھیلنے ہی پر ہے اور خوشحالی و تموّل پھیلانے کا بہترین ذریعہ بمقابل کسی اور مختص تدبیر کے دوامی بندوبست ہی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مالگزاری کے باستثناء محاصل سرکاری کی دوسری مدات میں دوامی بندوبست سے اضافہ ہو جائے گا۔ ان ممالک میں ایک ثلث سے زیادہ آمدنی مالگزاری کو چھوڑ کر دوسرے محصولات کی وصولات سے ہوتی ہے اور ایک مالگزاری ہی اپنے حال پر قائم رہے تو کیا دوسرے محصولات میں تو اضافہ ہوگا۔ محاصل سرکاری کے نقطۂ نظر سے ایک ایسی تدبیر کی کامیابی کے متعلق کچھ خدشہ نہیں جس کے اختیار کرنے سے صرف مالگزاری ہی محدود رہے گی مگر دوسرے سب محصولات میں تو اضافہ ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ ان ممالک میں اس سرے سے اس سرے تک زر کی قیمت گھٹتی جائے گی اور پیداوار کی قیمتوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس طرح مزارعین کو تھوڑے ہی عرصے کے بعد پیداوار کے معاوضے میں اس قدر ملنے لگے گا کہ اس سے پہلے ان کو کبھی نہیں ملا تھا ساتھ ہی ساتھ محنت کی اجرت بھی زیادہ ہو جائے گی جس سے سرکاری مصارف میں بہت کچھ اضافہ ہو جائے گا تمام تنخواہوں میں یا کم سے کم مواجب اہل عملہ کی تنخواہوں میں بتدریج اضافہ کیا جائے گا اور تعمیرات عامہ کے کاموں کی لاگت بھی بہت بڑھ جائے گی بادی النظر میں مصارف کی بیشی کی توقع رکھ کر مالگزاری کو جو حکومت کا سب سے بڑا ذریعہ آمدنی ہے محدود کر دینا خطرناک معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ گھاٹا پار اترنے کے لئے دوسرے محصولات کے اضافے پر بھروسہ رکھنا کافی ہے۔ دوامی بندوبست سے بالکل قطع نظر کر کے کرنل ایلیٹ اور مسٹر ٹمپل نے اپنی مشترکہ رپورٹ میں بیان کیا تھا کہ وہ بجائے محصول اراضی کے متفرق محصولات ہی سے توفیر ذرائع آمدنی کی آئندہ توقع

کی جا سکتی ہے "

۴۴۔ بنابراں دوامی بندوبست جہاں تک بھی کیا جا سکتا ہے ایک تو وہ رعایا کے حق میں مفید ہوگا اور دوسرے خود سرکار کے حق میں بھی سود مند ہوگا۔ تصفیہ کے لئے اب یہ سوالات رہتے ہیں کہ دوامی بندوبست کس حد تک کیا جا سکتا ہے؟ اور کب کیا جا سکتا ہے؟ یہ بھی ہمیشہ کے لئے ملحوظ رہے کہ ان ممالک میں ریلوں، سڑکوں اور جہاز رانی سے یقیناً تغیرات عظیم پیدا ہو سکتے ہیں لیکن آبپاشی سے اس قبیل کے نتائج یہاں مرتب ہونے کی توقع نہیں۔ آئندہ کی یہ امیدیں یہاں بھی کم و بیش وہی ہیں جو ہندوستان کے دوسرے سب اقطاع میں ہیں۔ اس لئے اگر مادی اصلاح و ترقی کی توقعات دوامی بندوبست کی مراعات عطا کرنے کے لئے کہیں اور مانع نہیں تو یہاں بھی نہیں ہو سکتیں۔ جہاں تک ریلوے، سڑکوں اور جہاز رانی کا تعلق ہے ممالک متوسط بھی دوامی بندوبست کے فوائد سے مستفید ہونے کے اتنے ہی مستحق ہیں جتنے ہندوستان کے دوسرے ممالک ہیں۔ علاوہ ازاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان ممالک میں بہت سی قابل کاشت اراضی افتادہ ہے اور اگرچہ یہ صورتِ حال کم و بیش سب جگہ موجود ہے مگر یہاں خاص طور پر یہ بہت زیادہ ہے ہے۔ نہ صرف قابل کاشت اراضی کے ایسے وسیع خطے افتادہ حالت میں موجود ہیں جن کے لوگ دعویدار بھی ہیں مگر ان کا دعویٰ ایک مشکوک استحقاق کی بناء پر گول مول اور بے سر و پا معلوم ہوتا ہے بلکہ اکثر جاگیروں اور گاؤں کے اندرون حدود بھی قابل کاشت وسیع اراضی افتادہ اور کس مپرسی میں پڑی ہوئی ہے۔ اگرچہ افتادہ اراضی کو کام میں لانے کے لئے دوامی بندوبست میں جو وجہ ترغیب موجود ہے وہ اس کی نہایت ہی مفید صورت ہے بایں ہمہ سرکار کے حق میں انصاف یہی ہے کہ ان مراعات کو اعتدال کی حد تک ہی رکھا جائے۔ یہ درست ہے کہ جس جاگیر میں دوامی بندوبست ہو چکا ہے اس میں توسیع کاشت کے لئے افتادہ اراضی کی ایک واجبی گنجائش چھوڑ دینی چاہیئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ ایک ایسی جاگیر میں دوامی بندوبست کر دیا جائے جس میں ایک بہت وسیع یا غیر محدود بنجر رقبہ بھی شامل ہو جس کو قابل کاشت بنانے کا مالک اراضی کو سر دست

مقدور نہ ہو لیکن آیندہ اتفاقات زمانہ سے وہ بڑی قابل قدر بن سکتی ہو۔"

"۵۔ اس طرح ان ممالک میں کئی جاگیریں اور گاؤں اور خطے اور بعض اضلاع کلیتہً ایسے ہیں جہاں فی الوقت دوامی بندوبست کی ترویج بالکل نامناسب ہے مثلاً رائپور۔ بلاسپور۔ سنبل پور۔ سرونچا۔ چھندارا۔ مانڈلا۔ سیونی۔ چھندواڑا۔ بیتول۔ یہ سب اضلاع ابھی عالم تغیر میں ہیں اور آج نہیں تو کل ان پر ایسا ضرور اثر پڑے گا جس سے انکی تمام شکل وہئیت بدل جائے گی۔"

"برخلاف اس کے چند اضلاع ایسے بھی ہیں جن کی تمام اراضی میں نہیں بلکہ کچھ حصے میں دوامی بندوبست انھیں فوائد اور وجوہ کی بنا پر فوری ممکن ہے جن کی بناء پر ہندوستان کے دوسرے اقطاع میں کیا جا سکتا ہے۔ ایسے اضلاع جن میں دوامی بندوبست کرنے کی سفارش کی جاتی ہے حسب ذیل ہیں:۔ ناگپور۔ چاندہ۔ ناچن گاؤں۔ (کٹوٹا) جبل پور۔ ساگر۔ دامو ہ۔ نرسنگ پور۔ ہوشنگ آباد۔ ان اضلاع میں ساگر اور دامو ہ کے سوا ایک وسیع رقبے کی مسلسل کاشت ہوتی ہے اور بہت ہی اچھی ہوتی ہے اور ان میں بھی ایسی ہی ترقی کی توقع ہے جیسی ہندوستان کے باقی حصے میں ہو سکتی ہے۔ اضلاع ساگر و دموہ کی سطح زیادہ ناہموار ہے یہاں بہت نشیب و فراز ہیں اور مذکورالصدر اضلاع کی طرح ان ضلعوں میں لمبے لمبے خطے زیر کاشت نہیں لیکن اور طرح ان کی حالت ایک سی ہے۔ یہاں سابقہ جمع مالگزاری کہیں کم اور کہیں زیادہ بھی لیکن انھیں اضلاع کی کیا خصوصیت ہے یہ صورت حال تو ہر جگہ موجود ہے۔ البتہ انگریزوں کی سی و پنج سالہ حکمرانی کے ہر سال کے اعداد محاصل اضلاع جبل پور۔ ساگر۔ دامو ہ۔ نرسنگ پور۔ و ہوشنگ آباد کے متعلق موجود ہیں اور ناگپور۔ ناچن گاؤں اور چاندہ کے متعلق انگریزوں نے جو جمع مقرر کی تھی اس مواد کے علاوہ سرار جنکنس نیابتی حکومت کے زمانے میں جو جمع مقرر کی گئی تھی اس کے بھی اعداد موجود ہیں۔"

"۷۔ اس مسئلے پر مسٹر ٹمپل کے خیالات یہ ہیں اور یہ بھی عرض کرنے مجھ کو کہا گیا ہے کہ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ موجودہ بندوبست کے اثناء میں ان پر

کیوں عمل نہ کیا جائے۔ اس بندوبست کے سب واقعات و حالات کو پوری تفصیل کے ساتھ میں نے اپنے مراسلہ ۱۱ مورخہ ۳۰ ماہ گزشتہ میں چونکہ بیان کر دیا ہے اس لئے اب یہاں ان کا اعادہ کرنا غیر ضروری ہے چیف کمشنر کا قایم مقام صرف اتنا عرض کرتا ہے کہ اگر وائسرائے بہادر بہ اجلاس کونسل حسب ذیل امور کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں اول یہ کہ اس مسئلہ کے وہ عام اصول جو اوپر بیان ہوئے اور دوم یہ کہ ان اصول پر ممالک متوسط کے ان اضلاع میں پوری عمل پیرائی جو بہ لحاظ ترقی اس کے مستحق ہیں تو ذیل کی مختص تجاویز پر منظوری صادر فرمانے کی وہ بہ ادب استدعا کرتا ہے:۔

"م۔ (۱) یہ کہ موجودہ بندوبست کے اثنا میں اگر بندوبست کرنے والے حکام کی نظروں میں کوئی جاگیر ان معنی میں جن کی اوپر توضیح کی گئی ہے دوامی بندوبست کرنے کے سزاوار ہے تو وہاں جمع دوامًا معین کر دی جائے"۔

"۹۔ (۲) یہ کہ اس برکت کے سزاوار ہونے کی سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ وہاں قابل کاشت رقبے کا کم سے کم تین ربع زیر کاشت رہے"۔

"اول۔ (۳) یہ کہ عہدہ داران بندوبست یہ وعدہ کرنے کے مجاز قرار دئے جائیں کہ خاص متعدیات میں جہاں کوئی جاگیر اس معراج ترقی پر پہنچ جائے کہ اس کی تین ربع اراضی زیر کاشت آگئی ہو تو بندوبست پر اس وقت نظر ثانی کے بعد جو جمع مقرر کی جائے گی وہ دوامی ہو گی"۔

"دوم۔ اس طرح اگر رعایا دوامی بندوبست کی حقیقی طور پر خواہشمند ہو گی تو اس طریقے کے اختیار کرنے سے ہر قابض زمین کو ترغیب ہو گی کہ اس برکت کے حاصل کرنے کیلئے کاشت میں توسیع کرے اور اس طرح زرعی حرفت کی ترقی کے لیے بڑی سے بڑی وجہ محرک پیدا ہو جائے گی"۔

بندوبست ۶۷-۱۸۶۳ء

کئی سال تک دوامی بندوبست کا مسئلہ زیر بحث رہا اور ممالک متوسط کے لئے

ایک نیا بندوبست شروع کر دیا گیا۔ اس بندوبست کے اصول شمالی مغربی ممالک کی حکومت کے اس اعلان کی رو سے جو ساگر اور نربدا کی انگریزی عملداریوں میں کیا گیا تھا سنہ ۱۸۵۴ء ہی میں مقرر کردئے گئے تھے مگر ان پر عمل نہیں ہوا تھا اور سنہ ۱۸۶۱ء میں ممالک متوسط کے قیام کے بعد ان ممالک میں ایک گوشہ سے دوسرے گوشے تک جو بندوبست مالگزاری کیا گیا وہ انہیں اصول پر مبنی تھا۔

اس اعلان کی رو سے جو اصل اصول مقرر کیا گیا تھا اور جس کو ممالک متوسط کے لئے عام طور پر قبول کر لیا گیا تھا "مالگزاروں" کے حقوق مالکانہ کو تسلیم کر لینے کے برابر تھا۔ اکثر اس کو ایک جدید عطیہ بیان کیا گیا ہے لیکن یہ صرف اسی حد تک جدید عطیہ تھا کہ "مالگزار" عملاً جس حق سے اب تک بہرہ ور تھے اس کو اصولی طور پر بھی اب تسلیم کر لیا گیا۔ مسٹر چیزہم نے جس کا اپنے وقت کے قابل ترین عہدہ داران بندوبست میں شمار تھا یہ کہا تھا کہ "بہ لحاظ ملکیت اراضی کے متعلق کسی ایسے حق سے آگاہ نہیں ہوں جو "مالگزاروں" کو انفرادی حیثیت سے یا ان کے شکمیداروں کے ساتھ مشترکہ طور پر انہیں حاصل نہیں بجز حق فروخت و حق رہن کے جو واقعی انہیں حاصل نہیں اور وہ اپنے گاؤں کو دوسروں پر اس لئے منتقل کرنے کا حق نہیں رکھتے کہ دیسی حکومت نے اپنی کوتاہ نظری سے اراضی پر ان کا کوئی حق مطلق ہی تسلیم نہیں کیا لیکن جب تک "مالگزاروں" کا قبضہ گاؤں پر قائم رہتا تھا اس وقت تک وہ گاؤں کے اندرونی انتظامات میں بالکل خود مختار سمجھے جاتے تھے مثلاً کاشتکاروں کے لگان کی تشخیص کرنا۔ ان کو قبضے سے بے دخل کر دینا۔ لگان میں اضافہ کرنا۔ درختوں کا جھنڈ لگانا۔ تالابوں کی تعمیر کرنا غرض گاؤں کے انتظام میں ان کو وہ تمام اقتدار حاصل تھا جو کہیں اور بالکل ناقابل اعتراض حق رکھنے والے قابض اراضی کو ہو سکتا ہے"

پھر بھی اس حق کو تسلیم کر لینے میں جس سے عملاً مالگزار مستفید ہوتے تھے اور انکو املاک کی فروخت اور رہن کا اختیار عطا کرنے میں بہت بڑا فائدہ تھا۔ سنہ ۱۸۵۵ء کے اعلان میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ "اب حکومت کا ارادہ ایک اور بیست سالہ بندوبست کرنے کا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ایسے اشخاص کو حقوق زمینداری بھی عطا

کرنے کا ہے جو اس عطا کے بہترین مستحق ثابت ہوتے ہیں" اور یہ بھی اس اعلان میں درج تھا کہ "ہر مالک کو بلا قید و شرط اپنی اراضی کے منتقلی اور تقسیم کا حق حاصل رہے گا"۔ اس بندوبست میں جس کا سر انجام رچرڈ ٹیمپل نے کیا ان اصول پر کاربند رہنا خود اسی سے متعلق کیا گیا تھا اور یہ اس کا نہایت ہی خود تشکر از فریضہ تھا۔

مالگزار کے حقوق مالکانہ کو تسلیم کر لینے کے بعد دوسرا سوال یہ تھا کہ بطور مالگزاری ان کے لگان کے کتنے حصے کی سرکار حقدار سمجھی جائے گی؟ قواعد سہارنپور کی رو سے شمالی ہند میں مالگزاری لگان کے نصف حصہ تک محدود کر دی گئی تھی یہی قاعدہ ساگر اور نربدا کی علداریوں کے لیے بھی مقرر کر دیا گیا تھا لیکن ناگپور کے لئے جو اس وقت ممالک متوسط کا سب سے بڑا حصہ تھا کیا قاعدہ مقرر تھا؟

ناگپور کے لئے حکومت ہند نے یہ ہدایات صادر کیے تھے کہ مالگزاروں کے لئے خام لگان کا ۳۵ سے لے کر ۵۵ فی صدی تک چھوڑ دیا جائے اور یہ بھی کہ گورنر جنرل با جلاس کونسل اس بات پر آمادہ ہیں کہ مصارف انتظام اور حقوق مالکانہ کے طور پر ہر مالگزار کے لئے ۴۰ فی صدی چھوڑ دیا جائے اور بعض خاص حالات میں ۵۰ فی صدی تک بھی چھوڑ دیا جا سکتا ہے"۔ رچرڈ ٹیمپل نے ان ہدایات کے معنے کو خوب وسعت دی اور جو قانون گورنر جنرل کی منظوری سے بلا استثناء تمام ممالک متوسطہ میں نافذ العمل ہونے کے لئے اس نے شائع کیا اس میں جمع کا ایک ہی اصول مقرر کر دیا اور وہ قواعد سہارنپور کے موافق نصف لگان ہی تھا۔

یہی دو اصول ممالک متوسط کے بندوبست کے تھے یعنے (۱) مالگزاروں کے حقوق مالکانہ اور کاشتکاروں کے حقوق پٹہ کا تسلیم کرنا (۲) مالگزاری کا جاگیری لگان کے نصف حصہ تک محدود کر دینا۔

مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بندوبست میں دوسرے اصول کی پابندی نہیں ہوتی ہر جاگیر کے لگان کا تخمینہ کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا اس کو تفصیل

کے ساتھ ان ممالک کے دو چیف کمشنروں نے بیان کیا ہے۔

جہاں تک ان دونوں کے بیانات کی مطابقت کی جا سکتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدہ داران بندوبست جاگیر کے حقیقی لگان کو قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے طور پر حساب لگاتے تھے کہ لگان فی الحقیقت کیا ہونا چاہیے اور اپنے تخمینۂ لگان ہی پر مطالبۂ مالگزاری کا تعین کرتے تھے جس کے بعد مالکان اراضی کو اس مطالبے سے آگاہ کر دیتے تھے اور ان کو اجازت تھی کہ اس تخمینۂ لگان کے برابر اپنے لگان میں اضافہ کریں۔ اس سے زیادہ مذموم کوئی اور نظام ذہن میں نہیں آ سکتا جس سے مالکانِ اراضی کو بے وسیلہ اور ناواقف کاشتکاروں کے لگان میں ان کے حقِ المقدور اضافہ کرنے کی اس طرح جرأت ہوئی ہو جیسی اس نظام کے تحت ہوتی تھی۔ بنگالے میں اودھ اور پنجاب میں لارڈ کیننگ اور سر جان لارنس نے خاص قوانین کے ذریعہ سے انتہائی کوششیں کی تھیں کہ مالکانِ اراضی کاشتکاروں کے لگان میں اپنے حسبِ دلخواہ اضافہ نہ کرنے پائیں لیکن ممالک متوسطہ اور دوسرے مقامات میں عہدہ دارانِ بندوبست نے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے مالکان اراضی کو حتی الامکان لگان میں اضافہ کرنے کی ترغیب ہوئی۔

اس حساب سے بطور مالگزاری لگان کے جس حصۂ متناسبہ کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ اکثر اضلاع میں ۵۰ فی صدی سے بھی بڑھ کر تھا جیسا ذیل کی فہرست سے ظاہر ہوتا ہے۔

لگان کا یہ حساب فیصدی حصہ جس کو بطور مالگزاری وصول کیا جاتا تھا

سیونی		وار دا	۷۹ فیصدی
ہوشنگ آباد	۵۰ فی صدی سے کم	چندوارا	۶۶ "
نرسنگ پور		بتیل	۶۴ "
جبل پور	۵۰ فیصدی	بھنڈرا	۶۰ "

ساگر	۵۱	فی صدی	چانده	۶۰ فیصدی	
دامو	۵۴	" "	بلاسپور	۵۰	"
نانڈلہ	۵۶	" "	رائے پور	۵۳	"
نمار	۶۴	" "	سنبل پور (بندوبست رعیت واری)		
ناگپور	۷۵	" "			

مذکورالصدر فہرست کے ملاحظہ سے واضح ہوتا ہے کہ جمع مالگزاری کا جو اصول مقرر کر دیا گیا تھا اس کی دو طرح خلاف ورزی کی جاتی تھی۔ ایک تو یہ تھا کہ جمع کے لئے جو لگان قبول کیا جاتا تھا وہ خود حقیقی لگان سے جو مالکان اراضی کو وصول ہوتا تھا بہت زیادہ تھا اور دوسرے بطور مالگزاری جس حصۂ تناسبہ کا مطالبہ کیا جاتا تھا وہ بھی اکثر اضلاع میں لگان کے ۷۰ فی صدی سے زیادہ اور خود ناگپور میں ۷۵ فی صدی مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس طرح پھر وہی بات ہوئی کہ حکومت کے احکام کی تعمیل میں "مقامی حکام نے بڑی کوتاہ نظری سے کام لیا" اور جب خود ان عہدہ داروں نے جن کے لئے یہ قواعد مرتب کیے گئے تھے ان قواعد کی خلاف ورزی کی تو پھر رعایا کی دادرسی کیا خاک ہو سکتی تھی۔

اس بندوبست سے البتہ ایک فائدہ رعایا کو حاصل ہوا وہ یہ کہ یہ بندوبست تیس ۳۰ سال تک قائم رہا اور کم سے کم اتنی مدت تک تو سب کاشتکار اور مالکانِ اراضی گزشتہ کارروائیوں کی زحمت اٹھانے کے بعد آرام میں رہے۔

چھٹا باب

مدراس میں بندوبست اراضی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے آخری بیست سالہ دورِ حکومت کے نظم و نسق مالگزاری مدراس کی تفصیل کسی پچھلے باب میں بیان کی گئی ہے ۔ سنہ ۱۸۵۵ء میں حکومت مدراس نے اپنے صوبے کی پیمائش و بندوبست کرنے کی تحریک منظور کر لی ۔ تجویز یہ تھی کہ توسیع کاشت کے لئے محصول اراضی میں تخفیف کی جائے اور توقع کی جاتی تھی کہ کاشت کی ترقی کے ساتھ سرکاری مالگزاری میں بھی اضافہ ہو جائے گا ۔

نظمار کے خیالات

چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظماء نے جدید بندوبست کے خوشگوار نتائج شمالی ہند اور بمبئی میں دیکھے تھے اسی بناء پر انھوں نے اس تجویز پر "مرحبا" کہا اور سنہ ۱۸۵۹ء میں بذریعہ مراسلہ اس کی باضابطہ منظوری بھی صادر کی ۔ اسی مراسلے سے ذیل کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں ۔

"آپ نے اپنے مراسلے نشان (۲۴۴) مورخہ ۱۱ر اکتوبر ۱۸۵۵ء کے ساتھ ایک یادداشت مشاورت مورخہ ۱۴ر اگست ۱۸۵۵ء بھی پیش کی ہے

جس میں آپ کی پریسیڈنسی کے اضلاع میں عام طور پر پیمایش اور جمع مالگزاری کی نظرثانی کرنے کے لئے پر دس سال تک غور و خوض کرنے کا آخری نتیجہ بتایا گیا ہے۔

"آپ کی پریسیڈنسی کے اضلاع کے اکثر حصوں میں مالگزاری کی مکرر تشخیص کے لئے پیمایش کی اشد ضرورت اس طرح ثابت کی گئی ہے کہ ہماری رائے میں اس پر شبہ کرنے کا امکان نہیں رہا۔"

"جن عہدہ داروں کے فرائض میں تشخیص جمع بھی ہے ان کو بقول آپ کے یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ حق سرکار وہ لگان نہیں جو مصارف کاشت اور زرعی سرمایہ کا منافع منہا کرنے کے بعد بچ جاتا ہے بلکہ صرف مالگزاری ہی ہے جس کی مقدار حتی الامکان اس قدر کم معین کرنی چاہیے کہ قابض اراضی کے لئے خواہ وہ اپنی اراضی دوسروں کو کرائے پر دیتا ہو یا اپنے قبضے میں رکھتا ہو فاضلات محاصل یعنے لگان کا کچھ حصہ بچ جائے"

"اس سے ہماری رائے یہ ہے کہ یہ جمع خام پیداوار کا ایک حصۂ متناسبہ ہونے کے بجائے خالص پیداوار کا ایک حصۂ متناسبہ مقرر کر دینا چاہیے۔"

"اوّل اجناس کی شکل میں جمع کی تشخیص پھر ایک واجبی اور مبنی بر اعتدال شرح پر اس کو مبدل بہ زر کر دینے کے بعد ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اس جمع کے تیس ۳۰ سال تک ناقابل تغیر ہونے کا اعلان کر دیا جائے جیسا بمبئی اور شمالی مغربی ممالک میں کیا گیا اور اس میعاد کے منقضی ہونے کے بعد اس وقت کے حالات کے لحاظ سے مقدار جمع بہ شکل اجناس اور اس کے مبدل بہ زر ہونے کی شرح دونوں میں کمی یا بیشی کی جا سکتی ہے۔"

آپ کی رائے یہ ہے کہ عام طور پر ان تجاویز کا یقیناً یہی نتیجہ نکلے گا کہ کاشت میں بہت بڑی توسیع ہو جائے گی اور نہایت وثوق کے ساتھ آپ کو یہ توقع بھی ہے کہ وہ کم ہونے کے بجائے محاصل میں اضافہ ہو جائے گا۔"

"ان توقعات سے ہمیں بھی اتفاق ہے اور بمبئی پریسیڈنسی میں جمع پر نظرثانی کرنے سے جو حقیقی نتائج مرتب ہوئے ہیں اور شمالی ارکاٹ کے اضلاع میں شرح

لگان میں تخفیف کرنے کا جو اثر ہوا ہے ان سے گمان غالب ہوتا ہے کہ یہ توقعات ضرور پوری ہوں گی"

سر چارلس وڈ کے خیالات

اس بات کو ذہن نشین رکھنا نہایت اہم ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کل خالص پیداوار یعنے لگان زمین کا مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ صرف اس کے ایک حصے کا بطور مالگزاری مطالبہ کیا تھا کمپنی کی خواہش یہ تھی کہ رعیت واری خطوں میں خالص پیداوار کا دو ثلث وصول کیا جائے جس طرح ۱۸۵۵ء سے قبل شمالی ہند میں لگان کے دو ثلث حصے کا بطور مالگزاری مطالبہ کیا جاتا تھا۔ مگر الصدر ہندمیں لارڈ ڈلہوزی کی حکومت نے شمالی ہند میں مقدار مالگزاری میں تخفیف کر کے اس کو لگان کا نصف کر دیا تھا اس کے نو سال بعد جب ہندوستان کی حکومت کمپنی سے تاج برطانیہ پر منتقل ہوئی تو وزیر ہند سر چارلس وڈ نے جنوبی ہند کی مالگزاری کی بھی یہی نصف خالص پیداوار ایک حد تک مقرر کر دی ۱۸۶۴ء کے مراسلے سے جس میں یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا تھا اور جواب تک کہیں شائع نہیں ہوا ہے دو فقرے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

"چنانچہ سر ولیم ڈینیسن کی اس تجویز کی پوری تائید کرنے پر میں تیار ہوں کہ تمام پیداوار نہیں بلکہ خالص پیداوار ہی کا ایک حصہ حق سرکار ہوگا"

"غور و خوض کے بعد میں نے جو رائے قایم کی ہے جس سے آپ کو باجلاس کونسل میں مطلع کرتا ہوں وہ یہ کہ خالص پیداوار کا وہ حصہ جس کو واجبی طور پر حق سرکار سمجھا جا سکتا ہے۔ بجائے ایک ثلث کے جیسی سر ولیم ڈینیسن نے اپنی یادداشت میں تجویز پیش کی ہے نصف مقرر کر دینا چاہیئے"

۱۸۶۴ء سے یعنے اس بندوبست کی ابتدا سے جو ۱۸۵۶ء میں منظور ہوا تھا مگر اس کے چند سال بعد تک شروع نہیں کیا گیا تھا۔ حکومت مدراس کے لئے تشخیص جمع کا صاف و صریح قاعدہ یہ تھا کہ کھیتوں کی نصف خالص

پیداوار کاشت کاروں کے لئے چھوڑ دی جائے اور نصف حق سرکار متصور ہو۔

اصول مداومت

نظماء کے ۱۸۵۶ء کے مراسلے کے متعلق ایک اور بات قابل ذکر ہے اس میں ان اصول مداومت کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے جو رعیت واری نظام کی اصل بنیاد تھے اس نظام کے بانی مبانی سر ٹامس منرو نے دارالعوام کے روبرو نہایت زوردار لفظوں میں بیان کیا تھا کہ جو بنگالے کی زمینداری نظام کا اصول تھا وہی اصول رعیت واری نظام کا بھی تھا یعنے مطالبہ سرکار دواماً مقرر ہو جانا چاہئے "مداومت کی حد تک ان دونوں نظام میں کچھ فرق نہیں لیکن رعیت واری نظام میں اسی تناسب سے محاصل میں اضافہ ہو سکتا ہے جس تناسب پر افتادہ زمین زیر کاشت لائی جاتی ہے" مسٹر دت کی چھان بین کی تاریخ سے غالباً پچاس سال زیادہ مدت تک حکومت مدراس نے کبھی یہ سوال ہی نہیں اٹھایا کہ نظام مدراس کا اصول مطالبے کی دوامی تشخیص کر دینا نہیں ہے اگرچہ ایک طرف تو وہ ناقابل وصول رقم مالگزاری کا مطالبہ کرتی رہی تھی اور دوسری طرف تحقیقی معمولات میں سال بسال کمی و بیشی بھی کرتی رہی تھی۔ مجلس نظماء نے اپنے مراسلے میں اس اصول کا کچھ حوالہ دیئے بغیر سرے سے اس کو یوں نظر انداز کر دیا کہ ہر ۳۰ سالہ میعاد کے منقضی ہونے پر جمع پر نظر ثانی کرنے کی ٹھیرا دی۔

پھر بھی اس طرح خاموشی کے ساتھ اس اصول کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نظماء کے مراسلہ وصول ہونے کے بعد مدراس کی مجلس مالگزاری نے کہا کہ جمع کی دوامی تشخیص کا اصول اب بھی رعیت واری نظام کا اصول ہے۔ اس مجلس نے ۱۸۵۷ء میں لکھا کہ "انگلستان میں عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ بمبئی کے سی سالہ بندوبست سے کاشتکاروں کی حقیت اراضی میں بمقابلہ مدراس کی رعیت واری حقیت کے زیادہ صورت مداومت پیدا ہوئی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔

کیونکہ مدراس کی رعیت درحقیقت لگان میں کسی قسم کا اضافہ کیے بغیر اراضی پر اپنا قبضہ دوامًا قائم رکھ سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے قول کو بھی ہمیشہ پورا کرتی رہے۔

اسی لئے ۱۸۶۱ء میں لارڈ کیننگ نے جب حکومتِ مدراس سے کرنل بیرڈ اسمتھ کے دوامی بندوبست کے متعلق استفسار کیا تو حکومت مدراس نے بمقتضائے حالات یہ جواب دیا اور صحیح جواب دیا کہ مدراس کا نظام دراصل دوامی بندوبست ہی تھا۔ گورنر مدراس اور اس کی کونسل کے ارکان میں البتہ یہ مابہ النزاع امر تھا کہ آیا محصول اراضی دوامًا بہ شکل جنس ہی رہے گا یا دوامًا بہ شکل زر ہونا چاہیئے یہ مراسلہ اس قدر حیرت انگیز ہے کہ یہاں اس کی پوری نقل کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مجوزہ دوامی بندوبست

معزز گورنر باجلاس کونسل کے حسب الحکم میں آپ کے مراسلہ نشان (۲۴۵) مورخہ ۷ اکتوبر ۱۸۶۱ء (جس میں مدراس پریسیڈنسی کے مختلف اضلاع میں دوامی بندوبست کے فوائد کے متعلق اور ان اضلاع میں جہاں موجودہ بندوبست اس قسم کے نہیں ہیں کہ ان کو دوامی کردیا جائے طویل المیعاد بندوبست کے لئے قانونی منظوری حاصل کرنے کے بارے میں گورنر کی رائے دریافت کی گئی ہے) کے وصول سے آپ کو مطلع کرتا ہوں۔

"۲۔ تمہید کے طور پر اس حکومت کی طرف سے عرض کیا جاتا ہے کہ دوامی بندوبست کا منشاء گورنر جنرل کا باجلاس کونسل صرف مالگزاری کا دوامًا تعین کردینے کے سوا اور کچھ نہیں یعنے دوسرے لفظوں میں ابدالآباد تک ان سب زمینوں پر جو زیر بندوبست لائی جائینگی سرکار جمع میں کچھ اضافہ نہ کرسکے گی۔

"۳۔ دوامی بندوبست کے الفاظ عام طور پر ان زمینداری بندوبستوں پر بھی منطبق کیے جاتے ہیں جو مدراس کے دستور العمل نمبر (۲۵) بابت ۱۸۰۲ء اور تمام بنگالہ کے دستور العمل نمبر (۱) بابت ۱۷۹۳ء کے موافق عمل میں آئے ہیں حقیقتاً اراضی کے اس طریقے کی اس پریسیڈنسی میں ترویج کرنے کی یہ حکومت مخالف ہے

اور اس کے کئی وجوہ ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ اہم یہ اعتراض ہیں کہ اس سے سب منجر واُفتادہ اراضی سرکار سے رعایا پر منتقل ہو جائے گی حالانکہ اس حکومت کو مالگذاری میں بتدریج اضافہ ہونے کی صرف اسی ذریعے سے توقع ہو سکتی ہے اور یہ ضروری ہے کہ آئندہ آمدنی کا یہ ذریعہ سرکار کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

۴- اس قدر سمجھا دینے کے بعد اب مجھ کو اس پریسیڈنسی کی حقیت اراضی کی موجودہ حالت کی جیسی مروجہ رعیت واری نظام کے تحت ہی توضیح کرنا ہے کیونکہ صرف اسی سے آپ کے تجاویز مندرجہ مراسلہ متعلق ہو سکتے ہیں۔

۵- نظم ونسق کے اس طریقے کی ترویج کرنل ریڈ نے ۱۷۹۲ء میں کی تھی اور بعد کو سر ٹامس منرو نے اس کی تکمیل کی۔ ۱۸۱۲ء میں حکومت وطن نے اس طریقے کی عام ترویج کا حکم صادر کیا تھا۔ اسی وقت سے یہ حقیت اراضی اس پریسیڈنسی میں زیادہ تر پھیلی ہوئی ہے کیونکہ زمینداری اراضی سے جو محاصل وصول ہوتے ہیں وہ صرف پانچ لاکھ پونڈ ہیں درآنحالیکہ رعیت واری جاگیر سے ۳۵ لاکھ پونڈ آمدنی ہوتی ہے۔"

۶- اس میں کچھ شک نہیں کہ رعیت واری نظام کا اساسی اور اصل اصول اراضی پر مطالبہ سرکار کا دوامی تعین ہی ہے۔

۷- ۱۷۹۶ء میں جب کرنل ریڈ نے پہلی دفعہ ضلع سالم کا بندوبست کیا تو رعیت کے نام ایک اعلان شائع کیا تھا جس میں ذیل کا قاعدہ درج تھا "ویٹ کٹ نلم (مقبوضہ اراضی) کی پیمائش اور تخمینہ مالیت کے بعد اس کے ہر کھیت پر جمع سرکار جہاں پوری شرح پر پہلے ہی سے مقرر ہو وہاں دواماً مقرر کر دی جاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر نہ سرکار موجودہ شرح سے زیادہ کا مطالبہ کرے گی اور نہ اس سے کم کبھی وصول کرے گی اور نہ تم لوگوں کو اس سے کم یا زیادہ ادا کرنا ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ جب خشکی کی اراضی کو سرکار اپنے مصارف پر تری کی اراضی بنا دے البتہ اس وقت پیداوار کے اضافے کے متناسب شرح لگان میں بھی اضافہ کر دیا جائے گا مگر پہلے کی طرح یہ اضافہ بھی دواماً مقرر کر دیا جائے گا۔ برخلاف اس کے اگر تم مصارف خود ہی کام انجام

دو تو تم کو اس کا اور اراضی کی ہر طرح کی اصلاح کا فائدہ اس وقت تک ملتا رہے گا جب تک تم مقررہ لگان ادا کرتے رہو گے کیونکہ یہ استثناء اس صورت حال کے جو اوپر بیان کی گئی ہے ہمیشہ کے لئے سالانہ مطالبۂ سرکار بس اسی حد تک رہے گا اور اس سے ہرگز متجاوز نہ ہوگا۔ انھیں اصول پر تم اپنی اراضی کو کرائے پر اوروں کو دے سکتے ہو اور اس پر ہل چلا کر اور کھاد دے کر اس کی شرح مالیت میں سرکاری شرح سے بڑھ کر اضافہ بھی کر سکتے ہو بشرطیکہ اس کی مانگ ہو۔ درانحالیکہ ہمیشہ کے لئے سرکار کو صرف اسی مقررہ شرح پر تمھیں لگان دینا ہوگا اور اس سے زیادہ نہیں"

"۹ — اسی طرح ۱۸۲۰ء میں سر ٹامس منرو نے اضلاع مفوضہ کے کلکٹروں کے نام ہدایات صادر کرتے ہوئے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"جب کسی ملک کی اراضی کی پیمائش ختم ہو جاتی ہے تو گاؤں یا ضلع کے مقررہ بندوبست کے بجائے رعیت واری بندوبست ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہر کھیت پر لگان علیحدہ علیحدہ معین کیا جاتا ہے اس لئے ہر کاشتکار اپنی مرضی کے موافق کسی خاص کھیت کو لے سکتا ہے اور کسی کے لینے سے انکار کر سکتا ہے سال بھر میں گاؤں کے جتنے کھیت رعیت کے زیر قبضہ ہوتے ہیں ان کے مجموعی لگان کا نام ہی اس گاؤں کا بندوبست ہے" پھر ۱۸۲۱ء میں رعیت واری بندوبست کی کارروائی کے طریقے کی توضیح کرتے ہوئے منرو نے کہا تھا کہ "جب ضلع کی پیمائش ہو چکی اور کھیت پر لگان کا دوامی تعین ہو چکا تو پھر "کلوار" (انفرادی) بندوبست نہایت ہی آسان ہے کیونکہ اس وقت صرف اس قدر دریافت کر لینا کافی ہے کہ کس کس کھیت پر کس کس کا قبضہ ہے۔ پھر اس کو پٹہ داروں کے کھاتے میں درج کر لیا جاتا ہے۔ ان کھیتوں کا مجموعی لگان ہر سال اس فرد رعیت کی طرف سے سرکار کو واجب الادا ہوتا ہے جس کے زیر قبضہ یہ کھیت ہوتے ہیں۔ اس شخص سے اس لگان سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا لیکن افلاس یا غیر معمولی نقصانات کی حالت میں

لگان کے کچھ حصے کی معافی ممکن ہے۔ ابتدائے ہنگام ہی میں جب وہ اپنی زمینوں پر ہل چلاتا ہے تو اس کو اپنے واجب الادا لگان کی صحیح مقدار کا اندازہ رہتا ہے۔ اس کو ان سب مختلف کھیتوں کے لگان کا بھی علم رہتا ہے جن کی وہ کاشت کرتا ہے اور ان کھیتوں کے مجموعی لگان سے مطالبہ سرکار کسی حالت میں بڑھ نہیں سکتا۔ اسی کو لگان کی انتہائی حد معلوم ہے اور نہ صرف اس وقت کے بلکہ ہر آنے والے سال کے لئے بھی کیونکہ بجز اس صورت کے کہ وہ مزید اراضی اپنے زیر قبضہ لے اس کے لگان میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا اس سے سرکاری اقساط برابر ادا کرنے کا اس کو مقدور ہو جاتا ہے اور خرابی ہنگام سے نقصان بھی ہو تو اچھے ہنگام کے منافع سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔" ۱۸۳۰ء میں مجلس مالگزاری نے حکومت وطن کے احکام کی تعمیل میں عام طور پر رعیت واری نظام کی ترویج کے لئے تفصیلی ہدایات صادر کیں مجلس نے اس نظام کی خصوصیت یہ بیان کی تھی کہ "اس میں ہر کھیت پر لگان اعظم دواماً مشخص کر دیا جاتا ہے۔"

۹ - زمانہ مابعد میں اکثر موقعوں پر صاف و صریح الفاظ میں رعیت واری بندوبست کی ہدایت کو تسلیم کیا گیا ہے

۱۰ - مدراس کی تعلیم ونسق کی رپورٹ بابت ۵۶-۱۸۵۵ء میں رعیت واری نظام کی حسب ذیل توضیح کی گئی ہے " رعیت واری نظام میں ہر قابض اراضی جس کا نام کھاتے میں درج ہو مالک زمین تسلیم ہوتا ہے اور وہ براہ راست حکومت کو اپنا لگان ادا کرتا ہے۔ اس کو آزادی حاصل ہے کہ خواہ وہ اپنی ملک کسی شکمیدار کو دیدے خواہ وہ بلامعاوضہ کسی کے نام بطور عطا منتقل کر دے یا اس کو فروخت یا رہن ہی کر دے۔ سرکار اس کو قبضے سے اس وقت تک بے دخل نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنے مقررہ لگان برابر ادا کرتا رہے اور ہر سال اس کو حق حاصل ہے کہ اپنی مقبوضہ اراضی میں کمی وبیشی کرے یا اس سے بالکل دست بردار ہو جائے۔ نامساعد ہنگام میں پیداوار یا پیداوار کے کچھ حصے کے اتلاف پر لگان اس حد تک معاف کر دیا جاتا ہے جمع کا تعین زر کی شکل میں

کیا جاتا ہے اور سال بسال اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا بجز ان اشکال کے کہ خشکی کی اراضی کو تری کی اور ایک فصلہ زمینوں کو دو فصلہ بنانے کے لئے سرکاری ذرائع آبپاشی سے پانی لیا جائے البتہ اس صورت میں سرکار کو بل دینا لازمی ہے ورنہ رعیت بہ مصارف خود اپنی اراضی میں کوئی اصلاح بھی کرے تو اس لحاظ سے لگان میں اضافہ نہیں کیا جاتا۔ اس نظام کے تحت رعیت کی حیثیت دراصل مالک اراضی کی ہے جس کو ایک سیدھا سادہ مکمل حق حاصل ہے اور دوامی پٹے کی ذمہ داریوں کے بغیر اس پٹے کے کل فوائد حاصل ہیں کیونکہ رعیت کسی وقت بھی اپنی اراضی سے بالکل دست بردار ہو سکتی ہے لیکن جب تک وہ اپنے واجب الادا اقساط ادا کرتی رہتی ہے اس وقت تک اس کو اراضی سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ ہنگام کی مشکلات میں اس کی امداد کی جاتی ہے اور کوئی فرد رعیت اپنے ہمسائے کے لگان کا ذمہ دار نہیں" ۱۸۵۸ء میں بھی رعیت واری نظام کی حکومت وطن نے دارالعوام کے روبرو اسی کے مماثل توضیح کی۔

۱۱۔ ۱۸۵۸ء میں مجلس مالگزاری نے جدید پیمائش و بندوبست پر جو رپورٹ حکومت کے ملاحظہ میں پیش کی تھی اس میں حسب ذیل تحریر کیا تھا "یہاں اس بات پر توجہ دلانا بے موقع نہیں معلوم ہوتا کہ انگلستان میں عام طور پر یہی خیال پھیلا ہوا ہے کہ بمبئی کے سی۳۰ سالہ بندوبست سے کاشتکاروں کے حقیت اراضی میں بہ مقابل مدراس کی رعیت واری حقیت کے زیادہ مداومت کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ مدراس کی رعیت درحقیقت لگان میں کسی قسم کا اضافہ کرنے کے بغیر دواماً اراضی پر اپنا قبضہ قائم رکھ سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنی قرارداد بھی ہمیشہ پوری کرتے رہے۔"

۱۲۔ اسی سال آنریبل مسٹر گٹ کی رپورٹ پر حکومت نے اثنائے تبصرہ میں حسب ذیل خیالات کا پرزور الفاظ میں اظہار کیا تھا "رعیت کا حق مالکانہ بالکل مکمل ہے اور جب تک کوئی فرد رعیت اپنی اراضی پر معینہ لگان ادا کرتا رہتا ہے اس وقت تک اس کو کوئی شخص ہرگز بے دخل نہیں کر سکتا۔ رعیت واری نظام کا

کوئی اور اصول اس سے بڑھ کر معین یا مشہور نہیں اور یہ حکومت تو صاف صاف کہتی ہے کہ اس سے قوی تر یا مستحکم تر کوئی اور اصول ہو ہی نہیں سکتا

۱۳ - اس طرح یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اراضی پر مطالبہ سرکار کا دوامی تعین رعیت واری نظام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ رعیت کو اس سے زمینداری حقیت اراضی کے سب فوائد حاصل ہوتے ہیں درآنحالیکہ سرکار کے زیر قبضہ بڑی قابل قدر بنجر زمین محفوظ ہے اور آئندہ جیسے جیسے کاشت میں توسیع ہوتی جائے گی ویسے ویسے اس ذریعے سے ملک کی ترقی کے ساتھ ساتھ مصارف میں جو اضافہ ہوگا اسکی تکمیل کے لئے محاصل میں بھی بیشی ہوتی رہے گی۔ رعیت واری نظام کے اس اساسی اصول کی عملاً کبھی خلاف ورزی نہیں کی گئی - جمع میں تخفیف ہوتی رہی جیسی جنوبی ارکاٹ بلاری۔ کڈپا وغیرہ میں ہوئی تھی لیکن ایک بھی ایسی مثال نہیں جہاں اس میں اضافہ کیا گیا ہو چنانچہ حال میں زر کے لئے بڑا دباؤ ڈالا گیا تھا اور حکومت کے لئے محصول اراضی میں اضافہ کرکے اس مطالبے کی تکمیل کرنا ایک صاف بات تھی مگر بھول کر بھی اس کا خیال کبھی نہیں کیا گیا۔

۱۴ - اگر صورت حال یہی برقرار رہتی تو حکومت کے لئے یہ جواب دینا کافی تھا کہ اس پریذیڈنسی کے رعیت واری مالکان اراضی کو وہ سب فوائد حاصل ہیں جن کو گورنر جنرل باجلاس کونسل ان لوگوں کو عطا کرنے پر آمادہ ہے اگرچہ کسی قانون کی رو سے یہ بات انہیں حاصل نہیں۔

۱۵ - لیکن ۱۸۵۵ء میں اس پیمائش و بندوبست کی جو اب جاری ہے ابتدا ہوئی تو حقیت اراضی میں ایک اہم ترمیم کی گئی۔

۱۶ - اس کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ جمع پر جو عام طور پر بہت زیادہ مقرر کردی گئی تھی نظر ثانی کی جائے۔ اراضی کے متعلق رعیت میں ایک قابل قدر دلچسپی پیدا کرنے اور توسیع کاشت کی رعیت کو ترغیب دینے کے لئے خام پیداوار کے ۳۰ فی صدی تک باحتیاط تمام مذکورالصدر طریقے پر اس کا حساب لگانے کے بعد مطالبہ سرکار کی انتہا مقرر کردینی چاہیئے اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اوسطاً یہ مطالبہ ۲۵ فی صدی سے بڑھ کر نہ ہوگا۔ حکومت مدراس کی رائے یہ تھی کہ جمع بشکل اجناس

پنجاہ سالہ میعاد کے لئے مقرر کردی جائے اور وقتاً فوقتاً سات یا دس سال کے وقفے سے اس دور کی اوسط قیمتوں کے لحاظ سے اس کو مبدل بہ زر کرنے کی شرح میں کمی و بیشی کی جائے۔ حکومت وطن نے اس انتظام پر اعتراض کیا اور جمع زر کی شکل میں معین کرنے ہی کو اس پر ترجیح دی اور تیس سال تک اس کو ناقابل تغییر قرار دیا۔ حکومت مدراس نے اس موضوع پر اور بحث کی اور بالآخر کار یہ تصفیہ کیا کہ پچاس سال بعد عندالضرورت جمع پر نظر ثانی ہونی چاہیے لیکن باضابطہ طور پر اس فیصلے سے ابھی تک لوگوں کو آگاہ نہیں کیا گیا۔

"۱۷۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رعیت واری حقیقت اراضی کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ جمع کا تعین دواماً ہونا چاہیے۔ برخلاف اس کے جس نظر ثانی شدہ جمع کی اب ترویج کی جارہی ہے اس پر پچاس سال گزرنے کے بعد پھر نظر ثانی ہوسکتی ہے۔

"۱۸۔ آپ کے مراسلے میں ایک اور اختیاری صورت جو تجویز کی گئی ہے اس پر اس حکومت نے کامل احتیاط کے ساتھ غور و خوض کیا اور جن نتائج پر وہ پہنچی ان کو بالاختصار یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

"۱۹۔ گورنر اس بات پر راضی ہے کہ لگان بہ شکل اجناس دواماً مقرر کردیا جائے بشرطیکہ حکومت کو یہ اختیار رہے کہ اگر کسی آئندہ موقع پر قدر زر میں کوئی اہم تغیر رونما ہو جس کے لحاظ سے لگان کی شرح مبادلہ میں بھی تغیر ضروری ہوجائے تو وقتاً فوقتاً القضائے میعاد پر اس شرح میں تغیر کیا جاسکے۔

"۲۰۔ برخلاف اس کے معزز ارکان کونسل زر کی شکل میں جمع دواماً مقرر کردینے کے قدیم رعیت واری اصول ہی کی تائید کرتے ہیں یعنے فصل کا ایک حصہ جمع مقرر کردی جائے اور اس حصے کو ایک واجبی شرح پر مبدل بہ زر کیا جائے اور یہ شرح ہمیشہ کے لیئے یکساں رہے۔

"۲۱۔ میں حسب الحکم مسلکہ یادداشت کی طرف توجہ منعطف کراتا ہوں جس میں کونسل کے میر مجلس اور ارکان کے خیالات درج ہیں۔

"۲۲۔ حکومت مدراس کسی قانون منظور شدنی کی رو سے طویل المیعاد

بندوبست کرنے کی تائید نہیں کرتی ۔ ایسے بندوبست سے رعیت کو کوئی حقیقی فائدہ پہنچنے اور اُن کی اصلاح حال ہونے کے بجائے حکومت کے لیے بہت سی روکاوٹیں پیدا ہو جائینگی ۔ سرکار اور رعایا دونوں کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ دوامی بندوبست کر دیا جائے یا حکومت کو یہ اختیار دیدیا جائے کہ وہ مملکت کی ضرورتوں کے لحاظ سے جس وقت جو مناسب سمجھے وہ کرے ۔ سوائے اشد ضرورت کے حکومت تو جمع میں تغیر ہی نہیں کر سکتی لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ایسی ضرورت اس میعاد کے اندرون پیش نہیں آئے گی جس میں قانون کی رو سے بندوبست میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا جا سکتا ۔"

بندوبست جدید

اگرچہ اس مراسلے میں مطالبۂ سرکار کے دوامی تعین کا اصول تسلیم کر لیا گیا تھا مگر اس پر عمل نہیں ہوتا تھا ۔ تیس ۳۰ سال کے لئے بندوبست کر دیا گیا تھا اور انقضائے میعاد پر کاشتکار سے واجب الوصول لگان میں اضافہ ہو سکتا تھا ۔ ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۲ء میں قانون کی رو سے بنگالے کے خاص زمینداروں کے لیئے اپنی آسامیوں کے لگان میں اضافہ کرنے کے وجوہ مقرر کر دئے گئے تھے اُن کے مماثل مطالبۂ سرکار میں اضافہ کرنے کے لئے کوئی مخصوص اور مقررہ وجوہ نہیں بتائے گئے تھے ۔ اس جدید طریق کار کے مالی نتائج ۱۸۶۱ء سے ۱۸۸۱ء تک کیا نکلے حسب ذیل کے نقشے میں ان کی تفصیل بتائی گئی ہے :۔

مالگزاری مدراس بہ استثناء ملیبار و جنوبی کنڑا

سنہ عیسوی	رقبہ زیر قبضہ	تشخیص لگان	جملہ ریت واری مطالبہ	ابواب وغیرہ	مطالبۂ خام
۱۸۶۱	۱۵۸۰۰۰۰۰	۳۲۰۰۰۰۰	۳۲۲۰۰۰۰	۷۰۰۰۰	۳۲۹۰۰۰۰
۱۸۶۲	۱۶۴۰۰۰۰۰	۳۳۳۰۰۰۰	۳۸۰۰۰۰۰	۷۰۰۰۰	۳۴۵۰۰۰۰

۱۸۶۳	۱۷۰۰۰۰۰	۳۲۱۰۰۰۰	۳۴۳۰۰۰۰	۷۰۰۰۰	۳۵۰۰۰۰۰
۱۸۶۴	۱۷۳۰۰۰۰	۳۱۸۰۰۰۰	۳۳۶۰۰۰۰	۵۰۰۰۰	۳۴۱۰۰۰۰
۱۸۶۵	۱۷۵۰۰۰۰	۳۱۹۰۰۰۰	۳۴۱۰۰۰۰	۸۰۰۰۰	۳۴۹۰۰۰۰
۱۸۶۶	۱۷۸۰۰۰۰	۳۱۸۰۰۰۰	۳۵۲۰۰۰۰	۱۵۰۰۰۰	۳۶۷۰۰۰۰
۱۸۶۷	۱۸۲۰۰۰۰	۳۲۳۰۰۰۰	۳۳۰۰۰۰۰	۱۸۰۰۰۰	۳۴۸۰۰۰۰
۱۸۶۸	۱۸۴۰۰۰۰	۳۲۴۰۰۰۰	۳۴۰۰۰۰۰	۲۲۰۰۰۰	۳۶۲۰۰۰۰
۱۸۶۹	۱۸۸۰۰۰۰	۳۲۷۰۰۰۰	۳۶۰۰۰۰۰	۲۶۰۰۰۰	۳۸۶۰۰۰۰
۱۸۷۰	۱۹۲۰۰۰۰	۳۳۰۰۰۰۰	۳۷۱۰۰۰۰	۲۹۰۰۰۰	۴۰۰۰۰۰۰
۱۸۷۱	۱۸۹۰۰۰۰	۳۲۲۰۰۰۰	۳۵۶۰۰۰۰	۴۰۰۰۰۰	۳۹۶۰۰۰۰
۱۸۷۲	۱۹۰۰۰۰۰	۳۲۲۰۰۰۰	۳۶۷۰۰۰۰	۴۲۰۰۰۰	۴۰۹۰۰۰۰
۱۸۷۳	۱۸۸۰۰۰۰	۳۱۹۰۰۰۰	۳۵۴۰۰۰۰	۴۲۰۰۰۰	۳۹۶۰۰۰۰
۱۸۷۴	۱۹۲۰۰۰۰	۳۲۳۰۰۰۰	۳۷۶۰۰۰۰	۴۲۰۰۰۰	۴۱۸۰۰۰۰
۱۸۷۵	۱۹۲۰۰۰۰	۳۲۵۰۰۰۰	۳۵۳۰۰۰۰	۴۱۰۰۰۰	۳۹۴۰۰۰۰

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ رقبۂ زیر کاشت نیز خام مطالبۂ مالگزاری میں اس پانزدہ سالہ مدت میں تقریباً ۲۰ فی صدی اضافہ ہو گیا تھا لیکن ان اعداد سے جس درجے مالگزاری لوگوں پر شاق تھی اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ایک تو جدید طور پر جو اراضی زیر کاشت لائی گئی تھی ان زمینوں کی طرح زرخیز نہ تھی جو ۱۸۶۱ء میں زیر کاشت تھیں اس لئے پیداوار میں ۲۰ فی صدی اضافہ کیا بمشکل اس کا آدھا بھی نہیں ہوا تھا۔ دوسرے اس پانزدہ سالہ مدت کے آخر میں بہ مقابل اس کی ابتدا کے پیداوار کی قیمت بھی گھٹ گئی تھی اس لیے کاشتکاروں کو فروخت پیداوار سے بہ نسبت سابق کے فی ایکڑ میں کم آمدنی ہوتی تھی۔ پھر تعجب کی کیا بات ہے اس میعاد کی انتہا پر بھی رقم مالگزاری کی اسی قدر معاف کرنی پڑی تھی جس قدر اس کی ابتدا میں معاف تھی۔ مدراس کی پیمائش و بندوبست سے بڑے بڑے فوائد کی توقع تھی مگر اس سے بمشکل رعایا کے کندھوں کا کچھ بوجھ ہلکا ہوا تھا گو کچھ نہ کچھ فائدہ تو ضرور ہوا مثلاً ایک

تو محصول اراضی سب پر بہت کچھ یکساں کر دیا گیا۔ دوسرے تیس سالہ بند وبست سے کاشتکار ہر سال کی زحمتوں اور تکلیفوں سے بچ گئے۔ لیکن اس صوبے کی جملہ پیداوار اور اس پیداوار کی قیمتوں کے ساتھ اگر مطالبۂ سرکار کا تناسب دیکھیں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بمقابل ۱۸۶۰ء کے ۱۸۷۲ء میں رعایا پر یہ [illegible] لگان بہت زیادہ تھا اور ۱۸۷۷ء میں قحط کے جو مہلک نتائج مدراس میں مرتب ہوئے تھے ان سے ثابت ہوتا تھا کہ اس جدید بند وبست سے کاشتکاروں میں حوادثِ زمانہ کی قوتِ برداشت کس قدر کم تھی اور ان کو کتنا موہوم تحفظِ حقوق حاصل تھا۔

اگر مطالبۂ سرکار نصف خالص پیداوار تک محدود رکھنے کے قاعدے کی جو ۱۸۶۴ء میں مقرر کیا گیا تھا بہ حزم و احتیاط پابندی کی جاتی تو ممکن تھا کہ اس سے بہتر نتائج نکلتے۔ لیکن بڑے بڑے اضلاع میں جہاں مقبوضہ قطعات اراضی ڈیڑھ لاکھ کی تعداد میں تھے بند وبست کے لئے سرسری اور عاجلانہ طریقوں کا اختیار کرنا لابد تھا۔ کاشتکاروں کو فرداً فرداً یہ ثابت کرنے کا موقع نہ تھا کہ کتنی جملہ پیداوار ان کے کھیتوں سے حاصل ہوتی تھی۔ ان کے مصارفِ کاشت کیا تھے اور خالص آمدنی کا کیا حصہ ان کے لیے بچتا تھا۔ ایک عام طریقے پر یہ اکثر فرض کر لیا جاتا تھا کہ جملہ پیداوار کا ایک ثلث مصارفِ کاشت کے برابر تھا یعنی یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ ایک ایکڑ اچھی اراضی کے مصارفِ کاشت ۲۰ شلنگ اور ایک ایکڑ نکمی بھوڑی زمین کے ۱۲ شلنگ ہوتے تھے۔ مدراس میں ہر کاشتکار کو اور ہر انگریز کو جس کو اس صوبے کا کچھ بھی تجربہ تھا معلوم تھا کہ یہ رقم بالکل ناکافی تھی"۔[1]

---

[1] ایک بہت بڑے تجربہ کار زمیندار مسٹر بوڈن نے ۵ دسمبر ۱۸۹۵ عیسوی میں اپنے ضلع کے کلکٹر کو لکھا کہ "یہ خیال کہ ایک اچھی زمین کے مقابل خراب زمین کے مصارفِ کاشت فی ایکڑ کم ہوتے ہیں بالکل بے بنیاد ہے"۔ مسٹر ناسٹر نے مغربی ڈلٹا دو ہانہ پر جو رپورٹ لکھی اس کے فقرہ (۹۰) میں تحریر کیا تھا کہ "میں یہ معلوم نہ کر سکا کہ اچھی زمین کے مقابل خراب زمین پر مصارف کم ہوتے ہیں"۔

ایسے غیر صحیح تخمینے پر جو ملک کے ایک وسیع رقبے کے لئے بہ حیثیت مجموعی کیا جاتا تھا سرکاری جمع مبنی ہوتی تھی اور اکثر کاشتکاروں کو اس کی اطلاع بعد کو ملتی تھی اور وہ اکثر دیکھتے تھے کہ ان کے کھیتوں کی خالص آمدنی کا زیادہ تر حصہ تو اس جمع مالگزاری ہی کے ادا کرنے میں اُن کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے اس پر بھی کاشتکاروں کو اس فیصلے پر استغاثہ کرنے کا حق نہ تھا اور وہ مجبور تھے غرض یا تو مقررہ جمع ادا کریں یا اپنی آبائی اراضی سے بالکلیہ دست بردار ہو جائیں۔

کاشتکاران مدراس ہی اکیلے نہ تھے جن کو اس پر تعجب ہوتا تھا۔ بلکہ سر چارلس وڈ (جس نے ۱۸۶۴ء کا بالکل صاف و صریح قاعدہ مقرر کر دیا تھا) کے جانشینوں کو بھی یہ دیکھ کر کہ اس قاعدے کو عملاً کس طرح نظر انداز کر دیا جاتا ہے کچھ کم تعجب نہیں ہوتا تھا۔ لارڈ ہوبرٹ گورنر مدراس نے ۱۸۷۴ء میں اس بندوبست کی تمام کارروائی کو موقوف کر کے ایک بیندھے سادے طریقے کو پھر سے اختیار کرنے کی تجویز پیش کی تھی اور سر لوئی میالٹ نائب وزیر ہند نے دو طویل یادداشتیں مرتب کی تھیں جن سے مدراس کی کارروائیوں میں کسی رہنما اصول کی غیر موجودگی اور اس کی احتیاج مطلق کا انکشاف ہوتا تھا۔ اس پہلی یادداشت کا ایک نہایت ہی معنی خیز فقرہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

سر لوئی میالٹ کی یادداشت

۱۸۵۸ء میں حقیت اراضی ہند کے متعلق دار العوام میں جو رپورٹ پیش ہوئی تھی اور جس پر مسٹر جان اسٹوارٹ مل کے دستخط ہیں اس میں یہ عالم

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مسٹر نیپیر نے لکھا تھا کہ مصارف کاشت کو خواہ زمین کی مالیت کے تناسب قرار دینے کی طرف سررشتہ بندوبست کا جو رجحان ہے وہ اس کی ایک کمزوری ہے۔" مدراس کی مجلس مالگزاری نے اپنے قرارداد مورخہ ۲۶ ردسمبر ۱۹۰۰؁ء ہیوی کے فقرہ (۳۶) میں لکھا تھا کہ "یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مصارف کا پیداوار کے ساتھ جو تناسب قائم کیا گیا ہے اس کا ہر تفصیلی جزء بالکل صحیح ہے۔"

کیفیت میری نظر سے گزری ہے کہ "ہندوستان میں اراضی عموماً خانگی ملک ہے جس پر مالگزاری ادا کرنا لازمی ہے اور جمع کا نظام اور طریقہ مختلف انقطاع میں بنفسہ بالکل مختلف ہے"۔

"اس موقع پر جس کا میں نے اوپر حوالہ دیا ہے یعنے ۱۸۵۶ء میں مدراس کے ساتھ مراسلت کے اثنا میں مجلس نظما نے ملکیت سرکار سے بالکل انکار کر دیا تھا اور اس اصول کی توثیق کی تھی کہ جمع سرکار کے معنی لگان نہیں بلکہ صرف مالگزاری ہے اور لگان پر سے مالگزاری کا اس لئے تعین کیا جاتا ہے کہ حسب ضرورت وصول حاصل کے لئے یہی طریقہ سب سے زیادہ سہل اور بالکل رواج ملک کے موافق ہے نیز ایک ایسے ملک میں جہاں زرعی ترقی کے ذرائع کچھ زیادہ مکمل نہیں یہی سب سے زیادہ صحیح و درست سیدھا سادا اور مبنی بر انصاف مالیات کا نظام ہو سکتا ہے۔

سر چارلس وڈ نے ۱۸۶۴ء میں اس اصول کی دوبارہ توثیق کی لیکن مجلس نظما کے تصفیے سے تجاوز کر کے خالص پیداوار کے ۵۰ فی صدی شرح مالگزاری مقررہ کر دی مگر پھر بھی یہ ایک عام اصول قرار دیا گیا تھا جس پر عمل کرنے میں جہاں تک ہو سکے رعایت کی جاتی تھی۔

"بنا برآں اس اصول کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی بنیاد ذہنی اعتبار سے نہایت استوار تھی لیکن جن حالات اور الفاظ میں بمقتضائے ضرورت اس اصول کو ضبط تحریر میں لایا گیا تھا ان سے یہ تقریباً مسئلہ مجرد بن گیا تھا کیونکہ اس اصول پر عمل پیرائی عہدہ داران بندوبست کی قوت تمیز پر منحصر تھی اور اس کام کا کما حقہ سر انجام انسانی طاقت سے باہر تھا بجز اس کے کہ اس کو یونہیں دھورا کر دیا جائے۔ پھر نظم و نسق کے تہ و بالا ہونے پر جیسا ان کا غذات سے ظاہر ہوتا ہے کس کو تعجب ہو سکتا ہے

جی تو یہی چاہتا ہے کہ پوچھیں کہ کیا غیر مخلوط اور سیدھا سادا معاشی لگان ہی ایک ہے جس پر محصول لگایا جائے؟ اور اس بیش مصارف بو جھل اور متلون نیز لا حاصل و بے سود نظام بندوبست کے بجائے کیوں ہم تشخیص لگان کو اسکی

حالت پر نہیں چھوڑ دیتے اور اپنے حسب دلخواہ آمدنی اراضی کا کوئی فی صدی حصہ جہاں کہیں وصول ہو سکتا ہے کیوں نہیں وصول کر لیتے ؟ اس کا بھی یہی جواب میرے ذہن میں آتا ہے کہ خالص پیداوار کا ۵۰ فی صدی محض کاغذی عمل معلوم ہوتا ہے جس کا نظم ونسق کے حقیقی واقعات سے کچھ تطابق نہیں ہوتا کیوں کہ جو شرح محصول مقرر کی گئی ہے اس میں عملاً نہ صرف تمام لگان جذب ہو جاتا ہے بلکہ مجھ کو قوی شبہ ہے کہ اکثر منافع تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے ۔

ساتواں باب

بمبئی میں بندوبست اراضی

بمبئی میں عام بندوبست اراضی پہلی دفعہ ۱۸۳۶ء میں شروع کیا گیا تھا جس کی تفصیل کسی ابتدائی باب میں بیان ہو چکی ہے۔ اس بندوبست میں سر جورج ونگیٹ نے بڑی فہم و فراست سے کام لیا تھا اور چونکہ یہ تیس سالہ میعاد کے لئے کیا گیا تھا اس لئے زمانۂ سابق کے متعدد و کم میعاد بندوبستوں کے مقابل جن میں جمع بھی سنگین مقرر کر دی جاتی تھی اس طویل المیعاد بندوبست سے کاشتکاروں کو بڑا سکھ پہنچا تھا۔ لیکن اس میں اہم نقص یہ تھا کہ عہدہ داران پیمائش کی صوابدید پر جمع کا بالکلیہ انحصار تھا اور آئندہ نظر ثانی کے موقع پر جمع میں ناجائز اضافے سے کاشتکار محفوظ نہ تھے۔

پہلے بندوبست کی تیس(۳۰) سالہ میعاد کے منقضی ہونے سے قبل ہی دوامی بندوبست کا مسئلہ حکومت بمبئی کے زیر غور آیا۔ ۱۸۱۶ء میں کرنل بیرڈ اسمتھ نے جو تجویز پیش کی تھی اس کو لارڈ کیننگ نے گورنر بمبئی کی خدمت میں بھیجدیا۔ گورنر بمبئی نے اس تجویز کو نامنظور کرتے ہوئے اس اصول کو تو تسلیم کر لیا کہ جمع "خام پیداوار کے واجبی اور مبنی بر اعتدال تناسب" ہی پر مبنی ہونی چاہیئے

مجوزہ بندوبست دوامی

"اس ملک کے باشندوں کا مقولہ ہے کہ کس حد تک مملکت کی کاربراری ایک واجبی محصول سے ہوتی ہے اس سے مالیاتی نظم و نسق کے مکمل ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور محصول بالواسطہ اور بلاواسطہ کی عدم موجودگی سے حکومت کی حسن و خوبی کو جانچا جاسکتا ہے۔

"۲۔ جب لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ سرکار کو رقم ادا کرنے کے معاوضے میں ان کو اراضی پر حق قبضہ و حق مالکانہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس معاوضے کی بناء پر جو کچھ وہ سرکار کو ادا کرتے ہیں ان کی نظروں میں اس کی شکل و خصوصیت محصول کی سی نہیں رہتی تو یہ دیکھکر مجھکو اس رائے کی صداقت پر ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہوتا۔

"۳۔ یہ مالیاتی نظام اس ملک کا ایک قدیم ترین ادارہ ہے اور پیداوار اراضی پر سرکار جو استحقاق رکھتی ہے اسی پر یہ مبنی ہے۔ نہ صرف عام عمل درآمد ہی سے یہ استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اس امر واقع سے بھی کہ مالگزاری کی معافی نہایت ہی مقبول عام اعزاز متصور ہوتا ہے۔ اور یہ استحقاق قدیم زمانے میں یا تو بہ زور حاصل کر لیا گیا تھا یا خود سرکار نے براہ راست بطور انعام و اکرام لوگوں کو عطا کیا تھا۔

"۴ حقیقت حال یہی ہے کہ اکثر رواج ملک اور مختلف حالات کے لحاظ سے قابض اراضی کو حق و اصلاحات زمین مکمل طور پر حاصل ہے اور قابض اراضی کا حق قبضہ اراضی بھی کم و بیش دوامی بن گیا ہے لیکن ایک حصہ پیداوار کی معافی پھر بھی مستثنیات سے متصور ہوتی ہے اور اس کو کہیں کا مقررہ قاعدہ نہیں کہا جاسکتا۔ میری رائے میں موجودہ شرح پر مطالبہ مالگزاری کا یوں دواما تعین کر دینا جس سے وہ صحیح اور بے نقص مالیاتی اصول ٹوٹ جائیں جن کی طرف میں نے توجہ دلائی ہے خلاف مصلحت ہے کیونکہ عام قیمت اور اجرت میں ہمیشہ اضافے کا امکان ہے اور اس سے مصارف نظم و نسق بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اگر سرکاری محاصل اراضی کی

مقدار ایک ہی حالت پر رہے جو جمع کے دوامی تعین کا لازمی نتیجہ ہوگا تو پھر بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح کے محصولات میں اضافہ کرنے کے سوا چارہ نہ ہوگا۔

"۵۔ مذکورالصدر اظہار خیال میں میرا مطمح نظر فقط مطالبۂ زر کا دوامی تعین کر دینا ہے اور میں اس بات کو صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اس واجبی اور مبنی بر اعتدال تناسب میں جس پر موجودہ جمع مبنی ہے کسی طرح کے تغیر کی تائید نہیں کرتا لیکن سال بہ سال چونکہ پیداوار کی قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے تو میری نظروں میں بندوبست کی ابتدائی شرط کی کوئی خلاف ورزی اس میں نہیں اور نہ خود رعیت یہ محسوس کرے گی اگر اس بندوبست (جو آزمائشی طور پر کیا گیا) کی ختم میعاد پر قیمتوں کے اضافے اور دیگر حالات کے لحاظ سے محصول اراضی میں بھی اضافہ کر دیا جائے بشرطیکہ اس طویل میعاد کے اندرون نہایت ہی صحیح وجوہ اور ناقابل اعتراض واقعات کے سوا کسی اور بنا پر کبھی جمع پر نظر ثانی نہ کی جائے۔

"۶۔ صرف ایک ایسے تیس(۳۰) سالہ بندوبست سے جیسا اس پریسیڈنسی کے ایک بہت بڑے حصے میں رائج کیا گیا ہے اور ماتبقی حصے میں بھی پھیل رہا ہے یہ بات حاصل ہو سکتی ہے۔ جس اعتدال کے ساتھ جمع مقرر کی گئی ہے اس سے حق قبضۂ اراضی کی قیمت فروخت بہت بڑھ گئی ہے اور اس بندوبست کے تحت بعض اضلاع میں رعایا کی خوش حالی میں بھی نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ لیکن مجھ کو کرنل بیرڈ اسمتھ کے ساتھ اس بارے میں اتفاق نہیں کہ ان نتائج میں جو بیرڈ اسمتھ کے بیان کے موافق شمالی مغربی ممالک کے نتائج بندوبست کے مماثل ہیں شدت اثر پیدا کرنے کے لئے یہاں بھی مالگزاری کا دوامی بندوبست کر دینا چاہئے کیونکہ "یہ مطالبۂ سرکار کے ایک طویل میعاد تک تعین کر دینے" کے بجائے میری دانست میں زیادہ تر ان عناصر کا شرمندۂ احسان ہے جن کو خود اس نے گنایا ہے مثلاً "تحفظ حقوق مالکانہ جمع میں اعتدال" اور سب سے زیادہ "باحتیاط تمام مرتبہ سیاہہ حقوق کو تسلیم کرنا۔"

"۷۔ اس لئے کہ اس پریسیڈنسی میں رعیت واری نظام کو مکمل بنانے کے لئے ایک زمانے سے یہ کوشش جاری ہے کہ حکومت اور غریب کسانوں کے سوا

ان دونوں کے درمیان کسی اور کے وجود کا اعتراف ہی نہ کیا جائے ۔ اور مقدم الذکر کے زیر سایہ موخر الذکر کے کندھوں پر اس قدر بوجھ لاد دیا جائے کہ ان کے قدم ڈگمگانے لگیں ۔ البتہ اس نظام سے کہیں کہیں سودخواروں کو فائدہ ضرور پہنچا ہے لیکن اس ملک اور اس ملک کے باشندوں کے حق میں تو یہ بہت ہی مضر ثابت ہوا ہے اس کا وہی نتیجہ نکلا جو ہر ایسی حکومت میں یقیناً نکلتا جس کی آمدنی اور خرچ دونوں برابر ہوں ۔ چنانچہ مشکل کے وقت جب تخم کے لئے غلے کی ضرورت پڑتی ہے تو حکومت کے پاس کسانوں کو تقاوی دینے کے لئے نہ تو فاضلات رقم رہتی ہے اور نہ غلّے کا کوئی انبار خانہ ہی ہوتا ہے ۔ ایک طرف مستقل معافیات اور دوسری طرف قصبات وغیرہ کی روزافزوں ویرانی ان صوبجات کی جہاں کے باشندوں نے دو صدیوں کی جنگ و جدل اور غارت گری کے تباہ کن مصائب سہے تھے ایک دوامی خصوصیت سی ہوگئی تھی ۔ آخر کار حکام وقت نے زراعت کی حالت سنبھالنے کا ارادہ کیا ۔ میری رائے میں یہی بہتر ہوتا کہ خوابیدہ حقیقت اراضی کو پھر سے جگایا جاتا اور مردہ حقوق میں از سر نو روح پھونکی جاتی ۔ لیکن ایک طرف بمقتضائے عادت اور دوسری طرف ان پیشروؤں کی تقلید میں جن کی بے پروائی، مظالم اور جنگ و جدل سے عموماً زیادہ معزز طبقوں ہی کے مالکان اراضی فنا ہو چکے تھے کامیابی کے اس عنصر کو جو اصل یا ساکھ قائم رہنے ہی پر موقوف تھا بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا ۔ پھر ان حاکموں نے دوسری بہترین بات جو ہو سکتی تھی وہ کی یعنے ان لوگوں کے لئے جو عموماً فضول خرچ مسلمان نہ تھے بلکہ جفاکش ہندو تھے پیمائش کے بعد ایک بہت ہی متوسط جمع مقررہ کر دی ۔ یہی جمع اب قائم ہے اور آئندہ تیس سال تک یوں ہی قائم رہے گی ۔ یہ پہلا مرتبہ ہے کہ برطانوی قلمرو کے اندرون حدود ہندوستان کے اس حصے میں کاشت کی توسیع و اصلاح ۔ نو آبادی اور لوگوں کو غیر مقام میں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب دینے کی تدبیریں کی گئیں پھر ایسی صورت میں اگر موجودہ جمع ہمارے مطالبے کی انتہا متصور ہو تو ظاہر ہے کہ سرکار کے حقوق مالگزاری اس سے بہت کچھ پامال ہوں گے ۔ یہاں فقط اتنی ضرورت ہے (بشرطیکہ زمینداروں اور میراث داروں کے

طبقوں کو ان کی پہلی سی قدر و منزلت اور اثر و اقتدار کے ساتھ دوبارہ قائم کرنا منظور ہو) کہ بندوبست کی ایسی میعاد معین کر دی جائے (اور اس غرض کے لیے بیس سال کچھ بُرے نہیں) جس سے یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں یعنے ایک تو سرکار اپنے واجبی اور متوسط مطالبات میں آئندہ موقعوں پر اضافہ کر سکے دوسرے رعیت بھی اس اراضی کی اصلاح پر جو ایک طویل میعاد تک ان کے زیر قبضہ رہیگی خود اپنے مفاد کی خاطر محنت اور انتہائی حد تک اپنا قلیل سرمایہ صرف کرنے پر راضی ہو جائے۔

"۸۔ محصول اراضی کا دوامی تعین نہ کرنے کی ایک وجہ میری رائے میں یہ بھی ہے کہ غیر متعصب شخص کو اس پر ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر اراضی پر جو قبضہ ہے وہ ایک ایسے استحقاق پر مبنی نہیں جس کو بہت زیادہ قابل قدر اور مقبول کہا جا سکتا ہے۔ پیمایش و بندوبست مالگزاری کے تحت رعیت اپنے تحفظ قبضہ اراضی سے کتنی ہی مطمئن کیوں نہ ہو لفظ "میراث" سے اس کو حق مالکانہ کے وہ معنی معاً سمجھ میں آ جاتے ہیں جو اس طرح لاکھ کہنے سے کہ جب تک رعیت سرکار کو مالگزاری ادا کرتی رہے گی اس وقت تک اپنے کھیتوں سے بے دخل نہیں کی جائے گی کبھی ذہن ہی میں نہیں آتے۔ حال میں ایک سمجھدار پٹیل کے بیان سے بھی اس امر کا ثبوت مجھ کو ملا۔ جب اس پٹیل سے یہ پوچھا گیا کہ "میراث" اور "گھاٹ کولی" ان دونوں قسم کی اراضی میں ان کے نزدیک کیا فرق ہے تو اس نے برجستہ جواب دیا کہ "میراث" میری اراضی ہے "اور گھاٹ کولی" آپ کی ہے ایک اور موقع پر میں نے اپنے کانوں سنا کہ ایک دیسی ڈپٹی کلکٹر اور ایک تجربہ کار معاملہ دار آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے "میراث کو بہت دل لگتا" ("میراث" دل کو بہت بھاتی ہے)

"۹۔ آئندہ جدید محصولات دواماً لگا دینے کے امکان کے نظر کرتے ہوئے اس تجویز پر مجھ کو اعتراض ہے کہ سرکار اپنے حق پیداوار کے اس اضافہ قیمت سے کیوں دست بردار ہو جائے جو عام گرانی کی وجہ سے زرخیز زمین کی کم محنت و کم خرچ پیداوار کی قیمت میں خود بخود اضافہ ہونے کی بناء پر ہوگا کیونکہ

بہت قدیم زمانے سے سرکار کو یہ حق حاصل ہے اور اسی بنا پر حال تک بھی اس ملک کی رعایا تو ان سب محصولات سے مستثنا رہی جو یورپ کے اقوام پر اس درجے بار گردن بنے ہوئے ہیں۔

۱۰۔ "اس عاقلانہ نظام سے کنارہ کرنے پر مجھ کو سخت تاسف ہوگا اور نہ میں زرعی طبقات کے لئے اس زیر بحث تجویز کی کوئی ضرورت سمجھتا ہوں کیونکہ ہر شخص معترف ہے کہ ان کی حالت روبہ ترقی ہے اور بتدریج وہ کم و بیش اصل کے مالک بن رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ذرائع آبپاشی (جو امساک باراں یا خشک سالی میں ان کی جان بچانے کا ایک ہی سہارا ہے) کی تعمیر ایک باقاعدہ نظام ہی کے تحت ہو سکتی ہے ورنہ کسی موجودہ دوامی بندوبست میں تو یہ ناممکن ہے اور ہر حکومت کا فریضہ ہے کہ جب کبھی اس کے ہاتھ میں اتنی پونجی آ جائے کہ ذرائع آبپاشی کی تعمیر کی جا سکے تو فوراً وہ اس کام کو شروع کر دے۔

۱۱۔ اس پریسیڈنسی میں تیس سالہ بندوبست کے لئے جو اب نافذ العمل ہے کسی قانون کے نفاذ کی کبھی ضرورت ہی نہیں ہوئی اور نہ آیندہ اس کی کوئی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

مرقّمہ بندوبست

اس یادداشت کے فقرۂ (۵) سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت بمبئی صرف "مطالبۂ زر کا دواماً تعین کر دینے" کی مخالف تھی لیکن "اس واجبی اور مبنی بر اعتدال تناسب میں جس پر موجودہ جمع مبنی تھی کسی طرح کا تغیر کرنے" کی موید نہ تھی۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصولاً حکومت بمبئی اس دوامی بندوبست کی مخالف تھی جس میں مالگزاری کا بہ شکل زر دواماً تعین کر دیا جاتا تھا لیکن ایسے دوامی بندوبست کی طرف مائل تھی جس میں مالگزاری کا بہ شکل اجناس تعین کیا جائے کیونکہ پیداوار کی قیمتوں میں اس وقت اضافہ ہو رہا تھا اس لئے سرکار کو آئندہ بندوبست پر مالگزاری میں متناسبہ اضافہ ہونے کی امید تھی۔

اگر دوسرے بندوبست پر جو چار سال بعد ہونے والا تھا تمام قیمتوں کے اضافے کے متناسب مالگزاری میں بھی اضافہ کرنے کے اصول پر عمل کیا جاتا تو کاشتکاران بمبئی کے حق میں بہت مفید ہوتا ۔ لیکن جب ایک ایک عہدہ دار کے ذمے اس قدر وسیع پیمانے پر کارروائی کرنا ہو تو پھر ایسے اصول کے نظر انداز ہو جانے کا امکان قوی ہے بجز اسی صورت کے کہ از روئے قانون ان اصول کا تعین کر دیا جائے اور ایک خود مختار عدالت ان کی محافظ مقرر کی جائے ۔ کم مواجب اور تعلیم نایافتہ ذیلی کارپردازوں میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ سرکار سب کاشتکاروں سے اُن کے مقدور کی انتہا تک مالگزاری وصول کرنا چاہتی ہے ۔ اگر چند روز کے لیے ہنگامی خوش حالی کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو اعلیٰ عہدہ دار بھی مالگزاری میں اضافے کا مطالبہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور جب جدید شرح کاشتکاروں سے استمزاج کیے بغیر اس طرح مقرر کر دی جائیں کہ حد انتہائے مالگزاری میں ان کے متعلق استغاثے کا بھی موقع نہ رہے تو پھر جمع میں ناواجبی اضافہ ناگزیر طور پر ہو تو کیا ہو ۔

چنانچہ ۱۸۶۶ء کے مرقّمہ بندوبست کے اثنا میں یہی وقوع میں آیا ۔ امریکہ کی خانہ جنگی کے زمانے میں امریکہ کی روئی کی درآمد لنکاشائر میں موقوف ہو گئی تھی جس کی وجہ سے بمبئی میں روئی کی کاشت بہت کچھ ہونے لگی تھی ۔ سرکاری کارپردازوں نے اس عارضی خوش حالی کو مستقل سمجھ لیا اور پیمایش و بندوبست کے عہدہ داروں نے مطالبۂ مالگزاری میں اسی بنا پر ایک بہت بڑا ناواجبی اضافہ کر دیا ۔

ہندوستان کے ممتاز محب وطن مسٹر دادا بھائی نوروزجی نے ۱۸۷۳ء میں مجلس دارالعوام کے سامنے جو شہادت دی تھی اس میں اس اضافہ کے متعلق بروقت تنبیہ کے طور پر یہ کہا تھا کہ خوش حالی کے آثار دکھاوے کے اور چند روزہ تھے پھر مالگزاری میں ناواجبی طور پر یوں کثیر اضافہ کر دینا نہایت ہی ظلم تھا ۔ اسی جدید جمع کے متعلق دکن میں لوگوں کو عام طور پر شکایت تھی اس پر بھی اس تنبیہ کی کسی نے پروانہ کی ۔

زرعی ہنگامہ

آخر کار سزائے اعمال کا وقت آ گیا ۔ خانہ جنگی کے اختتام پر امریکہ نے روئی

انگلستان میں برآمد کرنا پھر سے شروع کر دیا۔ ہندوستان میں روئی کی کاشت کم ہونے لگی۔ قیمت اور اجرت بھی گھٹنا شروع ہو گئی۔ دکن میں کاشتکار سرکاری مطالبہ کو جس میں جدید طور پر اضافہ کیا گیا تھا۔ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ جب کاشتکاروں کی ساکھ جاتی رہی تو ساہوکاروں نے ان کو قرض دینے سے انکار کر دیا۔ اور قانون میں بھی جواب تک قرض خواہوں کے موافق ہی تھا نئے قیود عاید کر دئے گئے۔ ان سب باتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۸۷۵ء میں وہ زرعی ہنگامے شروع ہو گئے جو انگریزوں کی حکمرانی میں شاذ ہی کبھی ہوئے تھے۔ متعدد مقامات میں شورش بپا ہو گئی۔ مکانوں کو آگ لگا دی گئی۔ دکانیں جلا دی گئیں۔ کئی انبار خانوں اور گوداموں کو تباہ و تاراج کر دیا گیا۔ اس ہنگامے کی تحقیقات اور اس کے اسباب دریافت کرنے کے لئے ایک ماموریہ منعقد ہوا۔ جس کے ارکان شمالی ہند کا ایک ملازم دیوانی اور بمبئی کے ۲ ملازمین دیوانی مقرر ہوئے۔ اس بات کا اظہار کرنے میں بمبئی کے ملازمین دیوانی کی مذمت کرنے کا منشا نہیں کہ سب سے زیادہ قابل بیباک و آزاد رپورٹ شمالی ہند کے ملازم دیوانی آکلنڈ کولون کی تھی جو بعد کو "سر" کے خطاب کے ساتھ شمالی ہند کا لفٹنٹ گورنر اور ہندوستان کا وزیر مال مقرر ہوا تھا۔

آکلنڈ کولون کے خیالات

آکلنڈ کولون نے اپنی یادداشت میں بتایا تھا کہ حالیہ بندوبست میں کس حد تک محاصل میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔

"اس کا یہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکور الصدر پانچ تعلقوں کے مواضع میں جنکی مطبوعہ رپورٹیں اس وقت میرے سامنے موجود ہیں۔ تیس ۳۰ سال کی مدت میں حسب ذیل اضافہ ہوا تھا:۔

تعلقہ	پہلے بندوبست کے آغاز میعاد کی جمع	تیس سالہ میعاد کے انقضا پر مرممہ جمع	آغاز میعاد کی جمع پر تیس سالہ مدت میں فی صدی اضافہ
	روپیہ	روپیہ	
اندا پور	۶۵۲۲۰	۱۲۴۵۰۶	۹۰

تعلقہ	پہلے بندوبست کے آغاز میعاد کی جمع	تیس سالہ میعاد کے انقضاء پر مروجہ جمع	آغاز میعاد کی جمع پر تیس سالہ میعاد میں فی صدی اضافہ
حویلی	٦٤٤٥٢	١٣٤١٨٩	١٠٨
پابل	٦٦٥٠٨	١٥٢٢٢٨	٨٥
سوپا	٤٠٠٥٨	٨١٩٣٣	٦٨
بھیم تاری	٤٣٤٠٧	١٢٩٨٤٢	١٩٩

"حقیقی اضافہ مذکورۂ اعداد سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ ابتدائی دس سال کی جمع قدیم پیمایش کے سال اوّل کی جمع سے بہت زیادہ تھی۔ آخر میں کرنل فرانسس نے ایک کیفیت پیش کی تھی جس سے قدیم بندوبست کے سالِ آخر اور جدید بندوبست کے سالِ اوّل کی جمع میں جو فی صدی اضافہ ہوا تھا وہ حسبِ ذیل ظاہر ہوتا تھا۔

تعلقہ	فی صدی اضافہ
اندا پور	٥٦
پابل	٤٨
حویلی	٦٦
بھیم تاری	٦٣
سوپا	٣٢

شمال مغربی ممالک کے کسی ضلع میں قدیم بندوبست کے سال اوّل کی جمع کے مقابل جدید بندوبست کے سال اوّل کی جمع میں (یعنے تیس سال کے فاصلے سے) اب تک زیادہ سے زیادہ چھتیس[۳] فی صدی اضافہ ہوا تھا اور وہ بھی گورکھپور اور بستی کے مستثنیٰ اضلاع میں جہاں کی اراضی حال میں قابلِ زراعت بنائی گئی تھی ورنہ تمام صوبے کا اوسط صرف ۱۶ فی صدی تھا۔

"میرے خیال میں مذکورہ وجوہ پر ضلع پونا کے لینداروں اور دینداروں کے باہمی تعلقات میں رخنہ اندازی کے دو اسباب میں ایک تیسرے سبب یعنے بندوبست مرحمہ کے بے انتہا اضافہ کو بھی شمار کرلینا بالکل درست ہوگا۔"

آکلینڈ کولون نے شمالی ہند اور بمبئی کے اضافوں میں جو تفاوت عظیم تھا اور جس کے نتائج بالکل بدیہی تھے وہ سب کچھ بتایا نیز نظام بمبئی کے نقائص کی تفصیل کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ از روے ضابطہ ان نقائص کا کوئی معقول انسداد نہیں ہوتا۔

"آخر میں لوگوں کی معاشی حالت پر جمع میں اضافہ کرنے کا کیا اثر مرتب ہوتا ہے اس کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ بمبئی میں طریق کار میری دانست میں خود ایسا ہے جس سے رعیت کے کندھوں پر ایک بار سنگین پڑنے کا امکان ہے۔ اس رائے کے پیش کرنے میں میں آپ کو حق بجانب نہیں سمجھتا۔ اگر میری تائید ہز اکسلنسی گورنر کی بھی اس رائے سے نہ ہوتی جس کا اظہار باجلاس کونسل حال میں کیا گیا ہے اور جس کا میں یہاں بھی اعادہ کرنے والا ہوں۔ مجھکو تو یہ جمع محض حسابی اعداد کے مواد پر مبنی معلوم ہوتی ہے اور زرعی جماعت کے جن سے یہ رقم وصول کی جاتی ہے حقیقی حالات اس کے بلا لحاظ اس کو زیر عمل لایا جاتا ہے۔ اب چونکہ حقیقت انہی کی تعریف کردی گئی ہے اور نہ صرف اس کا تعین ہوچکا ہے بلکہ اس کے متعلقہ جملہ امور ضبط تحریر میں آچکے ہیں اس لئے محکمہ پیمایش کی وجہ قیام اس محکمے کی دانست میں سوائے اضافہ مالگزاری کے اور کیا ہوسکتی ہے۔"

"جن عہدہ داروں کے ذمہ تشخیص لگان ہے انکو کلکٹری کے نظم ونسق سے نہ کبھی کچھ سروکار تھا نہ اب ہے اور جن عہدہ داروں کا فریضہ منصب کلکٹری کی نگرانی ہے ان کو پیمایش اور بندوبست سے کبھی کچھ سروکار نہ تھا نہ اب ہے۔ اسی بنا پر محکمہ پیمایش کے مقرر کردہ شرحوں پر کلکٹروں اور کمشنران مالگزاری کے اعتراضات اور سخن چینی کا نظارہ ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے پھرتا رہتا ہے۔"

"حکومت بمبئی نے اضافۂ مالگزاری کا ایک کلیہ قائم کرکے اس بے قاعدگی کے انسداد کی کوشش کی کہ اس مشکل کو حل کرنے کے بجائے اس کی سرتا سر قطع وبرید

کردی ۔ اس طرح حکومت کی خاص منظوری لئے بغیر انفرادی مقبوضہ اراضی پر سو فیصدی تک یعنے بالفاظ دیگر تمام لگان پر (۶۶) فی صدی تک اضافہ کرنے کی گویا اذن عام دیدی ''

رعایا کے خیالات

پونا کی سروا جانک سبھا (جو ہندوستان میں ایک اہم ترین اور بہترین معلومات رکھنے والی سیاسی انجمن ہے) کی مرتبہ رپورٹ سے یہاں ایک اور اقتباس پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہنگامہ پونا کے ماموریہ سے اس سبھا کی رپورٹ کے تیسرے باب سے ذیل کا فقرہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بمبئی میں تعین مالگزاری کے وقت کس طرح اس اصول کی سراسر خلاف ورزی کی گئی تھی جس کو ۱۸۵۶ء میں مجلس نظماء نے اور ۱۸۶۴ء میں وزیر ہند نے مقرر کیا تھا۔

'' مصارف کاشت بشمول اجرت کاشتکار و اجرت اہل و عیال کاشتکار نیز زرعی سرمائے کی خرید اور تجدید کے مصارف منہا کرنے کے بعد مالگزاری اراضی کے خالص منافع کے صرف ایک حصے پر مشتمل ہونی چاہئے۔ اس سے قبل یہ ثابت ہوچکا ہے کہ حکومت کی موجودہ مالگزاری اور اضلاع کوکن کے '' کھوٹ '' منافع کے مصارف لاحق میں ایک ثلث سے لیکر نصف حصے تک خام پیداوار جذب ہوجاتی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ حکومت کی مالگزاری بدترین اور کڑے سے کڑے لگان کی شکل رکھتی ہے۔ اضلاع '' دیس '' میں بھی یہی ثابت ہوا ہے کہ رعیت نہ اس لئے اراضی کی کاشت سال بسال جاری رکھ سکتی ہے کہ اس کو لگان مالکانہ یا حقیقی منافع زمینداری کا کچھ جز مل جاتا ہے بلکہ محض اس لئے کہ کم سے کم کاشت سے اس کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی محنت کی اجرت تو مل جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مصارف کاشت (بشمول اجرت کاشتکار و اخراجات تجدید سرمایۂ زرعی نیز (جمع سرکار) ادا کرنے کے بعد پیداوار سے کچھ بچتا ہی نہیں۔ ''

حکومت کا طرز عمل

اس طرح کے صاف و صریح اور قابل تسلیم امر واقع اور استدلال کے پیش کرنے

کا نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اس سے بندوبست کے طریق کار اور کارروائی میں کوئی اہم اور نمایاں تغیر پیدا نہ ہوا۔ کاشتکاروں کو بیجا اضافے سے محفوظ رکھنے کی کوئی اصلاحی تجاویز ظہور میں نہ آئیں۔ وزیر ہند اور مجلس نظما، کے مقررہ اصول محصول اراضی کی سختی کے ساتھ پابندی کرنے کے لئے کوئی قواعد منضبط نہیں کیے گئے۔ بنگالے میں غیر سرکاری زمینداروں کے اختیارات محدود کرنے کی غرض سے جیسے قواعد بنائے گئے تھے ویسے قواعد خود سرکاری ملازمین کے لیے بنانے سے حکومت نے انکار کر دیا۔ سرکار نے صرف دکن کے کاشتکاروں کو ساہوکاروں کے شکنجے سے رہائی دلانے کی البتہ تھوڑی بہت کوشش ضرور کی اور یہی مقصد سنہ ۱۸۷۹ء کے قانون امداد مزارعین دکن کا تھا۔

اس قانون کی رو سے عدالتوں کو موقع مل گیا کہ وہ چھوٹے چھوٹے قرضداروں کے مقدمات میں ان کے تمسکات کے محض الفاظ ہی کو نہ دیکھیں بلکہ ان کے گہرے معنی کو بھی پیش نظر رکھیں۔ واجب الادا رقوم کا خود تعین کریں۔ اور اگر اس کے سوا ان پر کچھ رقم نکلے تو اس کو معاف کر دیں۔ جن قرضداروں کے ذمے بڑی بڑی رقوم واجب الادا تھیں ان کو قانون ناداری کے تحت پوری پناہ مل سکتی تھی۔ قانون امداد مزارعین دکن کی رو سے یہ بھی شرط عائد کی گئی تھی کہ عدالتی فیصلے کی تعمیل میں یا وصول رقم کے لئے کسی دیندار زراعت پیشہ شخص کو گرفتار یا قید نہیں کیا جا سکتا تھا اور یہ کہ اس کی جائداد غیر منقولہ تعمیل حکم میں نہ تو قرق کی جا سکتی تھی اور نہ فروخت بجز اس کے کہ ایسی جائداد خاص طور پر مکفول کی گئی ہو اور ایسے مقدمات میں بھی عدالت یہ حکم صادر کر سکتی تھی کہ قرضدار ایک خاص میعاد تک منجانب قرضخواہ اراضی کی کاشت کرے جس کے بعد قرض بیباق سمجھا جاتا تھا۔

پیمائش اور بندوبست کے عہدہ دار اختیارات کی حد تک بمقابل سابق کے اور زیادہ مطلق العنان کر دیے گئے تھے۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں تشخیص لگان کے ایک مقدمے میں بمبئی کی عدالت عالیہ میں استغاثہ پیش ہوا۔ اس میں عدالت عالیہ نے عہدہ دار بندوبست کے خلاف فیصلہ صادر کیا۔ اس کے بعد فوری بمبئی کی کونسل میں ایک مسودہ قانون اس غرض سے پیش کیا گیا کہ تشخیص لگان کے تمام معاملات

میں آیندہ عدالت عالیہ اور جملہ عدالتہائے دیوانی کو کسی قسم کی مداخلت کا حق یا اختیار نہو گا۔ جس رکن کونسل کے زیرنگرانی یہ مسودہ قانون تھا اُس نے اس قانون کے مقصد کو درپردہ نہیں رکھا بلکہ حسب ذیل الفاظ میں اُس کی توضیح کی "یہ مناسب و مستحسن نہیں ہے کہ مالگزاری کے متعلق حکومت کی عام حکمت عملی پر یا تشخیص لگان کی تفصیلات پر عدالتہائے دیوانی اعتراض کرنے کی مجاز ہیں" چنانچہ ۱۸۷۶ء میں بمبئی کا قانون اختیارات مالگزاری نافذ کیا گیا جس کی رو سے تشخیص لگان کے معاملات میں عدالتہائے دیوانی کو مداخلت کا کچھ اختیار باقی نہ رہا۔ ہندوستان کی ایک معمولی رعایا کو بھی انگریزی سرکار میں انگریزی قانون کی رو سے یہ حق حاصل ہے کہ خود سرکار کے متقابل وہ وہاں کی غیر جانبدار اور بے لاگ عدالتوں میں اپنی حق رسی کے لئے قانونی چارہ جوئی کرے۔ لیکن بمبئی اور مدراس کے لکھو کھا حق مالکانہ رکھنے والے کسان جن پر مطالبۂ سرکار میں ہر تجدید بندوبست کے وقت اضافہ کیا جا سکتا ہے اس بات کے مجاز نہیں کہ تشخیص لگان کرنے والے عہدہ دار کی بین غلطی یا بیجا سختی و تشدد پر دادخواہی و انصاف کے لئے کسی عدالت یا خود مختار حاکم کے پاس اپنا دعوائے رجوع کر سکیں۔

اس قانون کے نفاذ کے تین ۳ سال کے بعد بمبئی کے نظام مالگزاری کے موضوع پر از ابتدا تا انتہا خامہ فرسائی کی گئی اور ۱۸۷۹ء کے قانون مالگزاری کی شکل میں اس کو منضبط کیا گیا۔ یہ ایک نہایت ہی اچھا قانون تھا اور اُس سے کاشتکار کے مقبوضہ اراضی کے متعلق اس کے حق انتقال اور حق توریث کی صاف و صریح توثیق ہوتی تھی لیکن اُس قانون میں بیجا اضافۂ لگان یا بے انتہا لگان کی روک تھام کے لئے جو اور ۱۸۶۵ء کے اصول مقررہ کے خلاف عائد کیا جا سکتا تھا۔ کاشتکار کے تحفظ حقوق کی کوئی صورت نہ تھی۔

ہندوستان کے اصلاحات اراضی کا خلاصہ

ہم نے پچھلے پانچ باب میں ہندوستان کے مختلف صوبجات کے انتظام مالگزاری

کو جو تاج برطانیہ کے ابتدائی نظم و نسق کے تحت اٹھارہ سال تک رہا تھا مختصراً بیان کر دیا ہے اس زمانے میں متعدد حقیقی اصلاحیں عمل میں آئیں۔ بنگالہ اودھ اور پنجاب کے کاشتکاروں کو خانگی زمینداروں کے ناجائز طور پر لگان میں اضافہ کرنے سے محفوظ رکھا گیا۔ شمالی ہند کے نظام بندوبست میں اصلاح کی گئی اور آمدنی مواضعات کی سہی و جبی اور معقول بنیاد پر تشخیص لگان ہونے لگی۔ سی سالہ بندوبست کے قاعدے کی ترویج سے مدراس کے کاشتکاروں کے کندھوں کا بوجھ ہلکا ہوا۔ قانون امداد زرعی اور مجموعۂ قوانین مالگزاری سے جو ۱۸۷۹ء میں نافذ ہوئے تھے۔ بمبئی کے کاشتکاروں کی امداد کی گئی اور ممالک متوسط میں مالگزاروں کے حقوق مالکانہ کو تسلیم کر لینا اور طویل المیعاد بندوبست (جس کی ابتدا ۱۸۶۳ء سے ہوئی تھی) کا رائج کرنا وہاں کی آبادی کے حق میں بڑی برکت ثابت ہوا۔

ان اہم نقائص کا جو زراعت کے لئے مضر تھے چند لفظوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) تجدید بندوبست میں لگان پر اضافہ کرنے کے کوئی مختص اور مقررہ قواعد نہ تھے۔

(۲) تشخیص لگان میں نصف آمدنی اراضی کے قاعدہ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ جملہ آمدنی اراضی لگان ہی میں اکثر جذب اور محسوب ہو جاتی تھی جیسا مدراس اور بمبئی میں ہوتا تھا۔

(۳) کوئی خود مختار حاکم ایسا نہ تھا جس کو قواعد کی پابندی پر نگرانی کرنے کا اقتدار حاصل تھا۔

(۴) لگان کے علاوہ مخصوص ابواب کے اراضی پر عائد کرنے سے "نصف آمدنی اراضی" کے قاعدے کی خلاف ورزی کی جاتی تھی۔

آٹھواں باب

تجارت و مصنوعات

لارڈ کیننگ نے ہندوستان کے نرخنامۂ محصولات میں بڑی اصلاح شروع کی۔ ہندوستان آنے سے ایک سال بعد یعنے فروری ۱۸۵۷ء میں اس نے اس موضوع پر مجلس نظماء کے ساتھ مراسلت شروع کر دی چنانچہ برطانوی اور پردیسی تجارتی مال پر نیز خام اشیاء اور مصنوعات پر مساوی محصول لگانے کی تجویز پیش کی۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ ایسے کثیر التعداد اشیاء جن سے کچھ آمدنی ہی نہ ہوتی تھی محصول ادا کرنے سے بالکل مستثنےٰ کر دیے جائیں تو بہتر ہے اور یہ بھی اس کا منشا تھا کہ محصولات برآمد موقوف کر دیے جائیں اور محصولات درآمد میں اضافہ کیا جائے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی وجہ سے یہ تجاویز ملتوی رہے اور ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمرانی ہی مسدود ہو گئی۔ لارڈ اسٹینلی تاج برطانیہ کا پہلا وزیر ہند مقرر ہوا اور اس نے اپریل ۱۸۵۹ء میں لارڈ کیننگ کے مراسلات کا جواب تحریر کیا۔ غدر کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا تھا کہ ہندوستان کی رقمی ذمہ داری بہت بڑھ گئی تھی اور مالی مشکلات میں اضافہ ہو گیا تھا۔ لارڈ اسٹینلی نے توفیر محاصل کی خاطر لارڈ کیننگ کے تجاویز کی بہت کچھ کاٹ چھانٹ کر دی۔ برطانوی اور پردیسی مصنوعات دونوں کے لئے مماثلت عمل ضروری تھی اور وہ اس طرح حاصل ہو سکتی تھی کہ برطانوی مصنوعات پر بھی پردیسی مصنوعات کے برابر شرح محصول عائد کر دی جائے۔

چھوٹے چھوٹے اشیاء پر محصولات نہ اٹھا دئے جائیں۔ محصولات برآمد موقوف نہ کئے جائیں اور محصولات درآمد کی شرح میں اضافہ کر دیا جائے۔
اس مراسلے کے وصول سے پہلے حکومت ہند نے ۱۸۵۹ء کا قانون ہفتم نافذ کر دیا تھا جس کی رو سے برطانوی مصنوعات پر بھی دیسی مصنوعات کی شرح محصول کے برابر اضافہ کر دیا گیا تھا اور قرارداد جاریہ کی حد تک بھی محصولات میں اضافہ کرنے کا اقتدار دیدیا گیا تھا۔ وزیر ہند کا مراسلہ وصول ہونے پر لارڈ کیننگ نے جواب تحریر کیا کہ حال میں جو قانون نافذ کیا گیا ہے۔ اس کا منشا اس مراسلے کے ہدایات کے بالکل مطابق ہے۔
لیکن اس قانون سے ہندوستان کے برطانوی تاجروں میں بڑی بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی اور جس وقت جیمز ولسن کو پہلا وزیر مال مقرر کرکے ہندوستان بھیجا گیا تھا تو اس کو ہدایت کی گئی کہ اس خلش کے دور کرنے کی وہ کوشش کرے۔ چنانچہ اس نے ۱۸۶۰ء میں ہندوستان کی خام پیداوار پر محصول برآمد بند کر دیا اور مصنوعات کی درآمد پر بھی محصول میں معتد بہ تخفیف کر دی۔ اس سے برطانوی تاجروں کی دلجوئی کا سامان ہو گیا مگر ہندوستان کو سخت ضرورت کے وقت ہی محاصل میں معقول خسارہ اٹھانا پڑا۔
اسی سال عام طور پر ہندوستانی نرخنامہ محصولات کی تحقیقات کے لئے ایک مجلس مقرر کی گئی۔ یہ مجلس دو ارکان پر مشتمل تھی جن میں ایک تو بمبئی کا اور دوسرا کلکتہ کا انگریز تاجر تھا اور اشلی ایڈن جو بعد کو بنگالہ کا لفٹنٹ گورنر ہوا اس مجلس کا صدر نشین مقرر ہوا۔ اس مجلس نے ۱۸۶۱ء میں اپنی رپورٹ پیش کر دی جس میں محصولات کے نرخ کی یکسانیت اور محصول چنگی کے متعلق اہم اصلاحی تجاویز بھی پیش کیں۔ ۱۸۶۷ء میں ایک اور مجلس کا انعقاد عمل میں آیا جس نے نرخنامہ محصولات پر نظر ثانی کرنے کے بعد اس کو پیش کیا۔ ۱۸۶۹ء میں ایک تیسرا نرخ نامہ مرتب کیا گیا اور اس کے سال مابعد میں لارڈ میو کی حکومت نے قانون ہفدہم بابت ۱۸۷۰ء نافذ کیا۔ اس قانون کی رو سے عام طور پر مصنوعات اور خام پیداوار پر محصول درآمد $\frac{1}{2}$ ۷ فی صدی دھاگے پر $\frac{1}{2}$ ۳ فی صدی اور کپڑوں کے تھان پر ۵ فی

صدی روپے پر ایک فی صدی اور تمباکو پر ۱۰ فی صدی مقرر کردیا گیا ۔ حسب ذیل محصول درآمد اہم تھے :- نیل پر ۶ شلنگ فی من (۴۱) سیر غلّے پر ۲ پنس فی من ۔ لاکھ پر ۴ فی صدی ۔ تیل ۔ سوتی مال ۔ تل ۔ چرم خام ۔ اور دارو پر ۳ فی صدی ۔

سالِ مابعد میں قانون سیزدہم بابت ۱۸۷۱ء کی رو سے اور زیادہ تغیر و تبدل عمل میں آئے ۔ ان میں اہم محصولات درآمد و برآمد حسب ذیل ہے :-

محصولات درآمد

ملبوسات ۔ اسلحہ ۔ شیشہ و سامان بلوریں ۔ موم بتیاں ۔ گاڑیاں ۔ گھڑیاں سوت وغیرہ ۷½ فی صدی

سوتی دھاگہ	۳½ فیصدی
تھان	۵ 〃
ادویہ	۷½ 〃
رنگ	۷½ 〃

میوہ ۔ سامان شیشہ ۔ چرم خام ۔ جواہرات ۔ ہاتھی دانت اور چرم دباغت شدہ ۷½ فیصدی ۔

بیر (شراب)	½ پنس فی گیلن
دارو (شراب)	۶ شلنگ 〃
شراب انگوری	۲ 〃 〃
لوہا	ایک فیصدی
دیگر اقسام فلز	۷½ 〃

بحری سامان ۔ تیل ۔ رنگ ۔ عطریات ۔ ظروف چینی ۔ اشیائے خوردنی وغیرہ ۷½ فیصدی

ریشم	۷½ فیصدی
شکر	۷½ 〃

تمباکو	۱۰ فیصدی
پشمینے کے تھان	۵ "

محصولات برآمد

سوتی پارچے	۳ فیصدی
غلہ و اجناس	۴½ پنس فی من
چرم خام	۳ فیصدی
نیل	۶ شلنگ فی من
لاکھ اور لاکھی رنگ	۴ فیصدی
تیل	۳ "
تل اور مسالہ	۳ "

ان محصولات کا جو کچھ اثر تجارت پر مرتب ہوا اس کے متعلق دارالعوام کی مجلس منتخبہ کے سامنے سنہ ۱۸۷۱ء اور سنہ ۱۸۷۲ء پھر سنہ ۱۸۷۳ء اور سنہ ۱۸۷۴ء کے اجلاسوں میں نہایت ہی قابل قدر شہادت پیش ہوئی۔ یہاں اس ضخیم شہادت کے کچھ حصہ کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

کلکتے کے ایک ممتاز تاجر مسمی جان نٹ بلن جو اسی ایڈن کی سنہ ۱۸۶۰ء کی مجلس نرخنامۂ محصول کا رکن رہ چکا تھا غلے پر ½۴ پنس فی من (۱۴ سیر) محصول کے متعلق شاکی تھا اور اس نے یہ بتایا تھا کہ یہ محصول چاول کی کاشت کرنے والوں ہی پر عائد ہوتا تھا اور اس حد تک گویا مالگزاری میں اضافہ کہا جا سکتا تھا۔ اسکی رائے میں سوتی پارچہ جات پر ۵ فی صدی محصول درآمد مبنی بر اعتدال اور ناقابل اعتراض تھا۔ اس زمانے میں سوت کاتنے اور کپڑا بننے کی صرف دو(۲) یا تین(۳) کرگیان کلکتے میں قائم تھیں۔

برطانوی مال کے نشو و نما کی خاطر سوتی پارچہ جات پر محصول درآمد کی شرح

کم رکھنے کے اثر کے متعلق سر بارٹل فریر نے نہایت ہی محتاط طریقے پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ "مشکل یہ ہے کہ اس بارے میں ہندوستان اور انگلستان کے اغراض میں کسی قدر اختلاف نظر آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ محصول درآمد میں اضافہ کرنے سے (مثلاً پارچہ جات اور تاگے پر) ایک معقول حد تک توفیر محاصل ممکن ہے لیکن اس کا براہ راست نتیجہ نکلے گا کہ صرف عام میں کمی واقع ہو جائے گی اور محاصل و توسع پر یہ اضافہ پیدا آوری میں ازدیاد کی وجہ محرک بن جائے گا"

برخلاف اس کے والٹر کیساس نے (جو کسی زمانے میں بمبئی کا ایک تاجر تھا اور بمبئی کی مجلس وضع قوانین کا بھی رکن رہا تھا) یہ استدلال پیش کیا کہ سوتی پارچہ جات پر ۵ فی صدی کا خفیف محصول درآمد بھی محصول تامین کا کام دیتا تھا۔ بمبئی میں سوت کاتنے اور کپڑے بننے کی صنعت کو فروغ پہنچتا دیکھ کر اس کو رشک و حسد ہوتا تھا۔ "میں تو یہی کہوں گا کہ یہ محصولات تامین ہیں۔ مگر صرف اسی بناء پر ان کو موقوف کر دینے کی میں حمایت نہیں کرتا۔ مجھ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ آیا آپ اس بات سے واقف ہیں کہ مثلاً پریسیڈنسی میں بارہ[12] روئی کی گرنیاں موجود ہیں۔ جہاں ۳۱۹۲۴ تکلے ۔ ۱۹۹۴ کرگے چلتے ہیں اور ۱۷۰۰۰ آدمی کام کرتے ہیں (اگرچہ مانچسٹر کے مقابل ان کی کچھ حقیقت نہیں) اور غالباً فی گٹھہ ۴۰۰ سیر روئی کے حساب سے سالانہ ۶۲۰۰۰ گٹھے وہاں صرف ہوتے ہیں"

بمبئی میں روئی کی نوخیز صنعت کو فروغ پر پہنچتا دیکھ کر ہندوستان کے انگریز منتظمین مملکت کو بجائے رشک و حسد کے اطمینان سا ہوتا تھا کہ ہندوستان کے نظم و نسق کے معاملات میں یہ لوگ برطانوی تاجروں اور رادھ ہندگان کے دست نگر تھے۔ سر چارلس ٹریولین نے (جو ایک تجربہ کار اور جہاں دیدہ شخص تھا اور جس نے سابقہ حکمرانوں کے عہد حکومت میں خاص امتیاز کے ساتھ قابل تعریف خدمات ہندوستان میں انجام دیئے تھے اور ایک خاص سن کو پہنچنے کے بعد گورنر مدراس اور ہندوستان کا وزیر مال بھی رہ چکا تھا) برطانوی صناعین کی حسب خواہش ان کے اغراض پر ہندوستان کے جائز محاصل کو قربان کر دینے کی زور و شور کے ساتھ مخالفت کی اور کہا کہ "اگرچہ دس سال میں ہندوستان کی تجارت بڑھتے بڑھتے

۶۰۰۰۰۰ پونڈ سے ۶۰۰۰۰ پونڈ تک پہنچ گئی۔ لیکن محصول درآمد و برآمد کی آمدنی میں ۱۲۵۰۰۰ پونڈ کی کمی ہوئی تھی۔ اگر محصول درآمد و برآمد جائز ذرائع محاصل ہیں تو پھر اس مد کے تحت ہندوستان بھر میں صرف ۴۰۰۰۰ ۲ پونڈ کی سی قلیل المقدار رقم کا وصول ہونا بالکل مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔"

اس بات کا لارڈ لارنس کو بھی بڑا گہرا احساس تھا۔ اس نے بحیثیت وائسرائے ہند توفیر محاصل اور ملک کو کسرات سے بچانے کے لیے ۱۸۶۸ء میں سن اور ہندوستان کی دوسری پیداوار پر محصول برآمد میں اضافہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن برطانوی اغراض بیحد قوی تھے چنانچہ وزیر ہند نے اس کے تجاویز کو مسترد کردیا تھا۔ اس کے آٹھ سال بعد مسٹر فاسٹ نے جب اس سے بحیثیت گواہ سوالات کئے تو اس نے ہندوستان کی مالی حکمت عملی پر برطانوی تجارت کے افسوسناک اثر و اقتدار کے بارے میں جو اس کے خیالات تھے ان کو نیچے تلے لفظوں میں بیان کردیا۔

ہنری فاسٹ۔ محصول برآمد کے بارے میں اگر محصول برآمد میں اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی مثلاً روئی یا سن پر محصول برآمد لگا دینے کا ارادہ تھا تو آیا اس سے اس حد تک ہندوستان کی تجارت نسبتہً نامناسب حال بنجاتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوسکتا تھا کہ انگلستان کا تاجرانہ طبقہ، حکومت ہند پر اپنا سخت سے سخت دباؤ ڈالتا یا نہیں؟

لارڈ لارنس۔ یہ بالکل سچ ہے۔

ہنری فاسٹ۔ یہ اس خیال کہ دارالعوام میں ہندوستان کا کوئی نمایندہ نہیں ہے اور صرف بالواسطہ نمایندگی ایک طرح اس کی ہوتی ہے برخلاف اس کے انگلستان کے تاجرانہ طبقے کے نمایندے وہاں نہایت ہی ذی اثر موجود ہیں کیا آپ کی رائے میں کوئی حکومت ایک لمحے کے لئے بھی رائے دہندوں کی مخالفت کا جو محصول برآمد نہ عائد کرنے کے بارے میں ظاہر ہو مقابلہ کرسکتی ہے۔

لارڈ لارنس۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ نہیں کرسکتی۔

ہنری فاسٹ۔ لہٰذا یہ دیکھ کر کہ ہندوستان پر کس قسم کی حکومت ہے یعنی

ہندوستان پر دارالعوام حکومت کرتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر دراصل وزیر ہند حکومت کرتا ہے اور وزیر ہند جو کچھ بھی ہی کابینہ کا رکن تو ہے جس کے وجود کا انحصار دارالعوام کی رائے پر ہے۔ آپ ہندوستان کے محاصل کی توفیر کے لئے محصول برآمد عائد کرنے کی تجویز منظور کرانے پر قطعی بھروسہ کرسکتے ہیں یا نہیں کرسکتے؟

لارڈ لارنس۔ مجھکو اندیشہ یہ ہے کہ میں بھروسہ نہیں کرسکتا۔

مسٹر فاسٹ اور لارڈ لارنس کے سوال وجواب کا ایک اور اقتباس یہاں نقل کردینا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس حد تک وزیر ہند اور اس کی کونسل دونوں مل کر برطانوی تاجروں کے اغراض کے مقابل ہندوستان کے اغراض کی حفاظت کرسکتے تھے اور کرتے تھے۔ زیر بحث فقرات سے آنکھوں کے سامنے اس درد انگیز صداقت کی تصویر کھنچ جاتی ہے جو آج بھی اسی طرح ایک واقعہ متعلقہ ہے جس طرح تیس[۲] سال قبل تھی۔

فاسٹ۔ وزیر ہند اور اس کی کونسل کے باہمی تعلقات کے متعلق میری دانست میں آپ نے اپنی سابقہ شہادت میں ہندوستان اور انگلستان کے مابین تار برقی کے قیام کو بطور ایک عام مثال کے پیش کرکے کہا تھا کہ جس وقت اس تار برقی کے مصارف کا کچھ جز خود انگلستان برداشت کرنے کے بجائے وہ تمام وکمال ہندوستان ہی پر عائد کرنے کی تجویز پیش ہوئی تھی تو اس وقت اس تجویز پر وزیر ہند کی کونسل میں اعتراض کرنا نتیجہ خیز ومفید مطلب نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اس کونسل کو کچھ سیاسی اثر واقتدار حاصل نہ تھا اور وزیر ہند پر جو بیرونی دباؤ ڈالا جاتا تھا اس میں اس کی مدافعت کی قوت نہ تھی۔

لارڈ لارنس۔ میں نے کہا تھا کہ عملی نتیجہ تو یہی نکلتا تھا۔ پھر بھی میرے خیال میں متعدد معاملات میں وزیر ہند اور ان لوگوں کے درمیان جو ہندوستان میں ازدیاد مصارف کے حامی تھے کونسل نے بیچ بچاؤ کیا اور اس دباؤ سے نکلنے میں کئی طریقوں سے وزیر ہند کی مدد کی لیکن اگر معاملہ اس درجہ اہم تھا کہ انگلستان کے تاجروں کے اغراض اس سے وابستہ اور ان کے جذبات اس کے حامی تھے تو پھر میرا خیال یہ ہے کہ ان سے کونسل کا مقابلہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکتا تھا۔

فاسٹ۔ کیا اس قدر کثیر مصارف ہندوستان پر نہیں ڈالے گئے اور کیا ایسے تجاویز کا مقابلہ کرنے کے سوا کونسل کے ارکان کے تقرر کی کوئی اور غرض بھی تھی؟ یہ تو بالکل ان کے اہم فرائض منصبی میں داخل تھا۔ اگر نہ تھا تو جو فرائض وہ انجام دیتے تھے وہی فرائض مستقل عہدہ دار مثلاً نائب معتمدین انجام دے سکتے تھے جیسا دوسرے سرکاری محکموں میں ہوتا تھا۔ اگر ان کے خیال میں یہ مصارف ناجائز تھے تو پھر کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ "ہم محاصل ہند سے تنخواہ پاتے ہیں۔ ہمیں اس سیاسی دباؤ کی ذرا بھی پروا نہیں جو وزیر ہند پر ڈالا جارہا ہے۔ اور روے زمین پر کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو ہمیں ایسے مصارف کو منظور کرلینے کی ترغیب دے سکے جو ہمارے خیال میں جہاں تک ہندوستان کے اغراض کا ان سے تعلق ہے بالکل درست نہیں ہیں"!

لارڈ لارنس۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر کونسل نہ ہو تو عملاً بڑی مشکل کا سامنا ہوگا مانا کہ کونسل ایک مکمل آلۂ عمل یا وزیر ہند اور لوگوں کے درمیان جو ہندوستان پر بیجا مصارف کے حامی ہیں بیچ بچاؤ کرنے کا بہترین ذریعہ نہیں ہے پھر بھی وہ اس بارے میں بہت کچھ کرتی ہے۔ کونسل کی رکنیت کے پنج سالہ تجربے کی بنا پر میں یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر کونسل کا وجود نہ ہوتا تو ہندوستان پر اور زیادہ مصارف عائد کئے جاتے جو کونسل کے اعتراضات اور ردو قدح کی وجہ سے نہیں کیے گئے۔

فاسٹ۔ برایں ہمہ اس بحث میں پڑنے کے بغیر کہ آیا کونسل سے کسی طرح کا فائدہ ہوتا ہے یا اس کو برخاست ہی کردینا مناسب ہے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے اغراض ومفاد کی خاطر کیا کونسل کا فرض اولین اس سیاسی دباؤ کا مقابلہ کرنا نہ تھا جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے (اور اگر کونسل نے مقابلہ نہ کیا تو یہ کیونکر کہا نہیں جاسکتا کہ اس نے اپنے فریضۂ منصبی کا کچھ لحاظ ہی نہیں کیا) نیز یہ کہنا بھی کہ روئے زمین پر کوئی طاقت ایسی نہیں تھی جو کونسل کو ایسے مصارف کے منظور کرنے کی ترغیب دے سکے جو اس کے خیال میں اہل ہند کے حق میں بالکل ناروا تھے؟ اس کے سوا اور کس کام

کے لئے ارکان کونسل تنخواہ پاتے ہیں؟

لارڈ لارنس۔ بہ ظاہر ان اصول پر کاربند رہنا بالکل سہل معلوم ہوتا ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ ان پر عمل پیرا ہونے میں بے انتہا مشکلات درپیش ہیں۔ اس کے علاوہ میرا خیال یہ بھی ہے کہ اگر کونسل اس طریقے پر بھی عمل کرتی تو اس کو کچھ کامیابی نہ ہوتی۔ پارلیمنٹ میں بالعموم اور ایسی تحریک پیش کر دی جاتی جس سے شاید کونسل ہی برخاست کر دی جاتی یا اس کے اقتدار کو اس طرح محدود و مقید کر دیا جاتا کہ وہ فی الواقع اتنا بھی نہیں کر سکتی جتنا وہ اس وقت کرتی ہے۔

نظم و نسق کمپنی کے سالہائے آخر میں ہندوستان کے جملہ درآمد برآمد کیا تھی اس کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ ملکہ معظمہ کے نظم و نسق کے ابتدائی آٹھ سال میں یعنی سنہ ۱۸۵۹ء سے سنہ ۱۸۶۶ء تک درآمد و برآمد کس پیمانے پر ہوئی اس کے اعداد ذیل میں درج کیے جاتے ہیں یہ اعداد برطانوی ہند کے گوشوارہ اعداد و شمار سے جو سالانہ شائع اور پارلیمنٹ میں پیش کیا جاتا تھا اخذ کیے گئے ہیں۔

تمام ممالک کے ساتھ ہندوستان کی تجارت

سنہ عیسوی	درآمد مال تجارت	درآمد خزینہ	جملہ درآمد	جملہ برآمد
	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۵۹	۲۱۷۲۸۵۷۹	۱۲۸۱۷۰۷۱	۳۴۵۴۵۶۵۰	۳۰۵۳۲۲۹۸
۱۸۶۰	۲۴۲۶۵۱۴۰	۱۶۳۵۶۹۶۳	۴۶۰۲۲۱۰۳	۲۸۸۸۹۲۱۰
۱۸۶۱	۲۳۴۹۳۷۱۶	۱۰۹۷۷۰۷۷	۳۴۱۷۰۷۹۳	۳۴۰۹۰۱۵۴
۱۸۶۲	۲۲۲۲۰۴۳۲	۱۲۹۵۱۹۸۵	۳۷۲۷۲۴۱۷	۳۷۰۰۰۳۹۷
۱۸۶۳	۲۲۶۳۲۳۰۴	۲۰۵۰۸۹۶۷	۴۳۱۴۱۴۵۱	۴۸۹۷۰۷۸۵
۱۸۶۴	۲۷۱۴۵۵۹۰	۲۲۹۶۲۳۸۱	۵۰۱۰۸۱۷۱	۶۶۸۹۵۸۸۴
۱۸۶۵	۲۸۱۵۰۹۲۳	۲۱۳۶۳۳۵۲	۴۹۵۱۴۲۷۵	۶۹۴۷۱۷۹۱
۱۸۶۶	۲۹۵۹۹۲۲۸	۲۶۵۵۷۳۰۱	۵۶۱۵۶۵۲۹	۶۷۶۵۶۴۷۵

۱۸۶۷	۲۹۰۳۸۷۱۵	۱۳۲۳۶۹۰۴	۴۲۲۷۵۶۱۹	۴۴۲۹۱۴۹۷
۱۸۶۸	۳۵۷۰۵۷۸۳	۱۱۷۷۵۳۷۴	۴۷۴۸۱۱۵۷	۵۲۴۴۶۰۰۲
۱۸۶۹	۳۵۹۹۰۱۴۲	۱۵۱۵۵۹۵۴	۵۱۱۴۶۰۹۶	۵۲۴۵۷۷۴۵
۱۸۷۰	۳۲۹۱۷۵۲۰	۱۳۹۵۴۸۰۷	۴۶۸۸۲۳۲۷	۵۲۵۱۳۷۲۹
۱۸۷۱	۳۴۴۶۹۱۱۹	۵۴۴۴۸۲۳	۳۹۹۱۳۹۴۲	۵۷۵۵۶۹۵۱
۱۸۷۲	۲۲۰۹۱۸۵۰	۱۱۵۷۳۸۱۲	۴۳۶۶۵۶۶۳	۶۴۶۸۵۳۰۶
۱۸۷۳	۳۱۸۷۴۶۲۵	۴۵۵۶۵۸۵	۳۶۴۳۱۲۱۰	۵۶۵۴۸۸۴۲
۱۸۷۴	۳۳۸۱۹۸۲۸	۵۷۹۲۵۳۴	۳۹۶۱۲۳۶۲	۵۶۹۱۰۰۸۱
۱۸۷۵	۳۶۲۲۲۱۱۳	۸۱۴۱۰۴۷	۴۴۳۶۳۱۶۰	۵۷۹۸۴۵۴۹
۱۸۷۶	۳۸۸۹۱۷۵۶	۵۳۰۰۷۲۲	۴۴۱۹۲۳۷۸	۶۰۲۹۱۷۳۱
۱۸۷۷	۳۷۴۴۰۶۳۱	۱۱۴۳۶۱۲۰	۴۸۸۷۶۷۵۱	۶۵۰۴۳۷۸۹

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ غدر کے بعد دو سال تک بمقابل برآمد کے ہندوستان میں درآمد اشیاء زیادہ تھی اور اس کے بعد اور دو سال تک درآمد و برآمد تقریباً مساوی تھی۔ یہ توازن بہت دنوں تک قائم نہیں رہا اور سنہ ۱۸۶۳ء کے اپریل تک یعنی سرکاری سال کے ختم تک بہ مقابل درآمد کے ہندوستان سے تقریباً ساٹھ لاکھ سے زیادہ برآمد اشیاء ہوئی تھی اور یہ تفاوت سنہ ۱۸۶۴ء میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ سے زیادہ اور سنہ ۱۸۶۵ء میں دو کروڑ تک پہنچ گیا تھا۔ اس کے بعد پانچ سال تک اس تفاوت میں کمی ہوتی گئی لیکن سنہ ۱۸۷۰ء کے بعد سے ایک طرح عام طور پر سالانہ ایک کروڑ پچاس لاکھ اور دو کروڑ پونڈ کے درمیان یہ تفاوت قائم رہا۔ تاج برطانیہ کے عہد حکومت کی ابتدا ہی سے یہ سنگین اور افلاس پرور معاشی بدرو ہندوستان سے شروع ہو گئی تھی حالانکہ کمپنی کے زیر حکمرانی ہندوستان نسبتہً کم مقدار خراج ادا کرتا تھا کیونکہ جیسا ہم نے پچھلے باب میں بیان کیا ہے کمپنی کے نظم و نسق کے آخری زمانہ میں درآمد و برآمد کا تفاوت صرف تیس اور چالیس لاکھ کے درمیان تھا اس کے مقابل دولت کا یہ سوتا بڑا ہی درد انگیز معلوم ہوتا ہے۔

انقلاب نظم و نسق کے بارہ سال کے اندر اندر ہندوستان سے معاشی سوتا چہار چند

بڑھ گیا تھا۔ ہندوستان اس مستقل اور روز افزوں سوتا ؤ کے تکالیف برداشت کر رہا تھا اور اس طرح ان عالمگیر قحط کا خوگر ہو چلا تھا جو پئے در پئے انیسویں صدی عیسوی کے آخر ربع حصے میں وقوع میں آنے والے تھے۔ یہ قحط مسلسل بد در و کا جس کو روئے زمین پر کوئی اور ملک بھی ہوتا تو برداشت نہیں کر سکتا تھا بالکل فطری معاشی نتیجہ تھے۔

در آں حالیکہ ہندوستان پر یہ آفت نازل ہو رہی تھی برطانوی قوم کو بہ حیثیت قوم کے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اگر ہندوستان کے تمول اور خوش حالی میں اضافہ ہوا ہوتا تو تجارت میں بھی اضافہ ہوتا جس سے برطانیہ عظمیٰ کے صانعین اور اہل حرفہ کو بھی (جو قوم کے جزء اعظم تھے) زیادہ منافع ملتا۔ ورنہ ایک افلاس زدہ و تہیدست قوم تو پردیسی اشیاء کی بڑی مصرف نہیں ہو سکتی چنانچہ دنیا کے تمام ممالک غیر سے جو مال تجارت ہندوستان میں درآمد ہوا تھا وہ ۱۸۵۹ء میں تین کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ کا تھا اور بعد کو ۱۸۷۷ء میں اس قدر معمولی اضافہ اس میں ہوا کہ یہ تین کروڑ بہتر لاکھ کی لاگت کا ہو گیا۔ اس درآمد کا آدھا برطانوی ساخت کا مال تھا۔ اس طرح دس سال میں برطانوی پیداوار کے صرف میں بہ مشکل دس لاکھ کا اضافہ ہوا تھا۔

اگر ہم اس درآمد و برآمد کے اہم اشیاء پر ایک نظر ڈالیں تو ہمیں اس تجارت کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ ذیل کے نقشے میں ہم ان اہم اشیائے درآمد کے اعداد درج کرتے ہیں:۔

تمام ممالک سے ہندوستان میں درآمد اشیائے تجارت

سنہ عیسوی	سوتی دھاگا اور سوت	سوتی پارچہ جات	ریشمی پارچہ جات	اونی پارچہ جات	مشنری	مختلف دھاتوں کی مصنوعات
	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۵۹	۱۶۱۴۲۱۶	۸۰۸۸۹۲۷	۱۴۷۷۴۰	۲۹۴۲۵۸	۵۸۷۵۴۹	۳۴۷۰۱۱
۱۸۶۰	۲۰۴۵۱۱۵	۹۶۵۱۸۱۳	۲۲۴۱۱۶	۳۵۸۵۵۷	۸۷۱۵۳۱	۴۵۴۴۵۷

سنہ عیسوی	سوتی دھاگا اور سوت	سوتی پارچہ جات	ریشمی پارچہ جات	اونی پارچہ جات	مشنری	مختلف دھاتوں کی مصنوعات
	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۶۱	۱۷۴۸۱۸۳	۹۲۰۹۹۲۵	۲۵۹۵۹۶	۲۲۲۸۱۳	۸۷۰۲۵۱	۳۸۹۷۴۸
۱۸۶۲	۱۴۷۲۴۸۴	۸۷۷۲۹۱۶	۱۹۸۴۴۲	۲۴۵۶۵۰	۵۵۳۸۸۳	۳۸۳۶۹۴
۱۸۶۳	۱۲۷۰۳۰۱	۸۳۶۰۲۲۹	۴۳۲۱۱۱	۲۹۶۲۲۱	۵۰۶۵۱۸	۴۲۴۱۸۸
۱۸۶۴	۱۰۲۹۰۰۱	۱۰۴۱۶۹۲	۴۰۹۷۸۱	۶۱۱۵۷۰	۵۸۵۵۱۶	۴۱۳۶۷۳
۱۸۶۵	۲۱۹۱۴۴۰	۱۱۰۳۵۸۸۵	۴۴۳۹۴۹	۸۹۷۸۳۱	۵۵۴۱۵۶	۶۰۸۱۰۴
۱۸۶۶	۱۹۶۱۱۲۴	۱۱۸۴۹۲۱۴	۳۵۷۳۸۰	۵۸۳۱۳۲	۵۸۶۱۸۲	۶۴۷۲۰۵
۱۸۶۷	۲۵۷۲۷۰۰	۱۲۵۲۴۱۰۶	۴۱۵۰۷۰	۵۷۶۴۸۱	۶۰۱۷۴۰	۳۵۹۴۲۲
۱۸۶۸	۲۶۹۸۳۵۰	۱۴۹۹۹۹۱۷	۴۲۳۵۹۸	۶۰۱۹۵۷	۱۰۵۷۸۶۱	
۱۸۶۹	۲۷۷۹۹۳۴	۱۴۰۷۲۵۰۱	۴۸۶۵۱۸	۷۶۴۱۷۳	۷۹۳۱۸۳	
۱۸۷۰	۲۷۱۵۳۷۰	۱۳۵۵۸۴۶	۴۹۶۵۹۳	۵۹۶۷۱۳	۵۵۵۷۴۲	
۱۸۷۱	۳۳۵۷۳۹۳	۱۵۶۸۷۴۷۶	۴۲۵۹۲۷	۵۸۳۲۲۰	۴۴۷۵۴۳	
۱۸۷۲	۲۴۴۵۲۲	۱۰۰۵۸۸۱۱	۴۸۰۹۴۸	۵۱۴۱۹۴	۴۰۵۸۳۵	
۱۸۷۳	۲۶۳۸۲۹۶	۱۴۲۰۵۹۵۳	۵۱۰۶۴۶	۷۱۹۵۳۰	۵۱۷۳۱۶	
۱۸۷۴	۲۹۹۸۹۵۹	۱۵۱۵۵۶۶۶	۶۰۸۳۷۴	۶۶۸۹۱۱	۱۰۰۲۳۴۷	
۱۸۷۵	۳۱۵۷۷۸۰	۱۶۲۲۶۳۵۶۰	۷۱۰۴۷۸	۵۵۷۵۸۵	۱۱۸۵۹۴۳	
۱۸۷۶	۲۰۹۴۷۶۹	۱۶۴۵۰۲۱۲	۷۰۸۸۶۶	۸۶۹۷۶۰	۱۳۹۱۶۶۷	۴۷۵۳۳۸
۱۸۷۷	۲۷۳۳۵۱۴	۱۵۹۹۱۷۱۹	۸۸۳۷۸۹	۸۱۱۶۵۲	۸۸۲۳۵۳	۴۴۰۱۹۰

ہندوستان میں سوتی پارچہ جات کی درآمد جو غدر کے زمانے میں تقریباً پچاس لاکھ پونڈ تک پہنچ کر رک گئی تھی ۱۸۵۹ء میں یکایک اسی لاکھ پونڈ اور دس سال میں اس سے بھی دو چند ہو گئی۔ اہل ہند ۱۸۶۹ء میں بمقابل ۱۸۵۹ء کے زیادہ سوتی ملبوسات استعمال نہیں کر رہے تھے بلکہ اضافہ درآمد سے ظاہر ہوتا ہے اس حد تک ہندوستانی مصنوعات میں کمی ہو گئی تھی۔ معاشی نقطۂ نظر سے سستا کپڑا

ملنے سے لوگوں کو فائدہ ہوا مگر کپڑا بننے کی صنعت کے نقصان سے ان کو بہت زیادہ نقصان پہنچا کیونکہ اس نقصان کی تلافی کے طور پر کوئی نئی صنعت قائم نہیں کی گئی۔ لکھو کھا جولاہوں کی حیثیت گھٹ کر زرعی مزدوروں کی سی بن گئی جس سے اراضی پر اور بار پڑنے لگا۔

ریشمی اور اونی پارچہ جات کے صرف پر بھی مذکورالصدر بیان صادق آتا ہے۔ مقدم الذکر کی درآمد میں دو لاکھ سے چھ لاکھ تک اور موخرالذکر کی درآمد میں تین لاکھ سے آٹھ لاکھ تک اضافہ ہوا تھا اور اسی قدر ہندوستان کی صنعت کو دوامی خسارہ اٹھانا پڑا۔

سال آخر یعنے ۱۸۷۷ء میں (جو سرکاری سال ۳۱ مارچ پر ختم ہوا) درآمد میں کمی کا باعث جنوبی ہند کے وہ عالمگیر مصائب تھے جو بڑھتے بڑھتے ۱۸۷۷ء کے ہولناک قحط کی شکل میں نمودار ہوئے۔ بیست سالہ امن وامان کے باوجود ہندوستان کو خوشحالی نصیب نہیں ہوئی اور لارڈ لٹن نے دہلی دربار کا جشن جس سال منعقد کیا۔ اسی سال ہندوستان میں بدنصیبی سے ایسا سخت قحط پڑا کہ اس صدی میں کبھی نہیں پڑا تھا۔

ذیل کے نقشے سے وہ اہم اشیائے برآمد معلوم ہوتے ہیں جو ۱۸۵۹ء اور ۱۸۷۷ء کے درمیان ہندوستان سے دنیا کے تمام ممالک کو بھیجے گئے تھے۔ ہم نے اس غرض سے صرف انہیں اشیاء کا انتخاب کیا ہے جنکی برآمد ۱۸۷۷ء میں ۲۰ لاکھ پونڈ سے زیادہ تھی۔

تمام ممالک کو ہندوستان سے برآمد

سنہ عیسوی	خام روئی	نیل	چاول گیہوں دیگر اجناس	چرم وغیرہ	سن	افیون	بیج	چائے
	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۵۹	۳۰۹۴۱۰۰	۲۱۱۸۰۱۹	۲۸۰۱۸۶۱	۵۴۴۶۸۰	۹۱۶۵۲۳	۱۰۸۲۶۶۴۲	۲۰۵۹۴۴۵	۹۰۵۳۳
۱۸۶۰	۵۶۳۷۶۹۲۲	۲۰۲۱۲۸۸	۳۵۸۸۵۹۲	۴۴۴۵۳۷	۹۲۳۹۹۵	۹۰۵۴۳۹۲	۱۵۴۸۶۲۱	۱۲۷۶۶۱
۱۸۶۱	۷۳۴۲۱۹۸	۱۸۸۹۵۲۵	۳۳۵۰۸۷۷	۶۹۱۷۲۵	۷۹۸۷۱۵	۱۰۱۸۴۷۱۳	۱۷۸۵۵۲۶	۱۵۱۹۸۱
۱۸۶۲	۱۰۲۰۳۴۷۰	۱۶۴۷۵۰۳	۳۰۳۵۹۳۸	۷۹۴۱۳۷	۷۲۴۴۵۵	۱۰۵۵۳۹۱۲	۱۲۰۶۳۳۱	۱۹۲۴۴۲
۱۸۶۳	۱۸۷۷۹۰۴۰	۲۱۲۹۸۷۰	۳۷۲۰۹۱۰	۹۰۴۲۸۹	۸۸۲۰۸۴	۱۲۴۹۴۱۲۸	۱۸۳۳۸۵۱	۲۲۳۷۶۳
۱۸۶۴	۳۵۸۹۴۷۹۵	۱۷۵۹۱۵۸	۴۳۲۵۳۷۶	۸۹۰۵۷۵	۱۶۱۸۴۴	۱۰۷۵۹۰۹۳	۲۰۳۲۸۳۲	۲۷۱۲۲۹
۱۸۶۵	۳۷۵۷۳۹۳۷	۱۸۹۰۱۴۱	۵۹۵۹۴۰۸	۷۲۵۲۳۶	۱۴۱۰۷۰۲	۹۹۱۱۸۰۴	۱۹۱۲۴۳۳	۳۰۱۰۲۲
۱۸۶۶	۳۵۵۸۷۳۸۹	۱۸۹۱۵۰۱	۵۲۴۷۹۱۸	۶۰۹۸۰۳	۱۰۸۳۵۲۲	۱۱۱۱۲۷۴۹	۱۷۵۰۱۹۸	۳۰۹۸۹۹
۱۸۶۷	۱۹۴۵۸۲۷۷	۱۷۹۸۵۹۹	۳۶۵۱۸۳۲	۴۵۹۳۴۴	۳۴۰۸۷۶	۱۰۴۳۱۷۰۳	۱۷۸۷۹۹۹	۳۷۸۱۲۶

بقیہ صفحہ آئندہ

سنہ عیسوی	خام روئی	نیل	چاول گیہوں و دیگر اجناس	چرم وغیرہ	سن	افیون	برنج	چائے
	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۶۸	۲۰۰۹۲۵۷۰	۱۸۲۳۲۲۴	۳۹۶۱۲۲۵	۹۸۸۲۸۲	۱۳۰۹۵۳۷	۱۲۳۳۰۷۹۹	۲۱۱۰۵۷۲	۷۲۹۷۱۴
۱۸۶۹	۲۰۱۴۹۸۲۵	۲۸۶۳۸۱۳	۴۵۷۴۷۰۸	۱۲۵۲۸۹۸	۱۸۹۱۸۹۹	۱۰۶۹۵۶۵۴	۱۹۹۴۸۸۸	۹۸۳۷۵۷
۱۸۷۰	۱۹۰۷۹۱۳۸	۳۱۷۰۰۴۵	۳۲۲۱۴۵۴	۱۶۹۱۳۳۰	۱۹۸۴۴۹۵	۱۱۶۹۳۳۳۰	۲۳۰۸۹۴۲	۱۰۸۰۵۱۵
۱۸۷۱	۱۹۴۶۰۸۹۹	۳۱۹۲۵۰۳	۴۴۶۸۹۵۸	۲۰۲۰۸۱۹	۲۵۷۷۵۵۳	۱۰۷۸۳۰۹۳	۳۵۲۲۳۰۵	۱۱۳۹۷۰۳
۱۸۷۲	۲۱۲۷۴۴۳۰	۳۷۰۵۴۷۵	۴۸۶۵۷۴۸	۲۵۲۵۹۲۵	۴۱۱۷۳۰۸	۱۴۳۶۵۳۲۸	۲۷۲۸۷۸۸	۱۴۸۲۱۸۶
۱۸۷۳	۱۴۰۲۲۸۵۸	۳۴۲۶۸۲۴	۶۰۷۳۶۳۵	۲۹۲۱۹۱۰	۴۱۴۲۵۴۸	۱۱۴۲۶۲۸۰	۱۵۰۸۳۳۹	۱۵۹۰۹۲۶
۱۸۷۴	۱۳۲۱۲۲۴۱	۳۵۵۵۳۰۰	۶۵۴۸۳۴۶	۲۶۱۸۳۵۸	۳۳۳۶۰۱۵	۱۱۳۴۱۸۵۷	۲۳۶۱۴۵۱	۱۷۵۴۶۱۸
۱۸۷۵	۱۵۲۵۷۳۴۲	۲۵۷۶۳۰۲	۵۴۸۸۱۶۹	۲۶۷۷۷۶۷	۳۲۴۶۸۸۲	۱۱۹۵۶۹۷۲	۳۳۳۵۹۵۰	۱۹۶۳۵۵۰
۱۸۷۶	۱۳۲۸۰۹۵۹	۲۸۷۵۰۶۵	۶۴۲۱۱۳۷	۲۹۴۴۹۳۳	۲۸۰۵۳۴۰	۱۱۱۴۸۴۲۶	۵۴۶۲۳۸۸	۲۱۸۳۸۸۱
۱۸۷۷	۱۱۷۴۶۱۸۴	۲۹۶۲۷۸۹	۷۹۸۸۱۸۹	۳۰۰۰۵۵۲	۲۲۳۶۶۴۷	۱۲۴۰۴۷۴۸	۵۳۱۹۴۴۷	۲۶۲۰۱۴۰

اس نقشے میں پہلی چیز خام روئی ہے جس کی مقدار برآمد میں غیر معمولی کمی و بیشی نمایاں اور سبق آموز ہے۔ برطانیہ عظمی جس کا مطمح نظر یہ تھا کہ اس کی شاہنشاہی کے اندرون حدود ہی مایحتاج زندگی اور سامان معیشت فراہم ہوسکے۔ ایک زمانے سے لنکیشیر کے کارگاہوں کے لئے برار اور بمبئی کی اراضی مرتفع سے روئی فراہم کرنے کے درپے تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ اسی غرض سے ۱۸۴۸ء میں ایک پارلیمنٹری مجلس کا انعقاد ہوا تھا جس کے صدر نشین جان برائیٹ نے انگلستان کی گرنیوں کے لئے ہندوستان کی روئی کی مقدار میں توفیر ہونے کی کوئی امید نہیں بندھائی تھی۔ ایسی شاہنشاہی کا منصوبہ جس کے اندرون حدود مایحتاج زندگی اور سامان معیشت مہیا ہوسکے خواب و خیال ثابت ہوا۔ انگلستان کے لئے خام پیداوار کا کسی ایسے ملک سے حاصل کرنا ناگزیر تھا جہاں ایسی خام پیداوار بہتر سے بہتر اور سستی سے سستی مل سکے۔ لنکیشر کے کارگاہوں کے لئے امریکہ میں بہترین روئی پیدا ہوتی تھی۔ جبکہ انگلستان اس صحیح معاشی نتیجہ پر پہنچکر مطمئن سا ہوگیا تھا۔ اسی زمانے میں امریکہ میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی جس کی وجہ سے روئی کی درآمد میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا ہوگئی تھیں۔ ایسے نازک وقت میں ہندوستان مدد کو پہنچا اور اور امریکہ جس چیز کی سربراہی نہیں کرسکتا تھا ہندوستان کرنے لگا چنانچہ ۱۸۶۲-۶۳ء میں ہندوستان سے روئی کی برآمد ایک کروڑ سے ایک کروڑ اسی لاکھ پونڈ ہوگئی اور سال مابعد میں تین کروڑ پچاس لاکھ اور اس کے بعد کے سال تین کروڑ ستر لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس زمانے میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کو یہ توقع تھی کہ آئندہ کے لئے برطانیہ عظمی امریکہ کی روئی خریدنا ہی چھوڑ دے گا اور اس کے بجائے شاہنشاہی ہند لنکیشر کے اہل حرفہ کی ضرورتوں کے لئے روئی کی سربراہی کرے گی۔ لیکن اس امید پر چند ہی روز میں پانی پھر گیا۔

امریکہ میں پھر سے امن قائم ہوگیا اور تجارت اپنے فطری بہاؤ پر عود کر آئی۔ ہندوستانی روئی کی برآمد میں جس طرح ناگہانی اضافہ ہوا تھا اسی طرح ناگہانی کمی ہوگئی اور ۱۸۶۶-۶۷ء تک ایک کروڑ بیس لاکھ کی تخفیف وقوع میں آئی۔ بمبئی کے لئے یہ بڑی بدنصیبی ہوئی کہ تجدید بندوبست کی اسی زمانے میں ابتداء ہوئی

جب کہ اتفاقی اسباب سے عارضی خوش حالی کے آثار وہاں نمایاں تھے عہدہ داران بندوبست کو اس موقع پر مالگزاری میں اس قدر کثیر اضافہ کرنے کی ترغیب ہوئی تھی (جیساکہ ایک دوسرے باب میں بیان کیا گیا ہے) اس سے سنہ ۱۸۶۷ء میں رعیت کو سخت مصائب و تکالیف کا سامنا رہا اور جگہہ جگہہ شورش و ہنگامہ بپا ہوا. ان واقعات سے ایک تغیر پذیر مطالبہ مالگزاری کی خرابیاں بالخصوص ایک ایسے ملک میں جو زیادہ تر زرعی ہو بخوبی ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک زراعت پیشہ قوم کبھی اپنی حالت سدھار نہیں سکتی اگر ملک میں خوشحالی کے آثار نمودار ہوتے ہی مملکت اپنے مطالبہ میں انتہائی اضافہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

جس زمانے میں خام روئی کی برآمد میں مذکورالصدر تخفیف رونما ہو رہی تھی انھیں ایام میں سوتی پارچہ جات نیز سوت اور دھاگے کی برآمد بتدریج ترقی پر تھی. سنہ ۱۸۵۸-۵۹ء میں اس برآمد کی قیمت ۱۳۶۰۴۰ پونڈ تھی۔ سنہ ۱۸۶۳-۶۴ء میں یہ ۱۱۶۷۵۷۷ پونڈ ہو گئی۔ سنہ ۱۸۶۹-۷۰ء میں ۱۲۹۰۷۵۰ پونڈ اور سنہ ۱۸۷۶-۷۷ء میں بڑھتے بڑھتے ۱۹۳۵۱۹۰ پونڈ یعنے قریب بیس لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس پر مانچسٹر کو رشک وحسد ہونے لگا۔ اسی بناء پر محصولات کے متعلق قوانین وضع کئے گئے جن کا بیان آیندہ کسی باب میں آئے گا۔

انیس سال کی مدت میں جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ چاول گیہوں اور دیگر اجناس خوردنی کی برآمد جو تین لاکھ کے اندر تھی تقریبًا اسّی لاکھ ہو گئی۔ ایک ایسے ملک میں جس کو تجارت میں خودمختاری حاصل ہو اس طرح کی بیشی خوش حالی کی نشانی ہے مگر ہندوستان کی تجارت بالکل جبریہ اور بے حد خود فطرت کے خلاف تھی۔ ہندوستان کو اس سنگین معاشی سوناؤ کی تکمیل ضروری تھی جو بلا کسی تجارتی معاوضے کے ہر سال برطانیۂ عظمی پہنچ جاتا تھا اور ہندوستان اپنی مصنوعات سے تو اس مطالبے کی تکمیل نہیں کر سکتا تھا اس لئے اہل ہند کے اجناس خوردنی سے بڑی حد تک اس کو ادا کرتا تھا۔

اس کارروائی کی تفصیل کا معلوم کرنا اگرچہ رنج دہ ہے مگر ساتھ ہی ساتھ سبق آموز بھی ہے۔ برطانیہ عظمی کے لیے اس سالانہ معاشی سوناؤ کی تکمیل براہ راست

ہندوستان کے محاصل سے ہوتی ہے۔ ان محاصل کا بیشتر حصہ اراضی سے بہ شکل مالگزاری وصول ہوتا ہے۔ یہ مالگزاری عموماً جنوبی ہند میں کاشتکاروں سے اور شمالی ہند میں زمینداروں سے وصول کی جاتی ہے اور کاشتکار و زمیندار اپنی اپنی اسامیوں سے لگان وصول کرتے ہیں۔ کاشتکار اپنی مالگزاری یعنے لگان ادا کرنے کے لئے اپنے کھیتوں کی پیداوار کا ایک بڑا حصہ فروخت کر دیتے ہیں اور اپنے صرف کے لئے اس پیداوار کا ناکافی ذخیرہ رکھ لیتے ہیں۔ اجناس برآمد کرنے والے تاجروں کے گماشتے جا بجا قصبات میں اس غرض سے موجود ہیں کہ وہ سب کچھ خریدلیں جس کا بیچنا کاشتکاروں کے لیے ناگزیر ہے۔ ریلوں کے رستے سے یہ خریدی ہوئی اجناس بہ سرعت تمام بندرگاہوں پر پہنچا دی جاتی ہیں جہاں سے وہ یورپ بھیجدی جاتی ہیں۔ موسم سرما میں جب کہ اجناس کی اس خرید و فروخت سے ہر بڑے شہر و بلدہ کا بازار گرم رہتا ہے اور ہر منڈی بھری بھری نظر آتی ہے تو اس زمانے میں سیاحوں کے پیش نظر چہل پہل کا ایک عجیب منظر رہتا ہے۔ لیکن غلے کے بیوپار کے اس دل خوش کن منظر کی تہ میں یہ امر واقع پوشیدہ ہے کہ اس خراج کی ادائی میں جس کا انگلستان ہندوستان سے ہر سال مطالبہ کرتا ہے زراعت پیشہ قوم کے گاؤں کیا گھر تک اشیائے خوردنی سے مہلک حد تک خالی ہو جاتے ہیں۔

بڑے سے بڑا قحط پڑنے والا بھی ہو تو یہی ہوتا ہے کہ غلے کی برآمد اسی زور و شور کے ساتھ جاری رہتی ہے کیونکہ مقررہ مطالبۂ مالگزاری کی ادائی کے لئے غلے کی فروخت بہر حال لازمی ہے۔ ۱۸۷۷-۷۸ء میں جب کہ ہندوستان میں اس صدی کا شدید ترین قحط رونما ہونے کو تھا بمقابل سنہ ماقبل کے اس سال اور زیادہ غلہ و اجناس ملک سے باہر بھیجے گئے تھے جیسا مذکورہ بالا نقشے سے ظاہر ہوتا ہے۔ خود اس صوبے سے بھی جہاں فی الحقیقت قحط ہو اجناس کی برآمد جاری رہتی ہے اور ایام قحط کی مالگزاری سے اس برآمد کا ایک معقول تناسب ہوتا ہے۔

یورپ میں ہندوستان کے چاول اور گیہوں کی مانگ کے دور رس

نتائج سے آگاہ ہونا دلچسپی سے خالی نہیں۔ مانگ کا کچھ اثر تو یہ ہوتا ہے کہ کاشت میں توسیع ہوتی ہے اور جہاں مالگزاری دواماً معین کر دی گئی ہے وہاں رعایا کے تمول میں خاصہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اہل بنگالہ کے ذرائع آمدنی ایک صدی پہلے جتنے تھے موجودہ زمانے میں اس سے کہیں بڑھ گئے ہیں اور یہ اس لئے کہ وہاں کاشت میں توسیع ہوئی ہے۔ مدراس اور بمبئی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہاں توسیع کاشت کے ساتھ ساتھ مالگزاری میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے اور بعض دفعہ تو ایسا کہ توسیع سے جو فوائد ہو سکتے تھے ان سے بھی یہ اضافہ بڑھا ہوا تھا۔ بعض وقت یہ ذہن نشین نہیں رہتا کہ جو اراضی سب سے آخر زیر کاشت لائی جاتی ہے وہ پیداوار کے لحاظ سے نسبتہً خراب ہوتی ہے اور زیر کاشت رقبے کی توسیع کے تناسب اگر مالگزاری میں بھی اضافہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ پیداوار کے لحاظ سے بالکل نامتناسب ہوگا۔ جب ایسی صریح غلطیاں سرزد ہوں تو پھر توسیع کاشت سے لوگ دولتمند بننے کے بجائے اور افلاس زدہ نہ ہوں تو کیا ہوں۔

ایک اور طرح سے استدلال کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ یورپ میں ہندوستانی پیداوار کی مانگ کا اثر اجناس خوردنی کی قیمتوں پر پڑتا ہے۔ چونکہ ہندوستان کی آبادی کا بیشتر حصہ غلہ و اجناس کی کاشت کرنے والا ہے اس لئے غلے کی گرانی میں قوم کا معاشی فائدہ ہے لیکن ہندوستان کی حد تک یہ بھی مشروط ہی ہے کیونکہ زرعی خوش حالی کے آثار نمایاں ہوتے ہی عہدہ داران بندوبست کو اکثر اس امر کی ترغیب ہوتی ہے کہ وہ مالگزاری میں حتی المقدور اضافہ کریں اور جب اجناس کی قیمتیں گرنے لگتی ہیں تو اس سے کاشتکاروں کی حالت پہلے سے بھی زیادہ افلاس زدہ بن جاتی ہے۔ ان تمام قابل غور امور سے ایک تغیر پذیر مالگزاری کا زرعی قوم کی فلاح و بہبود پر کیا اثر پڑتا ہے وہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔

خام چرم کی برآمد پانچ لاکھ سے تئیس لاکھ پونڈ ہو گئی تھی ایک طرح اس میں قوم کا معاشی فائدہ تھا مگر ساتھ ہی ساتھ ایک طرح کا نقصان بھی تھا کیونکہ اس پیمانے پر

خام چرم کے ملک سے باہر نکل جانے سے یہ پتا چلتا تھا کہ ہندوستان میں دباغت کی حرفت انحطاط پر تھی۔ ۱۸۷۰ء کے دور کی ابتدا ہی میں سن کی برآمد دس لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئی تھی۔ سن زیادہ تر بنگالے کے چند اضلاع میں ہوتا تھا اور یہ صحیح ہے کہ ایک طرف تو اس جدید برآمد سے کاشتکاروں کے ذرائع آمدنی میں اضافہ ہوا تھا مگر دوسری طرف چاول کا رقبۂ کاشت اس کی وجہ سے اور محدود ہو گیا تھا۔

افیون کی برآمد نہ صرف ایک ہی حال پر تھی بلکہ اس زمانے میں جو پیش نظر ہے اس میں اضافہ ہوا تھا۔ خود سرکار چونکہ افیون کی اجارہ دار تھی اس لیے افیون کے منافع سے بھی محاصل ہند میں توفیر ہوتی تھی۔

انیس ۱۹ سال کی مدت میں بیج کی برآمد بیس لاکھ سے پچاس لاکھ تک پہنچ گئی تھی اور اس سے ہندوستان کے لئے کھاد کا ایک ذریعہ مفقود ہو گیا تھا کیونکہ تیل نکال لینے کے بعد تلوں کا فضلہ بہترین کھاد ہوتا ہے۔ اور اگر تلوں سے ہندوستان ہی میں تیل نکالنے کے بعد اس تیل کو بیرون ملک بھیجا جاتا تو کاشت کے اغراض کے لئے کھاد کی وافر مقدار ہمیشہ موجود رہتی۔ ڈاکٹر وولکر کے الفاظ میں ثابت تلوں کو بیرون ممالک ارسال کر دینا ایسا ہی ہے "جیسے اراضی کی سرسبزی و شادابی کو ملک سے باہر بھیج دینا۔"

چائے اور نیل جس کی برآمد ہوتی تھی زیادہ تر یہ دونوں برطانیہ کے اہل اور ہندوستانی مزدوروں کی مدد سے بوئے اور تیار کئے جاتے تھے۔ اس اصل کا منافع انگلستان میں حصہ داروں کو ملتا تھا البتہ محنت کی اجرت اہل ہند کو ملتی تھی۔ بنگالے کے نیلبند وہاں کے کسانوں پر نیل کی کاشت کرنے کے لئے اکثر ظلم و تشدد کرتے تھے جس کا آخر کار یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۸۶۰ء میں سخت شورش و فساد برپا ہو گیا۔ دینا باندھو متر نامی ایک ہندوستانی اہل قلم نے ایک نہایت ہی موثر ڈرامے میں ان مظالم کی تصویر کھینچی ہے۔ اس ڈرامے کا پادری جیمس لانگ نے انگریزی میں ترجمہ کیا تھا اور مخلوق خدا کی اس بہی خواہی کے صلے میں کلکتے کی عدالت عالیہ نے اس کو جرمانے اور قید کی سزا دی تھی آنریبل ایشلی ایڈن نے

جو بعد کو بنگالے کا لفٹننٹ گورنر مقرر ہوا تھا ان مظلوم کاشتکاروں کی حمایت کی تھی اور ایک ماموریہ کے ذریعہ سے جب تحقیقات عمل میں آئی تو اس نظام کی متعدد خرابیاں ظاہر ہوئیں۔ یہ مسئلہ لارڈ کیننگ کی وساطت سے سر چارلس وڈ کے جو اس وقت وزیر ہند تھا لاحظے میں پیش ہوا۔ اس زبردست وراست باز منتظم مملکت نے ان سب خرابیوں کے دور کرنے کی انتہائی کوشش کی جن سے اس حرفت کی تاریخ کا دامن وغدار ہو رہا تھا۔ بنگالی کاشتکاروں کے اکثر طبقوں نے آزادی حاصل کرلی اور نیل کی کاشت کرنے سے انکار کر دیا۔ مذکورۂ بالا نقشے میں جو اعداد درج ہیں ان سے عیاں ہوتا ہے کہ ۱۸۵۹ء اور ۱۸۶۲ء کے درمیان نیل کی برآمد میں مسلسل کمی ہوتی گئی مگر ۱۸۶۹ء میں کہیں اس میں اضافے کی شکل نظر آنے لگتی ہے۔ اس صدی کے آخر میں ہندوستان میں اس حرفت کی آخری تباہی کا باعث بالکل دوسرا ہی ہوا یعنے مصنوعی نیل کی ایجاد۔

برخلاف اس کے چائے کی برآمد میں بجائے اس طرح کی کمی وبیشی کے مسلسل جلد جلد اضافہ ہی ہوتا رہا چنانچہ انیس ۱۹ سال میں چہل گونہ بیشی اس میں ہوئی یعنے ۵۹-۱۸۵۸ء میں یہ ...... ۶ پونڈ تھی ۱۸۷۶ء میں ۲۵ لاکھ سے بھی زیادہ ہوگئی یہ اضافہ بلا فصل ہوتا رہا تھا کیونکہ اس دور کے ہر سال سال ماقبل سے زیادہ چائے برآمد ہوا ثابت ہوتا ہے پہاڑیوں اور وادیوں کی کثیر بنجر اراضی چائے کے باغات میں مبدل ہوگئی تھی اور ہزار ہا غربا کے لئے یہ باغات محنت سے روزی کمانے کا ذریعہ بن گئے تھے۔ لیکن اس حرفت کا دامن بھی داغدار ہی تھا اور اس داغ کو ہندوستان میں "قانون غلامی" سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جاہل اور ناخواندہ مردوں اور عورتوں کو ترغیب وتحریص ولا کر ان سے ایک خاص معاہدے پر دستخط حاصل کیے جاتے تھے اور اس میعاد تک جو از روئے معاہدہ مقرر کردی جاتی تھی ان سے آسام کے باغات میں جبریہ کام لیا جاتا تھا۔ اگر ان میں سے کوئی فرار ہوجانے کی کوشش کرتا تھا تو اس کو گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ معقول سزا دی جاتی تھی اور اپنے مالک کے پاس واپس بھیجدیا جاتا تھا یہ لوگ ایسے تعزیری قوانین کے تحت جیسے ہندوستان بھر میں دوسرے مزدور پیشہ اشخاص

ہے کہیں متعلق نہ تھے اپنے کارہائے مفوضہ کی زنجیروں میں غلاموں کی طرح جکڑے ہوئے تھے۔ اس طرح مزدوروں کو حاصل کرنے کے لئے نفرت انگیز طریقے پر دغا وفریب سے کام لینا۔ ظلم وزیادتی کرنا اور چوری یا زبردستی سے کم سن بچوں کو بھگا لے جانا بنگالے کی فوجداری عدالتوں میں کئی مقدمات میں ثابت ہوا تھا اور یہی نہیں بلکہ اس طرح بھرتی کئے ہوئے مردوں اور عورتوں کے ساتھ بے شرمی کے حرکات بھی کبھی کبھی کیے جاتے تھے جن کا داغ آسام کے ان باغات کی سرگذشت کے دامن پر لگا ہوا ہے۔ ذمہ دار اور اعلیٰ منتظمین مملکت نے جن کو ان تعزیری قوانین کی تنسیخ منظور تھی یہ تجویز پیش کی تھی کہ چائے کے باغات میں مزدوری کے لئے ہندوستان کے عام مزدوروں کے صرافے سے جہاں مزدوروں کی کمی نہ تھی طلب ورسد کے کلیہ کے موافق مزدور حاصل کیے جائیں لیکن اصل داروں کا اثر واقتدار بہت قوی ہوتا ہے اس لئے کسی وزیر ہند یا وائسرائے نے آج تک ان تعزیری قوانین کی تنسیخ یا اس نیم غلامی کے نظام کو مسدود کرنے کی جراءت نہیں کی اور یہ ہندوستان میں اب بھی رائج ہے۔

نواں باب

ریلوے اور ذرائع آبپاشی

ہندوستان میں ریلوں کی تعمیر کی ابتدا ایک ایسے انتظام کے تحت عمل میں آئی تھی جس میں مسافروں کے آرام و آسائش پر روپیہ صرف کرنے کے بجائے فضول خرچی اور اسراف کا زیادہ امکان تھا۔ خانگی کمپنیوں سے (جنکے ۵ یا $4\frac{1}{2}$ فی صدی منافع کی سرکار ضامن تھی) یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے مصارف میں کفایت شعاری سے کام لیں گی یا مسافروں کی سہولتوں کا خیال رکھیں گی۔ اگر ریلوں میں اسراف یا تضیع سرمایہ بھی ہو تو اس تمام رقم پر جو دانائی یا نادانی سے اس طرح صرف کی گئی ہو حصہ داروں کا اتنا منافع تو ہر حالت میں کہیں نہیں جاسکتا تھا جتنے کی سرکار ضامن تھی۔ اگر ریلوں کی راہ سے حمل و نقل یا آمد و رفت میں کمی ہو جاتی اور اس کی وجہ سے شرح مقررہ سے آمدنی گھٹ جاتی تو اس کی تکمیل کے لئے محاصل ہند سے یعنے ان محصولات سے جن کو رعایا دا کرتی تھی استفادہ کیا جاتا تھا۔

بیست (۲۰) سالہ تجربہ سے بھی یہی ثابت ہوتا تھا کہ یہ احتمال بے بنیاد نہ تھا۔ ریلوں کی تعمیر میں ایسا اسراف ہوا تھا اور مسافروں کے آرام و آسائش سے ایسی بے پروائی کی گئی تھی کہ اس کی مثال دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں ملتی۔ یہ واقعات

ان عالی مرتبہ ذی وقار اشخاص کے بیانات سے ثابت ہوتے ہیں جنھوں نے پارلیمنٹری مجالس منتخبہ کے سامنے ۱۸۵۸ء اور ۱۸۷۲ء میں پھر ۱۸۷۹ء اور ۱۸۸۴ء میں شہادت دی تھی اس کی تفصیل پچھلے باب میں بیان ہو چکی ہے۔

جولنڈ ڈنوسن اور ولیم تھارنٹن جن کی شہادت ایک ساتھ مارچ ۱۸۷۲ء میں قلمبند کی گئی تھی دونوں بہ لحاظ اپنی خاص حیثیت کے ہندوستان کی ریلوں کے معاملے میں نہایت ہی اہم گواہ تھے۔ ڈنوسن سرکار کی طرف سے ہندوستان کی ریلوں کا ناظم تھا اور اگرچہ اس نے سرکاری کفالت منافع کے نظام کی وجہ سے جو کچھ اسراف اور تضییع سرمایہ ہوا تھا اس کو تسلیم کیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی اعتراف کیا تھا کہ اس زمانے میں کوئی دوسرا نظام ایسا نہ تھا جس کے تحت سرکار ہندوستان میں ریلوں کا ایک ایسا نظام قایم کر سکتی جیسا وہاں تکمیل کو پہنچایا گیا تھا" تھارنٹن اس کے بالکل متضاد رائے رکھتا تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ "کفالت کے نظام سے کوئی ایسی غرض پوری نہ ہوئی جو اس کے بغیر بھی اس سے بہتر طریقے پر پوری نہ ہو سکتی تھی"

ایک دوسرے موقع پر شہادت دیتے ہوئے تھارنٹن نے کہا تھا کہ "میری قطعی رائے یہ ہے کہ اگر کفالت منافع نہ بھی ہوتی تو ہندوستان میں ریلوں کی تعمیر کے لئے بلا کفالت ہی سرمایہ کھنچ آتا۔ اس لحاظ سے کہ اس ملک (انگلستان) کا نمو روز افزوں ہے اور انگلستان میں اس کثیر دولت کے لئے اس وسیع معیار پر شغل سرمایہ کی کوئی صورت نہیں ہے چنانچہ امریکہ اور دیگر ممالک کو اسی غرض سے یہ سرمایہ بھیجا جاتا ہے تو میں یہ نہیں سمجھتا کہ اس سلسلے میں ہندوستان بالکل نظر انداز ہی ہو جاتا۔ اگر ہندوستان میں بلا کفالت ہی سرمایہ منافع پیدا کرنے کے کام میں لگایا جاتا اور شغل سرمایہ کرنے والوں کو اس بات کا علم رہتا کہ ان کو اپنی غلطیوں کا خسارہ بھگتنا پڑے گا تو میری دانست میں اس کا یہ نتیجہ نکلتا کہ ریلوں کی تعمیر میں زیادہ احتیاط اور کفایت شعاری سے کام لیا جاتا" "لیکن جب ایک کمپنی کے ساتھ کفایت منافع قبول کرلی گئی تو پھر بلا کفالت کسی دوسری کمپنی کی پیش قدمی کا کیا موقع تھا"

اگرچہ یہ باور کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر بایں ہمہ یہ صحیح ہے کہ معاہدات

اس قدر تعجیل اور بے پروائی کے ساتھ قلمبند کئے گئے تھے کہ اُن سے حقوق سرکار کا باہم امور میں محاصل ہند کا تحفظ ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا۔ تھارنٹن نے کہا تھا کہ "جس کسی نے ان معاہدات کو مرتب کیا ہے بڑی ہی نامعقول طریقے پر کیا ہے کیونکہ ان کی مختلف دفعات میں ایسی باتیں موجود ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہیں اور اگرچہ شاذ ہی تحفظ حقوق سرکاری کے لئے ان پر استدلال کیا جاتا ہے مگر جب کبھی ایسی صورت پیش آئی ہے یہ معاہدات بالکل بے کار ثابت ہوئے ہیں"۔ "جس طریقے پر یہ معاہدات مرتب ہوئے ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جہاں کہیں ریلوں کی تعمیر اس شرط و قرار داد پر شروع ہوئی ہے کہ ان کے جو کچھ بھی مصارف ہوں سرکار ایک معینہ حد تک ان کی کفیل رہے گی تو وہاں سرکار کے لئے ہر حالت میں ان مصارف پر منافع مقررہ کی کفالت قائم رکھنا بالکل ناگزیر ہو گیا ہے اس لئے جن لوگوں کے ذمے ریلوں کی تعمیر ہے (یعنے ریلوے کمپنی) ان کے لئے کفایت شعاری سے کام کرنے کی سب سے بڑی وجہ محرک باقی نہیں رہتی کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ خواہ وہ بڑی سے بڑی غلطی کیوں نہ کریں ایسی غلطی کی وجہ سے وہ اپنے مصارف پر پورا منافع جاریہ پانے سے محروم نہیں رہ سکتے"۔ لفٹنٹ کرنل چیشی نے جو چھ سال تک ریلوے کے حسابات کا تنقیح ساز رہ چکا تھا اور بعد کو نوقائم کردہ کوپرز ہل کے کلیۂ انجنیری کا صدر بھی ہوا تھا، اپنی شہادت میں جس بیش مصارف اور غیر محتاط طریقے پر کفالت منافع کے نظام کے تحت تعمیر ریلوے کا کام ہوا تھا اس کا اعتراف کیا تھا اور کہا تھا کہ "ہندوستان میں ریلوں کی ابتدا ۱۸۴۴ء میں ہوئی جبکہ انجنیروں کا پہلا عملہ وہاں بھیجا گیا اور مجھ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان ایام میں انگلستان کے انجنیر کفایت شعاری کو سب سے پہلے اپنے مطمح نظر رکھنے کے بھی عادی نہیں ہوتے تھے۔ اس قماش کے اشخاص ریلوں کی تعمیر کے لئے ہندوستان بھیجے گئے تھے اور ایک طرح یہ ان کے ذہن نشین کر دیا گیا تھا کہ ان پر بہت سخت نگرانی نہیں رکھی جائے گی............ اس کے علاوہ تنقیح حسابات کا نظام بھی اس زمانے میں بالکل ناقص تھا اور جو طریقہ رائج تھا اس کو اصطلاح میں "تنقیح موخر" کہتے ہیں جس میں رقوم صرف شدہ کے متعلق حقیقی حسابات آنے تک کچھ نہیں معلوم ہو سکتا تھا۔ اس نظام کا

نتیجہ یہ ہوا مثلاً اگر ایک ریلوے پر (ایسٹ انڈیا ریلوے) سرمایہ کے حسابات کی مد میں دو کروڑ پونڈ کے مصارف میں سے دفتر تنقیح نے چالیس لاکھ پونڈ کے صرفے کو ناجائز اور ناقابل ادا قرار دیا تو ان حالات میں ایک ہی طریق عمل اختیار کیا جا سکتا تھا اور وہ یہ کہ ان مصارف پر تنقیحی اعتراض اٹھا لیا جائے اور دوبارہ ان مصارف کو سرمایہ کے حسابات میں شریک کر دیا جائے کیونکہ معاہدہ کی رو سے جس کی عبارت ہی کچھ ایسی تھی ان مصارف کو ناجائز تسلیم کر کے خارج نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس کا علم سب کو تھا کہ جو بھی مصارف ہوں گے بہر صورت چشم محبت پر ان کو قبول کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔"

کرنل چینی سے بھی اعلیٰ تر عہدہ داروں نے ہندوستان میں کفالت منافع کے نظام کے تحت ریلوں کی تعمیر میں جو اسراف ہوا تھا اس کے متعلق بہت کچھ کہا تھا۔ رائٹ آنریبل ولیم ان میاسی نے (جو لارنس اور میو کی وائسرائلٹی میں ہندوستان کا وزیر مال رہ چکا تھا) کہا تھا کہ "ایسٹ انڈیا ریلوے کمپنی کی تعمیر پر جتنا صرفہ درحقیقت جائز طور پر ہونا چاہئے تھا اس سے وہ چند نہیں تو بہت زیادہ ضرور ہوا تھا اس پر کثیر المقدار رقم گھٹائی گئی تھی اور رکنہ داروں کے لئے کفایت شعاری اختیار کرنے کی کوئی غرض وغائت تھی ہی نہیں۔ تمام رقم انگریز اصلداروں کی دی ہوئی تھی اور جب تک ان کو محاصل ہند سے پانچ فی صدی کی کفالت سرکار حاصل تھی اس وقت تک ان کو اس کی کچھ پروا نہ تھی کہ ان کی تمام رقم خواہ دریائے ہگلی میں غرق کر دی جائے خواہ اینٹ اور چونے کی شکل میں مبدل کر دی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کثیر المقدار رقم صرف ہو گئی اور میرے خیال میں ایسٹ انڈیا ریلوے کی تعمیر پر فی میل تقریباً (۳۰۰۰۰) پونڈ کی لاگت ہوئی (یہ میں اپنے حافظہ سے کہہ رہا ہوں) .... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اب تک جتنے تعمیر کے کام ہوئے ہیں ان میں سب سے زیادہ اسراف کا کام اسی ریل کی تعمیر کا ہوا ہے۔"

سر جان لارنس نے بحیثیت وائسرائے ہند ہندوستان کی ریلوں کی تعمیر میں جس اسراف سے کام لیا گیا تھا اس کی نہایت ہی پرزور الفاظ میں مذمت کی تھی اور کہا تھا کہ "ہندوستان میں ریلوے کمپنیوں کے حقیقی سوانح عمل بدانتظامی اور اسراف کی ایک ایسی بیّن مثال ہیں کہ حکومت کی وساطت سے کام لینے کے مخالفین

اس کو ایسے نظام کے ایک عبرت خیز نتیجہ کے طور پر پیش کر سکتے ہیں" لارڈ لارنس نے پارلیمنٹ مجلس منعقدہ ۱۸۷۳ء کے سامنے جو شہادت دی تھی اس میں بھی ہندوستان میں ریلوے کمپنیوں کے اسراف کو اور مسافروں کے ساتھ ان کی بدسلوکی کو اسی طرح مذموم ٹھہرایا تھا۔

"ہندوستانیوں کے طبقے میں جہاں کہیں اور جب کبھی اس رسواکن واقعہ کا ذکر ہوا ہے یہی گفتگو رہی ہے کہ ریلوں کی تعمیر میں بڑا ہی اسراف ہوا اور ان کی موجودہ حقیقی مالیت سے بڑھ کر ان پر صرف کیا گیا اور بے ضرورت صرف کیا گیا"

"جہاں پانچ فیصدی منافع کی کفالت ہو وہاں اصلاح ریاست پر آنکھ بند کر کے راضی ہو جائیں گے ان کو اس کی تو پروا نہیں کہ یہ معاملہ کامیاب ہو یا نا کامیاب پانچ فیصدی ایسی معقول شرح سود ہی کہ وہ اس پر قانع ہیں اور ان کے اصل سے کیا کام لیا جاتا ہے اس سے ان کو کچھ مطلب اور سروکار ہی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ریلوں کی لاگت ضرورت سے زیادہ ہو گئی"

"میرے زمانے میں دیسیوں کے ساتھ ریلوں میں جیسا برتاؤ کیا جاتا تھا اس کی ان کو بہت کچھ شکایت تھی اور نظام کمپنی کی اصلاحی کوششوں کے باوجود آج بھی میں اس میں کوئی فرق نہیں پاتا میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگرچہ ان حالات میں اقتدار کے ناجائز طور پر استعمال کرنے کا انسداد مشکل ہے۔ پھر بھی بتعامل کمپنی کے سرکاری اس بارے میں موثر طریقے پر کچھ کر سکتی ہے۔ دیسیوں کو اس کے متعلق بڑی شکایت ہے اور جب کبھی میں نے ہندوستان میں اپنے قیام کے زمانے میں سرکاری یا غیر سرکاری طور پر اس بارے میں تحقیقات کی ہے میرے اس خیال کی ہمیشہ تائید و توثیق ہی ہوئی کہ دیسیوں کی یہ شکایت بڑی حد تک بجا تھی"

مذکورالصدر اقتباسات کسی قدر طویل ہو گئے لیکن یہ بتانے کے لئے کہ اگر حکومت ہند نے ریلوں کے متعلق مزید ذمہ داری قبول کرنے سے انکار بھی کر دیا تو کیا تھا وزیر ہند کو ہندوستان کے حکام کی مرضی کے خلاف نئے نئے منصوبوں کی منظوری کا اختیار حاصل تھا اور بلاشبہ برطانوی تاجروں کے دباؤ میں آکر وہ ایسی منظوریاں صادر کر دیتا تھا یہاں ایک اور فقرہ نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے

جس کو جنرل رچرڈ اسٹریچی کی شہادت سے (جو ہندوستان کے سررشتہ تعمیرات کے کئی سال کے تجربے پر مبنی تھی) اخذ کیا گیا ہے۔

فاسٹ۔ لیکن مختلف ریلوے کمپنیوں کے ساتھ جس طرح نقصان رساں معاملات ہوئے تھے ان کے متعلق آپ نے جو شہادت دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند پر کتنے مختلف طریقوں سے محصولات عائد کئے جا سکتے ہیں مثلاً مقامی حکام ان پر مقامی محصولات لگا سکتے ہیں۔ گورنر جنرل بھی ان سے محصولات وصول کر سکتا ہے اور وزیر ہند جس کو اگرچہ ہندوستان کا کچھ بھی علم نہ ہو اور جس نے سرزمین ہند پر کبھی قدم بھی نہ رکھا ہو خود حکام ہند کی مرضی کے خلاف ایسے منصوبے کا انصرام منظور کر سکتا ہے جس میں مالیاتی ذمہ داریوں کا بار عظیم اہل ہند کے کندھوں پر پڑے۔ کیا صورت حال یہی ہے یا نہیں۔؟

جنرل اسٹریچی اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک مطلق العنان حکومت کا جیسی ہندوستان کی ہے اور جس کا انتظام بھی اس قبیل کا ہے جیسا حکومت ہند کا ہے یہی افسوس ناک نتیجہ نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا اور میں تو نہیں سمجھتا کہ اس کا کچھ علاج بھی ہے

نہ جنرل اسٹریچی کو ۱۸۷۳ء میں یہ محسوس ہوا اور نہ برطانوی منتظمین مملکت کو اس تاریخ سے آج تک اس تیس سال کی مدت میں کبھی اس بات کا احساس ہوا کہ مطلق العنان حکومت کیسی ہی کیوں نہ ہو اس کو یہ چاہئے تھا کہ اہل ہند سے جن کا پیسہ یوں لٹایا جا رہا تھا کبھی تو اس بارے میں مشورہ کرتی۔ اگر کم سے کم ۱۸۷۲ء ہی میں جب پارلیمنٹی تحقیقات ہو رہی تھی اس طرح عمل کیا جاتا تو پھر اس کثیر المقدار سرمائے میں جو گزشتہ تیس سال کی مدت میں سرکاری ریلوں اور ان ریلوں پر جن کے منافع کی سرکار کفیل تھی ملک کے مقدور سے بڑھ کر صرف ہو رہا تھا اغلب ہے کہ تخفیف ہو جاتی لیکن ہندوستان کے نظم و نسق میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ وہ کسی قسم کے دخل کار و ادار نہیں اور اس میں قوم کو موثر طریقے پر اپنے معاملات کی نگرانی کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

لارڈ لارنس نے اپنی یادداشت مورخہ ۱۶ اگست ۱۸۶۷ء میں اس تمام نقصان کا حساب لگایا ہے جو تعمیر ریلوے میں اہل ہند نے اٹھایا تھا اس نے لکھا تھا کہ

اُن ریلوں کے لئے جو زیر تعمیر ہیں یہ تخمینہ کیا گیا ہے کہ کمپنیاں آٹھ کروڑ بیس لاکھ پونڈ تک سرمایہ فراہم کریں گی اور حکومت اپنی طرف سے معاوضہ اراضی نولانی نقصان مبادلہ اور عام نگرانی کے لئے ساڑھے ستر لاکھ پونڈ اور سود میں ایک کروڑ پینتالیس لاکھ پونڈ اور کفالت منافع کی تکمیل کے لئے پینتالیس لاکھ پونڈ دے گی۔

کفالت منافع کا نظام آخر کار موقوف کر دیا گیا جس سرکاری مورخ نے "ہندوستان کی اخلاقی اور مادی حالت و ترقی" (۱۸۷۰ء و ۱۸۷۱ء) کے موضوع پر رپورٹ لکھی تھی اسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہندوستان کی ریلوں کا صدر نظام قریب قریب تکمیل کو پہنچ چکا اور وہ سرکاری ریلیں جو اب زیر تعمیر ہیں یا جن کی تعمیر زیر غور ہے زیادہ تر موجودہ ریلوے کی شاہراہیوں کا ضمیمہ ہوں گی۔ فی الوقت ہندوستان میں ۵۰۷۲ میل تک ریلوے کا افتتاح ہو چکا ہے جس کے نو کروڑ ستر لاکھ پونڈ مصارف ہوئے ہیں۔ اس طرح فی میل اوسط مصارف ۱۶۵۳۶ پونڈ ہوتے ہیں آیندہ سے ریلوے کی تعمیر کمپنیوں کے سپرد نہیں کی جائے گی بلکہ سب کچھ خود سرکار کرے گی اس وقت کلکتہ سے ملتان اور بمبئی تک اور بمبئی سے مدراس تک ریلیں چل رہی ہیں۔ مدراس تک ریلوے کی تکمیل یکم مئی ۱۸۷۱ء تک ہو گئی اور اسی تاریخ سے گریٹ انڈین پنسیولا ریلوے مدراس کی ریلوے سے ملا دی گئی۔"

گزشتہ مارچ کی ۳۱ تک کفالت منافع کی قرار داد پر جتنا سرمایہ فراہم کیا گیا تھا اس کی مقدار ۹۴،۲۵،۰۰۰ پونڈ تھی جس میں سے ۹۲،۴۱،۰۰۰ پونڈ صرف ہو چکے تھے۔ خود سرکار نے براہ راست جو رقم صرف کی تھی اس کی مقدار ۵۳۹۸۰۰۰ پونڈ تھی اور اس طرح جملہ مصارف دس کروڑ پونڈ سے بھی متجاوز ہوئے تھے۔" "لیکن اب ریلیں قریب قریب تکمیل کو پہنچ چکی ہیں اس لئے تعمیر پر اب تک جو مصارف عظیم ہوئے ہیں وہ اس کے بعد موقوف ہو جائیں گے جس سے ملک کی حالت کی اصلاح و ترقی کی توقع ہو سکتی ہے۔"

مذکور الصدر رپورٹ کے لکھنے والے نے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ آیندہ ریلوں کی تعمیر پر مصارف عظیم مسدود ہو جائیں گے۔ ہندوستان کے لئے کیا اچھا ہوتا کہ یہ توقع پوری ہو جاتی صدر لائین کی تکمیل اور دس کروڑ پونڈ کے مصارف کے بعد ۱۸۷۲ء سے

اگر ریلوے کی معمولی شاخوں کی تعمیر غیر سرکاری افراد پر چھوڑ دی جاتی تو اہل ہند کے حق میں جن پر ان کے مقدور سے بڑھ کر طرح طرح کے محصولات تھے بہت بہتر ہوتا کیونکہ ان شاخوں کی تعمیر کے لئے ملک چند روز اور انتظار کر سکتا تھا اور کیا اس کے ذرائع آمدنی کے لحاظ سے اور کیا اس کی ذمہ داریوں کے نظر کرتے ہوئے اس طرح انتظار و صبر کرنا ملک کے لئے نہایت ضروری تھا۔ لیکن یہ ہونا تھا نہ ہوا۔ حکومت ہند کو انگریزی منڈی میں قرض لینے کی ایسی تباہ کن سہولت حاصل تھی کہ بہ مقابل سالہائے ماقبل کے ۱۸۸۰ء سے ریلوں کی رفتار تعمیر میں اور زیادہ سرعت پیدا ہو گئی اور اس صدی کے ختم ہونے تک ہندوستان میں جہاں کہ پہلے چھ ہزار میل تک ریلیں چلتی تھیں وہاں بیس ہزار میل سے بھی زیادہ فاصلے تک چلنے لگیں۔

قحط کے زمانے میں ان ریلوں سے اجناس خوردنی کی تقسیم میں مدد تو ملتی تھی مگر ان اجناس کی مجموعی مقدار میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا تھا۔ البتہ ذرائع آبپاشی سے پیداآوری کی توفیر اور خشک سالی کے زمانے میں بھی فصل ہوتی تھی۔ اسی لئے ازمنۂ گزشتہ میں ہندو اور مسلمان حکمرانوں نے ذرائع آبپاشی پر خاص توجہ مبذول کی تھی۔ ہندوستان کے ہر حصے میں قدیم ذرائع آبپاشی کے آثار مثلاً شمالی ہند میں نہریں بنگالے میں وسیع تالاب اور جنوبی ہند میں بڑے بڑے خزانہ ہائے آب زبان حال سے اسلاف کی دوراندیشی اور پیش بینی پر شاہد ہیں۔ کمپنی کی حکمرانی میں بھی ذرائع آبپاشی سے جیسے اچھے نتائج مرتب ہوئے تھے ان کو کسی پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے۔

برطانوی منتظمین مملکت نے بھی کسی قدر پس و پیش کے بعد اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لے تو لیا لیکن برطانوی قوم بمقابل نہروں کے ریلوں سے زیادہ واقف تھی اسی لئے ہندوستان کی حد تک ذرائع آبپاشی کی اہمیت کو وہ محسوس نہ کر سکی چنانچہ جس سرگرمی کے ساتھ ریلوں کی تعداد میں اضافہ اس نے کیا اس سرگرمی کے ساتھ ذرائع آبپاشی کی توسیع نہ کی۔

سر آرتھر کاٹن جو دریائے کاوری و گوداوری کے عظیم الشان ذرائع آبپاشی کا میر عمارت اور بانی رہ چکا تھا اپنے زمانے کے ان چند اشخاص میں سے تھا جنہوں نے ہندوستان میں آبپاشی اور حمل و نقل کے لئے نہروں کی شدید ضرورت

کو محسوس کیا تھا۔ اس نے پارلیمنٹی مجلس کے سامنے ایسے مبالغے کے ساتھ جو اس کے ولولہ و جوش کے نظر کرتے ہوئے قابلِ درگزر تھا اپنے عقیدے کا یوں اظہار کیا کہ "ہندوستان کے سب اہم مقامات تک نہریں تعمیر کی جا سکتی ہیں یعنے یہاں سے وہاں تک جہاں جہاں بڑی بڑی بستیاں ہیں نہریں کھودی جا سکتی ہیں" اور اس نے اس کی توضیح حسب ذیل کی۔

"میرے مطمح نظر یہ ہے کہ ہندوستان کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ حمل و نقل کے لئے ذرائع آب کا پیدا کرنا ہے۔ اس بارے میں ریلیں تو بالکل بے کار ثابت ہوئی ہیں۔ نہ یہ نرخ مطلوبہ پر حمل و نقل کا کام کر سکتی ہیں اور نہ بڑی تعداد میں اجناس و اشیائے تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا سکتی ہیں۔ اس پر ان ریلوں کے مصارف کے لئے تہی دست ملک کو سالانہ تین لاکھ پونڈ دینے پڑتے ہیں اور آئندہ اس سے بھی زیادہ دینے پڑیں گے۔ برخلاف اس کے اگر ایسی نہریں بنا دی جائیں جن پر دخانی کشتیاں چل سکیں تو ان کے مصارف ریلوں کے مصارف کا آٹھواں حصہ بھی نہ ہوتے۔ اس کے علاوہ برائے نام کرایہ پر کسی تعداد میں بھی اشیاء کی حمل و نقل اس راہ سے ہو سکتی تھی اور جس رفتار کے ساتھ ضرورت ہوتی رفتار کے ساتھ نہ خزانۂ سرکار سے ان کو امداد دینے کی بھی ضرورت نہ تھی اور ساتھ ہی ساتھ ایسی نہروں سے آبپاشی کا کام بھی لیا جا سکتا تھا"۔

سر چارلس ٹریویلین اور لارڈ لارنس کے سے دو ممتاز منتظمین مملکت نے ہندوستان کے لیے ذرائع آبپاشی کی اہمیت کو تسلیم کیا تھا۔ سر چارلس ٹریویلین نے بیان کیا تھا کہ "ہندوستان کے لئے آبپاشی ہی سب کچھ ہے۔ پانی اراضی سے بھی زیادہ قابل قدر اس لئے ہے کہ جب اراضی کو پانی پہنچایا جاتا ہے تو اس سے پیدا آوری میں کم از کم شش گونہ اور عموماً اس سے بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اراضی کے ایسے بڑے بڑے خطے کہ جہاں آبپاشی نہ ہو تو کچھ بھی نہ پیدا ہو اسکی بدولت سرسبز و شاداب بن جاتے ہیں"۔

لارڈ لارنس ہندوستان میں ذرائع آبپاشی قائم کرنے کا بیس سال سے بھی زیادہ مدت سے حامی تھا۔ اس کے خیال میں ملک کی ضرورتوں کے لئے

ریلوں سے کہیں زیادہ ذرائع آبپاشی اہم تھے۔ لیکن عام طور پر اس بارے میں ایسی مردہ کن بے اعتنائی پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ قدم آگے بڑھا نہیں سکتا تھا۔ اسی لئے اس کے نظم ونسق میں بھی بمقابل ذرائع آبپاشی کے ریلوں ہی کی رفتار تعمیر تیز تر رہی۔

ایک بات میں تو وہ بالکل مستحکم مزاج تھا یعنے جبراً وہ کسی سے بھی پن وصول کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ اس بات کا انحصار کاشتکاروں کی مرضی پر ہونا چاہئے کہ چاہے وہ پانی لیں چاہے نہ لیں۔ "نہر بنانے کا میں کتنا ہی خواہش مند وطرفدار کیوں نہ ہوں اگر رعیت کو اس سے پانی لینے پر مجبور کرنے ہی کا خیال ہو تو میں ایسی نہر کی تعمیر ہی سے دست بردار ہونے کو بہتر سمجھتا ہوں"

کفالت منافع کے زیر نظام غیر سرکاری کمپنیوں سے تعمیر ریلوے کا کام لینا جیسے جیسے موقوف ہوتا گیا ویسے ویسے اس مد میں مصارف سرکار میں سال بہ سال اضافہ ہوتا گیا۔ برخلاف اس کے ابتدا ہی سے ذرائع آبپاشی کی تعمیر خود سرکار نے اپنے ذمے لی تھی اور جو کچھ آبپاشی پر صرف ہو رہا تھا وہ سرکاری خرچ کے اعداد کو دیکھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے ذیل کے اعداد گوشوارۂ اعداد وشمار سے اخذ کئے گئے ہیں جن سے آبپاشی اور ریلوں پر شہنشاہی خزانے سے اس وقت تک کیا صرف ہوا تھا اور جس کو حسابات مالگزاری میں محسوب نہیں کیا جاتا تھا عیاں ہوتا ہے۔

سنہ	سرکاری ریلیں	ذرائع آبپاشی
	پونڈ	پونڈ
مارچ سنہ ۱۸۷۰ء تک کے مصارف	۷۴۳۸۶۲	۲۶۹۵۴۶۵
سنہ ۱۸۷۱ء ,,	۴۴۹۳۷۲	۷۱۸۴۳۸
سنہ ۱۸۷۲ء ,,	۶۴۴۶۲۰	۹۸۳۸۵۴
سنہ ۱۸۷۳ء ,,	۱۴۱۳۶۴۹	۷۷۰۹۲۰
سنہ ۱۸۷۴ء ,,	۲۳۵۴۶۲۵	۱۱۹۸۶۸۲

سنہ	سرکاری ریلیں	ذرائع آبپاشی
	پونڈ	پونڈ
مارچ ۱۸۷۵ء تک کے مصارف	۳۰۱۴۱۸۰	۱۲۳۵۲۹۱
۱۸۷۶ء "	۳۱۶۵۱۸۴	۱۱۰۵۴۴۵
" ۱۸۷۷ء "	۲۸۶۵۸۶۱	۹۴۳۴۳۳
" ۱۸۷۸ء "	۳۹۸۴۹۶۸	۸۶۰۰۸۴
" ۱۸۷۹ء "	۳۳۲۷۸۸۸	۷۹۴۶۵۴
" ۱۸۸۰ء "	۲۹۸۰۴۹۳	۵۹۸۸۳۷
میزان	۲۴۶۴۴۷۰۲	۱۱۸۵۱۹۳

مذکورالصدر نقشے سے واضح ہوتا ہے کہ مارچ ۱۸۸۰ء تک کمپنیوں اور سرکاری ریلوں کے ساڑھے بارہ کروڑ پونڈ مصارف ہوئے تھے لیکن ذرائع آبپاشی پر صرف ایک کروڑ بیس۲ لاکھ پونڈ خرچ ہوئے تھے تعمیرات عامہ کے ان دونوں کاموں میں مصارف کا کوئی معقول تناسب ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا۔ یہی بات سر آرتھر کاٹن کی نظروں میں کھٹکتی تھی اور اسی سے اس کو دلی تکلیف ہوتی تھی ۱۸۷۷ء میں جب مدراس میں ایک ہولناک قحط پڑا تو سر آرتھر کو برطانوی عامۃ الناس کی توجہ ہندوستان کی اس غیر دانشمندانہ حکمت عملی کی طرف منعطف کرانے کا اچھا موقع مل گیا۔

انگلستان میں شاذ ہی عوام کی توجہ ایسے مسائل کی طرف منعطف ہوتی ہے جو ہندوستان سے بالکلیہ متعلق ہوں اور جن کا تعلق براہ راست برطانوی تجار و صناعین کے اغراض سے نہ ہو۔ اس کے باوجود سر آرتھر کاٹن نے ہندوستان میں آبپاشی کی اہمیت کی طرف عوام کی توجہ منعطف کرانے میں اتنی ہی کوشش کی جتنی ایک انسان سے ممکن تھی اور باوجودے کہ اس نے کاوری اور گوداوری کے ذرائع آبپاشی کی تعمیر سے ان کی اہمیت کا عملی ثبوت بھی دیا تھا وہ برطانوی قوم کو کہتے کہتے مر بھی جاتا تو اس کی شنوائی نہ ہوتی اگر اس نے اپنے زمانے کے سب سے زیادہ سربرآوردہ

انگریزی کی ہمدردی اور امداد باہمی اس بارے میں حاصل نہ کی ہوتی۔ یہ شخص جان برائیٹ تھا جو اس کی حمایت پر آمادہ ہوگیا۔

منچسٹر کے ایک جلسے میں جو جنوری ۱۸۵۸ئ میں منعقد ہوا مسٹر برائیٹ نے سرآرتھر کاٹن کے اس منصوبے کی کہ تین کروڑ پونڈ کے مصارف پر تمام ہندوستان میں جہاز رانی کے قابل متعدد نہریں تعمیر کردی جائیں تائید کی جس سے عہدہ داروں کو روحی تکلیف نہیں کیونکہ نہ تو جان برائیٹ کی تائید سے چشم پوشی کی جاسکتی تھی اور نہ اس دلیرانہ منصوبے کو جس کا موید وحامی برائیٹ کے پایہ کا شخص تھا نظرانداز کیا جاسکتا تھا۔ ریلوں پر جن سے انگریز خوب واقف تھے دس کروڑ پونڈ سے زیادہ رقم صرف کی گئی تھی لیکن آبپاشی پر جس سے انگریز ناواقف تھے تین کروڑ پونڈ کا خرچ ان کی نظروں میں اتلاف دولت سے کم نہ تھا۔ ایک متوسط الخیال انگریز کی نظر میں ہندوستان بھر کے لئے آبپاشی کے انتظام کا ارادہ کرنا اندھیری کوٹھری میں تیر چلانے کے برابر تھا۔

اس زمانے میں لارڈ جورج ہملٹن کا عالم شباب تھا۔ اس کی عمر بتیس (۳۲) سال کی تھی اور وہ نائب وزیر ہند کی خدمت پر مامور تھا۔ اس نے آبپاشی کے مسئلے میں اپنے خدشات کا یوں اظہار کیا کہ "یہ دیکھکر کہ مدراس ڈلٹا کے سوا اور جگہ ذرائع آبپاشی ناکامیاب ثابت ہوئے ہیں اس کی رائے میں یہ سخت غلطی تھی کہ کوئی شخص آبپاشی کے لئے تو سرکار کو مصارف عظیم برداشت کرنے پر مجبور کرنے کی خاطر بڑی سی بڑی شورش میں شریک ہو جائے لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کے متعلقہ مشہور عالم واقعات سے چشم پوشی کرے۔ بالخصوص اس پر اس کو بیحد تاسف ہوتا تھا کہ ایسے بڑے بڑے اشخاص مثلاً برگلم کے نمایندے رائٹ آنریبل رکن صاحب تک سرآرتھر کاٹن کی پیچ کریں کیونکہ وہ اس بلا کے مقرر ہیں کہ عامۃ الناس ان کے اثر میں آنے سے بچ نہیں سکتے"۔[1]

---

[1] لارڈ جورج ہملٹن کی تقریر۔ ۲۲ جنوری ۱۸۷۸ئ عیسوی۔ لارڈ جورج نے سلسلۂ تقریر میں سرآرتھر کاٹن کا ذکر ان الفاظ میں کیا جو اس کو ناگوار ہوئے۔ سرآرتھر نے اس کے جواب میں (بقیہ حاشیہ برصفحۂ آئندہ)

ہنری فاسٹ نے اپنی تقریر میں کہا کہ "اس مسئلے پر بحث کرتے ہیں کہ آیا ریلوں سے زیادہ منافع ملتا ہے اور بہتر طریقے پر انسداد قحط ہو سکتا ہے یا ذرائع آبپاشی سے کسی جانبدارانہ جذبات کا اظہار کرنا نہایت ہی مذموم ہے"۔

اس کے بعد جان برائیٹ اٹھا اور اپنے تمام اثر و اقتدار کے ساتھ اس نے یہ سوال کیا کہ "ایک مجلس اس خاص غرض کے لیے کیوں نہ مقرر کی جائے کہ وہ تمام ایسی شہادت سے جو انگلستان میں حاصل ہو سکتی ہے۔ اور عند الضرورت ہندوستان سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یہ معلوم کرے کہ ہندوستان پر اتنے برسوں تک یعنی ملک کے اس خاص حصے پر سو سال تک ہمارا قبضہ رہنے کے بعد بھی ہم نے اس سے بڑھ کر کیوں ترقی نہیں کی کہ وہاں خشک سالی کے ہوتے ہی قحط پڑنے لگتا ہے؟ .... ہم تو یہی سنتے ہیں کہ ذرائع آبپاشی پر نوے ۹۰ لاکھ یا ایک کروڑ تیس لاکھ پونڈ اب تک صرف کیے گئے ہیں۔ ہندوستان میں اتنی رقم کیا چیز ہے؟ صرف مانچسٹر کے ایک شہر نے جس کی آبادی فقط پانچ لاکھ ہے اپنے مضافات کی آبادی کے لئے آبرسانی پر اس وقت تک بیس لاکھ پونڈ صرف کر دئے ہیں اور اب وہ پارلیمنٹ میں اور ساڑھے تیس لاکھ پونڈ خرچ کرنے کی منظوری کی درخواست پیش کرنے والا ہے اس طرح عوام کے لیے پاک و صاف پانی کے معقول مقدار میں ملنے کا انتظام کرنے پر جملہ پچپن ۵۵ لاکھ پونڈ وہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وزیر ہند کو لکھا کہ "میں نہایت ادب کے ساتھ رائٹ آنریبل وزیر ہند اور ان کی کونسل کی خدمت میں یہ نقطۂ نظر پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ آیا یہ ایک نوجوان شخص کو جس نے ہندوستان میں کبھی قدم نہیں رکھا اور نالاب کی صورت تک نہیں دیکھی اور جو آبپاشی کے رقبے یا نہر (جس میں دخانی کشتیاں چلتی ہیں) کے ایک میل سے بھی روشناس نہیں اور جس کو ان اضلاع کے جہاں آبپاشی ہوتی ہے کسی فرد رعیت سے گفتگو تک کرنے کا موقع کبھی نہیں ملا اور جو انہی وجوہ سے اس موضوع ہی سے بالکل ناواقف ہے۔ زیبا ہے کہ وہ دار العوام میں اور ایک عالم کے سامنے ایک ایسے عہدہ دار کا جو بلحاظ عمر اس کے دادا کے برابر ہے) ذکر اس طرح کے حقارت آمیز الفاظ میں کرے اور کیا اس سے سرکاری ملازمت کو تقویت حاصل ہوتی ہے؟ یا اس کا وقار قائم رہ سکتا ہے؟

صرف ہو چکے ہیں لیکن ہندوستان میں انگریزوں کے زیر حکومت بیس کروڑ کی آبادی ہے کثرت سے وہاں بارش بھی ہوتی ہے اور بڑے بڑے دریا بھی اس سرزمین پر رواں ہیں ایسی صورت میں ہمارا تو خیال یہی ہے کہ آبپاشی کے لئے وہاں قدرتی طور پر سامان موجود ہے"

سر جورج کیمبل بنگالے کے اعلےٰ عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہوا تھا اس نے سر آرتھر کاٹن پر یوں طنز کیا کہ "سر آرتھر کاٹن کے متعلق جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کے دماغ میں پانی بھرا ہوا ہے اس میں مجھ کو بھی کچھ صداقت معلوم ہوتی ہے" لیکن جنرل سر جورج بلفر نے اس سربرآوردہ اور صادق الارادہ ماہر فن آبپاشی کی بڑی قدرشناسی و تعریف کی اور دارالعوام میں سب کے روبرو کہا کہ "سر آرتھر کاٹن نے جتنے بھی ذرائع آبپاشی اختیار کیے تھے ان کے متعلق اس کو یہ یقین نہیں آتا کہ ان میں ایک بھی ناکامیاب ثابت ہوا ہو گا۔ سر آرتھر کاٹن بڑی غیر معمولی اور خداداد قابلیت کا شخص ہے اور وہ وہ آدمی ہے جس نے قوم کے لیے بہت کچھ کیا۔ ہندوستان پر اس کے بڑے بڑے احسانات ہیں اور آئندہ نسلیں اس کو یہ کہہ کر یاد کریں گی کہ اس نے ہندوستان کے لیے کارہائے عظیم انجام دیئے تھے"

بہرحال جس تحقیقات پر اتنا زور دیا گیا تھا وہ نامنظور نہیں کی جا سکتی تھی چنانچہ ۲۲ فروری ۱۸۷۸ء میں اس غرض سے ایک مجلس منتخبہ منعقد کی گئی اور لارڈ جورج ہملٹن اس کا صدر نشین مقرر ہوا۔ شیوبل لارڈ نارتھبرک و لارڈ نیپیر و سر ولیم میور بارہ (۱۲) گواہوں کی شہادت قلمبند کی گئی لیکن یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ ان سب میں سر آرتھر کاٹن ہی اہم ترین گواہ تھا۔ پھر بھی اس کے منصوبے کے لئے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔

سر آرتھر نے اپنی شہادت کی ابتدا ہی میں اس معاملے کو از ابتدا تا انتہا مختصر الفاظ میں مجلس کے سامنے یوں بیان کر دیا۔

"فی الوقت ریلوے کے حسابات کی تفصیل یہ ہے:

تعمیرات ریلوے کی لاگت	۱۱۲۰۰۰۰۰۰ پونڈ
اراضی کا معاوضہ	۸۰۰۰۰۰ پونڈ

موجودہ قرض .... ۵ پونڈ

میزان .... ۱۷ پونڈ

اس جملہ رقم کے معاوضہ میں ہمارے قبضے میں تقریباً ۷،۵۰۰ میل تک ریل ہے اور اس حساب سے فی میل ۲۳۰۰۰ پونڈ شرح مصارف ہوتی ہے۔ خزانہ سرکار پر اس وقت حصص کے منافع کے لئے پینتالیس لاکھ پونڈ اور اراضی اور قرض پر ۴ فی صدی کے حساب سے سود کے لئے تیس لاکھ پونڈ اس طرح جملہ پچھتر لاکھ پونڈ کا بار ہے اس سے پینتالیس لاکھ پونڈ جو حاصل خالص ہوتے ہیں منہا کرنے کے بعد جملہ صرف شدہ سرمایہ پر سالانہ تیس لاکھ پونڈ کا نقصان عائد ہوتا ہے۔"

"ذرائع آبپاشی پر بہ شمول ذرائع دریائے تمبھدرا جو مصارف ہوئے ہیں ان کی مقدار .... ۱۶ پونڈ ہوئی ہے۔ بڑے دو آبہ۔ دریائے گنگا اور دوسری نہروں کے مصارف پر جو سود کی رقم زیر باقی پڑ گئی ہے۔ نہ صرف اس کی تلافی کاوری۔ کرشنا اور گوداوری کے ذرائع آبپاشی کی آمدنی سے ہو سکتی ہے بلکہ اس سے بہت کچھ بچتا بھی ہے کیونکہ کم سے کم ایک کروڑ پونڈ اس مد کے تحت آمدنی ہوتی ہے جسمیں سے اس نقصان کی تلافی کے اتنے پچاس لاکھ کی بچت ہوتی ہے۔ اس طرح جملہ مصارف .... ۱۱ پونڈ قرض کر لیے جا سکتے ہیں جن پر ۴ فی صدی کے حساب سے سود کی رقم پانچ لاکھ پونڈ ہوتی ہے۔ اس کے مقابل مصارف عملہ وغیرہ منہا کرنے کے بعد ہمیں تقریباً دس لاکھ پونڈ خالص منافع ملتا ہے اور اس طرح ذرائع آبپاشی پر خزانہ عامرہ کو پانچ لاکھ پونڈ کا فائدہ ہوتا ہے۔"

لیکن سر آرتھر کاٹن نے سب سے بڑی بات جو بتائی وہ یہ تھی کہ ریلوں سے قحط کا انسداد نہیں ہوتا۔ "مجھ کو اندیشہ ہے کہ مدراس۔ میسور۔ حیدرآباد اور بمبئی میں جہاں چار کروڑ کی آبادی قحط سے متاثر ہوئی تھی باوجود اس کے کہ وہاں پانچ کروڑ پونڈ قرض لینے کے علاوہ بارہ کروڑ پونڈ ریلوں پر صرف کئے گئے تھے چالیس یا پچاس لاکھ جانوں کا اتلاف ہوا تھا۔" اس نے پرزور الفاظ میں یہ بھی بتایا تھا کہ ریلوں سے انسان و بہائم کی پرورش کے لئے ملک کے اشیائے

خورد و نوش میں اضافہ نہیں ہوتا تھا۔ ملک کے تمام سامان تجارت کی حمل و نقل ان سے نہیں ہوتی تھی اس پر کرایہ بھی کچھ ایسا سستا نہ تھا ان کی تعمیر میں جو قرض ہو گیا تھا اور ان کی جو لاگت تھی اس پر یہ سود تک نہیں ادا کر سکتی تھیں۔ تمام اراضی سے پانی کے بہہ جانے کے لئے بدررو یا نہر کا کام نہیں دے سکتی تھیں اور نہ یہ لوگوں کے لئے پینے کا پانی مہیا کرتی تھیں۔ اور یہ سب باتیں ذرائع آبپاشی سے ممکن تھیں۔

پھر ذرائع آبپاشی اور قابل جہاز رانی نہریں کیوں کس مپرسی کی حالت میں پڑی رہیں؟ اگر یہ نہریں حمل و نقل یا آمد و رفت کے کم خرچ ذرائع بن سکتی تھیں تو پھر حکومت ہندان کو کیوں نہیں بناتی تھی؟

برمنگھم کے ایک بینکر (ساہوکار) مسمی ہمین لائیڈ نے جو اس مجلس کا رکن تھا یہ استفسار کیا کہ وہ آپ کا دلی عندیہ یہ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی کم خرچ ذرائع حمل و نقل کیے پیدا ہونے سے متوحش کیوں ہو؟"

سر آرتھر کاٹن نے اس کا جواب دیا "اس لئے کہ ہمیں ریلوں کی کساد بازاری ہونے کا اندیشہ ہے جبھی تو یہ بات غور طلب بن جاتی ہے۔ ذرا یہ تصور کیجئے کہ ایسٹرن بنگال ریلوے کے برابر برابر ایک نہر کھنچی ہے اور درآں حالیکہ اس ریلوے سے دو لاکھ ٹن کے قریب قریب سامان تجارت کی حمل و نقل ممکن ہے اس نہر کی راہ سے بیس لاکھ ٹن کی مقدار میں سامان کی حمل و نقل ہوتی رہے اور مسافروں اور سامان کی کثرت سے وہاں ہر وقت ایک جمگھٹ سا لگا رہے۔ پھر اس نہر کے وجود سے کیا ریل کی بے قدری نہ ہو گی؟ اور یہ کس کو گوارا ہے؟"

اس جواب سے سر آرتھر کاٹن کا یقین کامل اور جوش و خروش تو ظاہر ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بیان سے صداقت بھی ٹپکتی ہے ہندوستان کے لئے کم خرچ ذرائع حمل و نقل اور آبپاشی کی جو خاص ضرورت تھی اس سے انگریز کما حقہ واقف نہ تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ خشک سالی کے زمانے میں فصول کا ہونا ہندوستان کے لئے تیز رفتار ذرائع حمل و نقل سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ جن راہوں سے آمد و رفت تھی ان کے برابر برابر ریلوں کا ایک وسیع نظام قائم کر دینے کے بعد وہ اس لئے قابلِ جہاز رانی نہروں کی تعمیر میں پس و پیش کر رہے

تھے کہ حمل و نقل کے لئے نہریں ریلوں سے مقابلہ کرنے لگیں گی اور اس سے ریلوے کمپنیوں کے منافع میں جس کی سرکار کفیل تھی یا خود سرکار کے منافع میں کمی ہو جائے گی۔ ہندوستان میں قدرتی طور پر ایسے قابل جہاز رانی دریا موجود تھے جو قدیم زمانے سے تجارت کی شاہراہ بنے ہوئے تھے۔ ان دریاؤں سے اگر نہروں کا نظام قائم کر دیا جاتا تو نہ صرف کم خرچ ذرائع حمل و نقل کے اعتبار سے رعایا کے لئے زیادہ مناسب حال ہوتا بلکہ اس سے ساتھ ہی ساتھ فصل یقینی ہو جاتی۔ پیداوار میں بھی توفیر ہوتی اور قحط کا انسداد ہو جاتا۔ لیکن انگریزوں نے ایک جغرافی غلطی کی، اور وہ یہ کہ جب ان کو اپنے دیس میں نہروں کی چنداں ضرورت نہ تھی اس لئے ہندوستان میں بھی انھوں نے نہروں کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا۔

سر آرتھر کاٹن کے پیش نظر جہاز رانی کے لئے حسب ذیل راہیں تھیں۔

(۱) کلکتے سے کراچی تک یعنے دریائے گنگا سے دریائے سندھ تک۔ (۲) کوکوناڈا سے سورت تک یعنے دریائے گوداوری سے دریائے ٹاپتی تک (۳) دریائے نبھدرا سے کاروار تک جو بحیرۂ عرب کے کنارے واقع ہے۔ (۴) دریائے پونا تک جو بالاگھاٹ اور کوئمبتور سے ہو کر گزرتا ہے۔

دوسرے گواہوں نے بھی سر آرتھر کاٹن کی طرح نہروں سے آبپاشی کے فوائد کے بارے میں بہت کچھ رطب اللسانی کی تھی اور بتایا تھا کہ لارڈ جورج ہملٹن نے جن نہروں کو "دو نا کامیاب" کہا تھا وہ اصل نا کامیاب نہ تھیں۔ سر ولیم میور نے جو پہلے شمالی ہند کا لفٹننٹ گورنر تھا اور بعد کو ہندوستان کا وزیر مال ہوا یہ کہا کہ:

"میرے خیال میں میں نے حسب ضرورت پر زور الفاظ میں ان فوائد عظیم کا اظہار کر دیا ہے جو بڑی بڑی نہروں مثلاً نہر گنگا و نہر جمنا سے حاصل ہوتے ہیں۔ جن مقامات سے یہ نہریں گزرتی ہیں وہاں ان کی بدولت عام طور پر بڑی خوش حالی پھیلی ہوئی ہے اور بڑی حد تک لوگ قحط کے مصائب و تکالیف سے محفوظ ہیں جس میں سارے ملک کا بے حساب فائدہ ہے۔ اس کے علاوہ جیسا میں نے اس سے پہلے بھی کہا تھا سرکار کو مالگزاری کے نقصان یا اس کو وصول باقی میں پڑ جانے سے اس طرح محفوظ رکھنے میں جو مفید مطلب صورت

نہروں کے وجود سے پیدا ہوتی ہے وہ بھی اہمیت رکھتی ہے نیز ملک کو خستہ حالی سے جو ایک قحط زدہ سرزمین کے لئے لازم و ملزوم ہے محفوظ رکھنے میں یعنے قحط کے ان اثرات مابعد سے بچانے میں جو اصل قحط کے گزرنے کے بعد بھی بڑی مدت تک باقی رہتے ہیں ان نہروں سے بڑی مدد ملتی ہے۔ دوآبہ کی عام اصلاح و ترقی جو خاص طور پر آبپاشی کی بنا پر ظہور پذیر ہوئی ہے ایسی ہے کہ فوری مالی معاوضے سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی آبپاشی کے عام فوائد کے تعین کرنے میں اس اصلاح و ترقی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کو ہمیشہ ذہن نشین ہی رکھنا چاہیئے"۔

لیکن وہ مجلس جس کا میر مجلس لارڈ جورج ہملٹن تھا مدبرانہ وسیع النظری کے ساتھ ذرائع آبپاشی کی اہمیت سمجھنے سے بالکل قاصر ہی رہی اور ہر پھیر کے اسی تنگ نظری کے دائرے میں گھومتی رہی کہ ذرائع آبپاشی کی تعمیر سے سرکار کو مالی معاوضے کی شکل میں فوری فائدہ ہونا چاہیئے۔ اس مجلس منتخبہ کی رپورٹ سے ذیل میں چند فقرات نقل کیے جاتے ہیں:۔

"سر آرتھر کاٹن کی تجویز یہ ہے کہ تمام ریلوں کے منصوبے اور ان کی تعمیر وغیرہ سرسری طور پر ایک غیر معینہ مدت تک موقوف کردینی چاہیئے اور آیندہ دس یا بیس سال تک ذرائع آبپاشی پر یعنے نہروں پر (سوال ۷۷۲۲) جن میں سے بہ کثرت قابل جہاز رانی ہو سالانہ ایک کروڑ پونڈ صرف کرنا چاہیئے۔ اس کا اندازہ یہ ہے کہ تین کروڑ پونڈ کے صرفے سے دس ہزار میل تک ایسی قابل جہاز رانی نہریں تعمیر کی جاسکتی ہیں جو بڑے بڑے آباد مقامات سے گزریں گی اور اس کثیر المقدار رقم کا باقی حصہ ان نہروں کی شاخوں اور معاون نہروں کی تعمیر پر صرف کیا جاسکتا ہے۔

"سر آرتھر کاٹن کا تخمینہ یہ ہے کہ ان مصارف کا سرکار کو معتد بہ مالی معاوضہ ملے گا (سوال ۷۵۱۰) لیکن اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے سر آرتھر کے پیش نظر کیا مواد تھا اس کو معلوم کرنے سے یہ مجلس قاصر ہے بالخصوص جب کہ سر آرتھر اس مسئلے کو کہ ان مصارف کے لئے رقم کہاں سے آئے۔ یا کس شرح سود پر یہ بطور قرض فراہم کی جائے اپنے حیطۂ علم سے باہر سمجھتے ہیں۔ تمام ہندوستان میں یکایک وقت واحد میں اتنا روپیہ صرف کرنے سے اسباب تعمیر اور مزدوروں میں جو فوری اضافہ لازمی طور پر ہوگا

اس کا سر آرتھر نے نہ تو کچھ اندازہ کیا ہے اور نہ اس کے لئے کوئی گنجائش رکھی ہے“۔

اس رپورٹ میں جو اعداد درج ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ با احتیاط تمام چھان بین کر کے آبپاشی کے منصوبے مرتب کرنے کے بعد بھی ان میں شاذ ہی منصوبے ایسے نکلیں گے جن سے کچھ مالی فائدہ ہوا ہے۔ خود سر آرتھر کاٹن نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ اس استفسار پر کہ دہانہ مدراس (Madras Delta) کے ذرائع آبپاشی کے سوا حکومت ہند نے گزشتہ بیس سال کی مدت میں ایسے کونسے ذرائع آبپاشی تعمیر کئے تھے جن سے مالی فائدہ ہوا اس نے یہ جواب دیا کہ ”اہم ذرائع آبپاشی میں فی الوقت ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے مالی فائدہ ہونے لگا ہے“۔

(سوال ۲۰۲۱۴)

”اس مجلس کی رائے میں یہ بالکل بدیہی امر ہے کہ اگرچہ یہ منصوبہ بہت بڑے پیمانے پر سوچا گیا ہے لیکن ایک ایسی تخمینی اور موہوم شکل رکھتا ہے کہ سوائے اس کو نامنظور کرنے کی غرض سے اس پر کچھ توجہ کرنے کے اور تو کوئی جواز کی صورت اس پر توجہ مبذول کرنے کے لئے نہیں معلوم ہوتی“۔

مذکورۃ الصدر اقتباسات سے ظاہر ہوگا کہ مجلس منتخبہ نے مدراس ڈیلٹا کے ذرائع آبپاشی کا اس لئے انتخاب کیا تھا کہ یہی ایک تھے جن سے مالی فائدہ ہوتا تھا۔ اس مجلس کی کوتاہ نظری ایسی تھی کہ جمنا اور گنگا کے ذرائع آبپاشی تک نفع بخش نہیں سمجھے جاتے تھے۔ اگرچہ ان سے لوگوں کی خوش حالی میں اضافہ اور قحط کا انسداد ہوا تھا اور خشک سالی میں ان کی وجہ سے مالگزاری کے نقصان سے سرکار محفوظ بھی رہتی تھی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس مجلس کے جس کی صدارت لارڈ جورج ہملٹن نے کی تھی اس نتیجے پر پہنچنے کے چند ہی روز بعد مدراس کے ماموریۂ قحط نے نہایت ہی باقاعدہ اور مکمل طریقے پر ہندوستان اور انگلستان ان دونوں ممالک میں اپنی تحقیقات شروع کردی۔ یہ ماموریہ قحط جس نتیجہ پر پہنچا وہ سرمایہ صرف شدہ کا فوری معاوضہ وصول ہونے اور ذرائع آبپاشی کے عام نتائج دونوں کے لحاظ سے لارڈ جورج ہملٹن کے نتیجے سے بالکل ممیز تھا۔ اس ماموریہ قحط

نے لکھا کہ " اگر ان امور سے قطع نظر کر کے کہ ذرائع آبپاشی کی تعمیر سے معمولی زمانے میں ملک کی دولت میں توفیر اور خشک سالی میں قحط کا انسداد یا کم سے کم اس کے مصائب میں تخفیف ہوتی تھی اس کو محض مالی فائدہ کی خاطر ایک طرح کا شغل سرمایہ ہی سمجھا جائے تو بھی اس سے سرکار کو بہت کچھ نفع ملا تھا "

اہل ہند سے جو ریلوں اور ذرائع آبپاشی دونوں کے مصارف برابر ادا کرتے رہے تھے اگر مشورہ کیا جاتا تو وہ حسب ذیل امور کی ضرور تائید کرتے ۔ اول سر آرتھر کاٹن کی اس تجویز کی کہ صدر ریلوں کی تکمیل کے بعد سرکاری ریلوں اور ان ریلوں کی توسیع جیسے منافع کی سرکار کفیل تھی آئندہ بالکل موقوف کردی جائے ۔

دوم اس تحریک کی کہ خوب غور و خوض کرنے کے بعد ایسے ذرائع آبپاشی تعمیر کئے جائیں جو کاشت کے لئے مفید اور انسداد قحط کے لئے کار آمد ہوں سر آرتھر کاٹن کے منصوبے فی الحقیقت " موہوم اور تخمینی شکل " کے تھے کیونکہ کوئی شخص خواہ کیسی ہی خداداد قابلیت اور ہندوستان کا تجربہ کیوں نہ رکھتا ہو فقط لندن میں بیٹھکر اس بارے میں غور و فکر کرے تو اس کے منصوبے ضرور آزمائشی شکل ہی کے ہوں گے ۔ لیکن احتیاط کے ساتھ تفصیلی طور پر ان کی چھان بین کرنے سے معلوم ہو سکتا تھا کہ کس حد تک یہ منصوبے قابل عمل اور فائدہ مند ہو سکتے تھے ۔ پچیس سال قبل ایسے کار آمد ذرائع آبپاشی کی تعمیر اگر کی جاتی تو پھر اس صدی عیسوی کے سال آخر کے قحط سے جیسے مضر و خراب اثرات مرتب ہوئے تھے ویسے ہرگز نہ ہوتے ۔ لیکن اس مجلس نے جس کی صدارت لارڈ جورج ہملٹن نے کی تھی ادھر اپنا فیصلہ صادر کر دیا اور ادھر سر آرتھر کاٹن کی دور اندیشی اور جان برائیٹ کی فراخ دلی اور ہمدردی سے جو موقع ہاتھ آیا تھا وہ موقع یونہی گزر گیا اس کے بعد اس صدی میں ایسا موقع پھر کبھی نہ ملا ۔

دسواں باب

مالیات اور ہندوستان کا قرض

۱۸۵۸ء میں ملکہ معظمہ نے ہندوستان کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور ۱۸۷۷ء میں قیصرہ ہند کا لقب اختیار کیا۔ اسی زمانے میں وقتاً فوقتاً سالانہ حسابات پیش کرنے کے نظام میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

۱۸۵۹-۶۰ء میں محاصل کے جو حسابات پارلیمنٹ میں پیش ہونے تھے ان میں پہلا مرتبہ تھا کہ اس سال کی مدات خرچ کے تحت ان ریلوں کے جن کے منافع کی سرکار کفیل تھی۔ اصل کا سود بھی بتایا گیا تھا۔

۱۸۶۷-۶۸ء میں اس حکمت عملی کو منظور کیا گیا تھا کہ قرض لیکر بڑے پیمانے پر پیداآور ذرائع آبپاشی کی تعمیر کی جائے اور اس قرض کے حسابات کو معمولی جمع و خرچ سے خارج کر کے علیحدہ بنایا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ لارڈ میو کے زیر نظم ونسق ان حسابات میں فاضلات کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ قرض کی جملہ رقم "پیداآور کاموں کے قرض" کی مد میں بتائی گئی تھی اور اس قرض کے سود کی رقم معمولی جمع و خرچ کے حسابات میں شامل کر دی گئی تھی۔

۱۸۷۱ء میں لارڈ میو کے تضعیف مرکزیت کے منصوبے کے تحت مختلف صوبجات کی حکومتوں کو اپنی اپنی ذمہ داری پر مقررہ مدات میں صرف کرنے کیلئے

معینہ رقوم کے عطا کرنے کے نظام کی ابتداء ہوئی۔ اسی سال صرف یہ مالیاتی نتیجہ نکلا کہ ان حکومتوں کو کاروبار چلانے کے لئے دو لاکھ پونڈ تک میشگی رقم دینی پڑی۔ لیکن ۱۸۸۰-۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۵-۱۸۸۶ء تک محض وصولات جن کا ساڑھے چھ لاکھ پونڈ تخمینہ کیا گیا تھا مد خرچ سے خارج کر دیئے گئے اس طرح جمع و خرچ کے مدات میں برابر برابر کی تخفیف کر دی گئی اور تقریباً پانچ لاکھ پونڈ کی مقدار میں خرچ "ملازمت صوبجات" کی مد میں بتایا جانے لگا۔

۱۸۷۰-۱۸۷۱ء سے خالص محاصل کی کیفیت کا علیحدہ بتانا چھوڑ دیا گیا۔ صرف خام محاصل بتائے جاتے تھے۔ اور مصارف وصول محاصل مد خرچ میں شامل کر دیئے گئے تھے۔ ۱۸۷۶-۱۸۷۵ء سے صوبجات کی حکومتوں میں تقسیم جمع کے نظام موازنہ میں تبدیلی کر دی گئی۔ یعنے بجائے "ملازمت صوبجات" کی مد میں مجملہ رقم ایک ہی جگہ بتانے کے آمدنی اور خرچ کی تفصیل مناسب مدات کے تحت علیحدہ بتائی جانے لگی۔ اسی سال سے پیداآور کارہائے تعمیرات عامہ کے سالانہ محاصل ان کے اصل پر سالانہ سود کی رقم اور ان کے سالانہ مصارف لاحق یہ بھی علیحدہ علیحدہ بتائے جانے لگے۔

۱۸۷۷-۱۸۷۸ء میں صوبہ واری محصولات کی ایک جدید مد قائم کی گئی جس کے تحت اس خاص محصول کے وصولات کا اندراج ہونے لگا جس کو ۱۸۷۱ء سے اراضی پر عائد کیا گیا تھا۔ ۱۸۷۸ء میں ایک اور تغیر یہ کیا گیا کہ لوکل فنڈ کو جس کا حساب اس وقت تک بالکل علیحدہ رکھا جاتا تھا عام حسابات مالگزاری میں شامل کر دیا گیا اور مختلف عنوانات کے تحت اس کا خرچ بھی عام خرچ کے ساتھ بتایا جانے لگا۔

ذیل کے اعداد جن سے ۱۸۵۸-۵۹ء سے ۱۸۸۶-۱۸۸۷ء تک یعنے اُنتیس[9] سال کا جمع و خرچ معلوم ہوتا ہے ہندوستان کے گوشوارۂ اعداد و شمار سے جس کو ہر سال دارالعوام اور دارالامرا میں پیش کیا جاتا تھا اخذ کئے گئے ہیں۔ ان میں آمدنی کی مد میں رقم مالگزاری علیحدہ بتائی گئی ہے۔ اور خرچ کی مد میں وہ مصارف علیحدہ بتائے گئے ہیں جو انگلستان میں عائد ہوتے تھے۔

سنہ عیسوی	جمع مالگزاری	خام آمدنی	انگلستان میں مصارف (مطالبات وطن)	خام خرچ
۱۸۵۸ - ۵۹	۱۸۱۲۳۹۵۸	۳۶۰۶۰۷۸۸	۷۴۶۶۱۳۱	۵۱۰۵۶۹۳۰
۱۸۵۹ - ۶۰	۱۸۷۵۷۴۰۰	۳۹۷۰۵۸۲۲	۷۲۳۹۴۵۱	۵۱۸۶۱۷۲۰
۱۸۶۰ - ۶۱	۱۸۵۰۸۹۹۱	۴۲۹۰۳۲۳۴	۷۷۴۵۸۴۰	۴۶۱۵۴۰۸۷
۱۸۶۱ - ۶۲	۱۹۶۸۴۶۶۸	۴۳۸۲۹۴۷۲	۷۶۲۴۴۷۶	۴۴۸۷۰۲۳۲
۱۸۶۲ - ۶۳	۱۹۵۷۰۱۴۷	۴۵۱۴۳۷۵۲	۷۲۵۲۳۱۷	۴۴۰۵۳۱۹۲
۱۸۶۳ - ۶۴	۲۰۳۰۳۴۲۳	۴۴۶۱۳۰۳۲	۶۸۹۴۲۳۴	۴۴۹۸۲۰۰۶
۱۸۶۴ - ۶۵	۲۰۰۹۵۰۶۱	۴۵۶۵۲۸۹۷	۶۹۹۸۷۷۰	۴۶۴۵۰۹۹۰
۱۸۶۵ - ۶۶	۳۰۴۷۳۸۹۷	۴۸۹۳۵۲۲۰	۶۲۱۱۱۷۸	۴۷۳۳۲۱۰۲
۱۸۶۶ - ۶۷	۱۹۱۳۶۴۴۹	۴۲۱۲۲۴۳۳	۷۶۴۶۵۱۸	۴۴۶۳۹۹۲۴
۱۸۶۷ - ۶۸	۱۹۹۸۶۶۴۰	۴۸۵۳۴۴۱۲	۸۴۹۷۶۲۲	۵۰۱۴۴۵۶۹
۱۸۶۸ - ۶۹	۱۹۹۲۶۱۷۱	۴۹۲۶۲۶۹۱	۱۰۱۸۱۷۴۷	۵۳۴۰۷۳۳۴
۱۸۶۹ - ۷۰	۲۱۰۸۸۰۱۹	۵۰۹۰۱۰۸۱	۱۰۵۹۱۰۱۳	۵۳۳۸۲۰۲۶
۱۸۷۰ - ۷۱	۲۰۶۲۲۸۲۳	۵۱۴۱۳۶۸۶	۱۰۰۸۳۰۴	۵۱۰۹۸۵۰۶
۱۸۷۱ - ۷۲	۲۶۵۲۰۳۳۷	۵۰۱۱۰۲۱۵	۹۸۵۰۹۱۲	۴۸۶۱۴۵۱۲
۱۸۷۲ - ۷۳	۲۱۳۴۸۶۶۹	۵۰۲۱۹۴۸۹	۱۰۵۴۷۹۰۸	۵۶۶۳۸۳۸۶
۱۸۷۳ - ۷۴	۲۱۰۳۷۹۱۲	۴۹۵۹۸۲۵۳	۱۰۲۶۵۵۵۷	۵۴۹۵۹۲۲۸
۱۸۷۴ - ۷۵	۲۱۲۹۶۷۹۳	۵۰۵۷۰۱۷۱	۱۰۶۰۴۹۹۴	۵۴۵۰۰۵۴۵
۱۸۷۵ - ۷۶	۲۱۵۰۳۷۴۲	۵۱۳۱۰۰۶۳	۹۸۹۸۶۰۳	۵۳۹۱۱۷۴۷
۱۸۷۶ - ۷۷	۱۹۸۵۷۱۵۲	۵۵۹۹۵۷۸۵	۱۳۴۶۷۷۶۳	۵۸۱۷۸۵۶۳

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے محاصل خام اٹھارہ سال میں یعنے ۷۷-۱۸۷۶ع کے آخر تک تین کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ سے پانچ کروڑ دس لاکھ پونڈ ہو گئے تھے اور مطالبات وطن یعنے ان محاصل کا وہ جز جو انگلستان میں صرف

ہوتا تھا اسی مدت میں ساڑھے ستر لاکھ پونڈ سے ایک کروڑ پونڈ تک پہنچ گیا تھا۔

اس کے بعد ۶۷-۱۸۶۶ء سے ایک ایسے سال کا آغاز ہوتا ہے جو واقعات سے مملو تھا اس میں قحط مدراس کی وجہ سے مالگزاری کے وصولات میں کمی ہوئی۔ اس سال کے عام محاصل اور عام خرچ کے اعداد میں جو ایک طرح کا ناگہانی اضافہ دکھائی دیتا ہے وہ ریلوے اور کاموں کے وصولات اور ان کے سرمائے پر جو سود ادا ہوتا تھا ان دونوں کو عام حسابات میں شامل کر لینے کی وجہ سے تھا جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے اسی سال سے ریلوں کی خالص آمدنی سرکاری محاصل کی مد میں اور وہ جملہ رقم جو ریلوے کمپنیوں کو کفالت سرکار کی بناء پر بطور سود دیجاتی تھی مد خرچ میں بتائی جانے لگی۔

غدر سے کچھ دنوں پہلے ۵۷-۱۸۵۶ء میں ہندوستان کا جملہ سرکاری قرض پانچ کروڑ پچانوے لاکھ پونڈ تھا مگر اس کے بعد کے سال یہ چھ کروڑ پچانوے لاکھ پونڈ ہوگیا۔ چونکہ غدر کی لڑائیوں کے جملہ مصارف کا بار ہندوستان پر ڈال دیا گیا اس لئے ۱۸۶۱ء میں بھی سرکاری قرض دس کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ ہوگیا۔ اس کے علاوہ سرکاری کفالت سود کے نظام کو مسدود کر دینے کے بعد سرکار نے ریلوں کی تعمیر براہ راست چونکہ شروع کر دی تھی اور قرض لے کر من مانے ریلوں کی توسیع کرنے لگی تھی اس لئے ۱۸۶۷ء سے سرکاری قرض میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔

یہاں یہ توضیح کر دینی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مالیات ہند کی مجلس منتخبہ کے زیر ہدایت ۱۸۷۱ء کے اعداد پر اس غرض سے نظر ثانی کی گئی تھی کہ ان میں چند وہ مالی ذمہ داریاں بھی شامل کر لی جائیں جن کو پہلے شامل نہیں کیا جاتا تھا چنانچہ سالہائے مابعد میں بھی اسی منصوبے پر عمل ہوتا رہا ۷۷-۱۸۷۶ء کے اواخر میں جملہ سرکاری قرض تیرہ کروڑ نوے لاکھ پونڈ تھا جس میں قرض کی وہ رقم بھی شامل تھی جو سرکار نے سرکاری ریلوں اور ذرائع آبپاشی پر صرف کی تھی لیکن اس میں وہ رقم شامل نہ تھی جس کو غیر سرکاری کمپنیوں نے محاصل ہند کی کفالت سود پر ریلوں پر خرچ کیا تھا ۷۷-۱۸۷۶ء تک سرکار نے ذرائع آبپاشی اور سرکاری ریلوں پر تقریباً دو کروڑ چالیس لاکھ پونڈ کر دیے تھے بہ الفاظ دیگر ذرائع آبپاشی پر ۹۶۵۱۲۱۸ پونڈ اور

سرکاری ریلوں پر ۱۴۶۵۱۳۵۲ پونڈ خرچ کیے تھے ۔

اس امر کی توضیح بھی یہاں ضروری ہے کہ ذیل کے نقشے میں جو اعداد درج ہیں ان میں ایک کروڑ بیس لاکھ پونڈ کے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصص شامل نہیں ہیں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا سرمایہ انہیں حصص پر مشتمل تھا جن پر ابھی تک ہندوستان سود ادا کرتا رہا ہے ۔

سنہ عیسوی	ہندوستان کا سرکاری قرضہ اور سرمائی ذمہ داریاں	انگلستان میں واجب الادا سرکاری قرض	میزان
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۵۸-۵۹	۶۶۰۸۲۰۳۱	۱۵۰۸۹۲۷۷	۸۱۱۷۱۳۰۸
۱۸۵۹-۶۰	۷۱۹۶۹۴۶۰	۲۶۱۳۸۰۰۰	۹۸۱۰۷۴۶۰
۱۸۶۰-۶۱	۷۱۹۰۱۰۸۱	۲۹۹۷۶۰۰۰	۱۰۱۸۷۷۰۸۱
۱۸۶۱-۶۲	۷۲۴۱۸۸۵۹	۳۵ ۹۵۳۰۰	۱۰۷۵۱۴۱۵۹
۱۸۶۲-۶۳	۷۲۹۵۶۱۳۵	۳۱۸۳۹۱۰۰	۱۰۴۴۹۵۲۳۵
۱۸۶۳-۶۴	۷۲۲۰۷۶۴۵	۲۶۳۱۰۵۰۰	۹۸۵۱۸۱۴۵
۱۸۶۴-۶۵	۷۲۳۵۲۴۵۵	۲۶۱۲۵۱۰۰۰	۹۸۴۷۷۵۵۵
۱۸۶۵-۶۶	۷۱۴۳۷۲۵۱	۲۶۹۴۶۴۰۰	۹۸۳۸۳۶۵۱
۱۸۶۶-۶۷	۷۲۵۲۶۸۱۵	۲۹۵۳۸۰۰۰	۱۰۲۰۶۴۸۱۵
۱۸۶۷-۶۸	۷۱۲۸۹۱۱۱	۳۰۶۹۷۰۰۰	۱۰۱۹۸۶۱۱۱
۱۸۶۸-۶۹	۷۱۱۶۸۲۸۹	۳۱۶۹۷۹۰۰	۱۰۲۸۶۶۱۸۹
۱۸۶۹-۷۰	۷۲۹۰۹۶۳۸	۳۵۱۹۶۷۰۰	۱۰۸۱۰۶۳۳۸
۱۸۷۰-۷۱	۸۱۳۷۲۸۵۹	۳۷۶۲۷۶۱۷	۱۱۹۰۰۱۴۷۶
۱۸۷۱-۷۲	۸۲۷۵۴۸۴۱	۳۹۰۱۲۶۱۷	۱۲۱۷۶۷۴۵۸
۱۸۷۲-۷۳	۸۲۴۸۴۴۷۶	۳۹۰۱۲۶۱۷	۱۲۱۴۹۷۰۹۳
۱۸۷۳-۷۴	۸۱۸۳۷۰۴۳	۴۱۱۱۷۶۱۷	۱۲۲۹۵۴۶۶۰
۱۸۷۴-۷۵	۸۱۷۳۸۵۶۴	۴۸۵۹۷۰۳۳	۱۳۰۳۳۵۵۹۷
۱۸۷۵-۷۶	۸۴۷۵۹۷۷۶	۴۹۷۹۷۰۳۳	۱۳۴۵۵۶۸۰۹
۱۸۷۶-۷۷	۸۳۵۳۷۹۹۲	۵۵۳۹۷۰۳۳	۱۳۸۹۳۵۰۲۵

قارئین نے کسی پچھلے باب میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی صد سالہ حکمرانی میں سرکاری قرض کو چھ کروڑ ستانوے لاکھ پونڈ کی کثیر المقدار رقم تک پہنچا دیا تھا اور یہ دیکھ کر اور بھی افسوس ہوتا ہے کہ تاج برطانیہ کے زیر نظم و نسق صرف انیس ۱۹ سال کی مدت میں ہی سرکاری قرض بلاشمول خصص ایسٹ انڈیا کمپنی تیرہ کروڑ نوے لاکھ پونڈ یعنی پہلے سے دو چند ہو گیا تھا۔

فرض کیجئے کہ ۱۸۷۷ء کے یادگار سال میں جبکہ ملکہ معظمہ نے قیصرۂ ہند کا لقب اختیار کیا کوئی ایسا خود مختار اور غیر جانب دار محکمۂ عدالت موجود ہوتا جیسے ایک بین الاقوامی "عدالت ثالثی" جو محض انگریز یا ہندوستانی ججوں ہی پر مشتمل نہ ہوتی اور تصفیہ کے لئے اس ثالثی کے سامنے ہندوستان کے تیرہ کروڑ نوے لاکھ پونڈ کے سرکاری قرض کا مسئلہ پیش ہوتا تو پھر کیا ہوتا؟

ایسی ثالثی کا جو فیصلہ ہوتا وہ تو بالکل عیاں ہے۔ اس لحاظ سے کہ کمپنی کا یہ چھ کروڑ ستانوے لاکھ کا قرض اس سالانہ خراج کا ایک جز تھا جس کا ناواجبی طور پر ہندوستان سے مطالبہ کیا جاتا تھا اور جس کو ہندوستان کو ہرگز ادا نہ کرنا چاہئے تھا۔ یہ ثالثی ضرور ایسے قرض کا نام تک باقی نہ رکھتی۔ البتہ اتنا کرتی کہ ایام غدر کے چار کروڑ پونڈ قرض کی رقم جو ہندوستان میں ان دنوں برطانوی فوج کے مصارف ہوئے تھے برطانیہ عظمیٰ کو دلا دیتی مگر ساتھ ہی ساتھ اس رقم میں سے ان ہندوستانی افواج کے مصارف منہا کر دیتی جنہوں نے افغانستان، چین، ایران اور ابی سینا میں شہنشاہی اغراض کے لئے بارہا برد آزمائی کی تھی اور اس کے بعد ہندوستان پر کوئی واجب الادا رقم نکلتی بھی تو وہ کچھ ایسی نہ ہوتی۔ سب سے آخر یہ ثالثی تعمیرات عامہ کے دو کروڑ چالیس لاکھ پونڈ کے قرض کو تو پیوند نفیس رہنے دیتی البتہ ان کاموں کے لئے آئندہ مزید رقم قرض لینے کی ممانعت کر دیتی کیونکہ کم اہم ریلوں کی تعمیر غیر سرکاری اشخاص کی ہمت و حوصلہ پر چھوڑ دی جا سکتی تھی اور ذرائع آبپاشی کی توسیع شہنشاہی کے معمولی محاصل سے کی جا سکتی تھی۔ اس طرح ۲۱۰ کروڑ پونڈ کے قرض کو جس کو خواہ مخواہ سرکاری قرض شمار کیا جاتا تھا۔ ہندوستان سے بہر صورت ناقابل ادا قرار دیکر یہ ثالثی فوراً قلمزد کر دیتی۔ اگر اس ناجائز کثیر المقدار مالی ذمہ داری کو

پر سود ادا کرنے کا بار عظیم محاصل ہند پر باقی نہ رہتا تو باقی قرض بھی جلد اور بآسانی بے باق کر دیا جا سکتا تھا۔ اس طرح کوئی قرض باقی ہی نہ رہتا کیونکہ ہندوستان کو کسی قومی قرض کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

اسلاف کے عہد حکومت میں ہندوستان قومی قرض کے نام تک سے واقف نہ تھا۔ ہندو اور مسلمان فرماں روا بعض دفعہ اپنے ذاتی ساکھ پر ساہوکاروں سے قرض لیتے تھے جس طرح انگریز بادشاہ قدیم زمانے میں اپنے شاہی تاج وعصا اور زیورات رہن رکھ کر یا مختص محاصل کو کفول کرکے قرض لیتے تھے ۱۶۸۸ء تک بھی جو سال انقلاب کا تھا یہ مشکل یہ کہا جا سکتا ہے کہ انگلستان میں قومی قرض تھا کیونکہ اس وقت ایسے قرض کی مقدار دس لاکھ پونڈ سے بھی کم تھی یہی بہتر ہوتا کہ ہندوستان میں قومی قرض کی حالیہ یورپی بدعت کے قیام کے بجائے ہندوستان کے برطانوی حکمران ہندوستان کے زمانہ سلف کی یا سترہویں صدی عیسوی کے انگریزوں کی نظیر پر کاربند رہتے!

موجودہ زمانے کے یورپی اقوام اپنے فتوحات اور نوآبادیات میں اضافہ کرنے اور دوسری حریف قوموں میں اپنی حیثیت و رتبہ قائم رکھنے کی غرض سے خود پر قومی قرض عائد کر لیتے ہیں۔ ہندوستان کسی فتح کے درپے نہیں ہے۔ ایشیا میں اس کا کوئی حریف نہیں ہے۔ ایک قوی اور نیک حکومت کے تحت اس کو کسی قسم کے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہی نہیں۔ ہندوستان کی فتح کے مصارف برطانیہ کو خود ہندوستان کے سالانہ محاصل سے ادا ہو چکے تھے۔ تعمیرات عامہ کے مفید کاموں کی لاگت بھی انھیں محاصل سے پوری کی جا سکتی تھی۔ ایسے ملک میں قومی قرض کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور جب غدر کی لڑائیوں کے بعد امن ہو گیا تھا اور نظم ونسق تاج برطانیہ کی نگرانی میں آچکا تھا تو پھر اس قرض میں مسلسل اضافہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی۔ لارڈ لارنس نے سالانہ آمدنی ہی سے جملہ مصارف کی تکمیل کی کوشش کی تھی۔ مگر لارڈ میو نے یہ غلطی کی کہ قرض لے کر تعمیرات عامہ کے کام شروع کر دیئے جب آسانی سے قرض مل سکتا ہے تو ایسے قرض کا روپیہ بھی آسانی کے ساتھ صرف ہو جاتا ہے

اور اسی طرح قرض پر قرض ہونے لگتا ہے۔

ہندوستان میں سرکاری قرض اور خرچ میں ایسا خطرناک اضافہ ہو رہا تھا کہ انیسویں صدی عیسوی کے سب سے بڑے برطانوی ماہر فن مالیات مسٹر گلیڈسٹن کی توجہ خود بخود اس طرف منعطف ہوئی۔ قرض اور مصارف دونوں کے حد سے بڑھ جانے کو وہ روکنا چاہتا تھا چنانچہ ۱۸۷۱ء میں ہندوستان کے مالیات کی تحقیقات کرنے کے لئے اس نے ایک مجلسِ منتخبہ کے انعقاد کی تحریک پیش کی۔ ہندوستان کے لئے کیا اچھا ہوتا کہ خود مسٹر گلیڈسٹن بھی کاش اس مجلس کا ایک رکن ہوتا۔ لیکن بہ حیثیت وزیر اعظم برطانیۂ عظمیٰ وہ رکن نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسی حالت میں دوسری بہت ممکنہ شکل جو تھی اس نے وہ اختیار کی یعنے مسٹر ہنری فاسٹ کو اس مجلس [illegible] ۱۸۷۱ء سے ۱۸۷۴ء تک یعنے چار سال اجلاس کرتی رہیں لیکن بدنصیبی سے ان کے آخری تجاویز اور کچھ اہم اصلاحی تدابیر ابھی ضبط تحریر ہی میں نہ آنے پائی تھیں کہ ۱۸۷۴ء میں حکومت جدت پسند کے زوال کے چند روز بعد ہی ان کا اجلاس موقوف ہو گیا۔ لیکن مذکورالصدر چار سال کی مدت میں ان مجالس نے قابل قدر شہادت قلمبند کی جس کا حوالہ پچھلے باب میں دیا گیا ہے۔ اس شہادت کا موقع بہ موقع اعادہ کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کیونکہ یہ ان لوگوں کی شہادت ہے جن کے ہاتھوں میں ایک پشت سے پہلے ہندوستان کا نظم و نسق اور سب مالیاتی انتظام تھا۔

ان اہم گواہوں میں جن کا بیان قلمبند کیا گیا تھا ایک رائٹ آنریبل ڈبلیو این میانسی بھی تھا جو ۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۸ء تک ہندوستان کا وزیر مال رہا تھا۔ اس نے حتی الامکان پُر زور الفاظ میں ہندوستان کے خرچ کو سالانہ آمدنی کی حد تک رکھنے کی ضرورت کو مجلس کے اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی کوشش کی۔

"انگریزوں کے مالیات کا اصل اصول یہ ہے کہ خرچ کے لحاظ سے آمدنی کی صورت پیدا کرنی چاہئے۔ میری رائے میں ہندوستان کے مالیات کی حد تک اس کے متضاد اصول کا اختیار کرنا ہی زیادہ مناسب حال ہے یعنے وہاں آمدنی کے لحاظ سے خرچ کرنا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں

ذرائع آمدنی اس درجہ محدود ہیں کہ اگر خرچ میں ذرا بھی حد سے تجاوز کیا جائے تو فوراً گھاٹا آتا ہے۔ محصولات میں کچھ اضافہ کرنا ممکن نہیں اور محصول آمدنی کے سوا کوئی جدید محصولات نہیں لگائے جا سکتے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک مجھ کو علم ہے بہ حیثیت مجموعی کسی جدید محصول سے نیا ذریعۂ آمدنی پیدا کرنا ناممکن ہے اس لئے میں ہندوستان کے سب ماہرانِ فن مالیات کے خوب ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ وہاں ہمیشہ آمدنی کے لحاظ سے خرچ کرنا نہایت ہی ضروری ہے "خرچ کو اندرونِ آمدنی رکھنے کے متعلق ڈیوک ولنگٹن نے ۱۸۳۴ء میں نظام کمپنی کو جو جواب دیا تھا اس کا حوالہ دیتے ہوئے اس گواہ نے کہا کہ "ڈیوک ولنگٹن کا اس جواب سے جو اصل مطمح نظر تھا کاش ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک موجودہ نظم و نسق بھی اس کا پابند بنا دیا جاتا۔"

اس سے بھی زیادہ پر زور شہادت ہندوستان کے ایک اور وزیر مال کی تھی جس کا نام سر چارلس ٹریویلین تھا۔ چالیس سال قبل ہندوستان کے نظم و نسق میں یہ لارڈ ولیم بنٹنگ اور مکالے کا رفیق کار رہ چکا تھا اور مدراس کا گورنر بھی رہا تھا مگر اس نے گورنر کی حیثیت سے محصولات میں اضافہ کرنے کی سخت مخالفت کی تھی جس کی بنا پر اس کو واپس طلب کر لیا گیا تھا اس کے بعد ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۵ء تک وہ ہندوستان کا وزیر مال رہا۔ اس زمانے میں اس بزرگ صورت شخص کا سن چھیاسٹھ برس کا تھا مگر پھر بھی اس کے بیان سے جوش جوانی ٹپکتا تھا۔ اس لحاظ سے کہ کمپنی اور تاج برطانیہ دونوں کے عہد حکومت میں ہندوستان کے منتظم مملکت کی حیثیت سے اس نے بہت بڑا تجربہ حاصل کیا تھا تاج برطانیہ کی حکومت میں ازدیاد مصارف پر اس نے سخت اعتراضات کئے۔

اس سے جب یہ سوال کیا گیا کہ "کیا آپ کے خیال میں جب سے وزیر ہند نے بہ اجلاس کونسل انتظام مملکت براہ راست اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے ہندوستان کا روپیہ صرف کرنے کے مطالبات کو منظور کرنے کی طرف اب حکومت کا زیادہ رجحان معلوم ہوتا ہے؟" تو اس نے یہ جواب دیا کہ "جی ہاں" "بیشک! ملکہ معظمہ کی حکومت نے اپنے آپ کو ہمیشہ فضول خرچ اور ایک دینے والی حکومت ہی ثابت

گیا ہے .... میرا اشارہ اس امر کی طرف ہے جس کو حکومت کی منتقلی کے وقت بڑی اہمیت دی گئی تھی یعنے کونسل ہند کے ارکان کو تا حیات خدمت پر رکھنا جس سے ان کے لئے ذاتی خود مختاری کی صورت پیدا ہو جائے اور ان محاصل میں سے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملک تھے رقوم کی ادائی پر بلا شرکت احدے کونسل کی نگرانی قائم رکھنے کا انتظام کرنا جیسا حقیقت میں کہا گیا تھا خرچ کی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ یہ روپیہ تو رائیگاں ہی گیا .... حکومت پر بیرونی اثرات مثلاً مطبع عام اور حکومت کے ذی اثر حامیوں کے غرض یہ سب اس درجہ قوی تھے کہ ان سے انحراف ناممکن تھا اور خرچ کے حد سے متجاوز ہونے کی روک تھام کے لئے جو اشکال تھے وہ اس دباؤ میں آکر کارگر نہ رہے"۔

اس کے دوسرے روز سر چارلس نے یہ کہا کہ "گزشتہ ایام میں ملکہ معظمہ کی حکومت کے مطالبات کی جس شدومد کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی مخالفت کرتی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مزاحمت درحقیقت ممکن تھی۔ اور میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ مزاحمت بڑی حد تک موثر بھی تھی .... تقابل کے لئے بہترین مثال تعمیرات عامہ کے نظم و نسق کی ہے کہ ملکہ معظمہ اور کمپنی کے عہد حکومت میں یہ انتظام کیسا تھا"۔

سر چارلس ٹریولین نے گورنر مدراس کی حیثیت سے جارحانہ سرکاری خرچ اور محصولات کی بیشی کی مزاحمت اور ۱۸۵۹ء میں اس نے تمباکو پر محصول لگانے کی بھی مخالفت کی تھی۔ اپنی شہادت میں اس نے یہ بیان کیا کہ "اسی زمانے سے ہندوستان میں دو متضاد حکمت عملیاں رائج ہوئیں ایک وہ حکمت عملی تھی جس کا میں موید تھا یعنے تخفیف مصارف کی اور دوسری وہ جس کا کلکتہ اور انگلستان دلدادہ تھا یعنے بیشی محصولات کی"۔ دوسرے اور تیسرے مرتبہ اس نے جو مخالفت کی وہ اسی سنہ میں کی لیکن چوتھی دفعہ اس نے ۲۰ مارچ ۱۸۶۰ء میں پھر مزاحمت کی جس کی بنا پر اس کو خدمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ اس نے لکھا تھا کہ "محصول قوم کے املاک کا وہ حصہ ہے جس کو سرکار ضروری ملکی مصارف کے لیے قوم سے تھمیں لیتی ہے اس لئے سرکار کو مزید محصولات کے مطالبے کا کوئی

حق نہیں ہے بجز اس کے کہ سرکار یہ ثابت کردے کہ غیر ضروری مصارف کی تخفیف کے بعد بھی اس کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ بہ الفاظ دیگر کسی کمی کی تلافی کے لئے تخفیف مصارف کا طریقہ ہی سب پر مقدم ہے .... اگر ہم موجودہ منفید مطلب صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ناگوار محصولات رعایا پر عائد کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کریں تو ہمارے اور رعایا کے تعلقات ایسے ناخوش گوار بن جا سکتے ہیں کہ اس کے بعد دیسی فوج کی تخفیف بالکل ناقابل عمل ہو جاتی ہے۔ ہمیں اتنا یارا نہیں ہے کہ وقت واحد میں ایک طرف رعایا میں اور دوسری طرف فوج میں اس طرح بے چینی پھیلا کر ہم ان دونوں کو اپنا وبال جان بنالیں"۔ سر چارلس ٹریولین کی بازطلبی کا سبب اس یادداشت کا جس میں اس قدر کھلم کھلا ناگوار طور پر صداقت بیانی سے کام لیا گیا تھا شائع کرنا ہی ہوا لیکن ہندوستان کے نظم و نسق کی ضروریں ایسی تھیں کہ سر چارلس کے سے شخص کی خدمات کا سلسلہ یوں منقطع نہیں کردیا جاسکتا تھا چنانچہ اسکی بازطلبی سے تین سال کے بعد بہ حیثیت وزیر مال اس کو پھر ہندوستان بھیجا گیا۔

تخفیف مصارف پر زور دینے میں سر چارلس نے ان مشکلات کو نظر انداز نہیں کیا تھا جو اس راہ میں درپیش تھے۔ ایک طرف تقریباً تمام برطانیہ عظمیٰ اور دوسری طرف ہندوستان کے سبھی حکام و عمال کے اغراض بیشی مصارف سے وابستہ تھے۔ رعایاء ہند کو فطرتاً تخفیف مصارف سے خاص دلچسپی تھی مگر اس کو اپنے معاملات کے انتظام میں نہ کچھ دخل تھا اور نہ اس کی کبھی شنوائی ہوتی تھی۔ ٹریولین نے بڑی جرأت کے ساتھ اس عقدۂ مشکل کو بھی حل کرنے کی کوشش کی اور اسکی شہادت کا سب سے زیادہ قابل قدر حصہ وہی ہے جہاں اس نے جدید محصولات عائد کرنے سے پہلے رعایا سے مشورہ کرنے کی صلاح دی تھی۔

اس نے بیان کیا تھا کہ میری رائے میں جیسے دوسرے ممالک میں یہی اصول نافذ العمل ہے یہاں بھی ہونا چاہئے یعنے رعایا کی نیابت محصولات کے

تناسب ہونی چاہئے ۔ میرے خیال میں اوّل صوبجات میں کونسلیں قائم کرنی ضروری ہیں یعنے مقامی حکومتوں کے آٹھ صدر مرکزوں پر نیابتی شکل کی آٹھ کونسلیں قائم ہونی چاہئیں اور میں یہ نہیں کہتا کہ ابتدائے قیام میں ان کونسلوں کے ارکان کا انتخاب عامتہ الناس کی طرف سے ہونا کچھ ضروری ہے ۔ اضلاع میں بھی کونسلوں کا قیام ہونا چاہئے اور ہر ضلع میں وہاں کے سربرآوردہ اور قابل اعتماد اشخاص ایسی کونسلوں کے ارکان مقرر ہونے چاہئیں ۔ ان کے علاوہ سب شہر و بلاد اور مواضعات میں بلدیات قائم ہونے چاہئیں اور ان کے ارکان کا انتخاب براہ راست اس حد تک عمل میں آنا چاہئے جس حد تک اس اصول کی ترویج ضروری ہو اور اندیشناک خیال نہ کیجائے۔"

"دیسیوں میں ایسی سخاوت و فیاضی کچھ کم نہیں جس سے عامتہ الناس کو فیض پہنچتا ہے ۔ ملک میں جابجا قدیم ذرائع آبپاشی ۔ تالاب ۔ سرائیں اور اقسام کے رفاہ عام کے کام محض دولتمند افراد کی جود و سخا سے موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ پارسیوں اور دوسری اقوام کے سربرآوردہ اشخاص کی غیر معمولی سخاوت و فیاضی جنھوں نے گزشتہ تجارتی گرم بازاری کے زمانے میں بڑی دولت پیدا کی تھی شہرۂ آفاق ہے ۔ اگر ان کونسلوں سے محض مشاورت ہی کا کام لیا جائے تو پھر سرکاری انگریز میران مجلس کے اثر سے ان کو خلاصی نصیب نہیں ہوسکتی۔ دیسیوں کو ہر وقت بچوں کی طرح ڈوریاں پکڑ کے چلنا سکھاتے رہنے کی ضرورت کیا ہے ۔ یہ تو وہی پرانا قصہ ہوا کہ لڑکے کو اس وقت تک پانی میں قدم رکھنے نہ دیں گے جبتک پہلے اس کو تیرنا نہ آجائے ۔

ظاہر ہے کہ جب تک وہ پانی میں نہ جائے اور ہاتھ پاؤں نہ مارے اور اپنی جان کو تھوڑے سے بہت خطرے میں نہ ڈالے اس کو تیرنا کیسے آئے گا ۔ پہلے پہل دیسی لوگ جو کام کریں گے بیشک ڈرتے ڈرتے اور بڑی کفایت کے ساتھ کریں گے لیکن ان کے لئے وہ سروں کے کچھ کرنے سے یا خود ان کے طوعاً و کرہاً اپنے لئے بہت کچھ کرنے سے خوش دلی کے ساتھ ان کا تھوڑا ہی کرنا بہت ہے ۔ ان کو زیادہ روپیہ خود پیدا کرنے اور خود صرف کرنے کا موقع دیا جائے تو ان دونوں امور کی

تحریک خود بخود ان میں پیدا ہو جائے گی اور تمام نظام میں بھی اصلیت اور خوب چہل پہل پیدا ہو جائے گی اس وقت سب لوگ حقیقی ذاتی ذمہ داری کے ساتھ ان اشخاص کی نگرانی میں کام کرنے لگیں گے جن کو تفصیلی معلومات حاصل ہوں گے اور جن کو ان لوگوں پر نگرانی رکھنے اور ان سے ہر طرح باخبر رہنے سے خاص دلچسپی رہے گی یہ تمام ہندوستان کو یعنے اس ملک کی بیس کروڑ آبادی کو حکومت خود اختیاری سکھانے کا بہترین مدرسہ ہوگا۔ ہندوستان کے ساتھ ہمارے تعلقات کی غرض و غائت بھی یہی ہے اور اب تک جتنی تدبیریں اختیار کی گئی ہیں ان سب میں اس منزل کو جلد تر پہنچانے والی یہی ایک تدبیر ہے۔"

اس شہادت کو قلمبند کیے تیس ۳۰ سال گزر گئے لیکن مردم ہند کو ان کے اپنے مالیاتی معاملات میں کچھ نہ کچھ اختیار دینے کی غرض سے صوبجات کی مجالس شورای اب تک قائم نہیں کی گئیں۔ مصارف میں ہنوز تخفیف نہیں ہوی۔ محصولات کا بوجھ ہلکا نہیں کیا گیا اور تیس ۳۰ سال قبل جیسا عالمگیر افلاس پھیلا ہوا تھا اور جیسے شدید قحط بہ کثرت پڑتے تھے اس سے کہیں زیادہ حالت اب خراب ہوگئی ہے۔

اہل ہند کی عام قابلیت کے متعلق سر چارلس ٹریویلین کو ہندوستان کے پہل سالہ تجربے کی بناء پر کوئی دغدغہ نہ تھا۔

اس نے یہ کہا کہ "دیسیوں میں اچھے عہدہ داران مالگزاری بننے کی سب خوبیاں موجود ہیں۔ اکبر کے وزیر ٹوڈرمل (جس نے سب سے اول آئین مالگزاری مرتب کیے) اور پورنیا (جس نے میسور کو بڑی سرسبزی پر پہنچایا) سے لیکر مہادیو راؤ اور رامیا آئنگار (جو ایک سربرآوردہ شخص تھا گو کچھ ایسا مشہور نہ تھا) تک نظر ڈالیے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ دیسیوں میں فرائض مالگزاری انجام دینے کی خاص قابلیت ہے۔ سررشتہ کروڑگیری کے سب خدمات پر دیسیوں کو مامور کیا جاسکتا ہے۔"

"سررشتۂ عدالت ہی کو لیجئے جو بہت بڑا ہے۔ اگر دیسی اشخاص عدالت عالیہ کے ارکان بننے کے قابل ہیں تو بوجہ احسن وہ ذیلی خدمتوں پر بھی مامور ہو چکے

لائق ہیں۔

"دیسیوں نے انجینیری میں اپنی عملی قابلیت کا بخوبی ثبوت دیا ہے اور سب سے اہم ترین یہ کہ آبپاشی کی حد تک جنوبی ہند کے قدیم ذرائع آبپاشی سے اور کیا بہتر انتظام ہو سکتا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ یہ ذرائع آبپاشی خود ہمارے لئے نمونہ ہیں اور سر آرتھر کاٹن نے بڑے پیمانے پر اور بڑی ذاتی قابلیت کے ساتھ قدیم دیسی انجینیروں ہی کی نقل کی ہے"۔

تشخیص لگان اور اجرائے محصولات کے معاملے میں رعایا سے کسی نہ کسی طریقے پر مشورہ لینے کی ضرورت کو ہندوستان کے مختلف صوبجات کے دوسرے ممتاز و سربرآوردہ منتظمین مملکت نے بھی محسوس کیا تھا۔

سر بارٹل فریر نے جو بمبئی کا گورنر رہ چکا تھا کہا تھا کہ تشخیص لگان کے متعلق کاشتکاروں کے خیالات سے براہ راست واقف ہونے کے لئے کچھ نہ کچھ ذریعہ پیدا کرنے کی سخت ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ پہلے عام طور پر ان کو تشخیص لگان کے متعلق اطلاع دینے سے ان کے خیالات معلوم ہو جاتے تھے مگر جیسے جیسے ہماری کچہریوں کی مصروفیت بڑھتی گئی ویسے ویسے محصول ادا کرنے والوں کے ساتھ سابقہ روابط گھٹتے گئے اور اس طرح عوام کے خیالات معلوم کرنے کی سابق میں جیسی سہولتیں حاصل تھیں وہ سال بہ سال کم ہوتی گئیں۔ میرے خیال میں یہ بہت مناسب ہوگا کہ ہر سی سالہ پٹے کی انقضائے میعاد پر تجدید بندوبست سے پہلے اس کے متعلق کاشتکاروں اور زراعت پیشہ طبقے کے خیالات براہ راست معلوم کرنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ پیدا کیا جائے"۔

سر رابرٹ منٹگمری نے جو پنجاب میں شہرۂ آفاق خدمتیں انجام دے چکا تھا کہا تھا کہ "ہندوستان میں رعایا کو ہم سب باتوں سے بالکل بے تعلق ہی رکھتے ہیں۔ ہم خود ایک منصوبہ سوچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں کام کرنا بہت اچھا ہے اور رعایا سے اس کے متعلق کچھ پوچھے بغیر ہم خود اس کام کا سرانجام کر دیتے ہیں"۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر ہر گورنر کے لئے دیسیوں کی ایک مقامی مجلس شوریٰ

ہو جس کے ارکان کا انتخاب سال بہ سال یا وقتاً فوقتاً خود گورنر کر سکے اور اس مجلس کے سامنے ایسے خاص سوالات یا مسائل جن کا اثر رعایا کی عام فلاح و بہبود پر پڑتا ہو خواہ سوالات و مسائل اجرائے محصولات سے متعلق ہوں خواہ وضع قوانین سے خود گورنر پیش کرے تو ان کے بارے میں وہ اس مجلس کی بہتر سے بہتر رائے حاصل کر سکتا ہے اور اس رائے کے ساتھ ساتھ مقامی حکام کی بھی رائے لینے کے بعد اس کو ایک صحیح نتیجے پر پہنچنے کا موقع مل سکتا ہے۔"

رابرٹ ایلیٹ نے جس کو مدراس اور میسور کے باشندوں کے حالات سے گہری واقفیت تھی اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ سرکار اور رعایا کو ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ رہنے کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ اس لئے رعایا کی کونسلیں قائم کرنے کی اس نے صلاح دی" سب سے پہلے میں رعایا کو اس خیال کا عادی بنانا چاہتا ہوں کہ رعایا کو سرکار سے اور سرکار کو رعایا سے ہمیشہ کچھ کہنا سننا رہتا ہے اور اس نظام کو بتدریج ایسی ترقی دی جا سکتی ہے کہ وہ نیابتی اداروں تک پہنچ جائے۔"

سر چارلس ٹریویلین سے جب یہ استفسار کیا گیا کہ" اگر ایسے لوگوں کی مقامی کونسلیں قائم کی جائیں جیسا آپ نے تفصیلی طور پر بیان کیا ہے تو پھر کیا ایسے محصولات جیسے بمبئی کی مجلس وضع قوانین نے منظور کیے تھے مثلاً غیر زراعت پیشہ دیہی آبادی پر محصول یا شادی بیاہ اور جشن و ضیافت پر محصول کبھی ایسی نیابتی جماعت سے منظور و صادر ہو سکیں گے جس کے ارکان کا انتخاب رعایا کی جانب سے بالکل آزادانہ ہوا ہو؟" تو سر چارلس ٹریویلین نے اس کا یہ جواب دیا کہ" یقیناً ایسے محصولات کبھی منظور و صادر نہ ہوں گے اور دیسیوں کو ہماری کونسلوں میں شریک کرنے کے لئے یہ خود ایک نمایاں مثال ہے۔"

" اگر حکومت کسی بنفسہ ناقابل اعتراض محصول لگانے کی تحریک کرے تو ممکن ہے کہ یہ لوگ کہیں کہ" ہم اس صوبے کے باشندوں پر یہ بار ڈالنا نہیں چاہتے کسی دوسری مد میں تخفیف مصارف سے اس رقم کی گنجایش نکالنی چاہیے"۔ ایسی صورت میں کیا آپ اس فیصلے میں مداخلت گوارہ نہیں کریں گے؟" "ہرگز نہیں"۔

"کیا آپ شاہی منظوری یا نامنظوری کا حق محفوظ رکھ کر ان کو ہر قسم کی تحریک کے منظور کرنے کا خود مختارانہ اختیار دیدیں گے"؟

"جی ہاں۔ یہ تو انہی کا معاملہ ہے اور بالکل انہی سے متعلق ہے"۔ مالیاتی مجلس کے سامنے مسٹر گے کا مرتبہ ایک فرد پیش کیا گیا جس میں ۱۸۵۶-۵۷ء کے یعنی غدر کے سال ماقبل کے محصولات کا ۱۸۷۰-۷۱ء کے یعنی نظم و نسق تاج برطانیہ کے بارہویں سال کے محصولات کے ساتھ مقابلہ کیا گیا تھا۔ اس مدت میں شہنشاہی کے حدود میں توسیع نہیں ہوئی تھی۔ لوگوں کے ذرائع آمدنی۔ حرفت اور مصنوعات میں بھی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ ملک کی قابل اخذ محصول دولت اور رعایا کی مادی حالت میں کوئی ترقی یا اصلاح نہیں ہوئی تھی۔ بایں ہمہ محصولات میں بالخصوص محصولِ نمک اور محصول آمدنی میں اضافہ ہوا تھا جو حیرت انگیز ہے۔

ذیل میں چند مدات کی تفصیل درج کی جاتی ہے:-

مدات جمع	۱۸۵۶-۵۷ء	۱۸۷۰-۷۱ء
	پونڈ	پونڈ
مالگزاری	۲۰۰۴۶۷۴۸	۲۴۱۷۰۱۵۱
محصولِ آمدنی	۱۰۸۸۳۳	۲۰۷۲۰۲۵
کروڑگیری	۱۱۹۱۹۸۵	۲۹۱۰۷۸۹
نمک	۳۶۱۰۲۲۳	۶۱۰۶۲۸۰
افیون	۴۹۸۸۴۳۴	۸۰۰۴۵۴۵۹
دیگر مدات جمع	۱۹۷۴۶۸۷	۶۳۷۱۵۲۱
میزان	۳۱۹۲۰۹۱۰	۴۹۳۷۶۲۲۵

تاج برطانیہ کی دوازدہ سالہ حکومت میں محصولات میں پچاس فی صدی سے

زیادہ اضافہ ہوگیا تھا۔ دارالعوام کو انجمن بمبئی نے درخواست مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۶۸ء جو دی اس میں لکھا تھا کہ "گزشتہ بارہ سال کے اثنا میں محصول نمک میں صد فی صد کا اضافہ مدراس میں ۱۰ فی صدی کی بیشی بمبئی میں اور ۵۰ فی صدی کی افزونی ہندوستان کے دیگر اقطاع میں ہوئی تھی محصول شکار اور محصول آبکاری میں بھی صد فی صد کا اضافہ ہوگیا تھا محصول اشامپ پر بارہا نظر ثانی کی گئی تھی اور اس میں بھی اضافہ کر دیا گیا تھا اور اب یہ محصول اس درجہ پیچیدہ۔ زحمت رساں اور حد سے زیادہ ہوگیا ہے کہ اس سے اکثر انصاف کا خون ہو رہا ہے۔ محصول کروڑگیری میں متعدد مرتبہ اضافہ کیا گیا ہے۔ سنگین رسوم عدالت کے ساتھ ساتھ (۲) فی صدی محصول توریث بھی حال میں عائد کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک طرف تو ۱/۴ ۶ فی صدی ابواب اور اسی سنگین شرح پر ملازمین دیہی کے ابواب زرعی قصبات وبلاد کے ابواب پیشہ ور اہل حرفہ پر محصول۔ مکانات پر محصول۔ محصول راہداری وسائر تھے اور دوسری طرف ملک کے مختلف اقطاع میں اقسام کے دیگر مقامی محصولات جن کی مجموعی مقدار بے اندازہ اور سخت تکلیف دہ ہوگئی تھی لگا دیئے گئے تھے۔ اس پر بھی اب تحریک یہ ہے کہ چونکہ حکومت ہند نے عام طور پر متعدد صوبجات کے مختلف ملازموں اور عاملوں وغیرہ کے سالانہ مصارف میں تخفیف کر دی ہے اس لئے اس کی تلافی کی غرض سے اور جدید مقامی محصولات لگائے جائیں۔ بہ صد ادب سائلین یہ عرض کریں گے کہ انگریزی راج میں سالہا سال سے ایسے بے اندازہ محصولات رعایا پر لگا دیئے گئے ہیں جو ہندوستان کے حق میں سم قاتل سے کم نہیں تخفیف مصارف کی حکام نے کبھی جی کھول کر کوشش ہی نہیں کی حتی کہ جملہ خرچ ہر سال بڑھتے بڑھتے ۵۶-۱۸۵۵ء کے مجموعی مصارف سے اب ایک کروڑ نوے لاکھ پونڈ زیادہ ہوگیا ہے"

ہندوستان کا وطن پرست نمایندہ مسمی دادا بھائی نوروزجی جب مالیاتی مجلس کے سامنے بطور گواہ پیش ہوا تو اس نے پرزور الفاظ میں اہل ہند کے انتہائی افلاس۔ انگریزی راج میں ان کی دولت اور ذرائع آمدنی کے انحطاط اور ملک پر سنگین و روزافزوں محصولات کا حال اس مجلس کے سامنے بیان کیا۔

اس نے کہا کہ "میں ایک اہم مالیاتی امر واقع اس مجلس کے سامنے پیش کرتا ہوں میرطیدہ لندن کے الفاظ میں ممالک متحدہ برطانیہ کے محاصل اس کے اپنے ذرائع آمدنی سے سات کروڑ پونڈ ہوتے ہیں جن میں سے ملکی قرض کے سود کی ادائی کے لئے اگر دو کروڑ ستر لاکھ پونڈ منہا کر دیئے جائیں تو تقریباً چار کروڑ تیس لاکھ پونڈ حکومت کی معمولی ضرورتوں کے لئے بچتے ہیں۔ یہ رقم ملک کی ۷۰ کروڑ کی آبادی کی آمدنی کا تقریباً ½ ۵ فی صدی حصہ ہے۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے محاصل اس کے اپنے ذرائع آمدنی سے پانچ کروڑ ہوتے ہیں جن میں سے ملکی قرض اور ریلوں وغیرہ کے سود کی ادائی کے لئے اگر ۸۰ لاکھ پونڈ منہا کر دیئے جائیں تو چار کروڑ بیس لاکھ پونڈ سرکار کی معمولی ضرورتوں کے لئے بچتے ہیں۔ یہ رقم ملک کی ۳۰ کروڑ کی آبادی کی آمدنی کا ۱۴ فی صدی حصہ ہے۔ اس طرح ممالک متحدہ برطانیہ کے مقابل حکومت ہند کے مصارف ڈھائی گونہ زیادہ ہیں"۔

نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اہل ہند کے ان اعتراضات کے باوجود مصارف اور محصولات میں کچھ تخفیف نہ ہوئی۔ برخلاف اس کے لارڈ میو کے تضعیف مرکزیت کے منصوبے کی بنا پر (جس کا بیان خاص طور پر آئندہ باب میں آئے گا) صوبجات کی حکومتوں نے طرح طرح کے نئے محصول رعایا پر لگا دئے اور سر چارلس ٹریولین اور دیگر لائق منتظمین مملکت کی اس تحریک کو کہ مصارف میں تخفیف اور محصول کی ایک حد مقرر کرنے میں رعایا کو بھی کچھ کہنے سننے کا موقع دینا چاہیے بالکل نظر انداز ہی کر دیا۔

ہندوستان میں جدید ریلوں کی تعمیر اور نئے نئے مصارف عائد کرنے کے لیے انگلستان نے ایک شور بپا کر رکھا تھا۔ ہندوستان کے حکام بھی بجائے تخفیف کے از دیاد مصارف کی طرف ہی زیادہ مائل تھے۔ ہندوستان کے ذرائع آمدنی کا لحاظ کرتے ہوئے خود ہندوستان کے ضروریات کیا کم تھے کہ اس کے محاصل پر جنگ چین۔ جنگ ابی سینا۔ تار برقی اور دیگر فوجی مصارف کا مزید بار ڈالا جائے حالانکہ حق تو یہ تھا کہ مذکور الصدر جملہ مصارف کی تکمیل انگلستان کو اپنے موازنے سے کرنی چاہیے تھی۔

اس زمانے میں حکومت ہند کے "دستور" کے تحت کوئی ایسی جماعت یا مجلس موجود نہ تھی جو اس ناانصافی کی اسی طرح مزاحمت کر سکتی جس طرح ۱۸۵۸ء سے قبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظما نے کی تھی۔ وزیر ہند برطانوی مجلس وزراء کا رکن تھا اس لئے وہ مجلس وزراء کے مجتمعہ خواہشات کو رد نہیں کر سکتا تھا۔ وزیر ہند کی کونسل کے ارکان نہ تو اہل ہند کے نمایندے تھے اور نہ وہ برطانوی اثرات اور برطانوی مطالبات کی مخالفت ہی کر سکتے تھے۔ وائسرائے ہند اور اس کی کونسل کی حمایت کے لئے کوئی اہل ہند کا نمایندہ موجود نہ تھا اور ایسی حالت میں جو کچھ حکم انگلستان سے ان کو ملتا تھا اس کی تعمیل کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔

جب کبھی انڈیا کونسل پر دباؤ پڑتا تھا ہندوستان کے اغراض بالکل پامال کر دئے جاتے تھے چنانچہ مالیاتی مجلس کے سامنے لارڈ سالسبری نے (یہ ۱۸۷۴ء میں دوبارہ وزیر ہند مقرر ہوا تھا) جو شہادت دی تھی خود اس سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔

"مسٹر فاسٹ۔ پھر اس کے سیدھے سادے معنی یہ ہوئے کہ ہر وقت یہ کہے بغیر کہ کون اس طرح کرنے میں حق بجانب ہے کون نہیں وزیر ہند اس بات سے آگاہ ہے کہ نظم ونسق میں اس سرے سے اُس سرے تک ہندوستان پر ناواجبی مصارف کا بار ڈالا جاتا ہے۔ وزیر ہند بارہا اس پر اعتراض کرتا ہے مگر اس کا اعتراض کرنا ہر مرتبہ بے سود ہی ثابت ہوتا ہے۔ بظاہر اس کا کوئی علاج نہیں الا اس کے کہ وزیر ہند اُکتا کر آخرکار یہ کہنے پر آمادہ ہو جائے کہ "میں اب اس کو برداشت نہیں کر سکتا اور استعفا دینے پر بالکل تیار ہوں۔"

لارڈ سالسبری۔ اتنی دشواری تو نہیں ہے کیونکہ وزیر ہند بشرط اتفاق کونسل ہر وقت یہ تحریک منظور کرا سکتا ہے کہ فلاں فلاں رقم نہ ادا کی جائے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ ہر وزیر ایسا طریقہ اختیار کرنے سے پیچھے ہٹتا ہے کیونکہ اس سے ساری مشینری چلتے چلتے رک جائے گی۔

مسٹر فاسٹ۔ آپ کو اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ یا تو آپ مشینری کو بند ہی کر دیں یا استعفا دیدیں یا جان بوجھ کر اس ناانصافی کو چپ چاپ قبول کر لیں"

لارڈ سالسبری۔ بجز لفظ "چپ چاپ" کے میں آپ کے اس کہنے کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں اگر میں ایسی ناانصافی کو قبول بھی کر لوں گا تو ساتھ ہی ساتھ بآواز بلند فریاد کرنا بھی ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

ان اقتباسات سے حکومت ہند کی اصلی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ ہندوستان کے حق میں کیسی ہی مالیاتی ناانصافی کیوں نہو موثر طریقے پر اس کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہیں۔ روزافزوں محصولات و مصارف کی مخالفت کسی حال ممکن نہیں۔ رعایا کی نیابت کی کوئی صورت پیدا کئے بغیر اجرائے محصول کا نظام ہندوستان میں بھی ایسا ہی ناکامیاب ثابت ہوا۔ جیسا دنیا کے دوسرے سب متمدن ممالک میں ہوا تھا۔ شہنشاہی ہند کو ان آفتوں سے بچانے کے لئے جن کا نہ صرف اب تک خدشہ لگا ہوا تھا بلکہ ان آفتوں نے درحقیقت ملک کو اب آگھیر لیا تھا مدبرین مملکت کو آئندہ ہندوستان کے مالیاتی انتظام میں رعایا کی نیابت کی کوئی نہ کوئی صورت جلد تر نکالنی ناگزیر ہے۔

گیارھواں باب

اراضی پر مقامی ابواب

ہم نے پچھلے باب میں ملکۂ معظمہ کے عہد حکومت کے ابتدائی انیس سال میں عام طور پر ہندوستان کے محصولات اور ملکی قرض میں جو افزونی ہوئی تھی اس کو بالتفصیل بیان کیا ہے اور اس باب میں ان مقامی محصولات کے متعلق جن کی تعداد اسی دور میں ہندوستان کے ہر صوبے میں بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ ہمیں خاص طور پر کچھ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان مقامی محصولات کے مقاصد دو[2] تھے۔ ایک تو بظاہر یہ تھا کہ اس روپے سے تعلیم کی اشاعت اور سڑکوں کی تعمیر کی جائے جس سے ملک کی مزید اصلاح و ترقی ہو۔ دوسرا یہ کہ خزانۂ شاہی پر ان کاموں کے مصارف کا بار ڈالنے کے بجائے زیادہ تر ان جدید مقامی محصولات ہی پر ڈالا جائے۔ اس منصوبے پر اعتراضات بھی دو[2] ہی تھے۔ ایک یہ کہ رعایا پر پہلے ہی سے بیحد و بے اندازہ محصولات لگے ہوئے تھے اس پر جدید محصولات کا بار رعایا کے حق میں بے انتہا زحمت رساں تھا۔ دوسرا یہ کہ جدید ابواب اراضی پر لگائے جاتے تھے جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی اور سر چارلس وڈ کا مقررہ اصول مالگزاری یعنے دوامی بندوبست شدہ خطے ہوں کہ تیس سالہ بندوبست شدہ صوبجات

کسی صورت میں نصف آمدنی اراضی سے زیادہ کا مطالبہ نہ ہونا چاہئے ٹوٹ جاتا تھا۔

کمپنی کے عہد حکومت میں اراضی پر جو مقامی محصول لگائے جاتے تھے وہ نہ صرف کم مقدار اور خفیف تھے بلکہ عموماً قدیم دیہی رواج پر مبنی ہوتے تھے لیکن تاج برطانیہ پر حکومت شہنشاہی ہند منتقل ہوئے چھ مہینے نہ گزرے تھے کہ منتظمین مملکت اپنی توجہ اس ذریعۂ آمدنی کی طرف منعطف کرنے لگے۔ لارڈ اسٹینلی وزیر ہند اوّل نے دیہی مدارس کے مصارف کے لئے ایک مختص محصول لگانے کی ضرورت کی طرف خاص طور پر توجہ منعطف کی۔ اس کے جانشین سر چارلس وڈ نے اگرچہ ان سب اعتراضات کو تسلیم کرلیا تھا جو اراضی پر مقامی الواب عائد کرنے پر اس وقت تک کئے گئے تھے لیکن اس کا خیال یہ تھا کہ سڑکوں کو درست حالت میں رکھنے کی ذمہ داری ہر جگہ مالکان اراضی ہی پر عائد ہوتی تھی البتہ دیہی مدارس کے مصارف کے لئے کسی محصول کے لگانے سے پہلے ایک خاص قانون کا نفاذ وہ ضروری سمجھتا تھا مالگزاری کے علاوہ اراضی پر مقامی محصولات پنجاب۔ شمالی ہند اور ممالک متوسط میں لگا دئے گئے تھے اور ایسے محصول رعایا پر عاید کرنے کے لئے بمبئی میں ایک خاص قانون کا نفاذ کیا گیا تھا۔

لارڈ لارنس جو جنوری ۱۸۶۴ء سے جنوری ۱۸۶۹ء تک وائسرائے ہند رہا تھا مقامی حکومتوں کو رعایا پر جدید الواب عائد کرنے کا اختیار دینے اور عام طور پر تضعیف مرکزیت کے منصوبے (جس کو اس کے قائم مقام نے زمانہ مابعد میں اختیار کرلیا تھا) کے بالکل خلاف تھا۔ لارڈ لارنس کے خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد مالیاتی مجلس نے اس سے اس بارے میں جب استفسار کیا تو اس نے جواب دیا کہ "اس نظام کو جس کی ترویج بعد کو کی گئی اوّل میرے غور و خوض کے لئے پیش کیا گیا تھا۔ بااحتیاط تمام اس پر غور و فکر کرنے کے بعد میری رائے یہ ہوئی تھی کہ اس کی ترویج نامناسب تھی۔ میرا خیال یہ تھا کہ ہندوستان کو جس بات کی درحقیقت ضرورت تھی وہ مقامی حکومتوں کو قاعدے سے تجاوز نہ کرنے دینا تھا۔ اپنے موازنے کی ترتیب میں بھی ان حکومتوں کو اس لئے احتیاط سکھانی ضروری

تھی کہ وہ ایک مختص رقم سے بڑھ کر صرف نہ کرنے پائیں۔ مختصر یہ کہ کارہائے عظیم کی حد تک ان پر سخت قیود عائد کرنے کی درحقیقت ضرورت تھی"۔ اس کے باوجود لارنس کی حکومت نے ۱۸۶۵ء اور ۱۸۶۶ء میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ بنگالے میں سڑکوں کی تعمیر اور دیہی تعلیم کے لئے اراضی پر رعایا کے بہ رضا رغبت یا بالجبر ابواب عائد کرنا چاہئے۔

جب یہ مسئلہ فیصلۂ آخر کے لئے پیش ہوا وہ لارڈ میو کا عہد حکومت تھا۔ بنگالے کی حکومت نے ان زمینداروں پر جن کی اراضی کا دوامی بندوبست ۱۷۹۳ء میں ہوچکا تھا ان مجوزہ ابواب کے عائد کرنے کی سخت مخالفت کی تھی اور بتایا تھا کہ توسیع کاشت کے باعث منافع میں جو کچھ بیشی ہوئی تھی اس سے زمینداروں کو کچھ فائدہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا سب نفع ان کی ذیلی اسامیوں اور کاشتکاروں کو ملا تھا کیونکہ جاگیریں نئے اشخاص پر منتقل ہوگئی تھیں اور خریداروں نے جاگیری اراضی کو موجودہ قیمت ہی پر لیا تھا۔ وزیر مال مسمی جیمس ولسن اور بنگالے کے ممبر مجلس عدالت عالیہ مسمی سر بارنس پیکاک کی رائے میں اراضی پر مخصوص ابواب کا عائد کرنا دوامی بندوبست کی خلاف ورزی کے برابر تھا۔ کسی اور صوبے کے مقابل بنگالے کے محاصل کا بہت بڑا حصۂ خزانہ شاہی میں داخل ہوتا تھا۔ اس لئے تعلیمی مصارف کے لئے وہاں کی رعایا پر ابواب کا عائد کرنا نہ تو مناسب ہی تھا اور نہ قابل عمل معلوم ہوتا تھا۔ البتہ سڑکوں کی تعمیر و مرمت کے لئے ابواب عائد کرنے کے متعلق وہ لفٹننٹ گورنر کو یہ توقع تھی کہ اس غرض سے اگر ابواب عائد کئے جائیں گے تو وہ ان ابواب سے تو کم نامقبول ثابت ہوں گے جن کو محض تعلیمی اغراض کی تکمیل کے لئے عائد کیا جاتا تھا"۔

حکومت بنگالہ کے مذکورالصدر خیالات سے نہ تو لارڈ میو ہی متفق تھا اور نہ ڈیوک آرگیل جو سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ کے بعد ہی وزیر ہند مقرر ہوا تھا۔ آرگیل کی رائے یہ تھی کہ مدارس وشاہراہوں کے مصارف کے لئے ابواب کا بنگالیوں پر عائد کرنا یا نکرنا بالکل حکومت کی مرضی پر منحصر تھا لیکن اس کی اصلاح یہ تھی کہ "جب تک مقامی محصولات لگانے کے نظام اور مشینری نیز تادیۂ محصول کا اطمینان بخش طور پر قیام وتعیین نہ ہولے اس وقت تک بوہلۂ اول اس طور سے صرف اسی قدر رقم وصول کرنی

چاہیئے جس قدر سڑکوں کے لیئے ضروری معلوم ہوتی ہے"۔ ہندوستان کے عام حالات بیان کرتے ہوئے ڈیوک آرگیئل کا یہ کہنا کہ "حکومت ہند نے کل مالگذاری یا زرعی منافع سے کبھی اتنا وصول ہی نہیں کرتی کہ مزارعین اپنے محدود ذرائع آمدنی کے نظر کرتے ہوئے مزید باربرداشت کرنے کے قابل نہ رہیں" نہ صرف خلاف واقعہ تھا بلکہ اس سے ملک کے زرعی حالات اور تاریخ مالگذاری سے اس کی سراسر ناواقفیت ظاہر ہوتی تھی

یہ بھی تعجب سے خالی نہیں ہے کہ "رین اوف لا" (قانونی راج) کے مولف نے اس معاملے میں اپنے بہترین مشیروں کی رائے کی جنھوں نے اس کے لیئے اس قانون کی تشریح کرنی چاہی تھی کچھ پروانہ کی۔ وزیر ہند کی کونسل میں اس وقت اس پایہ کے لوگ تھے جیسے سر ارسکن پیری جو بمبئی کی عدالت عالیہ کا میر مجلس رہ چکا تھا۔ ہنری ٹوبی پرنسپ اور (اس نے کل عمر کو ہندوستان کے نظم و نسق کا بےمثال تجربہ حاصل تھا۔ سر ہنری منٹگمری اور سر فریڈرک ہیلی ڈے جنھوں نے ہندوستان میں صوبجات پر حکومت کی تھی اور ان لوگوں نے جو کچھ کہا تھا وہ دبی زبان سے تو کبھی نہیں کہا تھا" سر ارسکن پیری نے لکھا تھا کہ:-

"اس خیال کی تائید میں جو خود میرے خیال سے مختلف ہے بڑی باریکیاں نکالنے کی غرض سے سخت جد وجہد اور کوشش کرنے کے بعد بھی بہ ہزار پس و پیش میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ لارڈ کارنوالس اور اس کی حکومت کے ارکان وقت کے الفاظ و افعال ایسے صاف و صریح سنجیدہ وغیرہ مبہم ہیں کہ میرے خیال میں مجوزہ طریقے پر مختص محصولات کا لگانا انگریزوں کی ساکھ اور نیک نامی کو برباد کردے گا"۔

"سنہ ۱۸۵۴ء میں لارڈ ڈلہوزی بھی جو ایک مستقل مزاج شخص تھا بنگالے میں کوتوالی کی اصلاح و تنظیم کی غرض سے ایک مقامی محصول لگانے کا بے انتہا خواہشمند تھا لیکن سنہ ۱۷۹۳ء میں حکومت نے جو کچھ قول و قرار کئے تھے ان کی سر بارنس پیکاک نے ایسی اچھی تشریح کی کہ اس کو پڑھنے کے بعد ڈلہوزی کو مجبوراً میر مجلس عدالت عالیہ یعنے پیکاک کے اس زبردست اور صحیح استدلال کو ماننا ہی پڑا چنانچہ بادلِ ناخواستہ اس نے اپنے ارادے کو ترک کردیا"۔

"اس طرح حکومت کے سیدھے سادے الفاظ خود واضعین قاعدہ کی تشریح

اس خصوص میں عوام کا متفقہ عقیدہ اور عوام کے اس محقق مفہوم کو ہشتاد سالہ مدت تک سرکار کا قبول کر لینا غرض یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔ اب اس صورت واقعہ کا کیا جواب ہو سکتا ہے"۔

حکومت ہند کا کہنا یہ ہے کہ لارڈ کارنوالس کے اعلان کی دفعہ (۷) میں دوامی بندوبست کے الفاظ خواہ ایسے وسیع المعنے ہیں کہ ان کے لحاظ سے محصولات زیر بحث جائز طور پر لگائے جا سکتے ہیں۔ لیکن جب اس استدلال پر سابق میں نظر غائر ڈالی گئی تو یہ ایسا غلط ثابت ہوا کہ وزیر ہند کو اپنے ارادے سے باز آتے ہی بنی"۔

"اس کے علاوہ اور دو طرح کا استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ محصول آمدنی کے لگانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمینداروں پر مالگزاری کے علاوہ اس طرح کے محصول بھی عائد کئے جا سکتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ہندوستان کے اکثر اقطاع میں مالگزاری کے ہوتے ہوئے رعایا پر مزید ابواب عائد کئے گئے ہیں"۔

"جب کہ حکومت کے اس خاص قول و قرار کے معنی خود مابہ البحث ہوں تو پھر محصول آمدنی کے متعلق یہ استدلال پیش کرنا از روئے عقل صحیح نہیں کہ چونکہ ایک مطلق العنان حکومت نے ایک موقع پر بلا امتزاج رعایا ان سابقہ عہد و پیمان کو اپنے مفید مطلب معنی پہنا لئے تھے اس لئے حکومت کا یہ فعل اس بات کا معقول ثبوت ہے کہ حکومت کا اس قول و قرار میں ایسا مفہوم پیدا کر لینا بالکل انصاف اور حق پر مبنی تھا۔ لیکن اس کے متعلق اور دلائل پیش کرنے کی اب ضرورت نہیں کیونکہ بنگالہ کی حکومت اور زمیندار دونوں اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ شدید ضرورت کے وقت جیسے قوم کے دیگر طبقات پر محصول لگائے جا سکتے ہیں۔ اسیطرح ان پر بھی از روئے انصاف لگائے جا سکتے ہیں"۔

"ہندوستان کے دیگر اقطاع میں مالگزاری کے علاوہ جو محصولات رعایا پر لگا دئے گئے ہیں ان کے متعلق مجھ کو یہ کہنا ناگزیر ہے کہ میری رائے میں وزیر ہند واقعات کے صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے اور بنگالے کے لفٹننٹ گورنر نے جو تشریح کی وہی صحیح ہے"۔

"میں اتنا اور کہنے پر قناعت کروں گا کہ تعلیمات کی غرض سے ہندوستان

کے دیگر صوبجات میں جو مقامی ابواب عائد کیے گئے ہیں ان کی صحیح تشریح میرے خیال میں یہ ہے کہ جب کبھی یہ عائد کئے گئے ہیں اس وقت یا تو ایک مقررہ میعاد تک بندوبست کرنے کا مسئلہ زیر بحث تھا اور عہدہ دار مالگزاری اور مالک اراضی میں ردو قدح جاری تھی یا اگر بندوبست ہو چکا تھا تو قابض اراضی نے ان ابواب کو بطیب خاطر قبول کر لیا تھا“

زمینداران بنگالہ نے جب تعلیمات کے لئے مجوزہ ابواب کے خلاف کلکتے میں ایک جلسہ عام کر کے صدائے احتجاج بلند کی تو سر ارسکن پیری نے ان زمینداروں کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ ”اگرچہ اس جلسے میں انگریزی میں نہیں بلکہ دیسی زبان میں تقریریں کی گئیں لیکن وہ ایسی معقول اور سنجیدہ تھیں اور ان میں ایسے اچھے خیالات و جذبات کا اظہار کیا گیا تھا کہ املاک اراضی رکھنے والے شرفائے انگلستان کے کسی جلسے کے لئے بھی یہ تقریریں مایہ ناز سمجھی جا سکتی تھیں“

اوروں کا اختلاف رائے بھی اس سے کم زبردست نہ تھا۔ مکناٹن صاحب کی یہ رائے تھی کہ ”اگر محصول اس طرح لگانا ہی ہو تو اس کو عام طور پر لگانا چاہئے۔ یعنے دوامی بندوبست میں رقم مالگزاری کی مقدار کیا مشخص ہوی اس کے بلا لحاظ صاحب جائداد اشخاص کی منقولہ اور غیر منقولہ ہر قسم کی املاک پر لگانا چاہیئے“

سر فریڈرک کری نے مالیات ہند کی حالت بالکل ناقابل اطمینان ہونے کا اعتراف کیا اور کہا کہ تخفیف مصارف نیز کفایت شعاری کے لئے یہ صورت حال ایک بڑی زبردست وجہ تحریک تھی ”لیکن اس کی کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم اوروں کو چھوڑ کر صرف زمینداران بنگالہ پر ایک خاص محصول لگادیں بالخصوص جبکہ سر ارسکن پیری کے کاغذات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کرنے میں ان زمینداروں کے حق میں جن کے ساتھ دوامی بندوبست کے وقت تحت ضابطہ قطعی قرارداد ہوئی تھی اس کی یہ خلاف ورزی اور پیمان شکنی کے برابر تھا“

”سر ہنری منٹگمری نے کہا تھا کہ ”میری رائے میں کسی حکومت کو بلا وجہ خود ایسا موقع دینا نہیں چاہئے کہ اس پر عہد شکنی کا الزام لگایا جا سکے“

ہنری ٹوبی پرنسپ نے جس کو نظم و نسق ہند کا بہت وسیع تجربہ تھا کہا تھا کہ

"میری مظہرہ رائے کے خلاف جتنے کیفیے اس سے پہلے کبھی ہوئے ہیں ان پر غور کیجیے مجھکو اس درجہ افسوس و مایوسی نہیں ہوئی جس درجہ محض ایک رائے سے میرے مخالف غلبۂ آراء پیدا ہو جانے کی بناء پر مذکورۂ بالا مراسلے کو منظور و اجرا کرنے کا جو فیصلہ کیا گیا اس سے ہوئی کیونکہ میرے نزدیک اس مراسلے کے اصول مقررہ بالکل غلط ہیں اور ان کو تسلیم کر لینا دانشمندی کے سراسر خلاف ہے۔ اگر اس حکمت عملی پر جس کی ابتدا یوں کی گئی اور اس تدبیر پر جواب منظور ہوئی عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جائے تو ہندوستان کی کل رعایا حکومت سے برگشتہ خاطر ہو جائے گی اور اب تک عام طور پر لوگوں کو حکومت کی راست بازی اور صداقت پر جو اعتماد ہے وہ متزلزل ہو جائے گا۔"

"ممالک سبحات کی اراضی پر جو اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر قبضہ تھی مطالبہ سرکار کے دوامی تعین کی تحریک کو قبول کر لینے میں نظماء کمپنی حکومت شاہنشاہی اور پارلیمنٹ غرض یہ سب شریک تھے۔"

"اس دور کی روایات اب محو ہو چلی ہیں اور ہندوستان کے مالیاتی نظم و نسق میں ایسی نئی نئی باتیں ہو رہی ہیں جن کو افسوس یہ ہے کہ تبدیلی حکومت کی طرف منسوب کرنے کا احتمال زیادہ ہے گو حکومت کو بدلے ہوئے بارہ سال گزر گئے۔ بلا مزاحمت کسے بےحد و بےحساب محصول لگا دینے کا دعوی بجائے خود ہمیشہ خطرناک ہے چہ جائے کہ خود ملکہ کی حکومت ایک ایسی حکمت عملی کی تائید یا ایسے مطلق العنان اختیارات کا اب دعوی کرنے لگے۔ اس کی کس کو توقع تھی؟"

راس میلنگلز ایک زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک زبردست ناظم مانا جاتا تھا اور اس وقت کونسل ہند کا ایک زبردست رکن تھا۔ وہ بھی اس فعل کے ارتکاب سے جو اس کے نزدیک صداقت کے خلاف اور عہد شکنی کے برابر تھا پیچھے ہٹتا تھا۔

میلنگلز نے لکھا تھا کہ "حال کے مجریہ مراسلے میں جو منظوری صادر ہوئی ہے اس کی رو سے حکومت ہند کس حد تک ایسی کارروائی کرنے میں آپ کو حق بجانب متصور کر سکتی ہے وہ مجھکو تو بہت ہی مبہم معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اندیشہ یہ ہے کہ

حکومت ہند اس مراسلے کے بل پر کہیں ایسا کچھ نہ کر دے جس سے اُس پر عہد شکنی کا الزام لگایا جا سکے۔ انگریزی حکومت نے تقریباً ایک صدی تک بلا فصل شریفانہ طور پر ایفائے عہد کر کے جو ساکھ قائم کی تھی وہ ایک لمحے کے اندر ایسے غیر محتاط حرکات و افعال سے کالعدم ہو سکتی ہے اور اشاعت تعلیم کتنا ہی قابل تعریف مقصد کیوں نہ ہو اس کی خاطر اپنی ساکھ کھو دینا تلافی مافات نہیں کر سکتا۔ اگر راست بازی و صدق بیانی ہماری قومی خصوصیات سے خارج ہو جائیں تو پھر حیوانوں کی طرح زور و زبردستی کرنے کے سوا ہندوستان میں ہماری بقا کی کوئی اور صورت ہی نہیں ہو سکتی"۔

بنگالے میں مجوزہ محصولات پر سب سے زیادہ مستند اختلاف رائے سر فریڈرک ہیلیڈے کا تھا جو غدر کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی بنگالے کا لفٹننٹ گورنر رہ چکا تھا اور کونسل ہند کے سب ارکان سے زیادہ اس صوبے کے حالات سے واقف تھا۔ اس بات پر ہیلی ڈے کا اصرار کرنا بالکل بجا تھا کہ بنگالے کے تعلیم یافتہ اشخاص ہی کی کوششوں سے وہاں تعلیم پھیل رہی تھی اور یہ لارڈ ولیم بنٹنک کی حکمت عملی کا ایک اطمینان بخش اور فطری نتیجہ تھا۔ ان کوششوں کو اب منقطع کرنے کا سامان پیدا کر دینا بڑی بے دانشی کی بات تھی۔

ہیلی ڈے نے لکھا تھا کہ "ہر تعلیم یافتہ شخص اپنے ہمسایوں اور متعلقین کے حق میں مبلغ تعلیم ثابت ہوا ہے اور ہر زمیندار جسکے زیر قبضہ معقول اراضی ہے وہیں مدارس کے قیام و نشو و نما میں اپنے ہمسایہ پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتا رہا ہے حتیٰ کہ ۱۸۶۹ء میں دیسیوں کی تعلیم پر سرکار کا جو کچھ خرچ ہوا تھا اس کی نصف رقم انہیں لوگوں کی امداد اور چندے سے ادا ہوئی تھی جو چند سال پہلے اوروں کے افادۂ تعلیم کا سامان کرنا تو درکنار خود اپنی تعلیم کی قدر نہیں جانتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ۱۸۳۵ء کی تدبیر کا نتیجہ اب اچھی طرح نظر آنے لگا تھا جس سے بانیان تحریک کی دانشمندی اور دور اندیشی موثر طریقے پر ثابت ہوتی تھی اور بنگالے میں اگرچہ قومی تعلیم تکمیل کو ابھی نہیں پہنچی تھی پھر بھی اس کی موجودہ حالت نہایت قابل اطمینان تھی اور آئندہ کے لئے یہ ایک پُر مسرت شگون نیک تھا"۔

"ایسی حالت میں حکومت ہند نے یکایک اس خیال کا اظہار کیا کہ موجودہ

نظام سے وہ بالکل مطمئن نہیں ہے...... اور اس کا نتیجہ نکلنے تک وہ انتظار نہیں کر سکتی اس لئے اس نے خواہ مخواہ عامۃ الناس میں تعلیم پھیلانے کا اچانک طور پر انتظام کر دیا چونکہ اس منصوبے کے مصارف کثیر ہوتے تھے اور اس کام کے لئے سرکاری خزانے سے کسی قسم کی امداد نہیں مل سکتی تھی اس بنا پر حکم دیا گیا تھا کہ اجماعی مصارف کا بار جس کی مقدار لکھوکھا پونڈ تھی اس شکل میں زمینداران بنگالہ کے سر پر ڈال دیا جائے کہ وہ لوگ اپنے خام لگان پر کسی حال دو فی صدی سے کم نہ دیا کریں"

"زمینداروں نے اس پر بہت کچھ صدائے احتجاج بلند کی......

سنہ ۱۷۹۳ء کے دوامی بندوبست کے وقت ان سے وثوق کے ساتھ صاف و صریح الفاظ میں جو عہد و پیماں کیے گئے تھے ان سب کو پیش کیا یعنے لارڈ کارنوالس نے جہاں تک اس کی زبان یاری دیتی تھی ان سب کو تیقن دلایا تھا کہ جو شرح لگان ان کی اراضی پر اس وقت مقررہ کر دی گئی تھی وہی شرح " ہمیشہ کے لئے مقرر رہے گی اور اس میں کوئی ترمیم نہیں کی جائے گی " اور آیندہ کبھی ان پر " لگان۔ خراج یا تحصیل ناجائز کے طور پر کسی قسم کا مطالبہ " نہیں کیا جائے گا۔ انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ کئی مرتبہ مالی مشکلات درپیش آئیں اور کارنوالس سے لے کر کیننگ تک حکومت میں بہت متعدد تغیرات بھی ہوئے لیکن ان سب عہد و پیماں کو جو قوم سے کیے گئے تھے ہر وقت سختی کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا تھا یوں زبان دینے کے بعد اب اگر عہد شکنی کی جائے گی تو انگریزوں کی قومی راستبازی و صداقت پر دھبہ آئے بغیر نہیں رہ سکتا "

" اس صوبے کے جن جن سرکاری اشخاص سے مشورہ کیا گیا ان سبھوں نے ان شکایتوں کی تائید کی اور لفٹننٹ گورنر نے ان شکایتوں کو حکومت ہند کے ملاحظے کے لئے پیش کرتے ہوئے ایک زبردست استدلال کے ساتھ جس کا میرے خیال میں جواب نہیں ہو سکتا تھا ان میں اور زور پیدا کر دیا۔ لیکن حکومت ہند اس پر ٹس سے مس تک نہ ہوئی اور اس نے جواب دیا کہ " اس طرح کرنے کا پہلے سے وہ تہیہ کیے ہوئے ہے اور اب بھی اسی ارادے پر قائم ہے "

" سنہ ۱۸۶۰ء میں جب پہلی دفعہ محصول آمدنی لگایا گیا تھا تو اس وقت ہی زمینداران بنگالہ اس خلاف ورزی عہد پر معقول وجوہ کے ساتھ اعتراض کرنے پر

آمادہ تھے۔ لیکن انھوں نے اس سے درگزر کرکے اپنی جماعت کے سب سے سربرآوردہ شخص کے مشورے اور مثال پر کاربند رہنے کو قبول کرلیا تھا یعنے راجہ بردوان نے مجلس وضع قوانین کے نام ایک مراسلہ تحریر کیا تھا جس میں اس نے اس بات کا اظہار کردیا تھا کہ محصول آمدنی کو قبول کرکے وہ اوروں کے لئے اس وجہ سے ایک مثال بننے پر آمادہ تھا کہ یہ محصول ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ عظیم کے بعد لگایا گیا تھا اور اس بناء پر بھی کہ بلاامتیاز سب طبقوں پر یہ برابر برابر عائد ہوتا تھا۔ لیکن کوئی وجہ نہ تھی کہ ایک ایسے مراسلے کے (جو حب وطن پر مبنی تھا اور نہایت ہی برو قت لکھا گیا تھا) تحریر کرنے والے اور اس کے دوسرے زمیندار بھائیوں کے حق میں اس طرح کا اظہار خیال ایسا مضر و غیر مفید ثابت ہو کہ دوامی بندوبست کے شرائط کے بالکل صریح و صاف ہونے کے باوجود محض اس اظہار عقیدت کی بناء پر ان کی صریح خلاف ورزی کی جائے اور ان لوگوں پر ایک خاص محصول جس کا کوئی جز ان طبقات پر عائد ہی نہ ہوتا تھا جن کا اراضی سے تعلق نہ تھا بلا پس و پیش لگادیا جائے۔ پھر اس طرح کے برتاؤ سے ان لوگوں کے احساسات کو صدمہ نہ پہنچے اور ان کو یہ سخت ناگوار نہ ہو تو کیا ہو!"

ایک طرف زمینداروں اور حکومت بنگالہ کی شکایتیں اور دوسری طرف کونسل ہند کے بعض قابل ترین ارکان کا اس طریق کار سے اختلاف غرض یہ دونوں ایک ساتھ رنگ لائے۔ چنانچہ بنگالے میں اراضی پر تعلیمات کے مصارف کی تکمیل کے لئے ابواب نہیں عائد کئے گئے۔ لیکن ۱۸۷۱ء میں شاہراہ کے لئے لگان پر ۱/۲-۳ فی صدی ابواب عائد کردئے گئے اور یہ بھی ڈیوک آرگیل کے خیالات کے اتباع میں لفٹنٹ گورنر بنگالہ مسمی جورج کیمبل کی خاص کوشش کا نتیجہ تھا اس وقت بنگالے میں لوگ یہی کہتے تھے کہ ایک کیمبل کے مطلق العنان حکمت عملی کی تعمیل کے لئے دوسرا کیمبل ہی چاہئے۔

ہندوستان کے اور اقطاع میں جہاں مالگزاری کا دوامی تعین نہیں ہوا تھا اسی قبیل کے مقامی ابواب رعیت پر عائد کردیئے گئے تھے۔ سربارٹل فریر نے مالیاتی مجلس کے سامنے بیان کیا تھا کہ بمبئی میں مدارس اور شاہراہوں کیلئے جمع

مالگزاری پر ۱/۴ ۶ فی صدی کے حساب سے جو خالص لگان پر ۱/۲ ۳ فی صدی کے مساوی سمجھا جاتا تھا ابواب عائد کر دئے گئے تھے۔

بعض اقطاع میں اس ان ابواب کو اس خیال سے ملتوی کر دیا گیا تھا کہ ۳۰ سالہ بندوبست کے اندرون میعاد اگر یہ عائد کر دئے جائیں تو لوگ اس کو عہد شکنی سے تعبیر کرنے لگیں گے اور جہاں ایسے بندوبست کے وقت ان ابواب کا ذکر نہیں کیا گیا تھا وہاں بھی ان ابواب کا عائد کرنا ملتوی کر دیا گیا تھا لیکن ہر جدید بندوبست میں ان ابواب کو بندوبست کا ایک جز قرار دیا گیا تھا۔ اور جمع سرکار کے برابر یہ بھی واجب الادا تھے''

جیسا سر رابرٹ منٹگمری نے مالیاتی مجلس کے سامنے بیان کیا تھا پنجاب میں بندوبست ان اصول پر کیا گیا تھا کہ کاشت کے خالص منافع کا نصف مالکان اراضی کا حصہ اور باقی نصف بہ شکل مالگزاری سرکار کا حق قرار دیا گیا تھا اس کے علاوہ ایک فی صدی ابواب تعلیمات اور ایک فی صدی ابواب شاہ راہ بھی اراضی پر عائد کر دئے گئے تھے ''اگر اس سے زیادہ اب مالکانِ اراضی سے وصول کیا جائے گا تو میرے خیال میں ان کے لئے موجب شکایت ہوگا''

ممالک متوسط میں علاوہ لگان تعلیمات اور شاہراہوں کے لئے ابواب کا عائد کرنا مسٹر موریس کے نزدیک بالکل درست تھا۔ بشرطیکہ ان ابواب سے رعایا کو براہ راست فوری فائدہ پہنچتا ہو''

اودھ میں مالگزاری کے علاوہ اراضی پر جو اس طرح کے ابواب عائد تھے ان کی ۱/۲ ۱ فی صدی کی سابقہ شرح میں اضافہ کر کے اس کو ۱/۲ ۲ فی صدی کرنے کی تجویز ۱۸۷۱ء کا قانون مالکانِ اراضی کی ''رضامندی سے'' نافذ کر دیا گیا تھا لیکن سر چارلس وینگفیلڈ نے مالیاتی مجلس کے سامنے اسکی یہ توضیح کی کہ ''ایسی رضامندی بلا جبر و اکراہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ نظم و نسق کے اثر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور مالکانِ اراضی اس ڈر سے کہ اگر چیف کمشنر صاحب کی اس طرح کی استدعا کو وہ قبول نہ کریں تو کہیں ان کو دوسری طرح کا اس سے زیادہ نقصان نہ پہنچ جائے اپنی رضامندی ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ میرا خیال یہ بھی ہے کہ ایک فریق اور

وہ بھی زور آور فریق کا دوسرے فریق سے جو کمزور فریق ہو یہ استدعا کرنا کہ وہ معاہدے کے شرائط میں ایسا ردّو بدل قبول کرلے جو اس کے حق میں غیر مفید اور مضر ہو ایک زور آور فریق کے بالکل خلاف شان ہے .... غدر کے زمانے میں جو لوگ میری طرح مفرورین میں شریک تھے اکثر وہ ایسی باتیں سن پاتے تھے جن کا اور زمانے میں ان کے کانوں تک پہنچنا محال تھا چنانچہ شمالی ہندمیں جو ایک طریقہ سا پڑ گیا تھا کہ بندوبست کے بعد بھی لوگوں سے ان کی اس طرح کی منہ بولی رضامندی سے ابواب تعلیمات یا اسی قسم کے کوئی اور ابواب جو بندوبست کی قرارداد میں شریک نہ تھے وصول کئے جاتے تھے تو ایسا کرنا سبھی کو ناپسند تھا اور معاہدے کے بالکل خلاف سمجھا جاتا تھا“

ہنری فاسٹ۔ اگر سی[3] سالہ بندوبست کرنے کے بعد اراضی پر حکومت کے حسب دلخواہ نئے نئے ابواب عائد کئے جاسکتے ہیں تو پھر سی[3] سالہ بندوبست ہی بے معنی اور مضحکہ خیز بن جاتا ہے یا نہیں؟

سر چارلس ونگفیلڈ۔ مجھکو تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

ہنری فاسٹ۔ اور حکومت نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کے لحاظ سے اودھ میں مالکان اراضی کے حقوق کسی حال محفوظ نہیں ہیں۔ کیونکہ جیسے جیسے سرکاری ضرورتوں میں اضافہ ہوتا رہے گا ویسے ویسے ابواب پر ابواب خاطر خواہ مقدار میں عائد کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

سر چارلس ونگفیلڈ۔ یہ بالکل صحیح ہے۔

ہنری فاسٹ۔ میری دانست میں کیا آپ کا منشاء یہ ہے کہ اگر تضعیف مرکزیت کے منصوبے کا وجود نہ ہوتا تو نہ مقامی حکومت اپنے معمول کے خلاف ساڑھے تین لاکھ پونڈ سے یوں محروم ہوجاتی اور نہ اس کو اودھ میں ان جدید ابواب کے عائد کرنے کی کوئی ضرورت ہی ہوتی؟

سر چارلس ونگفیلڈ۔ ”جی ہاں! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تضعیف مرکزیت کے منصوبے کو بطور ایک عذر کے پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے اودھ کے مداخل میں ... ۱۵ پونڈ کی تخفیف ہوگئی تھی اور تضعیف مرکزیت کے حکم میں صاف لکھا

ہوا تھا کہ اس کمی کو پورا کرنا مقامی حکومتوں کا کام ہے اور اس میں ان مقامی محصولات کی طرف بھی اشارہ تھا جو اسی غرض سے لوگوں پر لگا دیے گئے تھے یا ابھی لگائے جانے والے تھے اور اودھ کا ذکر بھی اس ضمن میں آیا تھا کہ وہ ان صوبوں میں ہے جہاں اس طرح کی کمی کی تکمیل کے لئے محصول لگائے جا رہے ہیں"۔

اور سر چارلس ونگفیلڈ نے تضعیف مرکزیت کے منصوبے کی حقیقی کمزوری کو خوب بھانپا جب اس نے یہ کہا کہ "میں تضعیف مرکزیت کے منصوبے کو اس لیے ناپسند کرتا ہوں کہ مقامی حکومتوں کے لئے رعایا سے اس کے حتی المقدور وصول کرنے کا یہ باعث تحریک بن جاتا ہے اور میرا تجربہ یہ ہے کہ مقامی گورنر گھڑی میں کچھ ہیں اور گھڑی میں کچھ" شمال مغربی ممالک میں جو کچھ کیا گیا اور وہ بھی ایسے وقت جب کہ مالیاتی مجلس لندن میں اس مسئلے کی تحقیقات کر رہی تھی خود ایسا تھا جس سے مسٹر ہنری فاسٹ اور سر چارلس ونگفیلڈ کے بدتر سے بدتر خدشات کی کھلی توثیق ہوتی تھی۔ تضعیف مرکزیت کے منصوبے کے تحت جو انتظامات ہوئے تھے ان سے شمال مغربی ممالک کے مداخل میں ۴۰۸۰۳۰ پونڈ کی کمی واقع ہوئی تھی جس کی تکمیل کے لئے مقامی محصولات لگانے کی اجازت مل گئی تھی۔ وہاں کا لفٹننٹ گورنر اس کمی کو پورا کرنے پر قانع نہ تھا بلکہ اپنے اختیارات حاصلہ سے اس نے بتدریج ایسا مقامی محصول لگانا شروع کر دیا جس سے بڑھتے بڑھتے ۱،۲۰۰۰ پونڈ کی آمدنی ہونے لگی۔ چنانچہ تجدید بندوبست پر اس نے قدیم ابواب کے بجائے جن کی مجموعی شرح ۵ فی صدی تھی لگان پر دس فی صدی کی شرح پر ایک ہی ابواب عائد کر دیا۔

مدراس میں بھی بعینہٖ یہی حالت ہوئی ۔ ۱۸۷۱ء کے تضعیف مرکزیت کے حکم کی رو سے ۵۵۴۲۸ پونڈ کی کمی واقع ہوئی تھی جس کی تکمیل مقامی محصولات سے کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ حکومت مدراس نے اسی سال ایک قانون نافذ کیا تھا جس کی رو سے لگان پر $6\frac{1}{4}$ فی صدی کا ایک محصول لگا دیا گیا اور تخمینہ یہ کیا گیا تھا کہ بجائے ۱۹۷۱۰۶ پونڈ کے جو قدیم ابواب کی آمدنی تھی اس سے ۳۴۲۸۰۰ پونڈ

وصول ہوں گے۔ اس طرح شاہنشاہی حکومت نے تو صرف ۴۵۰۰۰ پونڈ کی کمی کو پورا کر لینے کی اجازت دی تھی لیکن حکومت مدراس نے اختیارات حاصلہ کو استعمال کر کے ۱۴۵۰۰۰ پونڈ کی مزید رقم بشکل ابواب وصول کرنی شروع کر دی۔

اراضی پر اس طرح کے جدید ابواب عائد کر کے ان ابواب میں بلا کسی قید کے بہ اختیار خود اضافہ کرنے سے لگان کی وہ مقررہ مقدار باقی ہی نہیں رہی جس کا دوامی تعین لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۵۵ء میں شمالی ہند میں اور سر چارلس ووڈ نے ۱۸۶۴ء میں جنوبی ہند میں کیا تھا۔ ہندوستان میں قدیم سلطنت پشتہا پشت سے مالگزاری کے مشکل مسئلے میں الجھے ہوئے تھے اور متعدد مرتبہ بڑی بڑی فاش غلطیاں کرنے کے بعد مالگزاری کی حد حقیقی آمدنی اراضی یعنی معاشی لگان کے نصف تک مقرر کر دی تھی۔ مالگزاری کے علاوہ چند مقامی ابواب بھی اراضی پر عائد کئے گئے تھے مگر ان میں سے اکثر و بیشتر مقامی رواج پر مبنی تھے اور ۱۸۷۱ء تک تو ان کی تعداد اس قدر حقیر اور مقدار اس درجہ قلیل تھی کہ ان کا گننا بھی ایک فعل عبث تھا۔ اسی لئے اہل ہند ان چند ابواب کے ہونے کو "نصف آمدنی اراضی" کے اصول کی خلاف ورزی نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ نصف صدی کے عملی تجربے کے بعد مالگزاری کی جو حد مقرر کر دی گئی تھی اس کو اب یوں بے دردی کے ساتھ ملیامیٹ کر دیا جائے اور مقامی حکومتوں کو اختیار دے دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اراضی پر بے حد و حساب ابواب عائد کریں۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہاتھ سے تو رعایا کو تحفظِ حقوق کا لاقیمت دستاویز دیا گیا مگر دوسرے ہاتھ سے اس کو ان سے چھین لیا گیا یعنی رعایا پر مطالبۂ سرکار پہلے ہی سے زراعت کے خالص منافع کا ۵۰ فی صدی حصہ تھا۔ لیکن اب دوسری قسم کے مطالبات دوسرے ناموں کے ساتھ مزید برآں ہونے لگے۔

بارھواں باب

تاریخ، نرخنامۂ محصول

درآں حالیکہ ہندوستان کے منتظمین مملکت زراعت پر اس طرح کے جدید محصولات لگا کر ہندوستان کے مالیات میں ایک توازن قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے سنہ ۱۸۸۲ء میں انگلستان سے یہ حکم پہنچا کہ زمانۂ قدیم سے اب تک بالکل جائز طور پر ایک متوسط المقدار محصول درآمد سے جو آمدنی ہو رہی تھی اس کو لنکاشائر کے صانعین کی خاطر قربان کر دیا جائے۔ ہم نے پچھلے صفحات میں ہندوستان کے نرخنامۂ محصول کا حال سنہ ۱۸۸۲ء تک تو بیان کر دیا ہے لیکن یہاں مختصراً اس کی مسلسل تاریخ کا اعادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے ان مباحث کے سمجھنے میں آسانی ہو گی جو اس کے متعلق تین سال بعد پیدا ہوئے۔

سنہ ۱۸۵۸ء میں جب شاہنشاہی ہند براہ راست ملکہ کے زیر انتظام آگئی تو اس وقت سوت اور سوتی دھاگے پر محصول درآمد بحساب قیمت ۳½ فیصدی اور برطانوی ساخت کے دیگر اشیاء پر سوتی پارچہ جات کے بشمول ۵ فی صدی تھا مگر ممالک غیر کے اشیائے تجارت پر اس سے دوچند محصول تھا

سنہ ۱۸۵۹ء میں غدر کے بعد مالیاتی دباؤ ایسا پڑا کہ تفرقی نرخنامجات ایک مرے سے سب اٹھا دیئے گئے۔ تمام سامان تعیش پر بحساب قیمت ۲۰ فیصدی اور ایک

محصول لگا دیا گیا۔ دیگر اشیا پر سوتی پارچہ جات کے بشمول ۱۰ فی صدی محصول کر دیا گیا۔ اور سوت اور سوتی دھاگے پر ۵ فی صدی۔

۱۸۶۰ء میں ہندوستان کے پہلے وزیر مال مسٹر جیمز ولسن نے تعیشات پر ۲۰ فیصدی محصول کو گھٹا کر ۱۰ فی صدی کر دیا اور سوت اور سوتی دھاگے پر ۵ فیصدی جو محصول سابق میں تھا اس کو ۱۰ فیصدی کر دیا۔ اس طرح محصول درآمد کی شرح بحساب قیمت سب چیزوں پر مساوی کر دی گئی۔ صرف بیر (شراب) انگوری شراب دارو اور تمباکو پر ایک خاص شرح پر محصول لیا جاتا تھا۔

۱۸۶۱ء میں سوت اور سوتی دھاگے پر محصول پھر ۵ فی صدی کر دیا گیا۔

۱۸۶۲ء میں سوت اور سوتی دھاگے پر جو محصول تھا اس میں اور تخفیف کر کے اس کو ۳½ فیصدی کر دیا گیا۔ نیز سوتی اور دیگر اقسام کی مصنوعات پر بھی تخفیف کے بعد ۵ فیصدی محصول کر دیا گیا۔

۱۸۶۳ء میں درآمد آہن پر تخفیف کے بعد ایک فیصدی محصول لگا دیا گیا۔

۱۸۶۴ء میں محصولات درآمد کی عام شرح ۱۰ فیصدی سے ۷½ فیصدی کر دی گئی۔

۱۸۶۷ء میں کثیر التعداد اشیا پر محصول معاف کر دیا گیا۔ وقتاً فوقتاً برآمد اشیاء پر محصول اٹھا دیا گیا اور غلہ پر جو محصول تھا صرف اسی میں اضافہ کیا گیا۔

۱۸۷۵ء میں ایک جدید قانون نرخنامۂ محصول نافذ کیا گیا جس کا ذکر ہم نے اس کتاب کے آٹھویں باب میں کیا ہے اس کی رو سے بھی حسب سابق سوت اور سوتی دھاگے پر ۳½ فی صدی اور سوتی پارچوں پر ۵ پانچ فیصدی محصول قائم رہا۔ دیگر محصولات درآمد کی طرح یہ محصولات بھی محض آمدنی کی خاطر رکھے گئے تھے اور ان سے ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ ہندوستان کی نوخاستہ روئی کی صنعت کی تامین کی جائے۔

لیکن بمبئی کی جدید روئی کی گرنیوں کو لنکیشائر کے صانعین حسد کی نظر سے

دیکھتے تھے چنانچہ ۱۸۷۷ء میں انھوں نے ان متوسط محصولات درآمد پر بھی یہ کہہ کر حملہ کیا کہ یہ دراصل تابعی محصولات ہی تھے اور زمانے نے بھی کچھ انہیں کا ساتھ دیا۔ مسٹر گلیڈسٹن نے جس کی پہلی وزارت میں آئرلینڈ میں بڑی بڑی اصلاحیں عمل میں آئی تھیں اور انگلستان میں قومی تعلیم کا نظام قائم ہوا تھا اپنی اس وزارت کے آخری زمانے میں ملک میں قبولیت عام کھو دی تھی اور اس اثنا میں وزارت کیلئے اسقدر ناقابل برداشت صورت حال پیدا ہو گئی تھی کہ انھوں نے ۱۸۷۴ء میں پارلیمنٹ برخاست کر دی۔ انتخاب عام کا وقت قریب پہنچ رہا تھا اور انتخاب عام میں اہل لنکیشائر کی رائے ہمیشہ بہت کچھ اہمیت رکھتی ہے۔ موقع اچھا تھا اس لئے ۱۲ر جنوری ۱۸۷۴ء میں منچسٹر کے ایوان تجارت نے وزیر ہند کی خدمت میں ایک محضر پیش کیا۔

اس محضر میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں سوت کی درآمد ۳½ فی صدی اور برطانوی سوتی مصنوعات کی درآمد پر ۵ فیصدی جو محصول لگایا گیا تھا وہ کئی سال پہلے کے نرخنامہ پر مبنی تھا اور اس وقت مقابل موجودہ زمانے کے گرانی تھی بنابرآں ہندوستان میں ان اشیاء کی جو حقیقی قیمت اس زمانے میں تھی اس کے لحاظ سے یہ محصول درحقیقت سوت پر ۴ فیصدی اور سوتی پارچے پر تقریباً ۶ فی صدی ہوتا تھا۔

یہ کہ سوت اور سستے گاڑھے کپڑوں کی تجارت کے لئے یہ محصولات بالکل امتناعی ثابت ہوئے تھے۔

یہ کہ ایوان تجارت کو یہ اطلاع ملی تھی کہ ہندوستان میں مہین تاگا اور کپڑا بنانے کے لئے امریکہ اور مصر کی تمام روئی بلا محصول وہاں درآمد کرنے کی تجویز ہو رہی تھی اور یہ لازمی بات تھی کہ ان مصنوعات کا اس مال تجارت سے مقابلہ رہے گا جس کی انگلستان سے ہندوستان میں درآمد ہونے پر محصول لیا جاتا تھا۔

یہ کہ برطانوی ہند میں روئی کے مصنوعات کی تجارت تامین کے تحت اس طرح نشو و نما پا رہی تھی کہ برطانیہ عظمی کے علاوہ خود ہندوستان کے لئے یہ صورت حال نہایت ہی غیر مفید معلوم ہوتی تھی۔

یہ کہ ان محصولات سے دیسیوں یا کم سے کم مفلوک الحال دیسیوں کے پہننے کیلئے

کپڑوں کی قیمت گراں ہوجاتی تھی جس سے ان کی صحت آسایش اور راحت میں خلل پڑتا تھا۔

بنا براں محضر پیش کرنے والوں کی استدعا یہ تھی کہ سوت اور سوتی پارچہ جات کی درآمد پر ہندوستان میں جو محصول لگایا گیا تھا اس پر جلد سے جلد اس غرض سے توجہ مبذول کی جائے گی کہ اس کو بالکل مسدود کر دیا جائے۔

اس محضر کی نقل وصول ہونے پر حکومت ہند نے یہ بتایا کہ ۱۸۷۹ء کے آغاز میں نرخنامۂ محصول پر بہ احتیاط تمام نظر ثانی کی گئی تھی اور سوت اور سوتی پارچہ جات کی اس مالیت میں جس پر محصول قابل اخذ تھا بہت کچھ تخفیف کر دی گئی تھی۔ با ایں ہمہ حکومت نے یہ وعدہ کیا کہ آیندہ موسم سرما میں نرخنامہ محصول پر پھر نظر ثانی کرنے کی غرض سے ایک مجلس منعقد کی جائے گی۔

اس جواب سے منچسٹر کے ایوان تجارت کو اطمینان نہ ہوا۔ اس نے وزیر ہند کو بطور یاد دہی یہ لکھا کہ محضر میں تشخیص مالیت کا ضمناً ذکر کیا گیا تھا لیکن اس کا اصل مقصد اور استدعا یہ تھی کہ خود محصولات کو کلیتاً فوری منسوخ کر دیا جائے۔

ایوانِ تجارت نے یہ بھی تحریر کیا کہ "تجارت پر اور ہندوستان و انگلستان دونوں ممالک میں ملکۂ معظمہ کی رعایا کے حقیقی مفاد پر ان محصولات کا جو مہلک اثر مرتب ہوتا ہے اس کی توثیق خود بمبئی کی تازہ ترین اطلاعات سے کافی طور پر ہوتی ہے۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ درآمد اشیاء پر محصول لگانے سے ہندوستان میں سوت کاتنے اور سوتی کپڑا بننے کی ایسی تائید ہوتی ہے جس سے نئی گرنیاں کثیر تعداد میں وہاں قائم کرنے کی اب تجویزیں ہو رہی ہیں"۔

محصول وصول کرنے کی غرض سے تشخیص مالیت پر نظر ثانی کرنے کیلئے حکومت ہند نے نومبر ۱۸۷۹ء میں حسب وعدہ ایک مجلس مقرر کی۔ مسٹر الانز ہیوم سی۔ بی اس کا میر مجلس مقرر ہوا اور ارکان سب کے سب یا انگریز تاجر تھے یا عہدہ داران سرکاری۔ اس مجلس کے ارکان میں بعض باتوں میں اختلاف رائے تو تھا لیکن سوت اور سوتی پارچوں پر محصول درآمد کی تنسیخ کا جو مطالبہ منچسٹر نے کیا تھا اس کو نامنظور

کرنے میں سب متفق الخیال تھے۔

اس زمانے میں لارڈ نارتھبرک وائسرائے تھا اور یہ ازحد تاپا آزاد تجارت ہی کا حامی تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ایک زبردست اور منصف مزاج حکمراں بھی تھا اور ایک ایسے ذریعۂ آمدنی سے دستبردار ہونا نہیں چاہتا تھا جس میں تاہین کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس مجلس کی رپورٹ پر کامل غور و خوض کرنے کے بعد اس وائسرائے نے بہ اجلاس کونسل ۱۸۷۵ء میں جدید قانون زرخنانۂ محصول منظور کرلیا۔

اس جدید قانون کی رو سے نیل۔ چاول اور لاکھ کے سوا جملہ اشیا پر محصول برآمد معاف کردیا گیا۔

سوتی دھاگے اور سوتی مال پر اس نے محصول درآمد بحالہ رکھا کیونکہ اس کی رائے یہ تھی کہ "سوتی مال پر بہ حساب قیمت ۵ فی صدی محصول قائم رکھا جائے تو عملی طور پر دیسی صانعین کو اس سے تاہین حاصل نہیں ہوتی"۔

جو اشیاء قابلِ اخذ محصول تھے ان کی مالیت میں بہت کچھ تخفیف کردی گئی۔

دیسی روئی پر جس کا تار لمبا ہوتا تھا اس نے ۵ فیصدی محصول درآمد اس لئے لگا دیا کہ ہندوستان کی گرنیاں مہین پارچہ بنانے میں اپنے تجارتی حریفوں سے کہیں زیادہ فائدہ میں نہ رہیں بلکہ اوروں سے ان کا مقابلہ برابر کا رہے۔

محصولات درآمد کی عام شرح میں تخفیف کرکے اس کو ۵ فیصدی کردیا گیا وارد وادر انگوری شراب پر جو محصول تھا اس میں اضافہ کردیا گیا۔

قابلِ محصول سوتی پارچہ جات کی مالیت میں تخفیف کرنے سے محاصل ہند کو (۸۸۰۰۰) کا خسارہ اٹھانا پڑا اور ۱۸۷۵ء کے قانون زرخنانۂ محصول سے محاصل ہند کو جو نقصان پہنچا اس کی جملہ رقم اگر دس روپے ایک پونڈ کے مساوی قرار دیے جائیں تو (۳۰۰۰۰) پونڈ ہوتی تھی لیکن سوت اور سوتی مال پر محصول درآمد بحالہ قائم رکھنے سے لارڈ نارتھبرک نے محاصل ہند میں مزید (۰۰۰۰۰) پونڈ کا خسارہ ہونے سے ملک کو بچا لیا۔ اسی اثنا میں برطانیہ عظمیٰ کے انتخاب عام کا

یہ نتیجہ نکلا کہ قدامت پسند جماعت کو غلبۂ رائے حاصل ہو گیا ۔ چنانچہ ۱۸۷۴ء میں جدت پسند گروہ وزارت سے مستعفی ہو گیا ۔

مسٹر ڈزریلی نے حکومت قدامت پسند قائم کی اور ڈیوک آرگیل کے بجائے لارڈ سالسبری کو وزیر ہند مقرر کیا ۔ لارڈ سالسبری آزاد تجارت کا کوئی جوشیلا حامی نہ تھا لیکن لینکاشیر سے مصالحت کی صورت پیدا کرنے کا اس کو بڑا شوق تھا جولائی ۱۸۷۵ء میں اس نے وائسرائے ہند کو لکھا کہ

"اگر یہ سچ ہے کہ اس محصول کے باعث انگریزوں کو تجارتی مقابلہ کا کوئی موقع نہیں ملتا اور وہ میدان میں آ کر اپنا حوصلہ نکالنے سے محروم رہ جاتے ہیں نیز اس محصول کی وجہ سے ضروریات زندگی کی ایک شئے خود کثیر التعداد ہندوستانیوں کے لئے گراں بن جاتی ہے تو یہ کہنا میرے لئے غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت حال معاشی نقطۂ نظر سے سخت اعتراض کے قابل ہے ۔ میرا خیال یہ نہیں ہے کہ اس محصول سے واقعی ایسا اثر ہوتا ہے لیکن میں ان سیاسی برائیوں اور خرابیوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا جو اس معاملے کے متعلق عوام کے صحیح یا غیر صحیح خیالات سے پیدا ہو رہی ہیں ۔

" یہ وجوہ ایسے ہیں کہ بیشک خود آنجناب خیال فرما سکتے ہیں کہ ہندوستان کی مالی حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاں تک جلد ممکن ہو اس خطرناک قضیہ کو رفع دفع کرنا ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے "

۱۸۷۵ء میں ۵ راگست کو لارڈ نارتھ برک نے لارڈ سالسبری کو بذریعہ تار برقی جدید قانون نرخنامۂ محصول کے اسی روز منظور ہونے کی اطلاع دی جس روز یہ منظور ہوا تھا ۔ ہم یہاں اس تار برقی کا وہ پہلا حصہ نقل کرتے ہیں جس میں اس ردو بدل تغیر و ترمیم کی تفصیل درج تھی جس کا ذکر ہم نے اس سے قبل کیا ہے ۔

"محصول درآمد و برآمد پر نظر ثانی کرنے کے لئے آج قانون نافذ کیا گیا ۔

"محصول برآمد موقوف کر دیا گیا سوائے نیل ۔ دھان ۔ چاول اور لاکھ کے جن پر یہ بحالہ قائم ہے ۔

"محصول درآمد کی عام شرح میں تخفیف کرکے یہ ۷½ سے ۵ فی صدی کردی گئی (تشخیص) مالیت اشیاء پر نظر ثانی کی گئی۔

"سوتی مال پر محصول درآمد میں تبدیلی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی لیکن اس کی مالیت میں تخفیف کی گئی جس سے آمدنی میں (۸۰۰۰۰) پونڈ کی کمی ہوتی ہے۔

"لمبے تار والی خام روئی پر ۵ فیصدی محصول درآمد لگا دیا گیا۔

"دارو پر جو لندن کے معیار کے برابر تیز ہو فی گیلن ۲ روپیہ سے ۴ روپیہ محصول کر دیا گیا۔

"انگوری شراب پر ڈیڑھ سے اڑھائی روپے فی گیلن محصول کر دیا گیا اور کلارٹ اور برگنڈی کے بہ استثناء دیگر اقسام کی شراب پر ایک روپیہ فی گیلن کے بجائے ڈیڑھ روپیہ فی گیلن محصول لگا دیا گیا۔"

اس تاربرقی کے آخر میں یہ بتایا گیا تھا کہ اس قانون کے تحت محاصل ہند میں ۴۰۸۰۰۰ پونڈ کا خالص خسارہ ہوتا تھا۔

اس پر بھی لارڈ سالسبری کو کچھ اطمینان نہ ہوا۔ اس نے بذریعۂ تاربرقی یہ جواب دیا کہ "اس قانون کے شرائط بہت ہی اہم ہیں لیکن بعض ان میں قابل اعتراض بھی ہیں۔" اور وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ مراسلہ نشان ۹ بابتہ ۱۸۷۴ء صیغۂ وضع قوانین کے موافق پیش از پیش وزیر ہند سے استمزاج کئے بغیر یہ قانون کیوں نافذ کیا گیا۔"

اس پر وائسرائے اور وزیر ہند کے درمیان ناخوشگوار مراسلت ہونے لگی۔ لارڈ نارتھ برک اور اس کی کونسل نے اگست ۱۸۷۵ء میں اپنے فعل کی یہ تشریح کی کہ یہ معاملہ اشد ضروری تھا اس لئے تاخیر نہیں کی جا سکتی تھی۔ اگر وزیر ہند سے استمزاج کیا جاتا تو اندیشہ یہ تھا کہ حکومت ہند کے اس ارادے کا انکشاف ہو جاتا جس سے تجارت کو بھی زحمت ہوتی۔

لارڈ سالسبری کو اس تشریح سے بھی کچھ اطمینان نہ ہوا۔ نومبر ۱۸۷۵ء میں اپنے نائب سر لوئی میلٹ کو ہندوستان بھیجنے کی اس نے تجویز کی تا وہاں پہنچ کر حکومت ہند سے

ان محصولات کے متعلق مشورہ کرے۔ ساتھ ہی ساتھ سوتی پارچہ جات پر بتدریج محصول کے کلیتاً موقوف کر دینے کی سالسبری نے صلاح دی۔

لارڈ نارتھ برک اور اس کی کونسل نے فروری ۱۸۷۶ء میں یہ جواب دیا کہ ایک ایسے محصول سے "جس سے ۰۰۰۰۰۰ پونڈ سے زیادہ آمدنی ہو رہی تھی" اس طرح خواہ مخواہ دست بردار ہو جانا نامناسب تھا" اور یہ کہ "کوئی ایسی نظیر بھی نہیں کہ حکومت وطن کے حکم سے ایک ایسی تجویز زیر عمل لائی جائے۔ جیسے اس محصول کی موقوفی جس سے نہ صرف مالیات کا مستقبل ہی بری طرح متاثر ہوتا تھا بلکہ حال بھی کیونکہ اس سے سالانہ ۰۰۰۰۰ ۸ پونڈ کی آمدنی ہوتی تھی" لارڈ نارتھ برک اور اس کی کونسل نے آخر میں لکھا تھا کہ "ہمارا یہ فریضہ ہے کہ ہم اس معاملے کو محض مفاد ہند کے نقطۂ نظر سے دیکھیں اور ہم نہیں سمجھتے کہ سوتی مصنوعات پر اس محصول کا اٹھا دینا ہندوستان کے مفاد کے موافق ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس مراسلے میں اس عقدے کے واقعات اور ہندوستان کے مالیات کی جو تفصیل درج ہے اس کے ملاحظے سے واضح ہو جائے گا کہ اس محصول کا حقیقی نتیجہ وہ نہیں ہے جو فرض کر لیا گیا ہے اور یہ کہ ہندوستان کے مالیات کو خطرے میں ڈالے بغیر اس محصول کو موقوف نہیں کیا جا سکتا اور اس کے بجائے جدید محصولات کا لگانا ملک میں سخت بے چینی پھیلاتا ہے"۔

اس کے علاوہ وائسرائے کے افعال پر جو قیود وزیر ہند نے عائد کئے تھے ان پر ایک اور مراسلے میں جو مارچ ۱۸۷۶ء کا مورخہ تھا لارڈ نارتھ برک نے اعتراض کیا کہ "ملکہ معظمہ کی خدمت میں یہ عرض کر دینا ہمارا فریضہ ہے کہ اہم ترین مواقع پیش آنے پر بروقت فوری کارروائی کرنے کا اختیار اگر گورنر جنرل اور اس کی کونسل سے چھین لیا جائے تو ہماری رائے میں اس سے حکومت ہند کا اقتدار کمزور ہو جائے گا اور وقتاً فوقتاً مناسب حال عاملانہ تدابیر اختیار کرنے میں خلل پڑ جائیگا"۔

لارڈ نارتھ برک کو جو ایک نہایت ہی صحیح رائے رکھنے والا دانشور وائسرائے تھا برطانوی کابینہ کی اس جدید حکمت عملی سے اختلاف تھا۔ نہ وہ اس سرحدی

حکمت عملی پر جس کی بنا پر حکومت قدامت پسند تھی کاربند رہ سکتا تھا اور نہ وہ اس حکمت عملی کو جو لنیکیشٹر کے حسب ایما متغیر ہوگئی تھی قبول کر سکتا تھا اس لئے اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر ۱۸۷۶ء کے اوائل میں اس نے ہندوستان کو خیر باد کہا۔

اس کتاب کے قارئین کے لئے اس بات کا معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ہندوستان کے محصول درآمد کی معافی کے مسئلے میں اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لئے نائب وزیر ہند کو ہندوستان بھیجنے کی تجویز کی جو ۲۰ ستمبر ۱۸۷۵ء میں بذریعہ تار برقی لارڈ سالسبری نے پیش کی تھی کونسل ہند نے کس حد تک تائید کی۔

کونسل ہند کے ایک زبردست ترین رکن مسمی سر ارسکن پری نے اس تار برقی پر اعتراض کیا اور ذیل کے امور کو ضبط تحریر میں لایا۔ "حکومت ہند بہ لحاظ ضرورت مطلق العنان ہے اور حکومت وطن کا کام یہ ہے کہ اس مطلق العنانی کے ساتھ ساتھ جو اور باتیں ہوتی ہیں مثلاً تلون، جلد بازی اور ناانصافی ان کو وقوع میں نہ آنے دینے کی غرض سے حکومت ہند کی مجوزہ تجاویز پر بہ احتیاط تمام نظر ثانی کرے اگر ہندوستان میں تجاویز سوچنے کے اثنا میں بذریعہ تار برقی ہمیشہ مداخلت ہی کرنے کا منشا ہو تو اس سے اس ملک پر حکومت کرنے میں جو مشکلات پہلے ہی سے موجود ہیں ان میں اور اضافہ ہو جائے گا اور ممتاز مدبرین مملکت گورنر جنرل کے عہدے کو قبول کرنے سے نفرت کرنے لگیں گے۔"

سر ہنری منٹگمری سترہ سال تک کونسل کا رکن رہ چکا تھا مگر اس مدت مدید میں ایک بھی واقعہ اس کی نظر سے ایسا نہیں گزرا تھا جب کہ کسی نائب وزیر ہند کو مالی حکمت عملی کے بارے میں حکومت ہند سے مشورہ کرنے کے لئے ہندوستان بھیجا گیا ہو۔ یہ کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ہندوستان کی مالی حکمت عملی میں زیر غور تغیرات کے متعلق جو کچھ کارروائی ہوئی تھی منٹگمری کو باوجود اس کے رکن کونسل ہونے کے اس مراسلت کے معائنہ کا کبھی موقع ہی نہیں دیا گیا۔ اس نے لکھا تھا کہ "سرکاری یا غیر سرکاری کسی قسم کے وثائق واسناد کے دیکھنے کا مجھکو موقع نہیں دیا گیا اور نہ میں ان اعترافات ہی سے واقف ہوں جو وزیر ہند نے وائسرائے کی مالیاتی حکمت عملی پر کیے تھے .... میں نے حکومت ہند کی سرکاری

مسئلوں کی روداد کو ایک نظر بھی نہیں دیکھا۔ وزیر ہند کے اعتراضات سے بالکل ناواقف ہوں اور اپنے رفقاء کار سے کسی قسم کا مشورہ کرنے کا مجھکو اب تک موقع نہیں ملا ہے مگر ان سب باتوں کے باوجود میں ایک ایسی تجویز کی طرفداری سے قطعی انکار کرنے پر مجبور ہوں جس سے میری دانست میں ہر طرح کی کشاکش دور ہونے کے بجائے ایک بڑی آزمایش کا وقت پیدا ہو جائے گا اور نتیجہ کار یہ ہوگا کہ اس اہم موقع پر لارڈ نارتھ برک کے سے شخص کے تجربے اور قابلیت سے ہندوستان محروم ہو جائے گا۔''

خود جنرل رچرڈ اسٹریچی نے جو سوتی مال پر محصول درآمد موقوف کر دینے کے مسئلے میں اصولاً لارڈ سالسبری کا متفق الخیال تھا لکھا تھا کہ ''کونسل میں پہلے جس تار برقی کو بھیجنے کی تجویز پیش کی گئی تھی اس کے مسودے پر اس لئے مجھ کو اعتراض تھا کہ اس سے کونسل کے لئے خواہ مخواہ قبل از وقت ایسے مسائل پر جس کے متعلقہ کاغذات اس سے پہلے کونسل کے روبرو کبھی پیش ہی نہیں ہوئے تھے ایک خاص رائے قبول کر لینا ناگزیر بن جائے گا۔''

کونسل کے نائب میر مجلس سر رابرٹ منٹگمری نے توضیحاً یہ بیان کیا کہ کونسل کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ لارڈ نارتھ برک کے نرخنامہ محصول پر ناپسندیدگی کا اظہار کرے اور لارڈ سالسبری نے جس کو لینکیشہ کو خوش کرنے کی ایسی عجلت تھی کہ وہ اس بارے میں اپنی کونسل سے پیش از پیش مشورہ تک کرنا بھول گیا تھا اپنی طینت کے موافق یہ توضیح پیش کی کہ میں اس سے واقف نہ تھا کہ کونسل کے ارکان کو ان کاغذات کے پڑھنے کا موقع نہیں ملا ہے۔''

جب لارڈ لٹن نارتھ برک کی جگہ وائسرائے مقرر ہوا تو لارڈ سالسبری کے لئے رستہ بالکل صاف ہو گیا۔ ۳۱ رمئی ۱۸۷۶ء میں لارڈ سالسبری نے دو(۲) مراسلے گورنر جنرل کے نام تحریر کئے۔ ایک مراسلے میں اس نے سوتی پارچہ جات پر محصول درآمد موقوف کر دینے کے متعلق یہ اصرار لکھا تھا اور دوسرے میں وزیر ہند کے ساتھ حکومت ہند کے تعلقات کی توضیح کی تھی۔ ان دونوں مراسلوں کے بارے میں لارڈ سالسبری کی کونسل کے ارکان نے بہ غلبۂ آرا اس کا ساتھ دیا لیکن بالیاقی

حکمت علی کے مسئلے میں سر فریڈرک ہیلی ڈے ۔ سر ہیارو والبس اور سر ارسکن پیری نے اور وزیر ہند کے ساتھ حکومت ہند کے تعلقات کے تعین کے بارے میں سر ارسکن پیری اور سر رابرٹ منٹگمری نے سخت اختلاف ظاہر کیا۔

یہاں ان اختلافات کی تفصیل میں جانا غیر ضروری ہے ۔ سر فریڈرک ہیلی ڈے نے لکھا تھا کہ ” صرف اسی حد تک ان محصولات کو موقوف کر دینا چاہیئے ۔ جس حد تک یہ فی الحقیقت تامینی ہیں اور آیندہ بھی صرف اسی حد تک ان کو موقوف کرنا چاہیے جس حد تک یہ تامینی شکل اختیار کر لیں ۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایک ایسے کار آمد اور ضروری ذریعۂ آمدنی سے جس پر تامین کا قطعاً کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا اس وقت تک جب کہ اس پر اسی قسم کا اعتراض عائد ہو کیوں اب دست بردار ہو جانا چاہیئے“۔

سر ارسکن پیری نے یہ بحث کی تھی کہ نظم و نسق ہند میں کسی بات کا آغاز کرنا تو بالکلیہ حکومت ہند سے متعلق ہونا چاہیئے اور اس پر نظر ثانی کرنا وزیر ہند سے ۔“ اگر خود وزیر ہند اس طرح کسی کام کی ابتدا کرنے کا مختار ہو تو اس پر مکمل طور پر غور و خوض کرنے کا موقع نہیں رہتا کیونکہ پھر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہیں رہتا“۔

لیکن وہ ارکان ہی جن کو اس طرح کا اختلاف تھا قلت آرا رکھتے تھے اور سوتی مال پر محصول درآمد کی تنسیخ کے مطالبے کی تائید میں لارڈ سالسبری کے ساتھ کونسل کا غلبۂ آرا تھا ۔ لارڈ لٹن کو بھی اس کی تعمیل میں کچھ عذر نہ تھا مگر ایسے وقت میں ہندوستان میں ایک نئی مشکل رونما ہوئی ۔ یہ مدراس کا وہ ہولناک قحط تھا جس سے اس صدی میں پہلی دفعہ ایسے شدید ترین مہلک نتائج پیدا ہوئے تھے کہ حکام ہند تشش و پنج میں پڑ گئے ۔ جدید وزیر مال مسمی سر جان اسٹریچی نے ۱۵ر مارچ ۱۸۷۷ء میں حسب ذیل تقریر کی ۔

” فرسودگی نقرہ کی وجہ سے ایسی مالی مشکلات پیدا ہو گئی تھیں کہ گزشتہ سال عملی طور پر اس جانب قدم نہیں بڑھایا جا سکتا تھا کیونکہ ایسے نازک وقت میں کسی قسم کی بھی آمدنی سے دست کش ہونا عقلمندی نہیں سمجھی جا سکتی تھی اور وزیر ہند نے بھی اس فیصلے سے اتفاق کیا ۔ نہایت افسوس کے ساتھ مجھکو یہ کہنا پڑتا ہے کہ انھیں وجوہ کی بنا پر جو سال گزشتہ بھی موجود تھے اس

سال بھی یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ان محصولات کی تنسیخ کے متعلق ایسے وقت میں کچھ نہیں کیا جا سکتا قحط کے باعث مالی مشکلات کچھ ایسی درپیش ہیں کہ ہم کسی قسم کے ذریعہ آمدنی سے دست بردار نہیں ہو سکتے ۔"

لیکن لینکا شائر کا اضطراب بڑھ رہا تھا۔ برطانیہ عظمیٰ میں کسی سیاسی گروہ کو نہ لینکا شائر کی رائے زنی سے چشم پوشی کرنے کا یارا تھا اور نہ مسٹر ڈزرئیلی کی حکومت ایسی کوئی خواہش ہی رکھتی تھی ۔ ۱۱ جولائی ۱۸۷۷ء میں در آنحالیکہ برطانوی اخباروں میں قحط مدراس کے ہولناک حالات شائع ہو رہے تھے برطانوی دارالعوام نے سوتی مال پر محصول درآمد کی تنسیخ میں عجلت اور حرکت پیدا کر دینے کی غرض سے حسب ذیل تحریک کو منظور کرنا مناسب خیال کیا ۔

"کہ اس مجلس کی رائے میں ہندوستان میں سوتی مصنوعات کی درآمد پر فی الوقت جو محصول لگایا گیا ہے وہ اپنی نوعیت میں تامینی ہے اور صحیح تجارتی حکمت عملی کے بھی بالکل خلاف ہے اس لئے جتنا جلد ہندوستان کی مالی حالت اس بات کی اجازت دے بلا تاخیر مزید اس محصول کو منسوخ کر دینا چاہیئے ۔"

اس تحریک کی مذکورۂ بالا شرط کچھ معنی نہیں رکھتی ۔ غدر کے بعد سے ہندوستان کی مالی حالت خود ایسی رہی تھی کہ کسی قسم کے ذریعۂ آمدنی کی موقوفی کا موقع اور امکان ہی نہ تھا ۔ فاضلات محاصل کی خاطر اراضی پر ابواب عائد کئے گئے تھے ان کے وصول کا طریقہ تشدّد آمیز اور ظالمانہ تھا اور چاہیئے یہ تھا کہ کسی اور قسم کے ذریعۂ آمدنی کو موقوف کرنے کے بجائے پہلے ان جدید ابواب ہی کو منسوخ کیا جاتا لیکن دارالعوام کی اس تحریک کا نہ یہ منشا سمجھا گیا اور نہ یہ منشا سمجھنا ہی اس کا مقصود تھا ۔

لارڈ سالسبری نے دارالعوام کی اس تحریک کی نقل حکومت ہند کے پاس بھیجدی اور بڑی تشویش کے ساتھ اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی کیا کہ "معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان میں اور پانچ گرنیاں کام شروع کرنے کو ہیں اور یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ مارچ ۱۸۸۱ء کے ختم تک ہندوستان میں ۱۲۳۱۲۸۴ تکلے کام کرنے لگیں گے ۔"

اسی بنا پر حکومت ہند نے برطانوی ساخت کے ان چند اشیاء کو جن کے متعلق یہ گمان کیا جاتا تھا کہ ان کا ہندوستانی مصنوعات سے تجارتی مقابلہ تھا

سال مابعد میں محصول درآمد سے مستثنیٰ کر کے مزید محاصل کی قربانی گوارا کرلی ۔" یہ کورے "ٹ" نشان کے) پارچے تھے" جن کا بانا (۴۰) گنگیوں سے زیادہ نہ تھا مثلاً جین ۔ وریل ۔ گھر کی خانگی ضروریات کے پارچہ جات جو چادروں وبستر پوش وغیرہ کے کام میں آتے تھے .... حکومت ہند کا ارادہ یہ تھا کہ اشیائے تجارت کو محصول سے مستثنیٰ کرنے کی ابتداء اسی قسم کے پارچوں سے ہو مگر شرط یہ ہے کہ ان پارچہ جات میں اس سے زیادہ مہین سوت نہو جو "۳۰ ایس" کہلاتا ہے یعنے ایسا سوت ہو کہ اس کی ۳۰ لچھیاں (جن میں ہر ایک (۸۴۰) گز کی ہو) آدھ سیر سے بڑھ کر وزن میں نہوں ۔ ۱۸۷۶ء کے اعداد پر سے اندازہ لگایا گیا تھا کہ محاصل میں ۲۲۲۰ پونڈ سے زیادہ خسارہ نہو گا"

اس پر بھی منچسٹر کے ایوان تجارت کو کچھ ایسا اطمینان نہوا ۔ کیونکہ اس کا منشاء یہ تھا کہ اس فہرست میں جو محصول سے مستثنیٰ مال کی بنائی گئی تھی مزید اشیاء کو شریک کرنا چاہیئے تھا اس کو اس پر بھی اعتراض تھا کہ قمیصوں کے کپڑے اور لٹھے پر جو "۳۰ ایس" سوت ہی کے بنے ہوئے تھے اور گاڑھے سوت پر بھی محصول لیا جاتا تھا ۔ محصول سے مستثنیٰ کرنے کے لئے سوت پر جو قیود عائد کیے گئے تھے وہ بھی نہایت قابل اعتراض تھے ۔" اسی بنا پر وزیر ہند کی خدمت میں یہ تحریک پیش کرنے کا ارادہ کیا گیا تھا کہ جدید موازنہ ہند کے ان شرائط کو جو سوتی مصنوعات سے متعلق تھے آسان کر دینے کی غرض سے اس مال کے علاوہ جس میں "۳۰ ایس" سے زیادہ باریک سوت نہ ہوتا تھا "۲۶ ایس" کے سلسلہ شمار تک بن سوت اور "۲۴ ایس" کے سلسلہ شمار تک چرخے کے سوت کو بھی محصول سے مستثنیٰ کر دینا مناسب تھا ۔"

جدید وائسرائے ہند یعنے لارڈ لٹن تو بلا کسی شرط کے ان تمام مطالبات کو تسلیم کر لینے پر بالکل آمادہ تھا لیکن باایں ہمہ ملازمین دیوانی ہند اس لئے خاص طور پر قابل ستائش ہیں کہ وائسرائے کی کونسل کے ان ارکان نے یہ غلبۂ آزاد حکمی اور دباؤ میں آکر اس طرح سب کچھ قبول کر لینے اور ایک ایسے زمانے میں جب کہ ہندوستان میں جنگ وجدل ۔ قحط اور روزافزوں محصولات سے محشر بپا تھا

خواہ مخواہ ہندوستان کے محاصل کو قربان کر دینے کی شدید مخالفت سے دریغ نہیں کیا ان ارکان معترض کی بعض یادداشتیں بہتر سے بہتر ہندوستان کی سرکاری تحریرات میں شمار ہوتی ہیں۔

اس معافیٔ محصول پر مسٹر وہلبی اسٹوکس کا پہلا اعتراض تو یہ تھا کہ ہندوستان کی مالی حالت بے حد خراب وخستہ تھی۔ "ہم نے قحط کے بیمہ کے طور پر جو ایک ذخیرہ مختص کر دیا تھا وہ بھی تمام وکمال خرچ دیا گیا ہے اور افغانستان کے ساتھ ایک بیش مصارف جنگ بھی جاری رکھی گئی ہے۔ شاہ برما سے ایک نہ ایک دن ہماری لڑائی ہونے والی ہے۔ اب ہمیں پانچ کروڑ پونڈ ہندوستان میں قرض لینے ہیں اور دو کروڑ پونڈ انگلستان سے ہم بھیک مانگ رہے ہیں"۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ زیر بحث تجاویز کو چپ چاپ قبول کر لینے کا نتیجہ یہی ہوگا کہ آیندہ چل کر تمام سوتی مال پر محصول درآمد معاف کر دینا پڑے گا۔ "اس دوسری کامیابی سے لینکشائر کے ذی اقتدار صانعین کی وہ ہمت بڑھے گی کہ وہ ہمارے محاصل پر از سر نو حملہ کرنے لگیں گے۔ .... اگر آیندہ کبھی محاصل میں فاضلات ہوں تو میری رائے میں کسی ایسے متوسط المقدار محصول درآمد کو موقوف کرنے کے بجائے چند بلا واسطہ محصولات کی تعداد میں کمی کر دینا زیادہ بہتر ہوگا"۔

تیسرا اعتراض یہ تھا کہ مجوزہ تنسیخ محصولات سے وہ آمدنی بھی بند ہو جائے گی جو دیسی ریاستوں سے برطانوی ہند کو ہوتی تھی۔

چوتھا اعتراض یہ تھا کہ ان محصولات کے متعلق سوائے منچسٹر کے صانعین کے کسی کو شکایت نہ تھی۔ اہل ہند نے کبھی ان محصولات کی تنسیخ کی درخواست ہی نہیں کی تھی۔

پانچواں اعتراض یہ تھا کہ مجوزہ تنسیخ سے "منچسٹر کے صانعین کو ایسا موقع ہاتھ آجائے گا کہ اہل ہند کے لئے آیندہ اس سے بھی زیادہ خراب و ناقص پارچہ جیسا فی زمانہ ہندوستان میں بکتا ہے۔ خریدنا عملاً ناگزیر بن جائیگا اور اس طرح لوگوں کے لباس وغیرہ کی لاگت بجائے کم ہونے کے زیادہ ہو جائے گی"۔

چھٹا اعتراض یہ تھا کہ ہندوستانی اخبار بازار باذار اعلان کرتے پھریں گے کہ محض مینچسٹر کے اغراض اور قدامت پسند گروہ کی خاطر جو آنے والے انتخابات میں لینکیشائر کے آراء حاصل کرنے کا بے حد مشتاق ہے" ان محصولات کی تنسیخ عمل میں آئی ہے۔ البتہ دل خوش کرنے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں بیشک اہل ہند ہی غلطی پر ہوں گے اور ہمیشہ غلطی پر ہوں گے اگر وہ کبھی کسی بات میں بھی حکمران قوم کی طرف ایسی خودغرضی کو منسوب کرنے لگیں گے"

مسٹر روز: ٹامسن نے جو بعد کو بنگالے کا لفٹنٹ گورنر ہوا۔ ہندوستان کی مالی مشکلات پر بڑا زور دیا۔ ۱۸۷۹ء کے تخمینۂ موازنہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ محاصل میں ... ۱۳۹۵ پونڈ کی کسرات ہوں گی۔ بارہ مہینے قبل قحط کے بیمہ کے طور پر ایک ذخیرہ کے قیام کے لئے جو ایک خاص محصول لگایا گیا تھا۔ اس کی سب آمدنی دوسرے مقاصد پر غلط طور پر صرف کر دی گئی۔ آئندہ قحط کی ضرورتوں کے لئے اگر کوئی اور محصول اب لگایا جائے گا تو اس سے "عام طور پر یہ مضر بدگمانی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے کہ حکومت میں نیک نیتی مفقود ہے"۔
"میری دانست میں یہ زمانہ ایسا نہیں ہے کہ سود کے محصولات کا ایک جز بھی فسوخ کیا جا سکے اور میں اس طریق کار کو اس لئے بھی بہت برا سمجھتا ہوں کہ وطن کی موجودہ صورت واقعات کے لحاظ سے اس تجویز سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان کی سیاسی ضروریات کو نظم ونسق ہند کے معقول اور واجبی حقوق و دعاوی پر فوقیت حاصل ہے"۔

سر الکزانڈرا ارنبتھ ناٹ نے بھی ہندوستان کی مالی حالت کا دیر تک ذکر کیا اور زوردار الفاظ میں کہا کہ دارالعوام کی ایسی تحریک سے حکومت ہند ہندوستان کی مایہ داری قائم رکھنے کی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتی۔

"اس معاملے میں ملکۂ معظمہ کی حکومت نے جو کچھ کارروائی کی ہے وہ اہل ہند کی نظروں میں ان اثرات کا نتیجہ ہے جو انگلستان کی سوت کی تجارت سے خاص دلچسپی رکھنے والے اشخاص نے بہ الفاظ دیگر لینکیشائر کے صانعین نے حکومت پر ڈالے تھے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ چار سال قبل جب مارکوئیس سالسبری نے مینچسٹر

کے صانعین کی ایک کثیر جماعت کو اطلاع دی تھی کہ حکومت ہند کو سوتی پارچہ جات پر بتدریج محصولات درآمد موقوف کر دینے کی ہدایت کی جائے گی تو بھی زمانے سے ہندوستان کے اس گوشے سے اس گوشے تک یہی خیال پھیل گیا تھا اور صرف دیسی لوگوں تک یہ خیال محدود نہ تھا بلکہ مدراس اور کلکتے کے ایوان تجارت کی اطلاع سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان شہروں میں طبقۂ تاجران یوروپ کے سربر آوردہ نمایندوں کا بھی خیال یہی تھا۔

"ہندوستان کے اکثر سرکاری حلقوں میں بھی یہی خیال پھیلا ہوا تھا۔ مجھکو یقین کامل ہے کہ میری اس بات میں سرمو مبالغہ نہیں کہ فی الوقت ہندوستان میں ایک درجن بھی ایسے عہدہ دار نہ نکلیں گے جن کو وہ حکمت عملی جو اس معاملے میں اختیار کی گئی ہے ایسی حکمت عملی نہ معلوم ہوتی ہو جس کو صرف ہندوستان کے اغراض کے خلاف ہی نہیں بلکہ خود انگلستان کے اغراض کے خلاف محض ایک ایسی سیاسی گروہ کے اغراض یا مفروضہ اغراض کی خاطر جن کے رہنماؤں کو لنکیشر سوتی صانعین کی سیاسی امداد و حمایت کے خیال سے ان کو بہر صورت اپنا بنائے رکھنا ضروری معلوم ہوتا تھا اختیار کیا گیا ہے۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد حکمرانی میں مجلس نظماء ہی ایک ایسی تھی جو اہل ہند کے اغراض کی خاطر انگلستان کے ذی اقتدار طبقات کے داؤ ڈالنے کی فراحم ہوتی تھی۔ اس لحاظ سے وزیر ہند کی کونسل جس کو کونسل ہند کہا جاتا ہے مجلس نظماء کی قائم مقام نہ بن سکی .... برخلاف اس کے از روئے قانون گورنر جنرل کی کونسل کو وسیع اختیارات بھی حاصل ہیں اور اس کی ذمہ داریاں بھی سنگین ہیں۔ ہندوستان کے لئے وہ بھی کیا ہی برا دن ہوگا اگر یہ بھی اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کرنے لگے"

اس حکمت عملی کو جس پر ۱۸۷۹ء کا قانون نرخنامۂ محصول مبنی تھا ترک کر دینے کی کوئی معقول وجہ سر اینڈریو کلارک کو بھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔

باایں ہمہ ایسے زبردست اعتراضات بھی کچھ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے بعض حالات میں گورنر جنرل کو اپنی کونسل کے غلبۂ آرا کے خلاف عمل کرنے کا اختیار حاصل

اور لارڈ لٹن نے اپنے اس اختیار کو کھینچ تان کر "ان سب سوتی پارچہ جات کو جن میں "۳۰ ایس" سے زیادہ باریک سوت نہو" محصول درآمد سے مستثنی کر ہی دیا۔ اس کی اس ناسزاوار حرکت کے مؤید اس کی کونسل کے صرف دو ہی ارکان تھے ایک سر جان اسٹریچی اور دوسرا سر ایڈورڈن جانسن

یہ کہنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وزیر ہند نے لارڈ لٹن کی اس حرکت کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔ جنرل رچرڈ اسٹریچی نے وزیر ہند کی ایسی ہی تائید کی جیسی وہ اسرا کی اس کے بھائی سر جان اسٹریچی نے کی تھی۔ کونسل ہند کے پانچ اور ارکان نے اس کارروائی کو پسند کیا۔ برخلاف اس کے سات ارکان نے بشمول سر فریڈرک ہیلی ڈے۔ سر رابرٹ منٹگمری۔ سر ولیم میور و سر ارسکن پری وزیر ہند سے اختلاف ظاہر کیا۔ جس طرح لارڈ لٹن نے اپنی کونسل کے غلبۂ آراء کے خلاف گاڑھے سوتی کپڑوں پر محصول درآمد معاف کر دیا تھا اسی طرح لارڈ سالسبری نے اپنی کونسل کے غلبۂ آراء کے خلاف لارڈ لٹن کی اس کارروائی پر اظہار پسندیدگی کیا۔

۱۸۷۸ء کے واقعات جن کا تعلق اس کتاب کے جزء ثالث سے ہے یہاں بیان کرنے میں ہم اس جزء ثانی کی مقررہ حد سے تجاوز کر رہے ہیں مگر یہ بھی ہم نے صرف اس غرض سے کیا ہے کہ قارئین کے سامنے ان مالی مباحث کا جو ۱۸۷۵ء سے ۱۸۸۲ء تک جاری رہے ایک مسلسل بیان پیش کر دیا جائے جن حالات میں محصول درآمد موقوف کر دیا گیا تھا ان سے دارالعوام کی تحریک کے آخری فقرے پر ایک عجیب روشنی پڑتی ہے۔ اس فقرے میں تحریر تھا کہ "جیسے ہی ہندوستان کی مالی حالت اس بات کی اجازت دے" محصول درآمد کو منسوخ کر دینا چاہیے مگر اس محصول کو فی الواقع اس وقت منسوخ کر دیا گیا جب کہ جنوبی ہند ۱۸۷۷ء کے قحط مدراس کے اثرات سے ابھی پوری طرح سنبھلا نہ تھا۔ شمالی ہند ۱۸۷۸ء کے مصائب قحط ابھی سہہ رہا تھا۔ محاصل اراضی میں جدید ابواب کا ابھی ابھی اضافہ کیا گیا تھا قحط کے بیمہ کے طور پر جو ذخیرہ مختص محصولات سے جمع کیا گیا تھا وہ سب مفقود ہو چکا تھا۔ تخمینۂ موازنہ بھی محاصل کی کسرات بتا تا تھا اور ایک نئی سرحد کی محققانہ جستجو جنگ افغانستان کی شکل میں نہایت پر تکالیف اور بیش مصارف ثابت ہو رہی تھی

اگر دارالعوام نے سنہ ۱۸۷۷ء میں مذکورالصدر تحریک منظور کر کے ہندوستان پر ناجائز دباؤ ڈالا بھی تھا تو حکومت ہند نے بھی سنہ ۱۸۷۹ء میں اس تحریک پر عمل کرنے میں نہایت کمزوری دکھائی اور اپنی مفوضہ امانت میں گویا خیانت کی۔ بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ لارڈ لٹن کے سوائے کوئی اور وائسرائے ہوتا تو ایسے نازک وقت میں محاصل ہند کی یوں قربانی کبھی نہ کرتا اور سرجان اسٹریچی کے سوا کوئی اور ماہر فن مالیات ہندوستان کا وزیر مال ہوتا تو ہرگز وہ نہ ایسی قربانی کی صلاح دیتا اور نہ اس کی تائید کرتا۔ فرقہ واری سیاسیات پر جمہورین کے ساتھ ایسی بھینٹ چڑھانے کے بعد بھی اس فرقے کو کامیابی نصیب نہ ہوئی چنانچہ سنہ ۱۸۸۰ء کے انتخاب میں قدامت پسندوں کو شکست ہی ہوئی۔

تیسری کتاب

ملکہ کا دور حکومت

سنہ ۱۸۷۷ء - سنہ ۱۹۰۰ء

پہلا باب

لٹن اور رپن

عہد وکٹوریہ کا آخری دور اب یہاں سے شروع ہوتا ہے اگر ان تغیر کے لئے جو انسانی خدمات خیالات اور اعلیٰ توقعات میں بتدریج عمل میں آیا اور جس کو برطانیہ عظمیٰ میں "رجعت قدامت پسند" سے موسوم کیا جاتا تھا کسی ایک سنہ کا تعین کرنا ضروری ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ سنہ ۱۸۷۴ء ہے جب کہ مسٹر گلیڈسٹن کی پہلی وزارت ختم ہوئی تھی دول عظمیٰ نے آناً فاناً ایسی ترقی کی تھی کہ باہمی رشک و حسد اور بلند پروازیوں کے لئے نئے نئے سامان پیدا ہو گئے تھے۔ خانہ جنگی کے بعد ایک بڑی مغربی جمہوریہ کے زیر نگین جتنے ممالک تھے ان میں پھر سے اتحاد پیدا ہو گیا تھا اور یہ جمہوریہ دنیا کے نصف حصے میں سلطنت اعلیٰ مانی جاتی تھی اور باقی نصف حصے کے سیاسی اور تجارتی امور میں شریک غالب بننے کا دعویٰ کر رہی تھی۔ نو متحدہ جرمانیہ نے ایک دیو قوی ہیکل کی طرح ساڈووا اور سیڈان کے میدانِ جنگ سے اپنا سر یوں بلند کیا تھا کہ یورپ کے سب منصوبوں اور خفیہ تجاویز پر وہ حاوی و مسلط ہو گئی تھی شکست کے بعد فرانس کے بھی دن پھر کے

تھے۔ اس کے عروج کا زمانہ آرہا تھا اور وہ بھی ایشیا اور افریقہ میں تلافی مافات کی جستجو میں تھا۔ روس نے بحر اسود کے صلحنامہ کو چاک کر دیا تھا اور مشرق کی جانب بلا مزاحمت کے یورش کرتا ہوا بڑھا چلا جا رہا تھا۔ انگریزوں کو بھی ایک بے قراری سی ہو رہی تھی۔ ملکی اصلاحیں اب ایسی ولولہ خیز نہیں رہی تھیں جیسی توسیع قلمرو ہندوستان کی سمت روس نے پیشقدمی کی تھی جس کا سد باب ضروری تھا۔ یہ بھی لازم تھا کہ ایشیا میں انگلستان کی سطوت برقرار رہے۔ براعظم افریقہ کا رستہ ابھی تک کھلا تھا اور اس نامعلوم سرزمین کی کشورکشائی انگریز فاتحین کے ورود ہی کی منتظر تھی۔ برطانیہ کے اثر و اقتدار کی تجدید کے لئے ضروری تھا کہ نوآبادیات سے گہرا اتحاد قائم ہو جس کی بنا پر انگلستان ساری دنیا کا مدمقابل بن سکے ان قوموں میں جو عروج پر تھیں انگلستان کو اپنی منزلت برقرار رکھنے کے لئے چار دانگ عالم میں ہر جگہ ایسی خارجی حکمت عملی اختیار کرنی ضروری تھی جو بڑی زوردار اور توسیع حدود و فتوح پر مبنی ہو چنانچہ گول مول مگر زبردست طریقے پر سب انگریز یہی محسوس کر رہے تھے لیکن جیسے اکثر اوائل میں ہوا کرتا ہے ایسی اندھا دھند مہمات نہ دانشمندی پر مبنی تھیں اور نہ کامیاب ہی ثابت ہوئیں۔

لارڈ لارنس کی سرحدی حکمت عملی کو جو بالکل صحیح و درست تھی اب کوئی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس وقت کے قومی احساسات اور زمانے کے رنگ کے لحاظ سے سر بارٹل فریر کے سبھی کلمہ گو بنے ہوئے تھے۔ ایک لارڈ نارتھ برک ہی نے اس شعار کو قبول نہیں کیا مگر وہ تو اپنی خدمت سے مستعفی ہو چکا تھا۔ اس کی جگہ اس جدید حکمت عملی کے انصرام کے لئے ایک جدید وائسرائے مامور ہوا تھا۔ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ڈزرلی نے جو پہلا مکتوب لارڈ لٹن کو لکھا اس میں اسی کام کی طرف بھی اشارہ کیا تھا جس کے سرانجام کی لٹن سے توقع تھی۔

"عزیز من لٹن۔ لارڈ نارتھ برک نے محض خانگی وجوہ سے اپنی خدمت سے استعفا دیدیا ہے اور موسم بہار میں وہ انگلستان واپس آنے والے ہیں۔

"اگر تم اس بات پر راضی ہو تو میں تمہارا نام ان کی جانشینی کے لئے ملکہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ وسط ایشیا کے معاملات کی ایسی نازک حالت ہو گئی ہے کہ اس خدمت کے لئے ایک مدبر کی ضرورت ہے۔

اور میرے خیال میں اگر تم اس اعلے عہدہ کو قبول کر لو تو اس سے تم کو نہ صرف ملک کی خدمت بلکہ شہرت دوام حاصل کرنے کا بھی موقع ملے گا۔"

اس وقت لارڈ لٹن کی عمر چوالیس[۴۴] سال کی تھی اور وہ لزبن میں انگلستان کی سفارت پر مامور تھا۔ وائسرائے ہند کے عہدے پر اس کے مجوزہ تقرر کی یہ پہلی اطلاع تھی جو اس کو ملی۔ اس مکتوب سے اس تقرر کا اصل مقصد ظاہر ہوتا ہے یعنے لارڈ لٹن کا اس غرض سے انتخاب کیا گیا تھا کہ وہ افغانستان کے بارے میں اس حکمت عملی پر عمل کرے جس پر عمل کرنے سے لارڈ نارتھ برک نے صاف انکار کر دیا تھا۔ وزیر اعظم کے اس مکتوب میں ہندوستان کے ان قحطوں کا جو اسی زمانے میں یکے بعد دیگرے پڑے تھے اور اہل ہند کی معاشی حالت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ان واقعات اور معاملات سے برطانوی کابینہ کو زیادہ دلچسپی نہ تھی۔

نئے وائسرائے نے ذرا بھی وقت ضائع نہ کیا۔ ۱۸۷۶ء میں ۱۲ اپریل کو نارتھ برک سے اس نے اپنی خدمت کا جائزہ حاصل کیا۔ ۲۴ اپریل کو وہ انبالے پہنچا اور امیر افغانستان کی خدمت میں بھیجنے کے لئے اس نے اپنے ایک خط کا مسودہ کمشنر پشاور کے حوالے کیا۔ ایک برطانوی ایلچی کو کابل بھیجنے کے لئے کچھ نہ کچھ حیلہ تراشا گیا اور اس کے ہاتھ یہ خریطہ بھیجا گیا۔ اس میں امیر کو اطلاع دی گئی تھی کہ "سر لوئس پلی کے ہمراہ ڈاکٹر بلو اور میجر سینٹ جان اس غرض سے بھیجے جا رہے ہیں کہ بذات خود وہ جناب علو مرتبت تک دست بدست یہ خریطہ پہنچائیں جس میں ہز ایکسلنسی والاشان کے عہدہ جلیل پر سرفراز ہونے کی اطلاع دی گئی ہے اور از روئے ضابطہ اس امر کا بھی اظہار کیا ہے کہ ملکہ معظمہ نے از راہ عنایت اپنے شاہی القاب میں اپنی ہندوستان کی شاہنشاہی کی مناسبت سے اضافہ فرمایا ہے۔"

امیر افغانستان بڑا چالاک آدمی تھا وہ اس ایلچی گری کے اصل مقصد کو تاڑ گیا اس نے جواب دیا کہ "خدائے تعالی کے فضل سے سرکار عظمت مدار یعنے حکو

والاشان انگلستان کے ساتھ دولت خداداد افغانستان کا خلوص و اتحاد حسب معمول مستحکم و استوار رہے گا۔ فی الوقت اگر دولت خداداد افغانستان کو فائدہ پہنچانے اور اس کے ساتھ اتحاد تازہ کرنے کی غرض سے مکرر گفت و شنید شروع کرنے کا خیال ہے تو ایما فرمایا جائے تاکہ اس مخلص کا کوئی رازدار وکیل آپ کی خدمت میں بھیجا جا سکے اور یہ وکیل خاص فیاض منش حکومت انگلشیہ کے مخفی دلی جذبات سے واقف ہو کر اس بندۂ درگاہ جل و علےٰ پر ان کا انکشاف کرے۔"

بالفاظ دیگر برطانوی ایلچی کے کابل بھیجنے کی تجویز پر شیر علی نے اظہار تامل اور پس و پیش کیا اور خواہش ظاہر کی کہ اس کے بجائے ایک وکیل خاص کابل ہی سے "فیاض منش حکومت انگلشیہ کے مخفی دلی خیالات سے" واقف ہونے کے لئے بھیجا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ پہلے ہی قدم پر ایسی مزاحمت کا ہونا لارڈ لٹن کو سخت ناگوار ہوا اس نے کمشنر پشاور کی وساطت سے امیر کو تنبیہ کیا کہ اس طرز عمل سے وہ وائسرائے کے دوستانہ مقاصد اور نیک نیتی کو لاحاصل بنائے دے رہا ہے اور برطانوی حکومت کے ربط و اتحاد نیز امداد و حمایت سے افغانستان کو الگ کر دینے کا بطور خود سامان پیدا کر رہا ہے۔

لارڈ لٹن کی کونسل کے دانشمند ارکان نے وائسرائے کے اس طرز عمل کو ناپسند کیا۔ سر ولیم میور۔ سر ہنری نارمن۔ سر آرتھر ہوب ہاؤس غرض ان سب کی رائے یہی تھی کہ انگریزی ایلچی گری کو قبول نہ کرنے میں شیر علی بالکل حق بجانب تھا۔ اس نے جو وجوہ پیش کئے تھے وہ معقول تھے اور انگریزی حکومت کا جواب جنگ کی دھمکی کے برابر تھا۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ امیر کو اس سفارت کی اصل غرض و غایت معلوم نہیں اور یہ مقتضائے انصاف نہ تھا کہ کابل میں دائمی سفارت رکھنے کے منشا کو اس سے چھپایا جائے۔

امیر نے کمشنر پشاور کے مکتوب کا یہ جواب دیا کہ کابل میں جو انگریزوں کا وکیل مسمی عطا محمد رہتا ہے اس کو کابل کے واقعات کی توضیح کرنے اور حکومت انگلشیہ کی خواہش اور ارادہ سے واقف ہونے کے لئے ہندوستان طلب کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ لارڈ لٹن نے یہ صلاح قبول کر لی۔

عطا محمد ۶ اکتوبر ۱۸۷۶ء میں شملے پہنچا۔ سر لوئس پلی کے سامنے اس نے امیر

کے خیالات کو تفصیلاً بیان کیا اور کہا کہ امیر کو خدشہ یہ ہے کہ اس طرح کی عارضی سفارت کہیں دائمی نہ بن جائے۔ لارڈ سالسبری اور لارڈ لٹن کا دراصل مقصود یہی تھا۔ اس تازہ مزاحمت سے لارڈ لٹن ایسا منغض ہوا کہ وہ اس وکیل سے گفتگو میں اپنے غصہ کو چھپا نہ سکا اور دھمکیوں پر اتر آیا۔ اس نے کہا کہ "برطانوی حکومت انھیں کی مدد کرتی ہے جن کو اس کی قدر بھی ہے" اگر امیر کو ہم سے اس طرح نوری ملاپ کرنے کی خواہش نہیں ہے تو نہ سہی۔ روس کو ہے اور روس سے ہمارا ملاپ کر لینا امیر کے حق میں بہت مضر ثابت ہوگا۔" حکومت انگلیشیہ افغانستان کو مغلوب کرنے کے لئے بے شمار فوج بھیج سکتی ہے۔" اگر امیر ہمارے دوست رہیں تو یہ فوجی طاقت ان کی حفاظت کے لئے ایک آہنی دیوار بن جائے گی اور اگر دشمن بن جائیں تو پھر ان کو پھوس کی طرح پھونک دے گی۔" امیر نے اپنے کو "روس اور انگلستان کے درمیان ایک توازن طاقت قائم رکھنے والا" سمجھ لیا ہے لیکن امیر کی مثال ایسی ہے جیسے مٹی کا گھڑا دو لوہے کے مٹکوں کے بیچ میں" عطاء محمد کو امیر کا موسومہ ایک مکتوب اور خود اس کی رہبری کے لئے ایک یادداشت۔ ایک گھڑی مع زنجیر طلائی اور ایک ہزار پونڈ انعام دیکر رخصت کر دیا گیا۔ اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا کیونکہ شیر علی آنکھ کھولے ہوشیار بیٹھا تھا۔

بلوچستان میں البتہ معقول نتائج پیدا ہوئے تھے۔ لارڈ نارتھ برک نے میجر سینڈیمن کو خان قلات اور اس کے سرداروں کے درمیان مابہ النزاع امور کے تصفیہ کرنے اور درہ بولان کی راہ جو اک تنازع کی بنا پر بند ہو گئی تھی تجارت کیلئے پھر سے کھول دینے کے لئے بھیجا تھا۔ میجر سینڈیمن نے جس کو سرحد کا ہر شخص جانتا تھا اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھتا تھا ان امور متنازعہ فیہ کا تصفیہ کر دیا اور تجارت کی اس راہ کو بھی کھول دیا۔ خان قلات اور اس کے سرداروں نے دربار عام میں پابندی انتظام کی حلف اٹھائی۔ اگر لارڈ نارتھ برک ہی اس وقت خدمت پر رہتا تو میجر سینڈیمن بلوچستان میں ایسی کامیابی حاصل کرنے کے بعد ضرور اس ملک سے پلٹ جاتا۔ لیکن لارڈ لٹن کی حکمت عملی یہ تھی کہ انگریزی فوج وہیں مقیم رہے۔ اس نے اپنے خاص منظور نظر فوجی مشیر مسمی کرنل کالی کو ایک مخفی عہدنامہ دیکر وہاں روانہ کیا۔ اس عہدنامہ کی چھٹی شرط یہ تھی کہ خان کی قلمرو انگریزی فوج کے دوامی زیر تسلط رہے۔ خان قلات نے دس

عہد نامہ پر دستخط کر دیئے اور انگریزی لشکر نے کوئٹہ پر دوامًا قبضہ کر لیا۔ لارڈ لٹن نے ملکہ کو یہ خوشخبری اطلاع دی کہ "خان قلات ایک ایسے معاہدہ پر دستخط کرنے پر راضی ہو گیا ہے جس کی رو سے ہم قلات کے حقیقی مالک بن جائیں گے"۔ ۸ دسمبر ۱۸۷۶ء میں جیکب آباد میں اس عہد نامے پر فریقین کے دستخط ثبت ہوئے۔

افغانستان کے جنوب میں اس طرح قدم جمانے کے بعد لارڈ لٹن نے اس سلطنت کی سمت شرقی میں تیاری شروع کر دی۔ زمانۂ سابق میں کرنل لمسڈن نے کورم اور خوست کی وادیوں پر برطانوی تسلط قائم کرنے کی صلاح دی تھی لارڈ لارنس نے اس تجویز کو نامنظور کیا تھا۔ البتہ لارڈ لٹن کے لئے لمسڈن کا یہ منصوبہ خاص دلچسپی رکھتا تھا۔ راولپنڈی سے کوہاٹ تک سڑک کی مرمت ہو چکی تھی۔ کیاونیاری کو دریائے کورم پر فوج کے پڑاؤ کے لئے مقام کا انتخاب کرنے کی غرض سے بھیجا گیا اور سپہ سالار کو حکم دیا گیا کہ وہ کوہاٹ پر تین توپخانے کی توپوں اور ساز و سامان کے ساتھ سفر مینا کی دو پلٹنیں۔ گوروں کا ایک رسالہ اور دو پیادوں کے دستے دیسی سواروں کے دو رسالے اور پیادوں کے چار دستے لیکر بڑھنے کے لئے تیار رہے۔

افغانستان کی شمالی سمت میں بھی لارڈ لٹن اسی طرح مصروف و سرگرم تھا۔ اس نے مہاراجہ کشمیر کو عمدہ شست کی بندوقوں اور اسلحۂ جنگ کی سربراہی کی اور چترال کی طرف درۂ ہائے کوہ میں دیسی لشکر گھسا دینے کی خاطر اس کی پیٹھ ٹھونکی۔ کشمیر کی بابت اس وقت مفلس و نادار تھی۔ انگریزوں کی عملداری میں ایک طرف بے اندازہ محصولات کی بنا پر رعایا نالاں تھی اور دوسری طرف ایک ایسے سخت ہولناک قحط کے آثار نمایاں تھے جیسا اس صدی میں اس سے پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔ لیکن کفایت شعاری کو کام میں لانے اور انسانی ہمدردی کے خیال سے محصولات میں تخفیف کرنے کے بجائے وائسرائے نے اس خطرے کے مٹانے کے لئے جو پہلے سے موجود نہ تھا بلکہ خود اس کے افعال سے بعد کو پیدا ہو گیا تھا بڑی وسیع اور بیش مصارف تیاریاں شروع کر دیں۔ وہی اس نے کیا جس کی پہلے ہی دھمکی دی تھی۔ یعنے امیر کی قلمرو کے جنوب۔ شرق اور شمال کو ایک حلقۂ آہنی کی طرح گھیر لیا۔

یکم جنوری ۱۸۷۷ء میں ایک دربار دہلی میں منعقد کیا گیا جس میں لارڈ لٹن نے

روسا اور رعایا کی عام اطلاع کیلئے اعلان کیا کہ ملکہ نے قیصرۂ ہند کا لقب اختیار فرمایا ہے اس میں مسٹر ڈزریلی نے بسمارک کی روش بعینہٖ نقل کی تھی کیونکہ برطانوی ہند کے فرمان روائے وہی اعلیٰ لقب اب اختیار کیا تھا جس کو پروشیا کے فرمان روا نے چھ سال قبل اختیار کیا تھا۔ انگلستان میں اصحاب فکر پوچھتے تھے کہ کیا اس لقب سے ملکہ کے حقیقی اقتدار میں بھی کچھ اضافہ ہوا یا نہیں یا روسائے ہند کو از روئے معاہدات جو حقوق حاصل تھے کیا انہیں کچھ کمی ہوگئی؟

مسٹر لو نے دارالعوام میں یہ استفسار کیا کہ کیا انگلستان اور ہندوستان میں اس طرح کا نمایاں امتیاز پیدا کرنا کہ انگلستان کے فرمانروا کو ایسا لقب دیا جائے۔ جس سے اطاعت قانون مترشح ہوتی تھی اور ہندوستان کے فرمانروا کو ایسا لقب دیا جائے جس سے محض زور بازو کا راج پاٹ ظاہر ہوتا تھا کسی دور اندیشی پر مبنی تھا؟ اس مسودۂ قانون کی قرات ثانیہ کے وقت خود مسٹر گلیڈسٹن ارکان مقابلہ کا سرگروہ تھا اور اس نے جو تقریر کی اس میں برطانوی حکمت عملی کے بہترین اصول اور روایات کا پرتو نظر آتا ہے۔

"اگر یہ سچ ہے، درواقعہ یہی ہے کہ یہ سچ ہے کہ اس قانون کے سوا جس کو ہم خود وضع کرتے ہیں اور کسی قانونی قیود کے بغیر ہم ہندوستان پر حکومت کرتے ہیں، اگر یہ بھی سچ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ سچ ہے کہ آزاد اداروں کے برکات اور فوائد ہندوستان کو عطا کرنے کے ہم کبھی قائل ہی نہ ہوئے تو پھر یہ فخر و مباہات انہیں معزز صاحب (مسٹر ڈزریلی وزیر اعظم) کو مبارک جو قیصرۂ ہند کا لقب تجویز کرنے کی تحریک میں اس امر واقع کو ضبط تحریر میں لا رہے ہیں۔ میں تو ہرگز یہ نہ کروں گا کہ جس بات کو میں جہاں تک یہ واقعہ ہے قومی کمزوری اور نکبت سے کم نہیں سمجھتا اسی بات کو اس پیرائے میں پیش کروں کہ گویا اس میں قوم کی بڑی شان و عزت ہے۔"

"میں تو اسی خیال میں ہوں کہ ہماری قوت کی برتری جو کچھ بھی سہی ہندوستان میں ایسے روسا اور ویسی ریاستیں اب بھی موجود ہیں جن پر فرمان روائی کا ملکہ ہم نے کبھی نہیں جمایا۔ اب ہم پارلیمنٹ کے ایک منظور شدہ قانون کی رو سے ایسی فرمانروائی اختیار کرنے کو ہیں جس کے ممکنہ نتائج کی پیش بینی کسی انسانی طاقت سے باہر ہے۔"

"میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان کی بعض اہم دیسی ریاستوں کی فرمانروائی کبھی کمپنی کے تفویض ہوئی۔ صاحب معز سے یہ دریافت کرنا ہم پر لازم ہے کہ ان ریاستوں کی فرمان روائی کمپنی کو اس طرح تفویض تھی یا نہ تھی اور کیا کوہ بذمہ داری خود ہمیں یقین دلا سکتے ہیں کہ کیا اس قانون سے جو زیر منظوری ہے ہندوستان کی دیسی ریاستوں کی حالت میں کوئی سیاسی تغیر پیدا نہ ہوگا۔"

یہ سوال اس مسئلے کی جڑ تک پہنچتا تھا۔ اس لقب کے اگر کوئی معنے ہو سکتے تھے تو یہی ہو سکتے تھے کہ ہندوستان کے رؤسا اور دیسی ریاستوں پر فرمانروائے ہند اب ایسے اختیارات جتانے والا تھا جو اس کو معاہدات کی رو سے حاصل نہ تھے۔ پروشیا کے فرمانروا نے شاہنشاہ جرمانیہ کا لقب اختیار کرنے کے ساتھ ہی بالکل صاف و صریح اور علانیہ طریقے پر جرمانیہ کی ریاستوں پر کچھ اختیارات قائم کئے تھے۔ مگر پارلیمنٹ کے سامنے جو مسودہ قانون پیش تھا اس میں ایسے اختیارات کا کوئی خاص ذکر نہ تھا۔ پھر اس لقب کے یہ اختیارات متضمن سمجھے کہ نہ سمجھے!

مسٹر گلیڈسٹن اور سر ولیم ہارکورٹ کا ہمیں ممنون ہونا چاہئے کہ ان کے تفصیلی سوالات کی بدولت وزیر اعظم نے پر زور لفظوں میں بالاعلان کہا کہ اس لقب کے اختیار کرنے سے ہندوستان کے روسا اور دیسی ریاستوں پر ملکہ کو کوئی نئے اختیارات نہیں ملیں گے۔ سر ولیم ہارکورٹ کو مسٹر ڈزریلی نے یہ جواب دیا کہ "لقب کی تبدیلی سے ہندوستان کے دیسی روسا و والیانِ ریاست کے حقوق۔ وقار یا اعزاز ذرا بھی متاثر نہ ہوں گے"۔ یہ جواب ہمیشہ کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔

لیکن لارڈ لٹن کی سوانح عمری کی مولفہ یعنے اس کی دختر مسمی لیڈی ہلی بیلفر نے یہ توضیح کی ہے کہ "ایسے معاہدات کی رو سے جو غالباً سو سال قدیم اور اب بھی نافذ العمل تھے یہ بتایا جا سکتا تھا کہ دیسی رؤسا طاقت میں نہ سہی مگر وقار اور مرتبہ و منزلت میں وائسرائے کے برابر تھے۔ نظام دکن۔ گیکوار بڑودہ اور وائسرائے ہند کو برابر (۲۱) ضرب توپوں کی سلامی ملتی تھی اور دیسی لوگوں کی نظروں میں اس سے بڑھ کر کوئی بات معنی خیز نہیں ہو سکتی۔ دہلی دربار کے بعد (۲۱) ضرب توپوں کی سلامی جو نائب شاہنشاہ کے ساتھ ان روسا کی مساوات کی علامت متصور ہوتی تھی

باقی نہ رہی "

اپنے والد کے عہد حکومت ہند کی واقعہ نویس یعنے لیڈی بٹی بیلفر نے دو جدا جدا باتوں کو ملا طلا کر دیا ہے۔ نظام اور گیکوار دونوں اپنے آپ کو طاقت میں وائسرائے کے ہم پلہ نہیں سمجھتے تھے۔ دلیسیوں کے یہ دل نشین کرنے کے لئے کہ انگلستان ہندایشیا کی ایک زبردست ترین طاقت کا نائب تھا کسی نئے لقب کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن نظام اور گیکوار نے ان حقوق پر اعتبار کیا جو معاہدات کی رو سے ان کو حاصل تھے جیسے ایک غریب شہری اپنے ان حقوق پر اعتبار کرتا ہے جو از روئے قانون مملکت اس کو حاصل ہوئے ہیں۔ اور وزیر اعظم نے تو اپنی زبان دی تھی کہ نئے لقب کے اختیار کرنے سے ان حقوق پر ذرا بھی اثر نہ پڑے گا۔ ویسی ریاستوں کو از روئے معاہدات جو سوا راج حاصل ہے اگر اس میں کسی طرح کی مداخلت کی جائے تو وہ آج بھی ایمانداری اور راستبازی کے ایسا ہی خلاف ہوگا جیسا اس نئے لقب کے اختیار کرنے سے پہلے تھا۔

جب بڑے طمطراق۔ رنگ رلیوں۔ اور غیر ضروری نمائش و کرو فر کے ساتھ لارڈ لٹن نے دہلی میں دربار منعقد کیا اس وقت قحط عظیم ایک کالی بلا کی طرح اس سرزمین پر چھا رہا تھا۔ اگر ہندوستان کے حکمرانوں کے لئے ۱۸۷۷ء میں کوئی بات اس غیر دانشمندانہ اور مسرفانہ سرحدی حکمت عملی کو ترک کرنے اور تخفیف مصارف کے ساتھ ساتھ رعایا کے کندھوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی طرف توجہ دلانے کا باعث ہو سکتی تھی تو وہ اس سال کا ہولناک قحط ہی تھا۔ جہاں تک اس زمانے کے بڈھوں کو یاد تھا اس بلا کا قحط انھوں نے کبھی سنا نہ دیکھا تھا۔ ملکہ کی تخت نشینی کے بعد سے ہندوستان نے ۱۸۳۷ء اور ۱۸۶۰ء میں پھر ۱۸۶۶ء اور ۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۴ء میں قحط عظیم کے مصائب و تکالیف اٹھائے تھے لیکن اس صدی میں ایسی مہلک اور عالمگیر آفت کبھی نازل نہیں ہوئی تھی جیسا ۱۸۷۷ء کا شدید قحط تھا۔ مدراس کا انتظام اراضی ایسا متبدل تھا کہ وہاں کے کسان بنگالے کے کسانوں کے برابر وسائل اور مقدور نہیں رکھتے تھے۔ ۱۸۷۴ء کے قحط بنگالہ میں جس دانشمندی کے ساتھ قحط زدہ رعایا کی امداد کی تیاریاں کی گئی تھیں اب کے اس طرح نہیں کی گئیں۔ بڑے بڑے سلسلے اضلاع

بے چراغ ہوگئے۔ وسیع دیہی خطے بے کاشت پڑے ہوئے تھے۔ اور پچاس لاکھ کی آبادی جو ایک متوسط رقبے کے ملک کی آبادی کے برابر تھی ایک سال کے اندر اندر مدراس کے اس قحط میں نیست و نابود ہوگئی۔

نہ دہلی دربار اور نہ مصائب قحط وائسرائے کو اس ارادے سے جو اس کے ذہن نشین تھا باز رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ فروری ۱۸۷۷ء میں امیر کے ایلچی مسمی نور محمد اور سر لوئس پلی کے درمیان پشاور میں مکالمہ ہوا۔ سر لوئیس پلی کی ابتدائی شرط یہ تھی کہ افغانستان کی سرحد پر انگریز عہدہ داروں کو مقیم رہنے کی اجازت دی جائے اور اس نے امید دلائی تھی کہ اگر یہ قبول کرلیا جائے تو انگریزی حکومت افغانستان کے ساتھ تحفظ باہمی کے لئے اتحاد و مدافعت ومقاومت کرنے کے ساتھ ساتھ امیر کے ولی عہد کو تسلیم اور امیر کی قلمرو میں فتنہ و فساد کے زمانے میں امیر کی مدد کرنے پر آمادہ تھی لیکن سن رسیدہ و جہاں دیدہ نور محمد نے امیر کے اس یقین کامل کا اظہار کیا کہ انگریز عہدہ داران کو امیر کے ملک (افغانستان) میں رہنے کی اجازت دینے سے امیر کو اپنے اقتدار سے دست کش ہونا پڑے گا۔ اس باہمی تبادلۂ خیال کا کچھ نتیجہ نہ نکلا کیونکہ مزید گفتگو کے لئے کوئی بات باقی نہیں رہی تھی۔

لارڈ لٹن نے اب سب ضبط اور صبر کھو دیا۔ اس نے سر لوئس پلی کو لکھا کہ "برطانوی حکومت کو تحفظ جان ومال کے لئے ان لوگوں کے ساتھ اتحاد قائم کرنے پر اصرار نہیں ہے جن کو نہ اس کی جستجو ہے اور نہ قدر ایسی حالت میں وائسرائے کے لئے صرف یہ باقی ہے کہ گزشتہ اکتوبر میں امیر کی خدمت میں جو تجویز پیش کی گئی تھی اس کو فوراً واپس لے لیا جائے"۔ اس مکتوب کے پہنچنے کے تین ہفتے بعد نور محمد نے جو سن رسیدہ تھا رحلت کی۔ نور محمد کا جو رفیق کار رہ گیا تھا اس کو نامہ و پیام جاری رکھنے کا اقتدار نہ تھا۔ وکیل برطانیہ مسمی عطا محمد کو کابل سے واپس طلب کرلیا گیا۔ جنگ اب ناگزیر معلوم ہوتی تھی۔

اسی اثنا میں عظیم واقعات یکے بعد دیگرے یوروپ میں جلد جلد رونما ہو رہے تھے۔ ایک جنگ عظیم میں روسیوں نے ترکوں پر فتح پائی اور وہ قسطنطنیہ کے دروازے تک پہنچ گئے۔ مسٹر ڈزرائیلی نے بحیرۂ روم کے بیڑے کو درۂ دانیال جانے کا حکم دیا۔

مالٹا میں ہندوستانی فوجیں اتاری گئیں امدادی فوج کو جمع ہونے کی ہدایت کی گئی اور ترکی کی رضامندی سے جزیرہ سائپرس پر قبضہ کرلیا گیا۔ روس نے اس کے جواب میں ترکستان میں فوجیں جمع کرنی شروع کردیں اور فوراً ایک سفارت کابل روانہ کی۔

لارڈ لٹن نے ان واقعات کو ملحوظ رکھ کے ان کے لحاظ سے کارروائی شروع کردی۔ اس نے مہاراجہ کشمیر کی رضامندی سے گلگت کے مقام پر جو ہندوکش کے دامن میں واقع تھا ایک برطانوی وکالت قائم کرنے کا انتظام کردیا اور مفلس ونادار ریاست کشمیر کو اس جدید مستقر سے انگریزی عملداری تک تار برقی نصب کرنے کے مصارف ادا کرنے پڑے۔ لارڈ لٹن نے اس فرزانگی پر اپنے آپ کو شاباشی دے لی۔ "ہماری ایک باج گزار ریاست یعنے کشمیر کے زیر نگین کافرستان کی سب چھوٹی چھوٹی ریاستیں اگر آجائیں اور اس میں ضم ہو جائیں تو پھر یہ سمجھئے کہ کافرستان پر ہماری اصلی نگرانی گو بالواسطہ ہی سہی قائم ہوگئی اور ہماری جیب سے بھی کچھ خرچ نہوا۔"

درحقیقت سلطنت کابل کی مثال ایسی ہی تھی جیسے "مٹی کا ایک گھڑا دو لوہے کے مٹکوں کے بیچ میں"۔ روسی سفارت خواہ مخواہ کابل میں گھسنے کی کوشش کر رہی تھی امیر نے سخت خائف و پریشان ہو کر جنرل کوفمن کو لکھا کہ وہ روسی سفارت کے کابل آنے پر قطعاً راضی نہیں لیکن روسی بھی الٹے قدم واپس جانے پر راضی نہ تھے چنانچہ جنرل اسٹولٹاف ۲۲ر جولائی ۱۸۷۸ء میں کابل پہنچا۔ امیر کو اس سفارت کو منظور کرنا ہی پڑا اور ایک معاہدہ کا مسودہ بھی مرتب کیا گیا۔

اسی اثنا میں برلن کی کانگرس نے یورپ میں امن قائم کردیا۔ روسی حکومت نے ۴ر اگست ۱۸۷۸ء میں جنرل اسٹولٹاف کو کابل سے واپس طلب کرلیا۔ اس کے بعد افغانستان میں مداخلت کی وجہ باقی نہیں رہی لیکن لارڈ لٹن تہیہ کئے ہوئے بیٹھا تھا کہ انگریزی سفارت کابل بھیجی جائے۔ کیونکہ روسی سفارت وہاں ہوآئی تھی۔ لٹن نے لکھا کہ "نہ روسی سفارت کی بازطلبی اور نہ روس کا اطمینان دلانا اس امر واقع کی تردید کرسکتا ہے کہ کابل میں روسی سفارت کا اچھا خیر مقدم کیا گیا تھا اور روسی عہدہ داروں کو خوب موقع مل گیا تھا کہ وہ امیر اور اس کے مشیروں کے اچھی طرح دل نشین کردیں کہ انگلستان پر اعتبار نہ کریں اور اس کو نفرت کی نظروں سے دیکھیں۔ روس کی طاقت اور اس

کے درخشاں مستقبل پر بھروسہ کریں اور ہمارے خلاف کسی کی اس ملک سے ہمیشہ توقع رکھیں ۔"

مسٹر نیول چیمبرلین اس برطانوی سفارت کی نگرانی پر مامور کیا گیا ۔ ۱۲ ستمبر کو یہ سفارت پشاور سے روانہ ہوئی اور ۲۱ ستمبر کو جمرود پہنچی ۔ ایک افغان سپہ سالار مسمی فیض محمد اس سفارت کا مزاحم راہ ہوا ۔ اس کے اور کیا وزیری کے باہمی تبادلۂ خیال کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا اور اس سفارت کو پشاور واپس ہونا پڑا ۔ اس پر لارڈ لٹن نے ایک اعلان اس قصور کے وجوہ کی تصریح کے ساتھ شائع کرنے کی تجویز کی اور یہ بھی کہ امیر کے لشکر کو درۂ خیبر سے نکال دیا جائے ۔ وادی کورم پر قبضہ کر لیا جائے اور کوئٹہ سے قندھار پر چڑھائی کی جائے مگر اس کے بجائے حکومت ولمن کی ایما پر ۲ اکتوبر کو باضابطہ طور پر اعلان جنگ کیا گیا اور ۲۰ نومبر تک جواب کا انتظار کرنے کے بعد بھی جب کوئی جواب وصول نہ ہوا تو اس کے دوسرے روز فوجی نقل و حرکت شروع کر دی گئی ۔

ان واقعات کے (جو ۱۸۷۸ء کی جنگ افغانستان کی تمہید تھے) بیان سے اتنے صفحے پُر ہو گئے ہیں جتنے اس موضوع کے لئے مختص کر دینے کا ابتداءً ہمارا منشا نہ تھا لیکن اس حد تک ان واقعات کو بیان کر دینا بھی ضرور تھا ۔ اس جنگ سے کیننگ اور لارنس ۔ میو اور نارتھ بروک کی ایک زمانے کی مقررہ حکمت عملی تہ و بالا ہو گئی اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر تقریباً چالیس سال سے جو امن قائم تھا اس میں خلل پڑ گیا ۔ روس کی حملہ آوری کا خطرہ رفع ہونے اور روس سے صلح ہو جانے کے بعد اس جنگ کی ابتدا ہوئی ۔ ہندوستان پہلے ہی سے مدراس کے ۱۸۷۷ء کے قحط اور شمالی ہند کے ۱۸۷۸ء کے قحط کے پر حوادث اثرات کو برداشت کر رہا تھا اس جنگ سے مالی مصائب اس پر مزید ہو گئے اعلان جنگ سے پہلے جہاں دیدہ و کار آزمودہ لارڈ لارنس نے بر وقت اس جنگ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی چنانچہ اس عمر رسیدہ مدبر نے ۱۴ ستمبر کو اخبار "ٹائمز" کے نام جو خط لکھا تھا اس کے چند فقرے یہاں قابل نقل ہیں ۔

"امیر نے جو کچھ بھی کیا اس پر درحقیقت ہمیں تعجب نہ کرنا چاہیے ۱۸۵۵ء کے عہد نامے کی تاریخ سے سابق امیر دوست محمد خان نے کبھی کابل میں سفارت رکھنے کی

ہمیں اجازت نہ دی تھی کہ اس طرح کا عارضی انتظام بھی امیر کو گوارا نہ ہوا اور اس نے وثوق کے ساتھ ہم کو باور کرایا تھا کہ اس حرکت سے شور و فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور افغانیوں کے ساتھ باامن تعلقات قائم نہیں رہ سکتے تھے۔ ہم نے امیر کے ان عذرات کو تسلیم کر لیا تھا۔ ۱۸۶۹ء میں امیر موجود نے بھی اسی حکمت عملی کی توثیق کی تھی۔

"امیر کے ساتھ جنگ چھیڑنے سے ہمیں کیا حاصل ہے؟ امیر کے ہم وطن اشخاص کے انبوہ کثیر کی مخالفت مول لیے بغیر کیا ہم امیر کو معزول کر سکتے ہیں؟ موجودہ نتائج کے مماثل نتائج پیدا کیے بغیر کیا ہم ۱۸۳۸-۳۹ء کی حکمت عملی کی پیروی کر سکتے ہیں؟ اگر ہم شیر علی کو کابل سے خارج کرنے میں کامیاب بھی ہوں تو پھر اس کی جگہ کس کو مقرر کر سکتے ہیں؟ اور سوائے اس کے کہ ہم اس ملک پر اپنا قبضہ قائم کریں اور کس طرح اپنے آوردہ کو وہاں بالتخت و تاج برقرار رکھ سکتے ہیں؟ پھر نہ معلوم یہ قبضہ کب جا کر ختم ہو؟

"یہی ہیں وہ فوجی اور سیاسی غور طلب امور جن کی بنا پر میں اس زمانے میں امیر شیر علی کے متعلق جو حکمت عملی اختیار کی گئی ہے اس پر صدائے احتجاج بلند کر رہا ہوں۔ لیکن اس جنگ کے خلاف کیا بہت قوی اخلاقی وجوہ بھی موجود نہیں ہیں؟ یہ پیش نظر رکھنے کے بعد کہ ایسی سفارتوں کا اکثر کیا نتیجہ نکلتا ہے چنانچہ ۱۸۳۶ء میں برنز کی سفارت سے افغانیوں پر کیا کچھ آفت نہ آئی کیا افغانیوں کا ایسی سفارت کی مزاحمت کرنا جس کو خواہ مخواہ ان کے سر کیا جا رہا تھا حق بجانب نہ تھا؟"

اس طرح تنقید کرنا بھی بے سود ہی ہوا۔ اس سورما کے ساتھ جس نے غدر میں کارنمایاں انجام دئے تھے اور بیس سال قبل انگلستان میں جس کا خیر مقدم شاہنشاہی ہند کے ایک "نجات دہندہ" کی حیثیت سے کیا گیا تھا آج بڑا حقارت آمیز برتاؤ کیا گیا کس و ناکس مقرروں۔ گمنام نامہ نگاروں اور وزارت کے موئد اخبار و صحائف میں واقف کارانہ طرز کے مضامین نویسوں نے اس پر زجر و توبیخ اور لعن و طعن کی بوچھار شروع کر دی۔ زمانہ کی ہوا بدل گئی تھی۔ صلح کے مشورہ کا مضحکہ ہو رہا تھا۔ جدید شاہنشاہیت کا یہی تقاضا تھا کہ جنگ ہو کر رہے۔

۹ نومبر کو اعلان جنگ کی میعاد ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ لارڈ بکنز فیلڈ نے انگلستان کے

اس جنگ کی ابتدا کرنے کے حقیقی سبب کا افشا کر دیا ۔ مینشن ہاؤس کی اثنائے تقریر میں اس نے کہا کہ یہ جنگ اس لئے نہیں کی گئی کہ اس کا منشا امیر کو روسی سفارت کا خیر مقدم کرنے اور انگریزی سفارت کے خیر مقدم کرنے سے انکار کر نے پر سزا دینا تھا بلکہ اس لئے کہ اصلاح حدود کے ساتھ ساتھ فنی اصول کے موافق نئی سرحد قائم کر دی جائے ۔ سر بارٹل فریر جو اس وقت جنوبی افریقہ کا ہائی کمشنر تھا اس حکمت عملی کے یار آور ہونے پر جس کی پندرہ سال سے وہ تائید کر رہا تھا بہت خوش ہوا ہوگا لیکن اس جنگ کے ختم ہونے سے پہلے اس حکمت عملی پر اس کے لئے کفِ افسوس ملنے کی معقول وجہ پیدا ہو گئی تھی ۔

واقعات جنگ کو بالتفصیل بیان کرنا موجودہ کتاب کا مقصد نہیں ۔ انگریزی افواج نے درۂ خیبر کی راہ سے اور وادیٔ کُرّم نیز درۂ بولان سے غرض تینوں طرف سے چڑھائی کی ۔ شیر علی ترکستان کی طرف فرار ہو گیا اور وہیں اس نے وفات پائی ۔ اس کے فرزند یعقوب خان نے ۲۶ مئی ۱۸۷۹ء میں صلحنامہ گنڈمک پر دستخط کر دیے جس کی رو سے انگریزی حکومت کو اضلاع پشین ۔ سیبی ۔ اور کُرّم مل گئے ۔ لارڈ لٹن نے لکھا تھا کہ " اس معاہدے کے دفعۂ سوم (۳) کی رو سے افغانستان پر اس سرے سے اس سرے تک بلا شرکت غیرے ہمارا اقتدار قائم ہو جائے گا اور امیر کے بیرونی تعلقات پر بھی ہماری فرمان روایانہ نگرانی قائم ہو جائے گی " یہی تھا جس کی شیر علی نے پیش بینی اور سخت مزاحمت کی تھی ۔ لارڈ بکنس فیلڈ نے وائسرائے کو یہ تحریر کیا کہ " ہم نے فنی اصول کے موافق معقول طریقے پر سرحد قائم کر دی ہے ۔ اس سے مجھکو ہمیشہ اطمینان و خوشی ہو گی کہ شاہان مغلیہ کے تخت پر آپ کو بٹھانے کا مجھ کو موقع ملا "

یہ مبارکباد کسی قدر قبل از وقت تھی ۔ سر لوئی کوبانری اور انگریزی سفارت ۲۴ جولائی ۱۸۷۹ء[۲] میں کابل میں داخل ہوئی ۔ افغانی بہت کبیدہ خاطر اور غصے میں بھرے بیٹھے تھے ۔ نیا امیر ہر دلعزیز نہ تھا اور شبہ کیا جاتا تھا کہ وہ دغاباز اور ناقابل اعتماد ہے ۔ ۲ ستمبر کو کیوانری نے آخری تار برقی بھیجا جس میں یہ الفاظ تھے کہ " سب خیریت ہے " ۳ ستمبر کو اس افسر کا اس کے سارے بدرقہ کے ساتھ قلع قمع کر دیا گیا ۔

یعقوب خان تخت سے دست بردار ہو گیا اور اس کو خارج البلد کر کے ہندوستان بھیجدیا گیا ایک تازہ جنگ اب ناگزیر ہو گئی۔

مارچ ۱۸۸۰ء میں مسٹر لیپل گرفن کو کابل اس غرض سے بھیجا گیا کہ وہ سپہ سالار سر فریڈرک رابرٹس کے مشورہ اور علم سے سفارت کے معاملات اور جنگی امور کا انصرام کرے لارڈ لٹن نے گرفن کو لکھا تھا کہ "میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ جیسے ہی آپ کابل پہنچیں اس پھندے سے ہماری رہائی کے لئے کیوں کوئی راستہ نہ نکل آئے"۔ لارڈ لٹن نے وزیر ہند کو یہ تحریر کیا کہ "ان تمام فوجی نقل و حرکت کا (جن کو اس موسم بہار میں عمل میں لانے کی میں نے منظوری دی ہے) مقصد صرف یہی ہے کہ جتنا جلد ہو سکے اس ملک سے نکلنے کا سامان ہمارے لئے ہو جائے"۔ یہ تھے اس جدید حکمت علی کے نتائج جن کو اسی شخص نے بیان کیا ہے جس نے خود اس حکمت علی کو اختیار کیا تھا۔

اپریل ۱۸۸۰ء میں حکومت قدامت پسند کو زوال ہوا۔ اور لارڈ لٹن اس حکمت علی کے سوا جو وزارت قدامت پسند نے اسکو سکھائی تھی اور تو کوئی حکمت علی جانتا ہی نہ تھا اس لئے اس نے بھی حکومت قدامت پسند کے ساتھ استعفا دیدیا لٹن نے اپنے سب سے زیادہ دانشور پیشرو یعنے لارڈ لارنس اور اپنے سب سے زیادہ عاقل وزیر مال یعنے سر ولیم میور کے مشورے کے خلاف عمل کیا تھا جس سے کچھ خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا بلکہ الٹے ہندوستان دو کروڑ پونڈ سے زیادہ نقصان میں مبتلا ہو گیا۔

ہ۱ - یہ پہلے ہی بیان کر دیا گیا ہے کہ جولائی ۱۸۷۶ء عیسوی میں امیر کو جو مراسلہ تحریر کیا گیا تھا اس پر آرنتھر ہابہاؤس اور سر ہنری نارمن کے ساتھ سر ولیم میور نے بھی ایک رائے کا اختلاف ظاہر کر دیا تھا۔ اکتوبر ۱۸۷۶ء عیسوی میں ہندوستان سے وطن جاتے ہوئے سر ولیم میور نے ایک اور یادداشت قلمبند کی جس میں اس نے اپنی سابقہ رائے کا جو پہلی یادداشت میں ضبط تحریر میں آچکی تھی اعادہ کر کے اسی پر زور دیا اور استدعا کی کہ ان دونوں تحریرات کو سرکاری یادداشت متصور کیا جائے لیکن یہ نہیں کیا گیا لارڈ کرینبروک نے افغانی معاملات کے متعلقہ کاغذات کے ساتھ ان یادداشتوں کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے سے انکار کر دیا اس لئے سر ولیم میور کو لارڈ لٹن کی

یہ رقم ان تمام اہم کارہائے آبپاشی کے لئے کافی تھی جن کے متعلق سر آر تھر کاٹن نے دارالعوام کی مجلس منتخبہ میں اسی سال جس سال جنگ افغان کی ابتدا ہوئی تحریک کی تھی۔ اس سے ہندوستان کے لکھوکھا کاشتکار ہمیشہ کے لئے قحط اور مصائب قحط سے محفوظ تو رہتے۔

قدامت پسند جماعت کے زوال کے بعد مسٹر گلیڈاسٹن نے ۱۸۸۰ء میں جدت پسند حکومت قائم کی۔ گلیڈاسٹن نے جس کامیابی کے ساتھ شاہنشاہیت کے تموج کی کچھ مدت تک روک تھام کی اور شاہنشاہیت کے بجائے چند روز کیلئے جدت پسندی کی ہوا باندھ دی اس سے اس کے اثر و اقتدار کی عظمت صاف عیاں ہوتی ہے۔ اس کارآزمودہ مدبر نے اپنی جوانی کے زمانے تک میں کبھی ایسی پرجوش فصاحت اور بلاغت اور منصفانہ گرمجوشی نہیں دکھائی تھی جیسی "مڈلوتھین کی مہم" کے اثنا میں ترکوں نے بلگریہ پر جو مظالم ڈھائے تھے اس پر وزارت وقت کی اکھوب لے دے کرنے میں دکھائی تھی قوم نے بھی اس بارے میں اس کا ساتھ دیا اور جدت پسند گروہ کو حکومت کے لئے منتخب کیا۔ مسٹر گلیڈاسٹن کی اس وزارت دوم میں کارہائے نمایاں یہ ظہور میں آئے کہ ایک جدید قانون اصلاح اور ایک جدید قانون اراضی آئرلینڈ نافذ ہوا۔ اور مارکوئیس رپن نے ہندوستان میں بھی جدت پسند تجاویز کی ابتدا کی۔

لارڈ کرینبروک کے بعد مارکوئیس ہارٹنگٹن وزیر ہند مقرر ہوا اور لارڈ رپن نے ماہ جون ۱۸۸۰ء میں لارڈ لٹن سے وائسرائے ہند کی خدمت کا جائزہ حاصل کیا۔ جنگ افغان بھی جلد ختم کر دی گئی۔ ۲۷ جولائی کو ایک برطانوی بریگیڈ نے قندہار کے قریب میوند کے مقام پر افغانیوں سے شکست کھائی لیکن یکم ستمبر کو سر فریڈرک رابرٹ نے کابل سے قندہار کی طرف کوچ کیا اور افغانی فوج کے قدم اس کی تاب مقاومت نہ لاکر میدانِ جنگ سے اکھڑ گئے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن خان کو امیر تسلیم کر لیا گیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) افغانی حکمت عملی سے اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کی غرض سے ان تحریرات کو شائع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ میور کا قائمقام سر جان اسٹریچی ہوا جو کسی زمانے میں لارنس اور میو کا بہت بڑا حامی اور طرفدار تھا لیکن اس کے خیالات نے فوری ایسا پلٹا کھایا کہ وہ بھی لارڈ لٹن کی جدید حکمت عملی کا دلدادہ اور مؤید ہو گیا۔

اور انگریزی فوج کابل اور قندہار دونوں مقامات سے واپس ہوگئی۔

ہندوستان میں پھر سے امن قائم ہوگیا اور موازنہ میں بھی فاضلات نظر آنے لگی۔ بحیثیت فریق مقابل مسٹر فاسٹ اور مسٹر گلیڈسٹن دونوں نے جنگ افغان کے جملہ مصارف کا بار ہندوستان کے خزانے پر ڈالنے کی تجویز پر چونکہ سخت اعتراضات کئے تھے اس لئے حکومت جدت پسند نے شہنشاہی خزانے ہی سے اس جنگ کے بعض مصارف کی تکمیل کے لئے پچاس لاکھ پونڈ منظور کئے۔ یہ رقم جنگ کے جملہ مصارف کا ایک قلیل حصہ تھی لیکن اس اصول کو عملی طور پر تسلیم کرنے کی کہ روس پر رشک و حسد کرنے کی وجہ سے ہندوستان کی سرحد سے باہر مہمات کے جو مصارف ہوتے ہیں ان کا بار صرف ہندوستان ہی پر نہ ڈالنا چاہئے یہی ایک مثال ملتی ہے۔ ایک اور دانشمندانہ تدبیر حکومت جدت پسند نے اختیار کی جس کی تفصیل یہ ہے کہ لارڈ لٹن کی کمزور حکومت نے ہندوستان کے ملکی مطابع کا منہ بند کر دینے کی غرض سے ایک قانون نافذ کیا تھا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی حکومت ہند سے نادانستہ غلطیاں سرزد ہوتی ہیں تو کسی نہ کسی طرح نکتہ چینوں کی زبان بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لارڈ رپن نے حکومت وطن کی رضامندی سے اس قانون مطابع ملکی کو منسوخ کر دیا۔ میسور کی ریاست نصف صدی تک انگریزوں کے زیر نظم و نسق رہی تھی مگر اب لارڈ رپن کا ایک خوشگوار فریضہ منصبی یہ تھا کہ وہ اس ریاست کی گدی ۱۸۸۱ء میں وہاں کے راجہ کو واپس دیدے۔ لیکن لارڈ رپن کی حکومت جدت پسند اس منصفانہ اور فیاضانہ فعل کی اصل محرک نہ تھی بلکہ ۱۸۶۷ء میں جو حکومت قدامت پسند تھی وہ اور سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ وزیر ہند ہی اس کے حقیقی بانی تھا۔

۱۷۹۹ء میں میسور ٹیپو سلطان سے فتح کرلیا گیا۔ انگریزی حکومت اور اس کے حلیف نظام دکن نے اس مفتوح ملک کے بڑے بڑے خطے آپس میں تقسیم کر لئے اور جو حصہ باقی رہ گیا اس کو مارکوئیس ویلزلی نے قدیم ہندو خاندان شاہی کو واپس دیدیا۔ اس ریاست میں پہلا برطانوی رزیڈنٹ سر جان میلکم مقرر ہوا جو ایک بڑا وضع دار اور ہمدرد شخص تھا اور ۱۸۱۱ء میں اس کے چلے جانے کے بعد دیوان پورنیا نے اس قابلیت اور کامیابی کے ساتھ اس ریاست کا انتظام کیا کہ ڈیوک ولنگٹن بھی اس پر

پر عش کرنے لگا۔

لیکن اس ریاست پر مدراس کے عہدہ داروں کی للچائی ہوئی نظر پڑرہی تھیں اور باشندگانِ ریاست میں بھی عام طور پر یہی خیال پھیلا ہوا تھا کہ اگر وہ راجہ کی مخالفت شروع کر دیں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت اس کو بری نظروں سے نہ دیکھے گی چنانچہ میسور میں بغاوت ہوگئی اور ۱۸۳۱ء میں کمپنی کی حکومت نے عارضی طور پر اس ریاست کو اپنے زیر نگرانی لے لیا۔ لارڈ ولیم بنٹنگ تک راجہ میسور کے متعلق ایسی مبالغہ آمیز خبریں پہنچی تھیں کہ انھیں کی بنا پر اس نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا گر زمانہ مابعد میں اس کو محسوس ہوا کہ اس کو مغالطہ دیا گیا تھا چنانچہ انگلستان واپس آنے کے بعد وہ ہمیشہ یہی کہتا رہا کہ راجہ میسور کی معزولی اس کے عہد حکومت کا ایک ہی ایسا واقعہ تھا جس کا اس کو ہمیشہ افسوس رہے گا۔

راجہ نے اپنی گدی واپس ملنے کی بار بار استدعا کی اور لارڈ ہارڈنگ نے اس مسئلے پر خوب غور و خوض کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی کہ برطانوی رقمی مطالبات کی تکمیل کے بعد آیندہ اس ریاست پر برطانوی قبضہ قایم رہ سکتا ہے یا نہیں اس میں بہت کچھ شک کی گنجایش ہے۔ اس کا جواب مجلس نظماء نے یہ دیا کہ راجہ کو گدی واپس دینے میں حقیقی رکاوٹ یہی تھی کہ اس سے ریاست کے انتظامِ حکومت میں پھر خرابی پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔

لارڈ ہارڈنگ کے بعد لارڈ ڈلہوزی وائسرائے ہند ہوا اور اس کی طبیعت لارڈ ہارڈنگ سے بالکل مختلف تھی۔ اس نے ایک یادداشت قلم بند کی جس میں بیان کیا کہ معزول راجہ کی عمر باسٹھ ۶۲ برس کی تھی اور اس کو کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اس کو اعتماد کلی تھا کہ راجہ کی وفات کے بعد ”میسور کی عملداری انگریزی سرکار کو باز گشت ہو جائے گی اور انگریزی سرکار اس ریاست کو فوراً اپنے زیر حکومت لے لیگی۔ اس طرح یہ کام حسن و خوبی سے شروع ہوا تھا اسی خوبی کیساتھ اتمام کو پہنچ جائے گا۔“

۱۸۵۸ء میں جب ہندوستان کی حکومت ملکہ نے براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لی اس وقت خوش نصیبی سے ”قانون باز گشت“ اور وہ جوش و خروش اور میلان طبایع جو اس قانون کا محرک تھا مفقود ہو چکا تھا۔ لارڈ کیننگ نے اس معمر راجہ کی وفاداری و عقیدت اور غدر کے زمانے میں میسور میں امن قائم رکھنے کی جو

کوششیں کی تھیں ان سب کا اعتراف کیا اور وعدہ کیا کہ اس کی خواہشات کو وزیر ہند کے گوش گزار کر دے گا۔ ۱۸۶۷ء میں یہ مسئلہ صدور فیصلہ کے لئے مکمل ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ وزیر ہند تھا۔ حکومت قدامت پسند نے یہ تصفیہ کیا کہ "اس صوبے کی گدی پر مہاراجۂ میسور کا خاندان مہاراجہ کے متبنیٰ کی ذات اور وجود سے برقرار رکھا جائے گا۔"

اس کے آٹھ سال بعد قدامت پسند جماعت کی حکومت پھر سے قائم ہوئی اور لارڈ سالسبری وزیر ہند مقرر ہوا۔ اس نے ولی عہد میسور کی تعلیم کے متعلق کرنل میالیسن کی تجاویز پر جو اظہار رائے کیا تھا وہ یہاں قابل اعادہ ہے۔

"اس موقع پر صرف ادبی کمال و قابلیت کا حاصل کرنا ہی اصل نہیں ہے۔ ایک ایسے سن میں جب کہ اور لوگوں کی تعلیم تکمیل کو نہیں پہنچتی ہز ہائنس کو وہ سب اختیارات مل جائیں گے جن کے جائز و درست استعمال پر بے شمار لوگوں کی خوش دلی و خوش حالی کا انحصار ہے اور ایسے فرائض تفویض ہو جائیں گے کہ طالب علمی کے مشاغل کے لئے فرصت نہ رہے گی۔ ایسے علوم کی بہت اچھی تعلیم دینا جن کی مدد سے ہز ہائنس اپنے اعلیٰ فریضہ منصبی کو کامیابی کے ساتھ انجام دے سکیں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حکومت کے اصول جن پر اس کے اقتدار اور اس کا نام لیکر عمل کیا جائے گا۔ وہ مخصوص خطرات اور اغلاط جن کے اثرات اس پر عاید ہوں گے۔ وہ برکات جو اقتدار کے صحیح استعمال سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ تنبیہات اور حوصلہ افزا واقعات جو اسی کی قوم کے دیگر رؤسا کی تاریخ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ غرض یہ تمام ایسے امور ہیں جن کی طرف بطور خاص اس کی توجہ اس کے سن بلوغ کو پہنچنے تک منعطف کراتے رہنا ضروری ہے۔"

۱۸۸۱ء میں جب حکومت جدت پسند قائم ہوئی تو اس ریاست کی گدی راجہ کو واپس دینے کا وقت آ چکا تھا انگریزوں نے میسور کے نظم و نسق کی تنظیم جدید کی تھی لیکن مالیاتی نقطۂ نظر سے یہ کچھ کامیاب ثابت نہیں ہوئی تھی ۱۸۷۷ء کا قحط میسور میں بھی ایسا ہی شدید پڑا تھا جیسا مدراس میں اور جس طرح برطانوی ہند میں کثیر المقدار قرض ہو گیا تھا اسی طرح یہاں بھی ہو گیا۔ بنگلور تا میسور ریلوے کی تعمیر میں جو مالی ذمہ داری عائد ہو گئی تھی اس کے علاوہ اس ریاست کے محاصل پر ...... ہ لو پونڈ کے قرض کا بار تھا جس کو

برطانوی ہند سے لیا گیا تھا۔ اس لئے یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ راجہ کو اس کی گدی واپس دینے کے بعد بھی ۲۴۵۰۰۰ پونڈ کی رقمی امداد اور پانچ سال تک جاری رکھنی چاہئے اور اس میں ۳۵۰۰۰ پونڈ تک اضافہ کرنے کی تحریر بیدست ملتوی کر دینا مناسب ہے۔

اقرار نامۂ منتقلی چوبیس دفعات پر مشتمل تھا۔ منتقلی حکومت ۲۵ مارچ ۱۸۸۱ء سے عمل میں آئی اور میسور کی رعایا اور سرداروں کو بذریعۂ اعلانِ شاہی اس کی اطلاع بھی کر دی گئی۔

برطانوی ہند میں کاشتکاروں کے حقوق کی مزید حفاظت کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئی تھیں ان کا شمار لارڈ رپن کے مفید ترین کارناموں میں ہوتا ہے۔ بنگالے کے قوانین لگان بابتہ ۱۸۵۹ء و ۱۸۶۹ء کو تقویت دینے کی ضرورت معلوم ہوتی تھی اور اس موضوع پر طول طویل مباحث کے بعد ایک مسودۂ قانون مرتب کیا گیا جس کو لارڈ رپن کے قائم مقام نے ۱۸۸۵ء میں چند ترمیمات کے ساتھ نافذ کر دیا۔ بمبئی اور مدراس کے رعیت واری خطوں کے لئے لارڈ رپن نے یہ واجبی قاعدہ تجویز کیا تھا کہ بندوبست شدہ اضلاع میں مطالبۂ سرکار میں اضافہ کرنا چاہئے بجز اس صورت کے کہ عام قیمتوں میں بھی بیشی ہوئی ہو۔ ان اصلاحات اراضی کو تفصیل کے ساتھ کسی بعد کے باب میں بیان کیا جائے گا۔

لارڈ رپن نے قانون فوجداری میں ایک معمولی سی ترمیم کی غرض سے جب یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستانی مجسٹریٹوں کو یورپی ملزموں کے مقدمات کی سماعت کا اختیار ملنا چاہئے تو اس پر اس کی شدید مخالفت کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تجویز منظور تو ہوئی مگر ایک مرمتہ شکل میں اور اس شرط کے ساتھ کہ یورپی ملزمین کو جیوری طلب کرنے کا حق ہوگا۔ لیکن جس بات کے لئے لارڈ رپن کا نظم و نسق مشہور ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اضلاع میں اور ان بلاد میں جو بلدیہ کے تحت تھے مقامی حکومت خود اختیاری کی ترویج کی۔ سررشتۂ مالیہ کی ایک تحریک میں گورنر جنرل نے ان اصول کو حسب ذیل الفاظ میں منضبط کیا۔

"صوبجات کی حکومتوں کو شہنشاہی ذرائع سے اب خاصی آمدنی ہوگئی ہے اور اب ان کی باری ہے کہ وہ ان محاصل کا جو انہیں کے ہاتھوں میں ہیں ایک معتد بہ حصہ مقامی خود اختیاری حکومتوں پر منتقل کر دیں۔"

اسی بنا پر صوبجات کی حکومتوں کے نام مراسلات بھیجے گئے اور ان میں مسائل کے ان شعبہ جات کا ذکر تھا جو مقامی اداروں کی نگرانی میں دینے کے سب سے زیادہ موزوں و مناسب سمجھے گئے تھے ۔ صوبجات کی حکومتوں نے ان جدید اصول کو تسلیم کر لیا اور ان کے متعلق اپنا اپنا مصلاح و مشورہ پیش کیا ۔ گورنر جنرل نے باجلاس کونسل اس مسئلہ پر زیادہ تفصیل کیساتھ غور و خوض کیا ۔ اس نئے منصوبے کے مقاصد کی توضیح کے لئے بعد کی تحریک سے ذیل میں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں ۔

" اصل میں اصلاح نظم و نسق کے خیال سے اس تجویز کو نہ پیش کیا گیا اور نہ اس کی تائید کی گئی بلکہ زیادہ تر اس لئے کہ اس تجویز کو عامتہ الناس کو سیاسی تعلیم دینے اور تجربہ حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ خیال کیا گیا تھا ۔ یہ اجلاس کونسل ہز اکسلنسی یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اس میں کچھ شک نہیں جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا اور جیسے جیسے مقامی معلومات اور مقامی اغراض کے اثرات مقامی نظم و نسق پر بلا مزاحمت پڑتے جائیں گے ویسے ویسے لوگوں میں کاربرآری کی قابلیت بھی اور زیادہ ہوتی جائے گی ۔"

یہ اندیشہ بے بنیاد نہیں کہ مقامی حکومت خود اختیاری قائم کرنے کی سابق میں جو کوششیں کی گئیں ان میں اکثر یہ ہوا کہ نیک نیتی ہی سے سہی سرکاری مداخلت براہ راست اس درجے ہونے لگی جس سے عملی طور پر اس حکومت کو ایک عضو معطل بنا دیا گیا ۔ ان بعض مقامات میں جہاں مقامی اداروں پر حقیقی ذمہ داری عاید کی گئی تھی اور ان کو حقیقی طور پر اختیارات دیئے گئے تھے وہاں اس اعتماد کے خوشگوار اور اطمینان بخش نتائج پیدا ہوئے تھے ۔"

" یہ اجلاس کونسل گورنر جنرل یہ مناسب خیال کرتے ہیں کہ عام طور پر مقامی مجلس کے تحت بڑے سے بڑا جو رقبہ دیا جائے وہ تفصیل و تعلقہ کے عامل حکومت کا سب سے چھوٹا رقبہ ہونا چاہیئے ۔"

" شہر و بلاد کے اندرونی حدود جو رقبہ ہو گا اس کے لئے مجالس بلدیہ ہی مقامی مجالس کے قائم مقام متصور ہوں گی ۔"

" مقامی مجالس میں خواہ وہ بلاد سے متعلق ہوں یا قصبات سے غیر سرکاری ارکان کی اکثریت ہونی چاہئے ۔"

" مقامی حکومت کی رائے میں جہاں کہیں ان مجالس کی رکنیت کے لئے انتخاب

قابلِ عمل ہو سکتا ہے وہاں انتخاب ہی کے ذریعے سے ارکان مقرر کئے جائیں"۔

"ان مقامی جماعتوں کے افعال کی نظرثانی اور تنقیح حکومت کرے گی مگر وہ خود ان تحریکات کی بانی نہ ہوگی"۔

"ان اختیارات کے استعمال کے لئے ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ بلاد و اضلاع و تحصیلات کے صدر عہدہ داران عاملانہ ہی مقامی مجالس کے صدر نشین یا کم سے کم رکن ہی ہوں بلکہ یہ باور کرنے کے معقول وجوہ ہیں کہ ان عہدہ داروں کے ان مجالس میں فی الواقع شریک ہوئے بغیر ان جماعتوں کے افعال پر باہر ہی سے نگرانی رکھنے میں زیادہ سہولت ہے"۔

"بنا برآں بہ اجلاس کونسل گورنر جنرل کی عین خواہش یہی ہے کہ جہاں تک یہ قابلِ عمل ہو غیر سرکاری ارکان ہی ان مقامی مجالس کی صدر نشینی کریں"۔

مذکورالصدر اقتباسات سے لارڈ رپن کے منصوبے کا منشاء و مقصد بخوبی ظاہر ہوتا ہے اور اس پر طویل سرکاری مراسلت و بحث کے بعد تین قسم کے مجالس کے قیام و نشو و نما کا تصفیہ کیا گیا۔

(۱) ہندوستان میں اضلاع "کاؤنٹیز" کے برابر ہیں اس لئے انگلستان کی "کونٹی کونسل" کے مماثل مجالس اضلاع قائم کی گئیں۔ ان میں رعایا ہی کے منتخب ارکان کی اکثریت تھی۔ بعض کا تقرر خود حکومت نے بھی کیا تھا اور ضلع کا سرکاری عاملانہ عہدہ دار ہی ان کا صدر نشین مقرر ہوا تھا۔ سڑکیں۔ تعلیمی امور۔ ہسپتال اور چند گھاٹ جن سے لوگ دریا پار اترتے تھے ان مجالس اضلاع کی زیر نگرانی دیدیے گئے۔

(۲) تحصیلات میں بھی مقامی مجالس قائم کی گئیں اور ان کو مجالس اضلاع کے زیر حکم کر دیا گیا۔ ان مقامی مجالس میں بھی رعایا ہی کے منتخب ارکان کی اکثریت تھی اور بعض کا تقرر خود حکومت نے بھی کیا تھا۔

(۳) ان بلاد میں جہاں بلدیہ قائم تھیں رعایا ہی کے منتخب ارکان کی اکثریت تھی اور ترقی یافتہ مقامات میں ایک غیر سرکاری صدر نشین کو انتخاب کرنے کی ارکان کو اجازت تھی۔

انتخابی نظام کی توسیع اور مقامی معاملات کے انتظام میں اہل ہند کی شرکت کے لئے ادنیٰ پیمانے پر ان اداروں کی اس طرح ابتدا ہوئی۔ ہندوستان میں انگریزی

راج کو زیادہ محفوظ اور ہر دلعزیز بنانے اور رعایا کے دلوں میں یہ وسیع حکومت کے ساتھ انس پیدا کرنے کا اس سے بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں کہ نظم و نسق کے فرائض اور ذمہ داریوں میں ان کو بھی شریک کیا جائے۔ یہی حکمت عملی تھی جس کی بنا پر ہندی سے منرو۔ الفنسٹن اور منٹگ نے شاہنشاہی ہند کی بنیاد کو اس صدی عیسوی کے اوائل میں مستحکم بنا دیا تھا اور یہی حکمت عملی تھی جس کی بنا پر لارڈ رپن کی حکومت اس قدر ہر دل عزیز ہو گئی تھی۔ ہمارے زمانے میں اہل ہند نے ایسے جوشِ عقیدت اور شکرگزاری کا کبھی اظہار نہیں کیا جیسا ارکوئس رپن کی مراجعت سے پہلے اس کے عہد میں کیا تھا۔ جنھوں نے اپنی آنکھوں ان واقعات کو دیکھا تھا انھوں نے ہندوستان یا دنیا کے دیگر اقطاع میں اس طرح ہوتے پھر کبھی نہ دیکھا۔" شملے سے بمبئی تک اس کا سفر کیا تھا ایک فاتحانہ کوچ تھا اور ایسا کہ اس کے مانند دوسرا ہندوستان میں کسی نے کبھی دیکھا ہی نہیں پس یہ سمجھئے کہ ایک لمبا جلوس تھا جس میں سات کروڑ نفوس اپنے مہربان دوست کی تعریف میں ترانے گاتے چلے جا رہے تھے۔"

اگر ہندوستان میں ایک ایسا ہمدردانہ اور دانشمندانہ نظم و نسق ہو جیسے اہل ہند کو سیاسی ترقی پر پہنچاتا اور حکومت خوداختیاری اور نیابت کے اشکال کو بتدریج توسیع دینا منظور ہو تو اس سے انگریزی راج کو تقویت ہوگی اور خود رعایا بھی ایسی شاہنشاہی پر فخر کرنے لگے گی۔ اگر مطلق العنان اور ناقابل اعتماد نظم و نسق ہو جو رعایا کی ترقی کی جائز امنگوں اور آرزوؤں کا سد راہ ہو اور خود رعایا کے معاملات کے سرانجام و انتظام سے رعایا ہی کو محروم رکھے تو اس سے شاہنشاہی کی بنیاد کمزور اور بہ تقتضائے فطرتِ انسانی ایک ایسی عام بے اطمینانی پیدا ہو جائے گی جس کے گہرے اثرات پھیلتے پھیلتے بڑے سیاسی خطرے کا موجب بن جائیں گے۔

دوسرا باب

ڈفرن اور لینڈسڈاؤن

رجعت قدامت پسند کی ابتداء ۱۸۸۶ء سے ہوئی اور اس کے موافق انسداد میں جدت پسند گروہ کے ممتاز رہنما گلیڈسٹن کو جو کچھ کامیابی ہوئی وہ محض عارضی تھی حقیقت یہ ہے کہ کوئی کیسا ہی مدبر کیوں نہو ہوائے زمانہ کے خلاف اس کی کیا چل سکتی ہے مسٹر گلیڈسٹن کو اپنی چہار سالہ دوسری وزارت کے اثناء میں ایسے دشوار و صبر آزما فرائض کا سامنا کرنا پڑا تھا جیسے اس کو پہلے کبھی درپیش نہیں ہوئے تھے یوں تو ظلم و زیادتی سے تنفر کرنا اسکی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور اپنی سرشت کو وہ بدل بھی نہیں سکتا تھا مگر بیچارہ کیا کرتا جب کہ قوم کی قوم حدود شاہنشاہی کی توسیع پر تلی ہوئی تھی۔ افغانستان کی مہم سے جو کچھے نقصان مایہ و دیگرے شماتت ہمسایہ" کا مصداق تھی اس نے ہمت کر کے کنارہ کشی اختیار کر لی مگر مصر میں عربی پاشا سے مقابلہ کرنا اس کے لئے ناگزیر ہو گیا تھا۔ تل الکبیر کی فتح کے بعد اس نے اپنا ہاتھ روک لیا اور بہت کچھ پس و پیش بھی کیا لیکن آخر کار اس ملک کو برطانیہ کے زیر قبضہ خواہ مخواہ اس کو لینا ہی پڑا۔ مسٹر گلیڈسٹن نے بلند ہمتی سے ٹرانسوال کی جمہور کو خود مختاری واپس دیدی اگرچہ اس کے ہم وطن اس فعل کو برطانیہ کی شرمناک تذلیل کے برابر سمجھتے تھے سوڈان کی مہم کے بارے میں نہ تقدیم افواج کے متعلق وہ کوئی قطعی تصفیہ کرتا تھا اور نہ انکی مراجعت کے۔ اس تذبذب کا یہ نتیجہ ہوا کہ خرطوم قبضے سے نکل گیا اور جنرل گارڈن بھی مارا گیا۔ اس ناکامی کا الزام بھی گلیڈسٹن کے ہم وطنوں نے

اسی پر عائد کیا۔

یہ ظاہر تھا کہ مسٹر گلیڈسٹن اس زمانے کے لئے کچھ مناسب نہ تھا۔ جو شخص تمام عمر صلح پسند و صلح کار رہا ہو وہ محض زمانے کا رنگ دیکھکر یکایک کیسے شاہنشہی پسند بن سکتا تھا جس نے دنیا میں ہر جگہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دوستانہ امداد دینے سے کبھی دریغ نہ کیا ہو اُسکو پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا الحاق کیونکر گوارا ہو سکتا تھا۔ ملک اور اہل ملک کی اصلاح ہی اسکی قوت روح تھی لیکن قوم کو ایک ایسے رہنما کی خواہش تھی جو حدود شاہنشاہی کی توسیع کر سکے۔ اسکی اعلےٰ کردار۔ زوردار شخصیت اور بے مثال قوی کا لوگ جب بھی احترام اور تعریف ہی کرتے تھے لیکن اُسکا اثر و اقتدار اسلئے کم ہو رہا تھا کہ قوم دوسری قسم کی حکمت عملی پر تلی ہوئی تھی۔ دسمبر ۱۸۸۴ء میں "تیسرا قانون اصلاح" جب وہ منظور کرا چکا تو اس کی اصلی غرض و غایتہ پوری ہو گئی۔ وزارت جدت پسند جون ۱۸۸۵ء میں مستعفی ہو گئی۔ اگرچہ اُسکے بعد بھی دو(۲) مرتبہ مسٹر گلیڈسٹن آئرلینڈ کے آرا سے وزیر اعظم ہوا لیکن ۱۸۸۵ء کے بعد سے اسکو انگلستان میں کبھی وہ قبولیت عامہ حاصل نہ ہوئی جو "ہر دلعزیز ولیم" کو ۱۸۸۰ء سے پہلے حاصل تھی۔ اُس وقت انگلستان کو اپنی جدید حکمت عملی خارجہ کے سرانجام کے لئے ایسے شخص کی کچھ ضرورت ہی نہ رہی تھی۔

لارڈ بکنز فیلڈ کے ۱۸۸۱ء میں وفات پانے کے بعد لارڈ سالسبری قدامت پسند گروہ کا رہنما بن گیا اس لئے جب ۱۸۸۵ء میں وزارت قدامت پسند قائم ہوئی تو لارڈ سالسبری وزیر اعظم مقرر ہوا اور بہ استثناء دو ایک مختصر وقفوں کے جب کہ جدت پسند وزارت ۱۸۸۶ء میں فروری سے جولائی تک اور پھر ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۵ء تک قائم ہوئی اس عہدہ جلیلہ پر سالسبری ہی ۱۹۰۲ء تک کارفرما رہا۔ سالسبری خود شاہنشہی پسند نہ تھا بلکہ امن پسند تھا اور امن قائم رکھنے کی اُس نے ہر طرح کوشش کی لیکن جب کبھی وہ کسی بات کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا تو اس میں یہ ملکہ تھا کہ وہ دوسروں کی رائے پر چلتا تھا بہ الفاظ دیگر دریا کے چڑھاؤ پر ہاتھ پاؤں مارنے کا جب یارا نہ رہتا تو بہاؤ پر بے دست و پا بہا چلا جاتا تھا۔ اُس نے ہندوستان میں پیشقدمی کی حکمت عملی کا پہلے پہلے مضحکہ اڑایا لیکن بعد کو ۱۸۷۸ء میں اسی حکمت عملی کو اس نے قبول کر لیا۔ یہ صحیح ہے کہ ۱۸۸۵ء میں اس نے ہندوستان کی سرحد کچھ ہشیار قائم کر دی جس سے روس سے جنگ کی نوبت نہ آنے پائی

سنہ ۱۸۹۵ء میں وینیزویلا کی ثالثی قبول کر کے ممالکِ متحدہ امریکہ کو برطانیہ سے لڑائی کا موقع نہ دیا۔ افریقہ کے مقبوضات کی حدبندی کر کے جرمانیہ کے ساتھ ناخوشگوار تعلقات پیدا نہ ہونے دئے۔ فشودا اور دریائے نائیجر دونوں کے متعلق فرانس اور برطانیہ عظمیٰ کے دعاوی کا نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ دوستانہ تصفیہ کر دیا۔ غرض یہ سب خدمات نہایت قابلِ تعریف طور پر اس وزیر اعظم نے انجام دیں اور ہر طرح امن قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن اس صدی کے اواخر میں جب دوسروں کی مخالفت پر جدوجہد کرنے کا اس میں یارا نہ رہا تو اس نے حیلے سے اپنے مخالفین کی رائے قبول کرلی۔

حدودِ شاہنشاہی میں توسیع کے مطالبے کا پہلا نتیجہ ہندوستان میں یہ نکلا کہ شمالی برما فتح کرلیا گیا۔ اس زمانے میں لارڈ رپن کے بعد لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند مقرر ہوا تھا اور یہ ایک لائق و مدبر شخص تھا۔ جو اعلیٰ فہم و فراست اور دنیا کا مختلف النوع تجربہ رکھتا تھا۔ جب لارڈ لارنس ہندوستان کا وائسرائے تھا اس وقت سنہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۶ء تک نائب وزیر ہند رہ چکا تھا۔ سنہ ۱۸۷۲ء سے سنہ ۱۸۷۸ء تک کینیڈا میں بڑے طمطراق اور کروفر کے ساتھ اس نے حکومت کی تھی اور ایک قابل منتظم مملکت کی حیثیت سے خاص امتیاز حاصل کیا تھا اس کے بعد وہ سینٹ پیٹرزبرگ اور قسطنطنیہ میں سفیر بھی رہا تھا۔ مصر پر ترکی اور انگلستان کی نگرانی برخاست کر کے برطانوی نظم و نسق قائم کرنے میں اس کا بھی حصہ تھا۔ دسمبر سنہ ۱۸۸۴ء میں جب یہ عمر کے اٹھاون سال کی پختگی کو پہنچ چکا تو لارڈ رپن کے بعد ہندوستان کا وائسرائے مقرر ہوا۔

شاہِ برما کے خلاف وقتاً فوقتاً شکایتیں پیش ہوئیں تھیں آخرکار برطانوی سفارت سنہ ۱۸۷۹ء میں آوا سے واپس طلب کرلی گئی تھی لیکن برطانوی کابینہ نے حکومت ہند کو صلاح دی تھی کہ "نازک وقت کے پیدا کرنے میں جلد بازی کے بجائے تأمل سے کام لینا چاہئے" ایک نئے معاہدہ کے خیال سے سنہ ۱۸۸۲ء میں بمقام شملہ جو گفت و شنید ہوئی اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ کرنل جانسٹن نے سرحد مانیپور قائم کرنے کی غرض سے جو حدبندی کی تھی اس کو برما نے منظور نہیں کیا۔ رنگون کے برطانوی تاجروں نے اکتوبر سنہ ۱۸۸۴ء میں ایک جلسۂ عامہ منعقد کیا جس میں شمالی ہند کے الحاق کی زور و شور کے ساتھ تحریک کی۔ جیسا عموماً ہوتا ہے شاہِ برما کی خطاؤں کے گنانے میں عوام کو برانگیختہ کرنے کی نیت سے بڑے مبالغہ

سے کام لیا گیا۔ یہ شہادات چھاپ کر دست بدست تقسیم کئے گئے جنہیں شاہِ تھیبا کو خونخوار اور بدمست ظاہر کیا گیا تھا۔ رنگون کے ایوانِ تجارت نے برطانیہ عظمیٰ کے مختلف ایوانہائے تجارت کے نام ایک گشتی مراسلہ جاری کیا جس میں ان سے خواہش کی کہ برطانوی کابینہ پر دباؤ ڈالیں۔ صلاح یہ تھی کہ برطانوی برما کا نظم و نسق ہندوستان سے بالکل جدا ہونا چاہیئے اور اس کو ایک علیحدہ نوآبادیٔ تاج بنا دیا جائے۔

اس اثناء میں شاہ تھیبا اپنی تقویت کے لئے یورپ کی طاقتوں کے ساتھ روابط پیدا کرنے کی غرض سے ان کو نامہ و پیام بھیج رہا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں دربارِ آوا کی طرف سے یورپ کو ایک سفارت بھیجی گئی تھی جس نے ۱۸۸۵ء کے ماہ اپریل تک فرانس۔ جرمنی اور اطالیہ سے تجارتی معاہدات کی تکمیل کر لی۔ فرانسیسی ایلچی موسیو ہاس۔ مئی ۱۸۸۵ء میں منڈلے پہنچ چکا تھا اور برما میں سب پر فرانسیسی اثر و اقتدار قائم کرنے کی وہ بے انتہا کوشش کر رہا تھا۔ فرانسیسی بینک قائم کرنے اور فرانسیسی ریلوے تعمیر کرنے کے انتظامات بھی ہو رہے تھے۔ لارڈ سالسبری نے شاہِ برما کے ان نامہ و پیام پر خاص توجہ مبذول کی موسیو واڈنگٹن فرانسیسی سفیر مقیم لندن سے اس کا ذکر کیا اور ان واقعات کی طرف موسیو فریسینے کی بھی توجہ منعطف کی فرانسیسی حکومت نے موسیو ہاس کے افعال سے بالکل لاعلمی ظاہر کی اور اس کو فوراً واپس طلب کر لیا۔ اس طرح یہ خطرہ گزر گیا۔

پھر اس سلطنت کے الحاق کے لئے ایک خفیف مناقشہ سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھایا گیا برما میں گزشتہ کئی سال سے ایک برطانوی کمپنی تنگیا فی ساگوان کے جنگلوں میں چوبینہ کا کاروبار کرتی تھی۔ آوا کے عدالت عالیہ نے اس کمپنی کے خلاف یہ فیصلہ صادر کیا کہ شاہِ برما کو دھوکہ دے کر اس کمپنی نے محاصل رکھی ۲۳۰۰۰ پونڈ کا نقصان اسکو پہنچایا تھا۔ کمپنی نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور لارڈ ڈفرن اس معاملے کی مزید تحقیقات کرنے پر مصر ہو گیا۔ شاہِ آوا نے یہ اعتراض کیا کہ اس مسئلہ کو تازہ کرنے کا حکومت ہند کو کوئی حق نہ تھا کہ لارڈ ڈفرن نے اس کے جواب میں تمہید جنگ کے طور پر حسب ذیل مطالبات پیش کئے۔ شاہ تھیبا کو چاہیئے کہ برطانوی ریزیڈنٹ کی دوامی تعیناتی قبول کر لے اور اس کے آنے تک کمپنی کے خلاف مزید کارروائی ملتوی کر دے۔ بیرونی تعلقات قائم کرنے میں حکومت ہند کے صلاح اور مشورے پر چلے اور بھمو کی راہ سے چین کے

ساتھ برطانوی تجارت کو ترقی دینے کے لئے ہر قسم کی سہولتیں عطا کرے۔ لیکن حکومت برما نے برطانوی حکومت کیساتھ اس کمپنی کے مقدمے میں بحث کرنے سے صاف انکار کردیا اور کہا کہ البتہ سابق کی طرح اب بھی برطانوی مختار عام کو برما میں آمد و رفت کی اجازت ہوگی۔ یہ بھی کہا کہ فرانس اطالیہ وغیرہ طاقتوں کے ساتھ برما کے دوستانہ تعلقات حسب حال برقرار رکھے جائیں گے اور چین کے ساتھ برطانوی تجارت جو قائم ہے اس کی رواج ملک کے موافق مدد کی جائے گی۔

اس جواب کے وصول ہونے پر لارڈ ڈفرن نے اعلان جنگ کرنے میں اپنے کو حق بجانب خیال کرلیا۔ ایک چھوٹی طاقت کو پامال کرنے کے لئے ایک بڑی طاقت کو اس سے زیادہ قوی وجوہ کی ضرورت نہ تھی۔ نومبر ۱۸۸۵ء میں لڑائی شروع ہوگئی مگر یہ یکطرفہ جنگ تھی شاہ تھیبا کو خارج البلد کرکے ساحل بمبئی پر آتنا گیری میں نظربند کردیا گیا اور یکم جنوری میں اسکی سلطنت کا الحاق کرلیا گیا۔ معنوی حیثیت سے یہ الحاق ایسا تھا کہ برطانیہ عظمی نے گویا ایک نیا ملک فتح کرلیا لیکن اس فتح کے بعد سالہا سال تک وہاں جو مسلح مزاحمت ہوتی رہی اس کے انسداد میں جس قدر مصارف عائد ہوئے ان سب کی تکمیل محاصل ہند سے کی گئی۔ بعد کو مِیلنڈلے سے چین کی جانب ایک ریل تعمیر کی گئی جس کے مصارف بھی ہندوستانی محصول دینے والوں ہی نے ادا کیئے۔ اس پر اس الحاق کی جو اصل غائت تھی یعنے چین کے ساتھ تجارت کی رفتار میں سرعت پیدا کرنا وہ محض خواب و خیال ہی ثابت ہوئی۔

ہندوستان کی مغربی سرحد سے اس طرف روسیوں نے بمقام پنج دہ افغانیوں پر حملہ کیا تھا اس سے کچھ دنوں تک برطانیہ عظمی اور روس کے درمیان جنگ چھڑ جانے کا خدشہ تھا لیکن یہ خطرہ بھی گزر گیا اور حدبندی کے لئے بہ اتفاق رائے روس ایک ماموریہ منعقد کیا گیا جس نے وسط ایشیا کی جانب سرحد افغانستان دریائے جیحون تک محدود کردی۔

نیابت کے طریقے کی ترویج اور اپنے معاملات کا سرانجام کرنے اور نظم و نسق میں دیسیوں کو مزید حصہ دینے کے لئے اہل ہند کی طرف سے مطالبے پر مطالبہ ہو رہا تھا اسی زمانے میں ہندوستانی قومی کانگریس کی بنا بھی ڈالی گئی اور دسمبر ۱۸۸۵ء میں

اس کا پہلا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا اس کے بعد سے ہر سال کرسمس کے زمانے میں اس کانگریس کے جلاس ہونے لگے یہ کانگریس ہندوستان کے بہترین تعلیمیافتہ اور بحد اعتدال پسند لوگوں کے خیالات اور آئندہ کے بلند توقعات کے اظہار کا ایک ذریعہ بن گئی۔ مسٹر ڈبلیو۔ سی۔ بنرجی (باشندۂ کلکتہ) مسٹر پی۔ مہتا (باشندۂ بمبئی) اور دوسرے ممتاز ہندوستانی رہنمایان قوم نے کچھ تو مسٹر اے۔ او۔ ہیومر کی دوستانہ امداد سے اور کچھ اپنے زور بازو سے۔ اعتدال پسندی کے ساتھ اس کانگریس کو کامیاب بنانے میں فدائیان وطن کی سعی کوششیں کیں۔ پہلے پہل اس نئی تحریک پر سرکاری حلقوں میں کسی قدر بے چینی پھیلی لیکن ہندوستان کے رہنمایان قوم کی سنجیدہ اور متین کارروائیوں سے ان کے خدشات رفع ہو گئے اور کانگریس بھی ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے کا ایک نیابتی ادارہ بن گئی۔

خود لارڈ ڈفرن بھی ترقی کا مخالف نہ تھا۔ ہندوستانی قومی کانگریس جب پہلے پہل قائم ہوئی تو ڈفرن اس کی قدر کرتا تھا لیکن آگے چلکر اس کو کانگریس کی غرض و غایت اور مقاصد کے متعلق کانگریس کے مخالفین نے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔ ڈفرن نے ملازمت سرکاری کے متعلق ایک مامور یہ اس غرض سے منعقد کیا تھا کہ نظم و نسق کے چند اعلیٰ شعبہ جات میں ہندوستانیوں کو شریک کیا جا سکے۔ اس کے متعلق اس مامور یہ نے چند اچھی تجاویز پیش کیں لیکن ان پر کبھی عمل ہی نہیں کیا گیا۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مجالس وضع قوانین کے کم سے کم چند ارکان ہی کا تقرر کرنے کے لئے اسی نے نظام انتخاب قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی تھی اور آگے چل کر اسی تجویز کی بناء پر پارلیمنٹ نے ۱۸۹۲ء میں انڈیا کونسل ایکٹ نافذ کیا تھا۔ برخلاف اس کے ڈفرن کے عہد حکومت میں جنگی اور فوجی مصارف بہت زیادہ ہو گئے تھے اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کے اس طرف پھر سے ایک فتنہ انگیز و زیاں کار فوجی نقل و حرکت شروع کر دی گئی تھی۔

۱۸۸۸ء میں لارڈ ڈفرن کے بعد لارڈ لینسڈاؤن وائسرائے مامور ہوا۔ یہ بھی کنیڈا کا گورنر جنرل رہ چکا تھا اور بحیثیت منتظم مملکت خاصہ تجربہ حاصل کرنے کے بعد ہندوستان بھیجا گیا تھا۔ لیکن اس میں لارڈ ڈفرن کی طرح فہم و فراست۔ قوت تمیز اور استقلال طبع نہ تھا۔ اس کی کونسل میں سادہ نقش شہنشاہیت کا بڑا زور و شور تھا اور ہندوستان کی سرحد سے اس طرف زیاں کار جنگی مصارف کی رفتار تیز تر ہو گئی تھی۔

ایک ممتاز منتظم مملکت جو اس زمانے میں خود اس سیاسی تماشگاہ کے پس پردہ مدت تک کام کرتا رہا تھا کہتا ہے کہ "لارڈ لینڈسڈاؤن جس کسی سے ملتا تھا اس کو اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا اور اس کے دل پر اعلیٰ امتیاز ذاتی اور اپنے خلق و مروت کا سکہ جما دیتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا یہ ظاہر ہونے لگا کہ ہندوستان کے اندرون حدود حسن و حکومت کے مقاصد کی تکمیل میں حصہ لینے کے بجائے شمالی مغربی سرحد کے اس طرف کے معاملات میں وہ زیادہ مشغول و منہمک رہنے لگا یہ وائسرائے اپنے جنگی اور سیاسی مشیروں کے اس قدر زیر اثر تھا کہ عام طور پر لوگ اس کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے تھے چنانچہ ان ہی کے زیر اثر اور اغلب ہے کہ برطانوی کابینہ کی منظوری سے لارڈ لینڈسڈاؤن نے لارڈ لٹن کی حکمت عملی کی معنوی طور پر تجدید کی ۱۸۹۶ء سے جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں اور ہندوستان کا جس قدر نقصان زر و اتلاف جان ہوا وہ سب اسی طریق کار کا نتیجہ تھا جس کو لارڈ لینڈسڈاؤن نے سالہائے ماقبل میں اختیار کیا تھا۔ دریائے سندھ کے اس پار نئے نئے منصوبوں اور امنگوں کو عمل میں لانے کے لئے جیسی سرگرمی ۱۸۹۳ء عیسوی میں نظر آتی تھی ویسی کبھی نظر نہ آئی" ہندوستان کے سرکاری عہدہ داروں میں اب سب سے زیادہ مقرب صوبوں کے گورنر یا دیسی ریاستوں کے ذہین درسا رزیڈنٹ نہ تھے بلکہ اس وقت کا محافظ اراضی سرحد بلوچستان مسمی سر رابرٹ سینڈیمن ہی تھا جس کا مطمح نظر یہ تھا کہ سرحد کے اس طرف کسی حال برطانوی حلقہ اثر میں توسیع ہو اور اس کا طریق کار یہ تھا کہ قبائل کے مناقشات سے فائدہ اٹھانے کے لئے بہر صورت ان میں حصہ لے۔ یہ مالیخولیا جو بعد کو اس قدر متعدی ثابت ہوا پہلے اعلیٰ حلقوں ہی میں پھیلا تھا"۔

اس بلند پروازانہ و مضطربانہ حکمت عملی کی اتباع میں لارڈ لینڈسڈاؤن نے ریاست کشمیر کے متعلق ایک ایسی کارروائی کی جس سے سارے ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا اور دارالعوام تک میں اس پر رد و قدح ہوئی۔ گلگٹ کا مقام کشمیر سے تین سو میل کے فاصلے پر شمال میں واقع ہے۔ لارڈ لٹن کی حکمت عملی یہ تھی جیسا خود قارئین نے اس سے پہلے اس کتاب میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ریاست کشمیر کے توسط سے اس دور دراز مقام پر تسلط جما لیا جائے۔ مگر لارڈ لینڈسڈاؤن نے اس حکمت عملی میں

یہ اصلاح کی کہ کچھ دنوں کے لئے خود مہاراجہ کشمیر کو معزول سا بنا دیا اور برطانوی ذریعے کی وساطت سے اس ریاست کا جملہ کاروبار اپنی نگرانی میں لے لیا۔

سنہ ۱۸۸۵ء میں مہاراجہ پرتاب سنگھ کی گدی نشینی کے وقت کشمیر میں پہلی دفعہ ایک رزیڈنٹ مامور کیا گیا تھا۔ اس کے دوسرے ہی سال مسٹر پلاؤڈن رزیڈنٹ مقرر ہوا اور اس نے سرکاری معاملات میں ایسا اقتدار پیدا کر لیا کہ ہندوستان کے محکمہ خارجہ کو بھی اس سے ایک طرح کا خدشہ ہونے لگا وزیر خارجہ نے لارڈ ڈفرن کو لکھا کہ "مجھکو مسٹر پلاؤڈن کے ساتھ اتفاق رائے نہیں ہے۔ اس کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہے کہ ہر طریقے سے ہر بات میں کشمیر کو نظر انداز کر دیا جائے۔" اگر ہم گلگت کا الحاق کر لیں یا اس چھوٹی ہمسایہ ریاست پر کشمیر کے رشتۂ فرمانروائی کو منقطع کر دیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر اس وقت برطانوی لشکر کو کشمیر میں مقیم کریں تو خدشہ یہ ہے کہ دربار کشمیر ہمارا مخالف بن جائے گا جس سے ہماری موجودہ مشکلات میں اور اضافہ ہو جائے گا۔" "اگر ہم گلگت میں ایک ایسے منعیف مزاج اور خاموشی کے ساتھ کام کرنے والے افسر کو متعین کر دیں جو کشمیر کی فوج کو بالکل منظم اور باقاعدہ بنا دے اور لوگوں پر بلا وجہ اپنا اثر ڈالنے سے احتراز کرے تو ہمیں توقع یہ رکھنی چاہیئے کہ چند ہی روز میں کسی احساس کو صدمہ پہنچائے بغیر سب کچھ ہماری مٹھی میں ہوگا۔" لارڈ ڈفرن بہت محتاط آدمی تھا۔ اس نے ۱۸۸۸ء میں کشمیر سے پلاؤڈن کا تبادلہ کر دیا اور اسی سال خود بھی ہندوستان کو خیرباد کہا۔

ڈفرن کے قائم مقام یعنی لارڈ لینڈسڈاؤن نے بمقابل ڈفرن کے فراست و فرزانگی سے کم کام لیا۔ ۱۸۸۹ء کے اوائل میں اس جدید وائسرائے نے مہاراجہ کشمیر کے سب اختیارات سلب کر لیے اور نظم و نسق کو ایک ایسی کونسل کے زیر نگرانی کر دیا جو برطانوی رزیڈنٹ کے مشورے پر چلتی تھی اس طریقے پر عمل پیرا ہونے کے وجوہ خود لارڈ لینڈسڈاؤن نے ایک مراسلے میں حسب ذیل بیان کئے ہیں:۔

(۱) نظم و نسق کے متعلق اس تک بری خبروں کا پہنچنا

(۲) مالیاتی بد عنوانیاں۔

(۳) اصلاحات کی تکمیل میں غفلت۔

(۴) باغیانہ خطوط جن کو مہاراجہ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔
(۵) تخت سے دست بردار ہو جانے کی خود مہاراجہ کی خواہش۔
پہلے تینوں الزام عام نوعیت کے تھے اور پرتاب سنگھ اتنی تھوڑی مدت کے لئے گدی نشین رہا تھا کہ اسکی ذات سے یہ بالکلیہ مخصوص نہ تھے۔ ہر سال سینکڑوں ہی انگریز اسکی ریاست میں آکے جاتے رہتے تھے نگران میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ کشمیر کی رعایا مظلوم اور مصائب میں گرفتار تھی جس سنہ میں یہ مراسلہ لکھا گیا تھا اسی سنہ میں انگریزی سرکار کے صوبجات مدراس و اوڈیسہ میں رعایا اس سے کہیں زیادہ مصائب میں مبتلا تھی۔
چوتھا الزام نہ کبھی ثابت ہوا اور نہ قابل اعتبار خیال کیا جا سکتا تھا۔ خود لارڈ لینڈسڈاؤن نے وزیر ہند کو لکھا تھا کہ "ان خطوط کو زیادہ اہمیت دینے کا ہمارا خیال نہیں ہے" اور اپریل ۱۸۸۹ء میں نائب وزیر ہند نے دارالعوام میں یہ کہا تھا کہ "ان خطوط کو جو بیچ میں سے اڑا لیے گئے تھے حکومت ہند کچھ اہمیت نہیں دیتی"۔ ان خطوط کا اصلی ہونا کبھی ثابت ہی نہیں ہوا اور اغلب یہ تھا کہ مہاراجہ کے دشمنوں اور بدخواہوں نے اس طرح کا جعل کیا ہو۔
پانچویں الزام کی بنیاد صرف ایک خط تھا جو مہاراجہ نے دباؤ میں آکر اپنے بھائی کو لکھا تھا اس لئے تخت سے دست بردار ہونے کا ثبوت اسکو نہیں کہا جا سکتا تھا۔

واقعات بالا کے لحاظ سے لارڈ لینڈسڈاؤن کی اس حرکت کی کوئی معقول وجہ نہیں ظاہر ہوتی۔ اس سے سارے ہندوستان میں ایک تہلکہ مچ گیا اور یہ خبر پھیلنے لگی کہ گلگت والی حکمت عملی کی ترویج میں وائسرائے کا اصل منشا یہی ہے کہ حقیقی معنی میں کشمیر کا الحاق کر لیا جائے چنانچہ مسٹر بریڈلا رکن پارلیمنٹ نے جو اس زمانے میں ہندوستان کے معاملات سے گہری دلچسپی رکھتا تھا اس خدشہ کا اظہار کیا۔ ۳ جولائی ۱۸۹۰ء میں اس نے دارالعوام میں حسب قاعدہ التوائے کارروائی کی تحریک پیش کی جس کی بناء پر کشمیر کے مسئلے پر بحث چھڑ گئی۔ التوائے کارروائی کی تحریک تو بہ غلبۂ آراء نامنظور ہوئی مگر اس مباحثہ سے حکومت ہند کی دست درازیوں کا انسداد ہو گیا۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ کو اس کا سابقہ اقتدار واپس دیدیا گیا اور وہ اس کتاب کی تالیف کے وقت امن اور چین کے ساتھ کشمیر پر حکومت کر رہا ہے۔ بدانتظامی یا بدخواہی سرکار انگلشیہ یہ دو الزامات تو اس پر پھر کبھی عائد ہی نہیں کئے جا سکتے تھے۔

اس اثناء میں واقعات عظیم پے درپے انگلستان میں ظہور پذیر ہوئے۔ مسٹر گلیڈسٹن نے اپنی تیسری وزارت کے زمانے میں جو ۱۸۸۶ء میں فروری سے جولائی تک قائم رہی آئرلینڈ کے سواراج کا مسودۂ قانون منظور کرانے کی بہت کچھ کوشش کی لیکن اس کو ناکامی ہوئی جدت پسند گروہ کے ترانوے ۹۳ ارکان نے مسٹر گلیڈسٹن سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور آئرلینڈ کے ساتھ اتحاد قائم رکھنے کی تحریک کی تائید میں قدامت پسند گروہ کے ساتھ مل گئے اس کے بعد عام انتخاب جو ہوا تو اس میں قدامت پسند اور جدت پسند حامیان اتحاد کو پارلیمنٹ میں غلبۂ آرا حاصل ہو گیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بارِ دوم لارڈ سالبری وزیر اعظم متقرر ہوا۔

۱۸۸۶ء سے ۱۸۹۲ء تک حکومت اتحاد پسند کا دورہ رہا لیکن مسٹر گلیڈسٹن جس کی عمر اس وقت اسی سے زیادہ تھی تہیہ کئے ہوئے تھا کہ آئرش سواراج منصوبے کو کسی نہ کسی طرح عملی شکل میں لایا جائے۔ اس نے حکومت پر سخت سے سخت حملے کئے۔ ۱۸۹۲ء میں انتخاب عمل آیا جس میں یہی سواراج سب مسئلوں پر مقدم مسئلہ بن گیا تھا شرکاء فریق مقابل بھی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے مگر مسٹر گلیڈسٹن ہی اس میں کامیاب رہا اور چالیس مؤیدین کے غلبۂ آراء سے چوتھے مرتبہ وزیر اعظم متقرر ہوا۔ لارڈ کمبرلی جو ۱۸۸۶ء میں گلیڈسٹن کی وزارت میں وزیر ہند رہ چکا تھا قدامت پسند وزیر ہند مسمی لارڈ کراس کے بجائے پھر وزیر متقرر ہوا لیکن ۱۸۹۴ء میں لارڈ کمبرلی کے وزیر خارجہ متقرر ہونے پر مسٹر فولر جس کو اب "مدبر" کا خطاب ملا ہے وزیر ہند کے عہدہ جلیلہ پر مامور کیا گیا۔

حکومت جدت پسند کے دوبارہ قیام اور مسٹر فولر کے تقرر سے ہندوستان میں بڑی بڑی امیدیں بندھی ہوئی تھیں۔ فولر کی مسلمہ لیاقت اور واقعات کو لاکم وکاست سمجھ جانے کی قابلیت کے نظر کرتے ہوئے اس سے توقع تھی کہ وہ ہندوستان کے مسائل کو صحیح نقطۂ نظر سے دیکھے گا۔

مسٹر فولر نے آئرش سواراج کی تائید میں بڑی ثابت قدمی دکھائی تھی جس سے

یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ہندوستان میں بھی حکومتِ خود اختیاری کے قیام کا وہ مؤید و حامی ہوگا چونکہ وہ مقامی مجالس حکومت کا ممبر مجلس رہ چکا تھا اس لئے اس سے یہ بھی امید تھی کہ وہ ہندوستان کے مجالس اضلاع کو عوام کے نظم و نسق کا حقیقی مرکز بنا دیگا۔ وہ رعایا کا آدمی تھا اس لیے اہل ہند کی حق بجانب حوصلہ مندیوں سے اس کو ہمدردی ہونا بالکل مقتضائے فطرت سمجھا جا سکتا تھا۔ ایسی توقعات ہندوستان میں دور دور تک لوگوں کو ہو چلی تھیں لیکن آگے چلکر سب کو ناکامی اٹھانی پڑی۔

کچھ تو رنگ زمانہ سے متاثر ہوکر اور کچھ مسٹر گلیڈسٹن کے قائمقام لارڈ روزبری کے شہنشاہی نظم و نسق کے زیر اثر مسٹر فولز نے دیکھتے ہی دیکھتے شہنشاہیت کا رنگ اختیار کیا۔ بمقابل اس کے خطاب یافتہ پیشروؤں کے فولز کا نظم و نسق زیادہ مطلق العنان بن گیا۔ وہ بڑے شد و مد کے ساتھ حکومت کا اس بارے میں بالکل ہمخیال ہو گیا کہ ہندوستان میں حکومت کو رائے عامہ سے کسی طرح اثر پذیر ہوئے بغیر ہمیشہ مطلق العنان ہی رہنا چاہئے۔ بعض موقعوں پر اس نے رعایا کے واجبی مطالبات اور خواہشات پر نہایت شد و مد کے ساتھ غیظ کا اظہار کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ نہ اس نے کبھی کوئی بڑی اصلاحی تدبیر منظور کی اور نہ رعایا کو کسی قسم کی مراعات عطا کیں۔ حکمراں طبقات کیلئے اس کا وجود موجب خوشنودی تھی مگر اہل ہند تو اس سے مایوس ہی رہے۔

مسٹر فولز نے ایک طرف ملک کے ذرائع آمدنی اور فوری ضروریات سے بڑھکر اور قرض پر قرض لیکر ہندوستان کی ریلوں کی بہت کچھ توسیع کرنی شروع کر دی اور دوسری طرف ہندوستان کی سرحد سے اس طرف حکومت ہند کی زیان کار و ضرر رساں فوجی نقل و حرکت کے مصارف بھی منظور کر لئے۔ امیر کابل کے پاس ایک سفارت بھیجی۔ سرحد کو محدود کر دیا۔ چترال۔ سوات اور وزیرستان یہ سب برطانوی حلقۂ اثر میں شامل کر لئے غرض اس طرح سرحدی جنگ و جدل کی وہ وہ تخم ریزیاں کیں کہ یہ کشت تین سال بعد بارآور ہوئی۔ پھر کیا تھا کشت و خون کا بازار خوب گرم ہوا۔

۱۸۹۳ء میں مسٹر گلیڈسٹن کے آئرش سوراج کے مسودۂ قانون کو دارالعوام نے تو منظور کر لیا مگر دارالامراء نے اس کو نامنظور کیا۔ ۱۸۹۴ء کے اوائل میں اس سن رسیدہ وزیر اعظم نے پارلیمنٹ کی رکنیت سے دست برداری اختیار کر لی اور ۱۸۹۸ء میں وفات پائی

اس سانحہ پر ساری قوم نے ماتم کیا۔ اس کے بڑے سے بڑے سیاسی مخالفین بھی جو اس کی حکمت عملی خارجہ اور سامراجی منصوبے بازی سے برافروختہ رہتے تھے اس کی وفات پر اس خدا ترس، نیک نفس اور ممتاز "انسان" کے احترام میں اس کے نہایت پرجوش پیروؤں کے ساتھ شریک رہے اس کی گہری سنجیدگی و دل سوزی۔ اس کا بے مثل اقتدار و طاقت۔ اس کی اعلیٰ شخصی کردار و طینت۔ اس کی ملک وملت کی خدمات تا مدت العمر غرض ان سب کا عامۃ الناس کے دلوں پر گہرا نقش جم گیا تھا۔ مگر ان سب سے بڑھ کر جو بات قومی تخیل پر منقش تھی وہ شخصی عظمت کے ساتھ ساری عیسائی خوبیوں کا اسکی ذات میں ایک جگہ جمع ہو جاتا تھا۔ اس کے سیاسی مخالف لارڈ سالسبری نے بھی یہی کہا کہ "وہ ایک عیسائی اور ایک انسان کی ایسی مکمل مثال تھا کہ تاریخ میں مشکل سے اس کا کوئی عدیل ملے گا" اس کو ویسٹ منسٹر ایبی میں دفن کیا گیا جہاں انگلستان کے بزرگ ترین اور بہترین فرزندان قوم عدم کی نیند سو رہے ہیں۔

تیسرا باب

الگن اور کرزن

سنہ ۱۸۹۴ء کے اوائل میں جب مسٹر گلیڈسٹن امور ملکی سے ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو گیا تو اس وقت روز افزوں جنگجو جذبات پر جو ایک قید سی تھی وہ اٹھ گئی حکومت جدت پسند لارڈ روزبری کی بے وزارت اور ایک سال تک قایم رہی مگر جون سنہ ۱۸۹۵ء میں اس کو زوال ہوا۔ اصحاب فہم و اہل بصیرت آثار زمانہ کو دیکھکر یہ محسوس کر رہے تھے کہ دنیا میں کسی نہ کسی جگہ جنگ کا چھڑ جانا بالکل ناگزیر بن گیا تھا۔ طرح طرح کی اضطراب پھیلانے والے خبریں فضا میں گھوم رہی تھیں تماشا گاہوں اور عام جلسوں میں صدائے مقابلہ گونج رہی تھی۔ مطلع عام بھی توسیع شہنشاہی کی پھنکاریں مار رہا تھا۔ تجار فتوح کے توقعات مابعد کے لئے چشم براہ بیٹھے تھے۔ مزدور پیشہ بھی تاجروں کی صدائے بازگشت کی طرح اسی آرزو میں تھے کیونکہ ان کو امید بندھائی گئی تھی کہ موجودہ کاروبار سے زیادہ نفع بخش کام ان کو آیندہ مل سکے گا۔ بار سوم لارڈ سالسبری وزیر اعظم ہو چکا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ ان جنگجو خیالات کے خلاف تنبیہاً اپنی آواز بلند کی تھی لیکن اس کے بعد ان سب امور کو اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ سنہ ۱۸۸۵ء اور سنہ ۱۸۵۵ء اور سنہ ۱۸۹۵ء کے واقعات کو دیکھکر ایک پردیسی آدمی کی یہی رائے ہو سکتی تھی کہ مجموعی حیثیت سے تو برطانوی قوم صلح پسند واقع ہوئی تھی لیکن اس کو امن و امان کا قدر شناس

بنانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ہر چہل سالہ میعاد کے بعد ایک مرتبہ اس کی تصدیق کی جائے۔

اس کے بعد ہی جنگ و جدل شروع ہوگئی۔ سر ہربرٹ کچنر نے جس کو اسی زمانے میں لارڈ کچنر کا خطاب ملا تھا ڈنقولہ فتح کر لیا اور سنہ ۱۸۹۸ء میں دریائے نیل کے چڑھاؤ پر آگے بڑھ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ ستمبر سنہ ۱۸۹۸ء میں ام درمان کے مقام پر خلیفہ کے عساکر کو قلع قمع کر دیا اور اس طرح گارڈن کے قتل و شکست کا انتقام لے لیا۔ سوڈان کے ریگستان پر برطانوی سطوت قائم ہوگئی اور فرانس نے فشوڈا پر سے اپنا قبضہ اٹھا لیا۔

سنہ ۱۸۹۴ء اور سنہ ۱۸۹۵ء میں جاپان نے چین کی قوت توڑ دی۔ اس کمزور و شکستہ حال شہنشاہی میں اپنے اپنے "حلقہائے اثر" پیدا کرنے کے لئے یورپی طاقتوں کا ہجوم سا لگا ہوا تھا۔ روس نے بندرگاہ آرتھر اپنے لئے حاصل کر لی اور منچوریا میں سب سے زیادہ طاقتور بن گیا۔ جرمانیہ کو متعدد علاقہ داریاں اور بندرگاہیں مل گئیں۔ انگلستان نے وی ہے وے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس کے بعد چین میں بوکسر کا بلوہ ہوا اور سب طاقتوں نے ایکا کر کے جنگ چھیڑ دی۔ ان یورپی افواج نے اس بیگناہ آبادی پر جو ان کی کبھی مزاحم تک نہ ہوئی تھی ایسے ایسے وحشیانہ مظالم ڈھائے جن سے ان کی آبرو پہ داغ لگ گیا۔

لیکن جس واقعے نے ان پرآشوب ایام جاہلیت کو انتہا پر پہنچا دیا وہ جنوبی افریقیہ کی جنگ تھی۔ ڈاکٹر جیمسن کی سرکردگی میں ٹرانسوال پر جو فوج کشی کی گئی تھی وہ مہم سنہ ۱۸۹۶ء میں ختم ہوگئی۔ بوئروں نے غنیم کی آئندہ حملہ آوری کے خیال سے ساز و سامان جنگ تیار کر لیا تھا۔ برطانوی اس "نوخاستہ جمہوریہ" کے دعاوی سنتے سنتے بیزار ہو گئے تھے۔ اس پر جنگ چھڑ گئی جس میں برطانیہ عظمیٰ کو بیس کروڑ پونڈ اور بیس ہزار جانوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک طرف یہ ہوا اور دوسری طرف یہ ہوا کہ جنگ کے ان ہولناک واقعات کا جو وکٹوریہ کے طویل اور مبارک عہد کے آخری ایام میں ظہور پذیر ہوئے تھے ملکہ کو بڑا قلق تھا اور اسی قلق میں اس نے جنوری سنہ ۱۹۰۱ء میں وفات پائی۔

اس پرآشوب زمانے کے اثرات سے ہندوستان بھی محفوظ نہ رہا۔ اسی زمانے میں

سنہ ۱۸۹۵ء سے سنہ ۱۹۰۳ء تک لارڈ جورج ہملٹن وزیر ہند تھا اور سنہ ۱۸۷۴ء سے سنہ ۱۸۷۸ء تک نائب وزیر ہند رہ چکا تھا۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں مجلس مالیات ہند کا رکن تھا اور سنہ ۱۸۸۱ء کی مجلس آبپاشی کا صدر نشین بھی رہا تھا۔ ہندوستان کے مسائل سے وہ خوب واقف تھا اور جو تفصیلی معلومات اس کو حاصل تھیں ان کے لحاظ سے ان مسائل پر غور کرنے کی اس نے کوشش تو کی لیکن اس میں نہ اس کے پیشرو کے مثل فہم و ادراک پایا جاتا تھی اور نہ اہل ہند یا ان کے حق بجانب توقعات سے اس کو کچھ ہمدردی ہی تھی ایک ایسے زمانے میں جب کہ جنگ۔ وبا اور متعدد قحطوں سے عدیم المثال آفت برپا ہو رہی تھی وزیر ہند انقلاب یا دوامی افادہ پیدا کرنے والے منصوبے سوچنے کے بجائے چپکا کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔ ایک مصیبت زدہ قوم کی خراب و خستہ حالت کی اصلاح کے لئے وسیع پیمانے پر کوئی تدبیر ہی اختیار نہیں کی گئی۔ محصولات کا بارگراں ہلکا کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا گیا۔ نہ دیسی حرفت و صنعت یا تجارتی کاروبار کی نشو و نما کے لئے کوئی معقول طریقے اختیار نہیں کئے گئے کاشتکاروں کو جس تحفظ حقیت اراضی اور مبنی بر اعتدال مطالبۂ مالگزاری کی ضرورت تھی وہ ان کو عطا نہیں کیا گیا۔ برخلاف اس کے شدید ترین مصائب کے بھیانک زمانے میں تشدد و تدارک کے لئے بد سے بدتر تدابیر اختیار کی گئیں۔ مطبع عام کو اس وقت تک جو کچھ آزادی حاصل تھی اس پر طرح طرح کے قیود عائد کر دی گئیں! نیابتی اداروں کو موقوف کر دیا گیا۔ انگریز نوجوانوں کی خاطر جن کو مشرق میں تلاش روزگار تھی تعلیم یافتہ ہندوستانیوں پر خود ان کے ملک میں اعلےٰ خدمات تک پہنچنے کی راہیں یک لخت تنگ کر دی گئیں۔ تاج برطانیہ کی پچھلے سینتس (۳۷) سال کی حکمرانی ہند میں کبھی ملک پر ایسی شدید آفتیں نازل نہ ہوئی تھیں جیسی اس زمانے میں ہوئیں اور نظم و نسق ہمدردی و اصلاحی تدابیر سے خالی اور تشدد و تدارک کے گوناگون منصوبوں سے اس طرح کبھی معمور نہ تھا جس طرح اس وقت تھا۔

لارڈ لینڈسڈاؤن کے بجائے سنہ ۱۸۹۳ء میں لارڈ الگن وائسرائے مقرر ہوا۔ ہندوستان میں لارڈ الگن کے والد کو لوگ اس وقت بھی یاد اور اس کے نام کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اس لحاظ سے نئے وائسرائے نے اہل ہند کی خیر خواہی اور ان کے

ساتھ صلح و آشتی قائم رکھنے کی روایات پدری گویا اپنے ساتھ لائی تھیں مگر اپنے ماحول کے اثرات دفع کرنے کی اس میں طاقت نہ تھی۔ اگرچہ یہ بالطبع صلح پسند تھا لیکن پھر بھی مغربی سرحد پر ایک غیر ضروری اور بیفائدہ جنگ میں وہ خواہ مخواہ گتھ گیا۔

چترال کا ملک کافرستان کے کوہستان میں پشاور سے شمال کی جانب نوے میل کے فاصلے پر واقع ہے ایک برطانوی رزیڈنٹ جسکو ایک مختصر سی جمعیت کے ساتھ عارضی طور پر وہاں بھیجا گیا تھا سنہ ۱۸۹۴ء میں سرحدی قبائل کے محاصرے میں آ گیا تھا لیکن سنہ ۱۸۹۵ء میں اس کو جو کمک پہنچی تو محاصرہ اٹھ گیا۔ انگریزی فوج کی اس کامیابی کے بعد لارڈ روزبری کی زیر وزارت حکومت جدت پسند نے اس دور دراز کے اور سب سے علیحدہ مقام سے پلٹ آنے کا تصفیہ کر لیا تھا مگر سنہ ۱۸۹۵ء میں جو حکومت قدامت پسند قائم ہوئی اس نے پھر اس مقام پر انگریزوں کا قبضہ قائم رکھنے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ لارڈ لینڈسڈاؤن کے عہد سے فوجی نقل و حرکت تو جاری ہی تھی اس فیصلے نے سرحدی قبائل کے دلوں میں نئے نئے خدشے ڈالدیے اور ان کے غصہ کی آگ بھڑکا دی افریدیوں اور دوسرے قبیلوں میں ایک بلوہ عام ہو گیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جنگ چھڑ گئی۔

برطانوی فوج نے حسب معمول بڑی داد شجاعت دی۔ ہائی لینڈ کے باشندوں اور گورکھا سپاہیوں نے اکتوبر سنہ ۱۸۹۷ء میں درگائی کی فتح میں امتیاز حاصل کیا۔ سکھوں نے بھی بڑے سخت مقابلوں میں بڑھ کر نام پیدا کیا۔ متعدد قلعے اور گاؤں فتح کر لیے گئے۔ کئی مواضعات بے چراغ ہو گئے۔ اس کے بعد اس ویرانے کو اپنے حال پر چھوڑ کر برطانوی عساکر واپس ہو گئے۔ اس لاحاصل و زیاں کار جنگ کے خلاف انگلستان میں ایک تہلکہ مچ گیا لیکن برطانوی خزانے سے بطور امداد ہندوستان کو ایک حبہ نہ ملا۔

اسی اثناء میں اہل ہند پر ایک ایسی شدید آفت نازل ہوئی جیسی اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی یعنے ایسا عالمگیر قحط پڑا کہ اس سے پہلے کسی قحط میں اتنا وسیع رقبہ متاثر نہ ہوا تھا جس کی خود تاریخ شاہد ہے چنانچہ شمالی ہند۔ بنگالہ۔ ممالک متوسط

مدراس اور بمبئی غرض یہ سب ممالک ایک ویرانہ بن گئے۔ قحط زدہ رعایا کی امداد کے لئے اگرچہ وسیع پیمانے پر مختلف تدابیر اختیار کی گئیں مگر مختلف ممالک میں ان سے کہیں کم کہیں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ بنگالے کے باشندے کسی قدر مایہ دار تھے اور ایک حد تک اپنی آپ مدد کر سکتے تھے اس لئے قحط کی وجہ سے اموات کی تعداد میں وہاں کچھ اضافہ نہ ہوا۔ البتہ بمبئی اور مدراس میں اموات کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔ ممالک متوسط میں بمقابل دیگر مقامات کے تعداد اموات دو چند ہوئی ایک سال کے اندر اندر قحط کے اثرات سے جو اموات ہوئیں ان کا تخمینہ دس لاکھ کے لگ بھگ کیا جاتا ہے۔

اسی سال ایک اور خوفناک بلا طاعون کی شکل میں اس آفت رسیدہ ملک پر نازل ہوئی اور یہ مرض ایسا پھیلا کہ مغربی ہند کے خوش ترین شہر و بلاد ویران ہوگئے اس کے انسداد کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئی تھیں وہ کارگر ہونے کے بجائے لوگوں کو تشدد آمیز اور زبون معلوم ہوتی تھیں مثلاً صوبہ بمبئی میں ان تدبیروں کو نافذالعمل بنانے کی غرض سے دیوانی کے حکام نے فوج سے مدد طلب کی اس پر لوگوں نے چیخ پکار شروع کر دی اور حکومت بمبئی کی خدمت میں درخواست پیش کی مگر اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس انسدادی کارروائی کا انجام بہت ہی دردناک ہوا۔ دو انگریز افسر پونا کی گلیوں میں مارے گئے۔ بمبئی کے گلی کوچے میں جابجا ایک ہنگامہ بپا ہوگیا۔ اس فتنہ و فساد کے فرو کرنے میں جانوں کا نقصان ہوا۔ انگریز افسروں کا قاتل گرفتار ہوا۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اس کو سولی دی گئی۔

حکومت پر اب ایک ہیبت سی طاری تھی۔ حکومت کی طرف سے دیسی اخبارو پر تشدد کے ساتھ نالش شروع کر دی گئی اور بعض مقدمات میں سخت وحشیانہ سزائیں دی گئیں۔ دو ذی اثر و ذی عزت اشخاص کو گرفتار کر لیا گیا اور بغیر ان کے مقدمے کی سماعت کئے ان دونوں کو زیر حراست رکھا گیا۔ مطابع کی آزادی کم کرنے کے لئے قوانین نافذ کیے گئے۔ مجسٹریٹوں کو خاص اختیارات دیدئے گئے کہ وہ مدیران اخبار سے اپنی صوابدید پر نیک چلنی کے مچلکے طلب کریں اگر وہ ضمانت نہ داخل کریں تو ان پر کوئی الزام عائد کیے بغیر بلا سماعت مقدمہ ان کو محبس بھیجدیا جائے۔ ان انگریزوں کا جنھوں نے اپنی آدھی عمر ہندوستان میں بسر کی تھی خیال تھا کو حکومت سے

ہیبت کے مارے بلا ضرورت اضطراری حرکات سرزد ہو رہی تھیں اور بدگمانی و بے اعتباری کے آثار اس طرح پیدا کرنے سے شہنشاہی کی بنیاد مستحکم نہیں ہو سکتی تھی۔ اہل ہند کے حق میں ۱۸۹۶ء-۹۷ء بڑا ہی وحشتناک سال تھا۔ قحط، جنگ اور وبا و طاعون کے علاوہ زندگی کے اور تلخ تجربات بھی ان کے حصے میں آئے تھے۔

اسی بنا پر ۱۸۹۸ء کے اواخر میں جب یہ اعلان کیا گیا کہ لارڈ الگن کے بعد ازبیل جورج کرزن ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا جائے گا تو اس خبر کو اہل ہند نے اس خیال سے بڑی مسرت کے ساتھ سنا کہ اس تقرر سے انہیں مصائب سے نجات ملے گی۔ ہندوستان میں لارڈ کرزن کا خیر مقدم عام طور پر نہایت گرمجوشی کے ساتھ کیا گیا کیونکہ لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ آخر ہندوستان اب ایک ایسے لائق اور قوی حکمران کے تحت آگیا ہے جس سے توقع یہی ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں پر نہ جائے گا بلکہ ہر چیز اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ اور ہر کام اپنی عقل کے موافق کرے گا۔

لارڈ کرزن میں اچھے حکمران بننے کی بہت سی خوبیاں موجود تھیں مثلاً اس میں اعلےٰ درجے کی مستعدی، جفاکشی اور فہم و فراست تھی اور انگلستان میں ملکی خدمات کی بجاآوری میں اس نے نام پیدا کیا تھا۔ ۱۸۵۹ء اس کا سنہ ولادت تھا۔ ۱۸۹۱-۹۲ء میں اس نے بحیثیت نائب وزیر ہند کا کام انجام دیا تھا اور ۱۸۹۵ء سے ۱۸۹۸ء تک وہ نائب وزیر خارجہ رہ چکا تھا۔ اس نے ایشیا میں دور دور تک سیاحت کی تھی اور ایشائے متوسط، ایران اور مشرق بعید کے متعلق کتابیں لکھی تھیں۔ اس کی تقریر میں خداداد فصاحت و بلاغت تھی اور اس کا طرز تحریر نفیس اور پاکیزہ ہوتا تھا۔ وہ ستایش عامہ کی بڑی قدر کرتا تھا اور نقد عامہ سے جلد متاثر ہوتا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ مشرقی طرز زندگی کا حقیقی طور پر قدر شناس اور مشرقی فنون لطیفہ اور ادبیات کا دلدادہ و ثنا خواں تھا اور اسی بنا پر یہ کہا جا سکتا تھا کہ ایک بڑی مشرقی قوم کے حکمران بننے کی اس میں صلاحیت موجود تھی۔

لیکن ان جملہ صفات سے کمال درجہ متصف ہونے کے باوجود لارڈ کرزن میں ایک کامیاب منتظم مملکت بننے کی پوری خوبیاں موجود نہ تھیں۔ ایک پکے جوشیلے شہنشاہی پسند کی حیثیت سے نہ وہ حکومت خود اختیاری کی قدر کرتا تھا اور نہ عامۃ الناس کی

باہمی امداد پر اس کو کچھ اعتقاد تھا اگرچہ وہ روشن طبع ۔ نوجوان اور حوصلہ مند تھا اور اس کو مشرق میں برطانوی اغراض و تجارت اور برطانوی طاقت و وقار کا بڑا خیال تھا لیکن اس بڑی مشرقی قوم کی (جس کا سیاہ و سفید اس کے ہاتھ میں تھا) سیاسی ترقی و مادی اصلاح کا اس کو کچھ ایسا خیال نہ تھا ۔ اس کا نصب العین مطلق العنان حکمرانی ہی تھا ۔

لارڈ کرزن کے نظم و نسق ہند کے متعلق آخری فیصلہ کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا لیکن لارڈ کرزن کی حکمرانی کے ابتدائی زمانے کا کچھ نہ کچھ ذکر کئے بغیر عہد وکٹوریہ کے نظم و نسق ہند کا قصہ نامکمل رہ جاتا ہے ۔ افسوس کے ساتھ یہ قلمبند کرنا پڑتا ہے کہ لارڈ کرزن کے پہلے ہی فعل سے رعایا کو اس سے ناامیدی سی ہوگئی اور ان کی توقعات پر پانی پھر گیا ۔ کئی سال پہلے سنہ ۱۸۷۶ء میں بنگالے کی حکومت نے کلکتے کی بلدیہ میں ایک حد تک حکومت خود اختیاری کی شکل قائم کردی تھی محصول بلدیہ ادا کرنے والوں کی طرف سے پچاس کمشنران بلدیہ کا انتخاب ہوتا تھا اور حکومت پچیس کا تقرر کرتی تھی ۔ اس منصوبے سے بلدیہ پر سرکاری نگرانی بھی قائم رہتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ عوام کی نیابت کا اصول بھی برقرار رہتا تھا ۔ کمشنران بلدیہ نے فاش غلطیوں کے باوجود شہر کے لئے اچھے اچھے کام کیے تھے مثلاً انھوں نے بدرو اور ذرائع آبرسانی میں بہت کچھ اصلاح کی تھی ۔ بعض صحت مقامات کی غلاظت و کثافت کو پاک و صاف کیا تھا حتیٰ کہ یہ شہر اپنی صحت بخش آب و ہوا کی وجہ سے بنگالے کے ملیریا سے متاثر اضلاع کے باشندوں کا ایک گزرگاہ عام بن گیا تھا ۔ نئے محلے بسائے گئے تھے جن کی سڑکیں کشادہ بنائی گئی تھیں ان سے شہر کی آرائش و خوشنمائی میں بھی اضافہ ہوگیا تھا ۔ اگرچہ ہندوستان کے اور شہر و بلاد میں طاعون کا زور رہتا تھا لیکن اس شہر کو اس بلا سے محفوظ رکھنے کی سب تدابیر اختیار کی گئی تھیں اور بقول سر انتھونی مکڈانل لفٹننٹ گورنر بنگالہ کے جس نے ان کمشنران بلدیہ کی کارگزاری کا بچشم خود معائنہ کیا تھا ان کمشنروں نے اپنے فرائض کو نہایت احتیاط و توجہ کے ساتھ انجام دیا تھا جو بڑی قابل تعریف بات تھی اور بعض مواقع پر تو والہانہ کام بھی کئے تھے ''

لیکن اس صدی کے اواخر میں عوام کی ایسی جماعتوں سے کام لینا حکام کا نصب العین نہ تھا بلکہ عوام کے ان منتخب کنندوں کے اختیارات محدود کر دینا ہی ان کو زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا چنانچہ بنگالے کے لفٹنٹ گورنر سر الکزانڈر مکنزی نے اسی غرض سے ایک مسودہ قانون پیش کیا۔ کلکتے والوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی۔ لارڈ کرزن بیچ میں کیا پڑا کہ اس مسودہ قانون کو بد سے بدتر بنا دیا۔ اس نے ارکان منتخب کی تعداد گھٹا کر پچیس کر دی اور اس طرح ان کی تعداد سرکار کے مقرر ارکان کے برابر ہو گئی اور موخر الذکر ارکان بشمول سرکاری صدر نشین، بلدیہ کے کاروبار پر بلحاظ غلبہ آرا مسلط کیا ہوئے کہ عوام کی حقیقی حکومت ہی کا خاتمہ ہو گیا۔ کلکتے میں ایسے سربرآوردہ شہریوں نے جنھوں نے بلدیہ کے کاموں میں عمرین صرف کی تھیں اس خیال سے ہاتھ کھینچ لیا اور اس منظر سے روپوش ہونا ہی مناسب خیال کیا۔ اس ترقی معکوس پیدا کرنے والے قانون کے نفاذ سے کلکتے کے نظم و نسق میں ابتری پھیل گئی اور ہندوستان کے دیگر اقطاع میں بھی بلدیہ کی حکومت خود اختیاری بہت کمزور بن گئی۔

اضلاع و قصبات میں بھی حکومت خود اختیاری میں کچھ اصلاح و ترقی نہیں ہوئی۔ جب سے ۱۸۸۰ء اور ۱۸۸۴ء کے درمیان لارڈ رپن کے عہد حکومت میں نیابتی اداروں کی ہندوستان میں ابتداء ہوئی کسی نے ان کی تائید و ہمت افزائی ہی نہیں کی۔ تعلیم یافتہ طبقے کو برطانوی حکمرانی کے تحت اپنے ملک کے نظم و نسق میں بہت بڑا حصہ ملنے کی توقع تھی مگر اس میں بالکل مایوسی ہوئی۔ ہندوستان کی زرعی آبادی کے ایک انبوہ کثیر کی اس سے بہتر نہیں گزری۔ حقیت اسامی کو کبھی تقویت نہیں دی گئی۔ سرکاری مطالبات اور اضافہ جات کو کسی مقررہ قواعد کی رو سے محدود نہیں کیا گیا۔ پنجاب اور بمبئی میں بیٹوں کے حق انتقال پر قیود عائد کر دیے گیے۔ مدراس میں ان کی ادائی بلا استثنا، لازمی کر دی گئی۔ قصہ کوتاہ ان تغیرات کو آیندہ باب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

۱۸۹۶ء میں ایک اور شدید قحط ہندوستان میں پڑا اور چار سال تک اس کی شدت باقی رہی۔ مختلف امدادی تدابیر وسیع پیمانے پر پھر اختیار کی گئیں۔ ممالک

متوسط میں تو کچھ کامیابی ہوئی لیکن بمبئی میں انتظام خراب رہا جب کمشیران قحط نے اپنی رپورٹ شائع کی تو معلوم یہ ہوا کہ زرعی طبقات کے قرض میں دو اماگر قحط زدہ رہنے کی سب سے بڑی وجہ شدت کے ساتھ محصول اراضی کا وصول کرنا ہی تھا اس کے علاوہ روپیہ کی قدر میں اضافہ کرنے سے بھی عام محصولات میں اضافہ ہوگیا۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں جب کہ ہندوستان میں قحط کا جو تھا سال شروع ہو رہا تھا بے موقع اور بیش مصارف نمائش و طمطراق کے ساتھ دہلی میں ایک دربار منعقد کیا گیا جس میں ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی کا اعلان کیا گیا۔ اسی سال کے ختم پر بلا وجہ تبت سے جنگ شروع ہوگئی جس سے کچھ حاصل نہوا۔

لارڈ کرزن کے اواخر عہد حکومت کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ اس میں کئی رجعتی تدابیر اختیار کی گئیں۔ ایک قانون جامعہ نافذ کیا گیا جس کی رو سے اہل ہند کے ان اختیارات کو محدود کر دیا گیا جو جامعات کے انتظام و نگرانی کے متعلق نصف صدی سے ان کے زیر استعمال تھے اور ایک ایسی تقسیم بنگالہ عمل میں لائی گئی جس کا منشاء یہ تھا کہ اس ترقی یافتہ صوبے کے نظم و نسق میں وہاں کے باشندوں کا اثر و اقتدار محدود کر دیا جائے۔

شہنشاہی کا نئی سالہ دور جو انگلستان اور ہندوستان میں سنہ ۱۸۷۵ء کے لگ بھگ شروع ہوا تھا سنہ ۱۹۰۵ء میں ختم ہوا جب کہ لارڈ کرزن خدمت سے مستعفی ہوا اور برطانیہ عظمیٰ میں ٹوری حکومت کو زوال ہوا۔ اس دور میں ہندوستان کے لئے دو تو باتیں نہایت ہی فائدہ بخش ہوئیں ایک لارڈ رپن کے عہد کا قانون حکومت اختیاری بابت سنہ ۱۸۸۲ء دوسرا لارڈ کراس کے عہد کا قانون کونسل ہند بابت سنہ ۱۸۹۲ء برخلاف اس کے اس تیس سالہ دور میں ہندوستان کے مطابع عام کی آزادی کو روکنے کے لئے تین ۳ قوانین نافذ کیے گئے۔ سرحد ہند کی اس طرف بے ضرورت و زیاں کا تین ۳ لڑائیاں کی گئیں۔ تین ۳ ایسے عالمگیر و ہلاک قحط پڑے کہ تاریخ میں مشکل ان کی نظیر ملتی ہے۔ طاعون کا بھی شیوع ہوا جس سے مواضعات و قصبات شہر و بلاد ویران و بے چراغ ہو گئے لنکیشائر کے مفاد کی خاطر ہندوستان کے محاصل سے ایک جبر سے دست برداری اختیار کر لی گئی اور ہندوستانی کرنیوں پر محصول جنگی لگا دیا گیا

محصولِ اراضی میں بھی پچاس فی صدی اضافہ کر دیا گیا۔ روپیہ کی قدر میں اضافہ کرنے سے عام محصولات میں اضافہ ہوگیا نیز فوجی مصارف۔ یورپی ملازموں کی تنخواہوں۔ مطالباتِ وطن اور سرکاری قرض میں نمایاں اضافہ ہوا۔ غرض حقیقت یہ ہے کہ شہنشاہی کا دور ہندوستان کے لئے ترقی و خوشحالی کا دور نہ تھا۔

چوتھا باب

شمالی ہند کا انتظام اراضی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر نظم و نسق بنگالہ، شمالی ہند اور پنجاب میں تشخیص لگان کے اصول معین کر دئے گئے تھے اور تاج برطانیہ کے عہد حکومت کی ابتداء میں مالکان اراضی اور اسامیوں کے باہمی تعلقات کے تعین اور کاشتکاروں کے تحفظ حقوق کے لئے مناسب تدبیریں بھی اختیار کی گئی تھیں اس لئے اس صدی کے آخری ربع حصے کی تاریخ صرف ان محدود و مختصر تدابیر کی اور ان اصول کی (جن کا سابق میں تعین کر دیا گیا تھا) ترقی و توسیع کی تاریخ ہے۔

بنگالہ

بنگالے میں ۱۸۵۹ء کے قانون لگان کی رو سے کاشتکاروں کے لئے لگان اور حقیت اراضی دونوں بالکل محفوظ ہو گئے تھے۔ لیکن مغربی اضلاع (بہار) کے کاشتکاروں نے اس سے وہ فائدہ نہ اٹھایا جو مشرقی اضلاع میں ان کے ہوشیار بھائی بندوں نے اٹھایا تھا۔ بیست (۲۰) سالہ تجربے سے ثابت ہوا تھا کہ مالکان اراضی کے ناواجبی مطالبات سے کاشتکاروں کو محفوظ رکھنے کے لئے اور بھی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔ لارڈ رپن کی حکومت نے اس مفید کام کو اپنے ذمے لیا اور اس کا

سارا بوجھ بنگالے کے معتمد مالگزاری انتھونی مگڈانل کے کندھوں پر پڑا۔

مجوزہ تدبیر کی تشکیل سے پہلے جو طویل مباحث ہوئے تھے ان کا تفصیلی بیان یہاں غیر ضروری ہے۔ حکومت نے زمینداروں کے اعتراضات کو پوری توجہ و التفات کے ساتھ سنا۔ اضلاع اور پرگنوں میں بھی مجوزہ تدابیر پر غور و خوض اور نظر ثانی کرنے کے لئے مجالس منعقد کی گئیں۔ وقتاً فوقتاً اس قانون کے مسودے میں ترمیمات کی گئیں یا عبارت ہی بدل دی گئی۔ نتیجہ کار یہ ہوا کہ ہندوستان سے لارڈ رپن کی وطن کو مراجعت کرنے کے بعد لارڈ ڈفرن نے اس قانون کو نافذ کیا۔ ۱۸۸۵ء میں یہ قانون اسامی جس شکل میں نافذ ہوا اس سے زمینداروں کے واجبی حقوق کو کسی طرح کا ضرر پہنچائے بغیر کاشتکاروں کے حقوق بھی معقول طور پر محفوظ ہو گئے جس کی ضرورت بھی تھی۔ اس جدید قانون کے اصل مقاصد دو تھے ایک یہ کہ اراضی بندوبست شدہ کے کاشتکاروں کو بھی حق قبضہ عطا کیا جائے اور دوسرا یہ کہ ایسے کاشتکاران اراضی کے جو قابض اراضی نہ تھے حقوق کی معقول حفاظت کی جائے۔ ۱۷۹۳ء کے دوامی بندوبست جس کی رو سے زمینداروں پر مطالبہ سرکار محدود کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۵۹ء و ۱۸۸۵ء کے قوانین لگان جن کی بناء پر اسامیوں پر زمینداروں کا مطالبہ محدود کر دیا گیا تھا غرض ان سب کے مفید عام نتائج موجودہ زمانے میں بنگالے کے ہر حصے میں نمایاں ہیں۔ وہاں ایک تعلیم یافتہ اور ذی اثر طبقہ زمینداروں کا ہے جو برطانوی راج کا بالکل ہم خیال و ہمنوا اور نظم و نسق کی بہتری کے لئے ہر وقت عقیدتمندانہ امداد پر آمادہ ہے۔ ایک زبردست اور سمجھدار طبقہ متوسط الحال اشخاص کا ہے جس کو زمینداروں کے تحت مختلف المدارج حقوق اراضی حاصل ہیں اور یہ طبقہ ایک ترقی پسند طرز معاشرت کا زبردست عنصر ہے اور ایک ذی مقدرت طبقہ کسانوں کا ہے جس میں اپنے حقوق کی معقول حفاظت کی صلاحیت اور خشک سالی اور ناکامی فصل کے ابتدائی اثرات کی مدافعت کا مقدور بھی ہے۔ لگان بالکل قلیل المقدار ہیں۔ کاشتکار قرضخواہوں کے حلقہ غلامی میں داخل نہیں ہیں اور برطانوی منتظمین مملکت اس صوبے پر فخر و امتنان کی نظر ڈالنے میں بالکل حق بجانب ہیں کیونکہ ان کی اعتدال پسندی ہی سے یہ زرعی خوشحالی قوم کو

نصیب ہوئی۔
ایک زمانۂ حال کے سرکاری کاغذ سے ذیل کے اعداد پیش کئے جاتے ہیں جن سے چودہ اضلاع میں جو بنگالے کے مختلف اقطاع کے نمونے تھے پیداوار اراضی کے ساتھ لگان کا کیا تناسب تھا وہ معلوم ہوتا ہے۔

اضلاع	پیداوار اراضی کے ساتھ تناسب لگان
بست وچہار پرگنہ	۱۰ فی صدی
ندیا	۷ ”
مدناپور	۸ ”
ہگلی	۱۴ ”
بربھوم	۱۵ ”
باقر گنج	۹ ”
نوکھالی	۹ ”
پتیرا	۹ ”
راج شاہی	۱۴ ”
گیا	۱۴ ”
بالاسار	۱۱ ”
مظفرنگر	۱۶ ”
کٹک	۱۴ ”

ان اعداد کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا کہ کسی ضلع میں بھی لگان پیداوار کا ایک خمس نہ تھا۔ بقول حکومت بنگالہ "اس نقشے کے اعداد سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بنگالے میں لگان اوسطاً اراضی کی خام پیداوار کے (۱۱) فیصدی سے

کچھ ذرا بڑھ کر ہوتا تھا"۔ حکومت بنگالہ کے اس دلپذیر اتنان سے اگر ان انکشافات کا مقابلہ کیا جائے جو ۱۹۰۰ء کے ماموریہ قحط کے سامنے ہوئے تھے مثلاً یہ کہ گجرات میں سرکاری مطالبہ مالگزاری پیداوار کا بیس (۲) فیصدی تھا تو ہم کو رنج و افسوس ہوتا ہے ۱۸۶۴ء کے قاعدے کے موافق مالگزاری لگان کی نصف ہونی چاہیئے نہ کہ دو چند۔ بمقابل زمینداروں کے سرکار کو رعایا کا زیادہ پاس اور لحاظ ہونا چاہیے نہ کہ وہ خود زمینداروں سے بڑھ کر محاصل طلب اور شدت پسند بنجائے۔

شمالی ہند

تشخیص مالگزاری کے طریقے میں ایک مفید تغیر کیا گیا تھا جیسا کسی پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ سابق میں تشخیص مالگزاری محض ایک تخمینہ لگان پر مبنی ہوتی تھی یعنے پیش از پیش قیاس کر لیا جاتا تھا کہ اتنی پیداوار ہو سکتی ہے اور اس پر سے رقم مالگزاری مقرر کر دی جاتی تھی۔ اس کے بعد یہ معقول طریقہ اختیار کیا گیا کہ حقیقی لگان ہی تعین مالگزاری کی بنیاد قرار دیا گیا۔ مجلس مالگزاری نے ۱۸۸۷ء میں جو قواعد نافذ کئے تھے ان سے ذیل کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اس قاعدے کی پوری توضیح ہوتی ہے۔

"ہر موضع میں مالگزاری کا تعین (در لگان) کے بموجب اور حسب ضرورت اس فرد کی تصحیح کے بعد حتی الامکان وہاں کے حقیقی لگان پر سے ہونا چاہئے۔"

"عہدہ دار بندوبست اس کا مجاز نہوگا کہ آیندہ توقیر لگان یا توسیع رقبہ کاشت کے خیال سے کچھ علی الحساب اضافہ موجودہ لگان میں اپنی طرف سے شریک کر دے۔"

موجودہ زمانے میں حکومت کا منشاء صریحاً یہی ہے کہ شمالی ہند میں زمینداروں کو اسامیوں سے جو حقیقی لگان وصول ہوتا ہے اس کے نصف تک مطالبہ مالگزاری محدود کر دیا جائے۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ جہاں ۱۸۹۰ء کے بعد بندوبست کی تکمیل ہوئی وہاں بھی اس صاف و صریح قاعدے کی پابندی نہیں کی گئی۔
شمالی ہند کے ایک ممتاز اور ہمدرد قوم زمیندار اور صوبے کی مجلس وضع قوانین کے

دکن مسمی رائے بہادر آنریبل نہال چند نے اپنی تالیف موسومہ "نوٹس آن لینڈ ریونیو پالیسی" مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں متذکرہ صدر واقعے کی طرف توجہ منعطف کرانے میں ایک خدمت عامہ انجام دی ہے اور کم سے کم یہی بتانے کے لئے کہ ان قواعد سے متعلقہ کارروائیوں میں کن اصلاحوں کی اب بھی ضرورت داعی ہے یہاں اس کتاب سے چند امور واقعہ کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اساس تشخیص محصول اراضی۔ تشخیص لگان حقیقی آمدنی جاگیرات پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن مجلس مالگزاری نے حال میں یعنے ۱۹۰۱ء میں ایک گشتی جاری کی تھی جس میں عہدہ داران بندوبست کو ہدایت کی گئی تھی کہ جہاں مقدار لگان ناکافی ہو وہاں ان کو چاہئے کہ وہ سابقہ جمع بندی کو نظرانداز کر کے از سر نو تخمینہ آمدنی اراضی پر مالگزاری کی تشخیص کردیں۔ ایسے قاعدے کا کیا نتیجہ ہوسکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ جہاں زمیندار کاشتکاروں کے حق میں رعایت کرنے کی طرف مائل ہیں۔ وہاں یہ قاعدہ ان کو یہ سکھاتا ہے کہ کاشتکاروں سے ان کے حتی المقدور لگان وصول کرلینا ضروری ہے۔

بنگالے میں جہاں مالگزاری کا دوامی تعین ہوچکا ہے اور سرکار کو لگان میں اضافہ کرنے سے کچھ دلچسپی نہ رہی تھی۔ گزشتہ نصف صدی میں جتنے بھی قوانین نافذ ہوئے تھے ان کا مقصد یہی تھا کہ لگان ہمیشہ مبنی بر اعتدال ہی رہے اور نظم ونسق بھی زمینداروں کی رعایت پسندی کو ہمت افزا نظروں سے دیکھتا تھا۔ برخلاف اس کے شمالی ہند میں جہاں سرکاری مالگزاری لگان ہی پر مبنی تھی زمینداروں کی رعایت پسندی سخت ناپسند متصور ہوتی تھی اور ان سے یہی مطالبہ ہوتا تھا کہ یا تو وہ رعایا کے حتی المقدور لگان وصول کریں یا جو کچھ ان کو ملتا ہے اس کے نصف سے زیادہ حصہ سرکار کو ادا کریں۔

مذکورالصدر تالیف میں ایسے مقدمات کا کیا تصفیہ کیا جاتا تھا اس کی متعدد مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ ضلع مظفرپور میں ۱۸۹۲ء کے بندوبست کے وقت زرنقد کی شکل میں جو حقیقی مالگزاری وصول کی جاتی تھی اس میں ۳۰۷ پونڈ کا اضافہ کردیا گیا تھا (یہاں پندرہ روپیے ایک پونڈ کے مساوی شمار کیے گئے ہیں) اسی طرح ضلع سہارنپور میں ۴۶۶۵ پونڈ کا ضلع میرٹھ میں ۱۱۹۰۶ پونڈ کا اور ضلع بدایوں میں ۱۲۰۷ پونڈ کا اضافہ کردیا گیا تھا

شمالی ہند کے زمیندار اور کاشتکار یہ استدعا کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ اس طریق کار کو ترک کر دینا چاہیئے بالخصوص جب کہ خود لارڈ کرزن نے اس کا اعتراف کیا تھا کہ مالگزاری حقیقی لگان ہی پر مبنی ہونی چاہیئے ۔

اراضی غیر مقبوضہ ۔ شمالی ہند میں بعض دفعہ زمیندار کی اراضی جاگیری کے بہت بڑے حصے کی کاشت رعایائے غیر قابض کرتی ہے کچھ حصہ خود زمیندار کے مزدور کاشت کرتے ہیں ۔ کچھ حصہ کاشتکاروں کو کرایہ پر دیا جاتا ہے جو اس کے معاوضے میں غلے کی شکل میں لگان ادا کرتے ہیں اور کچھ حصہ بغیر کسی لگان کے بھنگیوں اور نائیوں کو کمہاروں اور لوہاروں کو جن کا گاؤں میں بسنا اور اپنے موروثی پیشوں کو جاری رکھنا ضروری ہے دیا جاتا ہے ۔ عہدہ دار بندوبست ان زمینات میں سے ایک کو بھی کبھی نظر انداز نہیں کرتا اور چونکہ زر نقد کی شکل میں ان زمینات سے کوئی لگان ہی وصول نہیں ہوتا اس لئے مالگزاری ایک ایسے مفروضہ لگان پر متعین کر دی جاتی ہے جو اکثر ناواجبی طور پر سنگین ہوتا ہے ۔ ضلع مظفر نگر میں عام اراضی مقبوضہ کی مالگزاری جس شرح پر تشخیص کی گئی تھی اسی کے موافق زمینداروں کی مقبوضہ اراضی پر ۱۵۶۵ پونڈ مالگزاری معین کی جانی چاہیئے تھی لیکن اس کے بجائے شرح میں اضافہ کرکے مالگزاری ۲۲۳۹۷۴ پونڈ مقرر کر دی گئی ۔ ایک اور مثال پیش کی گئی ہے جس میں عہدہ دار بندوبست نے تعین مالگزاری کے لئے آٹھ شلنگ فی ایکر لگان بالکل واجبی و مناسب فرض کر لیا تھا لیکن جب ایک زمیندار نے اسی سنگین شرح پر اپنی اسامی کے خلاف اور اپنے حق میں فیصلہ صادر کرنے کی استدعا پیش کی تو اسکی درخواست نامنظور کی گئی اور صرف چھ شلنگ چھ پنس فی ایکر لگان کے حساب سے اس کو ڈگری دی گئی دوسرے الفاظ میں عہدہ دار بندوبست کے نزدیک تصفیۂ مقدمات کے لئے لگان کی شرح ایک تھی اور تشخیص مالگزاری کے لئے ایک ۔ اس طرح جہاں ایسی خودمختار عدالتہائے اراضی نہوں جو عہدہ دارانِ مالگزاری کے افعال پر نگرانی اور مابین سرکار و رعایا فصول نزاعات کر سکیں تو پھر عہدہ داران مالگزاری سے ناانصافی اور مغائرت عمل کے سوا اور کیا ظاہر ہو سکتا ہے ؟

اراضی کے ان چھوٹی چھوٹی پٹیوں کی حد تک جو معافی لگان و ہی اسامیوں کے زیر قبضہ ہیں عہدہ دارانِ بندوبست کو چاہیئے تھا کہ کچھ تحمل سے کام لیتے

اور کچھ رواج ملک کا لحاظ کرتے اور کم سے کم ان کو تو مالگزاری ادا کرنے سے بالکل مستثنیٰ کر دیتے۔ خارج از حافظہ زمانہ سے گانو کے لوہار اور کمہار یہی جماعت کی خدمت بجا لا رہے تھے اور چونکہ ان کو اپنے پیشوں سے بہت قلیل آمدنی ہوتی تھی اس لئے بمعافی لگان اراضی کے مختصر سے ٹکڑے ان کو دیدئے گئے تھے۔ نائی اور بھنگی کو لوہار اور کمہار سے بھی کم آمدنی تھی اور اگر ان کو کاشت کا اتنا تھوڑا رقبہ بھی نہ دیا جاتا تو غالباً گانو چھوڑ کر کہیں اور چلے جانے میں ان کو کوئی امر مانع نہ تھا۔ یہ ایک نہایت اچھا ادارہ تھا کہ قدیم زمانے سے گانو والوں نے ایک ایسی مشترکہ تشکل اختیار کرلی تھی کہ اس جماعت کو کسی چیز کے لئے باہر والوں کی محتاجی نہ تھی۔ اراضی کی ایسی عطا سے گانو والوں کی روزمرہ کی معمولی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں اور زمیندار بھی ایسی مشروط بالخدمت اراضی سے کوئی لگان وصول نہیں کرتے تھے۔ ایسی مختصر رقبہ اراضی پر مالگزاری معاف کردینے سے سرکار کو کوئی ایسا نقصان بھی نہیں ہوتا تھا جو قابل ذکر ہو بلکہ اس سے سرکار کے نام پر "منحوس خست" کا دھبا نہیں لگتا تھا۔ تشدد کے ساتھ قواعد کی اہنی پابندیوں سے ہندوستان میں بہت سے قدیم اچھے ادارے مٹ چلے تھے۔ اب کسی حال گانو کے نائی اور بھنگی ہی سلامت رہیں تو غنیمت ہے۔

اصلاحات۔ حکومت نے متعدد مرتبہ صاف و صریح طور پر یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ کاشتکاروں اور زمینداروں کی ان اصلاحات پر جو خود ان کی کی ہوئی ہوں کوئی محصول نہیں لیا جائے گا اور لارڈ کرزن نے حال میں پھر یہی یقین دلایا تھا کہ ان اصلاحات کی حد تک بھی جو کاشتکار کی محنت یا صرفہ اور مٹی کی پیداآوری کا مشترکہ نتیجہ تھیں سرکار اپنے حق سے بالکل دست بردار ہو گئی ہے۔ یہ ایک نہایت منصفانہ اور معقول قاعدہ تو تھا مگر اس پر کہیں مکمل طور پر عمل نہیں کیا جاتا تھا۔ عہدداران بندوبست ہر وقت پیداوار یا لگان کے اس اضافے کو جو محض اصلاحات کا نتیجہ تھا نہ تمیز کر سکتے تھے اور نہ مالگزاری ادا کرنے سے اس کو مستثنیٰ ہی کرتے تھے۔ ہندوستان کے ہر صوبے میں خواہ بمبئی ہو کہ مدراس یا شمالی ہند تجربہ یہی ثابت کرتا ہے کہ ہر جگہ اس منصفانہ قاعدے کی خلاف ورزی ہی ہوتی رہی۔

ضلع منظفرنگر کے عہدہ دار بندوبست نے حسب ذیل خیال کا اظہار کیا تھا:

"باؤلیوں کے ذریعہ آبپاشی کرنے سے کسی جاگیر کے آثاثے میں جو اضافہ ہوتا ہے اس کا صحیح اعداد و کرنا امکان سے باہر ہے .... چھوٹے چھوٹے زمینداروں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ مقررہ قاعدہ کے موافق اپنا دعویٰ ثابت کریں جب کہ بڑے بڑے زمیندار تک اس طرح کرنے سے عاجز ہیں بالکل فضول ہے۔ جب یہ لوگ معاوضہ کی درخواست پیش کرتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ ثابت کریں کہ واقعی اصلاحات ہی کی وجہ سے لگان میں اضافہ ہوا ہے تو وہی جواب دیتے ہیں کہ بمقابل ان کے عہدہ داران بندوبست کو اس کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہیں اور سب حقیقت معلوم ہے۔ محض لگان کا اضافہ اصلاحات کی قدر شناسی کا معیار اس لئے نہیں ہوسکتا کہ لگان کی بیشی ایسے مختلف حالات کے تابع ہے جن کا طریق اثر بالکل غیر متیقن ہے یعنے بہ الفاظ دیگر یہ ضرور نہیں کہ لگان کی بیشی اصلاح کی علامت سمجھی جائے۔"

ہر تیس سالہ میعاد کے انقضاء پر تجدید بندوبست عمل میں آتی ہے اور ممکن ہے کہ اس مدت میں موجودہ زمیندار یا اسکے متوفی والد نے اپنی جاگیر میں بیس یا تیس باؤلیاں کھدوائی ہوں۔ چند سڑکیں تعمیر کی ہوں۔ جنگل صاف کیا ہو یا دلدل کی زمین کاشت کے قابل بنائی ہو۔ اسی مدت میں غالباً سرکار نے بھی اس جاگیر کے قریب ریلوے لائیں یا آبپاشی کے لئے ایسی نہر تعمیر کی ہو جو اس جاگیر میں سے ہوکر گزرتی ہو اور جسکی وجہ سے چند باؤلیاں افتادہ پڑگئی ہوں۔ ممکن ہے اسی زمانے میں روپیہ کی قدر گھٹ گئی ہو اور اس کے بعد بڑھگئی ہو اور اس طرح بڑھنے کے بعد پھر گھٹ گئی ہو اور اس مد وجزر کے ساتھ ساتھ اجناس کی قیمت میں کمی و بیشی روپے کی قدر کے بالکل برعکس رونما ہوئی ہو۔ غرض ان تمام واقعات کا اثر لگان پر پڑا ہوگا اور جدید بندوبست کے وقت جو کچھ لگان ہوگا وہ انہیں اثرات کا نتیجہ ہوگا۔ پھر زمیندار یہ کیسے ثابت کرسکتا ہے کہ اسی تیس سالہ میعاد میں لگان میں جو کچھ اضافہ ہوا ہے اس کا کس قدر حصہ دیگر اسباب و علل سے قطع نظر کرکے صرف ان اصلاحات کی بناء پر ہے جو اس نے یا اس کے والد نے کی تھیں؟ حقیقت یہ ہے کہ زمیندار یہ تو ثابت ہی نہیں کرسکتا اور سرکار ان سب اصلاحات کا منافع جو زمیندار یا کاشتکار نے کی ہوں

تو وہ ہضم کر جاتی ہے۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں مظفر نگر کے بندوبست کے وقت سابقہ مالگزاری میں بحق سرکار ۰۰۰،۲۰ پونڈ سے زیادہ کا اضافہ ہوا تھا اور عہدہ دار بندوبست نے اصلاحات کے معاوضے کے طور پر صرف ۴۰۰ پونڈ کی قلیل ہی رقم بمشکل معاف کر دی تھی۔ زمینداروں اور کاشتکاروں کو خود کردہ اصلاحات کا ثمرہ ملنے کی غرض سے خود مختار حد انتہائے مالگزاری کے قیام کے لئے ان سے زیادہ قوی وجوہ اور کیا مل سکتے ہیں؟ میعادی بندوبست کا نظام جس میں ہر تجدید کے وقت غیر سرکاری مالکان اراضی کی اصلاحات کا منافع سرکار کی جیب خاص میں چلا جائے یقیناً ایسی اصلاحات کا مانع ہے۔

بندوبست کی کارروائیوں میں اخفائے عمل۔ دار العوام کی ایک ایسی مجلس منتخبہ کے سامنے ٹامس مارٹن برڈ نے اس طریق کار کی تفصیل بیان کی جس کو خود اس نے سنہ ۱۸۲۲ء اور سنہ ۱۸۴۲ء کے درمیان شمالی ہند کے مشہور بندوبست میں اختیار کیا تھا۔ اس کی حکمت عملی یہ تھی کہ اہل قریہ سے مل کر مشورہ کر لے اور روز روز ان سے بحث کرتا رہے حتیٰ کہ وہ اس کی تشخیص جمع کو قبول کر لیں۔ اب بھی ایسے لوگ بقید حیات ہیں جنھوں نے مدراس کی اس پیمایش اور بندوبست میں جو سنہ ۱۸۶۰ء کے بعد پہلی دفعہ ہوا تھا اسی نظام پر عمل کیا تھا۔ لیکن اب تو اس میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی ہے۔ شمالی ہند میں بندوبست کی کارروائیاں ایسی ہوتی ہیں جیسے وہ مملکت کا ایک راز سربستہ ہے۔ جن کی قسمت کا فیصلہ ان کارروائیوں پر منحصر ہے انہیں لوگوں سے یہ کارروائیاں اسقدر راز میں رکھی جاتی ہیں کہ ان کو مطلق علم ہی نہیں ہوتا۔ ان سے کسی قسم کا مشورہ نہیں کیا جاتا۔ ان کو واقعات بیان کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا اور کیا ہو رہا ہے اُس کی ان کو اطلاع ہی نہیں دی جاتی۔ ان لوگوں کے صلاح و مشورہ کے بغیر اندر ہی اندر عہدہ دار بندوبست لگان کی جمع و تصحیح کر لیتا ہے۔ وہی مالگزاری کا تعین بھی کر دیتا ہے اور وہی رپورٹ کو مرتب و پیش کرتا ہے۔ یہ رپورٹ منظوری کے لئے کمشنر کے پاس پیش ہوتی ہے اور رعایا سب کارروائی سے بے خبر چپ چاپ نتیجے کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہے۔ کمشنر اس رپورٹ کو مجلس مالگزاری کی خدمت میں بھیجتا ہے اور رعایا وہی لاعلمی میں گرفتار رہتی ہے۔ جب مجلس مالگزاری اس جدید تشخیص لگان کو قبول و منظور کر لیتی ہے تو اس وقت کہیں عہدہ دار بندوبست

پہلی دفعہ حیرت زدہ زمینداروں کو ان کے جاگیروں کی جدید رقم مالگزاری سے آگاہ کرتا ہے جو اس کے بعد سے ان کو دینی پڑتی ہے ۔

فرض کیجیے کہ اس جدید تشخیص لگان پر زمیندار کو اعتراض ہے ۔ تو پھر کس کے پاس وہ اپنا عذر پیش کر سکتا ہے ایک کمشنر یا مجلس مالگزاری کے پاس جسنے اس بندوبست کو منظور کیا ہے ! جس طرح یہ تشخیص لگان عہدہ دار بندوبست کی کارگزاری سمجھی جاتی ہے اسی طرح کمشنر اور مجلس مالگزاری کی بھی اور یہ بالکل ناواجبی بات ہوگی کہ یہی لوگ اس کے استغاثہ کی بھی سماعت کریں ۔ ان سے یہ کیا توقع ہو سکتی ہے کہ اس بندوبست میں جس کو انھوں نے کافی غور و خوض اور چھان بین کے بعد بغیر آپ کو کم عقل ثابت کئے منظور کر لیا تھا اب کوئی ترمیم کرنے پر راضی ہو جائیں ۔

ایسے عذرات کی سماعت کیوں ایک ایسا خود مختار محکمۂ عدالت نہ کرے جو مالگزاری کا معقول تجربہ رکھنے والے ججوں پر مشتمل ہو ؟ شمال مغربی ممالک کی حکومت نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس طرح کے خود مختار محکمہ یا عدالت اراضی کے تقرر سے ممکن ہے کہ "حکومت کی مالیاتی حیثیت کہیں متاثر نہ ہو جائے اور وہ دیندار نہ بنجائے" مسٹر انتھونی میکڈانل کے سے مستند و معتبر شخص ہی نے یہ استدلال کیوں نہ پیش کیا ہو مگر یہ کچھ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیوں کہ یہ تو کوئی نہیں کہے گا کہ مالیاتی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے عہدہ داران مالگزاری حسب مطلب ناواجبی طور پر قواعد کو توڑتے جوڑتے رہتے ہیں اور نہ یہ کوئی خیال تک کر سکتا ہے کہ اعلیٰ حیثیت و اعتبار کے انگریز جج صرف تنگدستی پیدا کرنے کی غرض سے خواہ مخواہ انہی قواعد کو دوسری طرف موڑ لیں گے ۔ مگر اس موجودہ طریق عمل یعنی خود جمع مقرر کرنے والے عہدہ دار اپنے خلاف دائر کردہ استغاثہ آپ سماعت کرنیکے جواز کی صورت میں مذکورالصدر دو باتوں میں سے ایک کا فرض کرنا ضروری ہے ۔ اہل ہند انصاف کے طالب ہیں مالیاتی حیثیت اور برطانوی حکومت کا وقار ہر حالت میں منصفانہ نظم و نسق سے بجائے کمزور ہونے کے زیادہ قوی بن جائے گا ۔ رعایا کا مطالبہ یہ ہے کہ محصول ادا کرنے والوں کے استمزاج و استرضا سے محصول اراضی کا تعین کیا جائے اور اگر ان کو اس پر کوئی اعتراض ہو تو محصول اراضی مقرر کرنے والوں کے بجائے ایک علحدہ محکمۂ عدالت ان کے عذرات کی سماعت کرے ۔

مقامی ابواب۔ ہم نے کسی پچھلے باب میں ان مخصوص ابواب کی تفصیل بیان کی ہے جو مالگزاری کے علاوہ اراضی پر عائد کیے جاتے تھے اور جس سے یہ قاعدہ کہ اراضی پر نصف سے زیادہ لگان کا مطالبہ کسی حال نہیں ہونا چاہیئے کالعدم ہو جاتا تھا چنانچہ شمالی ہند میں سڑکوں اور مدارس کے لئے مالگزاری پر دس فی صدی قحط کے بیمہ فنڈ کی مد میں "دو"[۲] فیصدی اور پٹواریوں کے لئے مزید چار[۲] فی صدی وصول کیا جاتا ہے۔ یہ سب ملکر مالگزاری پر سولہ فی صدی یا لگان پر آٹھ فی صدی ہو جاتا ہے اور اہل ہند قدیم زمانے سے گاؤں کے چوکیداروں اور چودھریوں کو حسب رواج ملک جو کچھ رسوم ادا کرتے ہیں اس کے نظر کرتے ہوئے یہ مزید برآں ہے۔

سنہ ۱۸۸۲ء تک جس نظام کی پابندی کی گئی وہ یہ تھا کہ ان مقامی اغراض کے لئے مالگزاری کا ایک حصہ مختص کر دیا جاتا تھا۔ اس صوبے کے قابل و ہمدرد حکمران مسمی سر ولیم میور نے زور دار الفاظ میں اس اصول کی صاف و صریح توضیح یوں کی ہے۔ "لفٹننٹ گورنر کو جو صحیح اصول معلوم ہوتا ہے وہی ہے جسکی اس صوبے میں پابندی کی جاتی ہے وہ یہ کہ مقامی مقاصد و اغراض کے لئے مالگزاری کا ایک مقررہ حصہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ آجکل بندوبست کے وقت ہمیشہ یہی کیا جاتا ہے کہ مقامی اغراض مثلاً مال کی توالی سڑکوں۔ ڈاک دیہی تعلیم۔ حفظان صحت و صفائی ضلع کے لئے جملہ مطالبہ سرکار کا گیارہواں حصہ یا شاہنشاہی مالگزاری کا دسواں حصہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ بہ حیثیت اعلےٰ مالک اراضی ہونے کے حکومت پر ان فرائض کی بجا آوری بڑی حد تک لازمی ہے۔"

لیکن سنہ ۱۸۸۲ء میں اس صاف و صریح حکم کی تعمیل میں کہ "مالکان اراضی سے مقامی ابواب کو جزو مالگزاری کی طرح ادا کرنے کا قرار داد کر لینے کے طریقے کو آئندہ سے چھوڑ دیا جائے" اس طریق کار کو ترک کر دیا گیا۔ اس قاعدے کے یوں بدل دینے کا جو نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے۔ جب تک ایسے مقامی محصولات اراضی "جزو مالگزاری" سمجھے جاتے تھے اس وقت تک سرکار کا نصف لگان کی حد تک جو مطالبہ ہوتا تھا اس میں ان کو شامل کر لینا بالکل درست تھا لیکن سنہ ۱۸۸۲ء کے قاعدے سے یہ ہوا کہ نصف لگان سرکاری مطالبہ پہلے ہی سے تھا اب حکومت نے درحقیقت ان محصولات کا مطالبہ بھی

مزید تاوان کر دیا اور طرفہ یہ کہ محصولات پہلے سرکاری مطالبے پر جو دس فی صدی عائد کئے جاتے تھے اب سولہ فی صدی کر دیئے گئے تھے۔ فی الوقت روپیہ کی شرح مبادلہ ایک شلنگ چار پنس مقرر کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے محاصل میں بہت کچھ فاضلات ہوتے ہیں اس لئے اہل ہند اس مطالبہ میں بالکل حق بجانب ہیں کہ حکومت کو راستبازی کے ساتھ نصف لگان کی حد تک اپنا مطالبہ محدود رکھنے کے قاعدے کی ہمیشہ پابندی کرنی چاہیئے یعنی اراضی پر جملہ محصول حقیقی لگان کے نصف سے کبھی بڑھنا نہیں چاہیئے۔

قوانین ۱۸۷۳ء میں شمال مغربی ممالک کے لئے جن کو اب صوبہ آگرہ کہا جاتا ہے ایک قانون لگان نافذ کیا گیا تھا جس کو ۱۸۸۱ء میں لارڈ رپن کے عہد حکومت میں ترمیمات ضروری کے بعد منضبط و مستحکم کر دیا گیا۔ اور ۱۸۷۶ء میں صوبہ اودھ کے لئے بھی ایک قانون لگان نافذ کیا گیا۔

پنجاب

پنجاب میں بہت سے قابل اعتراض تغیرات عمل میں آئے تھے۔ تیس سالہ بندوبست کا قاعدہ جس سے تجدید بندوبست کے بعد ایک پشت تک تو کاشتکاروں اور مالکان اراضی کو تحفظ حقوق اور کچھ چین نصیب ہوتا تھا منسوخ کر دیا گیا اور ۱۸۹۵ء میں بندوبست کی میعاد ناعاقبت اندیشی سے بیس سالہ کر دی گئی تھی ۱۹۰۰ء میں ایک قانون نافذ کیا گیا جس میں نہ معلوم کیا فائدہ مضمر تھا کہ حق انتقال اراضی پر قیود عائد کر دئے گئے۔

اس کتاب کے کسی ابتدائی باب میں بیان کیا گیا ہے کہ پنجاب میں ۱۸۴۹ء کے الحاق کے بعد پنجاب کے رہنمایان قوم اور سرداروں کے ساتھ کیسی ناانصافی کی گئی تھی۔ اس زمانے سے اس صوبہ میں صرف چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی ہی رہ گئے تھے جو اکثر اپنی زمینات کی آپ ہی کاشت کر لیتے تھے البتہ بعض دفعہ ان کے تحت چند اسامیاں بھی ہوتی تھیں۔ لارڈ لارنس نے ۱۸۶۸ء میں ان اسامیوں کے تحفظ حقوق کے لئے ایک قانون نافذ کیا اور اس کے بعد ۱۸۸۷ء میں اسی

طرح کا ایک اور قانون اسامیان نافذ ہوا لیکن ان چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی میں سرد و گرم زمانہ برداشت کرنیکی کچھ ایسی طاقت نہ تھی۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء میں صوبے کے اس جملہ رقبۂ کاشت کا جو (۴۰) فی صدی ان کے زیر کاشت تھا وہ ۱۹۰۱ء میں صرف (۳۵) فی صدی رہ گیا تھا۔ خدشہ تھا کہ اس صوبے کے قدیم اچھے خاندانوں اور جفاکش کاشتکاروں کے ہاتھوں سے جو اراضی نکل جارہی تھی کہیں تمام و کمال نہ نکل جائے۔ قدیم خاندانوں میں صرف فرزند کلاں کو وارث بنانے کے اصول کی توسیع عمل کی غرض سے جاگیرداروں کا ایک قانون توریث نافذ کیا گیا اور قدیم قبائل کو بے جائداد اراضی زندگی گزارنے سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک قانون انتقال اراضی جاری کیا گیا۔ جیسا پہلے بیان کیا گیا ہے اس موخر الذکر قانون میں نہ معلوم کیا فائدہ مضمر تھا کہ صوبے کے لفٹنٹ گورنر کی رائے کے خلاف اس کو نافذ کردیا گیا۔ اس کا معاشی نتیجہ یہ نکلا کہ اراضی کی قدر و قیمت میں تخفیف ہوگئی اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا انہیں قبائل کے حق میں جن کے فائدے کی غرض سے اس قانون کو نافذ کیا گیا ہے۔ ویسے ویسے یہ اور غیر مفید ثابت ہوگا۔

در پنجاب میں ابواب اراضی کی جملہ سالانہ قدر یعنے لگان (جو مالگزاری کے دو چند بیان کیا جاتا تھا) کے ½ ۱۲ فی صدی تک اصولاً محدود کردئے گئے تھے لیکن عملی طور پر اگر دیکھیں تو وہاں مالگزاری جملہ اثاثے (لگان) سے اکثر پچاس فیصدی اور اس سے بھی بہت کم ہوتی ہے اور اکثر اضلاع میں ابواب جملہ سالانہ قدر اراضی (لگان) پر گیارہ فی صدی سے زیادہ نہیں ہوتے "لیکن پھر بھی یہ فیصدی وصولات بمقابل آگرہ و اودھ کے بہت زیادہ ہیں اور دیگر مقامات کے بہ نسبت پنجاب میں لگان کے نصف تک مطالبۂ سرکار محدود کردینے کے قاعدے کی زیادہ ضرورت معلوم ہوتی ہے

پانچواں باب

ممالک متوسط کا نظم و نسق اراضی

۱۸۶۳ء کے بندوبست کے وقت حسب ذیل تین صاف و صریح اصول مقرر کر دیے گئے تھے۔

(۱) مالگزاران صوبہ کے حقوق مالکانہ کا اعتراف

(۲) سرکاری مطالبے کا نصف لگان تک محدود رکھنا۔

(۳) تیس سالہ میعاد کے لئے بندوبست کرنا۔

مالگزاروں کے حقوق مالکانہ کا اعتراف بالکل مطلق و غیر مشروط طریقے پر کیا گیا تھا۔ یہ کوئی جدید حقوق پیدا کرنا نہ تھا بلکہ عملی طور پر جو صورت حال ایک زمانے سے قائم تھی اسی کو سرکاری طور پر تسلیم کر لینا تھا۔ مالگزار در اصل اراضی کے مالک تھے اور وہ سب اختیارات استعمال کرتے تھے جو ایک مالک اراضی کو حاصل تھے۔ سرکار نے ۱۸۶۳ء کے بندوبست کے وقت صرف یہی کیا تھا کہ ان کی اس حیثیت اور ان حقوق کو تسلیم کر لیا تھا۔ قارئین کے سامنے ذیل کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے امر واقعہ کی پوری توضیح ہوتی ہے۔

مالگزاروں کے حقوق مالکانہ

۱۸۵۳ء ہی میں شمالی مغربی ممالک کی حکومت کے معتمد نے صاف صاف لکھا تھا

کہ " بندوبست کے عام اصول کے بارے میں حسب الحکم میں یہ اطلاع دیتا ہوں کہ مزرا نے تصفیہ فرما دیا ہے کہ بندوبست اس بدیہی حق مالکانہ پر جہاں تک اعتماد و تیقن کے ساتھ یہ حق دریافت ہو سکتا ہے مبنی ہونا چاہیے اور اس طرح عمل کرنے کی اصل غرض و غایت یہی ہے کہ ان مقررہ حقوق۔ رواجی یا اغراض کو خواہ کسی شکل کے ہوں تسلیم کر لیا جائے تاکہ عہدہ داران سرکار اپنے تخمینی آراء و افعال سے ان میں آئندہ کسی قسم کی مداخلت نہ کر سکیں "۔

مزید براں ۱۸۶۳ء کے ضابطۂ بندوبست میں بھی بطور ضمیمہ اسی تصفیہ کا اعادہ کیا گیا تھا۔

" اب تک ان مثبت حقوق مالکانہ کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ حقوق تو بہر حال پیدا ہو چکے تھے اور اب ان کو تسلیم کیا جا رہا تھا کیوں کہ اس کی اصل غرض و غایت ہی یہ تھی کہ ان مقررہ حقوق۔ رواجی اور اغراض کو خواہ جس کسی شکل میں وہ موجود ہوں تسلیم کر لیا جائے "۔

" حقوق کو تسلیم کر کے ان کا اعلان کرنے میں بندوبست کے عہدہ دار کو چاہیئے کہ ضابطہ اور مصلحت کی خاطر اور آئندہ نزاع یا مقدمہ بازی کو روکنے کے خیال سے لفظ " عطا " استعمال کرے "۔

افسوس کی بات ہے کہ ۱۸۶۳ء کے بندوبست کے وقت جو اصول اس طرح صاف و صریح طور پر مقرر کر دیئے گیے تھے انھیں کو زمانہ مابعد میں بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ ۱۸۸۱ء میں جب کرنل کیننگ ممالک متوسط میں چیف کمشنر مقرر ہوا تو سر رچرڈ ٹیمپل کے سابقہ نظم و نسق کی ہمدردی اس وقت تک ہٹ چکی تھی اور یہ خیال جڑ پکڑ رہا تھا کہ جو کچھ لگان کاشتکار ادا کرتے ہیں وہ در اصل سرکار ہی کا حق ہے اور مالگزار سرکار ہی کے بنائے ہوئے ہیں جن کو سرکار ہی نے حقوق " عطا " کیئے ہیں اور جو کچھ سرکار عطا کر سکتی ہے اس کو وہ واپس بھی لے سکتی ہے۔ کرنل کیننگ رعیت واری نظام کو پسند کرتا تھا۔ زمینداری نظام جس کی ممالک متوسط میں جڑیں خوب پھیل گئی تھیں اور جس کو ۱۸۶۳ء میں تسلیم کر لیا گیا تھا نامقبول ہو چلا تھا۔ اسی بنا پر موجودہ نظام کو ڈھا دینے کی غرض سے تجویز پیش کی گئی کہ ممالک متوسط کے کاشتکاروں

کو براہ راست حکومت کے تحت لے لیا جائے اور یہ فرض کر لیا جائے کہ مالگزاروں کو ملازم سرکاری کی حیثیت سے ان کی خدمات کا معاوضہ سرکار ہی کی طرف سے ادا ہوتا ہے۔

پرگنہ ناگپور کے کمشنر مسٹر پلڈر کا رجحان طبع رعیت واری نظام کی طرف تو نہ تھا لیکن ممالک متوسط میں کسی ایسے تغیر کے پیدا کرنے کے خلاف جو شکست عہد کے برابر تھا اس نے صدائے احتجاج بلند کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اس موضوع پر اس نے جو طویل مراسلہ لکھا تھا اس سے چند فقرے یہاں قابل اعادہ معلوم ہوتے ہیں:۔

"ہماری رائے میں وہ لوگ جن سے اب بندوبست کیا گیا ہے یہ توقع رکھنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ آیندہ اس بندوبست کے عام اصول کو منظور کر لیا جائے گا۔ جب حکومت نے اس تمام پرگنے کے لئے باضابطہ طور پر مالگزاری نظام ہی کو اختیار کر لیا اور چیف کمشنر سر رچرڈ ٹیمپل نے بھرے دربار میں اس نظام کی توضیح کی اور وعدہ کیا کہ اس نظام کی وہاں ترویج کی جائے گی تو پھر لوگوں کے مختلف النوع دعاوی کی تحقیقات و دریافت کے بعد مالکانہ حق باضابطہ طور پر ان کو عطا کر دیئے گئے اور اسی بھروسے پر بعض لوگوں نے اقرار نامے تک کر لیے اس لئے ہماری رائے میں جو کچھ اب کیا جا سکتا ہے وہ اتنا ہے کہ موجودہ نظام کی تفصیلات میں تھوڑی بہت ترمیم کر دی جائے۔"

"اسی وجہ سے ہم اس نظام کے اختیار کرنے کے خلاف ہیں جس کا ذکر حکومت ہند کے مراسلے کے فقرہ (۲۰) میں کیا گیا ہے۔ بندوبست کے وقت رعیت اپنی مقبوضہ اراضی پر جو کچھ ادا کرتی ہے اس جملہ رقم کو مالگزاری سرکار تصور کر لینا اور مقدم کو اسکی خدمات کے معاوضے میں اس رقم پر نیز اس افتادہ اراضی کے لگان پر جس کو اندرون میعاد بندوبست قابل کاشت بنا لیا جائے کچھ فی صدی دینا سابقہ نظام کو از سر نو اختیار کر لینے کے برابر ہے۔ اگرچہ میری دانست میں بیشک یہی طریقہ صحیح ہے لیکن موجودہ بندوبست کے اصول میں اس سے اساسی تغیر ہو جائے گا جس کو مالگزار شکست عہد خیال کریں گے۔ ان کی حیثیت بھی بالکل بدل جائے گی اور وہ ایسے مالکان اراضی کے بجائے جو اپنے مواضعات کا صرف آدھا منافع بطور لگان سرکار کو ادا کرتے ہیں ایسے موروثی ملازم بن جائینگے جن کو سرکار صرف معاوضۂ خدمت ادا کرتی ہو۔"

اس مراسلے سے ممالک متوسط کے چیف کمشنر کرنل کیننگ کے اس جوش و خروش پر جو رعیت واری نظام کے بارے میں اس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا اوس سی پڑ گئی۔ کیننگ نے اس مراسلے کو حکومت ہند کے پاس بھیجدیا اور لکھا کہ مسٹر ٹیڈر کی مجوزہ ترمیمات ایسے پسند ہیں مگر یہ سفارش کی کہ ۱۸۶۳ء کے بندوبست کے اساسی اصول میں کسی قسم کا تغیر نہیں کرنا چاہئے۔ حکومت ہند نے اس کو قبول کر لیا اور مالگزاروں کے مالکانہ حقوق کو برقرار رکھا لیکن ساتھ ہی ساتھ مالگزاروں کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ اگر وہ چاہیں تو تنزل کر کے اپنی حیثیت موروثی لازمین سرکار کی سی بنالیں۔ نہیں یہ کہنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مالگزاروں نے اپنی اس طرح کی حیثیت بنالینا قبول نہ کیا یعنے مکھی کڑاہی کے جالے میں نہ پھنسی۔

سنبھلپور کا رعیت واری نظام

ضلع سنبھلپور مقامی فتنہ و فساد کی وجہ سے اس عام بندوبست میں جو ۱۸۶۳ء میں شروع کیا گیا تھا شریک نہیں کیا گیا۔ یہاں کرنل کیننگ کو پوری آزادی حاصل تھی کہ وہ جو چاہئے کرے۔ سر رچرڈ ٹمپل نے اس ضلع میں بندوبست مالگزاری کرنے کے لئے احکام جاری کئے تھے لیکن ان کی ابھی تعمیل نہیں ہوئی تھی۔ ۱۸۶۳ء میں سر رچرڈ ٹمپل نے سنبھلپور پہنچکر ایک دربار منعقد کیا جس میں اس نے مجوزہ بندوبست کے اصول کا اعلان کیا لیکن اس کے قائم کرنے کے لئے اس اعلان کی پابندی قانوناً کچھ لازمی نہ تھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ کرنل کیننگ کے سامنے گویا ایک سادہ کاغذ رکھا گیا تھا جس پر اس نے "رعیت واری بندوبست" کا نام لکھدیا۔ مالکانہ حقوق کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا گیا اور مالگزاری ادا کرنے والوں کی حیثیت اپنے اپنے مواضعات کے محض متاجروں یا پٹہ داروں کی سی ہوگئی۔ ان کو معاوضۂ خدمت یہ دیا جانے لگا کہ اپنی اپنی پٹیوں پر معافی مالگزاری ان کو قبضہ رکھنے کی اجازت دیدی گئی۔ اس کے علاوہ بندوبست کے اثناء میں اگر کوئی افتادہ اراضی زیر کاشت لائی گئی تو اس کا لگان بھی انہیں کو ملنے لگا اور سر رچرڈ ٹمپل کے اس حتمی وعدہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہ

ان کو مالکانِ اراضی متصور کیا جائے گا ان کی "بھوگرا" اراضی کی حد تک مالک اراضی بنا دیا گیا۔ یہ بندوبست ۱۸۳۹ء سے ۱۸۵۱ء تک یعنے صرف بارہ سال کے لئے کیا گیا لیکن اس وقت سے آج تک سنبھل پور رعیت واری ضلع ہی رہا۔

اس خیال سے رنج ہوتا ہے کہ ایک غیر نیابتی حکومت میں محض ایک عہدہ دار سرکار کے اشارے پر سینکڑوں۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمیوں کی قسمت کا کس طرح فیصلہ ہوجاتا ہے۔ سالہاسال کے غور و خوض کے بعد ممالک متوسط کے لئے مالگزاری نظام قائم کرنے کا تصفیہ کیا گیا تھا اور یہ اس رسم و رواج پر مبنی تھا جو ملک میں ایک زمانے سے پھیلے ہوئے تھے۔ اس نظام کو لارڈ کیننگ اور سر رچرڈ ٹیمپل دونوں کی حکومتوں نے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا تھا۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس نظام سے رعیت کی زرعی دولت کو ترقی ہوگی۔ ممالک متوسط کے اکثر اقطاع میں اس کو اختیار کرلیا گیا تھا۔ سنبھل پور میں ایک بھرے دربار میں اس کے قیام کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ضلع کے باشندے اس کے خواہاں اور طالب تھے۔ کرنل کٹنگ ہی ایک آدمی ایسا تھا جو گزشتہ کے سب وعدوں کو نظر انداز کر کے سنبھل پور میں رعیت واری بندوبست کی ترویج چاہتا تھا۔ اس بارے میں اس نے جو تجاویز پیش کی تھیں ان سے رعایا بالکل بے خبر تھی۔ رعایا سے استمزاج کئے بغیر وائسرائے کی کونسل سے منظوری حاصل کرلی گئی اور اس طرح سنبھل پور میں رعیت واری بندوبست کی ترویج کی گئی۔ ہر غیر متعصب آدمی اپنے آپ سے یہ سوال کرسکتا ہے کہ کیا نظم و نسق کا ایسا نظام دانشمندی پر مبنی اور ہر دلعزیز ہوسکتا ہے اور کیا اس سے قوم کی فلاح و بہبود حاصل ہوسکتی ہے یا ہندوستان میں برطانوی راج قوی و مستحکم ہوسکتا ہے۔

لگان

۱۸۸۳ء میں ایک قانون اسامی نافذ کیا گیا جس میں حسب ذیل اقسام کی اسامیوں کو تسلیم کیا گیا تھا (۱) مطلق العنان دخیل کار اسامی جن کو مشروط ہر طرح کا لگان و حق انتقال اراضی حاصل تھا اور جن کا بندوبست کے وقت سی سالہ میعاد کیلئے معین کردیا گیا تھا۔ (۲) دخیل کار اسامی جن کو مشروط حق انتقال اراضی حاصل تھا اور جن کا لگان عہدہ دار بندوبست نے دہ سالہ میعاد کے لئے معین کردیا تھا۔ (۳) معمولی اسامی جن کا حق انتقال اراضی مالک اراضی کی مرضی پر منحصر و مشروط تھا اور لگان ہفت سالہ میعاد کے لئے معین کردیا گیا تھا۔ شمالی ہند اور

بنگالے کے قانون اسامی کی طرح اس قانون کا مقصد بھی کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہی تھا لیکن بعض امور سے پتہ چلتا ہے کہ مالگزاروں کے سب حقوق مالکانہ کو تسلیم کرنا حکومت کو منظور نہ تھا۔ شمالی ہند اور بنگالے میں خود مالکان اراضی اپنی اپنی اسامیوں سے دائرۂ قانون کے اندر ہی معاملات طے کر لیتے تھے لیکن ممالک متوسط میں عہدہ دار بندوبست مالکان اراضی اور اس کی اسامیوں کے بیچ میں پڑکر اسامیوں کے واجب الادا لگان کا تصفیہ کر دیتا تھا۔ بہ الفاظ دیگر شمالی ہند اور بنگالے میں مالکانِ اراضی اور اسامیوں کو باہمی معاملات کے تصفیہ کی پوری پوری آزادی حاصل تھی جو دونوں کے لئے فائدہ بخش اور احسن تھا مگر ممالک متوسط میں سرکاری مداخلت شروع ہوگئی تھی جو دونوں کے لئے مضر اور برا تھا۔ سر انتھونی مکڈانل نے شمالی ہند کے بارے میں کہا تھا کہ "سرکاری مالگزاری کی تشخیص میں ہم اپنی طرف سے مفروضات پر نہیں چلتے بلکہ ہماری تحقیقات ان امور واقع پر مبنی ہوتی ہے جو قانون لگان کے معمولی اثرات اور ان انتظامات سے جو مالک اراضی نے اپنی اسامیوں کے ساتھ کر لیے تھے وجود میں آئے تھے"۔ لیکن ممالک متوسط میں قانون لگان عملاً موثر ہی نہیں تھا اور عہدہ دار بندوبست مالک اراضی اور اس کی اسامیوں کے بیچ میں پڑکر ایک انتظام مناسب کر دیتا ہے۔ اس مضر و ناخواستہ مداخلت سے مالک اراضی کمزور بن جاتا ہے اور اسامیوں کا بھی آملاف حق ہوتا ہے۔ جب کہ ممالک متوسط میں سرکاری عہدہ دار اس طرح لگان کا تصفیہ کر دیتا ہے تو مالگزار کو اپنے متعلقہ فرائض اور ذمہ داریوں کو محسوس کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور ممالک متوسط کے کسانوں میں بنگالی کسانوں کی سی خود داری و خود مختاری نہیں ہوتی۔ نہ وہ اپنے حقوق سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ان کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ممالک متوسط میں ایسے مشفقانہ قوانین ہی سے مالک اراضی اور اسامی دونوں کمزور بن جاتے ہیں۔ ہر مالک اراضی کو صاحب جائیداد کی حیثیت سے جو کچھ تعلیم ملتی ہے اس کا ملنا نہ ملنا دونوں برابر ہو جاتا ہے۔ رعیت میں قوت عمل باقی نہیں رہتی اور قحط و علت کا شروع ہوتا ہی ہے کہ رعیت کی صورت بے مایہ و لے یار و مددگار کی سی بن جاتی ہے۔ زرعی حرفت کے معمولی معاملات میں اس طرح کی غیر ضروری سرکاری مداخلت سے بڑھکر کوئی اور بات زرعی آبادی کے لئے مخرب اخلاق نہیں ہو سکتی۔ صحیح حکمت عملی وہی ہے

جس کو شمالی ہند اور بنگالے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی یعنے قانوناً کاشتکاروں کے حقوق کی بخوبی حفاظت کی جائے اس کے بعد ایک ایسے ذمہ دار شخص کی طرح جس میں اپنے پانوٗ پر آپ کھڑے ہونے اور اپنے مالک اراضی سے خود معاملات طے کرنے کی طاقت ہو نیز اپنے حقوق سے واقف ہونے اور ان کی حفاظت کرنے کی قابلیت ہو اس سے ہمیشہ برتاؤ کیا جائے۔

عہدہ داران سرکاری کے تصفیۂ لگان میں خود سرکار کو جو مشکل درپیش آئی اس کی پہلے سے کچھ خبر نہ تھی ۱۸۶۳ء کے بندوبست کے وقت جاگیروں کے حقیقی لگان کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا اور عہدہ داران بندوبست نے ایک مفروضہ لگان پر جو ان کے خیال میں اراضی سے وصول ہو سکتا تھا مالگزاری مقرر کر دی تھی لیکن جب خود انھوں نے جدید قانون اسامی کی رو سے ایک مرتبہ یوں لگان مقرر کر دیا تو پھر آیندہ ۱۸۹۳ء کے بندوبست کے وقت وہ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ ایک طرف تو ان کے لئے اپنے مقررہ لگان کو تسلیم کرنا بالکل ناگزیر بن گیا تھا اور دوسری طرف قاعدۂ نافذہ کی رو سے مالگزاری سرکار اس مقررہ لگان کے نصف تک محدود رکھنے پر وہ مجبور تھے۔ اس طرح منتظمین مملکت بڑی مشکل میں پھنس گئے تھے۔ نہ وہ اپنے مقررہ لگان سے متجاوز ہو سکتے تھے اور نہ وہ اس قاعدے کو کہ مالگزاری سرکار نصف لگان تک محدود ہونی چاہیے کسی حال توڑ سکتے تھے۔

۱۸۹۳ء کا بندوبست

اس مشکل سے نجات حاصل کرنے کی غرض سے ۱۸۸۰ء میں جو تجویز پیش کی گئی تھی وہ ہندوستان کی سرکاری تحریرات میں سب سے زیادہ نادر و عجیب تحریر ہے۔ اس وقت مسٹر الگزانڈر مکنزی جس کو "سر" کا خطاب بعد کو ملا تھا ممالک متوسط کا چیف کمشنر تھا۔ یہ بنگالے کا ایک قابل ملازم دیوانی تھا جس کو مقدمی کے کام کا خاصہ تجربہ حاصل تھا۔ اسی نے لارڈ رپن کے عہد حکومت میں مقامی حکومت خود اختیاری کے متعلق ان اہم تحریکات کا مسودہ مرتب کیا تھا جس کے چند اقتباسات ہم نے کسی پچھلے باب میں پیش

کیے ہیں بہ حیثیت ایک حکمراں کے جہاں اس میں بہت سی خوبیاں تھیں وہاں یہ بھی تھا کہ رعیت کے ساتھ اس کو مطلق ہمدردی نہ تھی، وہ نہ ان کی امنگوں کا کچھ لحاظ کرتا تھا اور نہ ان کے حقوق کا کچھ پاس۔ اس کی حکمت عملی زمانے کی ہوا کے ساتھ بدلتی رہتی تھی اس کے تحت ممالک متوسط اور بعد کو بنگالے کے نظم ونسق پر اواخر صدی کے سب سے زیادہ زوال پذیر تجاویز کا داغ لگ گیا تھا۔ ممالک متوسط میں اس نے اس کا علانیہ اعتراف کیا تھا کہ ۱۸۱۲ء میں عہدہ دار بندوبست نے وہاں اتنا بیش تغلبانہ لگان بطور مفروضہ عائد کیا گیا تھا جس سے "نصف لگان" کا قاعدہ بالکل نظرانداز ہو گیا تھا لیکن آیندہ بندوبست کے وقت اس قاعدے کو اس لئے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ قانوناً لگان کی تعریف اور اس کی مقدار تعین کر دی گئی تھی۔ اسی بناء پر اس قاعدہ کو منسوخ کرنا لازمی تھا۔ اس عجیب وغریب تحریر سے چند اقتباسات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:-

"اس زمانے میں (۱۸۶۳ء) تشخیص جمع کا جو طریقہ رائج تھا اس کے لحاظ سے صوبے کے کسی حصے میں بھی ایک عہدہ دار سرکار کے لیے جو بہ لحاظ حالات مالگزاری کی بیشی جائز سمجھ کر توفیر محاصل کا خواہاں تھا اثاثے کے ایک مخصوص جز تک مالگزاری سرکار محدود رکھنے کے قاعدے کی پوری پوری تعمیل کرنا عملاً ممکن نہ تھا بجز اس کے کہ اس غرض سے اصطلاح "اثاثے" کی ایک غیر مفید اور عام تعریف کر لی جائے۔ محال کے اثاثے یا لگان کی قدر معلوم کرنے کے لئے بیشمار اعداد سے مقابلہ اور استخراج کرنا پڑتا تھا جن میں سب سے اہم یہ تھا کہ گاؤں کی تمام مختلف النوع اراضی پر اقسام اراضی کے موافق مختلف شرح لگا کر جملہ لگان کا تعین کر دیا جائے۔ اس کا انحصار کہ آیا یہ لگان محال کے حقیقی لگان کے مساوی تھا یا نہ تھا اس بات پر تھا کہ جمع کا اعلان کر دینے کے بعد تصفیہ لگان کے لئے جو کارروائی کی جاتی تھی اس کے اثناء میں کس حد تک لگان میں کمی و بیشی ہوئی تھی"۔

ممالک متوسط کے عالیہ بندوبست میں تعین جمع کے جس نظام کی پابندی کی جا رہی ہے وہ سابقہ بندوبست کے نظام سے بالکل مغائر ہے۔ قانون اسامی کی رو سے اسامی قابض مطلق اور اسامی قابض کے لگان کا تعین عہدہ دار بندوبست ہی کر دیتا ہے .... اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہے کہ معمولی اسامیوں کے لگان

کا تعین بھی عہدہ دار بندوبست ہی کو کرنا پڑے گا .... آیندہ اس طرح تعین مالگزاری کرنے والے عہدہ دار کے لئے محال کے اثاثے کے لحاظ سے ایک ایسے لگان کو فرض کر لینا ضروری ہو گا جو تصفیۂ لگان کے وقت شاید وصول ہو یا نہ ہو۔ جو کچھ لگان تعین مالگزاری کے لئے وہ فرض کرے گا اسی کی وہ تکمیل بھی کرے گا۔"

اس کو صاف طور پر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نظام بندوبست کی بنا پر جس کی خود سرکار قانوناً اب پابند ہو گئی ہے "نصف اثاثے" کے قاعدے سے اب اس طرح چشم پوشی نہیں کی جا سکتی جس طرح گزشتہ بندوبست کے وقت ہوا تھا۔ "نصف اثاثے" کے قاعدے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اب نہ اس کے مساوی ایک ایسے لگان کو فرض کر لینا ممکن ہو گا جو تصفیہ کے بعد حقیقی لگان سے بھی زیادہ ہو اور نہ ایک ایسی مالگزاری کا تعین کر دینا جو برائے نام "نصف اثاثے" کے مساوی تو ہو مگر درحقیقت مالگزاروں کی آمدنی کے نصف سے زیادہ حصہ کو جذب کر لیتی ہو۔"

مسٹر مکنزی کی استدعا یہ ہے کہ ممالک متوسط کی [illegible] موجودہ بندوبست میں "نصف اثاثے" کا قاعدہ بالکل ناقابل عمل قرار دے کر مقامی نظم و نسق کو اختیار دیدیا جائے کہ وہ بہ اجلاس کونسل گورنر جنرل کے آخر حکم اور منظوری سے عام طور پر ایک واجبی اور مبنی بر اعتدال بندوبست کر دے۔"

لارڈ ڈفرن کی حکومت کو یہ منظور نہ تھا کہ محاصل سرکار میں اضافہ کرنے کی خاطر مالگزار کے حصۂ اثاثہ کو بھی تمام تر یا بیشتر ہضم کر جائے اس لئے اس نے صلاح دی کہ اسامیوں کے لگان میں بھی اضافہ کر دیا جائے اور اس کے لئے قانون کی شرائط سے پورا پورا استفادہ کیا جائے۔

"بندوبست کی کارروائیوں میں سب سے اہم تعین لگان بھی ہے اور یہ کام عہدہ داران بندوبست ان قواعد کے موافق جن کو چیف کمشنر حسب دفعہ (۴۲) وضع کرنے کا مجاز ہے انجام دیں گے۔ جس طریقے پر اس فریضے کا انصرام ضروری ہے اس کے متعلق آپ کے مراسلے میں کچھ بحث ہی نہیں کی گئی ہے۔ البتہ یہ لکھا ہے کہ ممالک متوسط کی روداد بابت مارچ ۱۸۸۴ء میں لگان پر نظر ثانی کرنے کی تجاویز پر مسٹر فلر اور

مسٹر منٹر پیاٹرک دونوں نے بحث کی ہے اور (۱) جہاں بعض اراضی کا لگان ناواجبی طور پر قلیل ہے وہاں مقامی میعاد کے لحاظ سے اس میں اضافہ کرنے اور (۲) جہاں کل رقبے کا لگان ناواجبی طور پر بہت ہی کم ہے وہاں جلد لگان میں اضافہ کرکے موجودہ معیار سے بلند تر معیار پر اس کو پہنچانے کے لئے کیا کیا مناسب طریقے اختیار کرنا چاہئے ان کے متعلق ضروری صلاح ومشورہ بھی دیا ہے۔"

مسٹر مکنزی نے ایک طویل مراسلے کے ذریعے سے اس کا جواب دیا جس میں اس نے استدعا کی کہ تعین مالگزاری کے لئے لگان کے (۵۰) سے (۶۵) فی صدی تک گنجائش باقی رکھنی چاہئے اور حکومت ہند نے اپنے تصفیہ آخر میں چیف کمشنر کی استدعا کو قبول کرلیا۔

"ہر مقدمے میں ایسے بیش مقدار حصۂ متناسبہ یعنے (۶۵) فی صدی تک رقم وصول کرنے کی اجازت دینے میں حکومت ہند کسی قدر پس وپیش کرتی ہے اور اس کو یہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتہائی مقدار صرف انہیں مقدمات تک محدود رکھی جائے جن میں سابقہ فی صدی مطالبہ اس حصۂ متناسبہ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ دیگر جاگیرات کی حد تک زیادہ سے زیادہ (۶۰) فی صدی تک وصول کیا جاسکتا ہے۔"

ہندوستان کی تمام سرکاری تحریرات میں عہدہ داروں یا عوام کے لئے اس مراسلت سے بڑھ کر کوئی دلخراش تحریر نہیں ملتی۔ شمالی ہند میں اسامیوں سے لگان کی تشخیص کرلینا خود زمینداروں پر چھوڑ دیا گیا تھا لیکن ممالک متوسط میں ۱۸۸۳ء کے قانون کی رو سے سرکار نے بالکل دیدہ ودانستہ یہ اپنے ذمے کرلیا تھا۔ شمالی ہند میں اضافہ نہ کرنے کے لئے زمینداروں پر ازروئے قانون قیود عائد کیے گئے تھے مگر ممالک متوسط میں خود سرکار نے لگان میں اضافہ کرنے کی غرض سے ایک ایسی ہی حکمت عملی مقرر کردی تھی۔ شمالی ہند میں سرکار زمینداروں کے مقررہ لگان کے صرف نصف حصے تک مطالبہ کرتی تھی لیکن ممالک متوسط میں "نصف لگان" کے قاعدے کو اس لئے ترک کردیا گیا تھا کہ اس کو آیندہ کسی حال نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا اور عہدہ داران سرکاری کے اختیار تمیزی کا یہ لگان میں

اضافہ ہونے کے بعد بھی (۵۰) سے (۶۵) فی صدی تک اس کے مطالبہ کرنے کا اختیار سرکار نے اپنے ہاتھ میں لیلیا تھا۔ زرعی تموّل و خوشحالی کو میٹ دینے اور صوبے میں فاقہ کشی اور قحط زدگی کا سامان پیدا کرنے کے لئے اس زیادہ منفید مطلب کوئی اور حکمت عملی انسانی عقل اختراع نہیں کر سکتی تھی۔

آخری وار تو ہندوستان کے وزیر وقت لارڈ جورج ہملٹن کے حصے کی بات تھی اس نے ۱۸۹۵ء میں میعاد بندوبست میں تخفیف کرکے بجائے تیس[1] سال کے اس کو بیس[2] سال کردینے کا فیصلہ کیا گیا کہ بس فیصلہ ہی کردیا۔ اس منفید قاعدے کو جس سے بندوبست کے بعد ایک پشت تک زرعی آبادی کو سکھ چین نصیب ہوتا تھا اور جس کی شمالی ہند۔ مدراس اور بمبئی میں ابھی تک پابندی کیجاتی ہے پنجاب کی طرح ممالک متوسطہ میں بھی ترک کردیا گیا۔ اس طرح اس صدی کے اواخر میں ایک غیر ہمدردانہ حکمت عملی یہ اختیار کرلی گئی کہ جمع پر بار بار نظر ثانی ہونے لگی۔

بتیس سال کے اندر اندر ایک ایک کرکے ۱۸۶۳ء کے بندوبست کے تینوں[3] اساسی اصول کی بیخ کنی کردی گئی۔ گو مالگزاریوں کے حقوق مالکانہ پر قیود عائد کردے گئے اور اپنی جاگیروں کے لگان کی تشخیص کرنے کی انہیں ممانعت کردی گئی "نصف لگان کے قاعدے" کو ترک کردیا گیا۔ "تیسی سالہ بندوبست کے قاعدے کو بھی ترک کردیا گیا تحفظ حقوق وغیرہ کے وہ سب طریقے جو ایک خوشحال صاحب جائداد طبقے کو پیدا کرنے اور کسانوں کو خوشحال بنانے کے لئے لارڈ کیننگ اور سر رچرڈ ٹمپل دونوں نے اپنے اپنے عہد حکومت میں قائم کئے تھے یکے بعد دیگرے لارڈ ڈفرن اور لارڈ لنسڈاؤن نے اپنی اپنی حکمرانی میں ترک کردئے۔

اس کے بعد جو بندوبست ہوا وہ بالکل انہیں قواعد کے موافق ہوا جن کو جدید طور پر وضع کیا گیا تھا۔ آنریبل بی۔ کے بوس نے (جو ممالک متوسطہ کی طرف سے لارڈ کرزن کی کونسل کا رکن تھا) ۲۸ مارچ ۱۹۰۰ء میں جو تقریر کونسل میں کی تھی اس میں یہ بتانے کیلئے کہ جدید بندوبست میں مختلف اضلاع کے کاشتکاروں پر لگان میں فی صدی کیا اضافہ کیا گیا تھا حسب ذیل اعداد پیش کیے تھے۔

ضلع	ضلع کی مختلف النوع اراضی کے لگان میں فی صدی اضافہ
ساگر	۱۰ - ۸ - ۹
داموہ	۱۴ - ۱۰
جبل پور	۱۱ - ۴ - ۳ - ۹ -
منڈلا	(اعداد موجود نہیں)
سیونی	۱۲ - ۸ - ۱۰
نرسنگھ پور	۴ - ۶
ہوشنگ آباد	۴ - ۵ - ۹ - ۸
نمار	۲۳
بیتول	۱۴ - ۱۷ - ۱۸ - ۱۴
چھندواڑا	۱۷ - ۹ - ۱۲
وردھا	۲۰ - ۷
بھنڈارا	۱۴ - ۱۵ - ۱۳
ناگپور	۱۳ - ۱۷ - ۱۵ - ۱۴
بالاگھاٹ	۱۶
رائے پور	۱۲
بلاسپور	۱۳ - ۷
سنبھل پور	(اعداد موجود نہیں)

مذکورالصدر نقشے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہدہ داران بندوبست نے لارڈ ڈفرن کی تعمیل حکم میں جدید بندوبست کی غرض سے صوبے کے اس گوشے سے اس گوشے تک ۴ سے ۲۳ فی صدی تک لگان میں اضافہ کر دیا تھا۔ یہ اضافہ اس اضافے کے سوا تھا جو جو زمینداروں نے اختیارات چھن جانے سے پہلے کر دیا تھا۔ لگان میں ہر جگہ اس لئے اضافہ کر دیا گیا تھا کہ مالگزاری میں بھی جو لگان پر مبنی ہوتی تھی بیشی ظاہر ہو۔ اگر زمیندار یہ شکایت

بھی کرتے تھے کہ لگان اتنے بیش مقدار مقرر کر دئے گئے تھے کہ وہ ان کو وصول ہی نہیں کر سکتے تھے تو اس سے ان کو کچھ حاصل ہوتا تھا کیون کہ وہ لگان وصول کر سکیں یا نہ کر سکیں ہر حالت میں مقررہ مالگزاری جو جدید لگان پر مبنی ہوتی تھی ان کو دینی پڑتی تھی ۔

جمع کی سختی کم کرنے کے لئے ایک ممتاز عہدہ دار سرکار نے جو کوشش کی تھی اس کا کچھ نہ کچھ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ الگزانڈر کمنری کے بعد انتھو فی مکڈانل ممالک متوسط کا چیف کمشنر مقرر ہوا ۔ اس نے کسی ضلع میں بھی لگان کا (۶۵) فی صدی بطور مالگزاری مقرر کرنے سے احتراز کیا ۔ لیکن عام طور پر مالگزاری (۵۰) سے (۶۰) فی صدی تک ہی مقرر کر دیجاتی تھی اور جو خرابی ہوتی تھی ہو چکی تھی یعنے لگان میں اضافہ ہو چکا تھا اور اس پر سے جو مالگزاری مقرر کر دی گئی تھی وہ بمقابل ۱۸۶۳ء کی جمع کے بے انتہا زیادہ تھی ۔ ذیل کے اعداد آنریبل مسٹر بوس کی تقریر سے جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اخذ کیے گیے ہیں :-

ضلع	ضلع کی مختلف النوع اراضی کی مالگزاری میں بمقابل ۱۸۶۳ء کے فیصدی اضافہ
ساگر	۶۰ - ۴۲ - ۵۳ - ۴۸
داموہ	۵۵ - ۷۳
جبل پور	۵۰ - ۴۴ - ۶۲ - ۸۶ - ۶۴ - ۷۷
حندلا	۷۱ - ۶۶
سیونی	۹۵ - ۹۷ - ۵۵ - ۹۲ - ۵۰
نرسنگھ پور	۵۷ - ۴۶
ہوشنگ آباد	۶۹ - ۸۷ - ۹۶
بھنڈارا	۵۸ - ۵۶
بیتول	۵۵ - ۶۳ - ۵۷ - ۳۷
چھندواڑا	۴۵ - ۵۵ - ۴۷ - ۲۵

وردھا	۲۶ - ۲۸
بھنڈارا	۴۰ - ۳۸ - ۳۰ - ۵۲
ناگپور	۲۰ - ۲۱ - ۲۸ - ۲۴
بالاگھاٹ	۴۸
رائے پور	۸۲ - ۹۸
بلاسپور	۱۰۲ ۱۰۵
سنبھل پور	۳۴

مالگزاری کے علاوہ اراضی پر جو مقامی محصولات بالکل کم مقدار میں ۱۸۹۳ء میں عائد تھے ان میں بھی بقدر ½ ۱۲ فی صدی اضافہ کر دیا گیا تھا۔

۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۰ء کے قحط

انگریزی راج میں ممالک متوسط میں کوئی سخت مضرت رساں قحط رونما نہیں ہوا تھا لیکن رعایا میں افلاس پھیلنے کے باعث آیند قحط کے لئے ایک راہ کھل گئی تھی یوں تو ہر حالت میں کسی زرعی ملک میں فصل کی ناکامیابی ایک بڑی آفت سے کم نہیں ہوتی اور جہاں رعایا کے پاس نہ راس المال ہوا اور نہ کچھ لیس انداز دولت وہاں قحط کے اثرات وگونہ زیادہ مہلک ثابت ہو گئے ہیں۔ ۱۸۹۷ء کا قحط تو ممالک متوسط کے حق میں سب سے زیادہ مضر و مہلک ثابت ہوا تھا۔ ضلع کے ضلع تباہ و برباد ہوگئے تھے۔ مزروعہ اراضی جنگل بن گئی تھی۔ ایک انبوہ کثیر کا صفایا ہوگیا تھا۔ کاشت اور آبادی دونوں میں کمی ہوگئی تھی۔ اس وقت دارالعوام میں مسٹر سیموئل اسمتھ رکن پارلیمنٹ نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا قحط کے گزرنے تک جدید بندوبست کی کارروائی ملتوی کی جائیگی۔ اسپر لارڈ جورج ہملٹن نے بندوبست کی کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

لیکن دست قدرت دست انسانی سے زیادہ قوی ہے۔ ۱۹۰۰ء میں ایک

اور قحط پڑا جس میں پہلے سے مصیبت زدہ ممالک متوسط کی پھر تباہی و بربادی ہوئی۔ جدید بندوبست کا مقررہ بیش مقدار مطالبۂ مالگزاری ناممکن الوصول بن گیا۔ حکومت اس کو ملتوی کرنے پر مجبور ہوگئی۔ ساگر۔ داموہ۔ جبل پور۔ سیونی۔ نرسنگھ پور۔ ہوشنگ آباد اور نمسار میں مقررہ مطالبے میں تخفیف کردی گئی۔ بیتل۔ واردہا۔ بھنڈارا۔ بالاگھاٹ اور رائے پور میں ۱۹۰۲ء میں تخفیف مطالبہ کی کارروائی جاری تھی۔ ان دونوں قحط سے اس صوبے کی تباہی ہونے کے بعد ناممکن الوصول مطالبۂ مالگزاری میں تخفیف کرنی لازمی تھی۔

باشندگان صوبہ کا صرف یہی مطالبہ نہیں کہ اسی طرح کی عارضی تخفیف کردی جائے بلکہ دوامی اصلاحات کی جائیں۔ جدید تدابیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف ۱۸۶۳ء کے اصول کو ازسرنو رائج کردینا کافی ہے۔ ان اصول کو چھوڑکر جو کچھ کیا گیا وہ سخت مضرت رساں ہی ثابت ہوا۔ اس سے صاحب جائداد طبقہ کمزور بن گیا اور کسان افلاس زدہ بن گئے۔ ہر بندوبست کی میعاد سی سالہ ہونا ضروری ہے جیسا شمالی ہند بمبئی اور مدراس میں ہوتا ہے۔ مطالبۂ مالگزاری حقیقی لگان کے نصف تک محدود ہونا چاہئے جیسا صوبجات آگرہ۔ اودھ و پنجاب میں ہے۔ ۱۸۸۱ء سے جتنے مزید ابواب اراضی پر لگائے گئے ہیں ان سب کو موقوف کردینا چاہئے۔ جس طرح شمالی ہند اور بنگالے میں قانون اسامی کے تحت کاشتکاروں کو اپنی اپنی مقبوضہ اراضی پر حقوق حاصل ہیں اور مزید مطالبات سے وہ بالکل محفوظ ہیں اسی طرح یہاں کے کاشتکاروں کے ساتھ بھی یہی سلوک ہونا چاہئے۔ ایسے تحفظ حقوق سے ان کو مستحکم و توی کرنے کے بعد عہدہ داران بندوبست کی مداخلت کے بغیر اپنے اپنے زمینداروں کے ساتھ لگان کی تشخیص کرنا بالکل ان پر چھوڑ دیا جائے۔ ہر کھیت کے لگان کی تشخیص میں سرکاری مداخلت کا لازمی نتیجہ یہی نکلا تھا کہ لگان میں بیشی ہوگئی تھی اور آبادی پر اور افلاس چھاگیا تھا۔

قواعد کی سختی اور اس کا نتیجہ عمل

سرکار کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی بات نامناسب نہیں خیال کی جاسکتی کہ ہر کاشتکار

اپنے زمیندار کو کتنا لگان دینا چاہئے اس کا تعین کرنے کے لئے وہ مداخلت کرے اور کوئی کام ایسا نہیں ہے جو اس سے بدتر طریقے پر سرکار انجام دیتی ہو۔ تعین لگان کے قواعد اس قدر پیچیدہ ہیں کہ نہ ان کو کوئی سمجھ سکتا ہے اور نہ ان پر کوئی عمل کرسکتا ہے۔

۱؎ ۔ ان قاعدے کی پیچیدگی ذیل کے اقتباس سے جس کو صوبجات متوسط کے مجموعۂ قوانین بندوبست بابت ۱۹۱۷ء کے دیباچے سے یہاں نقل کیا گیا ہے بخوبی ذہن نشین ہوسکتی ہے۔ اس نظام پر عمل پیرا ہونے کے لئے پہلے اراضی کے مختلف اقسام کی تشخیص ضروری ہے .... اس کے بعد فی ایکڑ کتنے "سوئل یونٹ" (Soil Units) ہو سکتے ہیں ان کے حساب سے اراضی کی ہر ایک قسم کی قدر اضافی کا تعین بھی ضروری ہے۔ .... پھر ایک ایسا پیمانۂ (ربّت) اجزائے ضربی (Scale of Factors) تیار کرنے کے بعد جس سے جملہ اقسام اراضی کے ساتھ ساتھ ہر زمین کے "سوئل یونٹ" (Soil Units) کا حساب انفرادی اور اضافی دونوں حیثیتوں سے معلوم ہوسکتا ہے کسی مقبوضہ زمین یا قصبے کے "سوئل یونٹ" (Soil Units) کی تعداد معلوم کرنا ہو تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر رقبے (جس کو مٹی کے لحاظ سے ایک علیحدہ نوعیت قرار دیا گیا ہے) کے اعداد کو اسی نوعیت کے اجزائے ضربی سے ضرب دیا جاتا ہے مثلاً اگر ۱۵۰ ایکڑ اراضی تین نوعیتوں میں منقسم ہو جن کے اجزائے ضربی الف کے ۳۲ ب کے ۱۶ اور ج کے ۴ ہیں اور رقبہ علی الترتیب (۵۰) اور (۷۵) اور (۲۵) ایکڑ ہو تو ان کے "سوئل یونٹ" حسب ذیل ہوں گے :-

الف ۵۰ × ۳۲ = ۱۶۰۰

ب ۷۵ × ۱۶ = ۱۲۰۰

ج ۲۵ × ۴ = ۱۰۰

۲۹۰۰

اگر موجودہ آمدنی مالگزاری ۲۷۵ روپے ہے تو اس حساب سے تادیہ معمول فی "سوئل یونٹ"

$\frac{۲۷۵}{۲۹۰۰}$ = ۱٫۵ آنے ہوگا۔

لگان میں اضافہ کرنے کے متعلق ایک اور طرح کا استدلال پیش کیا جاتا ہے جو عام قیمتوں

بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ

ایسے کم تعلیم یافتہ اور کم مواجب پٹیل اور پٹواریوں سے جن کی یافت ہر ہفتہ صرف تین شلنگ سے چھ شلنگ تک ہو کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ان ناممکن الفہم قیاسی اور استقرائی قواعد کے موافق وہ کام کریں گے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ یونہی تصور کر لیتے ہیں کہ سرکار لگان میں اضافہ چاہتی ہے۔ اور لگان میں اضافہ وہ پکا کر دیتے ہیں۔ وہ تین مددگاران بندوبست کے امکان سے باہر ہے کہ وہ ہزاروں مربع میل کے رقبے پر پٹیل اور پٹواریوں کے کام کی خاطر خواہ تنقیح کریں۔ اسی لئے تعین لگان کا کام اکثر قیاس پر چلتا ہے اور غلطی کی سزا کاشتکار کو بھگتنی پڑتی ہے۔ اگر کاشتکاران لازمی طور تصفیہ کے خلاف جن کی یافت ہر ہفتہ تین شلنگ سے چھ شلنگ تک ہوتی ہے استغاثہ کرنا بھی چاہیں تو اس کے لئے کوئی خود مختار عدالت اراضی موجود ہی نہیں۔

لگان کی تشخیص یا اس میں اضافہ کرنے میں جو غلطیاں اکثر وقوع پذیر ہوتی ہیں ان کو ممالک متوسط میں عام طور پر سبھی جانتے ہیں۔ پہلے یہ کہ اراضی کی اصطلاحات ہی اکثر غلط ہوتی ہے اور پٹیلوں کو عادت سی پڑ گئی ہے کہ وہ فی الواقع ادنیٰ درجے کی اراضی کو اعلیٰ درجے کی اراضی میں شمار کر لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ فصول کے تجربات جن سے مختلف النوع اراضی کی پیداآوری کا اندازہ کیا جاتا ہے اکثر مغالطہ ڈالنے والے ہوتے ہیں اور کھیتوں کے کاٹنے اور اناج کے خشک ہونے میں جو غلہ کم ہو جاتا ہے اس کو پیداآوری کے اندازے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی جنسی کے لحاظ سے استخراجی دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ سابقہ بندوبست میں جو لگان معین کئے گئے تھے ان میں قیمتوں کی بیشی کے لحاظ سے ۲۲ فی صدی اضافہ کرنا بالکل مبنی بر انصاف ہے اور سابقہ و حالیہ آمدنی مالگزاری کے تقابل یعنی سابقہ و حالیہ زمانے کی شرح مفروضہ فی ایکڑ سے مقابلہ کرنے کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر لگان میں صرف ۱۰ فی صدی اضافہ ہوا ہے تو پھر سابقہ لگان پر مزید ۲۳ فی صدی یا موجودہ لگان پر ۲۰ فی صدی کا اضافہ بالکل مبنی بر انصاف ہوگا۔ اس اضافے کی منصفانہ تقسیم کے لئے "سوئل یونٹ" کا نظام بہت موزوں و مناسب ہے۔

استقرائی استدلال کے نقطۂ نظر سے یہ نظام اضافے کی مقدار کے تعین کا ایک آلہ ہے اور استخراجی استدلال کے زاویہ نگاہ سے اضافے کی منصفانہ تقسیم کا بھی یہ ذریعہ ہے کیوں کہ ایک طرح یہ رعایا کے مقبوضات کے لئے مشترکہ نسب نما کا قائم مقام ہے۔

واجبی مقدار میں پہلے ہی سے منہا نہیں کر دیا جاتا۔ تیسرے یہ کہ بیج اور بیلوں کے نہ ہونے سے یا کاشتکار کے عام افلاس کے باعث بہت کچھ قابل کاشت اراضی بے کاشت چھوڑ دی جاتی ہے لیکن تعین لگان کے وقت ایسی اراضی کو بھی عہدہ داران سرکار مزروعہ اراضی میں شامل کر لیتے ہیں جس کی بنا پر زمیندار مجبور ہو جاتا ہے کہ اس اراضی پر بھی جس کی اسامی کاشت ہی نہیں کر سکتی خواہ وہ لگان وصول کر سکے یا نہ کر سکے ہر حالت میں مالگزاری ادا کرے۔ چوتھے یہ کہ ان نابالغ زمینداروں کی جاگیروں میں جو سرکار کے زیر انتظام ہیں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خود عہدہ داران سرکار اپنے معینہ لگان پر سے دس فی صدی کم ہی وصول کرتے ہیں کیونکہ وہ پوری رقم تو وصول نہیں کر سکتے۔ اس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ غیر سرکاری مالکان اراضی کے لئے سنگین تر نقصان اٹھانا بالکل ناگزیر بن گیا ہے۔ پانچویں یہ کہ سرکاری مطالبے کے اقساط کا تعین ناواجبی طور پر کر دیا گیا ہے۔ مالیاتی سال کے ختم سے پہلے مکمل جمع وصول کر لینے کی غرض سے فروری میں ایک بیش مقدار قسط کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ فروری میں اس رقم مالگزاری کی ادائی کے لئے زمینداروں کو اپنی اسامیوں سے جنوری ہی سے لگان وصول کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جنوری میں کھیت نہیں کٹتے اسلئے پٹہ دار اپنا لگان ادا کرنے کی غرض سے ایستادہ فصل ہی کو بمجبوری واجبی قیمت سے بھی کم رقم پر ساہوکاروں کے پاس مکفول کر دیتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ ممالک متوسط میں عہدہ داران مالگزاری از روئے قانون اس کے مجاز ہیں کہ مالگزاری نہ ادا کرنے پر زمیندار کو گرفتار کر کے قید خانہ بھیجدیں حالانکہ بنگالے میں مالگزاری نہ ادا کرنے پر سرکار ایسی اراضی کو صرف فروخت کر دے سکتی ہے۔ ایسا تشدد تو بنگالے کے قوانین مالگزاری میں بھی نہیں البتہ ممالک متوسط کے نظم و نسق کے دامن پر اس کا دھبا لگا ہوا ہے۔

۱۸۹۸ء کا قانون اسامی اور ترمیمات اصلاحات کی ضرورت

۱۸۹۸ء میں سابقہ احکام کو منضبط کر کے ترمیمات ضروری کے بعد قانون لگان کی شکل میں ان کو نافذ کیا گیا لیکن اس سے بھی اسامیوں کی صورت حال کی کوئی اصلاح نہ ہوئی۔ زمینداروں پر سیر یافت کی اراضی کے متعلق اور قابض اور معمولی اسامیوں پر

استحقاق اراضی کسی اور پر منتقل نہ کرنے کے لئے قیود عائد کئے گئے تھے حالانکہ ایسے قیود و قوانین بنگالہ میں بھی موجود نہیں کیونکہ ان کا معاشی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ املاک کی عام قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے ۔ حالیہ آفات سماوی کے بعد ان تدابیر سے ممالک متوسط ایس تمول و خوشحالی ہرگز نہیں پھیل سکتی البتہ فیضانہ تدابیر اور ۱۸۲۳ء کے مفید مطلب اصول کو پھر سے قائم و رائج کرنے سے ممکن ہے کہ اس صوبے کی زرعی آبادی قوی اور مایہ دار ۔ خوشحال اور بر خود اعتماد کرنے والی بن جائے ۔

چھٹا باب

بمبئی اور مدراس کا نظم و نسق اراضی

شمالی ہند کے نظام اراضی کی طرح بمبئی اور مدراس کا نظام اراضی بھی ایسٹ انڈیا کمپنی ہی کے عہد حکومت میں بتدریج قائم ہوا۔ بمبئی میں پہلا تیس سالہ بندوبست ونگیٹ کے زیر نگرانی ۱۸۳۶ء میں اور مدراس میں مجلس نظماء کے حسب الحکم ۱۸۵۵ء میں شروع ہوا۔ نظم و نسق ہند کے تاج برطانیہ پر منتقل ہونے کے بعد سے ۱۸۶۴ء میں سر چارلس وڈ نے ان صوبجات میں بھی اراضی پر مطالبۂ سرکار کو خالص پیداوار یعنے معاشی لگان کے نصف تک محدود کر دیا تھا جیسا شمالی ہند میں تھا۔ ان ہر دو صوبجات میں لارڈ مِنٹو کے عہد حکومت تک مذکورالصدر اصول پر کاربند رہنے کے لئے جو کچھ کارروائی ہوئی تھی اس کا بیان کسی پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔ اب ہم اس صدی کے ختم تک جو کچھ ہوا اس کو مختصراً یہاں بیان کر دیتے ہیں۔

بمبئی

۱۸۶۶ء میں جو بندوبست بمبئی میں شروع کیا گیا تھا اس پر نظر ثانی کرنے کے وقت جو غلطیاں سرزد ہوئیں انہیں بنا پر ۱۸۷۵ء میں پونا میں بلوہ ہوا۔ اس

ہنگامے کے اسباب دریافت کرنے کے لئے جو کمیشن مقرر ہوا تھا اس کے ایک رکن آکلینڈ کالون نے ثابت کر دیا تھا کہ ناگہانی طور پر مطالبۂ مالگزاری میں کس قدر کثیر اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس خرابی کو کبھی دور نہیں کیا گیا۔ حکومت بمبئی نے اپنے مطالبے پر کوئی صاف و صریح حد مقرر و معین نہیں کی اور سر چارلس وڈ نے مطالبۂ سرکار کو نصف لگان تک محدود رکھنے کا جو قاعدہ مقرر کیا تھا اس کو بندوبست کی کارروائیوں میں نظر انداز ہی کر دیا گیا۔

قانون دائرۂ اقتدار مالگزاری بابت ۱۸۷۶ء کی رو سے جمیع متعلق جملہ کارروائیوں میں عدالتوں سے ان کا اختیار سماعت چھین لیا گیا اور عہدہ داران بندوبست بالکل مطلق العنان بنا دئے گئے۔ ۱۸۷۹ء کے قانون امداد مزارعین کا مقصد کاشتکاروں کو ان کے قرضخواہوں سے محفوظ رکھنا تو تھا لیکن اس میں مطالبۂ مالگزاری کو محدود رکھنے کے متعلق اشارۃً و کنایۃً بھی کچھ ذکر نہ تھا۔ قانون مالگزاری بابت ۱۸۷۹ء میں بھی مطالبۂ سرکار کو محدود رکھنے کے متعلق کوئی دفعہ موجود نہ تھی اور بمبئی کے کاشتکاروں کو مقابلہ اور باتوں کے اس طرح کے تحفظ کی شدید ترین ضرورت تھی۔ جیسا سر ولیم ہنٹر نے ۱۸۷۹ء میں گورنر جنرل کی کونسل میں اپنی نشست سے زوردار الفاظ میں علانیہ کہا تھا کہ "دکن کے کسانوں کو سکھ پہنچانے کا خیال ہو تو بڑی مشکل یہ ہے کہ مالگزاری سرکار ادا کرنے کے بعد کاشتکاروں کے پاس اتنا نہیں بچتا جس سے وہ اپنی اور اپنے ارکان خاندان کی سال بھر پرورش کر سکیں"۔

عہدہ داران بندوبست کے اختیار تمیزی پر قاعدے کے تحت ایک ہی قید عائد کی گئی تھی وہ یہ کہ کسی تعلقہ کی مالگزاری میں ۳۳ فیصدی سے یا کسی گاؤں کے محاصل میں ۶۶ فیصدی سے یا کسی شخص کی مملوکہ اراضی پر صد فی صد سے بڑھ کر اضافہ نہ کیا جائے۔ یہ قاعدہ بجائے مفید ہونے کے اور بھی مضر تھا۔

۱۸۶۶ء میں بندوبست پر جو نظر ثانی شروع کی گئی اسکی رفتار بہت سست تھی حتیٰ کہ ۱۸۹۹ء تک جس کے بعد کے سال بمبئی میں قحط پڑا تھا اس صوبے کے صرف نصف مواضع میں یعنی ۱۸۷۷۲ مواضعات کے منجملہ صرف ½ ۱۳۳۶۹ مواضعات میں تجدید بندوبست اختتام کو پہنچی تھی۔ سابقہ اور نظر ثانی شدہ حالیہ مطالبہ کے اعداد کے

دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مالگزاری میں کثیر اضافہ کر دیا گیا تھا۔

ضلع	تعداد مواضعات جن کے بندوبست پر نظر ثانی کی گئی تھی	نظر ثانی کے سال ماقبل کا محاصل مالگزاری پونڈ	نظر ثانی کے بعد تعیین مطالبہ مالگزاری پونڈ	فی صدی اضافہ
احمد آباد	۴۴۴	۸۷۳۱۰	۱۰۹۲۹۴	۲۵٫۲
کھیرہ	۵۲۵	۱۳۱۶۷۸	۱۵۱۸۴۳	۱۵٫۳
سورت	۲۰۱	۵۵۲۷۸	۶۱۰۹۲	۱۰٫۵
پنج محال	۲۲۲	۱۱۰۴۳	۱۱۱۹۳	۱٫۳
تھانہ	۸۲۴	۵۹۷۷۲	۸۴۱۳	۴۱٫۱
خاندیس	۲۲۷۲	۲۶۴۴۷۵	۳۴۵۵۷۳	۳۰٫۶
ناسک	۹۵۹	۶۷۷۶۸	۹۳۱۹۴	۳۷٫۵
احمد نگر	۱۰۱۷½	۹۸۱۵۷	۱۲۴۵۰۹	۲۶٫۹
پونا	۱۰۳۵	۹۶۵۰۳	۱۲۷۳۳۵	۳۲٫۰
شولاپور	۶۷۲	۸۳۴۷۸	۱۱۲۹۷۲	۳۵٫۲
ستارہ	۹۶۲	۱۲۲۲۶۴	۱۵۹۲۶۷	۳۰٫۳
کلابہ	۱۰۵۹	۷۳۶۵۶	۱۰۰۱۴۸	۳۵٫۹
بلگام	۸۹۲	۸۳۷۴۹	۱۰۹۸۴۷	۳۱٫۱
دھارواڑ	۱۲۹۰	۱۲۹۸۶۸	۱۸۷۲۵۳	۴۴٫۲
بیجاپور	۹۹۵	۸۱۶۲۱	۱۰۹۰۴۳	۳۳٫۶
میزان	۱۳۳۶۹½	۱۴۴۶۶۰۰	۱۸۸۶۸۵۴	۳۰٫۴

مذکورالصدر اعداد کے متعلق دو ایک باتیں قابل ذکر ہیں۔ خانہ (۳) و (۴) کے عنوان سے

ظاہر ہوتا ہے کہ یہ (۳۰) فی صدی اضافہ سی سالہ میعاد میں بتدریج توسیع کاشت ہونے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ جس سال نظر ثانی ہوئی تھی اسی ایک سال میں یہ اضافہ ہو گیا تھا جیسا کہ کلنڈ کاون نے ۱۸۷۵ء میں بتایا تھا کہ بمبئی میں میعاد بند وبست کے انقضا تک مالگزاری میں بتدریج اضافہ تو ہوتا تھا لیکن بند وبست پر نظر ثانی کرنے وقت ناگہانی طور پر مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔ اور یہاں اس کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ مالگزاری میں اس طرح کا ناگہانی اضافہ بغیر مشورہ و استرضاء کاشتکار کر دیا جاتا تھا ۱۸۳۲ء میں مجلس منتخبہ کے سامنے سر بارٹل فریر نے اپنی شہادت میں یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ تجدید بند وبست کے وقت کاشتکاران بمبئی سے مشورہ کرنا اور ان کے عذرات کو سننا بہت ضروری تھا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ کاشتکاروں سے کبھی مشورہ ہی نہیں کیا جاتا ہے اور ان کو جدید مطالبہ سرکار کی اسی وقت خبر ہوتی ہے جب کہ ان کو پہلی دفعہ باضابطہ طور پر اس کی اطلاع دیجاتی ہے۔

نظر ثانی کے بعد بغیر ان لوگوں سے مشورہ کئے جن سے مالگزاری کا مطالبہ کیا جاتا ہے تحلیہ و تخمیص جمع کرنے کا یہ طریقہ عاجلانہ کاربرآری کے لئے مناسب ہی ہو لیکن مالک اراضی کاشتکاروں کے حق میں بالکل غیر منصفانہ ہے۔ ان کو اپنے کھیتوں کی خالص پیداوار کے تعلق تک مطالبہ مالگزاری کو محدود رکھنے کے لئے کچھ کہنے سننے کا نہ کوئی حق حاصل ہے اور نہ کوئی موقع ہی ملتا ہے۔ عام قیمتوں کی بیشی یا کاشت کے اضافے کی شرح تناسب تک مطالبہ مالگزاری کے اضافے کو محدود رکھنے کا انہیں کچھ اختیار نہیں یہ بھی ثابت کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا کہ کس حد تک مطالبہ سرکار میں اضافہ کرنے کا اثر ان کی خود کردہ اصلاحات پر پڑتا ہے۔ جمع کا ایک دفعہ اعلان ہو جانے کے بعد کسی خود مختار محکمہ عدالت میں اس جدید جمع کے خلاف استغاثہ پیش کرنے کی بھی ان کو اجازت نہیں ملتی۔ اس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جیسی توقع کی جا سکتی ہے۔ بمبئی کی مجلس وضع قوانین کے ایک رکن مسمی آنریبل گوکلداس پارکھ نے انہی سرکاری اعداد سے جن سے سرکاری عہدہ داروں کے تجربات فصول کا نتیجہ معلوم ہوتا تھا یہ بتایا تھا کہ گجرات کے کاشتکاروں کے ایک بڑے طبقے ہیں جن کے زیر قبضہ فرداً فرداً پانچ ایکڑ یا اس سے بھی کم اراضی تھی اور جو دھان کی خاطر خواہ کاشت نہیں کر سکتے تھے معمولی زمانے

میں بھی ان کی سالانہ فصل کی قیمت اتنی نہیں ہوتی تھی جس سے وہ مطالبۂ سرکار کی تکمیل کے ساتھ ساتھ مصارف کاشت اور اپنے ارکانِ خاندان اور مویشیوں کے اخراجات پرورش و خوراک ادا کر سکیں۔ اس نے یہ بھی ثابت کر دکھایا تھا کہ اُن کاشتکاروں میں تیں بھی جن کے قبضے میں دس ایکڑ تک اراضی تھی بہت سے ایسے تھے جن کی سالانہ آمدنی مصارف کاشت اور اخراجات نان و نفقہ تک کے لئے ناکافی تھی۔"

آنریبل گوکلداس سے بھی زیادہ مستند ایک اور ذریعے سے ہمیں گجرات کے متعلق ایسے اعداد ملتے ہیں جن پر غور کرنے سے رنج اور تکلیف ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء کے امورِ قحط نے سر انتھونی میکڈانل کی زیرِ صدارت یہ دریافت کیا تھا کہ گجرات میں مالگزاریٔ سرکار خام پیداوار اراضی کے ایک خمس کے مساوی تھی۔ یہ اس رقم کے دوچند تھی جو بنگالے میں غیر سرکاری مالکان اراضی بہ شکل لگان اپنے اسامیوں سے وصول کرتے تھے۔ اس طرح گجرات میں مطالبۂ سرکار سنہ ۱۸۵۵ء کے قاعدے کے تحت بجائے نصف لگان تک محدود رہنے کے جملہ معاشی لگان ہی کو جذب کر لیتا تھا۔[1]

ف۱ میں مارچ سنہ ۱۹۰۳ء عیسوی میں گجرات گیا تھا جہاں میں نے اضلاع کھیرہ و احمد آباد و سورت و بروچ کے بعض مواضعات میں عام حالات دریافت کیے۔ وہاں مالک اراضی کاشتکاروں کی حالت زبون و ناگفتہ بہ تھی اور ان میں جو سب سے زیادہ خستہ حال تھے وہ اپنے سب ارکان خاندان کے ساتھ ایک ہی حجرے میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور ان کے پاس زیب و زینت کجا آرام و آسائش تک کا سامان نہ تھا۔ جن مویشیوں سے وہ کام لیتے تھے وہ بھی اکثر کرایہ کے ہوتے تھے اور جو کچھ ان کی املاک تھیں وہ بھی رہن۔ کہیں کہیں کنول تھیں جب میں نے گاؤں کے باشندوں اور دیہی ملازمین کے مواجہہ میں مطالبہ مالگزاری کا پیداوار کے ساتھ کیا تناسب تھا اس کا تخمینہ کیا تو مجھکو یہ معلوم ہوا کہ مطالبۂ سرکار اوسط فصول کے لحاظ سے جو حقیقی پیداوار کاشتکاروں کو حاصل ہوتی تھی اس کا ۳۰ یا ۴۰ فی صدی تھا۔ میں نے دکن میں ستارا اور پونا کے بعض مواضع دیکھے جہاں مطالبۂ سرکار کسی قدر کم تھا اور جن کاشتکاروں سے وہاں استفسارات کیے ان میں ایک انگریز بھی تھا جس نے فوجی خدمت سے وظیفہ لے لیا تھا۔ [illegible] یہ اتفاقاً بھی ہو آیا تھا اور اس زمانے میں کاشتکار کی حیثیت سے یہاں بود و باش اختیار کر لی تھی

بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ

ممالک متوسط کی طرح بمبئی میں بھی قحط ہی کاشتکاروں کے حق میں ایسا اصلاح حال کا باعث بن گیا جیسا ایک نصفت پسند اور ہمدرد ونظم ونسق اراضی بن سکتا تھا۔ ۱۸۹۶ کے بند وبست میں جو اضافہ کیا گیا تھا اس کو قائم نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ صوبے کا نصف رقبہ بھی اگر فروخت کردیا جاتا تو پھر بھی مطالبۂ مالگزاری کی تکمیل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے سنہ ۱۹۰۲ء اور سنہ ۱۹۰۳ء میں حکومت بمبئی گجرات میں تخفیف جمع کے کام میں مصروف تھی۔ اس تخفیف کے لئے کوئی مختص قواعد شائع نہیں کیے گئے تھے۔ مختلف عہدداروں کے مختلف اختیار تمیزی کے سوا مطالبۂ سرکار کس حد تک اور کس قاعدے کے تحت زیادہ اور کم کیا جاسکتا ہے۔ اس سے رعایا بالکل بے خبر تھی۔ رعایا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آیندہ کسی سال یا اب کے بند وبست کے وقت اس مطالبے میں کہاں تک بیشی ہوجائیگی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: بہ بیان مطالبہ سرکار اوسط فصول کے لحاظ سے جو حقیقی پیداوار کاشتکاروں کو حاصل ہوتی تھی اس کا ۲۰ یا ۳۰ فی صدی تھا۔ جب سرکاری عہدہ دار یہ بیان کرتے ہیں کہ مالگزاری گجرات میں ۲۰ فی صدی اور دکن میں ۱۰ فی صدی سے بھی کم ہے تو ان کا حساب کھیتوں سے کتنی پیداوار "ہوسکتی" ہے اس پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اس پر کہ کھیتوں سے کیا پیداوار "ہوتی" ہے اگر ہندوستان کے قدیم رواج کے موافق مالگزاری بشکل جنس ادا کی جائے تو پھر ایسی غلطی کے وقوع میں آنے کا امکان نہیں رہتا۔ اگر فصل اچھی ہو تو سرکار کا حصہ بھی بیش مقدار ہوگا اور اگر فصل خراب ہو تو سرکار کا مطالبہ بھی کم مقدار ہوگا۔ اس طرح مملکت رعایا کی خوش حالی سے مستفید اور رعایا کے افلاس سے متاثر ہوگی نیز کسانوں کی حالت اور مالگزاری کی تحصیل میں ایک مناسبت قائم ہوجائیگی لیکن برطانوی حکومت نے مالگزاری کو بشکل زر وصول کرنے کا تصفیہ کردیا ہے۔ اس لئے اس کا اطمینان کرلینا بہت ہی اہم ہے کہ اوسط فصول کے لحاظ سے جو حقیقی پیداوار کاشتکاروں کو حاصل ہوتی ہے اس کا صحیح تخمینہ نہایت حزم واحتیاط کے ساتھ کرنے کے بعد اس پر مطالبہ بشکل زر مبنی ہے کہ نہیں۔ کھیتوں کی حقیقی پیداوار کا ۱۰ فی صدی گویا نصف آمدنی مالگزاری کے برابر ہوگا لیکن اس کا ۳۰ یا ۴۰ فی صدی معاشی لگان سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور ایسے مطالبے سے کاشت کے مصارف اور مزدوروں کی اجرت یہ دونوں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

معیشت کے آتے ہی مطالبہ سرکار میں تخفیف کر دینا اور خوشحالی کے رونما ہوتے ہی اس میں اضافہ کر دینا ایک ایسے آمارجڑ ہاؤ کی حکمت عملی ہے جو زرعی خوشحالی کے لئے مہلک ہے۔ ملک میں عام طور پر یہی خیال پھیلا ہوا ہے کہ حکومت جتنا ممکن ہو اتنا سب کچھ خود وصول کر لینا چاہتی ہے اور آبادی کو دائما مفلس و مقروض ہی رکھنا پسند کرتی ہے کسانوں میں ایک ایسی بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے جس سے ممکن ہے آئندہ چلکر بڑا سیاسی خطرہ پیدا ہو جائے۔

ایک بہت بڑی اصلاحی تدبیر کی ضرورت دائمی ہے۔ کیننگ اور لارنس کا عہد ہوتا تو یہی تدبیر ذہن میں آتی کہ حقوق اسامیاں کو وسعت دیجائے اور ان کی قانونی تعریف کر دیجائے۔ صرف مختص و مقررہ وجوہ پر اضافے کرنے کی اجازت دیجائے اور کسانوں کو ان کے کھیتوں کی خالص پیداوار کا نصف حصہ ہمیشہ ملتے رہنے کے لئے حد النہائے اراضی قائم کی جائیں لیکن سنہ ۱۹۰۱ء میں جو تدبیر ذہن میں آئی تھی جو ممالک متوسط اور پنجاب میں اس سے پہلے اختیار کی گئی تھی یعنے ایک مسودہ قانون پیش کیا گیا جس کی رو سے مالگزاری نہ ادا کرنے کی صورت میں حکومت حق انتقال اراضی فسخ کر دینے کی مجاز کر دی گئی۔ میراثیوں کے لئے جن کا قبضہ اراضی مرہٹوں کے عہد سے چلا آرہا تھا حق انتقال اراضی قبضے کا جزو لاینفک تھا۔ اس سے مقبوضہ اراضی قابل فروخت ہونے کی حیثیت سے قدر و قیمت رکھتی تھی اور مالک اراضی کسانوں کے لئے یہ سرمایہ داری کا ایک مزید ذریعہ تھا دکن میں برطانوی حکمرانی کی ابتدائی ہی سے اس حق کو برطانوی حکومت نے تسلیم کر لیا تھا۔ سنہ ۱۸۷۹ء کے قانون مالگزاری کی رو سے صریح الفاظ میں اسکی توثیق کی گئی تھی یعنے اس قانون میں صاف طور پر لکھا تھا کہ مالگزاری نہ ادا کرنے کی صورت میں اگر اراضی فروخت بھی کر دیجائے تو حق انتقال اراضی جو قبضے کا جزو لاینفک ہے خریدار کو حاصل رہے گا۔ بمبئی کے مالک اراضی کسان برطانوی حکمرانی میں اسی سال تک برابر اس حق سے استفادہ کرتے رہے تھے اور بیس سال سے زیادہ زمانہ گزرا تھا کہ قانون کی رو سے بھی وہ اس حق سے استفادہ کرنے کے مجاز تسلیم کر لیے گئے تھے۔ اب مالگزاری نہ ادا کرنے کی صورت میں حکومت ان سے اس حق کے سلب کر لینے کا اختیار حاصل کرنے کے درپے تھی۔ اس مسودۂ قانون میں کسی ترقی یافتہ

قبیلے یا پہاڑی قوم کا (جس تک اس کا دائرہ عمل محدود رکھا جائے گا) کوئی ذکر نہ تھا بلکہ اس کا منشا یہی تھا کہ تمام صوبے اور سب مالکِ اراضی کسانوں کو اس قانون کے تحت لانے کے لئے سرکار کو اختیار دیدیا جائے۔

اس سے پہلے اہل بمبئی نے حکومت کی کسی تجویز کے خلاف اس زور و شور کے ساتھ صدائے احتجاج بلند نہ کی تھی جیسی اس قانون کے (جو ان کی نظروں میں قانون ترقی تھا) خلاف کی اور بمبئی کے سب اقطاع کے باشندے اس میں شریک تھے۔ مالک اراضی کسانوں کا انبوہ کثیر یہی محسوس کرتا تھا کہ اس طرح ان کے مسلمہ حقوق پر سخت حملہ کیا گیا تھا۔ بمبئی کی مجلس وضع قوانین کے ان ارکان نے جن کی رکنیت بذریعۂ انتخاب ہوئی تھی نہایت شد و مد کے ساتھ اس تجویز پر بحث کی اور جب ان کی کسی نے نہ سنی تو وہ سب کے سب ایک ساتھ کونسل ہال سے باہر چلے گئے۔ اس کے بعد یہ مسودۂ قانون منظور کر لیا گیا۔ اس طرح بمبئی کے قانون مالگزاری بابت ۱۸۷۹ء میں یہ ترمیم کر دی گئی کہ جب مالگزاری ادا نہ کرنے کی بنا پر کھیت فروخت کر دئے جائیں تو سرکار حق انتقال اراضی عطا کیے بغیر ان کے لگان کا تعین کر دینے کی مجاز ہوگی۔

اس طرح کی تجاویز سے ایک کاشتکاری پیشہ قوم کی طاقت اور قوت تحمل میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ نہ ان کی املاک کی قدر و قیمت بڑھتی ہے اور نہ ان کی معاشی حالت کی کچھ اصلاح ہوتی ہے۔ بمبئی کے مالک اراضی کاشتکار ابھی تک ایسی فیضانہ تجاویز کے منتظر ہیں جن سے ان کے حقوق تیقن ہو جائیں۔ سرکاری مطالبۂ خالص پیداوار کے نصف تک محدود رہے اور صرف مخصص و مقررہ اور واجبی وجوہ پر اس میں اضافہ ممکن ہو۔

مدراس

کسی پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے کہ مدراس میں باضابطہ پیمائش اور بندوبست ۱۸۶۱ء میں شروع کر دیا گیا تھا۔ یہ بندوبست تیس سالہ میعاد کے لئے کیا گیا تھا اور چونکہ ایک ضلع کے بعد دوسرے ضلع میں یہ کام شروع کیا گیا تھا اس لئے اسکو کئی سال لگے

تھے۔ بمبئی کی طرح مدراس میں بھی یہ کام ابھی تک جاری ہے کیونکہ آخر ضلع یا تعلقہ میں بندوبست ختم ہونے تک تیس سال گزر جاتے ہیں اور اس طرح پہلے ضلع کے بندوبست کی تجدید و نظر ثانی کا وقت پھر آجاتا ہے۔ اس انتظام میں عہدہ داران بندوبست کو بڑی سہولت ہے اور رعایا کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ ایک دفعہ بندوبست ہو جانے کے بعد تیس سال تک ان کو چھیڑا نہ جائے۔ رعایا کی درخواست صرف یہی تھی کہ بندوبست پر نظر ثانی کرنے کے بعد اگر کوئی اضافہ کیا جائے تو وہ محقق و مقررہ وجوہ ہی پر مبنی ہو اور اس اضافے کے بعد بھی ان کے کھیتوں کی خالص پیداوار کے نصف تک مطالبہ محدود رہے۔

بندوبست کے ۱۸۷۵ء تک کے نتائج اعداد کی شکل میں کسی پچھلے باب میں بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح کے تئیس (۲۳) سال کے اعداد یعنی ۱۸۹۸ء تک جن کو ایک سرکاری رپورٹ سے اخذ کیا گیا ہے ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

اعداد مالگزاری مدراس بہ استثنا ملیبار و جنوبی کنڑا

سنہ	رقبہ مقبوضہ	جمع	جملہ مطالبہ رعیت واری	ابواب وغیرہ	خام مطالبہ
	ایکڑ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۷۶	۱۹۲۰۰۰۰۰	۳۲۴۰۰۰۰	۲۷۷۰۰۰۰	۳۸۰۰۰۰	۳۱۵۰۰۰۰
۱۸۷۷	۱۹۲۰۰۰۰۰	۳۲۵۰۰۰۰	۳۵۹۰۰۰۰	۴۰۰۰۰۰	۳۹۹۰۰۰۰
۱۸۷۸	۱۹۱۰۰۰۰۰	۳۲۶۰۰۰۰	۳۷۲۰۰۰۰	۴۱۰۰۰۰	۴۱۳۰۰۰۰
۱۸۷۹	۱۸۴۰۰۰۰۰	۳۲۰۰۰۰۰	۳۶۶۰۰۰۰	۴۱۰۰۰۰	۴۰۷۰۰۰۰
۱۸۸۰	۱۸۱۰۰۰۰۰	۳۱۸۰۰۰۰	۳۶۴۰۰۰۰	۴۱۰۰۰۰	۴۰۵۰۰۰۰
۱۸۸۱	۱۸۰۰۰۰۰۰	۳۱۷۰۰۰۰	۳۵۷۰۰۰۰	۴۱۰۰۰۰	۳۹۸۰۰۰۰
۱۸۸۲	۱۸۳۰۰۰۰۰	۳۲۱۰۰۰۰	۳۶۳۰۰۰۰	۴۴۰۰۰۰	۴۰۷۰۰۰۰
۱۸۸۳	۱۸۵۰۰۰۰۰	۳۲۳۰۰۰۰	۳۷۴۰۰۰۰	۴۵۰۰۰۰	۴۱۹۰۰۰۰

۱۸۸۳	۱۸۶۰۰۰۰	۳۲۴۰۰۰۰	۳۵۰۰۰۰۰	۴۶۰۰۰۰	۳۹۶۰۰۰۰
۱۸۸۵	۱۹۱۰۰۰۰	۳۲۷۰۰۰۰	۳۷۹۰۰۰۰	۴۵۰۰۰۰	۴۲۱۰۰۰۰
۱۸۸۶	۱۹۵۰۰۰۰	۳۳۱۰۰۰۰	۳۸۶۰۰۰۰	۴۶۰۰۰۰	۴۳۲۰۰۰۰
۱۸۸۷	۱۹۷۰۰۰۰	۳۵۵۰۰۰۰	۳۹۰۰۰۰۰	۵۹۰۰۰۰	۴۴۹۰۰۰۰
۱۸۸۸	۱۹۸۰۰۰۰	۳۵۷۰۰۰۰	۳۹۲۰۰۰۰	۵۷۰۰۰۰	۴۴۹۰۰۰۰
۱۸۸۹	۲۰۱۰۰۰۰	۳۶۱۰۰۰۰	۳۹۶۰۰۰۰	۶۵۰۰۰۰	۴۶۱۰۰۰۰
۱۸۹۰	۲۰۲۰۰۰۰	۳۶۳۰۰۰۰	۳۹۰۰۰۰۰	۶۴۰۰۰۰	۴۵۴۰۰۰۰
۱۸۹۱	۲۰۲۰۰۰۰	۳۶۵۰۰۰۰	۳۹۸۰۰۰۰	۶۶۰۰۰۰	۴۳۴۰۰۰۰
۱۸۹۲	۲۰۷۰۰۰۰	۳۷۱۰۰۰۰	۴۰۳۰۰۰۰	۶۸۰۰۰۰	۴۷۱۰۰۰۰
۱۸۹۳	۲۱۰۰۰۰۰	۳۸۸۰۰۰۰	۴۳۹۰۰۰۰	۳۸۰۰۰۰	۴۷۷۰۰۰۰
۱۸۹۴	۲۱۳۰۰۰۰	۳۹۵۰۰۰۰	۴۵۲۰۰۰۰	۵۷۰۰۰۰	۵۰۹۰۰۰۰
۱۸۹۵	۲۱۵۰۰۰۰	۳۹۳۰۰۰۰	۴۶۸۰۰۰۰	۵۹۰۰۰۰	۵۲۷۰۰۰۰
۱۸۹۶	۲۱۵۰۰۰۰	۴۰۰۰۰۰۰	۴۴۰۰۰۰۰	۵۶۰۰۰۰	۴۹۶۰۰۰۰
۱۸۹۷	۲۱۹۰۰۰۰	۴۰۳۰۰۰۰	۴۷۴۰۰۰۰	۵۴۰۰۰۰	۵۲۸۰۰۰۰
۱۸۹۸	۲۱۶۰۰۰۰	۴۰۵۰۰۰۰	۴۸۵۰۰۰۰	۵۵۰۰۰۰	۵۴۰۰۰۰۰

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۷۷ء کے قحط و خشک سالی کے بعد دس لاکھ ایکڑ اراضی بے کاشت رہ گئی تھی اور یہی حالت سات سال تک رہی تھی جس سے بے حد نقصان ہوا تھا۔ زیر کاشت رقبے کے اعداد کہیں ۱۸۸۵ء میں جاکر ۱۸۷۷ء کے برابر ہوئے تھے۔

مذکورۃ الصدر نقشے سے اس حیرت انگیز واقعہ کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ اس مدت میں خام مطالبہ میں کس قدر بیشی ہو گئی تھی۔ زیر کاشت رقبہ میں ایک کروڑ نوے لاکھ ایکڑ سے دو کروڑ دس لاکھ پچاس ہزار ایکڑ تک یعنی چودہ (۱۴) فی صدی سے بھی کچھ کم ترقی ہوئی تھی لیکن خام مطالبہ میں ۳۱۵۰۰۰۰ پونڈ سے ۴۰۵۰۰۰۰ پونڈ تک یعنی ستر فیصدی سے بھی کچھ زیادہ بیشی ہو گئی تھی یا اگر ہم اراضی مقبوضہ کی جمع میں جو اضافہ ہوا اسی کو لیں

گر یہ اضافہ ۲۲۴۰۰۰۰ پونڈ سے ۴۰۵۰۰۰۰ تک یعنے تقریباً پچیس[25] فی صدی ہوتا ہے یہ کثیر اور غیر متناسب اضافہ زیادہ تر بعض رعیت واری اراضی کی آبپاشی کی بناء پر ہوا تھا کیونکہ پن کو مالگزاری کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کوئی کاشتکار یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ مطالبۂ سرکار کس قدر اراضی کے لئے تھا اور کس قدر آبپاشی کے لئے۔

کئی سال سے یہ مسئلہ زیر غور رہے کہ آیا ان سب زمینات پر جن تک نہروں کا پانی پہنچ سکتا ہے۔ پن کا وصول کرنا لازمی کر دیا جائے یا پن صرف انہیں کاشتکاروں سے لیا جائے جو بطیب خاطر اپنی اراضی کے لئے نہروں سے پانی لیتے ہیں۔ لارڈ ہارٹس نے ۱۸۷۳ء میں دارالعوام کی ایک مجلس کے سامنے یہ بیان کیا تھا کہ "ان کو (کاشتکاروں کو) پانی لینے پر مجبور کرنے کے بجائے میں تو یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ کوئی نہر ہی نہ تعمیر کرواں گو نہر تعمیر کرنے کا بین کتنا ہی خواہشمند کیوں نہ ہوں" اس سے تین سال قبل ۱۸۷۰ء میں ڈیوک آف آرگئیل وزیر ہند وقت نے بھی بڑے شد و مد کے ساتھ یہی خیال ظاہر کیا تھا اور کاشتکاروں سے بالجبر پن وصول نہ کرنے کے وجوہ صاف و صریح طور پر اس نے لارڈ میو کے ایک موسومہ مراسلے میں قلمبند کئے تھے جس سے ذیل کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے :۔

"اس طرح کی قید عائد کرنے کی غرض یہی ہے کہ نہر کی تعمیر سے سرکار کو اگر کوئی مالی نقصان پہنچے تو اس کی تلافی کی بھی کوئی صورت ہو۔ نقصان پہنچنے کے تین[1] اسباب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آبپاشی کے لئے نہر سے اس مقدار میں پانی نہ مل سکتا ہو جس مقدار میں اس کے ملنے کی توقع تھی۔ یا یہ کہ متوقع مقدار میں پانی تو مل سکتا ہو لیکن کاشتکار اس حد تک اس سے استفادہ نہ کرتے ہوں جس حد تک استفادہ کرنے کی ان سے امید تھی۔ یا یہ کہ نہر کی تعمیر میں اندازے سے بڑھکر روپیہ خرچ ہو گیا ہو اور اس کی تلافی کے لئے مجبوراً پن کی ایسی شرح مقرر کر دی گئی ہو جو کاشتکاروں کے مقدور سے باہر ہو اور اسی بناء پر اس کو ادا کرنے سے وہ گریز کرتے ہوں۔ پہلی صورت میں مجوزہ قانون کے لحاظ سے جو کچھ نقصان سرکار کے ایک ایسے ناکامیاب تخمینی فعل سے ہوگا اس کا بار خود سرکار پر نہیں پڑے گا بلکہ کاشتکاروں پر جن کی توقع کے خلاف یہ نتیجہ نکلا تھا۔ دوسری صورت میں کاشتکاروں کو ایسے پانی کے لئے بھی

مجبوراً اپنا ادا کرنا ہوگا جو ان کے کسی کام کا نہیں یا جس کو وہ کسی کام میں لانا نہیں چاہتے اور یہ اس لئے کہ ممکن ہے ان کو آبپاشی کی پوری قدر نہ ہو یا وہ اپنی اراضی کے کچھ حصے میں "تر" کے بجائے "خشک" کاشت کرنا چاہتے ہوں جو بالکل حق بجانب و قابل فہم ہے۔ تیسری صورت کی حد تک آپ کی حکومت کو یہ یاد دلانا غیر ضروری ہے کہ وہ مصارف جن کے معاوضے کا اگر کوئی کفیل ہو تو ہمیشہ وہ کس طرح بے اندازہ ہو جاتے ہیں اور اس مسودۂ قانون کے شرائط کے موافق سرکاری نہروں کے جملہ مصارف کے معاوضے کی کفالت کی جائے گی۔"

"رعایا کو خواہ مخواہ نہروں سے پانی لینے پر مجبور کرنے سے اغلب یہ ہے کہ آبپاشی جو اور صورت میں برکت کے سوا کچھ اور خیال ہی نہیں کی جاسکتی سرے سے نامقبول بن جائے گی اور جیسا خود تجربے سے ثابت ہے کہ اگر اس کو بالکل مزارعین کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو وہ آج نہیں تو کل ضرور اس کی قدر کرنے لگیں گے اور آبپاشی ان کی دسترس میں ہونے کے بعد پہلی خشک سالی سے زیادہ دیر تک ان کی قدرشناسی کے لئے انتظار کرنا نہ ہوگا۔"

چنانچہ بنگالے میں آج تک آبپاشی کا ابن ادا کرنا کاشتکاروں کی مرضی پر موقوف ہے اسی لئے وہ بڑی مقدار میں پانی بھی لیتے ہیں اور خوشی خوشی اس کا ابن بھی ادا کرتے ہیں۔ لیکن بنگالے کی بہ نسبت حکومت مدراس ہمیشہ کم فیض رساں اور زیادہ مطلق العنان رہی ہے کچھ تو اس لئے کہ یہ گورنر جنرل (بہ اجلاس کونسل) کی نگرانی میں کم ہے اور کچھ اس لئے کہ رعیت واری خطوں میں ایسی تعلیم یافتہ اور ذی اثر رائے عامہ نہیں ہے جس کا زنگ نظم ونسق پر چڑھے اور رعایا کی خواہشات کے موافق وہ بنجائے۔ اسی بنا پر جن تجاویز کو ۱۸۶۵ء میں ڈیوک آرگیل نے مسترد کر دیا تھا اور ۱۸۷۳ء میں لارڈ لارنس نے مذموم ٹھہرایا تھا وہی سنہ ۱۹۰۶ء میں مدراس میں بہ شکل قانون نافذ کر دئے گئے۔ نہروں سے پانی لینے اور ابن ادا کرنے کو کاشتکاروں کی مرضی پر چھوڑ دینے کے بجائے ایک قانون نافذ کیا گیا جس کی رو سے ان سب زمینوں پر جن کا آبپاشی سے نہ سہی تو کم از کم پانی کے زمین میں جذب ہونے سے مستفید ہونا فرض کرلیا گیا تھا ابن کا ادا کرنا لازمی کر دیا گیا اور اس کی تردید میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ان کی اراضی بالکل آبپاشی سے مستفید نہیں ہوتی تھی کاشتکاروں کو کسی عدالت میں قانونی چارہ جوئی اور استغاثہ پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔

مالگزاری کے ساتھ پن کو مخلوط کر دیا گیا ہے۔ کسی کاشتکار کو یہ علم نہیں ہوتا کہ جمع کا کتنا حصہ اس کی مقبوضہ اراضی کے لئے اور کتنا پانی کے لئے اس سے وصول کیا جاتا ہے لیکن اتنا تو اس کو معلوم ہے کہ مجموعی جمع اس قدر بیش مقدار ہے کہ اس کی مقبوضہ اراضی کی خالص پیداوار کا نصف اس کے لئے نہیں بچتا اکثر مقامات میں جمع ادا کرنے کے بعد اس کی محنت کے اجر اور مصارف کاشت کے سوا کچھ نہیں بچتا۔ آبپاشی کی وجہ سے قحط کے اثرات سے تو وہ محفوظ رہتا ہے لیکن نہ وہ کچھ پس انداز ہی کر سکتا ہے اور نہ اپنی اصلاح حال۔

مذکورالصدر نقشے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۸۵ء میں جب پن کی رقم مالگزاری کی مد میں منتقل کر دی گئی ابواب میں بھی یکایک بیشی ہو گئی تھی۔ جب تک پن اور مالگزاری دونوں جدا جدا تھے اس وقت تک مقامی ابواب صرف مالگزاری کے لحاظ سے وصول کیے جاتے تھے لیکن جب یہ دونوں مخلوط کر دئے گئے تو ایک سال میں یہ مقامی ابواب ۴۶۰۰۰ پونڈ سے ۵۹۰۰۰ پونڈ ہو گئے تھے۔ کیا مدراس میں یہ ممکن نہیں کہ مالگزاری کو پن سے علیحدہ کر دیا جائے تاکہ صرف مقدم الذکر کے لحاظ سے ابواب وصول کئے جائیں اور موخرالذکر کے لحاظ سے نہیں؟

مدراس کے کاشتکاروں کی سب سے بڑی شکایت یہی ہے کہ جمع کی رقم بالکل غیر معین رہتی ہے۔ ۱۸۸۲ء میں جیسا آئندہ باب میں بیان کیا جائے گا ہندوستان کے وائسرائے وقت لارڈ رپن نے اس صورت حال کے انسداد کی کوشش کی تھی چنانچہ اس نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ ان اضلاع میں جہاں پیمائش و بندوبست ہو چکا ہو دوبارہ مالگزاری میں کچھ اضافہ نہ ہونا چاہیئے بجز اس صورت کے کہ عام طور پر قیمتوں میں بیشی ہونا صاف طور پر ثابت ہو۔ حکومت مدراس نے بھی اس قاعدے کو تسلیم کر لیا تھا۔ سرکاری مطبوعات میں اس اصول کی توضیح کی گئی تھی چنانچہ رسالۂ بندوبست مدراس بابت ۱۸۸۵ء میں حسب ذیل مندرج تھا:-

"یہ کہ ایک دفعہ قیمت اجناس اس طرح مقررہ کر دینے کے بعد یہ کہہ دینا چاہیئے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا جا سکے گا"

"یہ کہ رعیت کی واجب الادا رقم کی مقدار معیاری فصل کی قابل حصول قیمت

(جس کا تعین ہر تیس سالہ میعاد میں ایک دفعہ کیا جاتا ہو) کے مماثل بدلتی رہے گی"۔
"نظر ثانی کے بعد معینہ مقدار اجناس کی حد تو بند وبست دوامی ہونا چاہیئے لیکن تیس سالہ میعاد کے انقضا پر ان کی شرح مبادلہ پر غور مکرر کیا جا سکتا ہے"۔

مدراس کی زرعی مجلس نے ۱۸۵۹ء میں حسب ذیل رپورٹ پیش کی تھی "یہ کہا جاتا ہے اور ہمارے خیال میں بجا کہا جاتا ہے کہ ہر تجدید بند وبست پر اگر اراضی کی پیداوار کی از سر نو قیمت لگائی جائے تو اس سے آئندہ کسی طرح کی اصلاح کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ ہم یہ باور کرتے ہیں کہ حکومت کی موجودہ رائے اس طرح از سر نو تعین قیمت کرنے کی مخالف ہے اور پیداوار اراضی کی معینہ مقدار اجناس کی حد تک بند وبست کو دوامی کر دینے کی طرف مائل ہے"۔

مذکور الصدر رپورٹ پر حکومت مدراس نے یوں اظہار رائے کیا "اور حکومت کا ارادہ بھی اصطفاف اراضی پر نظر ثانی کرنے کا نہیں ہے۔ اس اصول کو ایک دفعہ مقرر کر دینے کے بعد نہ صرف متعدد مرتبہ اس کا اعادہ کیا گیا ہے بلکہ رسالۂ بند وبست میں بھی صاف طور پر اس کو بیان کر دیا گیا ہے"۔

الفاظ جس قدر صراحت اور زور بیان کے حامل ہو سکتے ہیں اسقدر صراحت اور زور بیان اس یقین و اطمینان دلانے میں موجود ہے۔ مدراس کی وضع قوانین کی کونسل کے رکن مسمی آنریبل وینکٹا رتنم نے لکھا تھا کہ "ان وعدوں پر اعتماد کر کے لوگوں نے بشغل سرمایہ کی خاطر اراضی خرید لی ہے لیکن جب ایفاء عہد کا وقت آ گیا تو حکومت نے ٹھنڈے دل کے ساتھ ان وعدوں کو ہوا پر اڑا دیا اور اگرچہ قیمتوں میں بیشی نہیں ہوئی اس پر بھی وہ اضافے کرنے کے لئے کوشاں رہی۔ اضلاع ترچناپلی، گوداوری اور کرشنا میں بند وبست پر جب نظر ثانی کی گئی تو ان خطوں کی اراضی کی از سر نو اصطفاف کی گئی اور رعیت کی خود کردہ اصلاحات پر بھی دیدہ و دانستہ محصول لگا دیا گیا۔ اصطفاف کا کام در اصل بہت ہی کم مواجب اشخاص سے لیا جاتا ہے۔ انفرادی مقبوضہ اراضی پر فی صد دو صد و سہ صد بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اضافہ کر دیا گیا ہے"۔

بمبئی کی طرح مدراس میں بھی جمع میں غیر متوقع اضافہ کا ہونا اصلاحات

کا مزاحم اور زرعی خوشحالی کا سدّراہ ہے اور بمبئی کی طرح مدراس میں بھی اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہر موضع بلکہ ہر کھیت کی خالص پیداوار کے نصف تک مالگزاری محدود کی جائے اور اس میں اضافہ صرف مختص و مقررہ وجوہ پر مثلاً قیمتوں اور کاشت کی بیشی پر کیا جائے۔

ممالک متوسط۔ پنجاب۔ بمبئی اور مدراس میں بمقابل اس صدی کے ابتدائی قرون کے حالیہ قوانین کا رجحان ہی افسوسناک طور پر مختلف ہے۔ نظم و نسق تاج برطانیہ کے ابتدائی زمانے میں اور کیننگ و لارنس کے عہد حکومت میں حکومت کا مطمح نظر صرف یہی تھا کہ بہر حال کاشتکار کی حیثیت مستقل بنادی جائے اس کی حقیت اسامی زیادہ قابل قدر بنجائے۔ اس میں بر خود اعتماد کرنے اور آپ کو قوی سمجھنے کا احساس پیدا ہو جائے۔ اور وہ اپنی قوم کا خوش حال نہ سہی تو ایک اہم رکن بنجائے۔ چنانچہ لارڈ کیننگ کے عہد کے قانون لگان بنگالہ لارڈ لارنس کے عہد کے قوانین لگان پنجاب و اودھ۔ ممالک متوسط کے بندوبست بابت ۱۸۶۳ء غرض ان سب کا مقصد و منشاء صرف یہی تھا کہ زراعت کو عروج ہو۔ حکومت کے اغراض اور زمینداروں اور کاشتکاروں کے اغراض سب ایک ہو جائیں۔

لیکن حالیہ نظم و نسق اراضی کا مقصد و منشاء اس سے بالکل مختلف معلوم ہوتا ہے یعنے یہ کہ اراضی کی پیداوار مملکت کی مستحکم گرفت میں آ جائے۔ زمینداروں اور اسامیوں دونوں کی حقیت کی قطع و برید کر دیجائے اور ایک زرعی قوم کو عاملانہ عہدہ داروں کے غیر مقید ارادہ خواہش پر چھوڑ کر بالکل ان کا دست نگر بنا دیا جائے۔

عہدہ داران بندوبست و مالگزاری کے اختیارات قانوناً اور زیادہ مطلق کر دئے گئے ہیں۔ ممالک متوسط اور پنجاب میں بندوبست کی میعاد تیس سال سے بیس سال کر دی گئی ہے اور کاشتکاروں کو اپنی مقبوضہ اراضی دوسروں پر منتقل کرنے کی ممانعت ہے۔ بمبئی میں بھی حق انتقال اراضی کو فسخ کرنے کا اختیار حکومت کو حاصل ہو گیا ہے۔ ممالک متوسط میں زمینداروں اور اس کی اسامیوں کے مابین حکومت ہی تشخیص لگان کرتی ہے

بمبئی اور مدراس میں خالص لگان کے نصف تک مطالبۂ سرکار کے محدود رکھنے کے قاعدے کو عملاً نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ صرف بیشی قیمت کی مخصوص و مقررہ وجہ کے سوا کسی اور بنا پر مطالبۂ سرکار میں اضافہ نہ کرنے کے قاعدے کو موقوف کر دیا گیا ہے۔ جن کا جبراً ادا کرنا محصّل کو آرگئیل اور لارنس نے مذموم ٹھہرایا تھا مدراس میں نہ صرف رعایا پر لازمی کر دیا گیا ہے بلکہ مالگزاری کے ساتھ اس کو بھی ملا دیا گیا ہے۔

ساتواں باب

اراضی کے متعلق رپن اور کرزن کے

قراردادین

جمع اراضی کی مقدار غیر تنقیح رہنے اور بند وبست کی کارروائیوں میں اراضی کی ازسرنو قیمت معین کرنے سے رعیت کو ایذا و تکلیف ہوتی تھی اور اس خرابی کے انسداد کے لئے یکے بعد دیگرے ہر وائسرائے نے کوشش کی تھی۔ لارڈ میو کی رائے یہ تھی کہ ایک دفعہ اراضی کی نوعیت اور پیداوار کی مقدار معلوم کر لینے کے بعد جمع میں آیندہ کسی طرح کا تغیر نہیں کرنا چاہیے بجز اس صورت کے کہ قیمتوں میں بھی کوئی تغیر ہو گیا ہو۔ لارڈ نارتھ بروک کو بھی مذکورالصدر نظام جمع ہی پسند اور ہر تجدید بند وبست پر قیمت کا ازسرنو تعین کرنا ناپسند تھا۔ لارڈ رپن نے اس مسئلے کے متعلق ۱۷ اکتوبر ۱۸۸۲ء کے مراسلے میں یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ آیندہ بند وبست سے تذبذب اور تکلیف دہ تحقیقات کے عناصر کو بالکل نکال دینا چاہیے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف مزارعین کو مداومت و محافظت کا یقین دلانا چاہیے اور دوسری طرف سرکار کا "مختلف و متوازہ حالات" میں مالگزاری میں اضافہ کرنے کا اختیار علیٰ حالہ قائم رکھنا چاہیے۔ قارئین محسوس فرمائیں گے کہ رفع داد باہمی کے لئے یہ دو ایسے متضاد اصول کے بین بین تصفیہ تھا جن کو ہندوستان کے

منتظمین مملکت کے دو مختلف گروہ تیس (۲۰) سال سے مانتے آئے تھے ۔
کیننگ اور لارنس کے سے اشخاص کی رائے یہ تھی کہ مالگزاری کا دوامی تعین کر دینا چاہیئے تاکہ زراعت کے منافع میں اگر آیندہ کوئی بیشی ہو تو وہ اہل ملک ہی کو ملے۔ دوسرے منتظمین مملکت کی یہ رائے تھی کہ زراعت کی توفیر منافع کے لحاظ سے مملکت کو ایک غیر متعینہ توفیر محاصل کا حق حاصل رہنا چاہیئے ۔ لارڈ رپن کی استادانہ تجویز ان دونوں گروہ کے خیالات کی حامل تھی۔ اس نے قیمتوں میں اضافہ ہوتے ہی مالگزاری میں بھی اضافہ ہونے کی راہ نکال لی ۔ مگر ساتھ ہی ساتھ کاشتکاروں کے لئے پیداوار کی تمکل میں مالگزاری کے دوامی بندوبست کی صورت بھی پیدا کر دی ۔

اس طرح لارڈ رپن نے گویا ایک طرف تو عہدہ داربندوبست سے یہ کہدیا تھا کہ اگر فصل کی قیمت میں بیشی ہو تو جائز طور پر آپ مالگزاری میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف گویا کاشتکار سے یہ کہدیا تھا کہ تم آج سے اندار سال تحقیقات اور تذبذب میں پڑنے سے بالکل محفوظ ہو گئے اور اگر آیندہ زیادہ مالگزاری بھی تم کو ادا کرنی ہوگی تو ہو جو فی منہائی سے بڑھکر مقدار تمہاری پیداوار میں محسوب نہ ہوگی ۔

لارڈ رپن نے اپنی اس تجویز کے قبول کر لینے کے لئے مدراس وبمبئی کی حکومتوں کو لکھا ۔ حکومت مدراس نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور یہ تسلیم کر لیا کہ ان اضلاع میں جہاں مالگزاری کا معقول مقدار میں تعین ہو چکا ہے ۔ یعنے جہاں باضابطہ پیمائش اور بندوبست ہو چکا ہے وہاں آیندہ بندوبست میں صرف قیمت اجناس کا لحاظ کیا جائے گا لیکن حکومت بمبئی نے اس تجویز کے قبول کرنے میں تامل ظاہر کیا ۔

ایک طویل مراسلت کے بعد یہ مسئلہ تصفیہ آخر کے لئے ۱۸۸۵ءمیں وزیر ہند کے سامنے پیش ہوا ۔ وزیر ہند نے دو سال قبل ہندوستان کے لئے مالگزاری کے دوامی بندوبست کی تجویز ناپسند کی تھی ۔ اب لارڈ رپن کی تجویز کے قبول کر لینے سے توقع کی جاتی تھی کہ آیندہ مالگزاری میں بے قاعدہ اور غیر معین طور پر اضافے ہونے سے رعایا کم از کم کسی قدر محفوظ ہو جائے گی ۔ یہ امید تھی کہ اگرچہ ربع صدی کے تلخ تجربے کے بعد ہی سہی پھر بھی تاج برطانیہ کا نظم و نسق آخر کار ہندوستان کے مصیبت زدہ و آفت رسیدہ

کاشتکاروں کے ساتھ کچھ نہ کچھ وعدہ وقرار کرلے گا اور مطالبہ سرکار کے تعین کرنے کا کوئی نہ کوئی قابل فہم قاعدہ مقرر کردے گا یہ باور کیا جاتا تھا کہ مختلف خیالات کی رفع و داد باہمی کے لئے لارڈ رپن نے جو مدبرانہ تجویز پیش کی تھی اس کو منظور کرلینے سے آخر یہ مشکل مسئلہ حل ہوجائے گا۔

وزیر ہند کے ایک فعل سے ان سب امیدوں کا خون ہوگیا۔ اس نے ہندوستان کی صرف مالگزاری کی غرض پیش نظر رکھی اور ہندوستان کے کاشتکاروں کی فلاح وبہبود کی کچھ پروانہ کی۔ نہ وہ کسی مختص قاعدے کو جاری کرنا چاہتا تھا اور نہ کسی قسم کا وعدہ وقرار ہی کرنا پسند کرتا تھا۔ سر الفرڈ لائیل کے جواب میں اس نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ "ہندوستان میں موجودہ چند اہم انتظامی مشکلات کی ایک حد تک بناء ہی عہد وپیمان ہیں جو کسی گزشتہ موقع پر کئے گئے تھے"۔ اس نے یہ محسوس ہی نہیں کیا کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ "انتظامی مشکل" کاشتکاروں کے افلاس ونکبت ہی کی وجہ سے تھی اور رعایا کے ساتھ اس طرح کے عہد وپیمان یا کوئی مختص قاعدہ مقرر کئے بغیر ترقی۔ اصلاح حال اور زرعی دولت کا اجتماع بالکل ناممکن تھا۔

ان اصول کو تسلیم کرتے ہوئے کہ طریق کار کو آسان بنادیا اور رعایا کو بے وجہ ایذا دینے سے احتراز کرنا بہت مناسب تھا وزیر ہند نے حسب ذیل قواعد مقرر کردیے۔

(۱) دوامی بندوبست کا خیال ترک کردیا گیا ہے۔

(۲) اراضی کی قدر کے غیر مکتسب اضافے میں مملکت اپنے حصے کا دعویٰ ضرور کرے گی۔

(۳) اس اضافے کی ایک علامت قیمتوں کی بیشی ہے اور یہی اسکی مقدار بھی ہے۔

(۴) آئندہ بندوبست کی نظر ثانی رعایا کے لئے کم تکلیف دہ ہونی چاہیئے اور وہ غیر معین وبے قاعدہ بھی کم ہونی چاہیئے۔

(۵) جمع کے قواعد میں ترمیم کرنی چاہیئے اور زیادہ تر اراضی کے اضافۂ قدر پر

پر مالگزاری میں بھی اضافہ کرنا چاہئے ۔

یہ طویل ہدایت اگرچہ بجائے خود بہت اچھی تھیں مگر ان میں کوئی ایسا مشخص اور قابل فہم قاعدہ مقرر نہیں کر دیا گیا تھا جس سے ہندوستان کے کاشتکار اپنی واجب الادا رقم کا اندازہ کر سکیں ۔ یا عہدہ داران بندوبست اس حد تک اضافہ مالگزاری کو محدود دیکھ سکیں یعنی نہ ایک طرف حسب سابق بندوبست ہوتے ہی رہے اور دوسری طرف مالگزاری میں ان وجوہ پر جن کو کاشتکار سمجھ سکتے تھے اور نہ ان کے متعلق کوئی قانونی چارہ کار اختیار کر سکتے تھے اضافے پر اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۸۵۵ء کے جدید قواعد سے کاشتکاروں کی مایہ داری اور خوشحالی کتنی بڑھی تھی وہ ۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۰ء کے قحط کے حالات پڑھنے سے خود واضح ہو جاتا ہے ۔

کچھ لوگوں نے جن کی زندگی کا بہترین حصہ نظم و نسق ہند کے کاموں میں گزرا تھا اس مسئلے کو پھر سے تازہ کیا ۔ یہ لوگ اگرچہ اپنی خدمتوں سے مستعفی ہو چکے تھے لیکن پھر بھی حتی الامکان ہندوستانیوں کی اعانت و امداد کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتے تھے ۔ جس زمانے میں ہندوستان سنہ ۱۹۰۰ء کے قحط کے مصائب میں گرفتار تھا ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کرنے کی غرض سے لندن میں ایک جگہ جلسہ کیا اور وزیر ہند کی خدمت میں ایک محضر بھیجا جس میں ہندوستانی مزارعین کو مدد کرنے کی خاطر نظم و نسق اراضی کے موجودہ قواعد کو غیر متغیر اور صاف و صریح بنانے کے لئے حسب ذیل پانچ تجاویز پیش کیں ۔

قاعدہ "تیس سالہ" ۔ "یہ کہ سابقہ نظر ثانی سے تیس سال کے اندر کسی صوبے یا اس کے کسی حصے کی مالگزاری پر نظر ثانی نہیں ہونی چاہئے ۔"

قاعدہ "نصف لگان" ۔ "یہ کہ جہاں مالگزاری زمینداروں کے توسط سے وصول ہوتی ہے وہاں عام طور پر ۱۸۵۵ء کے "قاعدہ سہارنپور" پر جس کی رو سے مطالبۂ مالگزاری زمینداروں کے حقیقی اثاثے یا حقیقی لگان کے نصف تک محدود رہتا ہے عمل پیرا رہنا چاہئے ۔"

قاعدہ "نصف پیداوار" ۔ "جہاں کاشتکار براہ راست مالگزاری ادا کرتے ہیں جیسا بمبئی اور مدراس کے اکثر اقطاع میں ہوتا ہے وہاں مصارف کاشت معقول مقدار میں منہا کرنے کے بعد مطالبہ سرکار خالص پیداوار کی قیمت کے پچاس فیصدی کی حد تک

محدود بنا جائے اور ان اقطاع میں بھی جہاں بطور نظریہ خالص پیداوار کا نصف خام پیداوار کے ایک ثلث کے مساوی فرض کر لیا گیا ہے مطالبۂ سرکار معمولی حالات میں خام پیداوار کے ایک خمس سے بڑھ کر نہیں ہونا چاہئے"۔

قاعدۂ اضافہ – "یہ کہ جب ہندوستان کے ان اقطاع میں جہاں کاشتکار براہ راست سرکار کو مالگزاری ادا کرتے ہیں بند و بست پر نظر ثانی کی جائے تو جمع میں اضافہ نہیں ہونا چاہئے الا اس کے کہ اراضی کی قدر اس لئے بڑھ گئی ہو کہ (۱) سرکار نے اپنے مصارف پر ذرائع آبپاشی کو ترقی دی تھی یا (۲) نظر ثانی کی ماقبل تیس سالہ میعاد میں جو اوسط قیمتیں تھیں ان کے لحاظ سے پیداوار کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا تھا"۔

قاعدۂ ابواب "ہماری نسبت سے آخر تجویز یہ ہے کہ ہر صوبے میں ایک ایسی حد مقرر کر دینی چاہئے جس سے متجاوز مالگزاری پر ابواب عائد کرنے کی اجازت ہی نہ ہو۔ ہماری رائے میں بنگال کی ۶½ فی صدی شرح بالکل واجبی ہے اور کسی حالت میں (۱۰) فی صدی سے بڑھ کر شرح مقرر نہیں ہونی چاہئے"۔

قارئین جو پچھلے صفحات میں ہندوستان کے نظم و نسق اراضی کا قصہ پڑھ چکے ہیں ایک ہی نظر میں سمجھ جائیں گے کہ محضر پیش کرنے والوں نے نہ کوئی جدید قواعد کی صلاح دی اور نہ کوئی اجنبی اصول پیش کیے۔ بلکہ ہندوستان کے مختلف صوبجات میں جو مختلف نظام اراضی بتدریج قائم ہوئے تھے ان سب کو اور ان اصول کو بھی جو سابقہ منتظمین مملکت نے مقرر کیے تھے انھوں نے تسلیم کر لیا تھا اور ایسے قواعد کے نفاذ کی صلاح دی تھی جو ہندوستان کے عام مسلمہ اصول کے بالکل موافق تھے۔ انھوں نے کسی ایسی وسیع العمل تجاویز مثلاً توسیع بند و بست دوامی کی استدعا نہیں کی تھی جیسی کیننگ اور لارنس نے کی تھی اور اراضی پر ابواب کو موقوف کرنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا تھا جیسا موجودہ تالیف میں کیا گیا ہے۔ ان کی صرف اتنی خواہش تھی کہ ان ابواب کی ایک حد مقرر کر دی جائے اگرچہ آخر قاعدے میں جن الفاظ میں انھوں نے یہ تجویز پیش کی تھی وہ کسی قدر مبہم تھے۔ اس قاعدے سے ان کا منشا یہ تھا کہ جب ابواب لگان پر عائد کیے جائیں جیسا بنگالے میں ہوتا ہے تو وہ لگان کے ۶½ فی صدی سے بڑھ کر نہیں ہونا چاہئے اور جب وہ مالگزاری پر لگائے جائیں جیسا دوسرے صوبجات میں ہوتا ہے تو مالگزاری کے (۱۰) فی صدی سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔

اس محضر کو وزیر ہند نے حکومت کے پاس بھیج دیا اور اس طرح یہ مسئلہ اراضی پھر تازہ ہو گیا۔ لارڈ کرزن نے اس موضوع کی توفی اہمیت کما حقہا محسوس کی اور اسی لئے بذات خود اس پر خوب غور و خوض کیا۔ بایں ہمہ افسوس تو اس پر ہے کہ اس نے نہ اس بارے میں کوئی مکمل تحقیقات ہی کی اور نہ رعایا یا رعایا کی انجمنوں کے خیالات دریافت کیے۔ ایک ایسے معاملے میں جس سے ساری زرعی قوم کی فلاح و بہبود وابستہ تھی اگر اہل ملک کی کچھ نہ کچھ رائے معلوم کی جاتی تو اس سے اس مسئلے کے دونوں رخ پر نظر ڈالنے میں وائسرائے کو بڑی مدد ملتی۔ اگر ان لوگوں کے ساتھ جو مختلف صوبجات کی حیثیت اراضی سے بخوبی واقف تھے مشورہ کر لیا جاتا تو بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتیں۔ اس کے بجائے لارڈ کرزن نے صرف مقامی حکومتوں کی رائے دریافت کی اور مقامی حکومتوں نے بمقتضائے فطرت انھیں نظام کی جن پر وہ عمل پیرا تھیں حمایت کی۔ ان کے استدلال کا خلاصہ حکومت نے اپنے ایک قرارداد بابت ۱۶ جنوری سنہ ۱۹۰۲ء میں درج کیا اور محضر کے جواب میں اس قرارداد کو شائع کر دیا۔

محضر پیش کرنے والوں نے دوامی بند و بست کی توسیع کی کوئی تجویز پیش نہیں کی تھی۔ ان میں سے اکثر تو ایسے تھے کہ اس طرح کی توسیع کو مناسب ہی نہیں سمجھتے تھے۔ انھوں نے بہ اتفاق رائے صرف ایسی اصلاحات کی درخواست کی تھی جن سے موجودہ نظام میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوتا ہو۔ باوجود اس کے لارڈ کرزن نے یہی مناسب خیال کیا کہ محضر پیش کرنے والوں کی تجاویز کو ایک طرف چھوڑ کر دوامی بند و بست کی تجویز ہی کو نامناسب قرار دیدیا جائے حالانکہ محضر پیش کرنے والوں نے ایسی کوئی تجویز ہی پیش نہیں کی تھی۔

مذکورۂ بالا قرارداد میں یہ بھی درج تھا کہ ”آج سے بہت پہلے ان اصحاب غور و فکر کے حلقے میں جن کی نمایندگی اب حکومت ہند کے موجودہ نقاد کر رہے ہیں ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک دوامی بند و بست کی توسیع کی بڑی حمایت کی گئی تھی۔“

”وہ (حکومت) ایمانداری کے ساتھ اس تجویز سے کہ کاشتکاروں کے مفاد

کی خاطر زرعی حقیقت کے نظام کو ایک سرکاری نمونے کے طور پر سب کے سامنے پیش کیا جائے حالانکہ کسی متمدن ملک کا تجربہ اسکی تائید نہیں کرتا اتفاق نہیں کرتی۔"

"اصحاب غور و فکر کے جس حلقے" کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے وہ ایسے لوگوں کے خیالات کا ترجمان و قائم مقام تھا جیسے لارڈ کارنوالس۔ سر ٹامس منرو۔ لارڈ ویلزلی۔ لارڈ ہیسٹنگز۔ لارڈ کیننگ۔ لارڈ لارنس۔ لارڈ ہیلیفکس اور لارڈ اڈسلی اور ان ممتاز منتظمین مملکت کی شہرت و نیک نامی جنھوں نے شہنشاہی ہند کے قیام میں رعایا کی ہمدردانہ خاطر داری کے ساتھ ساتھ بڑی دانشمندی اور ہمت و جرات سے کام لیا تھا اس وقت تک بھی علی حالہ قائم رہے گی جب کہ فی زمانہ ان کی توہین کرنے والے شہنشاہیت کے دلدادہ لوگ دنیا میں باقی نہوں گے اور جب لارڈ کرزن نے یہ کہا تھا کہ دوامی بند و بست مالگزاری کی تائید "کسی متمدن ملک کے تجربے سے نہیں ہوتی" تو اس کو خود اپنے ملک کی تاریخ شاید یاد نہ رہی تھی کیوں کہ بنگالے میں کارنوالس کے دوامی بند و بست مالگزاری کے پانچ سال بعد ۱۷۹۸ء میں پٹ نے انگلستان میں محصول اراضی کو دوامی اور قابل انفکاک کر دیا تھا۔

انگلستان کے دوامی بند و بست کی بہ نسبت بنگالے کے دوامی بند و بست کے جواز کے وجوہ زیادہ قوی ہیں۔ انگلستان میں ایسے بند و بست سے صرف صاحب جائداد طبقات کو فائدہ پہنچتا ہے کیوں کہ یہی لوگ بلا شرکت غیرے اراضی کے مالک ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے بنگالے میں اس سے قوم کی قوم کو فائدہ ہوتا ہے کیوں کہ صاحب جائداد طبقات کے مقابل کاشتکاروں کی تعداد زیادہ ہے اور کاشتکار ہی دراصل اراضی کے مالک ہیں۔ انگلستان میں اس بند و بست کے یہ معنی ہیں کہ قوم کے مختلف ذرائع آمدنی میں سے صرف ایک کو محدود کر دیا جائے۔ بنگالے میں اس سے زراعت جو دراصل قومی آمدنی کا ایک ہی ذریعہ ہے محفوظ و مامون ہو جاتی ہے۔ انگلستان میں اس بند و بست کا اثر یہ ہے کہ دولتمند اور زیادہ متمول اور مفلس اور زیادہ افلاس زدہ ہو جاتے ہیں لیکن بنگالے میں بمقابل دولتمندوں کے ناداروں کی یعنی لکھوکھا کاشتکاروں کی امداد کا یہ ذریعہ ہے۔ انگلستان میں اس سے ایک محدود طبقے کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے مگر بنگالے میں اس سے قوم کی قوم زیادہ خوشحال بن گئی ہے اور قحط کے وہ اثرات جن سے ہندوستان کے

کے دیگر صوبجات میں لکھو کھا جانیں تلف ہوتی تھیں وہاں کم مہلک ثابت ہوتے ہیں۔

لیکن جیسا قبل ازیں بیان کیا گیا ہے محضر میں دوامی بندوبست کی توسیع کا سوال ہی اٹھایا نہیں گیا تھا اس لئے اب ہم محضر کی پیش کردہ پانچ تجاویز کا لارڈ کرزن نے کیا تصفیہ کیا صرف اسی کو یہاں بیان کر دیتے ہیں اور جس ترتیب کے ساتھ ہم نے ان تجاویز کو قبل ازیں نقل کیا ہے اسی ترتیب کو ہم یہاں بھی قائم رکھیں گے۔

قاعدہ تیس سالہ ۔ مدراس، بمبئی اور شمالی ہند میں تیس سالہ میعاد کیلئے بندوبست کیا جاتا ہے مگر جیسا کہ ناظرین نے پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمایا ہوگا پنجاب اور ممالک متوسط میں میعاد بندوبست بیس سالہ کر دی گئی تھی۔ محضر پیش کرنے والوں نے شدومد کے ساتھ اسی کی تائید کی تھی کہ سب صوبجات میں تیس سالہ بندوبست کے فیاضانہ اور یکسانہ قاعدے کی پابندی ہونی چاہیئے۔ لارڈ کرزن نے موجودہ عملی اختلافات کو درست و جائز بتاتے ہوئے توقع ظاہر کی تھی کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ یہ اختلافات سب مٹ جائیں گے وہ کہتا ہے کہ:۔

"اس اختلاف عمل کے وجوہ بالکل ظاہر ہیں جن سے سبھی واقف ہیں۔ جہاں تمام اراضی زیر کاشت ہے اور لگان بھی واجبی ہیں اور زرعی پیداوار میں یکایک کمی و بیشی نہیں ہوتی رہتی وہاں مطالبہ سرکار کا تیس۳۰ سال تک یعنی ایک پشت تک بحالہ قائم و برقرار رہنا درست ہے۔ لیکن جہاں صورت حال اس کے برخلاف ہے یعنی بہت سی اراضی افتادہ ہے۔ لگان قلیل المقدار ہیں اور کاشت میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے یا جہاں سڑکوں ریلوں اور نہروں کی تعمیر آبادی کی کثرت اور قیمتوں کی تو فیر سے ذرائع آمدنی میں جلد ترقی ہو جاتی ہے وہاں اتنی طویل میعاد تک تجدید بندوبست کا نہ ہونا نہ صرف خود اہل ملک کیلئے جو ایسے سریع الوقوع اضافے کا بار نہیں اٹھا سکتے مضر ہے بلکہ عام محصول ادا کرنے والوں کے حق میں بھی ناانصافی ہے جو عارضی طور پر ان مزید محاصل سے جن پر ان کو جائز طور پر حق حاصل ہے محروم ہو جاتے ہیں اور آیا مذکورالصدر قابل غور امور جن کی رو سے تیس سال سے کم میعاد کے بندوبست ہی درست معلوم ہوتے ہیں پنجاب اور ممالک متوسط میں فی زمانہ بڑی حد تک قابل عمل ہیں یا امتداد زمانہ کے ساتھ ان کی یہ عملیت بھی کم ہوتی جائے گی ایسے اہم سوالات ہیں جن پر حکومت ہند کسی مناسب

موقع پر اپنی خاص توجہ مبذول کرے گی"۔

اس اختلاف عمل کے جو وجوہ بتائے گئے ہیں وہ تاریخ کے لحاظ سے بالکل غلط ہیں۔ ممالک متوسط میں ۱۸۹۵ء کے مقابل جب کہ وہاں بیس (۲۰) سال کے لئے بندوبست کیا گیا تھا ۱۸۶۳-۶۷ء میں جب کہ وہاں تیس (۳۰) سال کے لئے بندوبست کیا گیا تھا کاشت کم ترقی یافتہ تھی۔ لگان قلیل تر تھے نیز ریلوں اور سڑکوں کی تعمیر سے ان کو ترقی دینے کی زیادہ ضرورت معلوم ہوتی تھی۔ شمالی ہند اور بمبئی دونوں ۱۸۳۳ء اور ۱۸۴۷ء میں جب کہ وہاں تیس (۳۰) سال کے لئے بندوبست کیا گیا تھا فی زمانہ پنجاب کے مقابل کاشت کے لحاظ سے کم ترقی یافتہ تھے۔ اس زمانے میں یہی پیش نظر تھا کہ طویل المیعاد بندوبست سے رعایا کو مستفید ہونے کا موقع دیا جائے اس طرح ایک پشت تک جو ترقی ہو اس کا ثمرہ رعایا کو ملے اور اصلاحات کی وجہ محرک پیدا کرنے کے لئے تیس (۳۰) سال تک اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اس کے بعد کوتاہ نظری سے اضافے پر اضافہ کرنے کی خواہش ۱۸۹۵ء کی حکمت عملی کی محرک ہوئی لیکن نتیجے کے لحاظ سے یہ حکمت عملی بالکل خراب ثابت ہوئی مذکورالصدر اقتباس کے آخری جملے میں جو امید دلائی گئی ہے پنجاب اور ممالک متوسط کے باشندے اب انہی کے ایفاء کے منتظر ہیں کیونکہ اس سے لارڈ ولیم بنٹنک۔ لارڈ کیننگ اور لارڈ لارنس کی سابقہ فیاضانہ حکمت عملی پر عود کرانا پڑے گا۔

قاعدہ نصف لگان ۔ اس قاعدے کے متعلق حکومت کے خیالات ذیل کے اقتباس سے واضح ہوتے ہیں:۔

"درآنحالیکہ (۵۰) فیصدی لگان کہیں بھی ایک معینہ اور غیر متغیر معیار کے طور پر مقرر نہیں کیا گیا ہے، اس کے باوجود زمینداری اضلاع میں جہاں عارضی طور پر بندوبست ہوا ہے اس معیار پر برابر اترنے کی طرف ہی روز افزوں لوگوں کا رجحان ہو چلا ہے اور خاص حالات میں تو اس معیار سے بھی کم وصول کیا جاتا ہے۔ ایک ایسے معاملے میں جس کے متعلق حکومت ہند کی عام حکمت عملی صاف و صریح ہے اور ان غیر معمولی مقدمات کے یہ استثناء جن کی مقامی حالات کے لحاظ سے جواز کی صورت پیدا ہو گئی ہے چونکہ ہر جگہ عام حکمت عمل ہے اس لئے جدید قواعد کا نفاذ حکومت ہند کو غیر ضروری معلوم ہوتا ہے"۔

۱۸۵۵ء کے قاعدۂ سہارنپور اور سر چارلس ووڈ کے مراسلۂ مورخہ ۱۸۶۴ء میں آمدنی مالگزاری یعنی معاشی لگان کے (۵۰) فیصدی تک مطالبۂ مالگزاری کی حد مقرر کر دی گئی تھی مگر جیسا پچھلے صفحات میں قارئین نے ملاحظہ فرمایا ہوگا ممالک متوسط نیز دیگر مقامات میں اس حد سے متجاوز ہوتا رہا تھا۔ مذکورۂ بالا اقتباس کا غالباً مطلب یہ ہے کہ مطالبۂ مالگزاری اسی حد تک محدود رکھنے کی طرف لوگوں کا روز افزوں جو رجحان ہو رہا ہے اس کا یقین دلایا جائے۔ اہل ہند ہی توقع رکھتے ہیں کہ آیندہ بندوبست کے وقت کسی صوبے میں نصف لگان کے اس قاعدے کو پھر کبھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

قاعدۂ نصف پیداوار۔ اس قاعدے کے متعلق محضر پیش کرنے والوں کا جو مقصد تھا اس کے متعلق حکومت نے اپنے قرارداد میں غلط بیانی کی تھی محضر پیش کرنے والوں نے دو طرح کی حد مقرر کرنے کی صلاح دی تھی ایک یہ کہ مالگزاری خالص پیداوار کے نصف سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے دوسرے یہ کہ ہندوستان کے ان خاص اقطاع میں جہاں مالگزاری اس تناسب سے متجاوز ہو جاتی ہے وہاں خام پیداوار کے ایک خمس سے کسی حال زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ حکومت نے اپنے قرارداد میں اس کا یہ جواب دیا تھا کہ:

”خام پیداوار کے معیار پر جس کی محضر پیش کرنے والوں نے صلاح دی تھی اگر باقاعدہ طور پر عمل کیا جائے تو اس سے سب جگہ جمع میں اضافہ ہو جائے گا۔“

محضر پیش کرنے والوں نے باقاعدہ عمل کرنے کے لیے کوئی ایسا معیار ہی مقرر نہیں کیا تھا۔ انہوں نے صرف ایک انتہائی حد البتہ مقرر کر دی تھی۔ گجرات میں بظاہر خالص پیداوار کا نصف عام طور پر وصول کیا جاتا ہے مگر یہ اکثر مواضعات اور کھیتوں کی پیداوار کے لحاظ سے خام پیداوار کے ایک خمس سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مدراس میں یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ پیداوار کا ایک ثلث خالص پیداوار کے نصف کے مساوی ہوتا ہے چنانچہ اسی بنا پر بعض وقت مطالبۂ مالگزاری کی تکمیل کے لئے خام پیداوار کا ایک ثلث وصول کیا جاتا تھا۔ محض ایسی حسابی غلطیوں کی تصحیح اور حد سے زیادہ جمع مشخص کرنے کے انسداد ہی کے لئے محضر پیش کرنیوالوں نے نصف خالص پیداوار کے قاعدے کو تسلیم کرتے ہوئے مزید قید یہ لگا دی تھی کہ کسی حالت میں خالص پیداوار کا نصف خام پیداوار کے ایک خمس سے بڑھ کر نہ ہونا چاہیے۔ اگر حکومت ۱۸۶۴ء کے مقررہ نصف پیداوار کے قاعدہ کے علاوہ اس دوسری قید کو بھی تسلیم کر لیتی تو بمبئی اور مدراس میں اکثر و بیشتر مواضعات اور کھیتوں

پر لوگ حد سے زیادہ جمع ادا کرنے سے بری الذمہ ہو جاتے ۔

قاعدۂ اضافہ ۔ محضر پیش کرنے والوں کا مقصد بھی وہی تھا جو لارڈ رپن کا تھا یعنی یہ کہ ان وجوہ کی تخصیص و تعین کر دینا ضروری تھا جن کی بناء پر سرکار کو اپنے مطالبۂ مالگزاری میں اضافہ کرنے کا حق پیدا ہوتا تھا ۔ انہوں نے لارڈ رپن کے اس قاعدے کو تسلیم کر لیا تھا کہ قیمتوں کا اضافہ مالگزاری میں اضافہ کرنیکی ایک معقول وجہ بھی ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ مزید معقول وجہ بھی قبول کر لی تھی کہ سرکاری ذرائع آبپاشی سے جو کچھ ترقی و اصلاح ہوا ہیں کیے لحاظ سے بھی مالگزاری میں اضافہ کرنا بالکل درست ہوگا ۔ محضر پیش کرنے والوں کی خواہش یہ تھی کہ ہندوستان کے ہر مالک اراضی کا شتکار کو یہ محسوس اور معلوم ہوتا ہے کہ بجز محقق اور واجبی وجوہ کے سرکار مالگزاری میں کبھی اضافہ نہیں کرتی اور اس کو بھی وہی اطمینان و تحفظ حقوق حاصل رہنا چاہئے جو بنگالے کے غیر سرکاری مالکان اراضی کی اسامیوں کو حاصل ہے ۔ مگر لارڈ کرزن کی حکومت نے حسب ذیل وجوہ پر اس کو اس طرح کے تحفظ حقوق کا اطمینان دلانے سے صاف انکار کر دیا ۔

”بجز اس اضافہ قدر کے جو شمار و اعداد قیمت کے عام نقشے سے مستنبط ہوتا ہے اگرچہ یہ نقشہ بجائے خود باطل و ناممکل ہے کسی اور وجہ سے قدر میں اضافہ ہو اور اس میں مملکت کو اپنے حق سے محروم کر دیا جائے تو اس سے ان متعدد افراد کو فائدہ پہنچے گا جن کا یہ اضافہ مکسوبہ ہی نہیں بلکہ کچھ تو یہ ان مصارف زر کا نتیجہ ہے جو سرکار کو تعمیرات عامّ کے کار ہائے عظیم مثلاً نہروں اور ریلوں پر لاحق ہوئے اور کچھ قیمتوں کی عام بیشی کا جو ذرائع آمدنی کی توسیع ہونے اور تمدن کے اعلےٰ معیار پر پہنچنے کی وجہ سے ہوا ہے ۔“

امور تصفیہ طلب کے متعلق یہ استدلال بالکل مغالطہ ڈالنے والا ہے ۔ محضر پیش کرنے والوں نے یہ کبھی استدعا نہیں کی تھی کہ سرکار اپنے جائز حقوق سے دست بردار ہو جائے بلکہ خود انہوں نے ان ہی وجوہ پر جو سرکاری قرار داد میں درج ہیں مالگزاری میں اضافہ کرنے کا حق سرکار کے لئے بالکل صریحاً محفوظ رکھا تھا ۔ اگر نہروں کے باعث پیداوار میں بیشی ہوتی تھی تو سرکار کو بھی مالگزاری میں اضافہ کرنے کا حق تھا ۔ اگر ریلوں کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا تھا تو سرکار بھی اپنے مطالبے میں بیشک اضافہ کر سکتی تھی ۔ اگر ”ذرائع آمدنی کی توسیع“ اور تمدن کا اعلیٰ معیار پر پہنچنا “ ہی قیمتوں کے عام اضافے کا باعث

تھے تو سرکار بھی جمع میں حسبہ اضافہ کر سکتی تھی۔ لیکن بالفرض مذکور الصدر وجوہ کا وجود ہی نہ ہوتا تو سرکار ہر تجدید بندوبست کے وقت بے قاعدہ طور پر اپنے مطالبے میں اضافہ کر دینے کی مجاز نہ تھی۔ محضر پیش کرنے والوں کا در اصل استدلال یہی تھا جس کا کوئی جواب نہ ہو سکا۔

"ذرائع آمدنی کی توسیع" اور تمدن کے اعلےٰ معیار" پر پہنچنے سے ہندوستان کے کاشتکار کو صرف یہی فائدہ ہوتا ہے کہ یا تو اسکی پیداوار میں تو فیر ہو جاتی ہے یا قیمتوں میں بیشی۔ اگر نہروں سے اسکی پیداوار میں تو فیر ہو جائے اور ریلوں سے پیداوار کی قیمتوں میں بیشی تو انصاف یہی ہے کہ مطالبہ سرکاری میں بھی اضافہ کر دیا جائے۔ اگر پیداوار یا قیمتوں میں کوئی بیشی نہ ہو اور اسکی معاشی حالت بالکل سابق کی طرح ہی رہے تو پھر عہدہ دار بندوبست کس بناء پر اُس کے کندھوں کا بوجھ اور بھاری کر دیتا ہے؟ کیا اس لئے کہ اس کا متمول ہمسایہ ریل میں سفر کر سکتا ہے یا اس لئے کہ اس کے ساہوکار کے لئے عدالت دیوانی کچھ دو نہیں؟ جب اراضی کی پیداوار میں تو فیر نہ ہو اور پیداوار کی قیمتوں میں بھی کوئی بیشی نہ ہو تو مالگزاری میں اضافہ کر دینا خود کاشتکار کی ذات پر بے فائدہ اور بلا معاوضہ محصول لگا دینے اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کو زیادہ مفلس بنا دینے کے برابر ہے۔

قاعدۂ ابواب۔ جو کچھ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے اس کے ملاحظے سے قارئین نے محسوس فرما لیا ہوگا کہ مالگزاری کے علاوہ اراضی پر مختلف محصولات کا لگانا نا شدید آمیز بھی ہے اور بڑی نا انصافی بھی اور ۱۸۵۵ء اور ۱۸۶۴ء کے قاعدۂ نصف لگان اور قاعدۂ نصف پیداوار کے بالکل خلاف منشاء ہے۔ محضر پیش کرنے والوں نے ان محصولات کی تنسیخ کی صلاح نہیں دی بلکہ ان پر صرف ایک قید لگا دینے کا مشورہ دیا تھا یعنے انہوں نے لگان پر ۶½ فی صدی اور مالگزاری پر (۱۰) فی صدی تک اس مطالبے کو محدود کر دینے کی تجویز پیش کی تھی۔ شمالی ہند پنجاب۔ ممالک متوسط اور دیگر مقامات میں بھی ان محصولات کی موجودہ شرح اس سے کہیں زیادہ ہے۔ سرکار نے اپنے قرارداد میں جن الفاظ میں حسب ذیل اظہار کیا ہے اس سے اہل ہند کو توقع سی ہو گئی ہے کہ آیندہ ان کا یہ بوجھ کسی قدر ہلکا ضرور ہو جائے گا۔

"یہ شبہ پیدا کرنے کے معقول وجوہ معلوم ہوتے ہیں کہ محصولات کی تقسیم اکثر ناواجبی طور پر ہوتی ہے اور زمیندار اپنی اسامیوں پر وہ بوجھ منتقل کر دیتا ہے جو قانوناً خود اس کی ذات پر عائد کیا جاتا ہے۔ کثیر التعداد رعایا کی ترقی نایافتہ حالت کے لحاظ کرتے ہوئے موثر طریقے پر اس ناانصافی کا انسداد ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ بہتر ہوگا کہ ان محصولات میں جو قانون کے منشاء کے خلاف کاشتکاروں ہی کے بار گردن بنجاتے ہیں حسب موقع آیندہ تخفیف کر دیجائے۔ حکومت کو موقع ملے تو وہ بخوشی کاشتکاروں کے کندھوں کا یہ بوجھ ہلکا کر دے گی۔"

مذکورہ الصدر خیالات کو قلمبند کئے دو سال گزر چکے اور دو مواز نے جن میں کثیر فاضلات نکلتے تھے مارچ سنہ ۱۹۰۱ء اور مارچ سنہ ۱۹۰۲ء میں مرتب کیے گئے لیکن سنہ ۱۸۸۱ء کی تضعیف مرکزیت کی تجاویز کے بعد سے اراضی پر جو مختص ابواب عائد کئے گئے تھے ان میں سے ایک بھی موقوف نہیں کیا گیا۔

یہ حقیقت حال بڑی ہی افسوس ناک ہے کہ مدراس اور بمبئی کے مالک اراضی کسانوں کو جو سرکار کو براہ راست مالگزاری ادا کرتے ہیں بمقابل بنگالے کے غیر سرکاری مالکان اراضی کی اسامیوں کے موجودہ زمانے میں کم تحفظ حقوق حاصل ہے بنگالے کی اسامیاں اپنے زمینداروں کو پیداوار کا (۱۱) فی صدی ادا کرتی ہیں برخلاف اس کے گجرات کی رعیت سرکار کو (۲۰) فی صدی ادا کرتی ہے۔ بنگالے کی اسامیوں کو وہ مختص وجوہ جن کی بناء پر زمیندار لگان میں اضافہ کرنے کا حق رکھتا ہے معلوم ہیں مگر بمبئی اور مدراس کی رعیت کو اس کا علم ہی نہیں کہ سرکار کس بناء پر آیندہ بندوبست کے وقت مالگزاری میں اضافہ کرے گی۔ بنگالے کی اسامی اپنے زمیندار کے مطالبے کا پیش از پیش حساب کر لے سکتی ہے۔ بمبئی اور مدراس کی رعیت اس کا مطلق اندازہ نہیں کر سکتی کہ عہدہ دار بندوبست کا کیا مطالبہ ہوگا۔ بنگالے کی اسامی حد سے زیادہ مطالبے کے خلاف عدالت میں استغاثہ کر سکتی ہے لیکن ناواجبی طور پر سنگین جمع کے خلاف بمبئی اور مدراس کی رعیت کے استغاثہ کی سماعت کرنے کے لئے نہ کوئی عدالت اراضی ہے اور نہ کوئی خود مختار عدالتی محکمہ۔ مقدار لگان کے قطعی تعین و عدم تغیر کی بناء پر بنگالے کی اسامیاں اپنی حیثیت کی قدر کرتی ہیں اور ساہوکاروں کے حلقہ غلامی سے آزاد رہنے کی مقدرت رکھتی ہیں۔ برخلاف اسکے

مطالبۂ سرکار کے غیر محدود اور تغیر پذیر رہنے سے بمبئی اور مدراس کی رعیت بغیر کسی توقع اور پس انداز کرنے کی وجہ محرک کے دل شکستہ اپنی اراضی کی کاشت کرتی رہتی ہے اسی لئے سال بہ سال وہ قرض کے قعر مذلت میں پڑی رہتی ہے مارکوس رپن نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ان مالک اراضی کسانوں کو بھی وہی تحفظ حقوق عطا کیا جائے جو بنگالے کی اسامیوں کو حاصل ہے لیکن ۱۸۸۵ء میں وزیر ہند نے اس تحریک کو نامنظور کیا تھا۔ ہندوستان کے بے زبان کاشتکاروں کے ان دوستوں اور بہی خواہوں نے پھر بھی استدعا پیش کی تھی کہ اس صدی کے آخر ایام میں ان کو اس طرح کا تحفظ حقوق عطا کر دیا جائے لیکن لارڈ کرزن نے جنوری ۱۹۰۲ء میں اسی درخواست کو مسترد کر دیا۔

آٹھواں باب

تجارت و صنعت

اس تمام حرفت و صنعت پر جس کے لئے ہندوستان قدیم زمانے سے بہت مشہور تھا ایسٹ انڈیا کمپنی کی حاسدانہ تجارتی حکمت عملی سے پانی پھر چکا تھا اور جب ۱۸۳۷ء میں ملکہ وکٹوریہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئیں تو اس وقت تک زراعت کے سوا کوئی قومی حرفت باقی نہ رہی تھی۔ ۱۸۵۸ء میں زمام حکومت تاج برطانیہ کے ہاتھ میں آنے کے بعد بھی جدید حرفت کے نشو و نما کے لئے کچھ نہیں کیا گیا اور اس صدی کے قرون آخر تک ہندوستانی صناعوں اور کاریگروں کی حالت افلاس زدہ اور مائل بہ انحطاط ہی تھی۔ وقتاً فوقتاً چند تجربات کیے گئے تھے لیکن کسی ایسے معقول پیمانے یا طریقے پر جو ان وسیع اغراض کے مناسب حال ہوتا کوئی عمل نہیں کیا گیا۔

روئی۔ انیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک کاتنا اور بُننا ہندوستان کی قومی حرفت میں شمار ہوتا تھا۔ چرخہ اور دستی کارگہ عام طور پر زیر استعمال تھا اور یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں ہے کہ ہندوستان کی اناث کی تقریباً نصف آبادی اپنی محنت کے منافع سے اپنے آباء اور شوہروں کی آمدنی میں اضافہ کرتی تھی یہ حرفت ہندوستانی کی دیہی معاشرت کے خاص طور پر مناسب حال تھی۔ وہاں کوئی بڑی کرنی یا کارخانہ موجود نہ تھا بلکہ ہر عورت گاؤں کی منڈی سے روئی خرید لیتی تھی اور کاتنے کے بعد سوت کو گاؤں کے جولاہے کے

ہاتھ فروخت کر دیتی تھی۔ جولاہا اس کا کپڑا اٹھ کر بیوپاریوں اور تاجروں کے ہاتھ بیچ دیتا تھا۔ اس طرح بنے ہوئے پارچوں کے تھان کے تھان عرب۔ ڈچ اور پرتگالی تجار ممالک غیر کو برآمد کرتے تھے اور ہندوستان کی اس نفع بخش تجارت کی خاطر یورپی اقوام آپس میں ایک دوسرے کے حریف بنے رہتے تھے لیکن جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی عملداریوں پر قبضہ کر لیا تو اس نے اس حکمت عملی کی کایا پلٹ کر دی۔ برطانوی صانعین نے ہندوستان اور یوروپ کے مابین تجارتی اشیاء کی حمل و نقل یعنی بحری تجارت پر قناعت نہ کر کے برطانوی صنعت میں حرکت پیدا کرنے کے لئے ہندوستان کی حرفت کو سرے سے مٹا دینے کی سعی بلیغ کی تھی۔ ان کا بڑا خیال یہی تھا کہ ہندوستان خام پیداوار کے لئے مختص ہو جائے اور اس طرح برطانوی صنعت و حرفت کا دست نگر بنجائے۔ کس طرح اس حکمت عملی کی پابندی کی گئی اور کس طرح اس کو آخر کار کامیابی ہوئی اس کا قصہ دوسری جلد میں بیان کیا گیا ہے۔

بعد کے زمانے میں جب کہ یوروپ میں دستی کارگہ کی جگہ بھاپ سے چلنے والے کارگاہوں نے لے لی تھی اسوقت ہندوستانی اصل داروں نے اپنے ملک میں روئی کی گرنیاں قائم کرنی شروع کر دیں۔ اس پر لینکیشر کے صانعین کے دلوں میں حسد کی آگ پھر مشتعل ہونے لگی۔ حکومت ہند نے ۱۸۷۰ء سے ۱۹۰۰ء تک جس مالی حکمت عملی کا اتباع کیا تھا اس کو پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے اور اس صدی کے آخری حصے تک کا یہی غمناک قصہ کسی آیندہ باب میں بیان کیا جائے گا۔

ہندوستان میں بھاپ سے چلنے والے کارگاہوں کے ہوتے ہوئے ایک حد تک دستی کارگہ بھی موجود ہیں اور اس کے وجوہ دریافت کرنے کے لئے بڑی دور تک جستجو کرنی ضروری نہیں۔ ہندوستان زیادہ تر چھوٹی چھوٹی حرفتوں اور چھوٹے چھوٹے کھیتوں کا ملک ہے۔ انگلستان میں زمین بڑے بڑے مالکان اراضی کی ملک ہوتی ہے اور مزارعین صرف کسان اور مزدور پیشہ ہوتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں اراضی چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کی ملک ہوتی ہے جن کو اپنی مقبوضہ زمین پر موروثی حقوق حاصل ہیں اور جب تک وہ اپنا لگان ادا کرتے رہتے ہیں اس وقت تک خواہ کوئی زمیندار ہی کیوں نہ چاہے ان کو اراضی سے بیدخل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ملک کی

مختلف النوع حرفت کو کم مایہ و کم حیثیت کاریگر اپنے اپنے گاؤں اور جھونپڑیوں میں میں جاری رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے کارخانوں کا خیال جو اصل داروں کی ملک ہوں اور تنخواہ دار اہل حرفہ وہاں کام کریں ہندوستانی ذہنیت کے لئے اس وقت تک بالکل اجنبی تھا۔ اصل سے اہم نتائج پیدا ہونے کے باوجود سچ تو یہ ہے کہ انسان شخصی حیثیت سے یعنے ذاتی وقار فہم و فراست۔ دور اندیشی اور خود مختاری کے لحاظ سے اسی وقت انسانیت کا بہترین نمونہ بن سکتا ہے جب کہ وہ کسی بڑے زمیندار کے تحت یا کسی بڑے کارخانے میں مزدوری کرنے کے بجائے اپنے ہی کھیت میں یا اپنے ہی کارگہ پر کام کرے۔ ہر حق شناس ہندوستانی کی توقع یہی ہے کہ ہندوستان میں چھوٹے کاشتکاروں کی جگہ "زمینداریت" نہ غصب کرے اور وطن کی کوئی نہ کوئی حرفت "اصلداریت" کے حملوں سے محفوظ رہے۔

دستی کارگہ پر کام کرنے والے جولاہوں کی (جنھوں نے اپنا موروثی پیشہ ابھی تک جاری رکھا ہے) مدد کرنے کے لئے سعئ بلیغ کی گئی لیکن ان کے طریق کار میں اصلاح کی ابھی گنجائش ہے اور جدید کارگہ کے استعمال سے پارچے کی مقدار میں کثیر جتنی بھی ممکن ہے مختلف مقامات اور بالخصوص مدراس میں اس کے متعلق تجربات کئے جارہے ہیں اور یہ کہنا کہ ان کا کیا نتیجہ ہوگا ابھی قبل از وقت ہے لیکن یہ باور کرنے کے معقول وجوہ موجود ہیں کہ کم سے کم بعض قسم کے پارچوں کی حد تک ضروری اصلاح کے بعد دستی کارگہ کارآمد ثابت ہوں گے اور اگر ایسے نتائج مرتب ہوں تو ان سے لاکھوں غریب ہندو اور مسلمان جولاہوں کی جو افلاس کے قعر مذلت میں پڑے ہوئے ہیں اور قحط کے سب سے پہلے شکار ہوتے ہیں بڑی امداد ہوگی۔ ایک متمدن حکومت کا اس سے بڑھ کر مقدس کوئی فریضہ نہیں کہ وہ ان ڈوبے ہوئے طبقات کو ابھارے اور ہندوستان کی ایک قدیم ترین حرفت میں نئی روح پھونکے۔

ریشم۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد سے ریشم کی صنعت روبہ انحطاط تھی اور اس کی برآمد بالکل کم رہ گئی تھی۔ ہندوستان کے اکثر اقطاع میں ریشم ہوتا ہے اور اس سے برآمد کے لئے اور اندرون ملک استعمال کے لئے بھی معقول مقدار میں پارچہ بنتا ہے۔ آسام میں عورتوں کا قومی لباس ریشمی ہے اور یہ حرفت وہاں گھریلو ہے۔

ہر خاندان اپنے استعمال کے لئے ساڑیاں بنتا ہے۔ شہتوت پر پرورش پانے والے کرم پیلوں سے اضلاع بنگالہ میں بہت نفیس ریشم پیدا ہوتا ہے "تخم" کے امتحان اور کرم پیلوں کی پرورش کے خاص فنی طریقے اختیار کرنے سے ریشم میں کچھ اصلاح ہوئی ہے۔ پنجاب میں کرم پیلوں کی پرورش کا از سر نو سامان کرنے کے بعد بھی اس کوشش میں ناکامی ہوئی۔ کشمیر میں یہ ایک ملکی صنعت ہے اور یہ ریاست یورپ سے اچھا "تخم" طلب کرکے اس حرفت کو ترقی دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ "ہندوستان کے ابریشم باف اپنے پیشے کی بہترین مہارت رکھتے ہیں اور اگر روپیہ سے ان کی امداد کی جائے تو مستعد و قابل اشخاص کی نگرانی میں ان سے اس حرفت کی توسیع ہو سکتی ہے اور اس میں نئی جان پڑ سکتی ہے۔

اون ۔ غریبوں کے قابل استعمال موٹے موٹے کمبل کی صنعت ہندوستان کے اکثر اضلاع میں جاری ہے۔ کشمیری شال کا جن میں بڑی محنت و عرق ریزی کے ساتھ خوشنما بیل بوٹے بنائے جاتے تھے بننا موقوف ہو گیا ہے اور اب یہ اگر بننے بھی ہیں تو خاص فرمائش پر اور بہت ہی کم تعداد میں۔ پنجاب اس وقت بھی اونی مصنوعات اور بالخصوص اونی قالینوں کا مرکز ہے اور مدراس کی قالین بافی بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔

اون کی گرنیوں کی جو یورپی اصل سے قائم ہوئیں اور یورپی اشخاص کے زیر انتظام ہیں اس صدی کے آخر قرن میں بمقابل سابق کے دوچند پیداوار ہو گئی تھی اور ۱۹۰۱ء میں ۴۹۵ کارگاہیں اور ۲۲۹۸۶ تکلے موجود تھے۔ ان گرنیوں کی صنعت زیادہ تر فوج اور کوتوالی کے کام آتی ہے۔

سن ۔ بنگالہ سن کی کاشت کا اجارہ دار سا بن گیا ہے اور فصل کی اوسط پیداوار تقریباً دو کروڑ ہنڈرڈ ویٹ ہوتی ہے۔ اس پیداوار کا نصف تو یورپ بھیجا جاتا ہے اور باقی نصف سے گھروں میں یا گرنیوں میں ٹاٹ بنا جاتا ہے جس کے تھیلے بنائے جاتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں ملک میں ۳۵ گرنیاں ۔ ۸۲۱۸ کارگاہیں اور ۱۷۱۱۴۸ تکلے موجود تھے لیکن سنہ ۱۹۰۲ء میں کارگاہوں اور تکلوں کی تعداد دوچند ہو گئی۔

مزدوروں کی تعداد ۔ ہندوستان میں گرنیوں کے قیام کا ابھی ابتدائی زمانہ ہے

اس لئے ان کے مزدوروں کی تعداد کچھ ایسی نہیں۔ ۱۹۱۰ء میں ہندوستان کی روئی کی گرنیوں میں ۲۳۷۰۰۰ مزدور کام کرتے تھے اور سن کی گرنیوں میں ۲۴۷۰۰۰ مزدور۔ دیسی گھریلو حرفت کے سوا کوئی ایسی اور صنعت و حرفت نہ تھی جس میں ۲۰۰۰۰ مزدور کام کرتے ہوں۔

اہم زرعی پیداوار کو منڈیوں میں بھیجنے کی غرض سے تیار کرنے کے لئے نیل کے کارخانوں میں ۳۰۰۰۰ مزدور۔ سن کے شکنجوں پر ۲۰۰۰۰۔ روئی سے بنولہ علیحدہ کرنے اور دھنے کے بعد اسکے گٹھے بنانے کی گرنیوں میں تقریباً ۲۰۰۰۰۔ مزدور چوبینہ کی گرنیوں میں ۹۰۰۰۔ قہوہ کے کارخانوں میں ۵۰۰۰ اور کولھو چلانے والی گرنیوں میں ۴۰۰۰ مزدور کام کرتے تھے۔

لوہار خانوں اور پیتل کے کارخانوں میں ۱۰۰۰۰ مزدور۔ کمہار کی بھٹیوں پر ۱۰۰۰۰۔ مطابع میں ۱۳۰۰۰۔ لاکھ کے کارخانوں میں ۵۰۰۰۔ کاغذ کی گرنیوں میں تقریباً ۵۰۰۰۔ ریشم کی گرنیوں میں اور چرخیوں پر ریشم لپٹنے والے ۱۴۰۰۰ مزدور کام کرتے تھے۔ اون کی گرنیوں میں جو مزدور کام کرتے تھے ان کی تعداد میں ۱۹۱۰ء تک صرف ۱۶ فیصدی اضافہ ہوا تھا۔

کاغذ۔ ۱۹۱۰ء میں کاغذ سازی کی (۹) گرنیاں تھیں اور ایک کروڑ پینتیس لاکھ (۳۵) سیر کاغذ بنتا تھا۔ حکومت ہند ان گرنیوں سے فولسکیپ۔ جاذب۔ اور خط نویسی کا کاغذ خریدتی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ تقریباً ۵۰۰۰۰۰ پونڈ کی مالیت کا کاغذ یوروپ سے اپنے لئے برآمد کرتی تھی۔

پیتل اور تانبا۔ ہندوؤں کی خانہ داری کے ظروف عام طور پر پیتلی ہوتے ہیں اور مسلمان زیادہ تر تانبے کے ظروف استعمال کرتے ہیں۔ پیتل کی حرفت ہی ایک ایسی دیسی حرفت ہے جو پردیسی مقابلے سے ابھی تک محفوظ ہے اگرچہ یوروپ کے ساختہ چینی کا روغن کئے ہوئے لوہے کے ظروف ہندو بھی اپنے گھروں میں استعمال کرنے لگے ہیں۔ ہندوستان کی حرفت کے ایک سرکاری مورخ کی زبان سے یہ سن کر خوشی ہوتی ہے کہ پیتل اور تانبے کے ظروف کی مانگ کا ہندوستان میں جاری رہنا بالکل یقینی ہے اور ظروف سازوں میں ایسی مہارت موجود ہے کہ اس حرفت کو مناسب ہدایات اور مستعدی کے ساتھ ترقی دیجائے تو کثیر التعداد

میں ہر سال ان ظروف کا یورپ پہنچنا ممکن ہے۔

چوب تراشی - بڑھئی کے معمولی کام کے سوا جو ہندوستان کے ہر قریہ اور بلدہ میں ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے اشیاء مثلاً کھلونے اور ڈبے وغیرہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ نقش و نگار تراشے جاتے ہیں اور کثیر تعداد میں یہ سامان ہر سال یورپ جاتا ہے پچی کاری کے لئے بھی ہندوستان خاص طور پر مشہور ہے۔

چائے - چائے کے رقبے میں جس کا نو عشر آسام اور شمالی بنگالے میں واقع ہے گزشتہ دس سال کی مدت میں جو سنہ ۱۹۱۰ء پر ختم ہوئی ۴۵ فیصدی توسیع ہوئی تھی چائے کی ضرورت سے زیادہ پیداوار ہوئی تھی اس لئے کاشت کے رقبے کو محدود اور چائے سازی میں تخفیف کرنا ضروری ہوگیا تھا سنہ ۱۹۱۰ء کی فصل کی جملہ پیداوار نو (۹) کروڑ ترانسی لاکھ پچاس ہزار سیر اور ۱۹۱۰ء کی نو کروڑ چھیاسٹھ لاکھ پچاس ہزار سیر تھی۔ سنہ ۱۹۱۰-۱۱ء میں برطانوی ہند سے جس مقدار میں دریا کی راہ سے غیر ممالک کو چائے برآمد کی گئی تھی وہ ذیل کے اعداد سے معلوم ہوگا

ملک جہاں چائے بھیجی گئی	مقدار (ملین پونڈ وزنی)
ممالک متحدہ برطانیہ	۱۵۹
آسٹریلیا	۸ ½
ایران	۲ ½
ایشیائی ترکی	۲ ½
روس	۱ ½
چین	۱ ½
ممالک متحدہ امریکہ	۱
کینیڈا	۱
دیگر ممالک	۲
میزان	۱۷۹ ½ ملین پونڈ (وزنی)

مذکورۃ الصدر اعداد کے ملاحظہ سے واضح ہوگا کہ برطانوی شہنشاہی کے ماباقی ذیب ہندوستان کی چائے پسند نہیں کرتی۔

ہندوستان کا "قانون غلامی" (جس کی رو سے مزدور سامرتی دینے کے بعد جہاں ان کو بموجب قانون تعزیرات ایک مقررہ میعاد پوری کرنی پڑتی ہے) اس ہندوستان کی چائے کی حرفت پر ایک ایسا داغ ہے جو مٹ نہیں سکتا۔ وقتاً فوقتاً تشدد، ظلم و زیادتی کی اطلاع آیسام سے پہنچتی رہتی ہے لیکن حکومت ہند قانون تعزیرات کی متعلقہ دفعات کی تنسیخ اور دیگر حرفت وصنعت کے مثال محنت کی اس منڈی کو بھی آزاد رکھنے سے اصل داروں کی معتوب بننا نہیں چاہتی۔ چائے کے نخلستانوں میں مزدوروں کی بڑی ہی بری حالت ہے۔ جب سابقہ چیف کمشنر آسام مسٹر ہنری کاٹن نے ان کی ماہوار میں ایک روپیہ اضافے کرنے کے لئے کوشش کی تو نخلبندوں نے اس تحریک کی سخت مخالفت کی اور لارڈ کرزن نے بھی کوئی معقول تائید نہیں کی۔ اس کے بعد رفع فساد باہمی کی غرض سے یہ تصفیہ ہوا کہ مجوزہ اضافے کی مقدار نصف کردی جائے اور وہ بھی دو سال کے بعد اس پر عمل کیا جائے۔ برخلاف اس کے جب نخلبندوں نے یہ تحریک کی کہ چائے کی برآمد پر ابواب لگادیئے جائیں اور ان کی آمدنی چائے کی فروخت کو فروغ دینے کے ذرائع پر خرچ کی جائے تو حکومت ہند نے سب اپنی مملکت و وقار کو بالائے طاق رکھ کے اس تجویز کو قبول کرلیا اور اس طرح چائے کی فروخت کے لئے آپ کو ان نخلبندوں کا گماشتہ قرار دے لیا۔

سنہ ۱۹۱۰ء میں چائے کی حرفت میں ۶۰۶۸۲۵ مزدور دوامی طور پر اور ۹۰۹۴۶ مزدور عارضی طور پر کام کرتے تھے۔

نیل۔ مصنوعی نیل کے تجارتی مقابلے سے خدشہ یہ ہے کہ یہ حرفت کہیں مٹ نہ جائے۔ اس کے مٹ جانے سے ہندوستان کو بڑا معاشی نقصان ہوگا لیکن نیل کی کاشت اور نیل سازی میں نخلبندوں نے لوگوں پر وہ وہ زیادتیاں اور مظالم کئے ہیں کہ اہل ہند اس حرفت کے نیست و نابود ہونے کو نہ صرف بے پروائی بلکہ اطمینان سے دیکھتے ہیں سنہ ۱۸۹۵-۹۶ء میں جس قدر نیل کی برآمد کی گئی تھی اس کی قیمت ۳۵۶۹۷۰۰ پونڈ تھی لیکن سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء میں یہ صرف ۲۳۴۸۰۰ پونڈ رہ گئی تھی۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں مدراس کے ۳۰۰۰ بیگھوں کے علاوہ نیل کے ۹۰۸ کارخانے تھے اور کام کرنے والوں کی تعداد ۴۳۰۰۰ بتائی گئی تھی لیکن یہ مکمل شمار نہ تھا۔

شکر۔ جرمانیہ اور آسٹریہ کی چقندر سے بنائی ہوئی شکر "امداد کی" وجہ سے کثیر مقدار میں درآمد کی جا رہی تھی اس لئے اس پر حکومت ہند نے موریشش اور برطانوی دیگر مقبوضات کی گنے سے بنائی ہوئی شکر کے مفاد کی خاطر سنہ ۱۸۹۹ء میں اس "امداد" کے متوازن محصول لگا دیا۔ اس محصول سے جرمانیہ اور آسٹریہ کی شکر کی درآمد صرف کچھ دنوں کے لئے کم ہوگئی مگر پھر بڑھ گئی جیسا کہ ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔

درآمد	سنہ ۹۸-۱۸۹۷ء	سنہ ۹۹-۱۸۹۸ء	سنہ ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء	سنہ ۱-۱۹۰۰ء	سنہ ۲-۱۹۰۱ء
چقندر سے بنائی ہوئی جرمانیہ اور آسٹریہ کی شکر	۲۲۰۴۰۶۴	۱۵۲۶۲۹۱	۸۷۲۵۱۵	۱۷۹۲۵۹۸	۲۹۳۶۱۹۶
گنے سے بنائی ہوئی موریشش وغیرہ کی شکر	۲۰۲۹۴۳۰	۲۲۳۸۱۹	۲۰۶۳۴۷۷	۳۰۴۹۰۴۶	۲۴۹۱۰۷

مذکورالصدر اعداد سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۲-۱۹۰۱ء میں چقندر سے بنائی ہوئی شکر کی درآمد موریشش اور دیگر مقامات کی گنے سے بنائی ہوئی شکر کی مقدار سے کچھ زیادہ ہوگئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یورپ کی شکر کی تجارت کا خاص نشوونما اس اثنا میں ہوا تھا اور وہاں "اتحاد تاجر" کا نظام بھی قائم کیا گیا تھا۔ حکومت ہند نے "اتحاد تاجر" کی "امداد" کا بدلہ لینے کے طور پر ایک جدید قانون نافذ کرنے کا تصفیہ کر دیا تھا جس کے نتائج کا ہنوز انتظار ہے۔

افیون و نمک۔ ان اشیاء پر حکومت کا اجارہ ہنوز قائم تھا۔ اسی صدی کے آخر دس سال میں افیون کی آمدنی میں کمی ہوگئی تھی مگر نمک کے محاصل میں اضافہ ہوا تھا۔

خالص آمدنی

سنہ	افیون	نمک
	روپے	روپے
۱۸۹۰-۱	۵۶۹۸۳۸۵۰	۸۰۹۴۳۵۵۰
۱۸۹۱-۲	۶۱۵۰۵۶۷۰	۸۰۷۷۱۴۸۰
۱۸۹۲-۳	۶۳۹۰۶۸۴۰	۸۱۹۷۳۹۷۰
۱۸۹۳-۴	۴۷۵۰۹۶۴۰	۸۷۵۴۴۷۱۰
۱۸۹۴-۵	۵۷۰۷۶۵۲۰	۸۱۶۷۳۳۴۰
۱۸۹۵-۶	۵۰۵۴۹۸۱۰	۸۳۴۰۸۰۱۰
۱۸۹۶-۷	۳۹۲۲۵۴۶۰	۷۸۹۸۳۵۳۰
۱۸۹۷-۸	۲۷۹۰۶۵۵۰	۸۱۲۰۴۷۸۰
۱۸۹۸-۹	۳۳۵۲۰۴۰۰	۸۶۳۴۱۶۹۰
۱۸۹۹-۱۹۰۰	۴۰۱۲۲۴۲۰	۸۲۷۸۰۹۰۵

کسی پچھلے باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نمک کی آمدنی دو طرح کی ہے ایک وہ جو برطانوی ہند میں نمک سازی پر محصول لگانے سے ہوتی ہے اور دوسری وہ جو بیرونی یا دیسی ریاستوں سے نمک درآمد کرنے پر محصول وصول کرنے سے ہوتی ہے دریا کی راہ سے جو نمک درآمد کیا جاتا تھا اس پر محصول کا وصول کرنا بالکل آسان تھا۔ لیکن دیسی ریاستوں سے جو نمک درآمد کیا جاتا تھا اس پر محصول کے وصول کرنے کے لئے اندرون ملک محصولخانوں کی ایک قطار لگا دینی پڑی تھی چنانچہ ۱۸۶۹ء میں یہ قطار برطانوی ہند میں پنجاب کے شمالی مغربی گوشے سے مدراس کی شمالی سرحد تک چلی گئی تھی۔ یہ حد بندی ۲۵۰۰ میل لمبی تھی جس میں خاردار درخت اور جھاڑیاں۔ نالے اور گڑھے تھے اور اسکی پاسبانی پر ایک فوج کی فوج مقرر تھی جو (۱۲۰۰۰) ملازمین

سرکار پر مشتمل تھی۔
اس نظام کو موقوف کرنے کے لئے لارڈ میو کی حکومت نے سب سے پہلے قدم اٹھایا تھا۔ مسٹر اے۔ او۔ ہیوم نے جیپور اور جودھپور کی دیسی ریاستوں کے ساتھ ایک ایسا دوستانہ قرارداد کر لی تھا جس کے تحت سمبار کے کھاری تال پر نمک سازی کے حقوق کل برطانوی حکومت پر منتقل ہوگئے تھے۔ اس کے بعد لارڈ نارتھ برک کی حکومت نے جودھپور کی ریاست کے ساتھ ایک ایسا قرارداد کر لیا جس کی رو سے اس ریاست کے نمک سازی کے سب اہم مرکز انگریزوں کے زیر انتظام آ گئے۔ لارڈ لٹن کی حکومت نے اندرون ملک محصولخانوں کی قطار کو برخاست کر دینے کی غرض سے دو باتیں کیں۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان کے سب اقطاع میں نمک کے محصول کو تقریباً مساوی المقدار کر دیا۔ دوسرے یہ کہ راجپوتانہ اور وسط ہند کی دیسی ریاستوں کے ساتھ ایک قرارداد کر لیا جسکی رو سے نمک سازی کے سب اہم مرکز انگریزوں کی زیر نگرانی آ گئے یا ان کا ٹھیکہ مل گیا۔ لارڈ رپن کی حکومت نے آخر کار اس کام کو اتمام پہنچایا۔ محصول نمک میں کمی اور ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک یہ محصول فی من ڈھائی روپے کر دیا گیا اور یہی سنگین شرح پندرہ سال تک قائم رکھی گئی۔ مارچ سنہ ۱۹۰۳ء میں تخفیف کر کے اس کو پھر سے دو روپے کر دیا گیا۔

کوئلہ۔ ہندوستان کے ایک وسیع رقبے میں کوئلہ پایا جاتا ہے اور مختلف اقطاع میں زیادہ تر یورپی اصل کی مدد سے کوئلے کی کانوں کا کام جاری ہے۔ اس حرفت میں اور کوئلے کی سالانہ مقداروں میں جو جلد جلد ترقی دتوفیر حال میں ہوئی تھی وہ ذیل کے اعداد سے واضح ہوتی ہے۔

صوبہ	کوئلے کی مقدار ٹن میں	
	سنہ ۱۸۹۲ء	سنہ ۱۹۰۱ء
بنگالہ	۱۹۲۰۰۵۰	۵۰۰۳۸۷۶

صوبہ	کوئلے کی مقدار ٹن میں	
	سنہ ۱۸۹۲ء	سنہ ۱۹۰۱ء
آسام	۱۶۴۰۵۰	۲۵۳۱۶۲
برما	۳۶۷۰	۱۲۴۶۶
راجپوتانہ	×	۱۲۰۹۴
وسط ہند	۸۸۶۲۳	۷۶۴۴۱۵
پنجاب	۶۶۳۵۲	۶۷۷۳۰
بلوچستان	۱۳۲۸۴	۲۲۷۸۲
ممالک متوسط	۱۳۲۰۰۵	۱۹۱۵۱۶
ممالک محروسہ نظام	۱۴۹۶۰۱	۴۲۱۲۱۸
مدراس	۶۰۱	×
میزان	۲۵۳۷۶۹۶	۶۸۴۹۲۴۹

سرکاری واقعہ نویس نے جس کی تحریر کی ہم اس سے پہلے بھی نقل کر چکے ہیں لکھا ہے کہ "سنہ ۱۹۰۱ء میں ممالکِ متحدہ برطانیہ میں اکیس کروڑ نوے لاکھ ٹن کوئلہ کانوں سے نکالا گیا تھا اس سے مذکورالصدر اعداد کا مقابلہ کیا جائے تو ہندوستانی کوئلے کی مقدار حقیر سی معلوم ہوتی ہے لیکن ہندوستان کے موجودہ مطالبے کی تکمیل کے لئے یہ مقدار بہت کافی ہے۔" ہندوستان کی ریلوں میں ہندوستان ہی کا کوئلہ استعمال ہوتا ہے چنانچہ سنہ ۱۹۰۲ء میں ایک فیصدی سے بھی کم کوئلہ پردیس سے لایا گیا تھا۔ لوہے اور فولاد کی حرفت میں ہندوستان کے کوئلے سے بڑی مدد ملتی ہے اور ہندوستان کی سب گرنیوں کا اسی پر انحصار ہے۔ شہر و بلاد میں اغراضِ خانہ داری کے لئے معقول

مقدار میں کوئلہ استعمال ہوتا ہے۔ ان کوئلے کی کانوں میں جو قانون معدنیات کے تحت آتی ہیں یعنی ان کانوں میں جو بیس (۲۰) فیٹ سے زیادہ عمیق نہیں ہیں ۱۹۱۰ء میں ۳۶۱۰۵ مزدور کام کرتے تھے۔

طلا۔ ہندوستان میں طلا زیادہ تر صرف میسور ہی میں پیدا ہوتا ہے جہاں ۱۹۱۰ء میں اسکی مقدار (۵۲۹۷۸۲) اونس ہوئی تھی اور یہ ہندوستان کی سالانہ پیداوار طلا کی ۹۹ فی صدی ہے۔ یہ کام ۲۱۰۰۰ مزدور کرتے ہیں۔ شمالی ہند اور برما میں ریت دھونے سے بہت ہی قلیل المقدار میں سونا دستیاب ہوتا ہے۔ مدراس میں ونیاد کے مقام میں طلا کا نکلنا اب بالکل بند ہوگیا ہے اور نظام کے ممالک محروسہ میں طلا کی مقدار بالکل تھوڑی ہے۔

لوہا۔ سنگ آہن کے اہم مصادر حسب ذیل ہیں۔ مدراس میں سالم کی فلز۔ ممالک متوسط میں چندا کی فلز اور بنگالے میں باراکار کی فلز۔ سرکاری اور غیر سرکاری تحقیقات کے بعد سالم کی فلز کی مقدار اور نوعیت کے متعلق اطمینان کر لیا گیا تھا مگر بڑے پیمانے پر یہ کام ابھی یہاں شروع نہیں ہوا تھا۔ ۱۸۶۵ء میں باراکار کا کارخانہ قائم کیا گیا تھا۔ دو کمپنیوں کی ناکامیابی کے بعد سرکار یہ کارخانہ چلانے لگی مگر اس میں نقصان ہوا اس لئے اس کا انتظام موجودہ کمپنی کو سپرد کر دیا گیا۔ اب اس کارخانے کی حالت کچھ اچھی ہے۔ ریزہ آہنی کی پیدائش میں اضافہ ہوا ہے اور فولاد کی ساخت کے لئے کلیں لگائی گئی ہیں۔ چندا کی فلز کو ترقی دینے کے لئے نامہ و پیام جاری ہیں۔ ۱۹۱۰ء میں فلز آہنی کی مقدار سارے ہندوستان میں ۶۳۰۰۰ ٹن ہوئی تھی جس میں سے ۵۷۰۰۰ ٹن بنگالے میں ہوئی تھی۔

پٹرولیم۔ ہندوستان کے معدنی تیلوں میں اٹھانوے فی صدی تیل کی برما اور تقریباً باقی کی آسام سربراہی کرتا ہے۔ ۱۸۹۲ء میں جملہ پیداوار ۵۰۰۰۰ گیلن ہوئی تھی لیکن ۱۹۱۰ء میں یہ مقدار ۶۳۳۰۰۰ گیلن ہوگئی تھی۔ باایں ہمہ ہندوستان میں پردیسی تیلوں کی بڑی مانگ ہے اور ہندوستانی منڈیوں میں امریکہ کی بیش قیمت پیداوار کی جگہ روس کی کم قیمت پیداوار نے لے لی ہے۔ ۱۹۰۱-۲ء میں اس تیل کے نو کروڑ نوے لاکھ گیلن قیمتی پچیس لاکھ پونڈ درآمد کئے گئے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

ہندوستان کی مجموعی طلب کے سویں حصے کے برابر بھی برما مہیا نہیں کر سکتا۔

یاقوت - برما کے مشہور یاقوت کی کانوں سے ابھی تک تو کچھ ایسا منافع نہیں ملا ہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں "کمپنی معدن یاقوت" کے جملہ جواہرات مثلاً یاقوت نیلم۔ اسپنل کی قیمت ۰۰ ۵ ۹۸ پونڈ تھی لیکن سنہ ۱۹۱۰ء میں ۹۰۰۰ پونڈ قیمت کا لیشب برما سے دیگر ممالک کو بھیجا گیا تھا۔

سنگ نیم - ابرک اور ٹن - سنہ ۱۹۱۰ء میں سنگ نیم قیمتی ۱۰۰۰۰ پونڈ اور ابرک قیمتی ۰۰۰ ۹۰ پونڈ برآمد کیا گیا تھا۔ ٹن جنوبی برما میں تو ائے اور مرگیوی کے مقام پر اور شمالی ہندوستان کی ریاست میں پیدا ہوتا ہے۔

ہندوستان کی گزشتوں پر اور جائے نیل۔ کافی اور معدنیات کی حرفت پر بمقتضائے فطرت بہت خاص توجہ اس لئے مبذول کی جاتی ہے کہ انھیں میں کثیر یوروپی اصل لگا ہوا ہے۔ مذکورالصدر اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حرفتوں میں جو مزدور کام کرتے ہیں ان کی تعداد بہ لحاظ ہندوستان کی آبادی کے کوئی ایسی زیادہ نہیں کہ قابل قدر سمجھی جائے۔ ہندوستان میں برطانوی کمپنیوں کی ہمت افزائی کے ساتھ ساتھ نظام مہاجرت کی جو تائید کی جاتی ہے اس سے ان مزدوروں کے اصلاح حال کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ روئے زمین پر ایسا کونسا ملک ہے جو آیندہ دس یا بیس سال میں ہندوستان کی تین کروڑ آبادی کا دسواں حصہ بھی قبول کرلے؟ ہندوستان کے معاشی مسئلے کا صحیح حل یہی ہے کہ زراعت کو بے اندازہ اور غیر متیقن محصولات سے نجات مل جائے۔ ان دیسی حرفتوں کی نشو ونما کی جائے جن سے لکھوکھا ہندوستانی مزدور اپنے اپنے گاؤں میں رہ کر روزی کما لیتے ہیں اور ان نوخیز صنائع کی مدد کی جائے جن کو اہل ہند نے شہر بلاد میں اپنے اصل سے قائم کیا ہے۔ اگر ہندوستان میں معدنیات اور جدید حرفتوں کی نشو ونما کے لئے برطانوی اصل لگایا جائے تو اہل ہند اسکی بڑی قدر کریں گے لیکن برطانوی مدبر ہر بات کو اسی وقت غلط انداز سے دیکھنے لگتے ہیں جب کہ ملک کے زرعی مفاد اور ان ناچیز حرفتوں کے مقابل جن پر ہندوستانی قوم کی زندگی کا بحیثیت ایک قوم کے انحصار ہے برطانوی اصلداروں کے اغراض ان کی نظروں میں زیادہ سما جاتے ہیں۔

اب ہم یہاں سے ہندوستان کی بیرونی تجارت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ذیل کے نقشے سے جو "برطانوی ہند سے متعلق گوشوارۂ شمار و اعداد" سے مرتب کیا گیا ہے اس صدی کے آخری چوبیس (۲۴) سال میں ہندوستان کی جملہ درآمد و برآمد کیا تھی وہ ظاہر ہوتی ہے۔

تمام ممالک کے ساتھ ہندوستان کی تجارت

ختم سال بر سنہ	درآمد مال تجارت روپے	درآمد خزانہ روپے	جملہ درآمد روپے	جملہ برآمد روپے
۱۸۷۸	۴۱۴۶۴۱۸۵۰	۱۷۳۵۵۴۸۹۰	۵۸۸۱۹۶۴۴۰	۶۷۴۳۳۳۲۴۰
۱۸۷۹	۳۷۸۰۰۵۹۴۰	۷۰۵۶۷۴۹۰	۴۴۸۵۷۳۴۳۰	۶۴۹۱۹۷۴۱۰
۱۸۸۰	۴۱۱۶۶۰۰۳۰	۱۱۶۵۵۳۹۵۰	۵۲۸۲۱۳۹۸۰	۶۹۲۴۷۵۱۱۰
۱۸۸۱	۵۳۱۱۶۷۷۰۰	۸۹۸۸۲۱۴۰	۶۲۱۰۴۹۸۴۰	۷۶۰۲۱۳۴۰۰
۱۸۸۲	۴۹۱۱۳۲۷۴۰	۱۱۳۲۲۷۸۱۰	۶۰۴۳۶۱۵۵۰	۸۳۰۶۸۱۹۸۰
۱۸۸۳	۵۲۰۹۵۷۱۱۰	۱۳۴۵۳۱۵۷	۶۵۵۴۸۰۶۸۰	۸۴۵۲۷۱۸۲۰
۱۸۸۴	[illegible]۰۹۳۴۸۰	۱۲۸۷۷۹۶۳۰	۶۸۱۵۷۳۱۱۰	۸۹۱۸۶۳۹۷۰
۱۸۸۵	۵۵[illegible]۰۳۰۷۲۰	۱۳۰۸۸۱۹۷۰	۶۹۵۹۱۲۶۹۰	۸۵۲۲۵۹۲۲۰
۱۸۸۶	۵۵۶۵۵۹۰۹۰	۱۵۴۷۷۸۰۱۰	۷۱۱۳۳۷۱۰۰	۸۴۹۸۹۵۰۲۰
۱۸۸۷	۶۱۷۷۰۳۵۱۰	۱۱۰۵۳۳۱۹۰	۷۲۸۳۰۶۷۰۰	۹۰۱۹۰۶۳۳۰
۱۸۸۸	۶۵۰۰۴۶۱۲۰	۱۳۸۲۵۸۵۶۰	۷۸۸۳۰۴۶۸۰	۹۲۱۴۸۲۷۹۰
۱۸۸۹	۶۹۴۳۰۴۶۷۰	۱۳۸۴۴۹۶۰۰	۸۳۳۸۵۴۲۷۰	۹۸۸۳۳۸۷۹۰
۱۸۹۰	۶۹۱۹۷۴۸۹۰	۱۷۴۵۹۵۰۱۰	۸۶۶۵۶۹۹۰۰	۱۰۵۳۶۶۷۲۰۰
۱۸۹۱	۷۱۹۷۵۳۷۰۰	۲۱۹۳۴۴۸۶۰	۹۳۹۰۹۸۵۶۰	۱۰۲۳۵۰۵۲۶۰
۱۸۹۲	۶۹۴۳۲۳۸۳۰	۱۴۷۲۲۶۶۲۰	۸۴۱۵۵۰۴۵۰	۱۱۱۴۶۰۲۷۸۰

۱۸۹۳	۶۶۲۶۵۲۷۷۰	۱۷۰۰۹۸۱۰۰	۸۳۲۷۵۰۸۷۰	۱۱۳۵۵۴۳۹۹۰
۱۸۹۴	۷۷۰۲۱۴۳۲۰	۱۸۴۶۱۲۵۶۰	۹۵۴۸۲۶۸۸۰	۱۱۰۶۰۳۵۶۱۰
۱۸۹۵	۷۳۵۲۸۹۹۳۰	۹۵۸۱۲۰۷۰	۸۳۱۱۰۲۰۰۰	۱۱۷۱۲۹۸۵۰۰
۱۸۹۶	۷۲۹۳۶۷۵۳۰	۱۳۳۶۷۹۸۶۰	۸۶۳۰۴۷۳۹۰	۱۱۸۵۹۴۵۴۹۰
۱۸۹۷	۷۶۱۱۷۳۷۳۰	۱۳۰۸۴۵۶۳۰	۸۹۲۰۱۹۳۶۰	۱۱۸۹۲۱۵۹۲۰
۱۸۹۸	۷۳۶۴۷۰۳۵۰	۲۰۵۳۰۶۱۷۰	۹۴۱۷۷۶۵۲۰	۱۰۴۷۸۱۴۲۸۰
۱۸۹۹	۷۲۱۰۱۵۲۸۰	۱۷۸۹۵۶۱۳۰	۸۹۹۹۷۱۴۱۰	۱۲۰۲۱۱۱۴۲۰
۱۹۰۰	۷۵۳۰۴۴۸۰۰	۲۰۹۰۳۶۸۶۰	۹۶۲۴۸۱۶۶۰	۱۱۷۰۳۹۷۱۰۰
۱۹۰۱	۸۰۸۹۴۵۸۹۰	۲۴۵۷۶۷۶۲۰	۱۰۵۴۷۱۳۵۲۰	۱۲۱۹۴۵۹۶۰۰

توضیح:

سنہ ۱۸۷۳ء اور سنہ ۱۸۸۵ء کی درمیانی مدت میں دس روپے تقریباً (۱۶) شلنگ کے مساوی تھے۔

سنہ ۱۸۸۵ء اور سنہ ۱۸۹۰ء کی درمیانی مدت میں دس روپے تقریباً (۱۴) شلنگ کے مساوی تھے۔

سنہ ۱۸۹۱ء اور سنہ ۱۸۹۷ء کی درمیانی مدت میں دس روپے تقریباً (۱۲) شلنگ کے مساوی تھے۔

سنہ ۱۸۹۸ء سے دس روپے ½۱۳ شلنگ کے مساوی تھے۔

جملہ درآمد اور جملہ برآمد میں جو تفاوت ہے وہی ایک ہندوستان کی تجارت میں افسوسناک بےقاعدگی ہے۔ سنہ ۱۸۹۱ء اور سنہ ۱۸۹۶ء کے درمیان یہ تفاوت تقریباً تیس کروڑ روپے تک پہنچ گیا تھا۔ ہندوستان سے یہی سالانہ معاشی سوتاؤ ہے جو ہندوستان بلا کسی تجارتی معاوضے کے اپنی اشیائے خوردنی سے ادا کرتا ہے۔ اس صدی کے اواخر میں جو قحط پڑے کچھ ان کی وجہ سے اور ہندوستانی افواج سے جنوبی افریقہ میں کام لینے کے بعد انگلستان کو جو بھگتنا پڑا کچھ اس کی بناء پر اس معاشی سوتاؤ میں کسی قدر تخفیف ہوگئی تھی لیکن پھر بھی اس صدی کے آخر چار سال میں ہندوستان سے اوسط سالانہ معاشی سوتاؤ تقریباً بیس کروڑ روپے تھا۔

ہندوستان کی اہم درآمد و برآمد کا اگر تفصیلی معائنہ کیا جائے تو دنیا کے ساتھ ہندوستان کی تجارت کن اشیاء کی تھی ان کی حقیقت صاف ظاہر ہوتی ہے۔ ذیل کے نقشے سے انھیں اہم اشیائے درآمد کی تفصیل معلوم ہوگی۔

ہندوستان میں سب ممالک سے درآمد اشیاء

ختم سال برستہ	سوتی دھاگا اور سوت روپے	سوتی مصنوعات روپے	[illegible] روپے	مشینری و کلیں روپے	صاف کی ہوئی شکر روپے	ریشمی مصنوعات روپے	اونی مصنوعات روپے
۱۸۷۸	۲۸۵۰۴۰۳۰	۱۶۳۲۲۳۱۳۰	۴۴۰۴۲۸۰	۸۵۰۹۹۰۰	۷۹۸۰۳۶۰	۸۰۴۸۸۳۰	۷۸۴۷۸۱۰
۱۸۷۹	۲۷۷۹۷۶۲۰	۱۴۱۲۹۶۷۸۴۰	۴۲۵۴۵۳۰	۸۶۳۴۵۵۰	۱۴۸۰۸۸۱۰	۹۲۴۰۴۴۰	۸۷۸۰۴۲۰
۱۸۸۰	۲۷۴۵۳۰۹۰	۱۶۹۱۵۵۱۱۰	۴۳۱۹۲۸۰	۶۱۹۸۳۳	۱۰۹۸۷۸۸۰	۸۳۷۸۹۰۰	۹۲۷۸۷۹۰
۱۸۸۱	۳۶۹۹۱۷۷۰	۲۲۹۱۰۶۱۶۰	۵۵۲۵۵۶۰	۷۶۹۸۴۴۰	۱۹۱۱۱۵۷۰	۱۳۹۷۱۹۷۰	۱۲۹۹۱۳۰۰
۱۸۸۲	۳۲۲۲۰۹۵۰	۲۰۶۶۲۰۹۹۰	۶۲۶۶۱۳۰	۱۲۲۱۰۴۵۰	۱۲۴۳۷۵۹۰	۱۲۶۷۹۲۰۰	۱۱۲۱۲۳۲۰
۱۸۸۳	۳۳۷۸۱۹۰۰	۲۱۴۳۱۸۶۲۰	۷۹۱۶۹۱۰	۱۳۴۲۳۹۸۰	۱۰۸۹۹۹۱۰	۱۰۳۸۱۸۰۰	۹۸۴۸۷۳۰
۱۸۸۴	۳۴۶۵۹۴۳۰	۲۱۶۴۲۳۸۸۰	۸۱۳۸۸۶۰	۱۶۸۸۸۹۸۰	۱۱۴۸۳۷۰۰	۱۲۹۳۸۹۴۰	۱۲۱۷۰۵۳۰
۱۸۸۵	۳۳۹۰۴۲۰۰	۲۱۱۹۶۴۱۴۰	۸۴۴۵۵۲۰	۱۲۰۴۱۲۴۰	۲۱۴۰۸۳۸۰	۱۲۷۴۳۵۴۰	۱۲۳۳۴۴۰۰
۱۸۸۶	۳۱۶۲۰۸۳۰	۲۱۱۱۰۵۴۵۰	۷۶۹۵۴۲۰	۹۹۱۵۵۴۰	۱۴۵۸۰۹۶۰	۱۱۰۹۰۴۳۰	۱۳۹۱۸۹۱۰
۱۸۸۷	۳۳۱۸۳۷۷۰	۲۵۸۴۶۵۰۸۰	۸۹۵۳۹۶۰	۱۳۷۱۴۵۹۰	۲۰۸۰۵۴۰۰	۱۳۸۳۷۳۵۰	۱۵۲۸۸۹۵۰

۱۸۸۸	۳۵۸۱۹۰۶۰	۲۳۹۲۴۴۹۶۷۰	۱۰۹۳۹۳۹۰	۱۸۰۰۲۱۸۰	۲۱۱۳۶۱۷۰	۱۷۴۳۸۱۰۰	۱۰۱۵۶۷۵۵۰
۱۸۸۹	۳۷۴۶۷۹۷۰	۲۷۷۶۴۵۰۸۰	۱۱۰۲۲۰۵۰	۲۳۱۶۸۷۱۰	۱۷۹۰۹۳۹۰	۱۶۸۲۱۶۶۰	۱۵۶۱۱۹۵۰۰
۱۸۹۰	۳۴۸۲۵۲۹۰	۲۶۳۹۱۳۹۹۰	۱۰۹۶۱۹۱۰	۲۴۳۵۳۸۵۰	۲۲۰۰۰۴۹۰	۱۷۷۸۱۱۴۰	۱۴۵۵۲۳۵۰
۱۸۹۱	۳۷۶۸۳۶۲۰	۲۷۲۴۱۹۸۷۰	۱۱۹۷۶۱۴۰	۲۰۶۳۸۶۳۰	۳۳۹۹۸۸۶۰	۱۳۸۶۳۶۲۰	۱۸۱۸۲۱۳۰
۱۸۹۲	۳۵۱۴۶۲۰۰	۲۵۱۷۴۸۵۲۰	۱۲۳۸۹۹۴۰	۲۱۱۱۵۹۷۰	۲۵۶۱۹۹۶۰	۱۷۵۰۶۹۵۰	۱۷۶۲۰۳۱۰
۱۸۹۳	۲۶۸۳۸۵۰۰	۲۲۹۴۲۰۱۵۰	۱۲۱۷۷۵۴۰	۲۳۵۹۱۰۳۰	۲۶۲۵۶۸۳۰	۱۸۰۱۵۷۱۰	۱۵۲۳۲۴۳۰
۱۸۹۴	۳۱۰۸۹۴۱۰	۲۹۲۶۸۵۲۸۰	۱۳۸۰۴۷۳۰	۲۵۱۸۰۳۸۰	۲۸۲۴۱۹۰۰	۱۸۲۷۸۷۴۰	۱۰۹۲۰۴۲۰
۱۸۹۵	۲۸۵۱۲۵۴۰	۲۹۸۲۲۳۷۴۰	۱۳۳۲۵۵۶۰	۲۴۴۲۴۳۳۰	۲۸۷۵۲۹۷۰	۱۲۷۷۴۲۰۰	۱۵۴۱۶۳۹۰
۱۸۹۶	۲۹۷۱۰۹۰۰	۲۲۷۸۴۷۸۲۰	۱۴۸۳۴۷۵۰	۳۲۲۷۴۰۱۰	۳۱۰۶۸۱۳۰	۱۷۰۴۳۲۰۰	۱۴۴۵۵۱۷۰
۱۸۹۷	۳۳۲۵۸۷۱۰	۲۶۴۲۴۳۰۴۰	۱۵۵۷۷۴۲۰	۳۵۱۰۱۹۰۰	۳۱۵۱۸۲۹۰	۱۳۶۶۶۶۹۰	۱۶۹۲۵۳۵۰
۱۸۹۸	۳۴۹۳۰۳۸۰	۲۲۹۰۱۹۷۰۰	۱۴۷۷۸۱۱۰	۲۸۶۱۱۰۸۰	۴۷۸۴۴۷۹۰	۱۱۴۹۲۶۰۰	۱۱۴۸۴۲۷۰
۱۸۹۹	۲۵۵۱۶۳۴۰	۲۴۹۷۸۰۸۶۰	۱۴۳۰۱۲۳۰	۳۰۵۵۹۳۱۰	۴۰۱۶۹۹۰	۱۳۶۱۷۹۴۰	۱۵۲۳۷۳۱۰
۱۹۰۰	۲۴۵۰۰۴۱۰	۲۷۰۰۲۱۱۳۰	۱۵۹۰۲۹۲۰	۲۵۴۱۹۰۳۰	۳۳۷۶۶۲۹۰	۱۱۲۹۸۳۱۰	۱۷۵۸۰۰۱۰
۱۹۰۱	۲۴۸۹۴۱۵۰	۲۷۳۴۶۱۲۸۰	۱۸۴۴۷۳۰	۲۲۵۷۵۵۸۰	۵۶۵۵۲۱۱۰	۱۶۶۵۸۱۰۰	۲۱۱۲۵۷۶۰

اس نقشے کے معائنہ کرنے کے وقت یہ ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ سنہ ۱۸۸۵ء اور سنہ ۱۸۹۵ء کے درمیان دس روپے کی شرح مبادلہ کیا تھی۔ سنہ ۱۸۸۵ء کے قبل دس روپے تقریباً سولہ شلنگ کے برابر تھے لیکن سنہ ۱۸۹۵ء اور سنہ ۱۸۹۶ء میں یہ بارہ شلنگ سے بھی کم تھے۔ اس لئے سنہ ۱۸۸۵ء اور سنہ ۱۸۹۶ء کے مابین سوتی مصنوعات کی درآمد میں جو اضافہ کثیر بتایا گیا ہے وہ حقیقی اضافہ متناسبہ کے مساوی نہیں ہے۔ برخلاف اس کے سنہ ۱۸۹۸ء سے دس روپے ۱۳ شلنگ ۴ پنس کے مساوی قرار دئے گئے تھے اس لئے اس سنہ سے سوتی درآمد میں جو اضافہ ہوا ہے اور مشنیری اور کلوں میں جو کمی ہوئی ہے وہ حقیقی ہے۔ ان اعداد سے ہندوستان کی گرنیوں کی مصنوعات پر جو چنگی لگا دی گئی ہے اس کا مہلک اثر معلوم ہوتا ہے اس محصول کا حال آیندہ باب میں بیان ہوگا۔

جب کہ دنیا کی ہر متمدن حکومت ملکی مصنوعات کی مدد کرنے کی کوشش کر رہی ہے ہندوستان کی حکومت لینکیشائر کے حسب ایماء ان گاڑھے کپڑوں کی حد تک بھی جن کا لینکیشائر حریف تجارت نہیں ہندوستان کی نو قائم کردہ گرنیوں کو بڑی بیدردی کے ساتھ دبوچ رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سوتی مصنوعات روبہ انحطاط ہیں۔ مشنیری اور کلوں کی مانگ کم ہوگئی ہے اور سوتی مصنوعات کی درآمد پہلے تئیس (۲۳) کروڑ روپے قیمتی جو تھی اب تین سال کے اندر اندر ستائیس کروڑ روپے سے بھی کچھ زیادہ ہوگئی ہے۔

مذکورۂ بالا تجربات کے باوجود ہندوستان میں ریشمی مصنوعات روبہ انحطاط ہی ہیں اور ریشمی مصنوعات کی درآمد سنہ ۱۸۹۰ء اور سنہ ۱۹۰۱ء کے درمیان ایک کروڑ سے ڈیڑھ کروڑ ہوگئی ہے۔ اسی زمانے میں اونی مصنوعات کی درآمد دوچند ہوگئی تھی۔

قبل ازیں اس قانون کے وضع کرنے کا ذکر کیا گیا تھا جس کی رو سے ہندوستان میں ایسی شکر کی درآمد کا روکنا مقصود تھا جس کی امداد حریف تجارت کرتے تھے۔
اس قانون کی کامیابی کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سنہ ۱۸۹۹ء اور سنہ ۱۹۰۱ء میں شکر کی درآمد کم ہوگئی تھی لیکن ایک مدت کے بعد اس قانون کو بھی ناکامیابی ہی ہوئی چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء کی درآمد ہندوستان کی تاریخ میں گزشتہ ہر سال سے زیادہ ہے۔
دھات کے ظروف چھریاں چاقو وغیرہ اور ملمع کئے ہوئے سامان کی درآمد میں مسلسل اضافہ ہی نظر آتا ہے لیکن ہندوستان خام دھات کثیر مقدار میں درآمد کرتا ہے

چنانچہ ۱۹۰۱–۱۹۰۰ء میں ہندوستان نے اپنے لئے لوہا اور فولاد قیمتی تئیس[۳] لاکھ پونڈ اور تانبا قیمتی چھ لاکھ پونڈ درآمد کیا تھا۔ ۱۹۱۱–۱۹۱۰ء میں اشیاء درآمد میں بیس[۲] لاکھ پونڈ سے زیادہ قیمت کی ایک اور شئے معدنی تیل تھا جو روس سے آتا تھا۔ تیل کی درآمد دس لاکھ پونڈ سے زیادہ تھی۔

اب ہم ہندوستان کی برآمد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ذیل کے نقشے سے اہم اشیاء برآمد کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

ہندوستان سے سب ممالک غیر میں برآمد اشیاء

ختم سال بر سنہ	خام روئی روپے	سوتی دھاگا اور سوت روپے	سوتی مصنوعات روپے	چاول گیہوں اور دیگر اجناس روپے	چرم اور کھالیں روپے
۱۸۷۸	۹۳۸۶۳۵۴۰	۷۴۴۷۹۱۰	۱۵۵۰۲۴۸۰	۱۰۱۵۲۹۲۳۰	۳۷۵۷۴۸۰۰
۱۸۷۹	۷۹۱۴۰۹۱۰	۹۳۷۶۹۸۰	۱۶۴۴۱۲۵۰	۹۸۰۲۳۶۳۰	۳۰۹۷۵۶۱۰
۱۸۸۰	۱۱۱۴۵۴۵۳۰	۱۱۶۳۹۴۶۰	۱۵۷۳۹۷۰۰	۹۸۶۶۹۰۶۰	۳۷۳۸۴۵۵
۱۸۸۱	۱۳۲۴۱۷۴۴۰	۱۳۳۰۰۵۱۰	۱۷۷۷۹۷۵۰	۱۲۷۱۱۶۴۰۰	۳۷۳۵۶۴۶۰
۱۸۸۲	۱۴۹۴۱۳۲۴۰	۱۴۲۰۷۳۷۰	۱۹۱۴۵۴۱۰	۱۷۵۱۰۶۸۵۰	۳۹۵۰۰۵۲۰
۱۸۸۳	۱۶۰۵۵۷۵۸۰	۱۸۷۴۴۶۴۰	۲۰۹۳۱۴۶۰	۱۴۸۸۴۸۱۲۰	۴۴۴۲۹۴۶۰
۱۸۸۴	۱۴۴۰۱۹۰۲۰	۱۹۸۳۰۱۹۰	۲۳۲۶۰۱۸۰	۱۷۹۲۳۵۸۲۰	۴۶۶۶۷۸۸۰
۱۸۸۵	۱۳۲۹۵۱۲۴۰	۲۵۰۶۶۱۷۰	۲۶۸۰۰۱۷۰	۱۳۸۹۵۴۴۲۰	۴۹۳۶۵۱۰۰
۱۸۸۶	۱۰۷۸۲۰۲۱۰	۲۸۴۱۵۵۵۰	۲۲۴۸۹۷۳۰	۱۷۶۱۲۳۶۴۰	۵۳۳۶۲۲۹۰
۱۸۸۷	۱۳۴۷۵۹۶۲۰	۳۴۱۸۰۰۸۰	۲۴۳۶۳۴۴۰	۱۸۰۲۷۶۱۴۰	۵۱۴۹۳۵۷۰
۱۸۸۸	۱۴۴۱۳۵۴۴۰	۴۱۴۶۷۳۱۰	۲۷۹۸۸۵۴۰	۱۵۷۳۸۰۳۸۰	۴۸۶۰۳۸۰۰
۱۸۸۹	۱۵۰۴۵۶۷۹۰	۵۳۱۸۶۱۴۰	۲۸۷۲۶۳۱۰	۱۶۱۵۲۷۷۱۰	۴۷۰۴۶۰۰۷۰
۱۸۹۰	۱۸۶۷۱۳۲۹۰	۵۸۴۰۱۱۴۰	۲۷۳۳۳۶۹۰	۱۶۸۱۶۵۹۶۰	۴۵۲۴۴۳۶۰۰
۱۸۹۱	۱۶۵۳۳۹۴۳۰	۶۶۲۷۱۱۵۰	۲۸۶۹۰۷۶۸۰	۱۹۸۱۲۲۱۲۰	۴۶۹۸۷۷۱۰

۱۸۹۲	۱۰۷۶۳۵۵۹۰	۵۸۸۴۶۹۸۰	۳۰۸۱۱۶۸۰	۲۹۰۵۹۳۲۵۰	۵۱۸۶۷۳۸۰
۱۸۹۳	۱۲۷۴۳۸۸۳۰	۶۸۶۴۳۰۴۰	۳۰۶۰۰۵۴۰	۲۰۹۰۷۳۷۳۰	۵۵۹۱۹۹۱۰
۱۸۹۴	۱۳۳۱۰۷۶۹۰	۵۰۵۴۰۹۹۰	۲۹۱۴۳۵۶۰	۱۷۶۳۲۵۶۳۰	۵۸۰۱۷۵۲۰
۱۸۹۵	۸۷۰۸۲۳۳۰	۵۷۸۳۶۲۶۰	۳۵۹۹۸۳۴۰	۱۷۴۳۲۵۰۳۰	۶۵۶۰۲۵۹۰
۱۸۹۶	۱۴۰۹۰۸۶۶۰	۶۰۰۱۵۵۳۰	۳۴۱۸۶۸۸۰	۱۸۷۱۴۸۳۶۰	-۶۴۰۸۶۲۳۰
۱۸۹۷	۱۲۹۷۱۹۶۰۰	۷۲۶۲۲۵۵۰	۲۷۰۰۹۲۴۰	۱۳۰۴۸۰۱۸۰	۷۰۰۱۷۳۰۰
۱۸۹۸	۸۸۷۲۴۵۷۰	۷۰۷۰۱۷۹۰	۲۴۹۷۴۱۹۰	۱۴۱۱۱۵۴۹۰	۸۳۱۸۱۸۰۰
۱۸۹۹	۱۱۱۹۰۱۲۸۰	۶۶۸۵۳۹۶۰	۲۴۶۲۸۶۹۰	۲۷۲۰۱۲۶۰۰	۷۴۵۰۶۳۳۰
۱۹۰۰	۹۹۲۵۰۸۰۰	۷۰۰۷۸۴۴۰	۲۶۱۰۷۹۸۰	۱۸۱۰۳۰۷۵۰	۱۰۴۶۳۳۸۵۰
۱۹۰۱	۱۰۱۲۹۶۴۷۰	۴۲۴۳۴۴۴۰	۲۷۰۶۲۳۰۰	۱۴۰۶۹۵۰۹۰	۱۱۴۸۳۵۸۳۰

ہندوستان سے سب ممالک غیر میں برآمد اشیاء

ختم سال بر سنہ	خام سن روپے	افیون روپے	تخم روپے	نیل روپے	چائے روپے
۱۸۷۸	۳۵۱۸۱۱۴۰	۱۲۳۷۴۵۰۵۰	۷۳۶۰۶۸۳۰	۳۴۹۴۳۳۴۰	۳۰۶۱۸۶۷۰
۱۸۷۹	۳۸۰۰۴۲۶۰	۱۲۹۹۳۹۸۵۰	۴۶۸۲۵۱۲۰	۲۹۶۰۴۶۳۰	۳۱۷۰۱۱۸۰
۱۸۸۰	۴۳۷۰۰۳۲۰	۱۴۳۲۳۳۱۴۰	۴۷۸۱۴۶۵۰	۲۹۴۷۴۳۴۰	۳۰۷۲۲۴۴۰
۱۸۸۱	۳۹۲۴۰۳۰۰	۱۳۶۰۰۱۴۸۰	۶۳۹۲۱۸۵۰	۳۵۷۱۵۸۱۰	۳۰۹۹۸۸۷۰
۱۸۸۲	۵۰۳۰۳۰۲۰	۱۲۴۳۲۱۴۲۰	۶۰۶۴۷۳۲۰	۴۵۰۹۰۸۰۰	۳۶۶۲۸۵۹۰
۱۸۸۳	۵۸۴۶۹۲۶۰	۱۱۴۸۱۲۷۹۰	۷۲۰۵۹۲۴۰	۳۹۱۲۹۹۷۰	۳۷۳۸۸۴۲۰
۱۸۸۴	۴۵۹۲۶۳۵۰	۱۱۲۹۴۴۶۰۰	۱۰۰۸۶۰۸۸۰	۴۶۴۰۹۹۱۰	۴۱۳۴۲۲۱۰
۱۸۸۵	۴۶۶۱۳۶۸۰	۱۰۸۸۲۶۰۶۰	۱۰۷۵۲۸۵۴۰	۴۰۶۸۹۰۰۰	۴۱۳۷۳۵۱۰
۱۸۸۶	۴۳۵۵۳۶۲۰	۱۰۷۳۵۵۱۸۰	۹۹۷۵۱۲۹۰	۳۷۸۳۱۶۰۰	۴۳۹۷۱۷۷۰
۱۸۸۷	۴۸۶۹۸۱۵۰	۱۱۰۷۷۶۶۹۰	۹۲۲۲۸۷۰۰	۳۶۹۱۶۷۷۰	۴۸۸۳۱۴۳۰

۱۸۸۸	۶۰۴۰۳۷۹۰	۱۰۰۹۶۷۷۴۰	۹۳۵۹۱۹۰۰	۳۸۶۰۹۳۹۰	۵۳۰۴۴۴۶۰
۱۸۸۹	۷۸۹۷۱۵۴۰	۱۰۵۰۸۰۸۴۰	۹۵۶۴۳۱۷۰	۳۹۴۸۵۹۵۰	۵۴۷۳۱۳۷۰
۱۸۹۰	۸۶۳۹۸۶۱۰	۱۰۱۱۵۹۳۶۰	۱۰۶۲۳۱۲۴۷۰	۳۸۶۳۰۸۴۰	۵۴۴۵۴۸۷۰
۱۸۹۱	۷۴۰۳۰۱۰۰	۹۲۶۱۸۱۴۰	۹۳۴۵۹۹۰۰	۳۰۷۰۱۲۷۰	۵۵۰۴۲۹۳۰
۱۸۹۲	۶۸۴۸۴۹۳۰	۹۵۶۲۲۶۱۰	۱۰۳۱۰۵۴۲۰	۳۱۱۴۰۶۹۰	۶۲۰۳۸۷۰۰
۱۸۹۳	۷۹۴۴۲۲۳۰	۹۲۵۵۰۱۴۰	۱۱۶۲۳۷۴۰	۴۱۱۱۷۹۰	۹۶۲۰۳۹۰۰
۱۸۹۴	۸۵۲۴۱۳۰۰	۸۰۱۹۴۲۸۰	۱۲۷۶۱۷۳۴۰	۴۱۸۳۱۲۸۰	۶۹۲۸۹۹۳۰
۱۸۹۵	۱۰۶۷۵۹۷۷۰	۹۰۶۴۴۶۵۰	۱۴۲۰۶۰۴۲۰	۴۷۴۵۹۱۵۰	۷۹۰۸۵۹۳۰
۱۸۹۶	۹۹۹۲۸۶۱۰	۸۱۵۹۳۳۶۰	۹۷۲۱۶۶۰۰	۵۳۵۴۵۱۱۰	۸۰۲۵۹۷۴۰
۱۸۹۷	۱۰۵۵۰۵۷۷۰	۸۰۲۲۹۲۳۰	۸۰۱۴۸۷۵۰	۴۳۷۰۷۵۷۰	۸۴۹۵۷۸۱۰
۱۸۹۸	۱۰۱۲۹۱۹۲۰	۶۰۹۷۵۶۳۰	۸۶۰۰۸۱۶۰	۳۰۵۷۴۰۲۰	۸۲۷۴۱۱۷۰
۱۸۹۹	۶۹۴۲۲۴۵۰	۷۱۲۶۰۰۹۰	۱۱۸۵۲۰۱۲۰	۲۹۷۰۴۷۸۰	۸۱۹۱۱۱۵۰
۱۹۰۰	۸۶۷۱۶۴۶۰	۸۲۰۳۷۱۴۰	۱۰۱۰۹۶۸۹۰	۲۶۹۲۵۱۰۰	۹۱۷۶۹۷۹۰
۱۹۰۱	۱۰۸۶۷۷۵۶۰	۹۴۵۶۴۳۶۰	۹۰۱۸۲۶۱۰	۲۱۳۵۹۰۰۰	۹۶۸۴۳۳۲۰

مندرجۂ صدر نقشے کے اعداد کے ملاحظے کے وقت روپے کی مختلف شرح مبادلہ پھر ملحوظ خاطر رکھنی ضروری ہے۔ اس عہد کی ابتدا میں جو ۱۸۹۰ء سے شروع ہوتا ہے روئی۔ سوتی مال۔ اجناس، بیج اور دیگر اشیا کی برآمد میں بظاہر جو اضافہ تھا وہ دراصل روپے کی شرح مبادلہ کی تخفیف کی بنا پر تھا۔ ۱۸۹۸ء سے جب کہ آخر کار اس روپئے ۱ شلنگ ۴ پنس کے مساوی قرار دئے گئے تھے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ نقشے کے آخر چار سال میں برآمد میں جو اضافہ بتایا گیا ہے وہ حقیقی اضافہ ہے۔

سوتی مصنوعات میں بالکل خفیف سا اضافہ ہوا تھا۔ ہندوستان کی گرنیوں کی نوخواستہ حرفت پر ناانصافی سے جو محصول چنگی لگا دیا گیا تھا اس سے سوتی مصنوعات کی فطری ترقی مسدود ہو گئی تھی۔ اس صدی کے آخری تین سال میں خام سن کی برآمد میں مسلسل

اضافہ ہو رہا تھا چنانچہ یہ سات کروڑ روپے سے گیارہ کروڑ روپے تک پہنچ گئی تھی۔ ٹاٹ کی برآمد بھی پانچ کروڑ پچھتر لاکھ روپے سے ساڑھے سات کروڑ روپے کی ہو گئی تھی۔

یورپ میں مصنوعی نیل کی ایجاد سے نیل کی برآمد مسلسل کم ہوتی گئی تھی۔ چائے کی برآمد تقریباً دس کروڑ روپے تک پہنچ گئی تھی۔

ریشم اور اون کی برآمد کچھ زیادہ نہ تھی اسی لئے نقشے میں اس کو درج نہیں کیا گیا۔ جو سال ۱ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء کو ختم ہوا تھا اس میں صرف ۳۵۴۱۰۲ پونڈ کا خام ریشم اور صرف ۱۱۹۲۰۳ پونڈ کے ریشمینے برآمد کئے گئے تھے۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں ۸۱۹۷۴۸ پونڈ کا خام اون اور ۲۲۷۶۸۱ پونڈ کے پشمینے برآمد کئے گئے تھے

اس صدی کے آخر چار سال میں چاول گیہوں اور دیگر اجناس کی برآمد میں کافی کمی و بیشی نظر آتی ہے۔ سنہ ۹۸-۱۸۹۷ء میں ان اجناس کی قیمت چودہ کروڑ روپے تھی اور سنہ ۱۹۰۰-۹۹ء میں یہ برآمد ستائیس کروڑ روپیہ تک پہنچ گئی تھی۔ جن قارئین نے موجودہ تالیف کے "تجارت و صنعت" کے عنوان کے تحت پچھلے باب ملاحظہ فرمائے ہونگے ان کو اس کے اسباب و علل کے سمجھنے میں کچھ مشکل نہ ہوگی۔ ہندوستان کی یہ تجارت فطری نہیں بلکہ جبریہ ہے۔ بے اندازہ مطالبہ مالگزاری کی تکمیل کے لئے بمجبوری ان اجناس کی برآمد کی جاتی ہے۔ سنہ ۹۷-۱۸۹۶ء میں ہندوستان میں ایک ایسا عالمگیر قحط پڑا تھا کہ لاکھوں آدمی بھوکوں مر گئے تھے۔ با ایں ہمہ ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ کی مقدار میں مالگزاری وصول کی گئی تھی اور کاشتکاروں نے زیادہ تر اپنے اجناس خوردنی بیچکر اسکی تکمیل کی تھی۔ یہ اجناس اس بڑی آفت کے سال میں ایک کروڑ پونڈ کی قیمت تک بیرون ملک بھیجدئے گئے تھے۔ اس کے سال مابعد میں فصل اچھی ہوئی تھی۔ مزارعین نے ناگزیر بیلوں کے خریدنے اور گزشتہ سال کے قحط کے نقصانات کی تلافی کرنے کی غرض سے اپنی پیداوار کی ایک کثیر مقدار فروخت کر دی تھی۔ بدنصیبی سے حکومت نے نادانی یہ کی کہ مالگزاری کا بقایا بھی بڑے تشدد کے ساتھ وصول کرنا شروع کر دیا اور اس مطالبے کی تکمیل کے لئے رعیت کو جدید فصل کی پیداوار کثیر مقدار میں فروخت کرنی پڑی۔ ان ہر دو اسباب کی بناء پر اجناس کی برآمد اس مقدار میں ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ وہ لوگ جو ہندوستان کی خوشحالی کا اندازہ جمع مالگزاری سے کرتے تھے اس پر بڑے خوش تھے۔ ایک کروڑ انسی لاکھ پونڈ سے

زیادہ مالگزاری کا وصول ہونا ان لوگوں کے لئے ایک ایسا بیّن ثبوت تھا جس پران کو کامل اعتماد تھا۔ ہندوستان میں اور دار العوام میں ہندوستان کی اس طرح عاجلانہ صحت یابی کی توقع کے متعلق حسب معمولی غلط بیانیاں کی گئیں اور یہ دریافت کرنے کی کسی نے زحمت نہ اٹھائی کہ کثیر المقدار برآمد اور کثیر المقدار رقم مالگزاری کی ادائی کے بعد رعایا کے پاس قوت بسری کے لئے بھی کچھ رہا تھا۔

اس کے بعد ہی مکافات عمل شروع ہوئی۔ سالہائے مابعد میں فصل کی پیداوار مسلسل کم ہوتی گئی۔ بمبئی اور ممالک متوسط دونوں اجناس خوردنی سے خالی پڑے تھے اور مسلسل تین سال تک ایسا قحط پڑا کہ اس کی مثال موجودہ زمانے کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

حکمرانوں میں اعتدال پسندی نہونے کی وجہ سے جو بات کاشتکاروں کو ان حکمرانوں سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی خود قدرت نے ان کے لئے اس کا ساز و سامان کر دیا۔ بمبئی میں اور اس سے بڑھ کر ممالک متوسط میں آبادی بہت کچھ گھٹ گئی۔ میلوں کاشت کی اراضی افتادہ اور بنجر پڑی ہوئی تھی۔ جہاں پہلے جھونپڑیاں تھیں یا گیہوں اور دھان کے کھیت لہلہاتے تھے وہاں اب جنگل کھڑے تھے۔ سرکار کا مطالبۂ مالگزاری اب ناقابل وصول بن گیا تھا۔ اس کے بعد دبی زبان سے غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت نے مطالبۂ مالگزاری پر نظر ثانی کی۔ بمبئی اور ممالک متوسط ان دونوں صوبوں کے سب اضلاع میں یکے بعد دیگرے اس مطالبے میں تخفیف کر دی۔ چنانچہ سال مابعد کی مالگزاری کی رقم ایک کروڑ اسّی لاکھ پونڈ بھی نہوئی۔ اس کے بعد سے اجناس خوردنی کی برآمد کبھی ایک کروڑ اسّی لاکھ پونڈ تک نہیں پہنچی۔

لیکن یہ صورت حال بالکل عارضی ہے۔ خوشحالی کے آثار نمودار ہوتے ہی مطالبۂ مالگزاری میں پھر سے حتی المقدور اضافہ کر دینے کے لئے عہدہ داران بندوبست کے کوئی امر مانع نہیں۔ رعایا کو یہ یقین دلانے کی کہ کھیتوں کی پیداوار میں حق سرکار فلاں حد تک محدود ہوگا کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ ایک ایسا نظام سے جس میں زرعی آبادی کے انتہائی مقدور تک ہر وقت مطالبہ کیا جائے قوم کی اخلاقی حالت بگڑ جاتی ہے اور دوامی اصلاح حال ناممکن ہو جاتی ہے۔ رعیت یہی چاہتی ہے

کہ کوئی ایسا قاعدہ مقرر کر دیا جائے جس کی رو سے مختص و معینہ وجوہ ہی پر مالگزاری میں اضافہ کیا جائے ورنہ نہیں۔ مارکوئیس رپن نے رعایا کے مفاد میں ایک قاعدہ مقرر کیا تھا لیکن ان کے ہندوستان سے جانے کے دوسرے مہینے ہی میں اس قاعدہ کو موقوف کر دیا گیا۔ لارڈ کرزن نے تو ایسا قاعدہ مقرر کرنے ہی سے صاف انکار کر دیا تھا جیسا پچھلے باب میں قارئین نے خود ملاحظہ فرمایا ہوگا۔

واقعات مذکورۂ صدر کے ملاحظہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تجارت خارجہ کی مقدار کے لحاظ سے اہل ہند کی حالت کا اندازہ کرنا کس قدر نادانی ہے۔ انگریز اپنے ملک میں اس معیار کو بالکل درست پاتے ہیں اور بمقتضائے فطرت وہ اسکو ہندوستان کی حد تک بھی صحیح سمجھتے ہیں یہی ان کی غلطی ہے۔ انگریزوں کی قوت بسری زیادہ تر تجارت اور صنعت ہی پر ہے۔ مصنوعات کو بیچکر وہ پردیسی منڈیوں سے اپنے اشیائے خوردنی خریدتے ہیں۔ بحری تجارت اور تجارت خارجہ سے جو منافع ان کو ملتا ہے اس سے ان کی دولت میں اور اضافہ ہوتا ہے اس لئے مال تجارت کی مقدار صحیح طور پر ان کی قومی آمدنی کا مقیاس ہے۔

لیکن ہندوستان کے حالات اس سے بالکل مختلف ہیں۔ پردیسی تجار پردیسی اصل سے ہندوستان کی بیرونی تجارت چلاتے ہیں۔ اس تجارت کا منافع ہندوستان میں نہیں رہتا بلکہ یوروپ بھیجدیا جاتا ہے۔ تجارت خارجہ میں کسوبہ منافع اہل ہند کا مکسوبہ نہیں ہوتا۔ مال تجارت کی مقدار سے ان کو قومی آمدنی کچھ نہیں معلوم ہوتی۔ سنہ ۸۲-۱۸۸۱ء میں یعنے لارڈ رپن کی حکمرانی کے امن اور خوشحالی کے زمانے میں ہندوستان کی جملہ درآمد و برآمد آٹھ کروڑ تیس لاکھ پونڈ تھی۔ سنہ ۱۹۰۱-۱۹۰۰ء میں جب قحط پر قحط اور آفت پر آفت نازل ہو رہی تھی جملہ درآمد و برآمد بارہ کروڑ بیس[2] لاکھ پونڈ ہوئی تھی۔ کون ایسا ہے جو ہندوستان سے واقف ہے یا ہندوستان کے متعلق کچھ نہ کچھ خبر رکھتا ہے۔ اور یہ کہہ سکتا ہے کہ سنہ ۸۲-۱۸۸۱ء کے مقابل سنہ ۱۹۰۱-۱۹۰۰ء میں اہل ہند بحیثیت مجموعی زیادہ کماتے تھے یا بہتر کھاتے تھے یا زیادہ خوشحال تھے؟

ایسی تجارت پردیسی تجار پردیسی اصل ہی سے کیوں نہ کریں اس سے ملک کو ضرور فائدہ ہوتا ہے بمثلاً ملک میں وہ اشیاء کم داموں ملتی ہیں جو ملک میں پیدا نہیں ہو سکتیں

اور ملکی پیداوار کی جو قیمت ملک ہی میں مل سکتی ہے اس سے کہیں زیادہ اس تجارت کی وجہ سے گھٹتی ہے۔ ان دونوں اشکال میں تجارت خارجہ فائدہ بخش ہے خواہ ایسی تجارت کا منافع بیرون ملک ہی کیوں نہ چلا جائے لیکن ہندوستان میں یہ فائدہ بھی محدود ہے کیوں کہ ہندوستان کی یہ تجارت فطری نہیں بلکہ جبریہ ہے۔ سوتی مصنوعات پر جو محصول چنگی لگا دیا گیا ہے اس سے ان اشیاء کی جو ملک میں بآسانی پیدا ہو سکتی ہیں مقدار کم ہو جاتی ہے اور ہندوستان کے نظام مالگزاری نیز مطالبات وطن کی وجہ سے مجبوری ان اشیائے خوردنی کو جن کی خود اہل ملک کو سخت ضرورت ہے غیر ممالک ارسال کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ہندوستان کی حرفت پر قیود لگانے سے ہندوستان میں سوتی مصنوعات کا ایک کثیر مقدار میں درآمد کرنا بالکل ناگزیر ہو جاتا ہے اور سنگین مالگزاری کے ساتھ ساتھ سنگین خراج کی ادائی کے لئے بھی مجبوری کثیر المقدار اجناس بیرون ممالک بھیجنا پڑتا ہے

نواں باب

تاریخ نرخنامۂ محصول

کسی پچھلے باب میں ہم نے ۱۸۶۰ء تک (جب کہ لارڈ ڈلہوزی نے ایک ایسے سال جس میں جنگ اور قحط کے ساتھ ساتھ محاصل میں بھی کسرات ہوئی تھی ہندوستانی محاصل کے ایک اہم ذریعہ کو قربان کر دیا تھا) نرخنامۂ محصول کی تاریخ بیان کر دی ہے۔ لارڈ ڈلہوزی کے جانشین مارکوئیس رپن نے جنگ افغان ختم کر دی تھی۔ امن قائم کر دیا تھا اور محاصل میں بھی فاضلات پیدا کر دی تھی۔ رپن کے وزیر مال سر ایولین بیرنگ نے جناب لارڈ کرومر سے مخاطب ہے نمک اور شراب کے محصولات کے باستثناء باقی سب محصولات درآمد مارچ ۱۸۸۲ء میں موقوف کر دئے تھے۔

اس امن اور خوشحالی کے سال محصول درآمد کو موقوف کرنا ایک حد تک جائز و درست تھا۔ بایں ہمہ اگر لارڈ رپن اور اسکے وزیر مال نے سب سے پہلے ان ابواب کو موقوف کر دیا ہوتا جو ۱۸۶۰ء سے مالگزاری کے علاوہ اراضی پر عائد کیے گئے تھے تو ان کا یہ فعل محصول درآمد کو موقوف کرنے سے بھی زیادہ اہل ہند کے منفعت میں ہوتا۔ لیکن ادا نہ خالیکہ رعایا کی اہم ترین حرفت یعنے زراعت پر بے اندازہ محصول تھا مقتضائے انصاف یہ تھا کہ ان محصولات کو درگیری کی جائے آمدنی سے دستبرداری کر لیجائے جن کسی طرح کی امید ہی نہ تھی۔

۱۸۸۲ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیان بہ استثناء ایک خفیف سے محصول کے جو پیٹرولیم پر ۱۸۸۸ء میں لگا دیا گیا تھا اور کوئی جدید محصول بارہ سال تک درآمد پر عائد نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن لارڈ رپن کے ہندوستان سے مراجعت کرنے کے بعد فوجی مصارف میں مسلسل جو اضافہ ہو گیا تھا اور لارڈ ڈفرن نے خود فوج کی تعداد میں اضافہ کرنے کی جو منظوری صادر کی تھی اور لارڈ لینڈز ڈاؤن کی حکومت نے سرحد کے اس پار جو زیادہ کار فوجی نقل و حرکت شروع کر دی تھی غرض ان سب وجوہ سے ہندوستان کا مالیاتی توازن سنبھالے نہ رہا تھا اور اس پر روپے کی قدر گھٹ جانے کے باعث مطالبات وطن کی تکمیل کے لئے جو طلائی پونڈ کی شکل میں کی جاتی تھی انگلستان رقم ارسال کرنے میں اور مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ یہ بھی قابل توجہ ہے کہ ۱۸۸۴ء سے ۱۸۹۴ء تک ہندوستان کے مصارف میں جو اضافہ ہوا تھا وہ بہت کم ملکی نظم و نسق کی اصلاح کے باعث ہوا تھا اور زیادہ تر مسرفانہ فوجی خرچ اور افلاس پرور مطالبات وطن کی بنا پر تھا۔ ۱۸۹۴ء میں حکومت ہند کو بیس لاکھ پونڈ سے زیادہ محاصل کی کمی برداشت کرنی پڑی تھی۔

ایک مجلس لارڈ ہرشل کی زیر صدارت یہ دریافت کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی کہ ہندوستان میں مزید محصولات لگانے کا امکان ہے یا نہیں۔ تحقیقات کے بعد یہ مجلس اس نتیجے پر پہنچی کہ "نو فیر محاصل کے مجوزہ سب طریقوں میں شہادت پیش کردہ کے لحاظ سے محصول درآمد کے دوبارہ عائد کرنے کی ہندوستان میں سب سے کم مخالفت کی جائے گی بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ محصول وہاں مقبول ہوگا۔" لیکن اس مجلس نے یہ کہنے سے بھی کوتاہی نہ کی کہ سوتی مال پر ان محصولات کے لگانے کی انگلستان میں بہت سخت مخالفت ہو گی۔

سر ایولین کے محصولات درآمد کو موقوف کرنے کے بارہ سال بعد مارچ ۱۸۹۴ء میں ہندوستان میں سوتی مال کے سوا دوسری قسم کے مال کی درآمد پر یہ محصولات دوبارہ لگا دئے گئے۔ بہ استثنائے چند سب اشیاء پر ۵ فیصدی محصول بحساب قیمت لگا دیا گیا۔ لوہے اور فولاد پر ایک فیصدی اور پیٹرولیم پر فی گیلن ایک آنہ محصول لیا جاتا تھا۔ ریلوں کی اشیائے مایحتاج۔ حرفت اور زراعت کی مشینری۔ کوئلہ۔ خام اشیاء، اجناس۔ کتب وغیرہ محصول سے مستثنا تھے۔ مجلس وضع قوانین میں اس مسودۂ قانون کی تشدد و تمد کے ساتھ مخالفت کی گئی تھی بالخصوص اس لئے کہ سوتی

مال کو اس مسودے سے حذف کر دیا گیا تھا اور لارڈ ایلگن نے مارچ ۱۸۹۴ء میں جب یہ قانون نرخنامۂ محصول منظور کیا تو اس وقت اس نے کہا تھا کہ یہ قانون حرف آخر نہیں ہے۔

درحقیقت یہ ایک عارضی تجویز تھی کیوں کہ دسمبر ۱۸۹۴ء میں ایک اور قانون نرخنامۂ محصول نافذ کیا گیا جس میں سوتی کپڑوں پر بحساب قیمت ۵ فیصدی محصول لگایا گیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ حکومت ہند نے مینچسٹر کو خوش کرنے کے لیے ہندوستانی گرنیوں کے سوتی کپڑوں پر جو لنکیشیر کے سوتی کپڑوں سے مقابلہ کرتے تھے ۵ فیصدی محصول چنگی لگا دیا۔ عام طور پر لنکیشر کے جو پارچے ہندوستان میں درآمد کیے جاتے ہیں وہ مہین قسم کے ہوتے ہیں اور ہندوستان کی گرنیوں میں جو کپڑے بنتے ہیں وہ گاڑھے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے بین بین بھی لنکیشر اور ہندوستان دونوں جگہ سوتی کپڑے بنتے تھے اور ایسے "شمار" کے کپڑوں ہی پر ۵ فیصدی محصول چنگی لگا دیا گیا تھا کیونکہ ان کا باہمی مقابلہ ممکن تھا۔ ہندوستانی سوتی کپڑے پر جو "بیس[1] سے بڑھ کر تھا" یعنے جس کے ایک مختص طول کے بیس[2] گھٹوں سے زیادہ کا وزن ایک پونڈ (وزنی) ہوتا تھا محصول چنگی لگا دیا گیا تھا۔

لیکن برطانوی صانعین اس پر مطمئن نہ تھے۔ ۲۱ جنوری ۱۸۹۵ء میں اس پر دارالعوام میں مباحثہ ہوا اور وزیر ہند سر ہنری فولر نے ایک بڑی مطلب خیز بات کہی کہ وہ ملکۂ معظمہ کی حکومت اور حکومت ہند یہ دونوں ملکر اس معاملے میں اس خیال سے غور و خوض کریں گی کہ تامینی ناانصافی سے احتراز کرنے کا جو ارادہ ظاہر کیا گیا ہے اس کی بلا کمی و کاست تکمیل کی جائے۔"

اس کے چھ دن بعد اسکاٹش صانعین اور رنگین سوتی کپڑے ہندوستان میں برآمد کرنے والے تاجروں کا ایک وفد وزیر ہند کی خدمت میں پہنچا اور اس وفد نے دو امور کی طرف بطور خاص توجہ منعطف کی۔

(۱) یہ کہ جب وہ کم "شمار" کا سوتی کپڑا برما بھیجتے ہیں تو اس پر ۵ فیصدی محصول ادا کرنا ہوتا ہے حالانکہ نشان (۲۰) اور اس سے کم "شمار" کا سوتی کپڑا بمبئی اور کلکتے سے برما بھیجا جاتا ہے تو اس پر کوئی محصول ادا نہیں کیا جاتا۔

(۲) یہ کہ صرف ہندوستانی کورے پارچے پرہ فیصدی محصول جنگی وصول کیا جاتا ہے لیکن برطانوی سفید و رنگین اور چھاپے کے مال پرہ فیصدی محصول کروڑ گیری لیا جاتا ہے۔ اس طرح ہندوستانی سفید و رنگین اور چھاپے کا مال مقابلتاً زیادہ مالی فائدے میں رہتا ہے۔

۲۷ مارچ ۱۸۹۵ء میں لنکیشر کے صانعین اور سوتی مال برآمد کرنے والے تجار کا ایک اور وفد سر ہنری فولر کی خدمت میں پہنچا اس وفد کو اپنے بیانات اور استدلال لکھکر پیش کرنے کے لئے کہا گیا جن کو اس نے لکھکر پیش کیا لیکن جون ۱۸۹۵ء میں جدت پسند حکومت کو زوال ہوا۔ اس کے بعد قدامت پسند حکومت پر آئے اور لارڈ جورج ہملٹن وزیر ہند مقرر ہوا۔

قدامت پسند جماعت متعدد عہد و پیمان اور بیم و عادوں کی بناء پر لنکیشر کے باشندوں کی طرفدار تھی۔ اسی لئے جدت پسند حکومت سے بڑھکر انھوں نے لنکیشر کے ساتھ مراعات روا رکھیں۔ ستمبر ۱۸۹۵ء میں لارڈ جورج ہملٹن نے حکومت ہند کو ایک مراسلہ لکھا جس سے ذیل کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

لنکیشر کے وفد نے اس پر زور دیا تھا کہ ہندوستانی اور برطانوی صانعین کے حق میں انصاف کرنے کی خاطر "۲۰ ایس" یا کسی اور شمار" کے مصنوعی خط فصل کے لحاظ سے کام کرنا بالکل ناممکن ہے۔"

"ہندوستان اور ممالک متحدہ برطانیہ دونوں کے لئے یہی بہتر ہوگا کہ ہندوستان کی بندرگاہوں پر کوئی محصول کروڑ گیری نہ وصول کیا جائے جیسا عملدرآمد ۱۸۹۴ء سے ۱۸۸۲ء تک کیا گیا تھا۔ لیکن اگر ہندوستان کی مالیاتی حالت ایسی ہے کہ حکومت محصول درآمد قائم رکھنے پر مجبور ہے تو ضرورت اسکی ہے کہ ان محصولات کی ایسی شکل بنادی جائے جس سے کسی طرح کی عہد شکنی نہ ہو اور آیندہ مسلسل حملوں اور شکایتوں کا موقع نہ ملے۔"

بتدریج گریقیناً حکام نے ہندوستان کے بنے ہوئے پارچہ جات پر محصول جنگی لگانے کی مہلک حکمت عملی اختیار کرلی۔ "۲۰ ایس کے شمار" کی حد فصل پر بیر سوتی کپڑوں پر محصول کی قید اٹھادی جانے والی تھی۔ تمام مال پر حتی الامکان ہندوستانی کارخانے کے کپڑوں پر بھی جن کے ساتھ لنکیشر مقابلہ ہی نہیں کرتا تھا محصول جنگی عائد ہونے والا تھا۔

۱۱ جنوری ۱۸۹۶ء میں لارڈ الگن نے وزیر ہند سے بذریعۂ تار برقی یہ دریافت کیا کہ کیا وہ اس جدید تجویز کو جس کی رو سے تمام بنے ہوئے مال پر $3\frac{1}{2}$ محصول لگا دیا جائے اور سوت کو اس سے مستثناء کر دیا جائے پسند کرتا ہے۔ لارڈ جورج ہملٹن نے اس کے دوسرے ہی روز اس تجویز پر بذریعۂ تار اظہار پسندیدگی کیا۔ اس کے بعد ہی گورنر جنرل کی کونسل میں ایک "مسودۂ قانون ترمیم نرخنامۂ محصول ہند" اور دوسرا "مسودۂ قانون محصول پنبہ" پیش کر دیا گیا۔

قانون نرخنامۂ محصول کی جو ایک سال پہلے نافذ ہوا تھا نظر ثانی کرنے اور ہندوستان کے ایسے گاڑھے کپڑوں پر جن کے ساتھ کوئی یوروپی مال مقابلہ نہیں کرتا تھا نا انصافی سے محصول چنگی لگانے کی اس طرح جو ٹھان لی گئی تھی اس پر گورنر جنرل کی کونسل کے سرکاری اور غیر سرکاری۔ ہندوستانی اور یوروپی ارکان نے کمیشن میں آکر سخت اعتراضات کیے۔ ۳ فروری کو مباحثہ ہوا جس کو قلمبند کرنے کے لئے چھتیس (۳۶) صفحے درکار ہوئے اس کتاب میں اس مباحثے کے صرف چند اقتباسات پیش کرنے کی گنجائش ہے۔

کلکتے کی یورپی تاجروں کی جماعت کی طرف سے مسٹر پلے فیر نے کہا تھا کہ

"معزز ارکان کے ان خیالات کی تردید میں کہ ہندوستان کی گزیوں کے بنے ہوئے گاڑھے کپڑوں کے ساتھ لنکیشر کی گزیوں کا مقابلہ نہیں ہے اب تک تو کچھ پیش ہی نہیں ہوا۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں مزید شہادت قلمبند کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس مال کے ساتھ جو "۲۰ ایس" سے کم شمار کے سوت سے بنا ہوا ہو درحقیقت کوئی مقابلہ ہے ہی نہیں"

"اور ان تمام باتوں کے باوجود یہ ہندوستانی تجارت آخر ایسی کیا ہے جس پر بدنصیبی سے اسقدر تکرار و حجت ہو رہی ہے؟ اعداد و شمار کے بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بھاپ سے چلنے والے تکلے اور کارگاہیں ساری دنیا کے تکلوں اور کارگاہوں کا علی الترتیب صرف $\frac{1}{25}$ اور $\frac{1}{90}$ حصہ ہیں۔ برطانیۂ عظمیٰ کے ساز و سامان کے لحاظ سے کہ ساری دنیا کے تکلوں اور کارگاہوں کا علی الترتیب

نصف اور ایک ثلث وہاں موجود ہے ہندوستان تو برطانیہ عظمیٰ میں جتنے نکلے ہیں ان کا صرف $\frac{1}{12}$ حصہ اور جتنے کارگاریں ہیں ان کا صرف $\frac{1}{11}$ حصہ رکھتا ہے۔ کیا ہندوستان کو ایک ایسا ننھا منا سا کھلونا رکھنے کی بھی اجازت نہیں! جناب والا جبکہ لینکیشر کی تجارت کی موجودہ سرد بازاری سے ہر طرح کی ہمدردی اور انگلستان و ہندوستان کی فلاح و بہبود سے ہر طرح کی دلچسپی ہے اور جائز طور پر جتنی مدد ان کی ہوسکتی ہے وہ بیشک ہونی چاہئے۔ لیکن محض اس لئے کہ لینکیشر کے بانی کار اپنے معاملات کی صورت حال دیکھکر خوف و غیر مطمئن سے ہو گئے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ وہ ناانصافی کے ساتھ ہندوستان کی ایک جداگانہ حرفت پر حملے کرنے لگیں۔ ان مسودات قانون کی تجاویز کے یہ معنی ہیں کہ مینچسٹر کے ساختہ مال پر ساڑھے اکاون لاکھ (۲۷ فی صدی) تک محصول معاف کر دیا جائے اور ہندوستان کے ساختہ مال پر گیارہ لاکھ (۲۰۰ فیصدی) تک محصول میں اضافہ کر دیا جائے۔"

ہندوستانی صاحبین کی طرف سے راؤ صاحب بلونت راؤ نے کہا کہ

"مسٹر مل سا مستند شخص نو ساختہ اور ہونہار حرفتوں کے لئے عارضی تامین کی تائید کرتا ہے .... لیکن آزاد تجارت کے نقطۂ نظر سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ان محصولات سے جو اب تک عائد کئے گئے ہیں ہندوستان کو کسی طرح کی تامین حاصل ہوئی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ہندوستان کا ساختہ "۳۰ ایس" اور "۴۰ ایس" کا مال تجارت ہی ایسا ہے جو مینچسٹر کے مال سے براہ راست مقابلہ کرتا ہے۔"

"اگر "۲۰ ایس" یا اس سے کمتر شمار کی ہندوستانی مصنوعات پر محصول چنگی لگا دیا جائے تو اس سے کسی پردیسی بیوپاری کو کچھ فائدہ نہ ہوگا .... ساتھ ہی ساتھ لکھو کھا آدمی زیادہ قیمت پر اس گاڑھے کپڑے کو خریدنے پر مجبور ہوں گے جس سے یقیناً ان کے افلاس میں اور اضافہ ہوگا۔ ان لوگوں کو جو کہ بیں اس محصول کے ادا کرنے کا مقدور ہے جس قدر آرام و راحت اس کپڑے سے ملے گی اسی تناسب سے ان کے نئے محصول میں تخفیف ہو جائے گی اور پھر جو کسر رہ جائے گی اسکی تکمیل سب سے زیادہ غرباء ہی کو کرنی ہوگی۔"

مدراس کے نمایندہ مسٹر آنند چارلو نے بھی بتایا تھا کہ گاڑھے کپڑوں کی حد تک کوئی مقابلہ نہیں ہے اور ہندوستان میں گاڑھے کپڑوں پر محصول چنگی لگانے کے یہ معنی ہیں کہ لینکاشائر کے ساتھ جو عہد و پیمان کئے گئے تھے ان سے برعکس کرنا مقصود ہے اس نے یہ بھی کہا تھا کہ

"ذمہ دار وزراء کی خدمت میں جن میں ہر کام کے کرنے کی قوت ہے مگر اول ارادہ شرط ہے میری التماس یہی ہے کہ وہ ہماری اغراض کو بیدردی کے ساتھ مخاطرہ میں پڑنے سے بچائیں۔ ان کی خدمت میں اتنا اور عرض کروں گا کہ نادانستہ طور پر ہی ہی لیکن وہ وزیر ہند کے عہد و پیمان سے متجاوز ہو رہے ہیں کیونکہ وزیر ہند نے تو صرف ناانصافی اور تامین کے خلاف امداد کا وعدہ کیا تھا۔"

بنگالے کی طرف سے مسٹر اسٹیونس نے جو بعد کو "سر" سے مخاطب ہوا کہا تھا کہ

"بہر حال یہ اعتراف کرنا ناگزیر ہے کہ مجموعی حیثیت سے عوام نے اس تجویز کی تائید نہیں کی۔ اسکے دو وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ بعض حلقوں میں یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ اس تجویز کی بنیاد انگلستان کی فرقہ واری سیاسیات کی ضروریات ہیں نہ کہ ہندوستان کی احتیاج۔ دوسرے یہ کہ اس تجویز سے خدشہ یہ ہے کہ تجارت میں ایسا خلل پڑ جائے گا جو حرفت کے اہم شعبہ جات اور ملک کے غریب صارفین کے حق میں مضر ہوگا۔"

ان تمام اعتراضات سے کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ہندوستان کی مجالس وضع قوانین کو خود مختاری حاصل نہیں ہے۔ یہ مسودات قانون لارڈ ایلگن کے وزیر سر جیمس ویسٹلنڈ کے تفویض تھے اور ان کو نافذ کرانے میں اس کو کچھ مشکل نہ ہوئی۔

قانون محصولات پنبہ بابتہ ۱۸۹۶ء کی دفعہ (۶) کی عبارت حسب ذیل ہے۔

"برطانوی ہند کی گرنی میں ایسی گرنی کے ساختہ ہر سوتی مال پر اور ایسے مال کی قیمت کے لحاظ سے ۳½ فیصدی شرح پر محصول لگایا اور وصول کیا جائے گا۔"

قارئین نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ یہ قانون ہندوستان کے ان سب قوانین سے جو اس سے قبل وضع کیے گئے تھے بالکل جدا ہے۔ ۱۸۸۲ء میں محصولات نیبہ" سے دست برداری قبول کر لی گئی تھی۔ ۱۸۸۲ء میں بہ استثنائے نمک و شراب جملہ درآمدی محصولات موقوف کر دیے گئے تھے۔ ۱۸۹۴ء میں محصولات درآمد دوبارہ عائد کیے گئے تھے اور محصول جنگی ہندوستان کے ایسے تجارتی مال پر لگا دیا گیا تھا جو لنکیشر کے مال سے مقابلہ کرتا تھا لیکن ۱۸۹۶ء کی صورت حال دور رس اور زیادہ گہرے معنی رکھتی تھی۔ اس دفعہ ہندوستان کے ساختہ سوتی مال پر بلا استثنا محصول لگا دیا گیا تھا۔ ہندوستان کے ان گاڑھے کپڑوں پر بھی محصول لگا دیا گیا تھا جن کے ساتھ مانچسٹر نے نہ کبھی مقابلہ کیا تھا اور نہ کبھی کر سکتا تھا۔ ہندوستان کی گزیوں پر جو کسی یورپی کرنی کا مقابلہ ہی نہیں کرتے تھے مزید بار ڈال دیا گیا تھا۔ ہندوستان میں غرباء کے ملبوسات کی قیمت میں اضافہ ہو گیا تھا اور یہ عذر بھی نہ تھا کہ اس سے لنکیشر کے غربا کا بوجھ ہلکا ہوتا تھا۔

مالی ناانصافی کے لحاظ سے ۱۸۹۶ء کا یہ ہندوستانی قانون ایسا ہے کہ موجودہ زمانے میں کسی متمدن ملک میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اکثر متمدن حکومتیں اپنی ملکی حرفت کی تامین کے لیے پردیسی اشیاء پر امتناعی محصولات لگا دیتی ہیں۔ آزادی تجارت کی دلدادہ حکومت بھی جیسا کبھی محاصل کی خاطر اشیاء کی درآمد پر مبنی بر اعتدال محصول لگاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی ملکی صنعت پر محصول نہیں لگا دیتی۔ ہندوستان میں جہاں نوساختہ حرفت کو خود جان اسٹوارٹ مل کے قول کے موافق تامین کی ضرورت تھی وہاں اس کی تامین نہیں کی گئی محض محاصل کی خاطر مبنی بر اعتدال جو محصولات کروڑگیری لگائے گئے تھے ان کو ۱۸۷۹ء اور ۱۸۸۲ء میں قربان کر دیا گیا۔ ملک کی ساختہ سوتی اشیاء پر جن کا درآمد کردہ اشیاء سے مقابلہ کرنا محض ایک مفروضہ تھا ۱۸۹۴ء میں محصول جنگی لگا دیا گیا اور ان ملکی اشیاء پر بھی جن کا پردیسی اشیاء سے کوئی مقابلہ نہ تھا ۱۸۹۶ء میں محصول جنگی لگا دیا گیا۔ ایک ایسی قوم کے (جس کا کوئی نمایندہ نہیں ہے) حقوق و اغراض پامال کرنے کا یہی طریقہ تو ہوتا ہے۔

اس غیر منصفانہ قانون اور زر کے متعلقہ قوانین اور حالیہ قحط غرض ان سب کے اجتماعی نتیجے سے بڑی آفت بپا تھی۔ اسی صدی کے اواخر میں حرفت کی ترقی

کس درجہ مسدود ہو گئی تھی وہ ذیل کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے۔

سنہ	گرنیوں کی تعداد	کارگاہیں	تکلے	سوت ملین پونڈ (وزنی)	کپڑوں کے تھان ملین گز
۱۸۹۸-۹۹	۱۷۵	۳۷۲۸۸	۴۴۵۵۰۲۸	۵۱۲	۱۰۱
۱۸۹۹-۱۹۰۰	۱۸۶	۳۸۵۲۰	۴۷۲۹۵۷۰	۵۱۳	۹۸
۱۹۰۰-۱۹۰۱	۱۹۰	۴۰۵۴۲	۴۹۳۲۶۰۲	۳۵۳	۹۸

ہر طرح کی مزاحمت کے باوجود ہندوستان میں گرنیاں بڑی جد و جہد کے ساتھ قائم ہو رہی تھیں لیکن پھر بھی افسوس یہ تھا کہ سوت اور کپڑوں کی صنعت روبہ انحطاط تھی۔

انگلستان میں فی زمانہ (سنہ ۱۹۰۳ء میں) آئین۔ انتقام اور آزاد تجارت کے حامیوں میں خوب مالی مناظرہ ہو رہا ہے اور سب کا مطمح نظر برطانیۂ عظمیٰ کی فلاح و بہبود ہی ہے۔ آئین کے حامی آئین ہی کو رفاہ عام کا منبع قرار دیتے ہیں۔ انتقام کے حامی دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ رعایا کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پردیسیوں کے سروں سے شکنجہ اور پستول لگا دی جائیں۔ آزاد تجارت کے حامی آزادی تجارت پر اس لئے مصر ہیں کہ ان کی نظروں میں صرف اسی سے برطانیۂ عظمیٰ کی ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی آبادی نان گراں کھانے سے یا افلاس میں گرفتار ہونے اور بھوکوں مرنے سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ یہ سب فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ مالی قوانین وضع کرنے کا آخری منشا و مقصد رعایا کی فلاح و بہبود ہی ہے اور ان کو اختلاف ہے تو صرف اس میں کہ اس کے حصول کا بہترین طریقہ کونسا ہے۔ کیا انگریز یا تداری کے ساتھ ہندوستان کی حد تک بھی یہی منشا و مقصد پیش نظر رکھیں گے؟ کیا ہندوستانی صانعین کے حق میں انصاف و رہندوستانی حرفت و صنعت اور ہندوستانی قوم کے مفاد میں قوانین وضع کرنے کی ان میں ہمت ہوگی؟

دسواں باب

ریلیں اور آبپاشی

سنہ ۱۸۷۳ء میں ایک سرکاری مورخ نے لکھا تھا کہ "ریلوں کی تعمیر اب قریب قریب تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ بنا برآں تعمیر کے مصارف عظیم موقوف ہو جانے کے بعد مالی حالت بہتر ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے"۔

سنہ ۱۸۷۸ء میں لارڈ جورج ہملٹن کے زیر صدارت ایک مجلس منتخبہ نے قلمبند کیا تھا کہ "سر آرتھر کاٹن کی تجویز یہ ہے کہ ریلوں کے تقریباً سب منصوبوں اور تعمیری کاموں کو سرسری طور پر ایک مدت غیر معینہ کے لئے ملتوی کر دینا چاہئے مگر آیندہ دس یا بیس سال تک ذرائع آبپاشی پر سالانہ ایک کروڑ پونڈ صرف کرنے پر وہ بالکل آمادہ ہے"۔

سنہ ۱۸۸۰ء کے ماموریہ قحط نے تحریر کیا تھا کہ "امساک باراں سے جو قحط پڑتے ہیں اس سے ہندوستان کو براہ راست محفوظ رکھنے کی جو تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں انمیں ذرائع آبپاشی کو بیشک سب پر برتری دینی چاہیئے"۔

لیکن ان توقعات اور تحریکات کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ ریلوں کی تعمیر پر کثیر مصارف ہنوز جاری تھے۔ ان کے جدید منصوبوں اور تعمیری کاموں کو رد کا نہیں گیا تھا۔ قحط کی انسدادی تدابیر میں ذرائع آبپاشی کو سب پر برتری نہیں دی گئی تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کے نظم ونسق پر اہل ہند کی رائے عامہ کی نسبت انگلستان کی رائے عامہ کا بہت بڑا اثر تھا۔ انگریز ریلوں سے خوب واقف تھے لیکن ہندوستان کے لئے آبپاشی کی اہمیت کیا ہے اس کو وہ بالکل نہیں سمجھ سکتے تھے ریلوں کی توسیع سے برطانوی صناعین ہندوستان کی دور و دراز منڈیوں میں برطانوی مصنوعات کے لئے نکاس نکالنے کے خواہاں رہتے تھے۔ نئے نئے ذرائع آمد ورفت سے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے میں برطانوی تجار نئی نئی سہولتیں پیدا کرنے کے خواستگار ہوتے تھے۔ برطانیہ کی تجارتی کوٹھیاں پارلیمنٹ کے توسط سے اور براہ راست دفتر وزیر ہند کے ساتھ مراسلت کرکے ہندوستان کے نظم ونسق پر اپنا اثر ڈالتی تھیں ارکان پارلیمنٹ دارالعوام میں اکثر وبیشتر سوالات کرتے ہوئے جدید ریلوں کی تعمیر پر زور دیتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے لیے آبپاشی کی کیا خاص اہمیت ہے اسکو تو انگلستان میں کوئی سمجھتا ہی نہ تھا اس لئے آبپاشی کی کسی کو پرواہی نہ تھی۔ ۱۸۷۳ء کی سرکاری رپورٹ میں جدید ریلوں کی تعمیر پر کثیر مصارف کو موقوف کردینے کا جو ارادہ ظاہر کیا گیا تھا اس کو بہت جلد بھولا دیا گیا۔ سر آرتھر کاٹن کا یہ کہکر کہ وہ ایک مغلوب الجذبہ ومخبوط الحواس آدمی ہے مضحکہ اڑایا جاتا تھا۔ ماہرین قحط کی رپورٹ سرکاری دفاتر کے طاق نسیان پر رکھدی گئی تھی ہندوستان کی فوری ضروریات سے زیادہ اور یقیناً اس کے مقدور سے بڑھکر جدید ریلوں کی تعمیر کا کام زور وشور کے ساتھ جاری تھا۔

ایک ایسے ملک میں جہاں سب لوگ افلاس زدہ تھے اور ریلیں نفع بخش نہ تھیں جدید لائینوں کی تعمیر میں مشکلات حائل تھیں۔ محاصل ہند سے غیر سرکاری کمپنیوں کے منافع کی کفالت کرنے کی حکمت عملی سے ایک طرف تو بڑا ہی اسراف ہوتا تھا اور دوسری طرف کمپنیوں کو مسافروں کے آرام کی کچھ پرواہ نہیں تھی۔ مجالس عالیہ کے سامنے ۱۸۵۸ء اور ۱۸۷۲ء میں پھر ۱۸۷۸ء اور ۱۸۸۴ء میں مذکورالصدر خرابیوں کا پورا انکشاف ہوگیا تھا اس لئے اس وقت یہ تہیہ کرلیا گیا تھا کہ آیندہ ریلوں کی تعمیر قرض لیکر خود سرکار کرے گی۔ چند سال تک اسی حکمت عملی پر عمل کیا گیا لیکن ۱۸۷۸ء کے قحط اور ۱۸۷۹ء کی جنگ افغان سے ہندوستان کی مالیات درہم وبرہم ہوگئی تھی اس لئے سرکاری اراضی

کی تعمیر موقوف کردی گئی۔

اس کے بعد جدید لائینوں کی تعمیر کے لئے غیر سرکاری کمپنیوں کو ترغیب دینے کی کوششیں کی گئیں لیکن ان میں ناکامی ہوئی اور حکومت ہند نے کفالت کے ضرررساں نظام کو دوبارہ اختیار کر لیا۔ اس کے بعد اس حکمت عملی کو ترک کر کے سرکار نے ریلوں کی تعمیر کا کام پھر شروع کر دیا لیکن روپیہ کی تند رکسٹ جانے سے حکومت کے لئے اپنی ذمہ داری زر بھی کم کر دینا ناگزیر بن گیا اسی لئے ریلوں کی تعمیر بند کر دی گئی۔

پھر ایک بار حکومت نے غیر سرکاری کمپنیوں سے استدعا کی اور ۱۸۹۳ء میں ایک قرارداد منظور کیا جس میں وہ سب شرائط درج تھے جن کے موافق ان کمپنیوں کو مراعات دینے پر سرکار تیار تھی۔ اس پھر بھی ناکامی ہوئی کیونکہ اصلا اس طرف متوجہ نہیں ہو رہے تھے۔ ۱۸۹۶ء میں جدید شرائط پیش کئے گئے۔ ان جدید شرائط پر چند لائینوں کی تعمیر ہوئی لیکن یہ کسی کام میں نہ آئیں۔ محاصل ہند سے صاف طور پر منافع کی کفالت لئے بغیر حکومت کے لئے کسی ریلوے کے منصوبے پر عمل کرنا سخت مشکل ہے اور عام پر تمام جدید ریلوں کی تعمیر کے لئے سرکار اس پر مجبور تھی کہ یا تو وہ اس طرح کی کفالت قبول کرے یا خود اصل نہیں سے پیدا کرے

کیا مذکورالصدر دو اشکال کے سوا کوئی تیسری شکل ہی نہیں ہے؟ جب کہ سب ریلوے کی صدر لائینوں کی تکمیل ہو چکی ہے کیا آئندہ ریلوں کی توسیع اب بلا کفالت کے غیر سرکاری لوگوں کی مرضی و ارادہ پر نہیں چھوڑ دیجا سکتی؟ اہل ہند یہ نہیں چاہتے کہ ان کے ادا کردہ محصولات کی رقم سے اور ریلیں تعمیر کی جائیں ۱۸۹۰ء کے ماموریہ قحط کی بھی رائے یہی ہے کہ قحط سے محفوظ رہنے کی غرض سے اب اور ریلوں کی تعمیر کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان کے بجائے ذرائع آبپاشی کی توسیع نہایت ضروری ہے۔ ۱۹۰۱ء کے ماموریہ قحط نے بھی ریلوں کی توسیع کی سفارش نہیں کی البتہ گاڑیوں میں اضافہ کرنے کی تحریک کی تھی۔ ہندوستانی ریلوں کے متعلق تحقیقات کرنے کے لیے جو کمشنر خاص ہندوستان بھیجا گیا تھا وہ خود اس بات کا معترف تھا کہ "یوروپ کے سوا دیگر ممالک مثلاً بحر کیسپین کے اس پار روس یا سائبیریہ۔ مصر یا نٹیال۔ ٹرانسوال یا نوآبادی دریائے آرنج۔ نیوزیلینڈ یا وکٹوریہ۔ نیو ساؤتھ ویلز یا کوئینز لینڈ۔ وینیزولا

برزل یا ارجنٹائین جمہوریہ کے مقابل ہندوستان میں بہ لحاظ رقبے کے ریلیں زیادہ فاصلے تک ہیں۔ صرف جاپان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں بہ لحاظ رقبے کے ریلیں اس سے بھی زیادہ فاصلے تک ہیں مگر جاپان کا رقبہ بہت کم ہے۔ اور اس پر بھی جاپان میں آبادی کے لحاظ سے ریل کا ایک میل از روئے حساب ۱۲۷ ہ نفوس کے لئے ہوتا ہے برخلاف اس کے ہندوستان میں ۱۲۲۳۱ نفوس کے لئے ہوتا ہے۔ مذکورالصدر امور واقع ہمارے غور و تامل کے محتاج ہیں۔ ہم کیونکر یوروپی طریقے پر آرام و راحت کے ساتھ سفر کرنے کا لطف اٹھا سکتے ہیں جب کہ انگلستان کی آبادی کی مکسوبہ آمدنی فی کس سالانہ ۴۲ پونڈ ہوتی ہے اور اس کے مقابل ہندوستان کی صرف ۲ پونڈ ہے۔ ہم ریلوں کی توسیع کار اس وقت تک بھی انتظار کر سکتے ہیں جب کہ غیر سرکاری کمپنیاں ہمارے محصول سے کسی طرح کی کفالت کے بغیر جدید لائینوں کی تعمیر نفع بخش ثابت ہونے پر اس کام کے کرنے پر آمادہ ہوں گی۔ جدید لائینوں کی کفالت یا ان کی تعمیر کے لئے ہندوستان کے محاصل کا ایک جز مخصوص کر دینے پر ہم کو سخت اعتراض ہے۔ سرکاری یا ان ریلوں کی جن کے منافع کی سرکار کفیل ہے اگر اس طرح آیندہ توسیع کی جائے گی تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ دباؤ میں آکر سرکار نے اہل ہند کے مفاد کو بالکل برباد کر دیا

حالیہ زمانے میں ریلوں کی تعمیر میں کیسی جلد ترقی ہوئی تھی وہ ذیل کے نقشے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس نقشے میں ریلوں کی تعمیر کے آغاز سے ۱۸۹۶ء تک کے اعداد درج ہیں

ہندوستان کی ریلیں

سنہ	فاصلہ (میلوں میں)	سنہ	فاصلہ (میلوں میں)	سنہ	فاصلہ (میلوں میں)	سنہ	فاصلہ (میلوں میں)
سنہ ۱۸۵۳ء	۲۰	سنہ ۱۸۷۱ء	۵۰۷۷	سنہ ۱۸۸۵-۸۶ء	۱۲۳۷۵	سنہ ۱۸۹۳ء	۱۸۵۱۰
سنہ ۱۸۵۶ء	۲۷۳	سنہ ۱۸۷۳ء	۵۶۹۴	سنہ ۱۸۸۶-۸۷ء	۱۳۲۷۸	سنہ ۱۸۹۴ء	۱۸۹۰۶
سنہ ۱۸۵۷ء	۲۸۸	سنہ ۱۸۷۵ء	۶۵۱۸	سنہ ۱۸۸۷-۸۸ء	۱۴۳۷۶	سنہ ۱۸۹۵ء	۱۹۵۵۵
سنہ ۱۸۶۱ء	۱۵۸۸	سنہ ۱۸۷۷ء	۷۳۲۲	سنہ ۱۸۸۸-۸۹ء	۱۵۲۴۱	سنہ ۱۸۹۶ء	۲۰۲۶۲

سنہ ۱۸۶۲ء	۲۳۳۶	سنہ ۱۸۸۱ء	۹۸۹۱	سنہ ۱۸۸۹-۹۰ء	۱۶۰۹۶	سنہ ۱۸۹۶ء	۲۰۱۳۳
سنہ ۱۸۶۳ء	۲۵۵۰	سنہ ۱۸۸۲ء	۱۰۱۴۴	سنہ ۱۸۹۰-۹۱ء	۱۶۹۷۷	سنہ ۱۸۹۸ء	۲۲۰۴۸
سنہ ۱۸۶۵ء	۳۳۷۴	سنہ ۱۸۸۳-۸۴ء	۱۰۸۲۸	سنہ ۱۸۹۱-۹۲ء	۱۷۵۶۴	سنہ ۱۸۹۹ء	۲۳۵۱۸
سنہ ۱۸۷۰ء	۳۹۳۶	سنہ ۱۸۸۴-۸۵ء	۱۲۰۰۰	سنہ ۱۸۹۲ء	۱۷۸۹۴	سنہ ۱۹۰۰ء	۲۴۷۶۰

سنہ ۱۹۰۰ء میں ریلوں کا فاصلہ ۲۵۳۷۳ میل تھا۔ مذکورالصدر اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری مورخ کے یہ قلمبند کرنے کے بعد کہ "ریلوں کی تعمیر اب قریب قریب تکمیل کو پہنچ چکی ہے"، اٹھائیس (۲۸) سال کے اندر اندر لائنیں پانچ ہزار سے پچیس (۲۵) ہزار میل تک پھیل گئی تھیں۔

ان ریلوں کے جملہ مصارف تعمیر ذیل کے نقشے میں درج ہیں اور یہ اعداد "ہندوستان کی مادی اور اخلاقی حالت و ترقی کی دہ سالہ رپورٹ" سے اخذ کئے گئے ہیں۔

دسمبر سنہ ۱۸۹۱ء تک کا خرچ

	روپے
سرکار کی تعمیر کردہ سرکاری ریلوں پر	۱۳۳۵۴۶۰۷۴۰
کمپنیوں کی تعمیر کردہ سرکاری ریلوں پر	۲۸۱۱۳۷۶۳۰
ان ریلوں پر جن کے منافع کی سرکار کفیل ہے	۴۹۲۰۵۸۶۸۰
امدادی ریلوں پر	۵۶۰۷۰۳۶۰
دیسی ریاستوں کی ریلوں پر	۸۶۰۰۲۵۱۰
پرتگالی اور فرانسیسی ریلوں پر	۱۶۸۹۰۶۸۰
پیمائش ریلوے اور کوئلے کی کانوں وغیرہ پر	۹۰۷۷۰۵۰
میزان	۲۲۷۶۶۹۷۶۵۰

دسمبر ۱۹۰۱ء تک سال بہ سال مصارف اصل

سنہ ۱۸۹۲ء	۳۲۴۰۰۰۰	سنہ ۱۸۹۷ء	۷۳۰۷۰۰۰
سنہ ۱۸۹۳ء	۳۶۶۶۰۰۰	سنہ ۱۸۹۸ء	۶۹۹۳۰۰۰
سنہ ۱۸۹۴ء	۳۵۲۶۰۰۰	سنہ ۱۸۹۹ء	۸۹۲۶۰۰۰
سنہ ۱۸۹۵ء	۴۳۷۳۰۰۰	سنہ ۱۹۰۰ء	۷۱۰۶۰۰۰
سنہ ۱۸۹۶ء	۵۲۱۳۰۰۰	سنہ ۱۹۰۱ء	۶۷۷۳۰۰۰

سنہ ۱۹۰۱ء کے ختم تک مصارفِ اصل ۳۴۰۱۵۹۸۰۰۰ روپے بتائے گئے ہیں جو ۲۲۶۷۷۳۲۰۰ پونڈ کے مساوی ہیں۔

اتنا اور بیان کر دینا ضروری ہے کہ ان کمپنیوں سے جن کے منافع کی سرکار کفیل تھی لائین کے خرید لینے کا حق سرکار نے اپنے لیے محفوظ کر لیا تھا اور گزشتہ بیس سال کی مدت میں اس حق سے استفادہ کیا گیا تھا۔ اور بجا استفادہ کیا گیا تھا سنہ ۱۸۸۰ء میں اس طرح ایسٹ انڈیا ریلوے حاصل کی گئی سنہ ۱۸۸۴ء میں ایسٹرن بنگال ریلوے سنہ ۱۸۸۵-۸۶ء میں سندھ و پنجاب اور دہلی کمپنی کے ریلوے سنہ ۱۸۸۹ء میں اودھ روہیلکھنڈ ریلوے سنہ ۱۸۹۰ء میں ساؤتھ انڈین ریلوے اور سنہ ۱۹۰۰ء میں گریٹ انڈین پیننسولا ریلوے لے لی گئی۔ اس طرح ایک طرف قدیم ریلیں جن کے منافع کی سرکار کفیل تھی خرید لی جا رہی تھیں اور دوسری طرف نئی ریلوے کی تعمیر کے لئے منافع کی کفالت بھی قبول کی جا رہی تھی۔ آسام بنگال ریلوے کمپنی کے لئے جو سنہ ۱۸۹۲ء میں قائم ہوئی تھی آسام کے نخلستان چائے کے مفاد میں چٹیگانگ کی بندرگاہ تک لائین کی توسیع کرنے کی غرض سے ۳ فیصدی تک منافع کی کفالت کی گئی تھی۔ برما ریلوے کمپنی کے لئے جو سنہ ۱۸۹۷ء میں قائم ہوئی تھی برما کی سرکاری ریلوے خرید لینے اور ریفنڈ لے سے چین کی طرف لائین کی توسیع کرنے کی غرض سے ۲½ فیصدی منافع کی کفالت کی گئی تھی۔ اس لائین کی لیا تھیبو تک توسیع کر دی گئی لیکن اس سے تجارتی سامان وغیرہ کی حمل و نقل کچھ نہیں ہو رہی تھی۔ اس طرح ہندوستان کا زر ایک ایسے منصوبے کی تکمیل پر صرف کر دیا گیا تھا جس سے ہندوستان کے محصول دینے والوں کو کچھ فائدہ

نہ تھا۔

اب ہم ریلوے کے موضوع سے ذرائع آبپاشی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں گویا اس طرح ناعاقبت اندیش اسراف کے موضوع کو چھوڑ کر ناعاقبت اندیش خست کی توضیح کرتے ہیں۔ سر آرتھر کاٹن کے مجوزہ منصوبوں پر متانت کے ساتھ کبھی غور وخوض ہی نہیں کیا گیا۔ مارچ ۱۹۰۲ء تک ہندوستان کے ذرائع آبپاشی پر جملہ صرفہ بمشکل (۲) دو کروڑ پچاس لاکھ پونڈ ہوا تھا درآں حالیکہ ریلوں پر بائیس (۲۲) کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ خرچ ہوئے تھے۔

سنہ ۱۹۰۱-۱۹۰۲ء میں سندھ کی نہروں کے بہ استثنا سرکاری نہروں سے ہندوستان کے مختلف صوبجات میں کس قدر رقبہ سیراب ہوتا تھا وہ ذیل کے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے۔

صوبہ	نہریں	کتنا رقبہ سیراب ہوتا تھا
		ایکڑ
بنگالہ	اوڑیسہ کی نہریں	۲۰۱۴۹۸
	مدناپور کی نہریں	۸۲۱۳۴
	سون کی نہریں	۵۵۷۴۹۴
آگرہ واودھ	جمنا کی مشرقی نہر اور گنگا کا دوآبہ وغیرہ	۲۷۴۱۴۰۰
پنجاب	جمنا کی مغربی نہر	۵۸۹۹۵۵
	باری دوآبہ نہر	۸۵۶۰۴۱
	سرہند کی برطانوی نہر	۷۲۸۹۰۸
	سرہند کی دیسی ریاست کی نہر	۳۴۱۵۵۳
	چناب کی نہر	۱۷۴۸۱۲۹
	جہلم کی نہر	۶۵۳۶۷
	سہاگ۔ پارا اور سدھنائی کی نہریں	۱۶۱۸۸۵
بمبئی	نرا۔ موتھا اور دوسری نہریں	۱۳۹۰۴۰

مدراس	کاوری۔ کرشنا اور گوداوری کی نہروں کا نظام آبپاشی	۲۵۰۰۰۰۰
	پیریار نظام آبپاشی	۱۵۴۰۰۰
	رشی کلیا نظام آبپاشی	۸۴۳۰۰۰
	پینار اور دوسری نہریں	×

بعض صوبجات میں جس سال کثرت سے بارش ہوتی ہے اس سال نہروں سے پانی کی تقسیم بھی بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن سندھ میں کثرت باراں کے یہ معنی ہیں کہ نہروں سے اس سال کم رقبہ سیراب ہوتا ہے کیونکہ رعایا کو آبپاشی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اوڑیسہ میں جہاں عموماً خوب بارش ہوتی ہے ۱۸۹۶ء کی خشک سالی تک رعیت نے نہروں سے پانی نہیں لیا۔ مگر خشک سالی کے ہوتے ہی درخواستوں پر درخواستیں پیش ہونے لگیں اور مزارعین نے آیندہ کئی سال تک نہروں سے پانی لینے اور بل ادا کرنے کا قرارداد کر لیا۔ انہیں وجوہ سے نہروں سے سیراب ہونے والے رقبے میں سال بسال کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے۔

ملک میں ایسے بیش رقبہ خطے بھی ہیں جہاں نہریں یا دیگر ذرائع آبپاشی ہنوز تعمیر نہیں کئے گئے ہیں لیکن ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۰ء کے قحط کی بناء پر حکومت کی توجہ اس فریضے کی تکمیل کی طرف منعطف ہوئی آخر کار ۱۹۰۱ء میں وہ تدابیر اختیار کی گئیں جن کو بیس سال قبل اختیار کرنا چاہیئے تھا اور یہ دریافت کرنے کے لئے کہ ہندوستان میں کس حد تک ذرائع آبپاشی کو توسیع دی جا سکتی تھی ایک ماموریہ مقرر کیا گیا۔ سر کالن اسکاٹ منکریف جو کسی زمانے میں ہندوستان کے سررشتہ آبپاشی میں ملازم رہ چکا تھا اور مصر کے عظیم الشان ذرائع آبپاشی کو بھی کامیابی کے ساتھ اہتمام بہ پہنچانے میں اس نے امتیاز حاصل کیا تھا اس ماموریہ کا صدر مقرر ہوا۔ اسکی محنت شاقہ اور عرق ریزی کا نتیجہ سرکاری رپورٹ کی چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوا تھا۔

دوسری جلد میں ہندوستان میں آبپاشی کے متعلق اب تک جو کچھ کام ہوا ہے اس کا خلاصہ درج ہے اور آیندہ کارہائے آبپاشی کے متعلق ایک اور ماموریہ کے انعقاد کی صلاح دی گئی ہے۔ پنجاب میں بڑے مشرقی دوآبہ کے منصوبے کے التواء کی اس ماموریہ نے

رائے دی تھی اور تجویز پیش کی تھی کہ چناب سے ایک ایسی نہر نکالی جائے جو راوی کی وادی سے ہو کر گزرے۔

سندھ میں موجودہ سیلابی نہر کو ترقی دینے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ گجرات کی حد تک اس ماموریہ نے اپنی یہ قیمتی رائے ظاہر کی تھی کہ دریائے سابرمتی، دریائے ماہی اور دریائے نربدہ پر خزانہ ہائے آب کی تعمیر کے لئے مناسب مقامات تجویز کئے جائیں اور احمد آباد اور کھیرہ کی آبپاشی کے لئے ان خزانہ ہائے آب سے نہریں تعمیر کی جائیں۔ دکن کے متعلق بھی اس ماموریہ نے اسی طرح کی تجویز کی تھی یعنی مغربی گھاٹیوں پر ہر سال بلا ناغہ جو بارش ہوتی ہے اس کا پانی بہکر دریاؤں میں آ جاتا ہے اس لئے ان دریاؤں پر خزانہ ہائے آب تعمیر کرنے کے لئے مناسب مقامات ڈھونڈ کر نکالے جائیں اور ان اقطاع تک جن کو قحط سے محفوظ رکھنے کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے ان خزانہ ہائے آب سے نہریں بنادی جائیں۔

مدراس میں کرنول کڈپہ نہر کی توسیع اور تنگبھدرا پر ذرائع آبپاشی تعمیر کرنے کے منصوبے کی کامل تحقیقات کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ دریائے کاوری و کرشنا پر بڑے بڑے خزانہ ہائے آب تعمیر کرنے کی بھی۔

بنگالے میں اضلاع شاہ آباد اور مظفر پور کی آبپاشی کے لئے خزانہ ہائے آب اور نہروں کی تعمیر کی تجویز کی گئی تھی۔ آگرہ و اودھ میں بندیلکھنڈ کو قحط سے محفوظ رکھنے کے لئے نہر کین کی تعمیر کرنے کی پر زور تحریک کی گئی تھی۔ نیز یہ بھی تجویز پیش کی گئی تھی کہ ساردا کا پانی کاٹ کر گنگا میں لایا جائے تاکہ اس کے ایک حصے سے بجنور اور بدایون کی اراضی سیراب ہو سکے۔

ان کے اور دیگر کلاں ذرائع آبپاشی کے علاوہ چھوٹے چھوٹے ذرائع آبپاشی کی جن میں سے اکثر پر ۶۰۰۰ پونڈ سے زیادہ صرفے کی ضرورت نہیں اور بعض تو ۱۶۰۰ پونڈ سے بھی کم مصارف پر تعمیر ہو سکتے ہیں ملک میں بہت بڑی گنجائش ہے۔" ایسے ذرائع آبپاشی کی حمایت میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ ان کی تعمیر سے وہ سب خطے قحط سے محفوظ ہو سکتے ہیں جو کلاں ذرائع آبپاشی کے منصوبوں کے دائرہ عمل میں نہیں آتے۔ ان سے مالیاتی خطرہ بھی کم ہے اور کچھ نہیں تو قحط زدہ مزدوروں کو امداد دینے کی غرض ہی سے

ان میں سے اکثر کی تعمیر شروع کردی جا سکتی ہے بشرطیکہ ان کی تکمیل کا بھی یقین دلا یا جائے۔

اس مامور یہ کی رائے میں زراعت کی حفاظت کے لئے کلاں و خرد ذرائع آبپاشی کی تعمیر ضروری ہے خواہ ان سے براہ راست کوئی منافع ہی نہ ملے" اور بھی چھوٹے چھوٹے ذرائع آبپاشی ایسے ہیں جن سے براہ راست کوئی منافع نہیں مل سکتا لیکن جیسے ہم نے اکثر کلاں ذرائع آبپاشی کی تعمیر کی سفارش کی ہے ویسے ہی ان کی تعمیر کی بھی سفارش کرنے میں ہم کو ذرا بھی پس و پیش نہیں ہوتا کیونکہ امساک باراں و خشک سالی سے جو خطے اب غیر محفوظ ہیں آیندہ صرف انہیں کی وجہ سے وہ بالکل محفوظ ہو جائیں گے۔ ان میں سب سے اوّل جگہ ہم ان ذرائع آبپاشی کو دیں گے جن کی ممالک متوسط کے وہاں کی کاشت کرنے والے اضلاع کے لئے ہم نے تجویز کی ہے۔ لیکن ہمیں توقع ہے کہ انھیں کے مماثل ذرائع آبپاشی جیسے گجرات۔ برار۔ چھوٹے ناگپور اور بندیلکھنڈ میں موجود ہیں ویسے اور حلقوں میں بھی قائم ہو جائیں گے۔" حکومت ہند اور حکومت صوبجات جن کے لئے حالیہ قحط سے ملک کی تباہی ہونے پر ایک حد تک مالگزاری معاف کرنا بالکل ناگزیر تھا بیشک محسوس کریں گی کہ محض مالیاتی نقطۂ نظر سے بھی ان کلاں اور خرد ذرائع آبپاشی کی تعمیر اگرچہ ان سے براہ راست منافع ملنے کی کوئی توقع نہ ہی نہایت دانشمندی کی بات ہے۔

اس مامور یہ نے ایک دانشمندانہ رائے یہ بھی دی تھی کہ ایک مرکزی مجلس ایسی قائم کی جائے جس کو آیندہ ذرائع آبپاشی کی ترقی وغیرہ پر باقاعدہ طور پر نظر رکھنے اور اسکے متعلق رپورٹ پیش کرنے کا ذمہ دار کر دیا جائے۔ اس تجویز کو کسی قدر اور وسیع کرنا چاہئے ایک مرکزی مجلس بہ شمول ریلوے تمام کارہائے تعمیرات عامہ پر نگرانی کرنے کے لئے قائم کرنی چاہیئے اور اس مجلس کی رکنیت پر بعض ایسے ہندوستانیوں کو بھی مامور کرنا چاہیئے جن کو انتظامی تجربہ حاصل اور اپنے ہم وطنوں کی ضروریات کا علم ہے۔ تعمیرات عامہ کی طرف سے والسرائے کی کونسل میں صرف ایک رکن ہوتا ہے اور یہ عموماً کوئی انجینیر ہوتا ہے۔ وہ متعلقہ مسائل پر ایک انجینیر کے نقطۂ نظر سے غور کرتا ہے لیکن زراعت کی ضرورتوں سے لاعلم ہوتا ہے وہ ریلوں کی توسیع کے لئے خاص لوگوں کے دباؤ میں آسکتا ہے اور اہل ہند کی ضروریات اور خواہشات سے مطلق واقف نہیں ہوتا۔

گزشتہ نصف صدی میں ایسے متعدد کارہائے عامہ کا اجراء کیا گیا تھا جن کی ملک کو شدید ضرورت نہ تھی اور ایسے کاموں سے بالکل غفلت کی گئی تھی جو زراعت کی حفاظت کے لئے از حد اہم تھے۔ ممکن ہے کہ حکومت سالقہ تجربے سے عقل سیکھ کر تعمیرات عامہ کی اس مجلس میں عوام کا کچھ نہ کچھ عنصر شریک کرنے کی ضرورت اور مصلحت کو محسوس کرنے لگے۔ اس مجلس کے فرایض میں حسب ذیل امور داخل ہوں گے:۔ آیندہ تعمیرات عامہ کے تمام کاموں پر نگرانی رکھنا۔ سرکاری اور غیر سرکاری ریلوں کی حد تک مسافروں کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ان کی نمایندگی کرنا۔ کاشتکاروں کے پن کا ایسا تعیّن کرے۔ جس سے ایک طرف سرکاری محاصل کا نقصان نہو اور دوسری طرف کاشتکاروں کے حق میں ناانصافی نہو۔ اور عام طور پر نظم و نسق کے اکثر شعبے میں حکومت ہند کی مدد کرنا جس میں رعایا کی امداد باہمی اور اعانت کی خاص طور پر ضرورت داعی ہے۔

گیارھواں باب

خرچ کے متعلق شاہی ماموریہ

ہندوستانی قرض اور ہندوستانی خرچ کی مسلسل بیشی کی بناء پر روز بروز بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ بڑی شکایت یہ تھی کہ برطانیۂ عظمیٰ اور ہندوستان کے مابین تقسیم مطالبات مبنی بر مصلحت و انصاف نہ تھی۔

جنگ کریمیا کے بعد قابل و محتاط ماہران فن مالیات نے برطانیۂ عظمیٰ کے سرکاری قرض میں ساڑھے دس کروڑ پونڈ سے زیادہ تخفیف کر دی تھی لیکن ہندوستانی قرض کا ایک حبہ بھی کم نہوا تھا۔ برخلاف اسکے جنگ ابی سینا اور دوسری لڑائیوں کے مصارف کا بار نا انصافی سے ہندوستان پر ڈالدیا گیا تھا اور بیوجہ جنگ افغان جو ہوئی تو اس سے بھی ہندوستان کے قرض میں اضافہ ہوگیا۔ مسٹر گلیڈسٹن کو اس روز افزوں خرابی کو دیکھکر بڑا رنج اور تردد ہوتا تھا۔ اس نے اس کے انسداد کی غرض سے ہندوستان کی مالیات کے متعلق ایک مجلس منتخبہ مقرر کی لیکن ۱۸۷۴ء کے بعد اس مجلس نے اپنا کام بند کر دیا اور کچھ نتیجہ پیدا نہوا۔ مسٹر گلیڈسٹن نے ہندوستان کے خزانے سے پچاس (۵۰) لاکھ پونڈ وصول کر لیے کیونکہ ۱۸۷۸ء کی جنگ افغان کے مصارف کا کچھ جز انگلستان کے شاہی خزانے سے ادا ہوا تھا۔ اسکے علاوہ ایک کروڑ انسی لاکھ پونڈ جو باقی تھے وہ بھی ہندوستان ہی کو دینے پڑے۔ ۱۸۸۶ء سے ۱۸۹۲ء تک لارڈ سالسبری کے طویل نظم و نسق میں ہندوستان کی مالیات کی حالت بد سے بدتر ہوگئی تھی اور لارڈ ڈفرن اور لارڈ لینڈزڈاؤن کے عہد حکومت میں

ہندوستانی خرچ میں اور اضافہ ہوگیا تھا اس لئے جب مسٹر گلیڈاسٹن نے ۱۸۹۲ء میں چوتھی اور آخری بار وزارت قائم کی تو اہل ہند اس سے اپنے اصلاح حال کی بہت کچھ توقع رکھتے تھے۔

برطانوی پارلیمنٹ کی تاریخ میں یہ پہلی دفعہ تھا کہ ایک ہندوستانی کا اسکی رکنیت کے لئے انتخاب ہوا۔ مسٹر دادابھائی نوروزجی کی پیدائش ۱۸۲۵ء میں ہوئی تھی اور اس نے نوجوانی ہی سے اپنے ملک کی معاشرتی اور سیاسی اصلاحات کی خاطر اپنی زندگی وقف کردی تھی ۱۸۵۰ء میں وہ بمبئی کے الفنسٹن کالج میں ریاضیات اور فلسفۂ طبعی کا پروفیسر ہوا تھا۔ ۱۸۵۵ء میں وہ انگلستان گیا تھا جہاں لندن کے یونیورسٹی کالج میں گجراتی زبان کا وہ پروفیسر ہوگیا تھا۔ جیسا ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے اس نے ۱۸۷۳ء کی مالیاتی مجلس کے سامنے شہادت بھی دی تھی اس کے بعد کے سال جب کہ بڑودہ کی ریاست میں بڑی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اور اصلاحات کی سخت ضرورت تھی یہ اس ریاست کا دیوان مقرر ہوا تھا۔ اسکے چند سال کے بعد انگلستان واپس آکر اس نے اپنے ملک کے اغراض کی انتھک حمایت کرنے کے لئے پھر اپنی زندگی وقف کردی۔ ۱۸۹۲ء میں جب وہ عمر کے چھیاسٹھ سال کی پختگی کو پہنچ چکا تو سنٹرل فنزبری کی طرف سے پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہوکے دارالعوام میں شریک ہوا۔

ایسی سرگرمی اور قابلیت کے ساتھ جو اس کی سن رسیدگی سے متاثر نہ ہوئی تھی اور ایسی حب الوطن کے ساتھ جس کی صداقت و خلوص کی اس کے مخالفین بھی (جو اس کی رائے سے اختلاف رکھتے تھے اور اس کے جوش پر طیش میں آتے تھے) داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے مسٹر نوروزجی نے تین سال تک دارالعوام میں بڑی عرق ریزی کی۔ ایسے فدائی وطن کی شہرت اور اثرواقتدار میں کوئی بات اضافہ کرسکتی ہے تو وہ اس کا خالصاً باللہ یقین کامل اس کی پاک نیتی۔ اسکے کردار کی معصومیت۔ اور اسکی خانگی زندگی کی خوبی و دلکشی ہی ہے۔ گلیڈاسٹن اعظم کی طرح مسٹر دادابھائی نوروزجی نے اپنے ہم وطنوں کو نہ صرف اپنی مدت العمر سیاسی کارگزاری سے گرویدہ بنالیا تھا بلکہ اپنی اعلےٰ اور بے داغ خانگی کردار سے بھی ان کے دلوں کو مسخر کرلیا تھا۔ ہندوستان کے ہر طبقے اور ہر خیال کے لوگ اس "جلیل الشان بزرگ ہستی (Grand Old Man)" پر فخر کرتے تھے۔

(۳) تین سال تک مسٹر نوروزجی دارالعوام میں ہندوستان کے حق میں مالیاتی انصاف کرنے پر برابر زور دیتا رہا اور اسکی کوششوں کا اچھا نتیجہ پیدا ہوا۔ مئی ۱۸۹۵ء میں ایک شاہی ماموریہ اس غرض سے منعقد کیا گیا کہ وہ " وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کے حسب ایما اور گورنر ہند کے حسب الحکم جو فوج اور دیوانی کے مصارف ہوتے ہیں ان کے انتظام و نظم و نسق کے متعلق نیز ممالک متحدۂ برطانیہ اور ہندوستان کی حکومتوں کے درمیان ان اغراض کے لئے جن سے دونوں کو دلچسپی ہے مطالبات کی جو تقسیم ہوتی ہے اس کے بارے میں تحقیقات کرے"۔ اس ماموریہ کا صدر نشین لارڈ ویلبی تھا اور ارکان لیونرڈ کورٹنی۔ جورج نتھینیل کرزن۔ سر ولیم وڈربرن سر ڈانلڈ اسٹوارٹ۔ ٹامس۔ آر۔ بکیانن۔ ولیم۔ ایس۔ کین اور دادابھائی نوروزجی بھی تھے۔ مسٹر کرزن اسکے بعد کے سال محکمۂ خارجہ کا نائب وزیر ہوتے ہی اس ماموریہ کی رکنیت سے مستعفی ہو گیا۔

اس ماموریہ نے اپنا کام بڑی خوبی کے ساتھ شروع کیا اور منجملہ دیگر ممتاز گواہوں کے ایسے گواہوں کی بھی جیسے سر چارلس برنرڈ۔ سر ڈیوڈ باربر۔ سر آکلینڈ کالون لارڈ کرومر لارڈ نارتھ برک۔ لارڈ برسی۔ لارڈ لینڈز ڈاؤن۔ لارڈ رپن تھے بڑی قابل قدر اور مفصل شہادت کے قلمبند کرنے میں نومبر ۱۸۹۵ء سے جولائی ۱۸۹۷ء تک تقریباً دو سال لگے اس کے بعد یہ ماموریہ تین سال تک خواب خرگوش میں پڑا رہا۔

انجام کار جب ۱۹۰۰ء میں آخری رپورٹ پیش کی گئی تو انگلستان اور ہندوستان دونوں ممالک میں لوگوں کو ایک طرح کی مایوسی ہوی۔ خود مسٹر ہنری فولر نے بھی دارالعوام میں اس مایوسی کا اظہار کیا اس ماموریہ نے اگرچہ بڑی قابل قدر شہادت قلمبند کی تھی لیکن ارکان کی کثرت رائے کسی بریہی نتیجے پر پہنچنے میں پس و پیش کر رہی تھی۔ برطانیہ عظمیٰ اور ہندوستان کے مابین یہ کثرت ماموریہ موجودہ تعلقات کو درہم و برہم کرنا نہیں چاہتی تھی اور ہندوستانی محصول دینے والوں سے ان مطالبات کی تکمیل کی ذمہ داری اٹھا لینا نہیں پسند کرتی تھی جن کے ادا کرنے کا از روئے انصاف اکیلا ہندوستان ہی ذمہ دار نہ تھا۔ اس صدی کے سال آخر جب کہ ہندوستان موجودہ زمانے کے شدید ترین قحط کے مصائب اٹھا رہا تھا اس کی فاقہ نصیب آبادی انصاف پانے سے جس کی برطانوی پارلیمنٹ اور برطانوی شاہی ماموریہ سے بڑی توقع تھی محروم رہ گئی۔

اس ماموریہ نے بہ کثرت رائے جو رپورٹ پیش کی وہ دیگر زواید کے ساتھ (۱۵۰) صفحے کی مطبوعہ تھی۔ تقسیم مطالبات کے متعلق اس ماموریہ کی چند تجاویز یہاں قابل ذکر معلوم ہوتی ہیں۔

"**مطالبات دیوانی**"۔ یہ ماموریہ بہ کثرت رائے یہ سفارش کرتا ہے کہ ممالک متحدہ برطانیہ دفتر وزیر ہند کے مصارف کا ایک جز یعنی ...... پونڈ اور عدن و ایران میں انگریز سرکار کو جو اخراجات لاحق ہوتے ہیں ان کا نصف ہر سال ادا کریں۔

"**ہندوستانی عساکر سے بیرون ہند کام لینا**" اس ماموریہ کی رائے یہ ہے کہ نہر سویز کو کھلا رکھنے سے اور ان سب مسائل سے جن کا اثر سیام پر۔ ایران و عرب کے ساحل پر۔ نیز افغانستان و وسط ایشیا پر پڑتا ہے براہ راست ہندوستان کے اہم اغراض وابستہ ہیں۔ یہ کہ ہندوستان کی سرحد کی تعزیری مہمات سے صرف ہندوستان ہی کی غرض وابستہ ہے۔ البتہ ان مسائل سے جن سے زنجبار تک افریقہ کا مشرقی ساحل متاثر ہوتا ہے ایک حد تک ہندوستان کی غرض وابستہ ہے۔ یہ کہ ان اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستان اور انگلستان کے مابین تقسیم مطالبات کا سوال کسی مختص حکم پر تصفیہ کے لئے چھوڑ دیا جاسکتا ہے۔

"**بحری مطالبات**"۔ اس ماموریہ کو یہ علم ہوا کہ ہندوستان میں ایک بحری محکمہ قائم ہے اور خود ہندوستان ہی اپنے ساحل کی محافظت کا ذمہ دار ہے اسکے باوجود محکمۂ امیر البحر کی طرف سے جو عام بحری محافظت ہوتی ہے اس کے لئے ..... پونڈ بھی سالانہ ادا کرتا ہے۔ یہ رقم ماموریہ کو زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔

"**فوجی مطالبات**"۔ ماموریہ کی رائے میں برطانوی عساکر کے ہندوستان پہنچنے پر فی کس جو ساڑھے سات پونڈ وصول کئے جاتے ہیں اس کا جاری رکھنا ہی مناسب ہے۔ لیکن یہ ماموریہ تحریک کرتا ہے کہ ان عساکر کے ہندوستان کی آمد و رفت کے نصف مصارف برطانیہ عظمیٰ کو ادا کرنا چاہیئے۔ اس زیر بحث امر کے متعلق کہ ہندوستانی فوج زیادہ تر برطانیہ عظمیٰ کے اغراض ہی کے لئے رکھی گئی ہے اس ماموریہ نے بیان کیا تھا کہ "موجودہ انتظام پر نظر ثانی کرنے کا جب وقت آئے اس وقت فوجی مطالبات کی حد تک ہندوستان کی جو ایک خاص استثنائی شکل ہے اس کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ یعنے اگر ہندوستان بمعاوضہ رقم

بعض خدمات حاصل کرنے کے لئے شہنشاہی ذرائع رسد پر ایک حد تک بار ڈالتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ وہ شہنشاہی حکومت کی ایسی خاص خدمات بھی بجا لاتا ہے جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔"

نظر بوجوہ بالا اس ماموریہ نے شہنشاہی خزانے سے ہندوستان کو جس قدر امداد دینے کی تحریک کی تھی وہ حسب ذیل تھی:۔

	پونڈ
دفتر وزیر ہند کے مطالبے کی تکمیل کے لئے امداد ــــــ	۵۰۰۰۰
عدن کے متعلق فوجی مطالبے کا نصف ــــــ	۱۰۸۰۰۰
ایرانی سفارت کے مطالبے کی تکمیل کے لئے مزید امداد ــــــ	۵۰۰۰
برطانوی عساکر کے ہندوستان کی آمد و رفت کے مصارف کا نصف ــ	۱۳۰۰۰۰
میزان	۲۹۳۰۰۰ پونڈ

ارکان ماموریہ کی قلت نے جو سر ولیم و ڈربرن ۔ مسٹر کین اور مسٹر نوروجی پر مشتمل تھی ۹۰ مطبوعہ صفحات کی ایک علیحدہ رپورٹ پیش کی جس میں ہندوستان کے حق میں جو مالیاتی ناانصافی ہو رہی تھی اسکی توضیح کے ساتھ ساتھ اس کے انسداد کا طریقہ بھی تمام و کمال بتایا تھا۔

کسی قدر ترمیم کے بعد کثرت کی رپورٹ پر لارڈ سالسبری کی حکومت نے عمل کیا۔ دفتر وزیر ہند کے مصارف کا ایک جز یعنے (۵۰۰۰۰) پونڈ کی ادائی اگر شہنشاہی خزانے سے کیجائیگی تو ارکان پارلیمنٹ کو اس رسد میں تخفیف کی تحریک پیش کرنے پر ہندوستان کے متعلق پارلیمنٹ میں بحث کرنے کا ایک موقع مل جائے گا اور ہندوستانی نظم ونسق پر اس طرح کے مباحث کا دفتر وزیر ہند قدر شناس نہیں ہے۔ اس لیے مصارف دفتر وزیر ہند کی تکمیل کے لئے مجوزہ امداد نہیں دی گئی۔

برخلاف اس کے مطالبات وطن۔ محصولات۔ فوجی مصارف اور ہندوستانی قرض کی تخفیف کے اہم مسائل اچھوتے کے اچھوتے رہ گئے۔ ہندوستانی محصول ادا کرنے والوں کے کندھوں سے بے اندازہ اور سنگین محصولات کا بوجھ نہ ٹلا۔ برطانیہ کی تین کروڑ ہندوستانی رعایا تک اس آرام و راحت اور خوشحالی کو (جو دنیا کے دیگر اقطاع میں برطانوی رعایا کی میراث ہے)

پہنچانے کا مسئلہ حل ہونے سے رہ گیا۔

ہم اس باب کو اس قابل قدر شہادت کے جس کو اس ماموریہ نے قلمبند کیا تھا چند اقتباسات پر ختم کرتے ہیں۔ اس شہادت اور اسکے ضمیموں سے باریک حروف کے مطبوعہ دو کالم کے ۔۔ ۵ اصفحات بھر گیے ہیں۔ ہم اس کے مدعی نہیں کہ ہمارے یہ اقتباسات اس طویل شہادت کا خلاصہ ہیں بلکہ ان سے صرف چند انتظامی امور کے متعلق بعض ناموروں گواہوں کی رائے قارئین کو معلوم ہو جائے گی۔

مجلس ثالثی پر لارڈ کرومر کی شہادت سے اقتباس

۱۳۶۴۲۔ ہم اسی کی تفصیل سننا چاہتے ہیں۔

مطالبات وطن کے مسئلے کے متعلق میرا نقطۂ نظر حسب ذیل ہے۔ میں باور کرتا ہوں کہ اس ملک میں پارلیمنٹ میں اور وزرا کے حلقے میں خواہ وہ کسی فرقے کے کیوں نہوں عام طور پر یہی خواہش سب کے دلنشین ہے کہ ہندوستان کے ساتھ منصفانہ ہی نہیں بلکہ فیاضانہ برتاؤ کیا جائے لیکن میرے خیال میں ان معاملات کے تصفیہ کے لئے بہت بہتر یہی ہوگا کہ آپ کسی نہ کسی طرح ایک مجلس ثالثی کا انتظام فرما دیں۔ صرف ایک منصفانہ بندوبست کر دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی اہم ترین ہے کہ ہندوستان کا ہر کس و ناکس خواہ دیسی ہو یا یوروپی (کیونکہ یوروپی جماعت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا) اور خود حکومت ہند اس بندوبست کو مبنی بر انصاف سمجھے۔ موجودہ نظام کے تحت اگرچہ میرا اشارہ کسی خاص امر کی طرف نہیں اور میں یہ نہیں کہتا کہ تقسیم غیر منصفانہ ہوتی ہے اہل ہند کو یہ باور کرانے کا کہ یہ تقسیم بالکل مبنی بر انصاف ہے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ دفتر وزیر ہند اور دیگر مختلف محکمہ جات کے مابین اس کا بندوبست کر لیا جاتا ہے اور صحیح کہیے یا غلط عام طور پر خیال یہی ہے کہ بمقابل ہندوستان کے نقطۂ نظر کے انگریزی نقطۂ نظر ہی کی زیادہ شدومد اور کامیابی کے ساتھ تائید کی جاتی ہے یہ خیال صحیح ہو کہ غلط ہو امر واقع تو ہے اور اس طرح کے خیال کا پیدا ہونا ہی بجائے خود ایک خرابی ہے اس لئے مجھکو بڑی خوشی ہوگی اگر ان معاملات کا بندوبست عدالت ثالثی کے ذریعہ سے عمل میں لانے کا کچھ نہ کچھ انتظام کر دیا جائے۔ اس کا

ہونا اس لئے بھی نہایت مناسب ہوگا کہ ان معاملات میں اکثر ایسے بھی ہوں گے جن کا تصفیہ صرف رفع دادِ باہمی کے طور پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک عدن ہی کو لیجئے جس کی طرف کسی نے ان مباحث کے اثنا میں اشارہ کیا تھا یہ کسی سے بھی ممکن نہیں کہ عدن کے لئے ہندوستان کو کیا ادا کرنا چاہئے اس کا بالکل ٹھیک ٹھیک حساب کر دے۔ مانا کہ عدن سے ہندوستان کو بڑی دلچسپی ہے لیکن اسی طرح سیلان۔ ہانگ کانگ۔ اسٹریٹ سٹلمنٹ اور انگریزی تجارت خارجہ کو بھی اس سے عام طور پر بڑی دلچسپی ہے۔ ہندوستان کو عدن کے لئے کیا ادا کرنا چاہئے اس کا محض قوت فیصلہ پر انحصار ہے ان معاملات کے تصفیے کیلئے اگر کوئی نہ کوئی مجلس ثالثی ہو تو اس سے ہندوستان کی رائے عامہ مطمئن ہو جائے گی جس سے بہت بڑا فائدہ ہوگا۔

۱۳۶۵۰۔ کیا آپ فریقین کو یہ اختیار دیں گے کہ ہر ایسے مسئلے کو جس میں تقسیم مطالبہ شامل ہو وہ مجلس ثالثی میں تصفیہ کے لئے پیش کریں؟

میری رائے میں تو دینا چاہئے۔ میں اس کو ایک عدالت استغاثہ بنا دینا ہی مناسب سمجھتا ہوں بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ ایسی عدالت خاص اختیارات کے ساتھ قانون پارلیمنٹ کی رو سے قائم ہونی چاہئے۔

۱۳۶۵۱۔ مجلس خاصہ کی عدالتی کمیٹی کی طرح؟

نوعیت میں بہت کچھ اسکے مماثل۔ جی ہاں۔

۱۳۶۵۲۔ اگر حکومت ہند اور محکمہ داخلیہ میں کسی مطالبے کی تقسیم کے متعلق اختلاف ہو تو کیا آپ اس معاملے کو مجلس ثالثی میں پیش کرنے کا اختیار فریقین کو دیں گے؟ یا یہ معاملہ خود بخود مجلس ثالثی میں لازماً پیش ہوگا؟

جی نہیں۔ میں تو فریقین کو یہ اختیار دوں گا اور صرف مالیاتی مسائل کی حد تک اور ان کے سوا کچھ نہیں۔

۱۳۶۵۳۔ ان مطالبات کی حد تک بھی جن کو انگلستان اور ہندوستان کے درمیان دواماً تقسیم کر دینا ہے مثلاً فوجی مطالبات وغیرہ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پانچ یا دس سال گزرنے کے بعد ان کو مجلس ثالثی کے سامنے تصفیہ کے لئے پیش کرنا ہوگا؟

میرا تو خیال یہی ہے۔ میرا رجحان اسی طرف ہوگا کہ ہندوستان کے محصول ادا کرنے والوں اور عامۃ الناس کو حتی الامکان یقین کلی دلاؤں کہ ان تمام مسائل کا تصفیہ ایک ایسی

جماعت کرتی ہے جو خود مختار ہے اور ہندوستانیوں سے کسی قسم کا تعصب نہیں رکھتی۔

بیرونِ ہند جنگ وجدل کے متعلق لارڈ نارتھ بروک کی شہادت سے اقتباس

۱۴۱۰۸۔ کیا آپ نے اس انتظام پر جو ہندوستان سے باہر خدمت بجالانے کے لئے عساکر ہند کے مستعار لینے کا معاوضہ دینے کے متعلق کیا گیا ہے کچھ توجہ مبذول کی ہے؟

جی ہاں۔ مجھکو اس معاملے پر بہت کچھ غور وخوض کرنے کا موقع ملا ہے۔

۱۴۱۰۹۔ کیا آپ کے خیال میں ان مطالبات کی تقسیم میں ہندوستان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیا گیا ہے؟

میرے خیال میں ہندوستان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا گیا ہے۔

۱۴۱۱۰۔ کیا آپ ایسے مختلف نظائر بیان کرسکتے ہیں اور ان کے وجوہ بتا سکتے ہیں؟

ایسے نظائر سر ہنری واٹرفیلڈ کی یادداشت میں جو ضمیمے کے صفحہ ۳۶۴ پر درج ہے موجود ہیں۔ میرے خیال میں ان کو اسی ترتیب کے ساتھ میرا بیان کرنا مناسب ہوگا جس ترتیب کیساتھ سر ہنری نے ان کو بیان کیا ہے۔

۱۴۱۱۱-۲۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ فقرہ (۱۶) سے شروع کرنے والے ہیں کیا یہ صحیح ہے۔

جی نہیں۔ فقرہ (۱۹) سے

۱۴۱۱۳-۴۔ ٹھیک ہے۔ میری نظر فقرہ (۱۹) ہی پر ہے۔

اچھا تو ابی سینا کی مہم سے ماقبل زمانے کا میں کوئی ذکر نہیں کروں گا۔ ابی سینا کی جنگ کے معمولی مصارف کا بار ہندوستان پر ڈالنا درست نہ تھا۔

۱۴۱۱۹۔ کیا آپ کو وہ وجوہ بھی یاد ہیں جن کی بنا پر اسوقت حکومت نے یہ تصفیہ کیا تھا کہ ابی سینا کے ساتھ ہندوستان کی غرض وابستہ ہے؟

جی نہیں۔ میں خود ان وجوہ کو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کبھی ان کے متعلق کچھ سنا ہی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسی زمانے میں اس پر اعتراض بھی ہوا تھا۔

۱۴۱۲۰۔ میں صرف اپنے حافظے سے بیان کرتا ہوں کہ کیا یہ پیش نہیں کیا گیا تھا

کہ اس مسئلے سے حکومت ہند کی غرض یوں وابستہ ہے کہ ابی سینا ہندوستان کی حد اقتدار میں واقع ہونے کی وجہ سے اگر کسی انگریز رعایائے سرکار کو وہاں قید کر لینے پر خاموشی اختیار کر لی جائے تو آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے انگریزوں کی نیک نامی و وقار سخت معرض خطر میں پڑ جائیں گے۔

ممکن ہے یہی تصور نظروں کے سامنے پیش کیا گیا ہو لیکن میں نہیں سمجھتا کہ کسی ذمہ دار شخص نے اس پر ذرا بھی توجہ کی ہو گی۔

۱۴۱۲۱ - مجھکو یاد پڑتا ہے کہ ایک فرانسیسی نکتہ چیں نے یہ استدلال پیش کیا تھا کہ یہ جنگ انگریزی عساکر کے لئے ایک صحت بخش قیام گاہ کا موقع و محل دریافت کرنے کی غرض سے کی گئی تھی۔

میری رائے میں نیک نامی و وقار کی جو وجہ پیش کی گئی ہے اس سے تو یہی وجہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اب میں دوسری نظیر پیش کرتا ہوں اور یہ پیراک کی مہم ہے۔ یہ ایک بہت ہی چھوٹی مہم تھی لیکن میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے جس کو اس مہم کے متعلق ہندوستان کے ساتھ برابر تاؤ کرنے کے امر واقع پر شک ہو۔ یہ مہم ہندوستان کی سرحد سے باہر بھی۔ نہ محاصل ہند کا کوئی جز اس مہم میں صرف کرنے کیلئے قانوناً یہ لازمی تھا کہ پارلیمنٹ کے دار العوام و دار الامرا دونوں کی طرف سے تاج برطانیہ کی خدمت میں ایک باضابطہ گزارش پیش کی جائے۔ اس وقت اتفاق سے میں گورنر جنرل تھا اور ہندوستان پر اس مطالبے کا بار ڈالنے کی میں نے مخالفت کی تھی لیکن نہ صرف میری اس مخالفت کی کسی نے پروانہ کی بلکہ ایوان ہائے پارلیمنٹ سے گزارشات تک بھی پیش نہیں کی گئیں جس سے ایک طرف قانون کی خلاف ورزی ہوئی اور دوسری طرف ہندوستان کو اس مطالبے کی رقم کبھی بازگشت نہیں ہوئی۔ اس وقت سے آج تک یہ رقم قانون کے خلاف حکومت ہند کی مخالفت کے باوجود ہندوستان ہی کے حساب میں محسوب چلی آرہی ہے۔ یہ ہے پیراک کی نظیر اور یہ دوسری نظیر ہے جو مجھکو بیان کرنی تھی اور میرے خیال میں یہ تو بالکل صاف بات ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس کا کوئی جواب ہو سکتا ہے۔ مالٹا کی مہم کے بارے میں میں یہ عرض کرونگا انگلستان نے اس مہم کے معمولی اور غیر معمولی تمام مصارف اپنے ہی خزانے سے ادا کیے جو بالکل درست تھا۔

۱۴۱۲۴ - کیا آپ نے مصر میں ۱۸۸۲ء کی فوجی نقل و حرکت کا بھی ذکر کیا ہے؟

میں اب اسی کا یعنے ۱۸۸۵ء کی مہم مصر کا ذکر کرنے والا ہی تھا اور یہ تیسری نظیر ہے۔ انفرادی حیثیت سے مجھکو اس مہم سے بڑا سروکار تھا اس لئے اسکے انتظام کے خلاف زوردار الفاظ میں میں اپنی رائے کا اظہار کرنا نہیں چاہتا۔ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ نہر سویز کے کھلا رکھنے سے ہندوستان کی اہم غرض وابستہ تھی۔ ہندوستان کی یہ غرض تو تھی لیکن سوال یہ تھا کہ یہ غرض کیا تھی اور کس پایہ کی تھی پہلے تو یہ ارادہ کیا گیا تھا کہ اس مہم کے جملہ مصارف ہندوستان ہی سے وصول کئے جائیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ اس مہم کو سر کرنے کے لئے ایک مختصر سی فوج کافی ہو جائے گی یہ ہی وجہ تھی کہ اس وقت ہندوستان سے جملہ مصارف وصول کرنے کا حکومت نے خیال کیا تھا۔ اس زمانے میں انگریزی حکومت پر کثیر مصارف کا بار تھا اس لئے ہم نے یہ خیال کیا کہ ہندوستان تھوڑا خرچ برداشت کر لے گا اور جو مختصر سی فوج سویز بھیجی گئی تھی اس کا خرچ ہندوستان سے ادا ہونا کوئی ایسی بات بھی نہ تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ فوجی نقل و حرکت بڑے وسیع پیمانے پر ہونے لگی اور آخر کار یہ مہم ایک عظیم مہم بن گئی۔ میرے خیال میں اس مہم کے جملہ مصارف (۱۷۰۰۰۰۰) پونڈ ہوئے تھے اور آخر کار حکومت ہند اور حکومت انگلستان ان دونوں کے درمیان یہ انتظام عمل میں آیا کہ منجملہ ان مصارف کے ہندوستان (۱۲۰۰۰۰۰) پونڈ اور انگلستان (۵۰۰۰۰۰) پونڈ ادا کرے یہی انتظام عمل میں آیا تھا جس کو حکومت ہند نے قبول تو کیا تھا گر یقیناً بادل ناخواستہ قبول کیا تھا حکومت ہند کا خیال تھا کہ اس معاملے میں اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا گیا تھا اور اب میں بھی جو اس پر غور کرتا ہوں تو مجھکو یہ کہنا پڑتا ہے کہ شاید یہ بہتر ہوتا کہ ہندوستان نصف مصارف خود ادا کرتا یعنے وہ (۸۵۰۰۰۰) پونڈ ادا کرتا اور انگلستان (۸۵۰۰۰۰) پونڈ۔ لیکن میں اس پر زور دینا نہیں چاہتا کیونکہ میں خود اس وقت حکومت کا ایک رکن تھا اور میں یہ کہہ نہیں سکتا کہ اس وقت مجھکو یہ انتظام ناواجبی معلوم ہوتا تھا۔

۱۴۱۲۷۔ (جنگ سوڈان)۔ اگر پہلا منصوبہ ہی قائم رکھا جاتا تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کو اس مہم سے اتنی دلچسپی تھی کہ اس سے بعد کو اس مہم کے مصارف کے کسی جزو کا مطالبہ کرنا بالکل حق بجانب ہوتا؟

اگر آپ میری رائے پوچھتے ہیں تو میں یہی کہونگا کہ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ سوڈان کی مہم سے ہندوستان کو کوئی خاص دلچسپی تھی لیکن میرا استدلال یہ ہے کہ

از روئے قانون محاصل ہند سے اس وقت تک اس طرح استفادہ نہیں کیا جاسکتا جب تک دونوں ایوان ہائے پارلیمنٹ کی طرف سے گزارشات پیش و منظور نہ ہوں اور یہ اہم ہے کہ قانونی شرائط کی پوری پابندی کی جائے۔ میری رائے میں ہندوستانی عساکر کا سواکن کے قلعے میں رکھنا اس طرح منظور نہ تھا۔ میں جس امر پہ زور دے رہا ہوں یہی ہے کہ ایسی منظوری کے بغیر قانوناً محاصل سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ سال گزشتہ سواکن جو فوج بھیجی گئی تھی اس کے مصارف کا ہندوستان سے ہرگز مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

۱۴۱۶۵۔ اب آپ نے ان دونوں حکومتوں کے درمیان اختلاف رائے کے وجوہ ہمارے سامنے تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔

آپ دوسرا سوال پوچھنے سے پہلے میں اپنی مذکورالصدر شہادت کا بالاختصار اعادہ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

۱۴۱۶۶۔ بہت اچھا۔ بشرطیکہ آپ کو زحمت نہ ہو۔

ہندوستانی عساکر کو مستعار دینے کے نظائر کے متعلق جو کچھ میں نے اس ماموریہ کے سامنے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر جنگ ابی سینا کے معمولی مطالبات (۶۰۰۰۰) پونڈ ہوئے ہیں تو ہندوستان کا اس رقم کی بازگشت کا دعویٰ کرنا بالکل واجبی اور حق بجانب ہے۔ مہم پیراک کے جملہ معمولی مطالبات کی رقم یقیناً ہندوستان کو واپس ملنی چاہیئے۔ میں سواکن کے مطالبات کو (۲۰۰۰۰) پونڈ کے مساوی فرض کر لیتا ہوں اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہ وہ حقیقت میں کس قدر تھے لیکن سواکن کے مطالبات جو کچھ بھی ہوں میرے خیال میں سواکن کے قلعے کی فوج سے متعلق جملہ مطالبات کی رقم ہندوستان کو بازگشت ہونی چاہیئے۔ میری رائے یہ ہے کہ از روئے انصاف ۱۸۸۲ء کی مہم مصر کے متعلق (۳۵۰۰۰۰) پونڈ ہندوستان کو ملنا چاہیئے تاکہ دونوں حکومتوں کے درمیان برابر کی یہ تقسیم ہو جائے۔ اور میرے خیال میں یہ سب رقوم ہندوستان کو براہ راست یا کسی اور واجبی طریقے سے اب واپس ملنی چاہیئے۔ مجھے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ جب ہندوستان کے ساتھ گزشتہ کئی سال سے غیر منصفانہ اور بعض دفعہ خلاف قانون برتاؤ کیا گیا ہے تو کیوں موجودہ زمانے میں اسکی کچھ نہ کچھ تلافی نہ کی جائے۔ اس معاملے میں مجھے اب اس سے بڑھ کر کچھ کہنا نہیں۔

ہندوستانی فوج کے متعلق لارڈ لینڈز ڈاؤن کی شہادت سے اقتباس

۱۵۹۹۶ ۔ لارڈ لینڈز ڈاؤن آپ نے خود ہندوستان کے نقطۂ نظر سے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ اگر وہ ممالک متحدۂ برطانیہ سے اپنا تعلق منقطع کرلے تو کیا وہاں اتنی فوج قائم رکھنا ضروری ہوگا جتنی ممالک متحدہ سے اب عاریتاً لیجاتی ہے اور وہ بھی اسی ساز و سامان کے ساتھ؟ میں تو یہی کہوں گا کہ ہرگز نہیں۔ ہندوستانی فوج اس خیال سے باقاعدہ اور منظم حالت میں رکھی گئی ہے کہ اس سے ایسے ایسے کام لینے کا امکان ہے جو ملک کی اندرونی حکمت عملی یا سرحدی قبائل کی سرکوبی سے بالکل غیر متعلق ہیں۔

۱۵۹۹۷ ۔ تو پھر کیا یہ ایک واجبی بات ہوگی کہ اس فوج کو تعلیم و تربیت دینے کے جو مصارف ہوتے ہیں ان لیے منجملہ ہندوستانی اغراض کی تکمیل کے لئے جو کچھ صرف ہوتا ہے اور شہنشاہی اور وطن کے اغراض کے لئے ایک خاص معیار قائم رکھنے میں جو کچھ خرچ ہوتا ہے ان دونوں کے لحاظ سے جو رقمی فرق ہوتا ہے کم سے کم وہ وطن کے خزانے سے ادا ہو؟ ایسی باتوں کو بلا کم و کاست اعداد زر کی شکل میں پیش کرنا بہت ہی مشکل ہے لیکن میری دانست میں آپ کا سوال الخصیص اصول کو واضح کرتا ہے جن کے زیر عمل لانے کی میں اپنے جوابات میں کوشش کر رہا تھا۔

۱۵۹۹۸ ۔ یہ کہ وطن کے اغراض یعنے شہنشاہی اغراض کی خاطر فوج کو مع ساز و سامان ایک ایسے اعلےٰ معیار پر ہم رکھتے ہیں جس کی ہندوستان کو بجائے خود ضرورت نہیں اور ان دونوں ممالک کے درمیان اس مطالبے کا تصفیہ کرتے وقت یہ غور طلب امر بھی اس تصفیہ کا ایک عنصر بنجاتا ہے۔

یقیناً یہ ایک عنصر بنجاتا ہے۔

۱۵۹۹۹ ۔ اس کو اعداد کی شکل میں پیش نہیں کیا جا سکتا لیکن پھر بھی اس بندوبست کو جس نقطۂ نظر سے ہم دیکھتے ہیں اس میں یہ ایک اہم عنصر ہے۔

یہی میرا بھی خیال ہے۔

ہندوستانی فوج کے متعلق سر ہنری بریکنبری کی شہادت سے اقتباس

۱۴۷۰۲۔ صرف یہ رقم ہی نہیں ہے جس کا بار محکمۂ جنگ یا کسی اور کی طرف سے ہندوستان پر ڈالنے کی تجویز ہو رہی ہے؟

میں اس کو خوب سمجھتا ہوں لیکن میری دانست میں عموماً ان مطالبات کی بنیاد یہ ہے کہ انگلستان نے محض ہندوستان کی فوجی ضروریات کے خیال سے جو کچھ ادا کیا ہے وہ سب ایک طرح کی کٹوتی کے بعد انگلستان کو بازگشت کرنا ہندوستان پر لازمی ہے۔ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ ایسا کلیہ مقرر کر دینا ہی سراسر غلط ہے اور اس رائے کی تائید میں مجھکو دلائل پیش کرنے کی اجازت دیجائے تو میں اول یہ عرض کروں گا کہ یہ فوج ہندوستان میں اندرونی امن قائم رکھنے کے لحاظ سے بھی ضرورت سے بہت زیادہ ہے ہندوستان میں فوج کی کیا تعداد ہونی چاہئے اس کا یوں حساب لگایا جاتا ہے کہ اندرون ملک امن قائم رکھنے کے لیئے قلعوں میں جو فوج رکھنی ضروری ہے اس کے علاوہ سرحد پر یا سرحد کے اس پار ایک لشکر جرار بھیجنے کی بھی گنجائش رہے قلعوں کی فوج کے علاوہ ایک لشکر جرار کے ہر وقت تیار رکھنے کی اس لئے ضرورت ہے ایک بڑی فوجی طاقت نے وہاں تک قدم بڑھایا ہے جہاں سے وہ بلا واسطہ افغانستان اور بالواسطہ ہندوستان کے امن و امان میں خلل انداز ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کی حکمت عملی خارجہ کی تشکیل وغیرہ سب کچھ ملکہ معظمہ کی حکومت ہی براہ راست انگلستان سے کرتی رہتی ہے اور عموماً یہ بھی برطانوی حکمت عملی خارجہ کا ایک جز ہے۔ عام طور پر برطانوی حکمت عملی خارجہ کا میری دانست میں یہی مقصد ہے کہ برطانوی شاہنشاہی پر برطانوی حکمرانی دواماً قائم رہے۔ اگر ہندوستان پر محض ہندوستان ہی کی خاطر برطانوی حکمرانی قائم رکھنا ہوتا تو میں اسکو بالکل حق بجانب اور مبنی بر انصاف سمجھوں گا کہ ہندوستان کو اس غرض سے برطانیہ کے زیر حکمرانی رکھنے کے لئے جو کچھ ہندوستان پر واجب الادا ثابت ہوتا ہے اس کی پائی پائی ہندوستان ہی کو ادا کرنی چاہئے لیکن میں یہ محسوس کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستان کو برطانیہ کے زیر نگین رکھنے سے خود برطانیہ کے بڑے اغراض وابستہ ہیں۔ ہندوستان ہزاروں برطانویوں کے لئے کسب معاش کا ایک وسیع میدان ہے۔ ہندوستان میں برطانوی اصلداروں کا

کروڑوں سے روپیہ لگا ہوا ہے اور ہندوستان کی تجارت خارجہ برطانیہ عظمیٰ کے لئے بہت ہی کارآمد ہے۔ مذکورالصدر وجوہ کے لحاظ سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان پر برطانیہ کا قبضہ نہ صرف ہندوستان کی خاطر سے ہے بلکہ برطانیہ کی کمپنی اس لئے برطانیہ عظمیٰ کو بھی مصارف لاحق کا ایک جزادا کرنا چاہیئے۔ اس جز کی مقدار کا تعین کرنے میں میرے خیال میں انگلستان کو زیادہ فیاضی سے کام لینا چاہیئے کیونکہ انگلستان بہت متمول ملک ہے واقف حال لئے کہ ہندوستان ایک نادار ملک ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستان کے محصول آمدنی کا انگلستان کے محصول آمدنی سے مقابلہ کر لیجئے اگرچہ محصول آمدنی تمول وافلاس کے جانچنے کا کچھ ایسا صحیح معیار نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ قابل توجہ ضرور ہے۔ ہندوستان میں محصول آمدنی ۲½ فیصدی یعنے تقریباً چھ (۶) پنس فی پونڈ ہے۔ اس محصول آمدنی سے کتنی رقم وصول ہوتی ہے اس کے صحیح اعداد تو بالفعل مجھے نہیں مل رہے ہیں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ چھ (۶) پنس فی پونڈ کے حساب سے دس لاکھ پونڈ سے بھی کم رقم وصول ہوتی ہے۔ بمقابل اس کے انگلستان میں بیس لاکھ پونڈ سے زیادہ رقم اس مد میں وصول ہوتی ہے۔

وائسرائے کی کونسل کے متعلق سر آکلنڈ کالون کی شہادت سے اقتباس

۳۲۱۶۔ کیا میں آپ سے دو ایک سوالات کر سکتا ہوں جو سر ریلیف ناکس خود کرنا چاہتے تھے اور نامکمل طریقے ہی پر یہی لیکن خوشی میں آپ سے یہ استفسارات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سوالات وائسرائے کی کونسل کے دستور سے متعلق ہیں۔ کیا میں یہ سمجھنے میں غلطی پر تو نہیں کہ اس کونسل کے جو شاید عاملانہ کونسل کہلاتی ہے آٹھ ارکان ہوتے ہیں۔

جی اتنے تو نہیں ہوتے۔

۳۲۱۷۔ سات ؟

وائسرائے ایک۔ سپہ سالار دو۔ رکن فوج تین۔ رکن داخلیہ چار۔ رکن تعمیرات عامہ پانچ۔ رکن مال چھ۔ رکن قانونی سات۔ جی ہاں سات لیکن ان کی تعداد میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ یہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ رکن تعمیرات عامہ ہر دفعہ حاضر نہیں رہتا۔

۳۲۱۸۔ ان ارکان میں بہ استثنائے وائسرائے و رکن مال دوسرے سب خرچ

کرنے والے ہی سررشتہ جات کے نمایندے ہیں۔

میں تو ان کا بھی استثنا نہیں کرتا بلکہ میں کسی کا استثنا نہیں کرتا۔ وائسرائے ہی کے زیر نگرانی محکمۂ خارجہ ہے اور محکمۂ خارجہ کا سیاسی دائرۂ عمل یہاں سے دریائے سندھ کے اس پار تک ایک وسیع رقبہ ہے جس کا خرچ بھی بیش مقدار ہے۔

۲۲۱۹ - بجز اس صورت کے کہ خود وائسرائے بھی کفایت شعاری پر زور دے ورنہ رکن مال ہی اس کام کے لئے اکیلا رہ جاتا ہے۔

جی ہاں۔

مالی مزاحمتوں کی کمزوری کے متعلق سر ڈیوڈ باربر کی شہادت سے اقتباسات

۲۲۲۴ - میرے خیال میں میرا یہ کہنا صحیح ہے کہ اکثر امور میں رکن مال اکیلا کونسل کے دیگر سب ارکان کا مد مقابل بنجاتا ہے مثلاً اس میں کہ اسکو خزینہ مہیا کرنا ہوتا ہے اور دوسرے اس خزینے کو صرف کرنا چاہتے ہیں۔

بیشک صورت حال یہی ہے اور لازماً یہی ہو گی۔ مختلف محکمہ جات کو زر کی ضرورت رہتی ہے اور رکن مال حتی الامکان ضروری مزاحمت سے کبھی نہیں چوکتا۔

۲۲۲۵ - اگرچہ انفرادی حیثیت سے وہ کسی ایک محکمے کے مقابل زیادہ زوردار و قوی ہی ہی لیکن مجموعی حیثیت سے سب ارکان کونسل کے مقابل تو وہ زوردار و قوی نہیں ہے۔

وہ کثرت رائے کی مزاحمت نہیں کر سکتا۔

۲۲۲۶ - اور عام خیال یہی ہے کہ دوسروں کی موقتی مایحتاج کی سربراہی کے لئے اسکو کسی حال خزینہ مہیا کرنا چاہئے اور اسی وجہ سے کونسل کے اس عام خیال سے اس کو ایک مخاصمت سی ہو جاتی ہے؟

اس میں کچھ شک نہیں کہ مصارف کی خاص مدات کے متعلق اسکو ہمیشہ حجت و تکرار کرنی پڑتی ہے۔ یہ بالکل ناگزیر ہے۔

۲۲۲۷ - فرض کیجئے کہ وائسرائے کسی فوجی نقل و حرکت کی طرف مائل ہے اور اس بارے میں رکن فوج کو سپہ سالار کی رائے سے اختلاف نہیں تو پھر اس سے رکن مال کے خلاف

کثرت رائے پیدا ہو جائے گی ؟

جی ہاں ۔ بیشک ۔

۲۳۰۱ ۔ اور سوا اس کے کی ترتیب یا مصارف کے انتظام میں خود ہندوستانیوں کو کچھ دخل دینے کا حق نہیں ہے ؟

بیشک بلا واسطہ و براہ راست ان کو دخل دینے کا حق نہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ہندوستان کی رائے عامہ پر حکومت ہند کچھ نہ کچھ توجہ ضرور مبذول کرتی ہے ۔ ہر حکومت یہی کرتی ہے ۔

۲۳۰۲ ۔ لیکن کیا براہِ راست اس معاملے میں کہنے سننے کا انھیں کوئی حق نہیں ہے ؟

جہاں تک مجھکو معلوم ہے براہ راست کہنے سننے کا انھیں کوئی حق نہیں ۔

توفیر مصارف کے متعلق مسٹر ڈی ۔ای ۔ واچھا کی شہادت سے اقتباس

۱۷۷۴۳ ۔ کیا میں یہ دریافت کرسکتا ہوں کہ اس شہادت کو جو آپ نے عام طور پر توفیر مصارف کے متعلق دی ہے ملاحظہ فرمانے کے بعد مذکورہ واقعات کے لحاظ سے کیا آپ کسی ایسے نتیجے پر پہنچے ہیں جس کو آپ ہمارے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں ؟

توفیر مصارف کے متعلق حسب بالا تحقیقات کرنے سے امور یہ ذیل کے واقعات کا انکشاف ہوتا ہے ۔

(۱) یہ کہ دس سال کی مدت میں جو مالیاتی مشکلات در پیش تھیں ان کی اصل وجہ یہی تھی کہ فوجی مصارف میں کثیر المقدار توفیر ہوگئی تھی جس کی بنا پر مزید محصولات عائد کرنا ناگزیر بن گیا تھا اور اس طرح اب جملہ محصولات کی مقدار بشمول محصول کروڑگیری نقدِ باقیمت کر دہ ہوگئی ہے ۔

(۲) یہ کہ مصارف دیوانی میں بھی بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے ۔ لیکن اس کی حد تک تو شکایت کا کوئی موقع نہیں ہے بجز اس کے کہ بیش مواجب غیر ملکی عمال پر البتہ محاصل کا ایک کثیر حصہ صرف ہوتا ہے اور ان کے بجائے اگر نظم و نسق کے اعلیٰ عہدوں پر زیادہ تر ہندوستانی

بھی مامور ہوتے تو محاصل کی بھی بہت زیادہ بچت ہوتی۔ یہ قابل ذکر ہے کہ معقول تعداد میں پیداآور مصارف دیوانی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ میرا مطلب ان مصارف سے ہے جن کا ایک واجبی معاوضہ محصول ادا کرنے والوں کو ملتا ہے مثلاً تعلیم عوام کی اشاعت۔ صنعت پسندی اور عدل گستری مواصلات و بلادیں بہتر حفظان صحت اور صفائی۔ اور افادۂ عام کے وہ سب کام جن سے اہل صوبہ کے ذرائع آمدنی اور خوشحالی میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

(۳) یہ کہ جدید محصولات لگائے یا موجودہ محصولات میں اضافہ کیے بغیر یہ بار بہ آسانی برداشت کیا جا سکتا تھا بشرطیکہ فوجی مصارف ۱۸۸۴ء کے معیار ہی پر رہتے۔

(۴) یہ کہ اس طرح کی توفیر اگر آیندہ بلا مزاحمت بحالہ چھوڑ دی جائے تو اس سے حکومت کو تازہ مشکلات کا سامنا ہوگا اور جدید محصولات لگانا بھی ناگزیر بن جائے گا اور یہ نہ مستقل اور بہتر حکومت کے مفاد میں ہے اور نہ رعایا کے۔ اس کے علاوہ رعایا میں مزید بار برداشت کرنے کا اب مقدور نہیں ہے اس لئے اس میں بڑی بے اطمینانی سی پھیلی ہوئی ہے۔ وزیر ہند کفایت شعاری اور سرکاری مصارف میں احتیاط تمام ملحوظ رکھنے کے لئے اپنے مراسلات میں احکام جاری کررہا تھا کیونکہ رعایا پر مزید بار ڈالنے کا خطرہ ذہن نشین رکھنا ضروری تھا۔ (ملاحظہ ہو مراسلہ مورخہ ۱۲ اپریل ۱۸۸۶ء جلد دوم ضمیمہ ص ۱۴۱ اور مراسلہ مورخہ ۳ نومبر ۱۸۹۲ء جلد دوم ضمیمہ ص ۱۵۲)

ان تنبیہات پر کسی نے التفات ہی نہیں کیا۔ وزرائے ہند کو عادت سی ہے کہ وہ جس بات کی تاکید کرتے ہیں اسکی تعمیل نہیں کراتے۔ اس لئے ان مراسلات سے صرف نیک نیتی کا اظہار ہو جاتا ہے لیکن ان پر کبھی عمل نہیں ہوتا۔ بہر حال اس مامور یہ نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا کہ ان کے باوجود مصارف میں توفیر ہوتی چلی گئی تھی ۱۸۹۲ء سے محصولات میں تین کروڑ کا اضافہ ہو گیا تھا اور گلگٹ پر قبضہ کرنے کے بعد سے سرحد کے اس پار فوجی نقل و حرکت بہت بڑھ گئی تھی حتیٰ کہ چترال پر بھی قبضہ کرنا ناگزیر بن گیا۔ اس میں ڈیڑھ کروڑ روپیہ صرف ہو گیا اور مزید برآں اس کے لئے سالانہ (۲۵) لاکھ متوالی مصارف عائد ہو گئے۔ ایسے مصارف کا بانی مبانی دو طرح سے وزیر ہند متصور ہو سکتا ہے ایک اسطرح کہ وہ کسی کے تحریک پیش کرنے پر خاموشی اختیار کرلے دوسرے اس طرح کہ وہ خود تحریک کرے۔ اسی بناء پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ یہ مراسلات بالکل لاحاصل ہیں اور وزیر ہند اور وائسرائے دونوں ایسے مصارف کے برابر ذمہ دار ہیں۔

یہ ایک مشہور امر واقع ہے کہ ہندوستان میں واقعی فاضلات کچھ ہوتی ہی نہیں۔ اس کی آمد و خرچ دونوں برابر ہیں اور آگاہ نہیں بلکہ اکثر اس کو مشکلات ہی مشکلات درپیش رہتی ہیں جن سے نجات حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کو کہیں سے غیبی خزانہ ملجائے یا وہ قرض لیوے یا محصولات میں اضافہ کرے اور جب کبھی محصولات میں اضافہ کیا جاتا ہے تو اس حد تک محصول ادا کرنے والوں کی مقدرت کم ہو جاتی ہے در آں حالیکہ ان لوگوں کی انفرادی آمدنی سالانہ (۲۷) روپے سے زیادہ نہیں۔

۵۰-۱۸۴۹ء سے ۹۶-۱۸۹۵ء تک محاصل میں ڈھائی کروڑ پونڈ کی کمی واقع ہوئی تھی۔ بہ الفاظ دیگر چھیالیس (۴۶) سال میں ہندوستان کی مالیات میں اوسط سالانہ (۸۰۰۰۰) روپے یعنی ۵۲۳۰۰۰ پونڈ کی کمی ہو رہی تھی۔ سب سے اہم یہ امر واقع ہمیشہ نظر انداز ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کا یہ افلاس "فصد یعنی "سیاسی سونا") کی وجہ سے تھا اور اسی لئے محاصل میں کمی ہو رہی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ایک ایسے آئین حکمرانی کا اگرچہ اسکی نیت نیک ہی سہی لیکن جو اس اہم امر واقع کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتا اور مغربی نظام حکومت کو جس میں رعایا کو کچھ دخل نہیں اور جو بیش مصارف مشہور ہے اختیار کئے چلا جا رہا ہے مالیاتی انجام بہت برا ہوگا خواہ اس کو کتنا ہی عرصہ کیوں نہ لگے اور میں یہ بھی کہوں گا کہ یہ نظام قطعی فطرت کے خلاف ہے اور اسکی قسمت میں ازل ہی سے ناکامی لکھی ہوئی ہے۔ ان حالات میں آئندہ توفیر مصارف کے خیال ہی سے ہندوستانیوں کے دلوں میں بڑے خدشات پیدا ہوتے ہیں۔

اعلیٰ عہدوں سے اہل ہند کو محروم رکھنے کے متعلق مسٹر جی۔ کے۔ گوکھلے کی شہادت کے اقتباسات

۱۸۳۳۱۔ میرے خیال میں شاید آپ ملازمت سرکار کے متعلق کچھ کہنے والے ہیں؟

جی ہاں۔ ہندوستان کے ہر سر رشتہ میں عمال کا سوال سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ پارلیمنٹی نقشہ اعداد مرتبہ مئی ۱۸۹۲ء کے موافق ہندوستان کے سر رشتہ جات دیوانی و فوج کے اعلیٰ شعبہ جات میں ۲۳۸۸ عہدہ دار ہیں جن کی یافت دس ہزار روپے اور اس سے زیادہ ہے۔ ان میں صرف ساٹھ (۶۰) ہندوستانی ہیں اور وہ بھی بہ استثنائے جہان عدالت

ایک خاص ذیلی درجے پر پہنچنے کے بعد ترقی نہیں کرتے ۔ ان کی تقسیم حسب ذیل ہے:۔

سررشتہ	دیسی	یوریشین	یوروپی	دیسیوں کی جملہ تنخواہ	یوریشیوں کی جملہ تنخواہ	یوروپیوں کی جملہ تنخواہ
				روپے	روپے	روپے
سررشتہ دیوانی	۵۵	۱۰	۱۲۱۱	۹۴۷۰۰۰	۱۵۱۰۰۰	۲۵۴۷۴۰۰۰
" فوج	۱	۱	۸۵۴	۱۲۰۰۰	۱۱۰۰۰	۱۳۲۶۸۰۰۰
" تعمیرات عامّہ	۳	۴	۲۲۹	۳۳۰۰۰	۴۵۰۰۰	۳۴۱۵۰۰۰
" لوکل فنڈ	۱	x	۹	۱۰۰۰۰	x	۱۱۳۰۰۰
میزان	۶۰	۱۵	۲۳۱۳	۱۰۰۲۰۰۰	۲۰۷۰۰۰	۴۲۰۷۰۰۰۰

مذکورالصدر عمّال کے علاوہ ریلوے کمپنیوں میں (۱۰۷) عہدہ دار ہیں جن کی یافت سالانہ دس ہزار روپے اور اس سے زیادہ ہے ۔ یہ سب یوروپی ہیں اور ان کی جملہ یافت (۱۶) لاکھ (۲۸) ہزار روپے ہوتی ہے ۔ ان عہدہ داروں کے لحاظ سے جن کی یافت سالانہ پانچ ہزار اور دس ہزار کے درمیان ہے سررشتۂ دیوانی میں بمقابل (۱۲۰۷) یوروپی اور (۹۶) یوریشین کے (۴۲۱) دیسی ہیں ۔ سررشتۂ فوج میں بمقابل (۱۶۹۹) یوروپی اور (۲۲) یوریشین کے (۲۵) دیسی ہیں ۔ سررشتۂ تعمیرات عامّہ میں بمقابل (۵۴۹) یوروپی اور (۳۹) یوریشین کے (۸۵) دیسی ہیں ۔ اور سررشتۂ لوکل فنڈ میں بمقابل (۲۲) یوروپی اور (۳) یوریشین کے (۴) دیسی ہیں ۔ اس درجے کے عہدہ داروں کی جملہ تنخواہیں اس طرح منقسم ہیں ۔ سررشتۂ دیوانی ۔ دیسی (۲۹۰۵۰۰۰) روپے یوریشین (۶۵۰۰۰۰) روپے اور یوروپی (۸۸۳۰۰۰۰) روپے سررشتہ فوج ۔ دیسی (۱۶۴۰۰۰) روپے یوریشین (۱۳۹۰۰۰) روپے اور یوروپی (۱۳۶۹۸۰۰۰) روپے ۔ سررشتۂ تعمیرات عامّہ ۔ دیسی (۵۲۷۰۰۰) روپے یوریشین (۲۷۸۰۰۰) روپے اور یوروپی (۳۹۶۲۰۰۰) روپے لوکل فنڈ ۔ دیسی (۲۵۰۰۰) روپے یوریشین (۱۰۰۰۰) روپے اور یوروپی (۱۴۶۰۰۰) روپے

ان کے علاوہ اسی درجے کے (۲۵۰) عہدہ دار ریلوے کمپنیوں میں بھی ہیں جن میں (۲) دیسی (۸) یورپ نشین اور (۲۴۰) یوروپی ہیں۔ ان کی تنخواہیں اس طرح منقسم ہیں۔ دیسی (۱۲۰۰) روپے یورپ نشین (۵۰۰۰) روپے اور یوروپی (۱۷۱۰۰۰) روپے۔ حکومت ہند انگلستان میں یوروپی لوگوں کو (۱۲۵۳۶۰) پونڈ تنخواہوں کی شکل میں ادا کرتی ہے اور ریلوے کمپنیاں (۵۴۵۲۲) پونڈ ہندوستان میں ملازمت کے اعلیٰ شعبہ جات میں یوروپی اشخاص کے عملی طور پر اس طرح اجارہ دار بنجانے سے جو مالی نقصان ہوتا ہے وہ انکی تنخواہوں کی حد تک ہی نہیں بلکہ تنخواہوں کے علاوہ وظائف خدمت اور طویل رخصتوں کی ماہواریں بھی ہیں چنانچہ ۱۸۹۰ء میں یوروپی اشخاص کو انگلستان میں ساڑھے تیس لاکھ پونڈ سے زیادہ اس ضمن میں دینا پڑا تھا۔ غیر ملکی عمال کی بے اندازہ یافت ہی ایک خرابی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ایک اور اخلاقی خرابی اس کے ساتھ ساتھ موجود ہے موجودہ نظام میں ہندوستانی نسل کا نشو و نما مسدود ہو رہا ہے کمتر قامتی اور پست ہمتی ساتھ ساتھ ہیں اور پستی اور تذلت کی فضا میں مدت العمر ہمیں گزارنی پڑتی ہے۔ موجودہ نظام کی ضرورتوں کی خاطر ہم میں سب سے بلند قامت کو بھی سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔

مالیات پر نگرانی رکھنے کے متعلق مسٹر جی سبرامنیا ائیر کی شہادت سے اقتباس

۱۸۷۶۷ شاید آپ ان کو بیان کر دینا مناسب سمجھیں گے؟

جی ہاں۔ صوبجات کے مالیاتی نظام کے متعلق جو ہماری مالیاتی مشنیری کی ایک اہم کل ہے اپنے خاص خیالات کا اظہار کرنے سے پہلے میں اس حد تک اس کی انسدادی تدابیر بتائے دیتا ہوں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوستان کی مالی حالت کو تقویت دینے کا ایک طریقہ وہ بھی ہے جو مسٹر آکلنڈ کالون نے بیان کیا ہے۔ وہ کسی طریقے سے حکومت ہند کے اقتدار میں ناواجبی طور پر مداخلت کئے بغیر ایک ایسی نگرانی قائم کر دینی چاہیئے جو نظریئے کے لحاظ سے موجودہ زمانے کی آخری عدالت استغاثہ یعنے پارلیمنٹ سے صادر ہوئی ہو۔ ارکان پارلیمنٹ کی ایک ایسی مجلس جیسی سر ولیم ویڈر برن نے تجویز کی ہے اگر اس لئے قائم کی جائے کہ وہ ہر سال مالیاتی

کیفیت کی تنقیح کرے اور بحث کے لئے اس کیفیت کے دارالعوام میں پیش ہونے سے پہلے اس پر ایک رپورٹ بھی پیش کرے تو اس سے ایک حد تک یہ مقصد پورا ہو جائے گا۔ وائسرائے کی کونسل وضع قوانین میں غیر سرکاری ارکان جو رائے ظاہر کریں گے اس پر یہ مجلس بیشک معقول توجہ مبذول کرے گی۔" ماموریہ کے سامنے جو شہادت پیش ہوئی تھی اس سے صاف طور پر اس بات کا انکشاف ہوتا تھا کہ موجودہ نظام کے تحت دونوں حکومتوں کے درمیان بعض مطالبات کی تقسیم کے متعلق تنازع سالہا سال تک جاری رکھا جاتا تھا اور اس کے بعد اس کا ایسا تصفیہ کر دیا جاتا تھا جو کسی فریق کے لئے اطمینان بخش نہ تھا اس لئے اس نظام کو مسدود کر دینا ہی مناسب تھا ایک تجویز یہ بھی تھی کہ اس تقسیم مطالبات کے اصول کو ایک یادداشت خزانہ کی شکل میں منضبط کر دینا مناسب ہے اور جب دونوں حکومتوں میں اختلاف رائے ہو تو ان اصول پر عمل پیرا ہونے کے لئے یہ مسئلہ کسی ایسے حکم پر یا ایسی ثالثی پر چھوڑ دینا چاہیئے جس کو دونوں حکومتوں نے مل کر منتخب کیا ہو۔ مارکوئیس کرزن اور مارکوئیس لینڈز ڈاؤن نے اس تجویز کو پسند کیا تھا۔ میرے خیال میں اس بارے میں آخری تصفیہ کا اختیار مجلس خاصہ کی عدالتی کمیٹی کو دینا بہتر ہوگا۔ مجلس خاصہ ایک ایسا محکمہ عدالت ہے جسکی ہندوستان میں بہت شہرت ہے اور بمقابل ایک ایسی ثالثی کے جس کا حسب ضرورت وقتاً فوقتاً انتخاب کیا جائے گا مجلس خاصہ ہی پر لوگوں کو زیادہ اعتماد ہوگا۔ ہندوستان کی حقیقی مالی حالت سے وزیر ہند کی کونسل کے ارکان کے ہر وقت واقف رہنے کی جو اہمیت ہے وہ تو میں نے پہلے بیان کر دی ہے اس غرض سے دس سال کے لئے کونسل کے ارکان کا انتخاب کرنے اور اس کے بعد پھر وزیر ہند کی مرضی و خواہش پر ان کی رکنیت میں توسیع دینے کا طریقہ بالکل مسدود کر دینا چاہیئے۔ ان کی رکنیت کی میعاد حکومت ہند اور گورنر صوبجات کی کونسل کی رکنیت کی طرح صرف پانچ سال ہونی چاہیئے اور سابق ارکان کا دوبارہ تقرر ممنوع ہونا چاہیئے۔ کونسل کے ارکان میں متعدد ایسے ہندوستانیوں کو بھی شریک کرنا چاہیئے جن میں ضروری قابلیت ہو اور یہ ضروری نہیں کہ یہ ہندوستانی سرکاری عہدہ دار رہ چکے ہوں۔ مجلس وضع قوانین کے لئے جو ارکان منتخب ہوتے ہیں انھیں کی سفارش پر وزیر ہند کی کونسل کے ارکان کا تقرر ہونا چاہیئے۔ یہ ارکان کونسل وزیر ہند کے ملاحظے کے لئے ہندوستانی مطمح نظر جس سے موجودہ نظام میں واقف ہونے کا وزیر ہند کے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے ہمیشہ پیش کرتے رہیں گے۔ ہندوستان میں حکومت ہند کے دستور کے متعلق میں نے قبل ازیں بیان کیا ہے کہ کسی خاص سررشتہ پر

نگرانی رکھنے کا اختیار گورنر جنرل سے اس لئے لے لینا چاہئے کہ اس کو ملک کے اندرونی معاملات پر زیادہ توجہ کرنے کے لئے وقت ملے جواب نہیں ملتا اور ان معاملات پر ۱۸۵۸ء سے ماقبل جیسی توجہ کی جاتی تھی اب ویسی نہیں کی جاتی۔ گورنر جنرل کی مجلس وضع قوانین کے ارکان کو موازنے پر رائے دینے کا حق ہونا چاہئے اور اگر اس سے حکومت ہند کے خلاف کثرت رائے ہوجائے تو مسٹر مجلس بہ اختیار خود اس تصفیہ کو مسترد کر سکتا ہے۔ موازنے میں اس طرح دخل دینے کی گنجائش رہنی چاہیے اور جب کبھی ایسی قانونی تجویز زیر غور ہو جس سے مالیات پر اثر پڑتا ہے تو حتی الامکان عوام کی انجمنوں اور جماعتوں کی رائے اور خیالات پیش از پیش معلوم کرنا چاہیے۔

ہندوستانیوں کو سرکاری خدمات کے سرانجام کا زیادہ موقع دینے کے متعلق مسٹر سریندرناتھ بنرجی کی شہادت کے اقتباسات

۱۹۳۲۰۔ توفیر مصارف کے متعلق آپ اظہار رائے کرنے والے ہیں؟

جی ہاں۔ ہندوستانیوں کو خود ان کے ملک میں سرکاری خدمت کے سرانجام کے لئے اور زیادہ موقع دینے کا مسئلہ کم و بیش ایک مالیاتی مسئلہ ہے۔ دیگر مصارف میں بالعموم اور سررشتہ فوج کے مصارف میں بالخصوص اضافہ ہوتا رہا ہے اور ہندوستان کی رائے عامہ میں فوجی مصارف کی توفیر ملک کے لئے بالکل ناقابل برداشت ہے اور اس سے ملک کی اشد ضروری اصلاحات کے لئے جائز طور پر جس قدر صرف ہونا چاہئے اس کے لئے محاصل مکتفی نہیں ہوتے۔ اہل ہند حسن میں اس بات کے سمجھنے کی صلاحیت موجود ہے سر ایچ۔ بریکنبری کی اس رائے سے بالکل متفق ہیں کہ ہندوستانی فوج کے اس حصے کے (جو ملک میں امن قائم رکھنے کی ضرورت سے زیادہ ہے) جملہ مصارف برطانوی خزانے سے ادا ہونا چاہئیں اور اس فوج کے یوروپین جسم کی تنخواہوں کے اخراجات کو انگلستان اور ہندوستان پر تقسیم کر دینا بالکل مبنی برانصاف ہے جب تک یہ نہ ہوگا اس وقت تک ہندوستان کے محاصل ترقی پسند نیک نیت حکومت کی اغراض کے لئے مکتفی نہیں ہوسکتے اور عوام کی اصلاح حال بھی ناممکن ہے اگر سرکاری خدمت کے سرانجام کا ہندوستانیوں کو اور زیادہ موقع دیا جائے تو اس میں کفایت بھی ہوگی اور اہل ملک کی دماغی اور اخلاقی حالت کے اعلےٰ معیار پر پہنچنے کے لئے ایک وجہ محرک بھی پیدا ہو جائے گی۔ دس سال

گزرے کہ سرکاری خدمت کے متعلق ایک ماموریہ نے جس کا صدر پنجاب کا لفٹنٹ گورنر وقت سر چارلس ایچیسن تھا اور جس میں اپنے زمانے کے ممتاز ترین سرکاری اور غیر سرکاری نمایندے بھی شریک تھے ہندوستان میں سرکاری ملازمت کے مسئلے پر رپورٹ پیش کی تھی۔ ان کی تجاویز کے منشا و مطلب کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔ ہندوستانیوں کو سرکاری خدمت بجالانے کا زیادہ موقع دیا جائے سرکاری عملے کے لئے لوگوں کو انگلستان میں بھرتی کرنا کم کردیا جائے اور ہندوستان میں ہی قابلیت کے جو لوگ ملتے ہیں ان سے یہ کام لیا جائے۔ بہ الفاظ دیگر صوبجات کی ملازمت جس میں ہندوستانی ہی بھرتی ہوں نظم ونسق کی پشت پناہ ہو جس پر یوروپی اشخاص کی نگرانی رہے ماموریہ نے اپنی رپورٹ میں بیان کیا تھا کہ "حکمت عملی اور کفایت شعاری ان دونوں کے لحاظ سے اس کی ضرورت ہے کہ جہاں تک یہ اچھی حکومت کی غرض و غایت کی نقیض نہ ہو سرکاری عملے کے لئے انگلستان میں لوگوں کو بھرتی کرنا کم کردیا جائے اور ہندوستان میں ہی قابلیت کے جو لوگ ملتے ہیں ان سے یہ کام لیا جائے"۔ ماموریہ کو یہ رپورٹ پیش کئے دس سال سے زیادہ مدت گزر چکی لیکن اب بھی امر واقعہ یہی ہے کہ سرکاری ملازمت کے تقریباً تمام شعبہ جات میں اعلےٰ عہدوں پر یوروپی ہی مامور ہیں۔

بارھواں باب

مجلس زرہند

۱۸۷۳ء کے بعد سے چاندی کی قدر میں مسلسل تنزل ہو رہا تھا جس کی بناء پر حکومت ہند کو تردد لاحق تھا۔ اس تنزل سے اہل ہند کو کچھ نقصان نہ تھا۔ جتنی جتنی روپیہ کی قدر گھٹ رہی تھی اتنی اتنی ملکی پیداوار کی قیمتیں روپیوں کی مقدار کے لحاظ سے بڑھ رہی تھیں۔ اس طرح چاندی کی کم قدری سے ہندوستان کی برآمد کو نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہو رہا تھا۔ جیسے ہی روپیہ کی قدر کم ہوتی تھی ویسے ہی روپیوں کی مقدار کے لحاظ سے سرکار کے محاصل میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔ جب عہدہ دار بندوبست یہ دیکھتا تھا کہ چاول اور گیہوں روپیوں کی مقدار کے لحاظ سے زیادہ گراں ہو گئے ہیں تو وہ مطالبہ مالگزاری میں بھی اضافہ کر دیتا تھا۔ لگان اور محاصل کے اضافے کے ساتھ ابواب (جن کا تعین مالگزاری کی بناء پر ہوا کرتا تھا) کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو جاتا تھا۔ اور محصول آمدنی کا تشخیص کنندہ جب روپیوں کی مقدار کے لحاظ سے بیوپاریوں اور تاجروں کی آمدنی کو زیادہ پاتا تھا تو محصول آمدنی میں بھی اضافہ کر دیتا تھا۔ روپیہ کی قدر گھٹ جانے پر عہدہ داران سرکار اپنی تنخواہوں میں جو روپیہ میں ادا ہوتی تھیں کچھ نہ کچھ اضافہ کرنے کے مطالبے کر سکتے تھے۔ ہندوستان کے یوروپی عہدہ داروں کو آخر کار نقصان کا عوض تو ملا لیکن ایک حسد انگیز اور قابل اعتراض شکل میں ملا اور ہندوستانی عہدہ دار

تلافی نقصان کے طور پر اپنی قلیل تنخواہوں میں معقول اضافہ پانے سے محروم رہے ہندوستان کے مالی نظم ونسق اور زر کے معاملات کی حد تک بمقابل طلا کے نقرہ کی قدر گھٹ جانے سے کوئی مشکل یا زحمت نہ ہوئی ۔

لیکن مطالبات وطن کی تکمیل کے لئے حکومت ہند یہ ہر سال کثیر المقدار زر کا انگلستان ارسال کرنا لازمی تھا اور جب کہ چاندی کی قدر گھٹ گئی تھی تو اس ارسال طلا کے یہ معنی تھے کہ اس کے لئے چاندی مقدار میں بہت زیادہ درکار تھی ۔ یہ حکومت ہند کی نظروں میں ہندوستان پر ایک مزید محصول تھا اور مطالبات وطن میں تخفیف کی صلاح دینے کے بجائے حکومت ہند نے بناوٹی طور پر روپیہ کی قدر بڑھا دینے کی تجویز کی جس کے معنی یہ تھے کہ ہندوستان کے محصولات میں اس طرح ایک حقیقی اور عام اضافہ کر دیا جائے ۔

۱۸۷۱ء کے بعد سے آٹھ سال کی مدت میں روپیہ کی قدر ۳ ۱/۲ پنس گھٹ گئی تھی جیسا ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے ۔

قدر روپیہ

سنہ	پنس
۱۸۷۱-۷۲	۲۳ ۱/۸
۱۸۷۲-۷۳	۲۲ ۳/۴
۱۸۷۳-۷۴	۲۲ ۳/۸
۱۸۷۴-۷۵	۲۲ ۱/۸
۱۸۷۵-۷۶	۲۱ ۵/۸
۱۸۷۶-۷۷	۲۰ ۱/۲
۱۸۷۷-۷۸	۲۰ ۳/۴
۱۸۷۸-۷۹	۱۹ ۳/۴

۱۸۷۶ء میں کلکتے کے ایوان تجارت نے روپیہ کی کم قدری کے انسداد کے لئے

حکومت ہند کی خدمت میں چاندی کے سکوک کرنا ملتوی کر دینے کی زور دار تحریک کی۔ لیکن حکومت ہند نے یہ عذر کیا کہ حالات حاضرہ کے لحاظ سے ہندوستانی زر کے متعلق کوئی ایسی کارروائی کرنے کی ضرورت یا وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

نومبر ۱۸۷۸ء میں جب جنگ افغان شروع ہونے ہی کو تھی کہ لارڈ لٹن نے اس بارے میں وزیر ہند کو پھر لکھا اور روپیہ کی قدر بڑھانے کی غرض سے سکہ سازی محدود کر دینے کے لئے اس نے چند تجاویز پیش کیں۔ لٹن نے ایک مسودہ قانون پیش کرنے کے ساتھ ساتھ قانون سکہ میں ترمیم کرنے کی بھی تجویز کی۔

اس مراسلے کو وزیر ہند لارڈ کرنبروک نے انگلستان کے وزیر مال سر اسٹیفرڈ نارتھکوٹ کی خدمت میں بھیج دیا۔ انجام کار یہ مراسلہ غور و خوض کے لئے ایک مجلس کو سپرد کیا گیا جو سر لوئی میلٹ مسٹر اسٹینہوپ رکن پارلیمنٹ مسٹر ٹامس سکوم۔ مسٹر فیار، سر ولیم مسٹر گفن اور مسٹر آر تھر بیفر رکن پارلیمنٹ پر مشتمل تھی۔ اس مجلس نے ۳۰ اپریل ۱۸۷۹ء میں رپورٹ پیش کی کہ "اس مراسلے کی مندرجہ تجاویز پر خوب غور و خوض کرنے کے بعد سب ارکان کی متفقہ رائے یہی ہے کہ ملکہ معظمہ کی حکومت کا ان کو منظور کرنا نامناسب ہے۔"

اس کے بعد ۲۴ نومبر ۱۸۷۹ء میں منتظمین خزانہ عامرہ نے لارڈ لٹن کی تجاویز کا تفصیلی جواب دیا۔ اس مکمل اور مدللانہ جواب کا کچھ حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نقرہ و طلا کی باہمی نسبت میں جو تغیر یا کمی و بیشی ہمیشہ ہوتی ہے وہ نقرہ کی کم قدری کی وجہ سے ہوتی ہے یا طلا کی قدر افزائی کی بنا پر یا ان دونوں وجوہ سے"

"منتظمین خزانہ عامرہ کی رائے میں موجودہ تجویز کو پیش کرنے سے حکومت ہند پر یہی نکتہ چینی کی جا سکتی ہے جو ایسی حکومتوں پر جنھوں نے اپنے زر کی قدر قلز اتی گھٹا دی ہو کی جا سکتی ہے۔ قدر قلز اتی گھٹا دینے سے عام طور پر حکومتوں کا مقصد و منشا یہی ہوتا ہے کہ اپنے لینداروں کو نقرہ و طلا کم مقدار میں ادا کریں۔ برخلاف اس کے موجودہ صورت میں حکومت ہند کا مقصد و منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے محصول ادا کرنے والوں سے نقرہ و طلا زیادہ مقدار میں وصول کریں۔ منتظمین خزانۂ عامرہ کو ان دونوں معاملات کی نوعیت میں کوئی حقیقی فرق نہیں معلوم ہوتا۔"

"برخلاف اس کے اگر اصل واقعہ یہی ہے کہ ہندوستان میں روپیہ کی قدر گھٹ گئی ہے اور مجوزہ منصوبے سے ہندوستان میں اسکی قدر بڑھ جانے کی توقع ہے تو پھر بھی یہ منصوبہ اس لئے قابل اعتراض ہے کہ اس سے ہندوستان میں ہر معاہدے کی اور ہر نقرہ ادائی کی حقیقۃً تبدیل ہئیت ہو جائے گی۔"

"اگر مبادلہ کی موجودہ صورت نقرہ کی کم قدری سے ہے تو حکومت ہند کے منصوبہ کی کامیابی سے حسب ذیل اشخاص کو فائدہ ہوگا۔

(۱) حکومت ہند کو جو ارسال وطن کے نقصان مبادلہ کی تلافی کے لئے محصولات میں متناسب اضافہ کرنے سے بچ جائے گی۔

(۲) ان ملازمین دیوانی اور دوسرے انگریزوں کو جو ہندوستان میں ملازمت یا کام کرتے ہیں اور زر انگلستان ارسال کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) ان انگریزوں کو جنھوں نے ہندوستان میں زر جمع کیا تھا اس سے نفع حاصل کرتے تھے مگر اب اس کو انگلستان ارسال کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن ان اشخاص کے فائدے سے ہندوستان کے محصول ادا کرنے والوں کو نقصان ہوگا اور ہندوستان میں ہر قرض اور ہر ادائیہ مقررہ میں بشمول اس قرض کے بھی جو رعیت کی طرف سے ساہوکاروں کو واجب الادا ہے اضافہ ہو جائے گا۔ درآں حالیکہ حکومت ہند کی حد تک بھی اس لحاظ سے کہ ہندوستان میں ان مقررہ سرکاری رقمی ذمہ داریوں میں بھی جو نقرہ ہی پر مبنی ہیں اضافہ ہو جائے گا اس فائدے میں مادی کمی ہو جائے گی۔"

حکومت ہند کی تجاویز کے جواب میں دفتر خزانہ کے اس مراسلے سے اس مسئلے کا اس وقت کے لئے تصفیہ ہوگیا اور چھ سال تک پھر یہ مسئلہ تازہ نہیں کیا گیا۔ اس چھ سال کی مدت میں روپیہ کی قدر میں بہت ہی تھوڑی کمی ہوئی تھی جیسا ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے

قدر روپیہ

سنہ	پنس
۱۸۷۹-۸۰	۲۰
۱۸۸۰-۸۱	۲۰

سنہ	پنس
۱۸۸۱-۸۲	۱۹ ۵/۸
۱۸۸۲-۸۳	۱۹ ۱/۲
۱۸۸۳-۸۴	۱۹ ۱/۲
۱۸۸۴-۸۵	۱۹ ۵/۱۶

سنہ ۱۸۸۲-۸۳ء سے سنہ ۱۸۸۴-۸۵ء تک یعنے لارڈ لٹن کی حکمرانی کے آخری دو سال اور لارڈ رپن کے پورے عہد حکومت میں روپیہ کی قدر صرف ۱۹ ۳/۴ سے ۱۹ ۵/۱۶ تک گھٹ گئی تھی۔ لیکن سنہ ۱۸۸۶ء کی ابتدا میں چاندی ارزان ہوگئی اس پر وائسرائے ہند لارڈ ڈفرن نے پریشان ہو کر وزیر ہند کو حسب ذیل تار دیا تھا۔ "قرض پر سود ادا کرنے اور سرحدی ریلوں۔ مدافعت اور زائد فوجی مصارف کی تکمیل کے لئے ہم نے جو مالی انتظامات کیے تھے وہ اس مفروضے پر مبنی تھے کہ روپے کی شرح مبادلہ ۱۸ پنس سے کم نہ ہوگی۔ چاندی کی حالیہ ارزانی سے اور اس سے کہ ممالک متحدہ امریکہ کی حکمت عملی اس بارے میں کیا ہوگی اس کا کچھ یقین نہیں ہے ہم کو بہت تشویش ہو رہی ہے ..... ہم استدعا کرتے ہیں کہ جہاں تک جلد ممکن ہوسکے اس مسئلے پر ملکہ معظمہ کی حکومت غور و خوص فرمائے۔ تجربے سے ناقابل تردید طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تاخیر سے تصفیہ کی مشکلات میں اور پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔"

اسکے بعد لارڈ ڈفرن نے وزیر ہند کی خدمت میں ایک مراسلہ بھیجا جس میں وائسرائے اور اس کی کونسل نے بیان کیا کہ روپیہ کی قدر میں کمی ہونے کا اصل سبب امریکہ کے "قانون بلینڈ" کی ترمیم و تنسیخ کے متعلق تخمین ہی تھا۔ یہ کہ روپیہ اور طلا میں ایک مستقل و مستحکم باہمی نسبت قائم کرنے کے لئے کوشش کرنی ضروری تھی اور یہ کہ "اس مسئلے کو تازہ کرنے کے لئے یہ بہت مناسب موقع تھا۔" حکومت ہند نے یہ دریافت کرنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ مزید فوجی مصارف (جن کا تار برقی میں حوالہ دیا گیا تھا) اور مزید زر کے انگلستان ارسال کرنے سے (جو فوجی مصارف میں اضافہ ہونے ہی کا نتیجہ تھا) شرح مبادلہ پر کس قدر مضر اثر پڑا تھا جس سے شرح مبادلہ اس طرح ہندوستان کے غیر مفید ہوگئی تھی۔ اور نہ یہ صلاح دینے کی اسکو جرأت ہوئی کہ اس روزافزوں خرابی کے انسداد کے لئے مطالبات وطن میں جو طلا میں ادا ہونے تھے تخفیف کا مصمم ارادہ کرلیا جائے۔

لارڈ رنڈولف چرچل نے جو اس زمانے میں وزیر ہند تھا اس تار اور مراسلے کو

دفتر خزانۂ عامرہ بھیج دیا۔ اور منتظمین خزانۂ عامرہ نے دوبارہ حکومت ہند کی اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ انھوں نے اس بیان کا حوالہ دیا جس کو مسٹر گوشن ۔ مسٹر گنبر اور سر ٹامس سکوڈ نے ملکۂ معظمہ کی حکومت کے نمایندوں کی حیثیت سے ۱۸۸۱ء کی "بین الاقوام کانفرنس زر" میں قلمبند کیا تھا اور اور وہ یہ کہ "نقرہ و طلا کے درمیان ایک معینہ نسبت قائم رکھنا ناممکن تھا" اور یہ بھی کہا کہ حکومت ہند کی اس تجویز کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ہندوستان کے محصول ادا کرنے والوں کو نقصان ہوگا مگر ہندوستان کے انگریز عہدہ داروں کو فائدہ ہوگا جیسا سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ نے چھ سال قبل بتایا تھا۔

"منتظمین خزانۂ عامرہ کی رائے میں حکومت ہند کے مراسلۂ سال حال میں کوئی ایسی وجہ بیان نہیں کی گئی ہے جس کی بناء پر نقرہ و طلا کی قدر میں بناوٹی طور پر اضافہ کرنے کی کوششوں کے نتائج کے متعلق سر اسٹیفرڈ نارتھ کوٹ کے نام سے جو رائے پیش کی گئی ہے اس سے وہ اختلاف کریں"

اگرچہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مجوزہ تدابیر سے ہماری حکومت کے یوروپی عہدہ داران کو کچھ فائدہ ہوگا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان سے ہندوستان کے محصول ادا کرنے والوں کو کس طرح سخت ضرر پہنچے گا اس وقت سے چاندی کی کم قدری ہندوستان کی برآمد کے لئے جیسی کچھ وجہ حرکت ثابت ہوئی اور رعایا کی حرفت و تجارتی دولت میں جیسا کچھ اضافہ ہوا ان دونوں باتوں کے لحاظ سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ ان امور میں جن کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو اس سے اہل ہند کو بمقابل نقصان کے زیادہ فائدہ ہوتا بے سوچے سمجھے مداخلت کرنا بہت برا ہے جیسا اسی وقت اس سے تنبہ کر دیا گیا تھا۔ اس مسئلے کو اس عام اثر کا پورا پورا اندازہ کیے بغیر جو ہندوستان کی آبادی کے ایک انبوہ کثیر کی تجارت اور خوشحالی پر چاندی کی طلائی قیمت کے آثار سے پڑتا ہے محض ہندوستان کے خزانہ یا ہندوستان کے یوروپی عہدہ داروں کے مفاد کے نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا"

منتظمین خزانۂ عامرہ کے پاس سے یہ جواب موصول ہونے کے بعد چند سال تک حکومت ہند نے اس کے متعلق کچھ کارروائی نہیں کی ۔ لارڈ لینڈز ڈاؤن اور لارڈ الگن کے عہد حکومت میں روپیہ کی قدر میں سرعت کے ساتھ تنزل رونما ہوا لیکن کسی نے یہ دریافت نہ کیا کہ یہ تنزل قدر کس حد تک فوجی مصارف میں اور اسکے ساتھ ساتھ ہندوستان کی دولت کے سالانہ معاشی سوتاؤ میں مسلسل اضافہ ہونے کی بناء پر تھا۔ ۸۶-۱۸۸۵ء سے ۹۴-۱۸۹۳ء تک اس آٹھ سال کی مدت میں روپیہ کی قدر میں کس حد تک تنزل ہوا تھا وہ ذیل کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے :-

قدرِ روپیہ

سنہ	پنس
١٨٨٥ - ٨٦	١٨ ، ٢
١٨٨٦ - ٨٧	١٧ ، ٤
١٨٨٧ - ٨٨	١٦ ، ٨
١٨٨٨ - ٨٩	١٦ ، ٣
١٨٨٩ - ٩٠	١٦ ، ٥
١٨٩٠ - ٩١	١٨ ، ٠
١٨٩١ - ٩٢	١٦ ، ٧
١٨٩٢ - ٩٣	١٤ ، ٩
١٨٩٣ - ٩٤	١٤ ، ٥

روپیہ کی قدر میں مسلسل تنزل ہونے کی وجہ سے برطانوی حکومت نے وہ حکمتِ عملی ترک کر دی جس کو ہندوستان کے محصول ادا کرنے والوں کے نیز ہندوستان کی حرفت کے مفاد میں اس نے اب تک قائم رکھا تھا۔ سنہ ۱۸۹۲ء کی بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ برسلس کے بعد بھی کچھ صورتِ حال نہیں بدلی۔ یہ قرینِ قیاس متصور ہوتا تھا کہ ممالک متحدہ امریکہ "قانون شرمن" کی ان دفعات کو منسوخ کر دے گا جن کی رو سے سالانہ پانچ کروڑ پچاس لاکھ اونس چاندی خریدنے کی شرط لگائی گئی تھی۔ اسی بنا پر ہندوستانی زر کا مسئلہ ایک مجلس کے سپرد کر دیا گیا جس کا میرِ مجلس لارڈ چانسلر وقت المخاطب بہ لارڈ ہرشل تھا۔ مئی سنہ ۱۸۹۳ء میں لارڈ ہرشل کی اس مجلس نے رپورٹ پیش کی جس میں ہندوستانی دارالضرب کو بند کر دینے کی تجویز تھی لیکن اس شرط پر کہ حکومت ہند معاوضہ طلائی روپیہ ۱۶ پنس کی شرح مبادلہ پر روپے دینے کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ سرکار کو ادائے رقوم واجب الادا میں برطانوی اشرفیوں کا لینا بھی قبول کرلے۔

اسی کے موافق جون سنہ ۱۸۹۳ء میں ایک قانون ہندوستان میں نافذ کیا گیا اور ایک عامہ اطلاع شائع کر دی گئی۔ سالہائے مابعد میں روپیہ کی قدر میں اضافہ ہونے لگا جیسا ذیل کے اعداد سے

واضح ہوتا ہے ۔

قدر روپیہ

سنہ	پنس
١٨٩٤ - ٩٥	١٣٫١
١٨٩٥ - ٩٦	١٣٫٦
١٨٩٦ - ٩٧	١٤٫٤
١٨٩٧ - ٩٨	١٥٫٣
١٨٩٨ - ٩٩	١٦٫٠

جب روپیہ کی قدر قریب قریب اس حدتک پہنچ گئی جس حدتک اس کو پہنچانے کی لارڈ ہرشل کی مجلس نے صلاح دی تھی تو حکومت ہند نے وزیر ہند لارڈ جورج ہملٹن سے دریافت کیا کہ روپیہ کی یہی قدر معین کر دینے کی کیا تدابیر ہو سکتی ہیں ۔

لارڈ جورج ہملٹن نے ١٨٩٨ء میں اس کام کے لئے ایک مجلس مقرر کر دی جس کا صدر نشین سر ہنری فوولر بنایا گیا ۔ اس مجلس کا یہ مقصد نہ تھا کہ وہ روپیہ کی قدر کو ١٦ پنس تک پہنچانے کی حکمت عملی پر بحث کرے کیوں کہ اس حکمت عملی کو تسلیم کر لیا گیا تھا چنانچہ اسی پر عمل ہو رہا تھا ۔ سر ہنری فوولر خود ١٨٩٤ء اور ١٨٩٥ء میں وزیر ہند رہ چکا تھا جب کہ ہندوستانی دار الضرب بند رکھا گیا تھا اور روپیہ کی قدر میں اضافہ ہو رہا تھا ۔ اس لئے یہ قرین قیاس نہ تھا کہ اس حکمت عملی پر اس کو کوئی اعتراض ہوگا ۔ اس کے علاوہ اس مجلس کو یہ ہدایتیں دی گئی تھیں کہ اس حکمتِ عملی پر کوئی تازہ بحث نہ کی جائے بلکہ صرف یہ رپورٹ پیش کی جائے کہ "جو مقصد حکومت ہند کے پیش نظر ہے کیا وہ ان تدابیر سے حاصل ہو سکتا ہے جو حکومت ہند نے پیش کی ہیں" ۔ با ایں ہمہ اس کے متعلق کہ روپیہ کی قدر ١٦ پنس مقرر کر دینا کیا مصلحت کے ساتھ ساتھ اہل ہند کے مفاد پر بھی مبنی ہے سر ہنری فوولر کی مجلس نے طویل شہادت قلمبند کی ۔ اس شہادت کا کچھ حصہ آگے چلکر نقل کیا جائے گا ۔ سر ہنری فوولر اور اس کی مجلس نے ١٨٩٩ء میں اپنی رپورٹ پیش کی جس میں حسب ذیل تجاویز درج تھیں :- یہ کہ فی روپیہ ایک شلنگ ٤ پنس کی شرح مبادلہ پر برطانوی اشرفی زر قانونی مقرر کر دی جائے ۔ یہ کہ حکومت ہند

اس شرح پر روپیوں کے بدلے طلا دینے کی ذمہ داری لینے کے بجائے اس قدر زر محفوظ رکھے کہ اگر شرح مبادلہ میں تنزل رونما ہو تو غیر ممالک کو ارسال کرنے کے لئے فوری اس زر محفوظ سے استفادہ کیا جائے۔ ان تجاویز کے موافق برطانوی اشرفی کو ہندوستان میں زر قانونی بنانے کے لئے ۱۸۹۹ء میں ایک قانون نافذ کیا گیا۔ اس وقت سے ہندوستانی خزانے اور زر کی مد محفوظ میں طلا مسلسل جمع ہونا شروع ہو گیا۔ اپریل ۱۸۹۹ء میں طلا کی مقدار محفوظ بیس لاکھ پونڈ تھی لیکن مارچ ۱۹۰۰ء میں یہ ستر لاکھ پونڈ تک پہنچ گئی۔ ان تجاویز کا ہندوستان کے محاصل اور محصولات پر کیا اثر پڑا اس کو آئندہ باب میں بیان کیا جائے گا۔

سر ہنری فوولر کی مجلس نے ۱۸۹۸ء اور ۱۸۹۹ء میں جو شہادت قلمبند کی تھی اس سے دو کالم کے تقریباً چھ سو صفحے بھر گئے تھے ہندوستان کے ممتاز اور نظم ونسق کے بڑے تجربہ کار یورپی عہدہ داروں نے اپنی اپنی رائے صاف و صریح اور زور دار الفاظ میں ظاہر کی لیکن ایک بات انھوں نے نہیں کی وہ یہ کہ مطالبات وطن میں جن کی وجہ سے یہ مشکل در پیش تھی حتی الامکان تخفیف کرنے کی صلاح نہ دی۔ انھوں نے ان مطالبات کو بالکل ناگزیر ہی تسلیم کر لیا لیکن چونکہ وہ ہندوستان میں محصولات میں اضافہ کرنے کے سخت خلاف تھے اس لئے روپیہ کی قدر میں اس طرح اضافہ ہو جانے کے بعد آئندہ وہی قدر قائم رکھنے کی انھوں نے طرفداری کی۔ سر انتھونی مکڈانل کی شہادت اس رائے کی اچھی ترجمانی کرتی ہے اور ذیل کے اقتباس سے مکڈانل کے خیالات کی توضیح ہوتی ہے

سر انتھونی مکڈانل کی شہادت سے اقتباس

۵۷۷۸۔ فرض کیجئے کہ دار الضرب پھر کھول دیا جائے اور روپیہ کی شرح مبادلہ گھٹ کر مثلاً پھر ایک شلنگ ہو جائے تو کیا اس سے آپ کے محاصل پر کچھ اثر پڑے گا؟

بیشک ان پر اس طرح اثر پڑے گا کہ مطالبات وطن کی تکمیل کے لئے زیادہ محاصل درکار ہوں گے۔

۵۷۷۹۔ کیا آپ کا مطلب محصولات میں اضافہ کرنے سے ہے؟

جی ہاں۔

۵۷۸۰۔ آپ کی رائے میں ہندوستان میں محصولات میں اضافہ کرنے کی کوشش کا

کیا معاشی نتیجہ ہو سکتا ہے وہ آپ بتا سکتے ہیں؟

بالفرض روپیہ کی شرح مبادلہ گھٹکر ایک شلنگ ہو جائے تو خرچ کے برابر آمدنی پیدا کرنے کے لئے تقریباً دس یا بارہ کرور روپئے کی ضرورت ہوگی ۔ میری رائے میں سیاسی بے اطمینانی (جس میں بہت بڑا خطرہ ہے) ملک میں پیدا کیے بغیر اتنی بڑی رقم کا مہیا کرنا محال ہے ۔

برخلاف مذکورالصدر شہادت کے سر رابرٹ گفن کی شہادت برطانوی ماہرانِ فنِ معاشیات کی رائے کی پوری ترجمانی کرتی ہے ۔ اس نے ہندوستان کے لئے بناوٹی زر کے رواج کو مذموم ٹھہرایا اور اس کی رائے میں کسی ملک کے لئے بھی ایسا زر مناسب نہ تھا جس میں آپ سے آپ کمی و بیشی نہ ہوتی ہو۔ اس نے مطالباتِ وطن کی مشکل کا یہ حل بتایا کہ خود ان مطالبات میں تخفیف کردینی چاہئے ۔

سر رابرٹ گفن کی شہادت سے اقتباس

۱۰۰۰۲ ۔ اس مالیاتی مسئلے کے متعلق آخر میں اتنا اور بیان کردینا ضروری ہے کہ بہرحال یہ صلاح دینے کے معقول وجہ معلوم ہوتے ہیں کہ بہ حیثیت مجموعی ہندوستان کے مصارف کے مسئلے ہی کی نظر ثانی ہونی چاہئے ۔

جو بیانات میں نے اب تک پڑھے ہیں وہ تقریباً سب کے سب اسی مسئلے سے متعلق ہیں کہ کیا ہندوستان میں رعایا پر اور محصولات لگائے جاسکتے ہیں یا نہیں ۔ لیکن مالیاتی مسائل میں ہر معاملے کے دوسرے رخ پر بھی نظر ڈالنی چاہئے ۔ شاید صورت حال یہ ہو اور مجھکو خدشہ ہے کہ صورت حال یہی ہے کہ شہنشاہی حکومت ایسے مصارف کی ایک بڑی مقدار جس کا بار عام طور پر شہنشاہی کو برداشت کرنا چاہئے ناواجبی طور پر ہندوستان کے حساب میں لگا دیتی ہے مثلاً ہندوستان میں جو فوج رکھی گئی ہے وہ صرف ہندوستانیوں ہی کے مفاد میں نہیں بلکہ برطانوی شہنشاہی کے عام مفاد میں بھی ہے اگر شہنشاہی بھی ان مصارف کا کچھ جز ادا کرے تو اس سے ہندوستانی محاصل کی کسرات کی تلافی کا بہتر انتظام ممکن ہے اور ہندوستان کے زرِ معین تغیر و تبدیل کرنے کی بھی ضرورت جیسی بیان کی گئی ہے باقی نہ رہے گی ۔ شاید میں اب سیاسیات پر اتر آیا ہوں لیکن ہم سب واقف ہیں کہ کچھ زمانے سے ایک شاہی ماموریہ لارڈ ولبی کی زیر صدارت اس امر کی تحقیقات کے لئے منعقد ہوا ہے کہ فوجی اور دیگر مصارف کا کتنا حصہ ہندوستان کے حساب میں محسوب کرنا چاہئے اور کتنا نہ کرنا

چاہئے۔ اس کے متعلق میرا اپنا جو خیال ہے میں زور دار سے زور دار الفاظ میں اس کو بیان کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس معاملے میں ہندوستان کے ساتھ انصاف نہیں ہو رہا ہے اور ہندوستان میں یوروپی فوج کی موجودگی سے جس کا قیام محض ہندوستانی رعایا کے مفاد میں نہیں ہے عام طور پر شہنشاہی کو جو فائدہ ہوتا ہے اس کا کچھ نہ کچھ معاوضہ ملنا چاہیئے میرے خیال میں اس غرض سے تیس یا چالیس لاکھ پونڈ مستقل مطالبات وطن سے ہر سال منہا کر دینا مناسب ہوگا جو عمل کی کسر اات کا ثابت ہونا ہی میری نظروں میں سب سے بڑی وجہ ہے جس کی بنا پر ہندوستان کے زر میں تغیر و تبدل کرنے پر مجھے سخت اعتراض ہے اگرچہ اس تغیر و تبدل کی خود نوعیت پر بھی اسکے علاوہ اور بھی اعتراضات ہو سکتے ہیں۔

صرف دو ہندوستانی گواہوں سے شہادت طلب کی گئی تھی ایک ان میں سے مروانجی رستم جی تھا جو بمبئی کے مبادلہ دلالوں کی انجمن کا نمایندہ تھا اور دوسرا راقم الحروف جو بنگالے کا نمایندہ تھا۔ یہ دونوں گواہ روپیہ کی قدر ۲ا پنس مقرر کر دینے کے خلاف تھے۔ مسٹر رستم جی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ روپیہ کی شرح مبادلہ ۱۴ پنس مقرر کر لی جائے جیسی ۱۸۹۳ء میں دار الضرب کے بند ہو جانے سے پہلے تقریباً تھی۔ راقم الحروف نے یہ عرض کیا تھا کہ روپیہ کی قدر بناوٹی طور پر کچھ بھی مقرر نہیں کرنی چاہئے۔ اگر ان دو گواہوں کی (جو ہندوستان کی رائے کے ترجمان ہیں) شہادت سے چند اقتباسات یہاں پیش کئے جائیں تو امید ہے کہ قارئین ہمیں معاف فرمائیں گے۔

مسٹر مروانجی رستم جی کی شہادت سے اقتباس

۹۷۴۶ - آپ ایک شلنگ ۴ پنس کے مقابل ایک شلنگ ۶ پنس کی شرح مبادلہ کی تائید کیوں فرماتے ہیں؟

میں ان اصول پر اس کی تائید کرتا ہوں کہ آپ معیار طلا اختیار کرنے والے ہیں اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ شرح مبادلہ کئی وجوہ سے مناسب ہے مثلاً گزیوں ہی کو لیجئے جو ایک اہم معاملہ ہے یا ایسے پیشوں کو لیجئے جن میں ہندوستان و چین کا مقابلہ ہے۔

۹۷۴۷ - آپ کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے خیال میں ایک شلنگ ۴ پنس کی شرح مبادلہ ہندوستانی تجارت کے لئے بہتر ہے؟

میں ہندوستانی گزنیوں کو اور ایسی تجارت ہی کو لیتا ہوں جس میں ہندوستان چین کے ساتھ مقابلہ کر رہا ہے۔

۱۰۴۰۔ اگر چین بھی ریلیں وغیرہ بنانا شروع کر دے تو کیا آپ کے خیال میں ایک شلنگ دو پنس کی شرح مبادلہ سے چین کے مقابلے میں کوئی مادی کمی ہو جائے گی؟
میں تو یہ کہتا ہوں کہ سوت کی موجودہ جو لاگت ہے اس سے بھی کم ہو جائے گی۔

۱۰۴۱۔ ہمیشہ کے لئے یا صرف عارضی طور پر؟
ایک شلنگ چار پنس شرح مبادلہ کے مقابل ہمیشہ کے لئے لاگت کم ہو جائے گی۔

مسٹر رامیش چندر دت کی شہادت سے اقتباسات

۱۰۴۳۔ روپیہ کے تنزل کے انسداد کے لئے حکومت ہند نے جو تجاویز پیش کی تھیں کیا ان کا یہ اثر ہوا کہ روپیہ کی قدر میں اضافہ ہو گیا؟
جی ہاں۔ اگر مجھکو صحیح یاد پڑتا ہے تو میرے خیال میں ۱۸۹۳ء میں روپیہ کی قدر ایک شلنگ دو پنس تھی اور اب تقریباً ایک شلنگ ۴ پنس ہے۔ اس طرح گزشتہ پانچ سال کی مدت میں بہ نسبت سونے کے روپیہ کی قدر میں ۲ پنس کا اضافہ ہو گیا ہے ۱۸۷۱ء سے ۱۸۹۳ء تک روپیہ کا جو تنزل ہوا تو اس قدر توضیح کرنے کی مجھے اجازت دیجئے کہ اس سے حکومت ہند اور حکومت صوبجات کے محاصل میں فطری طور پر اضافہ ہو گیا۔ مالگزاری اور دیگر محاصل میں بھی بیشی ہو گئی اب چونکہ روپے کے لحاظ سے عام طور پر قیمتوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اجناس خوردنی کی قیمت میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اور حکومت نے ہر تجدید بندوبست پر اس کو مالگزاری میں اضافہ کرنے کی ایک وجہ قرار دی تھی اور حکومت ایک اعلیٰ مالک اراضی کی حیثیت سے اس طرح اضافہ کرنے میں بالکل حق بجانب متصور ہوتی تھی بشرطیکہ پیداوار کی قیمت میں بھی اضافہ ہوا ہو اسی بنا پر مالگزاری میں فطری طور پر بیشی ہو گئی تھی۔ یہی حال محصول آمدنی کا بھی تھا یعنے جب آمدنی میں روپیوں کی مقدار کے لحاظ سے اضافہ ہو گیا تو حکومت کو محصول آمدنی کی مد میں جو وصولات ہوتی تھیں ان میں بھی اضافہ ہو گیا۔ دراں حالیکہ ۱۸۷۱ء سے ۱۸۹۳ء تک روپیہ کی قدر تنزل پذیر تھی حکومت کے محاصل میں روپیوں کی مقدار کے لحاظ سے براہ راست اور فطری طور پر اضافہ ہو رہا تھا۔

۱۰۶۶۱۔ بناوٹی طور پر روپیہ کی قدر میں اضافہ کرنے پر آپ کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس سے عام طور پر محصولات میں اضافہ ہو جائے گا۔

جی ہاں۔ ایک فطری اضافے سے بھی بہت زیادہ۔

۱۰۶۷۴۔ آپ کہتے ہیں کہ اس تجویز پر ایک اور اس سے زیادہ اہم اعتراض بھی ہے کیا آپ اسکی توضیح فرمائیں گے؟

ہندوستان میں لکھو کھا فرازمین اور مزدور ساہوکاروں اور مہاجنوں کے قرضدار ہیں اور ایسے قرض کا حساب اکثر و بیشتر اجناس میں نہیں بلکہ روپیوں ہی میں کیا جاتا ہے بناوٹی طور پر روپیہ کی قدر میں اضافہ کر دینے سے یا اسکی قدر اسی شرح پر مقرر کر دینے سے جو بناوٹی طور پر اب چڑھ گئی ہے ہندوستان کے کاشتکاروں اور مزدوروں کے قرض میں جو مہاجنوں اور ساہوکاروں سے انھیں ملا ہے اضافہ ہو جائے گا یعنے اس تجویز سے ان مرفہ الحال طبقات کے منافع میں اضافہ ہوگا جو غیریبوں سے مصائب و مشکلات میں خوب روپئے اینٹھتے ہیں اور غریب قرضدار طبقات کا بار گراں سنگ آسیہ سے بھی گراں تر ہو جائے گا۔ ہندوستان کے سب بازاروں اور زر کی منڈیوں میں روپیہ کی قدر میں اضافہ کرنے کا نتیجہ یہی ہے کہ اس سے ایک طرف تو متمول مہاجنوں کے منافع میں بیشی ہو جاتی ہے اور دوسری طرف غریب کاشتکاروں کی جو قرضدار ہوتے ہیں ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔

۱۰۶۹۲۔ کیا اب آپ معمولی زیورات وغیرہ کے بارے میں کچھ فرمائیں گے؟

اچھی فصل کے زمانے میں ہندوستان کے غریب جو کچھ روپیہ حسب مقدور بچاتے ہیں وہ سیونگ بنکوں میں نہیں رکھتے کیونکہ غربا کے لئے کوئی سیونگ بنک نہیں ہے بلکہ اس سے چاندی کے زیورات اور اسی قسم کی چھوٹی چیزیں وہ اپنی عورتوں کے لئے خرید لیتے ہیں قریب قریب وہ سب دولت جو ہندوستان کے فرازمین اور مزدوروں کے پاس بچ رہتی ہے اسی شکل میں رہتی ہے۔ اور قحط و قلت کے زمانے میں اجناس خوردنی کو خریدنے کے لئے متاثرہ اضلاع میں چاندی یا اس کا بہت بڑا حصہ فروخت کر دیا جاتا ہے حکومت ہند کی مذکورالصدر تجویز سے ہندوستان میں غریبوں کے اندوختے کا تقریباً ایک ثلث غرق ہو جاتا ہے۔ روپیہ کی قدر میں بناوٹی طور پر اضافہ کرنے سے چاندی کی چوڑیاں یا کڑے جو کاشتکار کے اندوختہ کی دوسری شکل ہے اپنی لاگت سے بھی کم قیمت پر فروخت ہو جائیں گے۔ اس طرح

اس طرح حکومت ہند اپنی واجب الادا رقوم کو کسی قدر آسان شرائط پر ادا کرنے کے لئے قلم کی ایک ہی جنبش سے ہندوستان کے غرباء کی قومی دولت میں بڑی حد تک تخفیف کر دے سکتی ہے۔

۱۰۷۰۱۔ کیا آپ ہم سے یہ بیان کریں گے کہ آپ کے خیال میں ان تجاویز کا ہندوستان کی صنعت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

اس کے متعلق میں پہلے ہی سے عرض کیے دیتا ہوں کہ میرے معلومات سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں کیونکہ میں خود کسی صنعت یا تجارت میں شریک نہیں ہوں۔ لیکن میں نے ایسے لوگوں سے تبادلۂ خیال کیا ہے۔ جو تجارت کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ بناوٹی طور پر روپیہ کی قدر میں اضافہ کرنے سے تجارت تہ و بالا ہو جاتی ہے چنانچہ اس سے صنعت کو بھی ضرر پہنچا ہے میں نے بمبئی کے سوتی کپڑوں کی تجارت کرنے والے اشخاص سے سنا ہے کہ سوتی حرفت کی آج کل بڑی بری حالت ہے بالخصوص چین و جاپان کے ساتھ سوتی مال میں مقابلہ ہونے کی وجہ سے حالت اور بھی بدتر ہے اور وہ لوگ اس خرابی کا بالواسطہ اور بلاواسطہ سبب دارالضرب کا بند کرنا ہی بتاتے ہیں۔ ....
دوسرے ایشائی ممالک کے ساتھ جہاں نقرئی زر ہی رائج ہے جو برطانوی تجارت قائم ہے وہ بڑے عروج پر ہے پھر کیا وجہ ہے کہ برطانوی تاجر ہندوستان کی حد تک نقرہ وطلاء میں ایک معینہ نسبت قایم رکھنے کا مطالبہ کرتے ہیں جب کہ وہ اس طرح کا مطالبہ دیگر ایشائی ممالک سے نہیں کر سکتے؟ اہل ہند ایسی استدعا نہیں کرتے۔ اہل ہند کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ بناوٹی طور پر روپیہ کی قدر میں اضافہ کرنے سے اہل ہند کو مختلف طریقوں سے نقصان ہی ہوگا جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے۔ حکومت ہند کو چاہیئے کہ رعایا کی فطری نمایندوں اور رعایا کی فلاح و بہبودگی محافظ ہونے کی حیثیت سے ایسے منصوبے کو جس کی نہ رعایا خواستگار ہے اور نہ جس سے رعایا کو کچھ فائدہ ہو سکتا ہے فوراً مسترد کر دے۔

۱۰۷۱۰۔ آپ نے کہا تھا کہ "حکومت ہند کی یہ تجویز اس روز افزوں معاشی بدررو کو روکنے کے لئے جو تنخواہوں۔ وظائف اور ماہوارات وغیرہ کی شکل میں سالانہ ہندوستان سے انگلستان تک جاری ہے بمقتضائے فطرت کچھ صحیح و مناسب نہیں ہے"۔

ماہوارات اور تنخواہیں وغیرہ بشکل طلاء انگلستان میں ادا کی جاتی ہیں اور طلا کی شکل میں واجب الادا رقوم میں تخفیف کرنے کے بجائے جو معاشی بدررو کا صحیح علاج ہے حکومت گویا اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر یہ غیر فطری اور خطرناک تدبیر اختیار کرتی ہے کہ ہندوستان میں علاج کے

سب طریقوں کو طلا کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے فرض کیجئے کہ ایک ہندوستانی زمیندار ایسا ہے جس کو اپنی جاگیر سے روپیوں کی شکل میں لگان ملتا ہے لیکن اس کا ایک مختار لندن میں ہے جس کو طلا کی شکل میں ہی لگان ادا کرنا اس زمیندار پر فرض ہے۔ پھر عدالتہائے انصاف وحق رسی کیا خیال فرمائیں گی اگر یہ زمیندار لندن میں اپنے مختار کو طلا کی شکل میں لگان ادا کرنے کی بنا پر اپنی جاگیر سے طلا کی شکل میں لگان دلانے کے لئے ان عدالتوں میں مقدمہ دائر کر دے؟ اس زمیندار کے لئے مناسب مسلک یہی ہے اور دانائی اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے لندن میں واجب الادا مصارف میں انتہائی حد تک تخفیف کر دے۔

تیرھواں باب

مالیات اور ہندوستانی قرض

ہندوستانی مالیات کے متعلق جو مجلس منتخبہ تحقیقات کر رہی تھی اس کے سامنے ۱۸۷۳ء میں سر چارلس ٹریویلین نے اپنی شہادت میں کہا تھا کہ "ہندوستان میں ایک دوسرے کی نقیض دو[1] طرح کی حکمت عملی زیر عمل تھی۔ ایک وہ جس کی تائید بمبئی میں تھا یعنے تخفیفِ مصارف کی اور دوسری وہ جو کلکتہ اور انگلستان میں مقبول تھی یعنے اضافۂ محصولات کی۔"

لارڈ نارتھ بروک کی اور قابل وہمدرد وزیر مال سر ولیم میور کی ۱۸۷۶ء میں ہندوستان سے مراجعت کے بعد اضافۂ محصولات کی حکمت عملی ہی بلا مزاحمت کسے جاری رہی۔ ۱۸۷۷ء کے قحط مدراس کے باوجود لارڈ لٹن نے مصارف اور محصولات میں کچھ تخفیف نہیں کی برخلاف اس کے اپنے نئے وزیر مال سر جان اسٹریچی کے مشورے سے "خزینۂ امداد قحط وبیمہ" کے لئے اس نے جدید محصولات لگا دئے۔ "درحقیقت اس کا سیدھا سادہ مقصد یہ تھا کہ امداد قحط کے طور پر بیمۂ قحط کی مد میں خرچ کرنے کے لئے محاصل میں حتی الامکان ڈیڑھ کروڑ کی فاضلات ہر سال نکالی جائے اور امداد قحط میں صرف ہونے سے اس رقم سے ہر سال جتنی بچ جائے اتنا قرض ادا کر دیا جائے یا کسی اور کام کے لئے قرض لینے کے بجائے اسی رقم سے کام لیا جائے جو قرض ادا کرنے ہی کے برابر ہے۔" اور اہل ہند کے ساتھ یہ قرار کیا گیا تھا کہ جس غرض سے محصولات لگائے جائیں گے[1] اس کے سوا کسی اور غرض کے لئے ان کی آمدنی خرچ نہیں کی جائے گی۔

اس طرح عہد کرنے کے کچھ دنوں بعد ہی عہد شکنی کی گئی۔ سنہ ۷۹-۱۸۷۸ء کے موازنے میں امداد قحط کے لئے رقم منظور کی گئی تھی لیکن سنہ ۸۰-۱۸۷۹ء کے موازنے میں اس کام کو ملتوی کر دیا گیا۔ بیمۂ قحط کے محصولات جاری تھے لیکن امداد قحط و بیمہ کے لئے ان کی وصولات کا خرچ کرنا بالکل مسدود ہو گیا تھا۔ ہندوستان میں عامۃ الناس نے اس پر بہت کچھ صدائے احتجاج بلند کی لیکن وزیر مال سر جان اسٹریچی نے جواباً یہ استدلال پیش کیا کہ سرکاری حسابات میں فاضلات ہو کہ توازن یا کسر ہر حالت میں اگر ان محصولات کی آمدنی کے مساوی کسی اور ضرورت سے قرض نہ لیا جائے تو ان شرائط کی تکمیل ہو جاتی ہے جن کی رو سے یہ محصولات لگائے گئے تھے۔ ہندوستان میں عامۃ الناس کی نظروں میں ایک خاص عہد کر لینے کے بعد عہد شکنی کی یہ بھی ایک چال تھی۔ خود وزیر ہند نے بھی سر جان اسٹریچی کے اس استدلال کو غیر مستحسن خیال کیا تھا۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں یہ تصفیہ کیا گیا کہ ڈیڑھ کروڑ کی جملہ رقم آئندہ موازنے میں "امداد قحط و بیمہ" کی صدر مد کے تحت جس کی ذیلی مدات (۱) امداد (۲) کار ہائے تامینی (۳) تخفیف قرض ہوں بتائی جائے۔

اس طرح "وہ پہلی حکمت عملی جس کی رو سے امداد قحط کے حقیقی خرچ کی منہائی کے بعد باقی رقم سے قرض ادا کیا جاتا تھا یا کسی کام کے لئے قرض لینے کے بجائے اسی سے استفادہ کیا جاتا تھا اب اس امر کو تسلیم کر لینے سے کہ اس کا بیشتر حصہ قحط کے تامینی کام میں جو تعمیرات عامہ کے پیداآور کاموں سے ممیز ہے صرف کرنا ہی بہتر ہے بالکل بدل گئی تھی۔"

لیکن مذکورالصدر ترمیم کے بعد بھی "عطا برائے کار ہائے قحط" کی اس جدید غرض و غایت کو احتیاط کے ساتھ ہمیشہ ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اس پانزدہ سالہ میعاد میں جو سنہ ۹۶-۱۸۹۵ء پر ختم ہوئی سالانہ ڈیڑھ کروڑ روپے یا دس لاکھ پونڈ کے حساب سے "عطا برائے کار ہائے قحط" کی جملہ رقم ڈیڑھ کروڑ پونڈ ہوتی تھی لیکن اس مدت میں امداد قحط۔ کار ہائے تامینی اور تخفیف قرض کی مدات میں صرف ایک کروڑ پونڈ خرچ کیے گئے تھے جیسا ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔

سنہ ۸۲-۱۸۸۱ء سے سنہ ۹۷-۱۸۹۶ء تک	پونڈ
امداد قحط	۲۱۳۵۷۱
تامینی تجارتی ریلیں	۴۳۶۷۲۸۷

تامینی ذرائع آبپاشی تخفیف قرض یا قرض لینے سے احتراز	۱۲۰۹۲۰۷ ۳۵۵۱۵۳۳
میزان	۹۳۴۱۵۹۰

"قرض لینے سے احتراز کرنا" ایک مبہم اصطلاح ہے۔ "تخفیف قرض" کے سوا کچھ اور اس مد کے تحت نہیں بتانا چاہئے۔ لیکن مندرجۂ اعداد ہی کے لحاظ سے مقررہ "عطا برائے کارہائے قحط" کی مد میں مجموعی رقم سے پچپن لاکھ پونڈ کم صرف ہوئے تھے۔ اس لیے اس حد تک ہندوستانی قرض ادا کر دینا چاہئے تھا۔ اس کے بجائے بنگال ناگپور مڈلنڈ ریلوے سے سرکار کو پندرہ سال کی مدت میں (۲۳۸۹۳۹۰) پونڈ کا جو نقصان ہوا تھا اس کو "عطائے امداد قحط وبیمہ" کے تحت مصارف کی شکل میں بتایا گیا تھا۔

اسکے بعد چھ سال تک مسلسل قحط پڑتا رہا جسکی وجہ سے امداد قحط کے مصارف میں کثیر اضافہ ہوگیا سنہ ۸۲-۱۸۸۱ء سے سنہ ۱۹۰۲-۱۹۰۱ء تک یعنے اکیس سال کے عرصے میں جملہ مقررہ مصارف مجموعی عطا سے دس لاکھ پونڈ زیادہ ہوگیے تھے جیسا ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔

سنہ ۸۲-۱۸۸۱ء سے سنہ ۱۹۰۲-۱۹۰۱ء تک	پونڈ
امداد قحط	۱۱۹۰۶۳۵۸
تامینی ریلیں	۴۸۲۷۵۲۲
تامینی ذرائع آبپاشی	۱۳۹۸۹۵۵
تخفیف قرض یا قرض لینے سے احتراز	۴۱۳۲۹۹۶
میزان	۲۲۲۶۵۸۳۱

ہم نے ان اعداد سے اکیس سال کی مدت میں بنگال ناگپور اور مڈلنڈ ریلوے میں سرکار کو

(۲۸۰۳۳۲) پونڈ کا جو نقصان ہوا تھا اس کو خارج کردیا ہے یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ حالیہ امداد قحط کے مصارف سے ہندوستان کی مالی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے اور اس مقصد اولین کی کہ جب قحط نہ پڑے تو محصولات امداد قحط سے قرض ادا کیا جانا چاہئے کبھی تکمیل ہی نہ ہوئی ۔

ذیل کا نقشہ اعداد شمار کے گوشوارے سے مرتب کیا گیا ہے اور اس میں ہندوستان کے بست و پنج سالہ جملہ محاصل بشمول مالگزاری و جملہ مصارف بشمول مطالبات وطن بتائے گئے ہیں

سنہ	مالگزاری روپے	تمام محاصل و آمدنی روپے	انگلستان میں مصارف روپے	مصارف تمام محسوب محاصل روپے
۱۸۷۷ - ۷۸	۱۹۸۹۱۱۴۵۰	۶۱۹۷۲۴۸۱۰	۱۶۲۰۲۰۱۹۰	۶۶۲۳۴۵۲۱۰
۱۸۷۸ - ۷۹	۲۲۳۲۳۸۶۸۰	۶۵۱۹۴۰۲۰۰	۱۹۷۹۴۴۲۴۰	۶۳۰۵۹۹۲۲۰
۱۸۷۹ - ۸۰	۲۱۸۶۱۱۵۰۰	۶۸۴۳۳۹۷۰	۱۷۴۸۶۱۴۴۰	۶۹۶۶۱۰۵۰۰
۱۸۸۰ - ۸۱	۲۱۱۱۲۹۹۵۰	۷۴۲۹۰۱۱۲۰	۱۷۳۴۰۷۱۲۰	۷۹۲۱۵۰۶۰
۱۸۸۱ - ۸۲	۲۱۹۴۸۰۲۲۰	۷۵۶۸۴۹۸۷۰	۱۷۳۶۹۹۳۱۰	۷۲۰۸۹۵۳۶۰
۱۸۸۲ - ۸۳	۲۱۸۷۶۰۴۷۰	۷۰۲۷۸۳۳۷۰	۱۷۳۳۵۹۹[illegible]	۶۹۶۰۳۵۰۰۰
۱۸۸۳ - ۸۴	۲۲۳۶۱۸۹۹۰	۷۱۸۴۱۷۹۰۰۰	۱۸۴۶۴۷۵۲۰	۶۹۶۹۲۳۱۳۰
۱۸۸۴ - ۸۵	۲۱۸۳۲۲۱۱۰	۷۰۶۹۰۶۸۱۰	۱۷۵۲۷۴۶۰	۷۱۰۷۷۱۲۷۰
۱۸۸۵ - ۸۶	۲۲۵۹۲۳۷۱۰	۷۴۴۶۴۱۹۷۰	۱۸۴۲۶۱۷۰۰	۷۷۲۶۵۹۲۳۰
۱۸۸۶ - ۸۷	۲۳۰۵۵۷۲۴۰	۷۷۳۳۷۱۳۴۰	۱۹۸۲۹۰۳۵۰	۷۷۱۵۸۷۰۷۰
۱۸۸۷ - ۸۸	۲۳۱۸۹۲۹۲۰	۷۸۷۵۹۷۴۴۰	۲۱۸۵۵۶۹۰۰	۸۰[illegible]۸۸۵۷۶۰
۱۸۸۸ - ۸۹	[illegible]۳۰۱۶۴۰۴۰	[illegible]۷۸۰	۲۱۹۴۴۶۵۷۰	۸۱۴۵۹۶۶۰۰
۱۸۸۹ - ۹۰	۲۳۹۸۱۳۶[illegible]	۸۵۰۸۵۲۰۳۰	۲۱۵۱۲۳۶۵۰	۸۲۴۷۳۱۷۰۰
۱۸۹۰ - ۹۱	۲۴۰۴۵۲۰۹۰	۸۰۷۴۱۶۴۹۰	۲۰۶۵۶۰۱۹۰	۸۳۰۵۳۴۷۸۰
۱۸۹۱ - ۹۲	۲۳۹۶۵۷۷۴۰	۸۹۱۴۳۲۸۳۰	۲۲۹۱۱۹۱۲۰	۸۸۶۷۵۷۴۸۰
۱۸۹۲ - ۹۳	۲۴۵۰۹۳۲۸۰	۹۰۱۷۲۴۳۸۰	۲۶۱۶۱۸۱۵۰	۹۱۰۰۵۸۵۰۰

۹۴-۱۸۹۳	۲۵۵۸۹۶۰۹۰	۹۰۵۶۵۲۱۴۰	۲۶۱۱۲۱۱۱۰	۹۲۱۱۲۳۱۲۰
۹۵-۱۸۹۴	۲۵۴۰۸۲۷۲۰	۹۵۱۸۷۴۲۹۰	۲۸۸۷۵۶۴۸۰	۹۴۴۹۴۳۱۹۰
۹۶-۱۸۹۵	۲۶۲۰۰۹۵۵۰	۹۸۳۷۰۱۶۷۰	۲۷۴۵۸۳۳۸۰	۹۶۸۳۶۱۶۹۰
۹۷-۱۸۹۶	۲۳۹۷۴۴۸۹۰	۹۴۱۲۹۷۴۱۰	۳۱۲۲۳۴۵۵۰	۹۵۸۳۴۷۶۳۰
۹۸-۱۸۹۷	۲۵۶۸۳۶۴۲۰	۹۶۴۴۲۰۰۴۰	۲۵۳۱۹۸۲۴۰	۱۰۱۸۰۱۲۱۵۰
۹۹-۱۸۹۸	۲۷۴۵۹۳۱۳۰	۱۰۱۶۲۴۶۹۳۰	۲۴۴۸۷۷۶۵۰	۹۷۴۶۵۳۸۳۰
۱۹۰۰-۱۸۹۹	۲۵۸۰۷۵۸۴۰	۱۰۲۹۵۵۷۴۶۰	۲۴۵۰۹۲۶۹۰	۹۸۷۹۳۸۱۱۰
۰۱-۱۹۰۰	۲۶۲۵۴۵۴۶۰	۱۱۲۹۰۸۴۳۶۰	۲۵۰۰۱۴۳۵۰	۱۱۰۴۰۲۱۳۰۰
۰۲-۱۹۰۱	۲۷۴۳۳۲۰۲۷۰	۱۱۴۵۱۶۷۸۸۰	۲۶۰۵۲۹۸۳۰	۱۰۷۰۹۱۴۴۳۰

روپیہ کی بناوٹی قدر افزائی کے قرار واقعی نتائج دریافت کرنے کے لئے ہم صرف آخری پانچ سال کے اعداد ہی کو لیتے ہیں۔ روپیہ کی شرح مبادلہ میں ۹۷-۱۸۹۶ء میں ۱۵ پنس سے کچھ زیادہ اور ۱۹۰۰-۹۹ء میں ۱۶ پنس تک اضافہ ہوگیا تھا اور ۱۶ پنس یہ آخر کار مستقر کردی گئی تھی ۹۷-۱۸۹۶ء سے ۰۲-۱۹۰۱ء تک کی پنج سالہ مدت میں زیادہ تر روپیہ کی بناوٹی قدر افزائی سے ہندوستان کے محصولات میں ایک کروڑ بیس لاکھ پونڈ کا اضافہ ہوگیا تھا یہی وہ نتیجہ تھا جس کی پیش بینی ۱۸۹۰ء میں عہدہ داران خزانہ نے کی تھی جبکہ منتقلین خزانۂ عامرہ نے صاف و صریح الفاظ میں حکومت ہند کے محصول ادا کرنے والوں سے جو وصولات ہوتی تھی اسکی مقدار میں اضافہ کرنے کی خاطر روپیہ کی قدر میں اضافہ کرنے کے طریقہ کو مذموم ٹھہرایا تھا۔ اس میں "ہندوستان کے انگریز عہدہ داروں کا فائدہ اور ہندوستانی محصول ادا کرنے والوں کا نقصان تھا" جس کی عہدہ داران خزانہ نے ۱۸۸۶ء میں پیش بینی کی تھی۔ ۱۸۹۹ء کی مجلس زر کے سامنے متعدد گواہوں نے بھی بشمول مولف کتاب ہذا اس کو وقوع سے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ راقم الحروف نے یہ بھی بتایا تھا کہ روپیہ کی بناوٹی قدر افزائی کے معنی "محصولات میں عام طور پر اضافہ ہوجانے ہی کے ہیں" اور آنریبل مسٹر گوکھلے نے گورنر جنرل کی کونسل کے رکن کی حیثیت سے مارچ ۱۹۰۲ء میں اس نتیجہ پر سخت افسوس کا اظہار کیا تھا۔ ایک واضح اور اعلے تقریر میں اس نے حال میں اضافہ کرنے کے اس طریقے کو جبکہ ملک مسلسل قحط، مصائب و تکالیف کا

شکار بنا ہوا تھا نہایت ہی مذموم ٹھہرایا تھا۔

روپیہ کی شرح مبادلہ واپس مقرر کر دینے کی حکمت عملی کو اب دوامی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے اور آئندہ اس کو ترک کرنے کی امید بھی کم ہے لیکن روپیہ کی قدر افزائی سے قبل جو مزید محصولات لگا دیے گئے ہیں ان سے نجات دلانے کی اہل ہند کا استدعا کرنا بالکل واجبی ہے۔ یہ ایک عامیانہ مقولہ ہے کہ "موم بتی دونوں طرف سے جلائی نہیں جاتی"۔ چونکہ حکومت ہند نے روپیہ کی قدر افزائی کر کے ملک کی آمدنی محصولات میں بیشی کرنے کا تصفیہ کر دیا ہے اس لئے اس تصفیہ سے پہلے جو مزید محصولات لگا دئے گئے تھے ان کا برقرار رکھنا عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ رعایا کے انتہائی افلاس کے باوجود ہر سال ہندوستانی موازنے میں اب فاضلات ہی فاضلات ہوتی رہتی ہے اور ان محصولات کو موقوف کرنے سے جن کا قوم کے کسب معاش پر بہت مضر اثر پڑ رہا ہے ایک حد تک اس افلاس کو دور کیا جا سکتا ہے۔

۱۸۷۱ء کے بعد سے اراضی پر مالگزاری کے علاوہ جو بیشمار ابواب لگا دیئے گئے ہیں ان سے بڑھ کر ایک زرعی قوم کے لئے کوئی اور بات بوجھل نہیں۔ ان کی تنسیخ کا اب موقع اور وقت آ گیا ہے۔ خود لارڈ کرزن نے کہا تھا کہ "یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ بہتر ہوگا کہ ان محصولات میں جو قانون کے منشاء کے خلاف کاشتکاروں ہی کے بارگراں بن جاتے ہیں حسب موقع آئندہ تخفیف کر دی جائے"۔ اگر سالہا سال سے قحط وغیرہ کے مصائب اٹھانے کے بعد ان محصولات کی تنسیخ کر دی جائے اور مطالبۂ مالگزاری اس حد تک محدود رکھا جائے جو لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۵۵ء میں اور سر چارلس وڈ نے ۱۸۶۴ء میں مقرر کر دی تھی یعنی معاشی لگان کے نصف تک تو اس سے ہندوستان کے کاشتکاروں کا بوجھ بہت کچھ ہلکا ہو جائے گا اور اسی کی شدید ضرورت ہے۔

امداد قحط اور بیمے کے محصولات بھی اراضی ہی پر مزید محصولات کی شکل میں عائد کیے گئے ہیں۔ ان محصولات کا قائم رکھنا رعیت کے افلاس اور قحط کی شدت میں اضافہ کرنا ہے اور ان کی تنسیخ زرعی آبادی کا بوجھ بہت کچھ ہلکا کرنے کے برابر ہے۔ قحط کا بہترین بیمہ یہی ہے کہ کاشتکاروں کی دوامی طور پر اصلاح حال کی جائے اور ان کی اراضی پر جب کہ پہلے سے مالگزاری کا بارگراں ہے مزید ایسے متعدد محصولات عائد ہونے سے ان کو محفوظ رکھا جائے۔ سب سے آخر یہ کہ محصول نمک میں بھی مزید تخفیف کا امکان ہے۔ اور گزینوں کی

سوتی مصنوعات پر جو محصول جنگی لگا دیا گیا ہے اس کی تنسیخ کے وجوہ اظہر من الشمس ہیں۔ یہ کیا اصول نہیں کہ جس کو ہندوستان کی برطانوی حکومت ہندوستانی مصنوعات پر از روئے انصاف قائم رکھ سکتی ہے جب کہ خود برطانوی حکومت انگلستان میں پردیسی حریفان تجارت سے بازی لے جانے کی خاطر ملکی مصنوعات کی ہمت افزائی اور مدد کے لئے حتی الامکان ہر طرح کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہندوستان میں جب کبھی موازنے میں فاضلات ہوتی تھی تو اس کے بعد ہی سرحد پر کوئی نہ کوئی بیش مصارف اور غیر ضروری جنگ شروع ہو جاتی تھی یا یہ ہوتا تھا کہ شہنشاہی خزانے اور برطانوی صانعین کے بیش مقدار مطالبات کی تحصیل میں یہ فاضلات غائب ہو جاتی تھی۔ چنانچہ جدید حکمت عملی زر کے تحت ہندوستانی موازنے میں جیسے ہی فاضلات نکلی اس طرح کے مطالبات فوری شروع ہو گئے۔ لارڈ کرزن کی مخالفت کے باوجود برطانوی فوج میں لوگوں کو بھرتی کرنے کے زائد مصارف کی تکمیل کے لئے ہندوستان کے (۷۸۶۰۰۰) پونڈ تو ہضم ہی کر لیے گئے تھے پھر جنوبی افریقہ میں فوج رکھنے کے اخراجات کے لیے اور (۴۰۰۰۰۰) پونڈ کا مطالبہ کیا گیا اور جب انگلستان اور ہندوستان میں عہدہ داران و عامۃ الناس دونوں نے مل کر اس کی زور دار مخالفت کی تو اس پر بصد مشکل اس مطالبے سے دست برداری اختیار کی گئی۔ لنکیشیر کے صانعین نے اس فاضلات کا حوالہ دے کر سوتی مال پر ۳½ فی صدی محصول در آمد کی تنسیخ کا مطالبہ پیش کیا۔ تبت سے بھی جنگ شروع ہو گئی جس سے کرنل ہیرڈ اسمتھ کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ ہندوستان میں جب کبھی حاصل میں فاضلات ہوتی ہے تو ہر وقت اس کا نتیجہ حوصلہ پرور مگر محض لا حاصل فوجی مہمات ہی ہوتی ہیں۔ فی الوقت خلیج فارس کا مسئلہ بھی ایک نئے تارے کی طرح افق پر نمودار ہے۔

حکومت ہند کے موجودہ دستور کے تحت یہ سب باتیں قابل فہم اور ممکن ہیں۔ اہل ہند کے سوا برطانوی رعایا کا ہر صاحب غرض اور ہر طبقہ حکومت ہند پر دباؤ ڈال سکتا ہے برطانوی کابینہ وزیر ہند کے توسط سے جو اس کابینہ کا ایک رکن ہے اپنے مطالبات پر حسب منشا زور دے سکتی ہے۔ برطانوی صانعین اپنا حق رائے دہندگی استعمال کر سکتے ہیں اور دار العوام میں اپنے نمائندوں کی وساطت سے مطالبہ پیش کر کے مراعات حاصل کر سکتے ہیں۔ فوجی لوگ وائسرائے کی کونسل میں ایسا اثر و اقتدار رکھتے ہیں جو کبھی کم ہی نہیں ہوتا لیکن

خوبی قسمت سے اہل ہند ہی ایک ایسے ہیں جن کو ہندوستان کے نظم و نسق میں نہ نیابت کا حق حاصل ہے اور نہ کوئی اثر و اقتدار یا دخل ہی ہے اس لئے ہندوستانی موازنے کی فاضلات جو محصولات میں اضافہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے یونہیں غائب ہو جاتی ہے اور رعایا کی اس سے کچھ امداد ہی نہیں ہوتی ۔ موجودہ زمانے میں (سنہ ۱۹۰۳ء) اس سے بہت بڑا خطرہ ہے کیونکہ ایسی کثرت فاضلات بہت دنوں تک نہیں رہ سکتی ۔ ہندوستانی قوم توقع اور امید رکھتی ہے کہ ہندوستان کے قحط زدہ اور بے نمایندہ کاشتکاروں کی حقیقی ۔ واجبی اور مادی طور پر امداد کیے بغیر یہ فاضلات آیندہ یونہیں غائب نہ ہو جائے گی ۔

ہندوستان کا جملہ قرض گزشتہ پچیس سال میں کیا تھا ذیل کے ۲ دو نقشوں میں بتلایا گیا ہے پہلے نقشے میں ہندوستانی قرض روپیوں میں بتایا گیا ہے دوسرے نقشے میں ان رقوم کو پونڈوں میں بدل دیا گیا ہے جیسا مالیہ اعداد و شمار کے گوشوارے میں درج ہے ۔

سنہ	روپی اور بلاذخیرہ تادیہ ہندوستانی قرض	انگلستان میں قرض
	روپے	پونڈ
۱۸۷۷ - ۷۸	۸۲۷۸۳۲۷۷۰	۵۹۶۷۷۰۳۳
۱۸۷۸ - ۷۹	۸۶۸۷۷۸۲۱۰	۵۹۰۲۴۱۲۷
۱۸۷۹ - ۸۰	۹۱۵۰۶۸۴۶۰	۶۸۸۵۵۵۵۶
۱۸۸۰ - ۸۱	۹۵۷۸۲۳۵۷۰	۷۱۴۲۹۱۳۳
۱۸۸۱ - ۸۲	۹۸۷۸۴۴۱۴۰	۶۸۱۴۱۹۴۷
۱۸۸۲ - ۸۳	۱۰۰۶۵۱۸۶۲۰	۶۸۵۸۵۶۹۴
۱۸۸۳ - ۸۴	۱۰۳۵۰۳۴۵۶۰	۶۸۱۰۸۸۳۷
۱۸۸۴ - ۸۵	۱۰۴۴۵۰۳۰۶۰	۶۹۲۲۱۰۸۸
۱۸۸۵ - ۸۶	۱۰۰۷۱۷۴۸۰۰	۷۳۸۰۶۶۲۱
۱۸۸۶ - ۸۷	۱۰۱۴۴۲۹۷۹۰	۸۴۲۲۸۱۷۷
۱۸۸۷ - ۸۸	۱۰۷۸۰۶۷۹۵۰	۸۴۱۴۰۱۴۸
۱۸۸۸ - ۸۹	۱۱۱۵۸۵۹۴۹۰	۹۵۰۳۳۶۱۰

۱۸۸۹ - ۹۰	۱۱۳۴۳۷۰۵۲۰	۹۸۱۹۲۳۹۱

سنہ	روپی اور بلا ذخیرہ تادیہ ہندوستانی قرض	انگلستان میں قرض	جملہ
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۹۰ - ۹۱	۷۸۴۱۶۸۰۱	۱۰۴۴۰۸۲۰۸	۱۸۲۸۲۵۰۰۹
۱۸۹۱ - ۹۲	۷۹۲۲۹۲۴۶	۱۰۷۴۰۴۱۴۳	۱۸۶۶۳۳۳۸۹
۱۸۹۲ - ۹۳	۸۰۲۱۴۴۱۳	۱۰۶۶۸۳۷۶۷	۱۸۶۸۹۸۱۸۰
۱۸۹۳ - ۹۴	۸۲۵۴۵۵۱۶	۱۱۴۱۱۳۷۹۲	۱۹۶۶۵۹۳۰۸
۱۸۹۴ - ۹۵	۸۱۸۳۶۱۴۵	۱۱۶۰۰۵۸۲۶	۱۹۷۸۴۱۹۷۱
۱۸۹۵ - ۹۶	۸۲۰۷۶۰۴۹	۱۱۵۹۰۳۷۳۲	۱۹۷۹۷۹۷۸۱
۱۸۹۶ - ۹۷	۸۸۱۵۸۸۴۰	۱۱۴۸۸۳۲۳۳	۲۰۰۰۴۲۰۷۳
۱۸۹۷ - ۹۸	۸۶۷۶۶۱۹۳	۱۲۳۳۲۷۴۶۸۰	۲۱۰۰۴۰۸۷۳
۱۸۹۸ - ۹۹	۸۷۸۲۸۹۰۶	۱۲۴۲۶۸۶۰۵	۲۱۲۰۹۷۵۱۱
۱۸۹۹ - ۱۹۰۰	۸۸۰۲۳۶۶۵	۱۲۴۱۴۴۰۱	۲۱۲۱۶۸۰۶۶
۱۹۰۰ - ۰۱	۹۰۴۰۷۸۹۵	۱۳۳۴۳۵۳۷۹	۲۲۳۸۴۳۲۴۴
۱۹۰۱ - ۰۲	۹۱۹۲۵۰۱۵	۱۳۴۳۰۷۰۹۰	۲۲۶۲۳۳۲۱۰۵

ایک ذخیرۂ تادیہ قائم کرنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے زمانے میں اس سے یہ قرض ادا ہوتا رہے۔ قرض اور مصارف میں تخفیف کرنے کے لئے سربرآوردہ ہندوستانیوں کی امداد باہمی کی بھی ضرورت ہے۔ ہندوستانی مالی نظم و نسق میں عوام کے عنصر کے شریک کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ گورنر جنرل کی کونسل میں لائق تجربہ کار اور راستبازلوگ ہیں لیکن تقریباً یہ سب خرچ کنندہ سررشتہ جات ہی کے نمائندے ہیں۔ وہ اپنے اپنے سررشتہ کی ضرورتوں کو خوب محسوس کرتے ہیں اسی لئے مزید مصارف پر وہ ہر وقت زور دیتے رہتے ہیں۔ تخفیف مصارف پر ایک بھی زور دینے والا نہیں ہے۔ جب تک محصول ادا کرنے والوں کو قومی خرچ کی گرانی میں کچھ نہ کچھ دخل ہو اس وقت تک ہندوستان میں توکیا

دنیا کے کسی ملک میں بھی تخفیف مصارف نہیں ہو سکتی ۔

ہندوستان کے نظم و نسق کے دیگر شعبہ جات کے مقابل مالگزاری اور مالیات کے سررشتہ جات میں سربرآوردہ اور قابل ہندوستانی بہتر کام کر سکتے ہیں ۔ محصول اراضی اور ہر محصول کی کارروائیوں سے وہ خوب واقف ہیں کیوں کہ ان کا اثر بھی انھیں کی ذات پر پڑتا ہے ۔ وہ اپنے زرعی بھائی بندوں کے آس پاس رہتے ہیں ۔ ان کی تکالیف اور مشکلات سے واقف ہوتے ہیں اور ان کی خواہشات اور خیالات کی پوری ترجمانی کر سکتے ہیں ۔ تخفیف مصارف سے ان کو قومی اور قریب قریب ذاتی دلچسپی ہوتی ہے ۔ حسابات اور مالیات کے فن و عمل کی ایسی موروثی اور روایتی قابلیت ان کو حاصل ہے جس سے بڑھ کر دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہیں ۔ نظم و نسق کی نگرانی سے ان لوگوں کو بالکل محروم رکھنے کا کوئی بہتر اور اور خوش گوار نتیجہ نہیں نکلا ۔ ہندوستانی نظم و نسق سے عوام کے اثر و اقتدار کو بے دخل کرنے سے کسی دوسرے شعبے میں حکومت ایسی ناکامیاب ثابت نہیں ہوئی جیسی مال گزاری اور مالیات کے سررشتہ جات میں ہوئی تھی ۔

اگر ایک مجلس مالیہ و مالگزاری ایسی قائم کی جائے جس میں بڑے بڑے صوبوں کی مجالس وضع قوانین کے منتخبہ ہندوستانی ارکان بھی شریک ہوں تو اس سے گورنر جنرل کی کونسل کے رکن مال اور رکن داخلیہ کو اپنے مشکل اور کٹھن کاموں کے سرانجام میں بڑی مدد ملے گی اور اگر وزیر ہند اور گورنر جنرل کی کونسلوں میں حکومت کی طرف سے چند لائق ہندوستانی شریک کیے جائیں تو ان کے ذریعہ سے نظم و نسق بھی رعایائی اغراض و خواہشات سے ہر وقت واقف رہے گا ۔ ہندوستانی نظم و نسق پر ہر برطانوی صاحب غرض اور برطانوی جماعت کا ہر فرد اپنا اثر رکھتا ہے ۔ انصاف و مصلحت یہی ہے کہ اس نظم و نسق میں جس کا تعلق بمقابل رعایا کے دیگر طبقات کے ہندوستانیوں ہی سے زیادہ ہے ہندوستانی لوگوں کو بھی کچھ نہ کچھ دخل دینے کا حق اور کچھ نہ کچھ حصہ دیا جائے ۔ ہندوستانی نظم و نسق میں عوام کا یہ عنصر نہ ہونے کی وجہ سے اس پر اثرات ایسے پڑتے ہیں جن سے محصولات اور مصارف میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ہندوستانی محاصل ایسے مقاصد کی تکمیل میں خرچ

کئے جاتے ہیں جو ہندوستان سے خاص طور پر متعلق نہیں ہوتے مگر ایسے اثرات کبھی نہیں پڑتے جن سے براہ راست محصولات و مصارف میں تخفیف ہو اور اس آبادی کا جس کا کوئی نمایندہ نہیں بوجھ کبھی ہلکا ہو جائے ماموریہ مصارف کے سامنے ممتاز انگریزوں نے جو شہادت دی تھی (جس کو کسی پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کا زر کس قدر بیدردی کے ساتھ اکثر خرچ کر دیا جاتا تھا اور آئندہ باب میں جو واقعات ہم بیان کرنے والے ہیں ان سے ظاہر ہو گا کہ ایسے مصارف سے اہل ہند کی مادی حالت کس قدر متاثر ہوتی تھی۔

چودھواں باب

ہندوستان بیسویں صدی عیسوی میں

اس آخری باب میں ہمارا منشا یہ ہے کہ قارئین کے روبرو ہندوستان کی اس نئی صدی کے آغاز کے متعلق چند اعداد پیش کریں۔ یہ اعداد "تازہ ترین" اعداد و شمار کے گوشوارے" سے جو سال حال ۱۹۰۳ء؁ شائع ہوا ہے اخذ کئے گئے ہیں۔

ذیل کے نقشوں میں سنہ ۱۹۰۱ء؁ کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان کا رقبہ اور آبادی بتائی گئی ہے۔

برطانوی ہند

صوبہ	رقبہ (مربع میل)	آبادی
(۱) اجمیر۔ مارواڑ	۲۷۱۱	۴۷۶۹۱۲
(۲) انڈمان اور نکوبار	۳۱۸۸	۲۴۶۴۹
(۳) آسام	۵۶۲۴۳	۶۱۲۶۳۴۳
(۴) بلوچستان	۴۵۸۰۴	۳۰۸۲۴۶

(۵) بنگالہ	۱۵۱۱۸۵	۷۴۷۴۴۸۶۶
(۶) برار اور ممالک متوسط	۱۰۴۱۶۹	۱۲۶۳۰۶۶۲
(۷) بمبئی بشمول عدن	۱۲۳۰۶۴	۱۸۵۵۹۵۶۱
(۸) برما	۲۳۶۷۳۸	۱۰۴۹۰۶۲۴
(۹) کرگ	۱۵۸۲	۱۸۰۶۰۷
(۱۰) مدراس	۱۴۱۷۲۶	۳۸۲۰۹۴۳۶
(۱۱) شمال مغربی سرحدی ممالک	۱۶۴۶۶	۲۱۲۵۴۸۰
(۱۲) پنجاب	۹۷۲۰۹	۲۰۳۳۰۳۳۹
(۱۳) آگرہ واودھ	۱۰۷۱۶۴	۴۷۶۹۱۷۸۲
میزان	۱۰۸۷۲۴۹	۲۳۱۸۹۹۵۰۷

ہندوستان کی دیسی ریاستیں

ریاستیں اور علداریاں	رقبہ (مربع میل)	آبادی
(۱) علداری بلوچستان	۸۶۵۱۱	۵۰۲۵۰۰
(۲) ریاست بڑودہ	۸۰۹۹	۱۹۵۲۶۹۲
(۳) بنگالے کی ریاستیں	۳۸۶۵۲	۳۷۴۸۵۴۴
(۴) بمبئی کی ریاستیں	۶۵۷۶۱	۶۹۰۸۶۴۸
(۵) ممالک متوسط کی علداریاں	۷۸۷۷۲	۸۶۲۸۷۸۱
(۶) صوبۂ متوسط کی ریاستیں	۲۹۴۳۵	۱۹۹۶۳۸۳
(۷) ریاست حیدرآباد	۸۲۶۹۸	۱۱۱۴۱۱۴۲
(۸) ریاست کشمیر	۸۰۹۰۰	۲۹۰۵۵۷۸
(۹) مدراس کی ریاستیں	۹۹۶۹	۴۱۸۸۰۸۶

(۱۰) ریاست میسور	۲۹۴۴۴	۵۵۳۹۳۹۹
(۱۱) پنجاب کی ریاستیں	۳۶۵۳۲	۴۴۲۴۳۹۰
(۱۲) راجپوتانہ کی علاقہ داریاں	۱۲۷۵۴۱	۹۷۲۳۳۰۱
(۱۳) آگرہ اور اودھ کی ریاستیں	۵۰۷۹	۸۰۲۰۹۷
میزان	۶۷۹۳۹۳	۶۲۴۶۱۵۴۹

محاصل ومصارف ۔ سنہ ۱۹۰۱-۱۹۱۰ء میں برطانوی ہند کے خام محاصل (۶۳۴۴۵۲۲۶) پونڈ ہوئے تھے ۔ ریلوے اور آبپاشی کی وصولات منہا کرنے کے بعد برطانوی ہند کے خالص محاصل (۵۹۰۸۰۵۳۵۰) پونڈ ہوئے تھے چونکہ برطانوی ہند کی کل آبادی تئیس ۲۳ کروڑ بیس ۲۰ لاکھ نفوس سے بھی کچھ کم ہے اس لئے حساب سے محصولات فی کس تقریباً ۴ شلنگ ۸ پنس ہوتے ہیں۔

لارڈ کرومر اور سر ڈیوڈ بار برنے سنہ ۱۸۸۲ء میں حساب کیا تھا کہ اہل ہند کی آمدنی فی کس ۲۰ روپیہ ہوتی تھی اور لارڈ کرزن کا اندازہ ہے کہ موجودہ آمدنی فی کس ۳۰ شلنگ ہوتی ہے ۔ دوسروں کا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں تخمینے بہت زیادہ ہیں لیکن موجودہ حساب کے لئے ہم موخر الذکر ہی کو صحیح تسلیم کر لیتے ہیں ۔ ۳۰ روپئے اصلاً ۴۰ شلنگ کے اور اس امر واقع سے ملک کی معاشی حالت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دولتمند سے دولتمند اشخاص کے بشمول سب طبقات کی اوسط آمدنی سالانہ صرف ۴۰ شلنگ ہوتی ہے درآں حالیکہ ممالک متحدۂ برطانیہ میں یہ ۴۲ پونڈ ہوتی تھی ۔ ۴۰ شلنگ پر ۴ شلنگ ۸ پنس کے حساب سے جو محصول ہے وہ پونڈ پر ۲ شلنگ ۴ پنس پڑتا ہے ۔ ایک ایسی قوم کے لئے جو اپنی سدرمق سے کچھ بڑھکر نہیں کماتی یہ بوجھ بالکل کمر توڑ دینے والا ہے ۔ ممالک متحدۂ برطانیہ میں جہاں گزشتہ جنگ کے مصارف کے سوا (۱۴۴۰۰۰۰۰۰) پونڈ کے سنگین محصولات ہیں چار ۴ کروڑ بیس ۲۰ لاکھ کی آبادی میں تادیہ محصول فی کس ساڑھے دس پونڈ سے بھی کچھ کم ہے اور ہر باشندے کی کمائی (۴۲ پونڈ) کے ساتھ اس محصول کا تناسب پونڈ میں صرف ایک شلنگ ۸ پنس ہوتا ہے ۔ اس طرح بمقابل برطانیۂ عظمیٰ اور آئرلینڈ کے محصول ادا کرنے والے کے ہندوستانی محصول ادا کرنے والے پر جو اپنی سدرمق سے بڑھکر نہیں کماتا ۴۰ فی صدی سے زیادہ محصول ہے

۱۹۰۱-۱۹۰۰ء کے جملہ مصارف جو مالگزاری میں محسوب ہوتے تھے (۷۱۳۹۴۲۸۲) پونڈ ہوئے تھے ۔ ریلوے اور آبپاشی کے مصارف منہا کرنے کے بعد خالص مصارف (۴۹۹۶۵۹۲۲) پونڈ رہ جاتے تھے اس رقم میں سے سررشتہ جات دیوانی نیز ہندوستان اور انگلستان میں سرکاری مطالبات کی تحصیل میں (۱۵۲۸۶۱۸۱) پونڈ خرچ ہوئے تھے اور فوج پر (۱۵۷۶۳۹۳۱) پونڈ صرف ہوئے تھے ۔

مطالبات وطن۔ (۷۱۳۹۴۲۸۲) پونڈ کے خام مصارف میں سے انگلستان میں مطالبات وطن کی شکل میں جن میں یوروپی عہدہ داروں کی تنخواہوں کی وہ اندوختہ رقوم شامل نہیں جو ہر سال انگلستان ارسال کی جاتی تھیں ۔ (۱۷۳۶۸۶۵۵) پونڈ خرچ ہوئے تھے سہولت کے لئے مطالبات وطن کو حسب ذیل مدات پر تقسیم کیا گیا ہے :۔

	پونڈ
(۱) سود بابت قرض و انتظامات قرض	۳۰۵۲۴۱۰
(۲) ڈاک ۔ تار برقی وغیرہ جن کی لاگت ہندوستان کے حساب میں محسوب ہوتی تھی ۔	۲۲۷۲۸۸
(۳) ریلوے سرکاری و غیر سرکاری جن کے منافع کی سرکار کفیل تھی (سود لونڈ سالیانہ)	۶۴۱۶۳۷۳
(۴) تعمیرات عامہ (ایام رخصت کی تنخواہیں وغیرہ)	۵۱۲۱۴
(۵) بحری مطالبات (بحر ہند میں شاہی جہازوں کے اخراجات کے بشمول)	۱۷۳۵۰۲
(۶) فوجی مطالبات (بشمول وظائف)	۲۹۴۵۶۱۴
(۷) مطالبات دیوانی (بشمول عملۂ دفتر وزیر ہند۔ کوپرز ہل کالج و نظائف وغیرہ)	۲۴۳۵۳۷۰
(۸) ذخیرہ (بشمول کارہائے مدافعت غنیم)	۲۰۵۷۹۳۴
میزان	۱۷۳۶۸۶۵۵

سب سے زیادہ خرچ سودی قرض ۔ ریلوے دیوانی اور فوجی مطالبات کی مدات میں ہوا تھا ۔ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے ناانصافی سے خراج کا مطالبہ کر کے اس قرض کی بنا ڈالی تھی اور کس طرح افغان و چین کی لڑائیوں نیز غدر اور اٹلی سینا

دسوڈان کی جنگ وجدل کے مصارف ہندوستان کے حساب میں محسوب کرنے سے اس قرض میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا گیا تھا۔ یہ قرض کس حد تک اخلاق وانصاف کی رو سے ہندوستان پر واجب الادا ہے اور کس حد تک شہنشاہی کفالت کا جس سے سود میں تخفیف ہو جائے گی یہ مستحق ہے دونوں ایسے مسائل ہیں کہ اس باب میں ہم ان پر بحث نہیں کرنا چاہتے۔

ریلوں کے متعلق بھی ہم نے پچھلے صفحات میں بہت کچھ لکھا ہے۔ نصف صدی تک ریلوں سے کچھ آمدنی نہیں ہوئی تھی لیکن ان میں برابر توسیع ہوتی چلی جا رہی تھی۔ یہ ریلیں جاری رکھنے کے مصارف خرچ شدہ اصل کا سود۔ غیر سرکاری کمپنیوں کے منافع کی کفالت غرض یہ سب ریلوے کی آمدنی سے پانچ کروڑ پونڈ زیادہ تھے اور ہندوستانی محصول دینے والوں کا اس حد تک سراسر نقصان ہو رہا تھا۔ حالیہ چند سال سے ریلوں سے کچھ معقول آمدنی ہوئی ہے لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ کب تک یہ صورت حال باقی رہے گی۔ ہندوستان کو مزید یہ نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں ان ریلوں کی جو آمدنی ہوتی ہے اس سے انگلستان میں اصل کا سود اور سالیانے ساڑھے ساتھ لاکھ پونڈ تک ہر سال ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ زر نہ ہندوستان واپس آتا ہے اور نہ اہل ہند پر صرف ہوتا ہے اس لیے اس سے ہندوستان کی تجارت وحرفت بار آور نہیں ہوتی۔

آخر الامر دیوانی اور فوجی مطالبات ہیں جن میں وہ رقوم بھی شریک ہیں جو شہنشاہی خزانے کو ادا کی جاتی ہیں نیز دفتر وزیر ہند کے عملے کی تنخواہیں اور دیوانی اور فوجی سابقہ عہدہ داروں کے وظائف خدمات بھی انہیں میں شامل ہیں۔ اس صورت میں اہل ہند از روئے انصاف ایک ایسی شہنشاہی کے (جو انگلستان اور ہندوستان دونوں کے لئے سودمند ہے) کم سے کم مصارف کے ایک جز کا تو برطانوی ہمسر رعایا سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ یہ بڑی ذلیل حکمت عملی ہے کہ ان سب امور سلطنت کا بار مصارف اکیلے ہندوستان ہی پر ڈال دیا جائے جب کہ ہندوستان ہی اکیلا ان سے مستفید نہیں ہوتا بلکہ چالیس سال قبل سر جورج ونگیٹ نے جو طریق عمل بتایا تھا اسی کے موافق ان دیوانی اور فوجی مطالبات کا تصفیہ کر دینا نہایت ضروری ہے۔

اجرت اور قیمتیں۔ ۱۹۰۲ء کی آخری شش ماہی میں تو مستدزعی مزدوروں کی اوسط ماہانہ اجرت کیا تھی وہ ذیل کے نقشے میں بتائی گئی ہے اور یہ اعداد سرکاری ذریعہ

ے ملے ہیں ۔

صوبہ	ضلع	اجرت ماہانہ
بنگالہ	پٹنہ	۶ شلنگ ۹ پنس سے ۹ شلنگ تک
	باقرگنج	۱۰ شلنگ ۹ پنس
آگرہ و اودھ	کانپور	۵ شلنگ سے ۹ شلنگ ۹ پنس تک
	فیض آباد	۴ شلنگ ۶ پنس سے ۵ شلنگ ۱۱ پنس تک
پنجاب	دہلی	۱۰ شلنگ ۹ پنس
بمبئی	احمد آباد	۹ شلنگ ۴ پنس
مدراس	بلہاری	۶ شلنگ ۴ پنس
	سالم	۴ شلنگ ۹ پنس
ممالک متوسط	جبل پور	۵ شلنگ ۴ پنس
	رائیپور	۵ شلنگ ۴ پنس

باقرگنج ۔ دہلی اور احمد آباد کے سے متموّل اضلاع اور فیض آباد کے سے بیحد افلاس زدہ اضلاع کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو تومند زرعی مزدور کی ماہانہ اجرت ۴ شلنگ ۹ پنس اور ۹ شلنگ ۹ پنس کے درمیان ہوتی ہے ۔ بہت متموّل اضلاع کے بہ استثناء دیگر مقامات میں زرعی مزدور کو روزانہ ۲ پنس بھی اجرت نہیں ملتی ۔ اس کی روزانہ اوسط کمائی بمشکل ڈھائی پنس ہوتی ہے اور اس میں سے بھی کچھ نہ کچھ منہائی کرنی ضروری ہے کیونکہ سال بھر پورے ۳۶۵ دن اس کو کام نہیں ملتا ۔ اس طرح سال بھر میں روزانہ (۲ پنس کے حساب سے بھی کمانا اس کی توقع سے بڑھ کر ہے ۔ ان حالات میں اس کی ہولناک افلاس زدہ اور بے حفظ دسترت زندگی کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا ۔ اس کی جھونپڑی پر دوبارہ کبھی چھپر نہیں پڑتا ۔ سردی اور بارش سے وہ محفوظ نہیں رہتا ۔ اس کی بیوی کے چیتھڑے لگے رہتے ہیں ۔ اس کے بچے ننگے دھڑنگے پڑے پھرتے ہیں ۔ اس کے پاس گھر کی آرائش و آسایش کا کوئی ساز و سامان نہیں ہوتا ۔ موسم سرما میں ،

ایک بسترا یا کمبل ہی اس کا سامانِ تعیش ہوتا ہے۔ اگر اس کے بچے مویشی چرا کے اور اس کی بیوی کچھ کام کر کے اس کی آمدنی میں اضافہ کرتی ہے تو وہ آپ کو بڑا ہی خوش قسمت سمجھنے لگتا ہے۔ محض خیال ہی خیال نہیں بلکہ صحیح واقعہ ہے کہ ہندوستان میں عام طور پر زرعی مزدور اور ان کے متعلقین ابتدائے سال سے انتہائے سال تک فاقہ کشی کرتے رہتے ہیں۔ خط سرطان وجدی میں موقوعہ مقامات کے باشندوں کے لیے یوں تو کم غذا ہی درکار ہے لیکن اس سے بھی کم غذا پر بچپن ہی سے وہ پلتے ہیں اور بڑے ہو کر یہی وہ قوم بنتے ہیں جس کے افراد کے قویٰ کمزور لاغر و ناتوان ہوتے ہیں اور وہ طاعون وقحط اور مختلف بیماریوں کے بڑی آسانی کے ساتھ شکار ہو جاتے ہیں۔

جن مزارعین کے پاس زمینیں ہیں ان کی حالت بہتر ہے۔ ان کے مکانات اور ملبوسات بھی بہتر ہوتے ہیں اور ان کے پاس کھانے پینے کو بھی ہوتا ہے لیکن ان کی کمائی کا بڑا حصہ سنگین محصول اراضی ادا کرنے میں غائب ہو جاتا ہے اور اس کا برا اثر مزدوری کرنے والوں پر بھی پڑتا ہے کیوں کہ جہاں کاشتکار پر محصول کم ہے اور اس کے پاس بچت کی بھی گنجائش ہے وہاں وہ زیادہ مزدوروں سے کام لیتا ہے اور ان کو معقول مزدوری بھی دیتا ہے چنانچہ باقر گنج میں جہاں اراضی پر لگان کم ہے اور کاشتکار خوش حال ہیں مزدوروں کو ماہانہ ۱۳ شلنگ ۹ پنس اجرت ملتی ہے اور سالم میں جہاں اراضی پر سنگین محصول ہے اور کاشتکار مفلس ہو گئے ہیں وہاں مزدوروں کو ماہوار صرف ۴ شلنگ ۹ پنس مزدوری ملتی ہے یہی امر واقع ہندوستان کے ماہر فن معاشیات کے (جو اپنے ہم قریہ اشخاص کے حالات سے خوب واقف ہوتا ہے) دل میں کھب جاتا ہے اور یہی امر واقع محصول میں اضافہ کرنے کے وقت عہدہ داران بندوبست کے دل سے محو ہو جاتا ہے۔ ایک معتدل محصولِ اراضی سے کاشتکار کی طرح وہی مزدور کا بھی بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ ایک سنگین محصول اراضی کا اثر بالآخر بے اراضی مزدور ہی پر پڑتا ہے۔ اس کو اول تو یہ کہ کام ہی نہیں ملتا اور جب کام ملتا ہے تو اجرت کم ملتی ہے اس لیے وہ قحط کے حملۂ اول میں مصائب کا مجروح بن جاتا ہے۔ ہم نے ان صفحات میں محصولِ اراضی ایک معینہ اور مبنی بر اعتدال حد تک قائم رکھنے پر بار بار زور دیا ہے کیوں کہ ایک معینہ اور معتدل محصول اراضی ہی سے برطانوی ہند کی کل دیہی آبادی کی یعنے بیس کروڑ نفوس کی جو اراضی کے مالک ہیں یا وہ اراضی پر محنت مزدوری کر لیتے ہیں اصلاح حال ہو سکتی ہے اور آئندہ اس معاملے میں بھی دیسی ریاستیں

برطانوی حکومت کی تقلید کرنے لگیں گی جیسی وہ نظم ونسق کی دیگر تفصیلات میں کرتی رہیں۔

جس سرکاری تالیف سے ہم نے مذکورالصدر اعداد اخذ کیے ہیں اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ شہر و بلاد میں بے ہنر مزدوروں کو کیا اجرت ملتی ہے۔ ہم اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کلکتے اور بمبئی کے سے بڑے شہروں میں ایک تنومند بے ہنر مزدور کو روزانہ ۶ پنس یا ۸ آنہ۔ ۱ شلنگ اجرت ملتی ہے اور معمار۔ بڑھئی اور لوہار کا سا ہنرمند مزدور روزانہ ۲ شلنگ تک کما لیتا ہے۔

جنوری سنہ ۱۹۰۳ء میں کلکتے سے جو چاول برآمد کیے گئے تھے ان کی قیمت فی من ۴ شلنگ ۹ پنس تھی (من ۸۲ پونڈ (وزنی) کے مساوی ہوتا ہے)۔ دہلی کے اچھے قسم کے گیہوں کی قیمت فی ہنڈی ۴ شلنگ تھی لیکن ہندوستان کے اکثر صوبجات میں مزدور کی غذا باجرا، جوار اور اسی طرح کی کمتر درجے کی اجناس ہیں۔

تجارت خارجہ۔ سنہ ۱۹۰۲-۰۳ء میں بہ استثنائے ذخیرۂ خزینۂ سرکار ہندوستان میں جملہ مال تجارت اور خزینہ کی درآمد (۶۷،۲۱۲،۹۵) پونڈ ہوئی تھی اور ہندوستان سے اسی زمانے میں جملہ برآمد (۸۰،۶۱۱،۲۹۷) پونڈ ہوئی تھی۔ اس طرح ہندوستان پر مزید دو کروڑ دس لاکھ پونڈ واجب الادا نکلتے تھے۔ ممالک متحدۂ برطانیہ سے چار کروڑ بتیس لاکھ پونڈ کی قیمت کا یعنے ہندوستان کی جملہ برآمد کے دو ثلث کے برابر سامان ہندوستان آیا تھا۔ آسٹریا سے ساڑھے تین لاکھ پونڈ کا۔ جرمانیہ سے بیس لاکھ پونڈ۔ بلجیم سے تین لاکھ پونڈ۔ روس سے بھی تین لاکھ پونڈ اور آسٹریلیا سے ساڑھے تین لاکھ پونڈ کا مال تجارت آیا تھا۔ فرانس نے ہندوستان میں ...۹ پونڈ کی مالیت کی اشیاء برآمد کی تھیں اور ممالک متحدۂ امریکہ نے تقریباً ...۸ پونڈ کی۔ ہندوستان کی جملہ درآمد میں دو کروڑ تین لاکھ کی سوتی مصنوعات زیادہ تر لنکاشائر کی ساختہ شامل تھیں۔ ان کے بعد شکر تقریباً چالیس لاکھ پونڈ کی۔ لوہا اور فولاد تیس لاکھ پونڈ سے زیادہ۔ مشینری اور گرنیوں کی کلیں تین لاکھ پونڈ کی اور معدنی روغنیات ساڑھے تین لاکھ پونڈ کے تھے۔

ہندوستان کی جملہ برآمد سے ممالک متحدۂ برطانیہ نے دو کروڑ تیس لاکھ پونڈ کی قیمت کا مال تجارت یعنے ہندوستان کی جملہ برآمد کا ایک ربع خود لیا تھا جرمانیہ نے ساٹھ لاکھ چھپتر ہزار پونڈ کا فرانس نے ساٹھ لاکھ کا بلجیم نے تینتیس لاکھ پونڈ کا آسٹریا نے ساڑھے دس لاکھ پونڈ کا۔ اطالیہ نے بیس لاکھ پونڈ کا

کا۔ چین نے ایک کروڑ دس لاکھ پچھتر ہزار پونڈ کا۔ اسٹریٹ سٹلمنٹ نے ستر لاکھ پونڈ کا اور جاپان نے ساڑھے چالیس لاکھ پونڈ کا سامان لیا تھا۔ سب سے زیادہ برآمد چاول اور گیہوں قیمتی ایک کروڑ دس لاکھ پچاس ہزار پونڈ کی تھی۔ اس کے بعد خام روئی قیمتی ساڑھے نوے لاکھ پونڈ کی۔ سوت اور روئی کی مصنوعات قیمتی اسّی لاکھ پونڈ کی۔ چرم قیمتی ساڑھے پچاس لاکھ پونڈ کی سن اور سن کے مصنوعات قیمتی ایک کروڑ تئیس لاکھ پچاس ہزار پونڈ کی۔ بیج قیمتی ایک کروڑ دس لاکھ پونڈ کی۔ افیون ساڑھے پچاس لاکھ پونڈ کی اور چائے بھی ساڑھے پچاس لاکھ پونڈ کی تھی۔

رعیت کی معاشی حالت۔ حالیہ قحط کے بعد اہل ہند کی معاشی حالت کے متعلق تحقیقات کرنے پر انگلستان میں ذی اثر اشخاص زور دے رہے تھے۔ لیکن وزیر ہند نے اس مطالبے کی مخالفت کی تھی اور تحقیقات کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس نوعیت کی آخری تحقیقات لارڈ ڈفرن کی حکومت نے ۱۸۸۸ء میں کی تھی جس کو پندرہ سال گزر چکے تھے۔ لیکن اس کے نتائج کو کبھی شائع ہی نہیں کیا گیا کیوں کہ وہ سخت راز کی چیزیں تھیں۔ حقائق کا اس طرح اخفا ہماری نظروں میں کوئی دانشمندانہ فعل نہیں۔ اہل ہند کا متوحش کر دینے والا افلاس اور ان کی لیے دست و پائی دلیے و بیلگی کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ اور کسی خرابی کو پوشیدہ رکھنے سے اس کا علاج نہیں ہو جاتا۔ اب تو ۱۸۸۸ء کی صیغۂ راز کی رپورٹوں کا بہت بڑا حصہ عوام کے سامنے پیش ہو چکا ہے اس لیے اس باب میں بالاختصار اس مواد کا اعادہ کرنے میں کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا۔

اس بات سے انکار کیا گیا ہے کہ صوبہ بمبئی کی آبادی کے بیشتر حصے کو کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس میں ہر جگہ "پست اقوام" موجود ہیں جن میں سے بعض کا معیار زندگی اور کمائی ایک ہندوستانی مزدور کے معیار زندگی اور کمائی سے بھی کم ہے۔ ضلع رتناگیری میں جہاں کی اراضی بہت خراب ہے اور اس پر سنگین محصولات بھی ہیں "بمشکل کوئی ایسا موسم گزرتا ہے جس میں دکن کے قحط کی تکالیف و مصائب یہاں کی آبادی بلا چون و چرا برداشت نہ کرتی ہو"۔ گجرات کے مقابل دکن کی زمین کم زرخیز ہے اور "سب واقف حال اس پر متفق الخیال ہیں کہ اکثر کاشتکار اپنی اراضی سے سال بھر کا غلہ پیدا کرنے میں ناکام رہتے ہیں"۔ کرناٹک کی حد تک بھی حکام کی رائے یہی ہے کہ کثیر التعداد کاشتکار اپنی ادنیٰ

سے سال بھر کا غلہ پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے" گجرات کے زرخیز صوبے میں بھی کاشتکار اپنے کھیت سے جس قدر غلہ پیدا کرتے ہیں وہ ان کو صرف چھ(۶) یا زیادہ سے زیادہ نو(۹) مہینوں تک کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس پر بھی اس کا بیشتر حصہ کھیت کاٹنے کے ساتھ ہی ساہوکار ہضم کر جاتا ہے۔ اور بیشمار اموات کا سبب اکثر بخار بتایا جاتا ہے لیکن بعض ان میں سے لباس۔ غذا اور مسکن کی خرابی یا ان کا کوئی معقول انتظام نہ ہونے ہی کی وجہ سے وقوع میں آتی ہیں"

پنجاب میں مزارعین اور مزدوروں کی حالت اس سے کچھ بہتر نہیں۔ "پرگنہ دہلی میں ملک کے پست معیار کے لحاظ سے بھی لوگوں کی غذا بالکل ادنیٰ درجے کی ہے" ضلع گڑگانوہ میں معیار زندگی خطرناک طور پر پست ہے۔ اشیائے خوردنی کی کمیابی کے باعث لوگ نہایت ہی تنگی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور اجناس کی قلت ہی یہاں کی رعایا کے ترک وطن کا باعث ہے۔ فیروز پور کے زائد مددگار کمشنر نے یہ اطلاع دی تھی کہ کئی مواضعات میں لوگوں کو چوبیس(۲۴) گھنٹے میں دو وقت کا بھی برابر کھانا نہیں ملتا تھا۔ لاہور کے مددگار کمشنر نے یہ اطلاع دی تھی کہ کثیر التعداد اشخاص کو کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ پرگنہ راولپنڈی کے دو مسلمان عہدہ داروں نے اس سے بھی زیادہ غمناک قصہ بیان کیا تھا۔ ان میں سے ایک کا دعویٰ تھا کہ آبادی میں ۱۰ فیصدی ہندو اور ۲۰ فی صدی مسلمان پیٹ بھر کھانا نہ ملنے کی وجہ سے لاغر و ناتوان اور بیمار رہتے ہیں۔ اور دوسرے کا بیان تھا کہ مزارعین کا تمام اسفل طبقہ ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہے۔ کرنل وارفیلڈ سی۔ ایس۔ آئی کہتا ہے کہ "ہزارہ کے پہاڑی خطوں کے باشندے زراعت پیشہ ہوں کہ چرواہے میرے خیال میں عام طور پر سب کے سب مفلس۔ مخنتی اور لاغر نظر آتے ہیں اور ان کی صورتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں ہوا"

ممالک متوسط کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اضلاع ساگر۔ داموہ۔ نرسنگھ پور۔ ہوشنگ آباد تمار اور ناگپور میں "تین ثلث اسامی قرض میں گرفتار ہیں اور مندرجہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر تقریباً دیوالیہ ہیں جن کو مالی مشکلات سے کبھی نجات پانے کی توقع ہی نہیں"

صوبۂ آگرہ و اودھ۔ اس صوبے کی رپورٹیں زیادہ مکمل و واضح ہیں۔

کلکٹر اٹاوہ لکھتا ہے کہ "بے اراضی مزدور کی حالت اب بھی ایسی ہے جو بہت اچھی خیال نہیں کی جا سکتی۔ مزدور، اس کی بیوی اور دو بچوں کی آمدنی سب ملا کر ماہانہ تین روپے (۴ شلنگ) سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جب اجناس خوردنی کی قیمتیں کم اور مینہ برا عتدال ہوتی ہیں کام مسلسل

ملتا رہتا ہے اور خاندان کی صحت اچھی رہتی ہے تو یہ آمدنی دن میں ایک وقت پیٹ بھر کھانا کھانے اور جھوپڑی بھی اچھی حالت میں رکھنے نیز سستا کپڑا اور گاہے گاہے ایک تیلا کمبل خریدنے کے لئے مکتفی ہوتی ہے۔"

کلکٹر باندا لکھتا ہے کہ "آبادی کے اسفل طبقات میں اکثر و بیشتر ایسے لوگ نظر آتے ہیں جن کی جسمانی حالت بہت ہی خراب ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ان کو کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا یا انھوں نے اپنی زندگی کے اوائل میں قحط کے مصائب و تکالیف برداشت کیے ہیں۔ ملحوظ خاطر رہے کہ اگر کسی جاندار کو نشوونما کے ابتدائی زمانے میں فاقہ کشی کرنی پڑے تو اس سے نشوونما کو جو ضرر پہنچتا ہے اس کی تلافی آگے چل کر عمدہ چیزیں کھانے سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔"

غازی پور کے کلکٹر نے لکھا ہے کہ "عموماً گانوں میں مزارعین کی بیشتر آبادی قرض میں گرفتار رہتی ہے۔"

فیض آباد کا کمشنر مسٹر ہنٹ کے بیان کا حسب ذیل اعادہ کرتا ہے۔ "جب تک کوئی شخص اس موضوع کی تفصیل میں نہ جائے وہ پورے طور پر یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ رعایا کے ایک انبوہ کثیر سے مطلق عریانی و فاقہ کشی کس قدر دہشت انگیز طور پر قریب تر ہے۔" اس پر کمشنر کہتا ہے کہ میری دانست میں یہ اودھ کے ہر ضلع پر صادق آتا ہے آبادی کا ایک انبوہ کثیر ایسی ہی پست و خطرناک حالت میں زندگی بسر کرتا ہے صرف فرق یہ ہے کہ یہ خرابی حال کہیں کم کہیں زیادہ ہے۔"

اسی کمشنر نے "اخبار پائنیر" میں لکھا تھا کہ "یہ حساب لگایا گیا ہے کہ کل دیسی آبادی کا تقریباً ۴۰ فی صدی حصہ ایسے سخت افلاس کے قعر مذلت میں پڑا ہوا ہے کہ جب تک چھوٹے چھوٹے بچوں کی مزدوری بھی خاندان کی عام آمدنی میں شامل نہ کی جائے اس وقت تک بعض ارکان خاندان کی زندگی بسر نہیں ہو سکتی اور وہ بھوکوں مر جائیں گے۔" اس خیال کے متعلق کہ ہندوستان کی آبادی کا بڑا حصہ روزانہ اشیائے خوردنی کی کمیابی سے تکلیف اٹھا رہا ہے اس نے لکھا تھا کہ "سال بھر میں کم و بیش ایسے کئی مہینے گزر جاتے تھے جب کہ ہندوستان کے ایک بڑے حصے کی آبادی کی حد تک یہ خیال بالکل درست ہے۔"

رائے بریلی کا کمشنر لکھتا ہے کہ "جیسا پہلے بیان کیا گیا ہے بھوک کا انحصار زیادہ تر عادت پر ہے۔ اور وہ لوگ جو قحط کی تنگی اور دکھ اٹھا چکے ہیں جیسے تقریباً سب غریب و نادار تو وہ بمقابل دولتمندوں کے کم کھانے کے عادی بن جاتے ہیں۔"

الہ آباد کا کمشنر لکھتا ہے کہ رعایا کے مفلس طبقات سے نیم فاقہ کشی کچھ ایسی وہ نہیں لیکن اس کا علاج ہی کیا ہے؟"

ہندوستان میں برطانوی تنظیم مملکت کی زبان سے نکلا ہوا یہ آخری جملہ کیا یاس و ناامیدی سے مملو ہے؟ کچھ نہ کچھ اس کا علاج ضرور ہوگا جب کہ ہندوستان میں زمین زرخیز ہے۔ رعایا امن پسند ہنرور اور جفاکش ہے۔ اور ایک متمدن حکومت راستبازی کے ساتھ قوم کو خوشحال بنانا چاہتی ہے۔ نظم و نسق کی اپنے اعلے ترین مقصد و خواہش میں ناکام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تشکیل اور اس کا طریق کار ایک ایسی مطلق العنان حکومت کے مماثل ہے جس کے پاس رعایا کی خواہشات و خیالات سے واقف رہنے کا کوئی ذریعہ نہیں اس لئے وہ رعایا کو فلاح و بہبود کی منزل تک ہرگز نہیں پہنچا سکتی۔

اس کا علاج صرف دو باتوں سے ہو سکتا ہے تخفیف مصارف اور نیابت رعایا۔

تخفیف مصارف سے اراضی پر جو محصولات عائد ہیں ان میں بھی تخفیف ہو جائے گی۔ زراعت کو جو ہندوستان کی ایک ہی قومی حرفت ہے اس سے بڑی مدد ملے گی۔ مالگزاری کے علاوہ اراضی پر جو ابواب عائد ہیں ان کو موقوف کر دینا چاہئے۔ محصول اراضی جہاں دوامی نہیں ہے وہاں کسی خود مختار محکمہ عدالت کے ذریعہ سے اصول مادیہ کے لحاظ سے نصف آمدنی مالگزاری یا نصف ثنائی لگان تک جو اطمینان ضمیر کے لئے بھی کافی بڑی مقدار ہے محدود کر دینا چاہئے۔ اور سوائے ان مختص وجوہ کے جن کو ازروئے قانون مقرر کر دیا جائے اس میں اضافہ نہیں ہونا چاہئے۔

دوسری حرفتوں کو بھی امداد کی ضرورت ہے۔ حکومت ہند آئندہ مینچسٹر کے حسب ہدایت وایسا کام نہ کرے۔ ہندوستانی گرنیوں کی مصنوعات پر جو محصول چنگی ہے اس کو منسوخ کر دینا چاہئے۔ ایسے مبنی بر اعتدال محصولات درآمد کو قائم رکھنا چاہیے جو تاجرین کے لئے نہیں بلکہ محض اغراض محاصل کے لئے لگائے گئے ہوں۔ اور ان کم مایہ اور کم حیثیت لوگوں کو جنھوں نے گھریلو حرفت جاری رکھی ہے ہر طرح کی مدد اور ہنر کی تعلیم دینی چاہئے کیونکہ اب بھی لکھو کھا آدمی اپنے اپنے مواضعات میں ایسی ہی حرفتوں پر اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

سب سے بڑھ کر تو یہ ہے کہ ہندوستان کے قومی مصارف میں تخفیف ہونی چاہئے۔ فوجی مصارف ہندوستان کی ضرورت کے موافق ہونا چاہئیں اور شہنشاہی اغراض کی خاطر جو مزید مصارف ہوتے ہیں ان کی ادائی کے لئے شاہنشاہی خزانے سے ہندوستان کو رقم ملنی

ملنی چاہئے۔ اس غرض سے انگلستان کا تیس یا چالیس لاکھ پونڈ سالانہ ادا کرنا سر رابرٹ گفن کی رائے میں بالکل واجبی ہوگا۔ ہندوستانی قرض میں مستقل تخفیف کرنی چاہئے اور اس کے لئے شہنشاہی کفالت بھی دینی چاہئے۔ ہندوستان میں اعلیٰ عہدوں پر قابل ہندوستانیوں کے پہنچنے کے لئے راہ کھول دینی چاہئے اور اعلیٰ خدمات کو صرف ایسے انگریز نوجوانوں کے لئے جن کو مشرق میں تلاش روزگار رہتی ہے مختص نہیں رکھنا چاہئے۔ اور مطالبات وطن یعنے لندن میں ہندوستانی زر کے ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ کے مصارف میں مستقل تخفیف کرنی چاہئے۔ ہندوستان کی اجناس، اشیائے خوردنی کی شکل میں سالانہ معاشی بدررو جاری ہے اور بمقابل دیگر اسباب و علل کے زیادہ تر اسی سے ہندوستان کی آبادی پر افلاس چھا رہا ہے۔ یہ صحیح اور منصفانہ شہنشاہی حکمت عملی نہیں کہ برطانیہ عظمیٰ کی شہنشاہی ہند کے لئے لندن میں ایک شلنگ بھی اگر صرف کیا جائے تو وہ ہندوستانی محصول دینے والے ہی سے وصول کر لیا جائے۔ اس شہنشاہی کے وجود سے برطانیہ عظمیٰ اور ہندوستان دونوں کا فائدہ ہے اور ہندوستان کے معاملات کی نگرانی کے لئے لندن میں جو عملہ قائم تھا اس کے مصارف کا ہندوستان کے حساب میں محسوب کر دینا نیکوں اور "شمار رکھ دل" کا سا خسیسانہ طریق عمل ہے مطالبات وطن کے لئے ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ کی سالانہ ارسال اور ہندوستان کے یورپی عہدہ داروں کی ذاتی رقوم کی ارسال یہ دونوں ملا کر ہندوستان کے خالص محاصل کا تقریباً نصف ہوتا ہے۔ اگر کوئی حکمران طاقت ملک سے تقریباً نصف محاصل اس طرح نکال لے جائے تو کوئی محکوم قوم خوشحال نہیں رہ سکتی۔ اور براہ راست کوئی تجارتی معاوضہ دینے بغیر کوئی حکمران قوم کثیر المقدار زر وصول کرتی رہے تو اس سے انجام کار اس کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ جو افراد پر صادق آتا ہے وہی اقوام پر بھی صادق آتا ہے محنت کی کمائی ہوئی روٹی جزو بدن بن جاتی ہے اور جسم کو تقویت دیتی ہے اور بے محنت کیے روٹی کھائے تو زہر ہو جاتی ہے۔ کوئی تجارتی معاوضہ دیے بغیر روما میں قدیم میں کثرت سے جو زر آنے لگا تو وہاں تعیش و تنزل و انحطاط شروع ہو گیا۔ یہی حالت موجودہ اسپین کی ہے جہاں سیاسی اور تجارتی انحطاط ہی انحطاط ہے۔ زمانہ آئندہ کے مورخ ہم سے زیادہ صریح و صاف طور پر محسوس کریں گے کہ کس طرح مغربی اقوام کے حریفانہ مقابلے سے بڑھ کر مشرقی زر کی کثرت سے انگلستان کی صنعت و حرفت میں تجارتی قابلیت اور مقابلے کی قوت مفقود ہو رہی تھی۔

انگلستان بہ حیثیت ایک تنآور ۔ حرفتی اور تجارتی طاقت کے مشرقی زر کے لالچ میں تکراہی طرح
انحطاط پذیر ہوگیا ہے جس طرح بہ حیثیت ایک آزاد ملک کے اس مطلق العنان حکومت کے
اثر ہے جو مشرق میں انگلستان ہی نے قائم کی ہے رو بہ انحطاط ہوگیا ہے ۔ ہندوستان
کے حق میں اگر مالیاتی انصاف کیا جائے تو اس سے برطانوی صنعت کو دو طرح کا فائدہ
ہوگا ۔ ایک یہ کہ ہندوستانی آبادی کی خوشحالی سے ہندوستان میں زیادہ مصنوعات فروخت
ہونے لگیں گی دوسرے یہ کہ بلا معاوضہ تجارت کثرت سے جو زر انگلستان جا رہا ہے اور
جس کی وجہ سے انگلستان کی حرفتی قابلیت میں کمی واقع ہونے کا امکان ہے اس کا جانا بالکل
بند ہو جائے گا ۔

دوسرا جو علاج ہم نے تبایا تھا وہ نیابت رعایا ہے ۔ ہندوستان میں ہم پارلیمنٹ
قائم کرنا نہیں چاہتے لیکن جب تک نظم و نسق کی نگرانی میں رعایا کو شریک نہ کیا جائے
اس وقت تک کوئی نظم و نسق کامیاب ہی نہیں ہو سکتا ۔ اب اس نیک کام کا آغاز ہو چکا ہے ۔
ہر صوبے کی مجلس وضع قوانین میں رعایا اپنی طرف سے چند ارکان کا انتخاب کرنے لگی ہے اس
میں ابھی توسیع کی گنجائش ہے صوبے کے ہر ضلع سے نمایندے اس میں شریک ہونا چاہئیں
مدراس اور بمبئی میں جیسی عاملانہ مجالس ہیں ویسی ہندوستان کے دیگر صوبجات میں بھی ہونا چاہئیں
اور ان میں ہندوستانی ارکان بھی شریک رہنا چاہئیں ۔ گورنر جنرل کی عاملانہ مجلس میں بڑے
قابل اور تجربہ کار انگریز موجود ہیں لیکن یہ سب خرچ کنندہ سررشتہ جات کے صدر ہیں ۔ اگر
ان مجالس میں رعایا یعنے محصول ادا کرنے والوں کے نمایندے بھی شریک رہیں تو ان سے
نظم و نسق کو تقویت ہوگی اور رعایا کے حالات سے واقف ہونے اور ان کی فلاح و بہبود کو ترقی
دینے کا نظم و نسق کو اچھا موقع ملے گا اور وزیر ہند کی کونسل میں بھی ایسے لوگ موجود ہوں
تو نظم و نسق کے اہم معاملات میں ان کے معلومات اور مشورے سے وزیر ہند کو بڑی مدد ملے گی ۔
پینتالیس سال تک وائیٹ ہال کے ایوان مجلس میں کسی ہندوستانی رکن کی رائے
یا آواز سنے بغیر وزرائے ہند ہندوستان پر حکومت کرتے رہے ہیں ایسا
نظم و نسق جس کو رعایا پر اعتماد نہ ہو اور جس میں رعایا کو کچھ دخل نہ ہو ہمیشہ نامقبول
و ناکامیاب ہی ثابت ہوتا ہے ۔

مذکورالصدر دونوں علاج جدید نہیں بلکہ نصف صدی تک موجودہ نظام نے

جو ترقی کی ہے اسی کا یہ لازمی نتیجہ ہیں ۔ ہم حکومت کی حد تک تجربات کرنا پسند نہیں کرتے ۔ ہم کو کسی جدید اور تصوری دستور کا اعتبار نہیں ۔ ہم ایک مقررہ مسلک پر ترقی کرنا چاہتے ہیں ہماری خواہش یہ ہے کہ موجودہ نظم ونسق ہی کو رعایا کی زندگی اور فلاح وبہبود سے قریب تر کر دیا جائے ۔

یہ اس لئے کہ حکومت ہند کا موجودہ دستور رعایا کی زندگی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا ۔ اس سے نہ رعایا کی حفاظت حقوق ہوتی ہے اور نہ مادی فلاح وبہبودی حاصل ہوتی ہے برطانیہ اعظمیٰ کی پارلیمنٹ بھی ہندوستانی معاملات پر پوری توجہ مبذول نہیں کر سکتی ۔ اور خود وزیر ہند جو برطانوی کابینہ کا رکن ہے یا اس کے منتخب ارکان کونسل میں ایک بھی ایسا نہیں جو رعایا کا نمایندہ ہو یا رعایا کی ضرورتوں سے واقف اور رعایا ہی کے مفاد میں کام کرنے والا ہو ۔ ہندوستان میں بھی گورنر جنرل یا اس کے منتخب ارکان کونسل وزیر ہند ہی کے فرماں بردار ہیں اور رعایا کی ضروریات وخواہشات سے ناواقف ہیں ۔ ہندوستانی نظم ونسق کی حکمت عملی اور اس کی سب اہم تفصیلات کی تشکیل ونگرانی وائیٹ ہال اور شملے کی جدید بیہی کے ہاتھ میں ہے ۔ اہل ہند کو اپنے خیالات کے اظہار کا اور محصول ادا کرنے والوں کو اپنے حقوق کی حفاظت کا کوئی ذریعہ حاصل نہیں ۔ ایک کثیر التعداد متمدن آبادی کے لئے نظم ونسق کا ایسا انتظام جس میں رعایا خود اپنے معاملات کی نگرانی سے بڑی سختی کے ساتھ سراسر اور مطلق بے دخل کر دی گئی ہو انسانی عقل اور قوت ایجاد پھر کبھی اختراع نہیں کر سکتی اس صورت میں تعجب کی کیا بات ہے کہ نظم ونسق ہند یعنے وائیٹ ہال اور شملے کی جدید شہنشاہی اثرات میں گھر جانے کے بعد بعض دفعہ ہندوستانی کاشتکار کو جس پر بے انداز محصولات عائد ہیں اور ہندوستانی صانع کو جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار بیٹھا رہتا ہے اور ہندوستانی مزدور کو جو بھوکوں مر رہا ہے بالکل بھول جاتی ہے ۔

ہندوستان اگلے زمانے میں کبھی ایسا نہ تھا ۔ ہندو اور مسلمان بادشاہوں نے ہمیشہ مطلق العنان اور خودسرانہ فرمانروائی کی تھی مگر رعایا کو کبھی نظم ونسق سے بے دخل نہیں کیا تھا ۔ ان کا نظم ونسق بالکل ناقص اور قدیم وضع کا تھا لیکن رعایا کی امداد باہمی پر مبنی تھا ۔ شہنشاہ دہلی میں راج کرتا تھا ۔ اس کے گورنر صوبجات میں راج کرتے تھے ۔ زمیندار ، پالی گار اور سردار اپنی اپنی جاگیروں میں شاہی کرتے تھے اور گاؤں والے دیہی جماعت پر حکومت کرتے تھے ۔ کاشتکاروں سے لے کر اوپر تک کل آبادی کو ملک کے نظم ونسق میں کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملتا تھا ۔ یہ سچ ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ کے مقابل موجودہ نظم ونسق بہ لحاظ وحدت زمانہ زیادہ وحدت گیر اور کفایت [illegible]

رکھنے میں زیادہ مکمل اور زیادہ باضابطہ ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے تو پھر اس نظم ونسق میں عوام کا کچھ نہ کچھ عنصر شریک رہنا بھی ضروری ہے اور اضلاع و پرگنہ جات میں رعایا کی جماعتوں اور انجمنوں سے اس کو ہر طرح کی تقویت و مدد ملنی چاہئے۔ موجودہ نظم ونسق کو مرکزی بنا دینے کے ساتھ ساتھ عوام کے عنصر کو اس سے بیدخل کر دینا ایسا ہی ہے جیسے حکومت خود اختیاری کی اس مفید صورت حال کے بغیر جس کو خود اس مطلق العنانی نے رعایا کے لیے باقی ر
کی مطلق العنانی کی بدتر شکل اختیار کر لی جائے۔

اس اہم مسئلے کو خواہ کسی زاویۂ نظر سے کیوں نہ دیکھیں ہم اسی حقیقت
روئے زمین پر دیگر اقوام کے مقابل انگریز ہی خوب سمجھتے ہیں) پہنچتے ہیں کہ رعا
ان کے معاملات پر نگرانی کرنے میں حصہ دیے بغیر ہندوستان کے نظم ونسق کو کا
کو خوشحال بنانا بالکل ناممکن ہے۔ جان اسٹوارٹ مل کا قول ہے کہ "یہ انسانی
ایک تجربہ طبیعی ہے کہ دوسروں کے اغراض کو محفوظ رکھنے کے خیال سے خواہ یہ
خلوص و صداقت پر مبنی ہو اپنے ہاتھ پاؤں باندھ لینے سے ایسی حفاظت کا کوئی
نہیں ہو جاتا۔ اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی زندگی کی کوئی مستقل دیا یادار اصلاح
زمانہ دراز سے ہندوستان کے ہاتھ پاؤں باندھ دئے گئے ہیں جس کا نتیجہ یہی
آج اپنے ملک کی اور اپنی اصلاح حال کے لئے ہندوستانیوں کو برطانوی منتظمین
کھڑے ہونے دیجئے اور دونوں کو مل کر کام کرنے دیجئے۔

اگر ہندوستان میں دستوری حکومت قائم کی جائے تو اس سے خود
نقصان کے فائدہ ہوگا۔ سب سے الگ تھلگ رہنے سے شہنشاہی کو تقویت نہیں ہو
اس سے آبادی کے بہت بڑے حصے میں بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے اور یہ صورت حال رفتہ رفتہ سیاسی خطرہ پیدا کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر حکومت میں رعایا کا عنصر بھی رہے تو اس سے یہ خرابی مسدود ہو جائے گی اور شہنشاہی کو بھی بڑی تقویت ہوگی اہل ہند خود ایسی شہنشاہی کے طرفدار ہو جائیں گے اور اس کو اپنا سمجھ کر باعث فخر سمجھنے لگیں گے اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اس سے انگلستان اور ہندوستان دونوں ممالک میں وہ خرابیاں جو ایک مطلق العنان حکومت سے پیدا ہوتی ہیں مسدود ہو جائیں گی۔ اس سے ان مضر اثرات کا بھی استیصال ہو جائے گا جو انگلستان کی مشرقی مطلق العنان حکومت کی شکل میں اس کے

ادارات اور رعایا میں اپنا زہر پھیلا رہے ہیں ۔

لوئی پانزدہم شاہ فرانس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک موقع پر وہ اپنے فال گر کو پھانسی دینا چاہتا تھا لیکن فال گر نے یہ کہا کہ جب تک وہ خود زندہ ہے بادشاہ بھی زندہ رہے گا اس پر شاہ لوئی اپنے ارادے سے باز آگیا یہی بات مگر اعلیٰ تر یا معنی میں انگلستان پر بھی صادق آتی ہے یعنے انگلستان کی تقدیر ہندوستان کی تقدیر کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اگر ہندوستان خوشحال رہے تو وہ انگلستان کی تجارت کی مدد کرے گا اور اگر دستور پسند رہے تو انگلستان کی شہنشاہی کا قوت بازو رہے گا ۔ افلاس زدہ ہندوستان انگلستان کی تجارت کی کیا مدد کر سکتا ہے اور ہندوستان کی حکومت کی مطلق العنانی انگلستان کے انحطاط کی خبر دیتی ہے ۔

تمت

ادارات اور رعایا میں اپنا زہر پھیلا رہے ہیں۔

لوئی یازدہم شاہ فرانس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک موقع پر وہ اپنے فال گو کو پھانسی دینا چاہتا تھا لیکن فال گو نے یہ کہا کہ جب تک وہ خود زندہ ہے بادشاہ بھی زندہ رہے گا اس پر شاہ لوئی اپنے ارادے سے باز آگیا یہی بات مگر اعلیٰ ترین معنی میں انگلستان پر بھی صادق آتی ہے یعنے انگلستان کی تقدیر ہندوستان کی تقدیر کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر ہندوستان خوشحال رہے تو وہ انگلستان کی تجارت کی مدد کرے گا اور اگر وہ مفلس رہے تو انگلستان کی شہنشاہی کا قوت بازو رہے گا۔ افلاس زدہ ہندوستان انگلستان کی تجارت کی کیا مدد کرسکتا ہے اور ہندوستان کی حکومت کی مطلق العنانی انگلستان کے انحطاط کی خبر دیتی ہے۔

تمت

صحت نامہ

معاشی تاریخ ہند جلد دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴	۵	دیباچہ کتابت	کتاب	۱۴۵	۲	کرتے	کرنے
۶	۴	نشکیل	تشکیل	〃	۱۵	رکاویں	رکاوٹیں
۱۱	۱۷	جوسے پہلا باب	جوئے	〃	۱۷	نخستان	نخلستان
۲	۳	لے	نے	۱۴۹	۵	آئرلنڈہ	آئرلینڈ
۵	۷	انگلینڈ	اکلیڈ	۱۵۲	۹	بشرطیلہ	بشرطیکہ
۱۲	۹	ناریبا	نازیبا	〃	۱۱۳	لعنہ	یعنے
۱۷	۷	انگلسیہ	انگشیہ	〃	۲۶	خرو	جزو
۲۰	۴	فتل	قتل	۲۰۶	۹	کاروائی	کارروائی
۲۳	۲۲	راولنپڈی	راولپنڈی	۲۴۶	۲۰	۱۰۰۰۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰
۲۸	۱۳	احرام	احترام	۲۷۴	۲	رے	رائے
۲۹	۴	اقرار	قرار	۳۰۳	۱۶	چولسے داہن	چولی ڈائن
۴۴	۱۷	رڈ	برڈ	۳۰۴	۲	تناثر	متاثر
۴۶	۵ و ۱۰ و ۱۲	پیدوار	پیداوار	۳۵۳	۱۴	مقررہ	مقرر
۵۴	۲۲	یر	پر	۳۵۶	۱۴	بہ	یہ
〃	۲۲	یرتگل	پرتگل	۳۶۰	۳	بارگروں	بارگراں
۸۰	۱	بادھ	باندھ	〃	۱۲	پریسدنسی	پریسیڈنسی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۶۱	۱۰	استمراج	استمزاج	۵۰۹	۲۲	لٹی	گئی
۳۷۳	۱۴	گرگئے	گر گئے	۵۱۲	۱۷	توقیر	توفیر
۵۷۷	۸	کے	کی	۵۲۰	۹	مافذ	نافذ
۴۰۶	۱۸	گورا	گوارا	۵۲۸	۲۱	ایک کاقابل	ایک قابل
۴۳۳	۱۰	رو	رہ	۵۳۰	۱۸	تماتتر	تمامتر
۴۴۴	۲۱	خد	حد	۵۳۱	۲۵	ہدوداراں	عہدہ داران
۴۴۰	۲۵	نچسٹر	منچسٹر	۵۳۲	۳	اس زیادہ	اس سے زیادہ
۴۵۴	۲۱	ستہ	راستہ	"	۷	کیاکیا	کیا گیا
۴۵۷	۸	اعدواو	اعداد	۵۳۶	۴	مسار	شمار
۴۶۵	۶	ایشا	ایشیا	۵۳۸	حاشیہ سطر ۲	پر	بر
۴۷۰	۹و۳	پروشا	پروشیا	۵۴۵	حاشیہ سطر ۱۱	۱۸۵ء	۱۸۷۵ء
۲۷۲	۵	ایشا	ایشیا	۵۴۸	۷	چلہ کیا	حملہ کیا
۲۷۴	۲	سپرس	سائپرس	۵۶۱	۹	سعب	سب
۴۷۶	۱۵	نکلتا	نکلتا	۵۶۲	۲	کماحقہا	کماحقہ
۴۸۲	۹	ادبی	ادبی	"	۴	خنالات	خیالات
۴۹۰	۱۷	گرزشتہ	گذشتہ	"	۱۱	بلایت	ہدایت
۴۹۱	۱۴	ملیڈلے	منڈلے	۵۶۳	۹	ولداوو	دلدادہ
۴۹۷	۱۷	سرجد	سرحد	۵۶۴	۷	اسی	سی
۴۹۹	۷	ناگزیر	ناگزیر	۵۶۹	۱۹	مطایبہ	مطالبہ
"	۸	ملسوں	جلسوں	۵۷۶	۳	وغیرد	وغیرہ
"	۱۰	مھے	تھے	"	۱۲	الملین	ملین
۵۰۲	۱۰	مسپاہیوں	سپاہیوں	۵۹۴	۹	آنکریزوں	انگریزوں
۵۰۳	۱۵	وہ	و	۶۰۳	۶	اسوارٹ	اسٹوارٹ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۹۰۳	۷	محص	محض	۹۶۲	۱۸	راستماز	راستباز
۹۰۶	۵	بھر	پھر	۹۶۳	۲۵	کرناٹاک	کرناٹک
۹۲۹	۱۶	فلطی	غلطی	۹۶۵	۳	گاکٹر	گکّڑ
۹۳۳	۱۴	انہ گئے	نہ گئے	۹۶۶	۴	زخیز	زرخیز
۹۵۹	۱۴	بارگرن	یارگراں	•	•	•	•